خانقاہ قادریہ ایوبیہ کا دینی و علمی ترجمان

سال نامہ **یادگارِ ایوبی** کشی نگر

خصوصی پیش کش

انوارِ امام احمد رضا

امام احمد رضا سیمینار ممبئی کے مقالات کا مجموعہ

حصہ اول

ترتیب و تدوین

نفیس احمد قادری مصباحی

اختر حسین فیضی مصباحی

مدیر

شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی

اہتمام و اشاعت

مجلسِ ایوبی، خانقاہ قادریہ ایوبیہ رضا نگر، پیراکنٹ، کشی نگر، یوپی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
بیادگار
عالم باعمل شیخ طریقت حضرت علامہ شاہ
محمد ایوب شریف القادری رحمۃ اللہ علیہ
بانی جامعہ رضویہ شمس العلوم پپرا کنک، کشی نگر، یوپی
خانقاہ قادریہ ایوبیہ کا دینی و علمی ترجمان
جلد: ۸
حصہ اول
سال نامہ یادگار ایوبی کشی نگر
۲۸/۲۹ ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ / ۵/۶ جنوری ۲۰۱۹ء کو ناگ پاڑہ اور گوونڈی ممبئی
میں منعقد "امام احمد رضا سیمینار" کے مقالات کا مجموعہ
بنام
انوار امام احمد رضا
زیر نگرانی
علامہ محمد احمد مصباحی
ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور
علامہ یٰسین اختر مصباحی
بانی دار القلم دہلی
مفتی نظام الدین رضوی
صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور
بموقع عرس ایوبی
۹/۱۰/ رجب ۱۴۴۰ھ
۱۷/۱۸/ مارچ ۲۰۱۹ء
ترتیب وتدوین
نفیس احمد قادری مصباحی
اختر حسین فیضی مصباحی
مجلس مشاورت
مولانا فروغ احمد مصباحی، دوست پور
مولانا محمد نظام الدین، جمداشاہی
مولانا قاضی امید علی مصباحی، جمداشاہی
مولانا محمد قاسم مصباحی، مبارک پور
مولانا محمد ہارون مصباحی، مبارک پور
تحریک واہتمام
مولانا محمد کونین رضا ایوبی
جناب محمد ثقلین رضا ایوبی
انجینئر محمد حسنین رضا ایوبی
مدیر
شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی
MARKAZ-US-SUNNIYA JAMIA AYYUB
Markaz Sharif, Pipra Kanak, Kushi Nagar
Uttar Pradesh
ناشر
مجلس ایوبی، خانقاہ قادریہ ایوبیہ رضا نگر، پپرا کنک، کشی نگر، یوپی

تفصیلات

○ انوار امام احمد رضا (اول)

ترتیب وتدوین : ● **نفیس احمد قادری مصباحی**، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
● **اختر حسین فیضی مصباحی**، استاذ: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

مدیر : **شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی**، سجادہ نشین خانقاہ قادریہ ایوبیہ، رضانگر (پپراکنک)، کشی نگر

محرِّک : ● محمد کونین رضا قادری ایوبی ● محمد ثقلین رضا قادری ایوبی ● محمد حسنین رضا قادری ایوبی

تصحیح : ● مولانا محمد قاسم ادروی مصباحی ● مولانا محمد ہارون مصباحی ● مولانا محمد اشرف خاں مصباحی ● مولانا محمد ارشاد احمد مصباحی ● مولانا عبد الرحمن مصباحی ● مولانا رئیس اختر مصباحی ● مولانا محمد ذیشان مصباحی (اساتذۂ جامعہ اشرفیہ)
● مولانا محمد اعظم مصباحی ● مولانا فیضان سرور مصباحی ● مولانا محمد داؤد مصباحی ● مولانا محمد قمر رضا مصباحی ● مولانا عبد السلام مصباحی ● مولانا عدیل احمد مصباحی
● مولانا معین الدین مصباحی ● مولانا محمد سفیان مصباحی ● مولانا ریحان رضا مصباحی (طلبہ درجات تخصص جامعہ اشرفیہ)۔

ایصال ثواب : ● مرحوم حاجی احمد حسین، پنپرنگ، جنجپور، پونہ، مہاراشٹر ● مرحوم حاجی زین العابدین، پپراکنک، دھسواں، کشی نگر ● مرحوم حاجی غریب محمد، امرتی، ریوا، ایم پی ● مرحوم محمد نعیم امام علی، شیواجی نگر، گوونڈی، ممبئی ● مرحوم نصر اللہ انصاری، سدواں بانگر بھاٹ، پڈرونہ، کشی نگر ● مرحومہ شیخ بشیر النساء زوجہ حاجی عظمت علی، شیواجی نگر، گوونڈی، ممبئی ● مرحومہ حجّن کرم بی بی پپراکنک، دھسواں، کشی نگر

کمپوزنگ : ● مولانا محمد اسلم مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
● حافظ محمد زاہد اختر مصباحی، جامعہ اشرفیہ مبارک پور

اشاعت بارِ اول : رجب، ۱۴۴۰ھ / مارچ، ۲۰۱۹ء، بموقع: **عرس قادری ایوبی**، خانقاہ قادریہ ایوبیہ، رضانگر، پپراکنک، کشی نگر، یوپی

صفحات : ۵۷۴ تعداد : ۱۱۰۰ قیمت :

ناشر : مجلس ایوبی، خانقاہ قادریہ ایوبیہ، رضانگر، پپراکنک، کُشی نگر، یوپی

مشمولات

حصۂ اول

بابِ اول: ارمغانِ اکابر

بابِ دوم: نقوشِ حیات

بابِ سوم: خدمات اور کارنامے

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ادار یہ

اپنی بات

شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی
سجادہ نشین، خانقاہِ قادریہ ایوبیہ، پپرا کنک، ضلع کشی نگر

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اعلیٰ حضرت، مجددِ دین وملت، امام عشق و محبت، پروانۂ شمعِ رسالت، ماہ تاب قادریت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ العزیز[ولادت: ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء، وفات: ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء] کی ذاتِ بابرکات اہلِ علم و دانش پر مخفی نہیں ہے۔ آپ بیسویں صدی کے ممتاز عالمِ دین، نامور محدث، بے نظیر مفسر، بے مثال فقیہ، قادر الکلام نعت گو، ہندوستان میں سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ کے سچے جانشین ہیں اور سلسلۂ قادریہ کے عظیم داعی اور سب سے بڑے مبلغ ہیں۔

آپ کے علم و فضل کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے مختلف علوم وفنون پر سات سو سے زیادہ کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں فقہ اسلامی کا عظیم انسائیکلوپیڈیا'' العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ'' ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ غرضیکہ اللہ جل شانہ نے آپ کی ذاتِ بابرکات کو علوم وفنون کا گنجینہ بنایا تھا۔ ماہرِ رضویات پروفیسر مسعود احمد نقش بندی مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام احمد رضا کی شان یوں بیان فرماتے ہیں:

''امام احمد رضا بکثرت علوم وفنون کے ماہر تھے، پہلے یہ تعداد پچپن تک شمار کی گئی، اب مزید تحقیق کے بعد بچھتّر ہوگئی ہے، کیونکہ علوم وفنون شاخ در شاخ بکثرت پھیلتے رہتے ہیں، امام احمد رضا کے آثارِ علمیہ میں جتنا غور وخوض کیا جائے گا، یہ تعداد بڑھتی ہی جائے گی۔ امام احمد رضا ایک ایسا بحرِ بے کراں ہیں جہاں سے بے شمار نہریں پھوٹتی ہیں۔ وہ ہر علم و فن میں مہارت رکھتے تھے۔ مگر فقہ میں ان کو جو تبحر اور گہرائی حاصل تھی اس میں وہ اپنی نظیر آپ تھے۔ پروفیسر عبد الفتاح ابو غدہ، پروفیسر کلیۃ الشریعہ، محمد بن سعود یونیورسٹی، ریاض، سعودی عرب نے جب فتاویٰ رضویہ کی پہلی جلد کا ایک عربی فتویٰ مطالعہ فرمایا تو پھڑک اٹھے، اور دل نے کہا یہ اپنے وقت کا زبردست فقیہ ہے۔'' (امام احمد رضا کی فقہی بصیرت جد الممتار کے آئینے میں، ص:۱۵)

موجودہ صدی ۱۴۴۰ھ میں آپ کے وصالِ پُر ملال کے سو سال پورے ہو رہے ہیں، دنیا کے خوش عقیدہ مسلمان اس سال اپنے محسن کا عرسِ صد سالہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ منا رہے ہیں اور ان کی بارگاہِ عظیم میں اپنی عقیدت و محبت کا نذرانہ اپنے اپنے انداز میں پیش کر رہے ہیں۔

ہم غلامانِ امام احمد رضا نے بھی علما اور دانشوروں کے مشورے سے بڑے پیمانے پر جشنِ صد سالہ امام احمد رضا منانے کا عزمِ مصمم کیا اور اس کے لیے رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی دام ظلہ العالی، عمدۃ المحققین خیر الازکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی مد ظلہ النورانی اور سراج الفقہا محققِ مسائلِ جدیدہ حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین دام ظلہ النورانی کی سرپرستی اور ان حضرات کی ہدایت و نگرانی میں اس کی تیاریوں کے تعلق سے پہلی مشاورتی نشست مورخہ ۲۱ر ذی القعدہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۸ر ستمبر ۲۰۱۳ء بروز سنیچر اور دوسری نشست مورخہ ۲۳ر ذی القعدہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۸ر ستمبر ۲۰۱۸ء بروز ہفتہ شارحِ بخاری دار الافتا، جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں منعقد ہوئی، جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ پروگرام عروس البلاد ممبئی کی سرزمین پر منعقد کیا جائے، اور یہ طے ہوا کہ پروگرام دوروزہ ہوگا جس میں دو نشستیں سیمینار کے لیے اور ایک نشست کانفرنس کے لیے مختص ہوگی، عناوین منتخب کیے گیے، شرکا کی فہرست تیار کی گئی، اور مضامین لکھوانے کی ذمہ داری کئی لوگوں سے ہوتے ہوئے جامعہ ایوب نسواں کے مایہ ناز استاذ مولانا داؤد کمال عزیز مصباحی کے ہاتھوں میں آئی، مولانا نے بڑی محنت و جانفشانی سے مندوبین کی بارگاہوں میں گزارش کر کے مقالات لکھوائے، مولیٰ تعالیٰ ان کی خدمات قبول فرما کر جزائے خیر سے نوازے۔

رفتہ رفتہ متعیّنہ تاریخ قریب آتی گئی اور ہم سب کی بے قراریاں بڑھتی ہی گئیں، آخر کار انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور ممبئی عظمی کے گوونڈی میں واقع خانقاہِ قادریہ ایوبیہ، شیواجی نگر میں علما و مشائخ کی آمد شروع ہوگئی اور اس کے حسن و زیبائش میں اضافہ ہوتا گیا اور مورخہ ۲۸ر، ۲۹ر ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ مطابق ۵، ۶ر جنوری ۲۰۱۹ء کو تاریخ ساز امام احمد رضا سیمینار اور کانفرنس پوری آب و تاب کے ساتھ منعقد ہوئی اور نہایت کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی، جس کی تفصیلی رپورٹ اور گراں قدر مقالات، علما و مشائخ کے بیش قیمت تاثرات کا مجموعہ سالنامہ **یادگارِ ایوبی** بنام "**انوارِ امام احمد رضا**" آپ کے ہاتھوں کی زینت ہے۔

اس عظیم الشان تاریخ ساز سیمینار اور کانفرنس میں از اول تا آخر رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی دام ظلہ العالی، بانی و صدر دار القلم نئی دہلی، خیر الازکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی مد ظلہ النورانی ناظمِ تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور، سراج الفقہا محققِ مسائلِ جدیدہ حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین دام ظلہ

النورانی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور، ادیبِ شہیر حضرت علامہ فروغ احمد اعظمی مصباحی شیخ الحدیث مدرسہ مدینۃ العربیہ دوست پور، عالمِ نبیل حضرت مولانا محمد نظام الدین قادری، دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی نے قدم قدم پر ہماری رہنمائی اور دستگیری فرمائی اور مجھ سے ناتواں کو خوب حوصلہ دیا، میں ان حضرات کا تہ دل سے ممنون و شکر گزار ہوں، مولیٰ تعالیٰ ان اساطینِ امت کا سایہ ہم پر تا دیر قائم فرمائے، ان کی شفقتوں اور عنایتوں کا سلسلہ دراز فرمائے۔

میں سراپا سپاس ہوں گلِ گلزارِ اشرفیت معینِ ملت حضرت مولانا سید معین الدین اشرف اشرفی الجیلانی مدظلہ النوارانی، مفکرِ اسلام حضرت علامہ قمر الزماں خاں اعظمی دام ظلہ، مبلغِ اسلام حضرت مولانا شفیق الرحمٰن عزیزی مقیم ہالینڈ، الحاج محمد سعید نوری سربراہ اعلیٰ رضا اکیڈمی ممبئی اور دیگر معززین حضرات کا جنھوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر امام احمد رضا کانفرنس کو زینت بخشی اور اس کے حسن میں مزید اضافہ فرمایا۔

اس خوب صورت اور گراں قدر دستاویز کو الجامعۃ الاشرفیہ کے دو موقّر اور مایۂ ناز استاذ محبانِ گرامی وقار ادیبِ عصر حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی اور حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی صاحبان مد ظلہما العالی نے نہایت جاں فشانی اور عرق ریزی سے مرتب کیا اور اس کی تصحیح و تصویب کا اہتمام کیا ہے، اس کے لیے میں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں اس موقع سے اپنے ان کرم فرماؤں کو بھول جاؤں جن کی انتھک کوششوں سے یہ عظیم الشان کارنامہ انجام پایا اور جو حضرات ہمارے دست و بازو بنے رہے، خصوصیت کے ساتھ ہمارے برادران گرامی ناصر دین وملت حضرت مولانا کونین رضا قادری ایوبی، حضرت انجینئر محمد حسنین رضا قادری ایوبی، جناب محمد ثقلین رضا قادری ایوبی اور ہمارے دوست واحباب بالخصوص مولانا فیض الرحمٰن ایوبی، جامعہ ایوب نسواں پیپراکنک، مفتی محمد رضاء المصطفیٰ برکاتی مصباحی، پڈرونہ، مولانا ثناء المصطفیٰ برکاتی مصباحی، مولانا نورالہدیٰ مصباحی، گورکھپور، مولانا کمال احمد علیمی، جمدا شاہی، مولانا غلام سید علی علیمی، جمدا شاہی، مولانا شمس الدین مصباحی، التفات گنج، مولانا زبیر احمد قادری، جامعہ ایوب پیپراکنک، مولانا عبد السلام ثقافی، پیپراکنک، اور ہمارے برادرانِ طریقت حاجی نیاز احمد صدیقی ایوبی، پونے، جناب عمر فاروق قادری ایوبی، ممبئی، جناب شفیق قادری رضوی ممبئی، جناب امجد علی قادری ایوبی ممبئی، حضرت صوفی غلام مرتضیٰ قادری ممبئی، حضرت صوفی جگر عباس قادری ممبئی، حضرت صوفی شمیم احمد قادری ممبئی، حضرت صوفی محمد یوسف قادری ایوبی ممبئی، جناب غلام نبی قادری ممبئی، جناب عبد المجید قادری ممبئی،

حضرت صوفی انور حسین قادری ممبئی ، حضرت صوفی سید شعیب قادری ایوبی ، انجمن عنایت الاسلام ممبئی ، حضرت صوفی عثمان غنی قادری ممبئی ، حضرت صوفی سلطان قادری ممبئی ، حضرت صوفی اعجاز احمد قادری ممبئی، جناب شکیل احمد قادری ممبئی ، جناب حنیف جمادار ممبئی ، جناب وکیل احمد قادری ممبئی ، جناب جلال احمد قادری ممبئی، جناب ماسٹر عبید احمد قادری ممبئی، جناب فیروز احمد قادری ممبئی، جناب غلام احمد ممبئی، جناب شمیم مستان قادری ممبئی ، جناب عمران انصاری قادری ممبئی ، جناب عرفان قادری ، جناب رضوان احمد قادری، جناب یوسف پٹیل قادری، جناب عبدالوہاب قادری ممبئی، جناب شاکر علی قادری، عرف کنو وغیرہ جن کی محنتیں کار آمد ہوئیں ، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات قبول فرمائے اور انھیں سعادتِ دارین سے مالامال فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلوات اللہ و سلامہ علیہ و علیہم اجمعین۔

آپ کا اپنا

شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی

۱۴؍ جمادی الآخرہ ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۰؍ فروری ۲۰۱۹ء، بدھ

ابتدائیہ

ابتدائیہ

از **علامہ محمد احمد مصباحی**

ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لولیّہ . و الصلاۃ و السلام علی نبیّہ. و علی اٰلہ و صحبہ و جنودہ.

شریف العلما مولانا محمد ایوب شریفؔ القادری مشرقی یوپی کی ایک متحرک وفعال شخصیت کا نام ہے، ان کی سکونت پپرا کنک (PIPRA KANAK) ضلع کشی نگر (یوپی) میں تھی مگر دیوریا، مہراج گنج، گورکھ پور، پورب میں سیوان، گوپال گنج، موتیہاری، چمپارن وغیرہ علاقوں پر ہمیشہ نظر رکھتے تھے، اور وہاں کے دینی و ملی کاموں کے لیے پیش قدمی کی کوشش کرتے تھے، خود اپنے وطن پپرا کنک میں جامعہ رضویہ شمس العلوم کے نام سے ایک دینی تعلیمی ادارہ قائم کیا، جہاں اس دیار کے طلبہ حفظ و قراءت اور درس نظامی کی تعلیم حاصل کرتے، پھر دوسرے بڑے اداروں سے تکمیل کر کے مختلف مقامات پر پہنچ کر دینی و ملی خدمات انجام دیتے، یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

مولانا کو سلسلۂ تیغیہ، قادریہ میں خلافت بھی حاصل تھی، اس لیے سلسلے کی اشاعت میں بھی کوشاں رہتے، اطرافِ کشی نگر کے علاوہ مہاراشٹر وغیرہ میں بھی ان کے مریدین ہیں، وہ ان کی اصلاح و تربیت پر بھی توجہ دیتے، اس لیے ان کے مریدین میں عموماً دین سے محبت، شریعت کی پابندی، علما کی عزت اور تواضع و خاکساری کی صفات پائی جاتی ہیں، تعداد میرے خیال میں بہت زیادہ نہیں، مگر جو بھی ہیں اپنی دین داری کی وجہ سے قابل قدر اور لائق تحسین ہیں۔

۱۴۲۶ھ / ۲۰۰۵ء میں مولانا کا صرف ۵۳؍ سال کی عمر میں وصال ہو گیا، ان کے چار لڑکے ہیں:

محمد کونین رضا، محمد ثقلین رضا، محمد حسنین رضا، محمد سبطین رضا، سبھی کو انھوں نے دین دار، نیک اطوار بنانے کی کوشش کی، جہاں تک ہو سکا علم و عمل سے آراستہ کیا۔ یہ حضرات ان کے مشن کو قائم رکھنے بلکہ آگے بڑھانے میں باہمی تعاون کے ساتھ سرگرم عمل ہیں۔ مولا تعالیٰ انھیں کامیاب و کامراں بنائے اور جملہ آفاتِ روزگار سے محفوظ و مامون رکھے۔

سجادگی چھوٹے صاحب زادے حافظ قاری محمد سبطین رضا کے حصّے میں آئی، یہ لوگ ہر سال اپنے والد گرامی کا عرس کرتے ہیں اور اسے شریعت کے مطابق رکھنے کے ساتھ زیادہ بامقصد، بافیض اور مفید بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ''یادگارِ ایوبی'' کے نام سے ایک سال نامہ بھی شائع کرتے ہیں جو عمدہ دینی علمی مضامین پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس خانقاہ سے کئی کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں، تفصیل جاننے کے لیے یادگارِ ایوبی کے شماروں کی مراجعت کی جاسکتی ہے۔

خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کی علمی دل چسپی کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ اب تک اس کے زیر اہتمام سات آٹھ سیمینار منعقد ہو چکے ہیں جن میں امام اعظم ابو حنیفہ سیمینار اور امام احمد رضا سیمینار بڑے پیمانے پر ممبئی میں منعقد ہوئے، باقی پِپرا کنک، کشی نگر میں عرس ایوبی کے ساتھ عمل میں آئے۔ سنہ وار تفصیل یہ ہے:

نمبر شمار	سیمینار کا عنوان	تاریخ قمری	تاریخ شمسی
①	امام اعظم ابو حنیفہ سیمینار	۷/ ۸/ ۹/ صفر ۱۴۳۴ھ	۲۱/ ۲۲/ ۲۳/ دسمبر ۲۰۱۲ء
②	فیضان برکات سیمینار	۳/ جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ	۱۵/ مارچ ۲۰۱۳ء
③	فیضان خواجہ غریب نواز سیمینار	۳/ جمادی الاولی ۱۴۳۵ھ	۵/ مارچ ۲۰۱۴ء
④	فیضان غوث اعظم سیمینار	۳/ جمادی الاولی ۱۴۳۶ھ	۲۲/ فروری ۲۰۱۵ء
⑤	شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی سیمینار	۳/ جمادی الاولی ۱۴۳۷ھ	۱۲/ فروری ۲۰۱۶ء
⑥	بحر العلوم علامہ عبد العلی فرنگی محلی سیمینار	۳/ جمادی الاولی ۱۴۳۸ھ	یکم/ فروری ۲۰۱۷ء
⑦	شیخ عبد الحق محدّث دہلوی سیمینار	۲۹/ جمادی الآخرہ ۱۴۳۹ھ	۱۸/ مارچ ۲۰۱۸ء
⑧	امام احمد رضا سیمینار (بمناسبت عرس صد سالہ)	۲۸/ ۲۹/ ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ	۵/ ۶/ جنوری ۲۰۱۹ء

امام اعظم سیمینار کے مقالات کا ضخیم مجموعہ ”انوار امام اعظم“ کے نام سے (۸۵۴ صفحات پر مشتمل) ۲۰۱۳ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کے بعد چھ سیمیناروں کے مضامین سال نامہ ”یادگارِ ایوبی“ میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان میں اکثر مضامین بہت قیمتی اور معلومات افزا ہیں۔ سبھی مجموعے اس قابل ہیں کہ شائقین انھیں حاصل کر کے مستفید ہوں۔

امام احمد رضا سیمینار

اس کے انعقاد کا منصوبہ تقریباً چھ سال پہلے بنا۔ خیال یہ ہوا کہ فتاویٰ رضویہ کے علمی وفنّی محاسن پر اب تک کوئی ضخیم مجموعہ باضابطہ تیار نہ ہو سکا جب کہ اس کے بغیر اس کے علمی کمالات کا خاطر خواہ تعارف ممکن نہیں۔ اس کے محاسن سے متعلق پندرہ سولہ عنوانات قائم کیے گئے، ماہرین کا انتخاب ہوا، ہر عنوان کسی مناسب شخصیت کو سپرد کرتے ہوئے درخواست کی گئی کہ فتاویٰ کی جلدیں سامنے رکھ کر اپنے عنوان پر سیر حاصل گفتگو کریں۔ سال دو سال کا وقت اس کے لیے کافی سمجھا گیا، مگر یہ کام اتنا آسان نہ تھا جتنا منصوبہ سازوں نے گمان کیا۔

وجہ یہ ہے کہ ہر عنوان کی تکمیل کے لیے فتاوی کی بارہ جلدوں کا بنظر غائر مطالعہ ضروری تھا، اس کے لیے مناسب وقت ملنا بہت مشکل تھا، کیوں کہ ہر شخصیت کے پاس اپنے یومیہ فرائض و مشاغل ہوتے ہیں، پھر کچھ ہنگامی مصروفیات بھی سامنے آجاتی ہیں جن سے دامن کشی کی صورت نہیں بن پاتی، ان حالات میں ایک اہم علمی موضوع کی سیرابی کے لیے فتاوی رضویہ کی بارہ ضخیم جلدوں پر نظر عمیق برسوں کی مشقت بلکہ کسی قوتِ قدسیہ کی کرامت چاہتی ہے۔

انجام یہ ہوا کہ دو تین سال گزر گئے اور کوئی نتیجہ سامنے نہ آیا۔ اس سے قبل ۱۴۲۷ھ / ۲۰۰۷ء تا ۱۴۳۱ھ / ۲۰۱۰ء کے دوران میں نے جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں اختصاص فی الفقہ کے بعض طلبہ کو ایک ایک جلد اُن (پندرہ سولہ) عنوانات کے ساتھ سپرد کی تھی تاکہ مفوّضہ جلد پر اُن عنوانات کے تحت سو یا زیادہ صفحات پر مشتمل اپنا تحقیقی مقالہ لکھیں، انھوں نے حسب استعداد کوشش کی اور دو سالہ نصاب کی مدت میں اپنے مقالات لکھ کر پیش کیے۔ فجزاهم الله خير الجزاء.

اول الذکر منصوبے میں ناکامی کے بعد **مفتی محمد نظام الدین رضوی**، صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور، **مولانا نفیس احمد مصباحی و مولانا اختر حسین فیضی مصباحی** پھر محب گرامی **مولانا یٰسین اختر مصباحی** کی مشاورت سے یہ طے ہوا کہ اب ہر جلد سے متعلق طلبۂ تحقیق کے لکھے ہوئے انہی مقالات کو نظر ثانی واصلاح کے بعد یکجا شائع کر دیا جائے۔ بحمدہ تعالیٰ صد سالہ عرس رضوی سنہ ۱۴۴۰ھ کے موقع سے یہ کام مکمل ہو گیا، اور تقریباً چودہ سو صفحات پر مشتمل یہ مقالات تین وقیع جلدوں میں المجمع الاسلامی، مبارک پور کے مصارف پر شائع ہو گئے۔ مجموعے کا نام یہ ہے:

"فتاویٰ رضویہ: جہانِ علوم و معارف"

اس کے باوجود خانقاہ قادریہ ایوبیہ نے اپنے اہتمام میں امام احمد رضا سیمینار کے انعقاد کا منصوبہ منسوخ نہ کیا۔ سنہ ۱۴۴۰ھ امام احمد رضا قدس سرہ کے صد سالہ عرس کا سال ہے۔ بہت سی انجمنوں، اداروں، تنظیموں اور افراد نے امام موصوف کی یاد میں اس سال، جشن، کانفرنس، سیمینار اور جلسے منعقد کیے، بہت سی ضخیم اور غیر ضخیم کتابیں شائع ہوئیں، امام احمد رضا اکیڈمی بریلی سے ۲۰/ جلدوں میں جہانِ امام احمد رضا اور بہت سے رسائل وکتب کی اشاعت ہوئی۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے بعض طلبہ نے ایک ضخیم مجموعہ شائع کیا بعنوان "فروغ رضویات میں فرزندانِ اشرفیہ کی خدمات"۔ ماہ ناموں کے عمدہ اور ضخیم نمبر بھی نکلے، اس لیے خانقاہ قادریہ ایوبیہ نے بھی اپنی ذمہ داری محسوس کی اور ممبئی کے علاوہ ۱۷/ ۱۸/ مارچ ۲۰۱۹ء عرس ایوبی کے موقع سے پیرا کنک، کشی نگر میں ہونے والا سیمینار بھی "امام احمد رضا قدس سرہ" سے ہی منسوب رکھا۔

ممبئی کے امام احمد رضا سیمینار کے لیے "فتاویٰ رضویہ: جہانِ علوم و معارف" کے مقررہ عنوانات سے الگ کچھ آسان موضوعات منتخب کیے گئے جو مقالہ نگاروں کے لیے غیر معمولی بار گراں نہ ثابت ہوں اور آٹھ، دس ماہ کے مقررہ وقت میں خاطر خواہ ان کی تکمیل ہو سکے۔

خدا کا شکر ہے کہ اچھے مقالات موصول ہو گئے اور مزید کچھ نگارشات کو شامل کر کے ایک ہزار سے زیادہ صفحات پر مشتمل دو وقیع جلدیں تیار ہو گئیں۔

کئی سال سے "یادگار ایوبی" کی ترتیب اور سیمیناروں کے مضامین کو یکجا کر کے کمپوزنگ، پروف

ریڈنگ وغیرہ مراحل سے گزارنے کا کام **مولانا نفیس احمد مصباحی** اور **مولانا اختر حسین فیضی مصباحی**، استاذان جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سر رہتا ہے، جسے یہ حضرات وقت نکال کر بحسن و خوبی مکمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ مجموعہ "انوارِ امام احمد رضا" بھی ان ہی کی ترتیب سے اشاعت پذیر ہے، پروف ریڈنگ میں معاونین کی تعداد ۱۵ ہے، جن کی فہرست دونوں جلدوں کے دوسرے صفحے پر درج ہے۔ ربّ کریم سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور مزید مہارت و ژرف نگاہی نصیب کرے۔

یہ جلدیں آٹھ ابواب پر مشتمل ہیں، جلد اول میں باب اول تا سوم، جلد دوم میں باب چہارم تا ہشتم ہیں۔ ہر باب کے تحت عنوانات اور اہل قلم کے اسما فہرست میں نمایاں طور پر مذکور ہیں، اس لیے میں یہاں ان کی تفصیل ترک کرتا ہوں۔ غالب گمان یہ ہے کہ فہرست سبھی قارئین ملاحظہ کریں گے اور میری خامہ فرسائی دیکھنے کی زحمت کم ہی لوگ کریں گے۔

لیکن بعض مضامین کی جانب ان کی کسی خصوصیت یا جامعیت کی وجہ سے اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں، مثلاً:

① امام احمد رضا اور فقہی ضوابط کی تدوین از مفتی محمد نظام الدین رضوی دام ظلہ

باب سوم کے تحت ساٹھ (۶۰) صفحات پر مشتمل ہے۔

جہاں تک میری یادداشت کام کر رہی ہے اس عنوان پر اب تک کسی صاحب قلم نے باضابطہ کوئی مضمون نہیں لکھا ہے۔ ان حالات میں یہ مضمون "نقشِ اول" ہے۔ اگرچہ اس میں اضافے کی کافی گنجائش موجود ہے، مگر توقع نہیں کہ کسی جانب سے پیش قدمی ہو، مفتی صاحب خود اس عنوان کے تحت یادداشتیں جمع کرتے رہیں تو امید ہے کہ مستقبل قریب میں ایک جامع اور وقیع کتاب منظر عام پر آسکتی ہے۔ وفقه الله و إيانا لما يحبّ و يرضىٰ.

② فتاویٰ رضویہ میں اصلاح و موعظت کا عنصر از مولانا ساجد علی مصباحی

باب سوم میں سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے۔

عموماً فتاویٰ میں سائلین کو شرعی احکام بتا دیے جاتے ہیں، کبھی تہدید و تاکید کے لیے دو چار سطریں

بھی لکھ دی جاتی ہیں۔ لیکن شعوری طور پر باضابطہ یہ کوشش کہ جو کسی گناہ میں مبتلا ہے وہ فوراً اُس سے تائب ہو کر جادۂ شریعت پر گام زن ہو جائے، اس میں ایسے جذبات برانگیختہ ہوں کہ اس کے دل میں شر سے پوری نفرت اور خیر سے پوری محبت بیدار ہو جائے، ایسا صوفیہ کرام اور اولیاے عظام کے یہاں تو بہت ہوتا ہے مگر مفتیانِ کرام کے یہاں یہ عنصر نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے۔

سیدنا امام احمد رضا قدّس سرّہ مفتی بھی تھے مصلح اور مجدّد بھی، صوفی اور ولی بھی، اس لیے ان کے فتاوی میں ” اصلاح و موعظت کا عنصر“ فراوانی سے نظر آتا ہے۔

میں نے اپنے خطبۂ صدارت میں یہ شکوہ کیا تھا کہ ” آج سے چالیس سال قبل جب برادر گرامی مولانا یٰسین اختر مصباحی کی کتاب ” امام احمد رضا اور ردّ بدعات و منکرات“ پر میں نے ”تقریب“ لکھی تھی تو اس عنوان کے تحت چند شواہد پیش کیے تھے اور امید ظاہر کی تھی کہ کوئی صاحب قلم اس موضوع کو مبسوط انداز میں سیراب کریں گے لیکن اتنے طویل عرصے میں اس پر کوئی قابل ذکر قلمی کاوش نظر نہ آئی۔ میرے چند طلبہ نے اس پر جزوی کوشش کی ہے مگر اس میں ابھی کافی اضافے کی ضرورت ہے۔“

خدا کا شکر ہے کہ مجھے اس شکوے کا جواب اسی سیمینار میں مل گیا اور اپنے ہی عزیز اور جامعہ اشرفیہ کے قابل قدر استاذ کے قلم سے سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل یہ مقالہ دیکھنے کو ملا۔ اس میں اضافے کی گنجائش سے انکار نہیں، مگر کسی عنوان پر سو صفحات تو ہم ان فارغین سے قبول کر لیتے ہیں جو دو سالہ مدت تحقیق میں کسی طرح تیار کر کے لاتے ہیں، یہ تو تعلیمی و خانگی مشاغل کو باقی رکھتے ہوئے غالباً صرف دو تین ماہ کی کاوش قلم ہے۔ ربّ تعالیٰ قبول فرمائے اور مزید دینی و علمی خدمات انجام دلائے۔

(۳) کنز الایمان: تعارف و جائزہ — از مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی

باب سوم میں ایک سو تیرہ (۱۱۳) صفحات پر مشتمل ہے۔

کنز الایمان کے محاسن پر بہت کچھ لکھا گیا، خصوصاً جب سعودی گورنمنٹ نے اس پر پابندی عائد کی، اور اس کے ہندی وظیفہ خواروں نے اپنی نمک حلالی کا ثبوت دینے کی کوشش کی تو ہمارے اہل قلم نے ان کی باطل پروری اور کنز الایمان کی حقانیت کو واشگاف کرتے ہوئے بہت لکھا اور خوب لکھا۔ میں اُس زمانے کی بیش تر نگارشات کا مطالعہ کر چکا ہوں۔ اس کے باوجود زیر تذکرہ مضمون کو کچھ نئے انداز، نئے نکات اور دل

چسپ مباحث پر مشتمل پاکر بڑی خوشی ہوئی۔ اس کی قدر وہی لوگ کر سکتے ہیں جو پرانی تحریروں کے مطالعے سے گزر چکے ہوں۔ مولانا موصوف نے خوش اسلوبی سے سنجیدہ تحقیق کی ہے۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

(۴) امام احمد رضا اور ردّ آریہ — از مولانا خالد ایوب شیرانی مصباحی

باب سوم میں ۵۰ صفحات پر مشتمل اس عنوان کے تحت بالکل نیا مضمون ہے۔

امام احمد رضا قدّس سرّہ نے فرق باطلہ کے علاوہ مذاہب باطلہ کے رد میں بھی بہت کچھ لکھا ہے لیکن وہ ساری تحریریں شائع نہ ہوئیں، اس لیے ان کا تفصیلی تعارف ممکن نہیں۔ ملک العلما علامہ ظفر الدین احمد بہاری علیہ الرحمہ نے ردّ آریہ کے تحت کیفر کفر آریہ اور پردہ درِ امرتسری، دو رسالوں کا ذکر کیا ہے مگر وہ دست یاب نہیں، اس لیے اس عنوان پر باضابطہ کوئی مضمون لکھنا بہت دشوار تھا۔

مگر مولانا خالد ایوب نے فتاویٰ رضویہ کی جلدوں سے تلاش کر کے کچھ مواد نکالا اور اپنے تبصرے اور تفصیل و توضیح کے ساتھ پچاس صفحات پر مشتمل ایک شاندار مضمون تیار کر دیا، یہ ان کی محنت، دیدہ وری اور اپنے موضوع کا حق ادا کرنے سے دل چسپی کی دلیل ہے۔ مولا تعالیٰ ان کے علمی و تحقیقی ذوق میں مزید برکتیں اور ان کی قلمی خدمات میں مزید وسعتیں نصیب فرمائے۔

(۵) فتاوی رضویہ: ایک تعارف — اس عنوان کے تحت باب سوم میں مولانا محمد صادق مصباحی کا مضمون شامل ہے، جس کی خوبی یہ ہے کہ نہایت اختصار کے ساتھ صرف دس صفحات میں فتاویٰ رضویہ کے بہت سے امتیازی محاسن اشارۃً بیان کر دیے ہیں۔ یہ بھی فتاوی رضویہ کا ایک امتیاز ہے کہ صرف اشارات کے لیے دس صفحات صرف ہو گئے۔

(۶) امام احمد رضا اور عقیدۂ ختم نبوت — از مولانا نظام الدین علیمی مصباحی

باب چہارم میں اکتالیس صفحات پر مشتمل ایک جامع مقالہ ہے جس میں موضوع سے متعلق سبھی ضروری مندرجات تفصیل و اختصار کے امتزاج کے ساتھ جمع کر دیے گئے ہیں۔

ان کے علاوہ درج ذیل مقالات بھی اپنی بعض خوبیوں کی وجہ سے پسند آئے۔

(۷) امام احمد رضا اور علوم حدیث (باب پنجم) — از مولانا کمال احمد علیمی

(۸) حدیث اور رجال حدیث میں مہارت (باب پنجم) — از مولانا محمد اختر کمال قادری مصباحی

⑨ اصول فتوی نویسی اور اجلی الاعلام (باب پنجم) از مولانا محمد حنیف خاں رضوی

باب ششم (روابط و تعلقات) میں ایک دو کے علاوہ سبھی مضامین اہم اور عمدہ معلومات پر مشتمل نظر آئے۔

باب اول میں ہمارے وفات یافتہ بزرگوں کی نگارشات ہیں جو ''قند مکرر'' اور تبرک کے طور پر شریک اشاعت ہیں، ان کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مرادف ہوگا۔

باقی مضامین بھی افادیت سے خالی نہیں لیکن طول کلام سے بچنا بھی ضروری ہے، اس لیے مناسب سمجھتا ہوں کہ ''عطار'' سے کچھ سننے کی بجائے خود ''مشک'' کو ہاتھ میں لینے اور دیکھنے سونگھنے کی کوشش کی جائے۔

اس مجموعے کی اشاعت میں فکری، قلمی، بدنی، مالی کسی بھی طور سے شرکت کرنے والے تمام اہل خیر کی خدمات کو ربِّ کریم شرف قبول سے نوازے اور جزائے فراواں مرحمت فرمائے۔ آمین ۔
والصلاة و السلام علی سید المرسلین و علیهم و علیٰ آله و صحبه أجمعین.

محمد احمد مصباحی
ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ
مبارک پور ضلع اعظم گڑھ۔ یوپی

المجمع الاسلامی
۳/ شعبان ۱۴۴۰ھ
۹/ اپریل ۲۰۱۹ء۔ سہ شنبہ

خطبۂ استقبالیہ

بموقع امام احمد رضا سیمینار و کانفرنس

از: شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی، سجادہ نشین خانقاہ قادریہ ایوبیہ، رضانگر پپرا کنک، یوپی، الہند

حضرات مشائخ عظام، علمائے ذوی الاحترام، مندوبین کرام وشرکائے سیمینار

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سب سے پہلے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے، میں آپ سبھی حضرات کا خیر مقدم کرتا ہوں، کہ آپ نے اپنی روزمرہ مصروفیات سے وقت نکال کر ہماری آواز پر لبیک کہتے ہوئے متعیّن عناوین پر گراں قدر مقالے تحریر فرمائے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے یہاں تشریف لائے، اللہ رب العزت، آپ حضرات کو اس کی بہترین جزا عطا فرمائے، آمین۔

محترم حضرات! اسلاف کا ذکر خیر کرنا، ان کی خدمات جلیلہ کو اجاگر کرنا اور ان کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنا، زندہ قوموں کی نشانی ہوتی ہے۔ اسی جذبے کے پیش نظر آج ہم اور آپ سبھی حضرات عروس البلاد ممبئی میں، خانقاہ قادریہ ایوبیہ، رضانگر پپرا کنک، کشی نگر کے زیر اہتمام منعقد اس عظیم الشان اور تاریخ ساز جشن صد سالہ امام احمد رضا سیمینار و کانفرنس میں اپنے عظیم محسن اور مربی کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں

جنھوں نے پوری زندگی خلوص وللّٰہیت کے ساتھ دین متین کی بے لوث خدمت کی، جو ایک غیرت منداور سچے عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے۔

جنھوں نے مسلمانان ہند کے دلوں میں عشق رسالت کی شمع روشن وفروزاں فرمائی۔

جنھوں نے اپنے دور میں سر اٹھانے والے تمام فتنوں کی سرکوبی فرمائی، اور باطل فرقوں کا منہ توڑ جواب دیا۔

جن کو "رئیس الحکماء والمتکلّمین، امام الفقہاوالمحدّثین اور شیخ الاسلام والمسلمین " جیسے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

جنھوں نے اپنے سیال قلم سے مختلف موضوعات پر سات سو سے زائد کتابیں تصنیف فرمائیں۔

جنھوں نے فقہ اسلامی کا عظیم انسائیکلوپیڈیا ”العطایا النبویة في الفتاوی الرضویة“ قوم کو عطا فرمایا۔

آپ کی وہ عبقری شخصیت ہے، جس پر تقریبا دو درجن سے زائد افراد مختلف یونیورسٹیوں سے ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کر چکے ہیں۔

جن کی فقہی بصیرت اور علوم وفنون کی جامعیت کی بنا پر بعض علما نے آپ کو علامہ ابن عابدین شامی پر فوقیت دی۔

جن کے فتوے دیکھ کر مفتی مکہ، یوں پکار اٹھے کہ اگر امام اعظم ان کو دیکھ لیتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔

یعنی شیخ الاسلام والمسلمین، امام الفقہاء والمحدثین، رئیس الحکماء والمتکلّمین، آیۃ من آیات اللہ معجزۃ من معجزات رسول اللہ، اعلی حضرت عظیم البرکت، واقف اسرار شریعت، مجدد دین وملت، پروانۂ شمع رسالت، امام عشق ومحبت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ العزیز (ولادت: ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۶ء- وفات: ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء) کا ذکر جمیل کرنے کے لیے اکٹھا ہیں۔

اس سیمینار میں ان شاء اللہ المولی العزیز، آپ کی زندگی کے متعدّد اور اہم گوشوں پر مقالات پیش کیے جائیں گے، اہم اہم عناوین پر خطابات ہوں گے، اور پھر انھیں کتابی شکل میں پیش کر کے عوام الناس اور اہل فکر ونظر کی ضیافت طبع کا سامان فراہم کیا جائے گا۔

خانقاہ قادریہ ایوبیہ اور اس کے معتقدین، مریدین، متوسلین اور محبین کا یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ وہ اعلی حضرت کی تعلیمات اور ان کے ارشادات وفرمودات کو اپنے لیے حرز جان تصور کرتے ہیں، ان کی تعلیمات کو عام کرنا، ان کا شیوہ رہا ہے۔ خود اس خانقاہ کے روح رواں سیدنا شریف العلماء حضرت علامہ شاہ محمد ایوب شریف القادری علیہ رحمۃ الباری نے اپنی پوری زندگی تعلیمات اعلی حضرت کی نشر واشاعت میں صرف فرمائی، آپ ہمیشہ اپنے مریدین ومتوسلین کو مسلک اعلی حضرت پر چلنے اور اس پر تادم زیست قائم رہنے کی تلقین فرماتے، جہاں کہیں بھی ضرورت پیش آتی جلسے، جلوس اور علمی نشستیں منعقد کر کے باطل اور گمراہ کن جراثیم کا بروقت خاتمہ فرماتے، اسی جذبے کے پیش نظر آپ نے ضلع کشی نگر کی عظیم دینی درس گاہ جامعہ رضویہ شمس العلوم پیرا کنک" (۱۹۷۸ء) کی بنیاد ڈالی، اسے اپنے خون جگر سے سینچا اور

تاحیات اس کی تعمیر و ترقی کے لیے کوشاں رہے، جس ادارے نے بہت حد تک اپنے علاقے کے لوگوں میں علم و دانش کی شمع روشن کی اور لوگوں کے ایمان و عقیدے کی حفاظت کی، اور انھیں تعلیمات اعلی حضرت پر گامزن رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔

حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے لیے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ مشرقی اتر پردیش کے ضلع کشی نگر، دیوریا، اور بہار کے ضلع گوپال گنج اور مغربی چمپارن کے علاقوں میں آج سنیت اور پیغام اعلی حضرت کی جو روشنی پائی جاتی ہے وہ حضرت والد محترم رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی محنتوں اور کاوشوں کا ثمرہ ہے۔

حضرت کے وصال کے بعد ہم سبھی برادران اور ہمارے سارے معتقدین و متوسلین، اُن کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اعلی حضرت اور دیگر اساطین امت کی تعلیمات کی نشر و اشاعت میں مصروف ہیں، اور ان کے بقیہ کام کو آگے بڑھاتے ہوئے اب تک سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ، حضور غوث اعظم سیدنا عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ، حضرت بحر العلوم شاہ عبد العلی فرنگی محلی علیہ الرحمۃ اور اکابر خانوادہ برکات جیسی نابغۂ روزگار شخصیات کی حیات و خدمات پر سیمینار منعقد ہو چکے ہیں، ان سیمیناروں کے مجموعہ مقالات بھی شائع ہو چکے ہیں اور اس زریں سلسلے کو جاری رکھنے میں ہم ان شاء اللہ عزوجل کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے۔

یہ سارے کام بحسن و خوبی انجام نہ پاتے، اگر ہمیں اساطین امت، مشائخ طریقت اور علمائے ملت کی سربراہی اور ان کی رفاقت نصیب نہ ہوتی، بالخصوص رئیس التحریر، مفکر اسلام، صاحب تصانیف کثیرہ حضرت علامہ یسین اختر مصباحی دام ظلہ العالی، بانی و سربراہ: دار القلم نئی دہلی، استاذ العلما، عمدۃ المحققین، خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی مد ظلہ العالی، ناظم تعلیمات: الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اور سراج الفقہا، محقق مسائل جدیدہ، حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مد ظلہ النورانی، صدر المدرسین: جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔ ان حضرات نے قدم قدم پر ہماری رہنمائی فرمائی، مفید اور کار آمد مشوروں سے نوازا اور دست گیری فرمائی، مولی تعالی ان حضرات کا سایہ ہم پر تادیر قائم رکھے اور انھیں سعادت دارین سے شاد کام فرمائے۔

ادیب شہیر حضرت علامہ فروغ احمد اعظمی مصباحی، شیخ الحدیث مدینۃ العربیہ دوست پور، ادیبِ عصر حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی، حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی اور دیگر اساتذۂ اشرفیہ۔ اور

حضرت مولانا محمد نظام الدین قادری علیمی مصباحی، حضرت مولانا کمال احمد علیمی اور دیگر اساتذۂ دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی کا تہِ دل سے ممنون و شکر گزار ہوں کہ ان حضرات نے ہمیشہ ہماری آواز پر لبیک کہتے ہوئے علمی اور اصلاحی کاموں میں خانقاہ کی مدد فرمائی، اللہ جل جلالہ ان کے علم و عمل اور عمر میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر ہم شہزادۂ غوث اعظم، چشم و چراغ خانوادۂ اشرفیہ، پیر طریقت حضرت علامہ مولانا سید معین الدین اشرف اشرفی الجیلانی مد ظلہ العالی کو فراموش کر جائیں، جنھوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس سیمینار و کانفرنس کو زینت بخشی اور اس کے حسن میں اضافہ فرمایا، مولاے کریم انھیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

اب میں اپنی مادر شفیقہ، چچا عالی جناب عبد النبی صاحب قبلہ، اپنے سبھی برادران معظم عالی جناب مولانا محمد کونین رضا قادری ایوبی، عالی جناب ثقلین رضا قادری ایوبی، عالی جناب انجینئر حسنین رضا قادری ایوبی، خانقاہ قادریہ ایوبیہ کے جملہ مریدین، خلفا، متوسلین، محبین اور معاونین کی بارگاہ میں سراپا سپاس ہوں، جن کی انتھک محنتوں، کوششوں اور جہد مسلسل سے یہ پروگرام اس حسین اور خوبصورت انداز میں منعقد ہوا، رب کریم ان کی جملہ مشکلات کو آسان فرمائے اور دارین میں اس کا، انھیں بہترین اجر و صلہ عطا فرما کر سعادت دارین سے شاد کام فرمائے۔ آمین بجاہ سیدالمرسلین ، و صلی اللہ تعالی وسلم علیہ و علی آلہ و صحبہ و علماء ملتہ و فقہاء شریعتہ أجمعین .

از: محمد سبطین رضا قادری ایوبی

سجادہ نشین: خانقاہ قادریہ ایوبیہ پپرا کنک، کشی نگر، یوپی

۲۸؍ ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ، مطابق: ۵ جنوری ۲۰۱۹ء، سنیچر

خطبۂ صدارت

علامہ محمد احمد مصباحی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

بسم اللہ الرحمن الرحیم   حامدا و مصلیا و مسلما

آج ہم **خانقاہ ایوبیہ** بِپِڑا کنک، ضلع کُشی نگر، یوپی کے زیر اہتمام **صد سالہ جشن امام احمد رضا قدس سرہ** (ولادت: ۱۰/ شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴/ جون ۱۸۵۶ء، شنبہ - وصال: ۲۵/ صفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۸/ اکتوبر ۱۹۲۱ء، جمعہ) **منعقدہ** ۲۸/ ۲۹/ ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ مطابق ۵/ ۶/ جنوری ۲۰۱۹ء شنبہ، یک شنبہ بمقام **شہر ممبئی**، مہاراشٹر میں شرکت کے لیے حاضر ہیں۔

مقصد ہے امام احمد رضا قدس سرہ کا ذکر جمیل، ان کے نقوشِ حیات کا تعارف اور ان کی فکری وقلمی خدمات کا تذکرہ۔ ربّ کریم اس مقصد خیر میں کام یابی اور شرف قبول سے نوازے۔

امام احمد رضا کے جلال وجمال کا ایک رخ وہ ہے جو ان کی تصانیف میں جلوہ نما ہے۔ اور دوسرا رخ وہ ہے جو ان کی خانگی وعائلی زندگی میں پنہاں ہے —— دونوں ہی رخ بڑے تاب ناک، بہت بصیرت افروز اور عبرت انگیز ہیں۔

ان کی تصانیف کا معتدبہ اور قابل قدر ذخیرہ آج دنیا کے سامنے ہے اور ایک جہان اس سے فیض یاب ہو رہا ہے۔ دوسرا رخ ہمیں ان کے اہل خاندان اور قریبی خدام سے معلوم ہوتا ہے اور بصیرت وعبرت کے دل کش نقوش ثبت کرتا ہے۔

میں نے ان کی حیات اور نگارشات کا اپنی بساط کے مطابق کسی حد تک مطالعہ کیا ہے اور اپنے بعض مقالات اور درج ذیل دو کتابوں میں بہت کچھ بیان بھی کیا ہے۔

(۱) امام احمد رضا اور تصوف۔ اشاعت اول ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء– المجمع الاسلامی، مبارک پور

(۲) امام احمد رضا کی فقہی بصیرت – جد الممتار کے آئینے میں – اشاعت اول: ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۳ء۔

حال ہی میں ان کے فتاوی کے محاسن اور خصوصیات پر ایک ہزار تین سو بانوے (۱۳۹۲) صفحات پر مشتمل تین جلدوں میں ایک مجموعہ تیار کیا گیا ہے جو ان شاء المولی تعالی اہل علم کی ضیافتِ فکر ونظر کا خوانِ

گراں بہا ہوگا۔ نام یہ ہے:

"فتاوی رضویہ: جہانِ علوم ومعارف"

آج اور کل کے سیمینار میں بھی آپ مختلف عنوانات پر بہت سے قیمتی مقالات سے محظوظ و مسرور ہوں گے، ان شاء المولی الموفّق القدیر.

میں یہاں صرف چند واقعات اور عبارات ذکر کرنا چاہتا ہوں **جن سے میں بہت زیادہ متاثر ہوا** اور امید کرتا ہوں کہ آپ بھی اگر غور کریں گے تو متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔

(۱)

بھائیوں میں جب باپ کی زمین، جائداد کا بٹوارہ ہوتا ہے تو بکثرت باہمی ناراضی اور کدورت کی صورت رونما ہوتی ہے۔ ہر ایک کو وہم ہوتا ہے کہ مجھے حصہ کم ملا یا خراب ملا اور دوسرے کو زیادہ ملا یا اچھا ملا۔ یہ کدورت بڑھتی ہے تو مخاصمت اور مقدمہ بازی کی نوبت آتی ہے، عداوت اور بڑھی تو تلواریں نکل آتی ہیں، گولیاں چلتی ہیں، کُشت و خون کا بازار گرم ہوتا ہے اور رشتۂ اخوت تار تار نظر آتا ہے۔ جب کہ خون کی یگانگت اور رشتے کی قربت کا تقاضا یہ تھا کہ کمی بیشی کو نظر انداز کر کے سب اپنے اپنے حصّوں پر خوش ہوتے، باہمی مودّت و محبت برقرار رکھتے اور فتنہ پردازوں کو اثر انداز ہونے کا موقع نہ دیتے۔

یہ دنیا کا حال ہے، اعلی حضرت کا حال کیا تھا؟ یہ ہمیں ان کے برادر زادے مولانا **حسنین رضا خاں ابن مولانا حسن رضا خاں** علیہما الرحمہ سے معلوم ہوتا ہے۔

اعلی حضرت کے والد ماجد **علامہ نقی علی خاں** علیہ الرحمہ ایک طرف روہیل کھنڈ کے شہرت یافتہ مفتی، بریلی کے سب سے زبردست عالم و متقی اور امام المتکلّمین تھے، دوسری طرف سات گاؤں کے زمیندار، معافی دار اور معزز رؤسائے شہر میں سے ایک تھے۔

ان کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں، چھوٹی صاحب زادی جوانی ہی میں انتقال کر گئیں، بیٹوں کے نام یہ ہیں: سب سے بڑے اعلی حضرت مولانا احمد رضا خاں پھر مولانا حسن رضا خاں پھر مولانا محمد رضا خاں، دو بہنیں جو زندہ تھیں وہ اعلی حضرت سے بڑی تھیں۔

والد ماجد کی زندگی کا ابھی ۵۲ واں سال تھا کہ انھیں اندازہ ہوا کہ اب زیادہ رہنا نہ ہوگا، جائداد تقسیم کر دینی چاہیے تاکہ بعد کو کوئی نزاعی صورت نہ پیدا ہو —— باپ کو اختیار ہے کہ اپنی جائداد اپنے ورثہ میں کم و بیش جیسے چاہے تقسیم کر دے مگر تسویہ بہتر ہے اور اگر اولاد میں کسی کے اندر دینی فضل و شرف زیادہ دیکھے یا

کوئی خاص مصلحت جانے تو تفضیل میں بھی کوئی کراہت نہیں۔

اب تقسیم کا حال مولانا حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ کی زبانی سنیے:

اعلیٰ حضرت قبلہ کے والد ماجد نے اپنے دورانِ علالت علاقے کی تقسیم کا دفعۃً ارادہ کر لیا، اور دو موضعوں کی حقّیت اپنی دونوں بیٹیوں کو دے کر باقی مسلّم موضعات اعلیٰ حضرت قبلہ کو لکھے، اور پچاس پچاس روپے ماہ وار اُن کے دونوں بھائیوں کو ان موضعات کی آمدنی سے دینا لکھے۔

وہ دونوں بھائی مولوی حسن رضا خاں اور مولوی محمد رضا خاں اعلیٰ حضرت قبلہ سے چھوٹے تھے۔ عم مکرم مولوی محمد رضا خاں تو بہت کم عمر تھے، ان دونوں میں اتنی بڑی جائداد کی تقسیم کے معاملے کو سمجھنے کا شعور بھی نہ ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے اس وقت ان دونوں کی وکالت فرمائی۔

مذکورہ بالا مسوّدہ جب ان کے والد ماجد نے ان کی والدہ محترمہ کو دیا کہ وہ امّن میاں (اعلیٰ حضرت قبلہ) کو دکھالیں تو میں اسے رجسٹری کرادوں۔ والدہ صاحبہ نے وہ مسوّدہ اعلیٰ حضرت کو دیا، آپ نے دیکھا، دیکھ کر آب دیدہ ہو گئے، چہرہ تمتمانے لگا، فرمایا کہ اس مسوّدے کی دونوں باتیں مجھے نامنظور ہیں، نہ مجھے اپنے بھائیوں کے حصّوں کی کمی منظور ہے اور نہ میں ان کو اپنا دست نگر بنانا پسند کرتا ہوں۔ میری خوشی یہ ہے کہ برابر کے تین حصّے کر دیے جائیں اور ہر ایک کا حصہ اس کے نام لکھ دیا جائے جس کا ہے۔

اعلیٰ حضرت کی والدہ ماجدہ نے ان کا یہ جواب ان کے پدر بزرگوار کو پہنچا دیا، تو اعلیٰ حضرت کے والد ماجد نے ان کی والدہ محترمہ سے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ اس دنیا میں امّن میاں دین ہی کی خدمت کریں گے اور ان کے یہ دونوں بھائی اور کچھ دنیا کما کر ان پچاس پچاس روپے میں اضافہ کر لیا کریں گے، جو ان کے گزارے کے لیے کافی ہو گا۔

مگر اعلیٰ حضرت قبلہ کسی طرح راضی نہ ہوئے تو والد ماجد نے دوسرا مسوّدہ لکھا۔ اس میں کل کی آدھی جائداد اعلیٰ حضرت قبلہ کو لکھی اور بقیہ آدھی جائداد میں ان دونوں بیٹوں کو برابر کا شریک کر دیا۔

یہ مسوّدہ بھی اعلیٰ حضرت قبلہ کی والدہ ماجدہ کو دیا کہ امّن میاں کو دکھاؤ اور ان سے کہہ

دو کہ اب اس میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی، میں تم کو بحقِ پدری حکم دیتا ہوں کہ تم اسے مان لو تو جلد ہی رجسٹری ہو جائے۔ چناں چہ وہ مسوّدہ رجسٹری ہو گیا۔ اور چند ہی روز کے بعد حضرت مولانا نقی علی خاں والد ماجد اعلی حضرت قدس سرہ نے وفات پائی۔

مگر قصہ اسی پر ختم نہیں ہوتا، آگے کا حال بھی بڑا عبرت انگیز اور سبق آموز ہے، وہ بھی انہی کی زبانی سنیے- فرماتے ہیں:

ان کی وفات کے بعد اعلی حضرت نے اپنی والدہ ماجدہ کو اس بات پر راضی کیا کہ آپ گھر کا نظم اس طرح کریں کہ زیادہ روپیہ پس انداز ہو، اور بچت کے روپے سے دوسری جائداد خرید کر میرے دونوں بھائیوں کی جائداد میری جائداد کے برابر کریں۔

[اس فرمائش کی تکمیل کی جو صورت قدرتی طور پر رونما ہوئی وہ بھی عجیب وغریب ہے۔ مختصر یہ کہ] اس جائداد کے ملحقہ حصے حضرت مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ کے چار بھائیوں کے پاس تھے، ان میں نزاع اور مقدمہ بازی کی صورت پیدا ہوئی، انھوں نے اپنے حصے بیچنا شروع کیے، اِدھر سے خریداری شروع ہوئی، سات آٹھ سال یہی نقشہ رہا، پھر مقدمہ بازی بھی بند ہوئی اور خریداری بھی بند ہو گئی۔

ہمیں تو اعلی حضرت کی ذات پر بڑا فخر ہے کہ انھوں نے میرے باپ اور چچا کو زمیندار بنایا، ورنہ یہ دونوں پچاس پچاس روپے ماہ وار پاتے اور عمر بھر دنیا کی کش مکش میں پڑے رہتے۔

اعلی حضرت قدس سرہ اگر تارک الدنیا ہو کر ساری جائداد بھائیوں کو دے دیتے تو کوئی کمال نہ تھا۔ مگر دنیا میں رہ کر دنیا کو اتنی زبردست ٹھوکر جمانا انھیں کا دل گردہ تھا۔

[یہ اُس وقت ہوا جب اعلی حضرت کی عمر صرف پچیس (۲۵) سال تھی] اس عمر میں ہر آدمی امیدوں، آرزؤں، ارمانوں، امنگوں کی رَو میں بہتا ہے، اس عمر میں اُسے بڑا لالچ ہوتا ہے اور تحصیلِ زر کے سلسلے میں حلال وحرام کا بھی امتیاز نہیں کیا جاتا۔

(سیرت اعلی حضرت۔ از مولانا حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ۔ ص: ۹۷، ۹۸۔ اشاعت کان پور، سنہ ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء)

یہ ہے امام احمد رضا قدس سرہ کی عائلی زندگی جو پیری میں نہیں عنفوانِ شباب میں سامنے آئی، اس

تاب ناک باطن کی خبر باہر والوں کو کیا ہوگی، گھر والوں نے جانا، محفوظ رکھا اور بیان کیا۔

بہت ایسا ہوتا ہے کہ ظاہر بڑا دیدہ زیب ہوتا ہے مگر باطن کا جائزہ لیجیے تو سیاہی پر سیاہی کی پرتیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔ ع خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے

(۲)

اب ایک اور واقعہ ذکر کرنا چاہتا ہوں جو ایک طرف بھائی کی محبت، بے لوث خدمت انتہائی وفاداری اور قدر شناسی کا مظہر ہے تو دوسری طرف اِس بات کی علامت ہے کہ ربّ قدیر و کریم جب کسی بندے کو خاص اپنے کام کے لیے منتخب فرمالیتا ہے تو اس کے لیے پردۂ غیب سے ایسے اسباب واعوان فراہم کر دیتا ہے جو بندے کے وہم و گمان سے باہر ہوتے ہیں۔

اس واقعے کا تعلق بھی گھریلو زندگی سے ہے اور گھر والوں ہی کے بیان سے ہمارے علم میں آتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے برادر اوسط مولانا حسن رضا خاں کے فرزند اوسط مولانا حسنین رضا خاں فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت قبلہ کی دو بیٹیوں کی شادی ہونے والی تھی، دونوں کے نکاح حسبِ دستورِ خاندان پہلے ہی ہو چکے تھے، رخصتی کا جب تقاضا ہوا تو مولانا حسن رضا خاں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ بھائی جان! حاجی احمد اللہ خاں صاحب (سمدھی) کا رخصتی کے لیے تقاضا آیا ہے، وہ آپ سے بیاہ کی تاریخ مانگتے ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ ہم دونوں بیٹیوں کی شادی ایک ساتھ کیوں نہ کر دیں۔

اعلیٰ حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ ایک بیٹی کی شادی کوئی آسان کام نہیں، نہ کہ ایک ساتھ دو کی۔ بیٹی کی شادی میں لوگ بڑے ساز و سامان کرتے ہیں۔ تم نے کچھ ضروری سامان بھی کر لیا ہے یا یوں ہی مجھ سے تاریخ مقرر کرانے آ گئے؟

مولانا حسن رضا خاں نے عرض کیا: سامان کی تیاری سے متعلق گھر میں بھابی جان سے دریافت فرمالیجیے۔

اعلیٰ حضرت نے جا کر اہلیہ محترمہ سے پوچھا کہ بیٹیوں کی شادی کے لیے کیا کیا سامان تیار ہو گیا اور کیا کمی رہ گئی ہے؟

بی بی صاحبہ نے عرض کیا: ہمارے پاس تو مسالے بھی پسے تیار رکھے ہیں۔ دونوں کے جہیز مکمل ہو گئے ہیں۔ برات میں کھانے دانے کا کل سامان مہیا ہو چکا ہے۔ صرف تاریخ کی دیر ہے۔

اعلیٰ حضرت قبلہ نے جب بی بی صاحبہ سے یہ الفاظ سنے تو وفورِ مسرت سے آب دیدہ ہو گئے۔ آکر فرمایا: حسن میاں! تم نے مجھے دنیا سے بالکل بے نیاز کر دیا ہے۔ میری بیٹیوں کی شادیاں ہیں۔ میں ان کا باپ

ہوتے ہوئے بالکل بے خبر اور آزاد بیٹھا ہوں۔ تم نے مجھے یہ سوچنے کی بھی زحمت نہ دی کہ جہیز میں کیا کیا دیا جائے گا؟ اور وہ کہاں کہاں سے فراہم ہوگا؟ یا یہ کہ برات میں کیا کیا کھانے دیے جائیں گے؟

آب دیدہ ہو کر فرمایا کہ حسن میاں! جو کچھ میں دین کی خدمت کر رہا ہوں اس کے اجر میں باذن اللہ حصہ دار تم بھی ہو۔ اس واسطے کہ تمھیں نے مجھے دینی خدمات کے لیے دنیا سے آزاد کر دیا ہے —— اس پر مولانا حسن رضا خاں رو پڑے —— قدرے سکون کے بعد تاریخ بھی مقرر فرمادی۔ (سیرت اعلیٰ حضرت۔ اشاعت مذکور، ص:۵۶، ملخصًا)

یہ ایک واقعہ ہے، لیکن بات یہیں تک محدود نہیں، ایک بھرا پُرا گھر شریفانہ اور رئیسانہ رکھ رکھاؤ کے ساتھ چلانے کے لیے کیا کچھ جتن کرنے پڑتے ہیں یہ ایسے گھر والے خوب جانتے ہیں۔ دوسرا کام زمینداری کا تھا۔ جائداد کی نگرانی، اسامیوں سے معاملت، وصول تحصیل کی دقتیں، تقاضے کے لیے بار بار کا چکر، کسی نے دیا، کسی نے ٹالا، کسی نے کچھ ادا کیا، باقی کے لیے پھنسا کر رکھا، کبھی جائداد کا خطرہ، کبھی رقم ڈوبنے کا اندیشہ، کبھی مقدمہ بازی کی نوبت۔ یہ پریشانیاں کوئی زمیندار ہی بیان کر سکتا ہے جو اُس دور سے گزرا ہو۔ اعلیٰ حضرت اگر زمینداری اور خانہ داری میں مشغول ہوتے تو تصنیف و تالیف، اصلاح وارشاد اور ردّ و افتا کا کام کتنا ہوتا، بہت واضح ہے۔

مولانا حسن رضا خاں علیہ الرحمہ گھر کے چھوٹے چھوٹے معاملات سے لے کر زمینداری کے بڑے بڑے معاملات تک سب اس خوش اسلوبی سے انجام دیتے کہ اعلیٰ حضرت پر کوئی عملی بار کیا آتا، فکری اور ذہنی بار سے بھی بے نیاز تھے۔

حد یہ کہ ”مولانا موصوف ہفتہ عشرہ میں اپنے یہاں سے دو قلم بنا کے لے جاتے اور اعلیٰ حضرت کے قلم دان میں رکھ آتے، اور ان کے گھسے ہوئے قلم خود لے آتے، انھیں اتنی فرصت کہاں کہ لکھنا چھوڑ کر قلم بنائیں، اگر لکھتے لکھتے قلم کی نوک ایک طرف کی گھس جاتی تو دوسری نوک سے لکھنے لگتے، مضمون کی آمد میں خلل نہ آنے دیتے۔

مولانا حسن رضا خاں جب تحصیل، وصول کے لیے گاؤں جاتے تو پہلے اپنی بڑی بھاوج کے گھر آتے، وہ جہاں گھی، تیل، ایندھن اور غلّوں کے وزن وغیرہ معلوم کرتے وہیں چارپائیاں، تخت، چوکی وغیرہ کے متعلق دریافت کرتے کہ گھر میں اگر ان چیزوں کی کمی ہو تو یہ سامان بھی گاؤں سے بن کر غلہ، ایندھن وغیرہ کی گاڑیوں میں آجائے —— ایک بزاز مقرر کر رکھا تھا جو ہر فصل پر فصلی ضرورت کے کپڑوں کے تھان لاتا، وہ کپڑا اپنی بھاوج صاحبہ سے پسند کراتے اور سارے گھر کا کپڑا خرید کر دیتے۔ صرف روزانہ کا ترکاری،

گوشت ایسا تھا جو اعلیٰ حضرت قبلہ کا ڈیوڑھی بان لایا کرتا تھا۔ غرضے کہ انھوں نے جس لگن کے ساتھ علاقہ وجائداد کا کام کیا اسی انہماک سے اعلیٰ حضرت قبلہ کی دیگر خدمات بھی انجام دیں۔

جب ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء میں ان کی وفات ہوگئی تو ان کی جگہ ان کے چھوٹے بھائی **مولوی محمد رضا خاں** آئے اور سارے کام سنبھالے، انھوں نے اپنے انتظام سے اعلیٰ حضرت کے ایک بیٹے اور دو بیٹیوں کی شادیاں کیں اور **مولانا حسن رضا خاں** نے اپنے اہتمام سے اعلیٰ حضرت کے ایک بیٹے اور تین بیٹیوں کی شادیاں کیں، اس طرح کل سات شادیاں ہوئیں، نکاح اعلیٰ حضرت نے پڑھائے۔

ان دونوں بھائیوں نے انھیں دنیا کی چپقلش سے دور رکھا، حالاں کہ ان کی دنیا کافی بڑی تھی۔ قدرت نے اعلیٰ حضرت قبلہ کے ذمہ دین ہی کی خدمت سپرد کی تھی، اس لیے ان کو دنیا سے بالکل بے نیاز کر دیا تھا، ایسا کہ انھیں اس طرف دیکھنے کی بھی ضرورت نہ پڑی۔“

(سیرت اعلیٰ حضرت۔ از مولانا حسنین رضا خاں، داماد و برادر زادۂ اعلیٰ حضرت علیہما الرحمہ۔ ص:۵۵ تا ۵۷۔ ملخصًا۔ اشاعت کان پور سنہ ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء)

میں جائداد کی تقسیم اور انتظامِ خانگی و زمینداری سے متعلق واقعات مزید کوئی تبصرہ کیے بغیر چھوڑتا ہوں، جب آپ ان پر غور کریں گے تو بہت کچھ پائیں گے۔

(۳)

اب آئیے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی زندگی کا وہ رخ دیکھیں جو ایک جہان کے سامنے ہے۔ پچاس سے زیادہ علوم میں ان کی تصانیف جلیلہ ہیں، ان میں وہ علوم بھی ہیں جن سے بہرہ ور لوگ کم سے کم تر ہیں بلکہ بعض فنون میں ان کے علمی رُشحاتِ قلم کی عقدہ کشائی کرنے والے بھی اب ناپید ہوتے جا رہے ہیں یا ہو چکے ہیں۔

مگر میں غامض اور دقیق بحثوں سے ہٹ کر اس اجلاس میں آپ کے سامنے ایک صاف اور واضح بات رکھنا چاہتا ہوں۔

جو لوگ اسالیب کلام کی معرفت رکھتے ہیں انھیں معلوم ہے کہ درسی اُسلوب الگ ہوتا ہے، (اسٹیج کا) تقریری اُسلوب الگ، قلمی انداز الگ ہوتا ہے زبانی انداز الگ، فنی اور علمی طرز تحریر الگ ہوتا ہے ادبی اور صحافتی طرز تحریر الگ، اسی طرح افتا کا اُسلوب الگ ہوتا ہے اور اصلاح و موعظت کا اسلوب الگ۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ امام احمد رضا قدس سرہ کے فتاوی میں افتا کے ساتھ اصلاح و موعظت کا رنگ بھی جھلکتا ہوا نظر آتا ہے اور بعض فتاوی میں اسلوبِ افتا پر اصلاح و موعظت کا اُسلوب غالب نظر آتا ہے، اس لیے

کہ وہ صرف دقیقہ رس مفتی ہی نہ تھے، زبردست مجدّد اور مصلح بھی تھے —— وہ صرف حکم شرعی بتا کر کنارہ کشی نہ چاہتے تھے بلکہ حالات میں انقلاب اور لوگوں کی زندگی میں سُدھار اور نِکھار بھی چاہتے تھے۔

آج سے تقریباً **چالیس (۴۰) سال** قبل جب برادر گرامی **مولانا یسین اختر مصباحی** کی کتاب **"امام احمد رضا اور ردّ بدعات و منکرات"** پر میں نے "تقریب" لکھی تھی تو اس عنوان (فتاوی رضویہ میں اسلوب اصلاح و موعظت) کے تحت چند شواہد پیش کیے تھے اور امید ظاہر کی تھی کہ کوئی صاحب قلم اس موضوع کو مبسوط انداز میں سیراب کریں گے لیکن اتنے طویل عرصے میں اس پر کوئی قابل ذکر قلمی کاوش نظر نہ آئی۔ میرے چند طلبہ نے اس پر جزوی کوشش کی ہے مگر اس میں ابھی کافی اضافے کی ضرورت ہے۔

میں یہاں اس اُسلوب کا صرف ایک نمونہ پیش کرنا چاہتا ہوں جسے دیکھ کر ایسے بہت سے فتاوی تلاش کیے جاسکتے ہیں۔

فتاوی رضویہ، جلد سوم، کتاب الصلاۃ میں ایک سوال یہ ہے کہ ایک شخص ہمیشہ قیلولہ اس طرح کرتا ہے کہ اس کی ظہر کی جماعتِ اُولی ترک ہوجاتی ہے۔ اور عذر اس کا خوفِ فوتِ تہجد ہے۔ جائز ہے یا نہ؟

اب جواب کا انداز اور اصلاح حال کی بھرپور کوشش ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

اس مسئلہ میں جواب حق، وحقِّ جواب یہ ہے کہ عذرِ مذکور فی السوال، سرے سے بے ہودہ وسراپا اِہمال ہے۔ وہ زعم کرتا ہے کہ سنتِ تہجد کا حفظ وپاس، اسے تفویتِ جماعت پر باعث ہوتا ہے۔ اگر تہجد بروجہِ سنت ادا کرتا تو وہ خود فوتِ واجب سے اس کی محافَظت کرتا نہ کہ الٹا فوت کا سبب ہوتا۔

قال الله عزوجل : اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ ؕ. بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔

سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علیکم بقیامِ اللیل فانه دابُ الصالحین قبلکم وقربةٌ إلی الله تعالی ومَنْهَاةٌ عن الاثم وتکفیرٌ للسیّآت ومَطْرَدةٌ للدّاء عن الجسد۔[1]

---

(1) (۱) رواه الترمذي في جامعه. وابن أبي الدنیا فی التهجد. و ابن خزیمة في صحیحه. والحاکم فی المستدرك وصححه. والبیهقي في سننه عن أبي أمامة الباهلي. (۲) وأحمد. والترمذي وحسنه. والحاکم والبیهقي عن بلال. (۳) والطبراني فی الکبیر عن سلمان الفارسي. (٤) وابن السني عن جابر بن عبدالله. (٥) وابن عساکر عن أبی الدرداء رضي الله تعالی عنهم أجمعین. ص: ۳۳۰، فتاوی رضویه، ج: ۳.

تہجد کی ملازمت کرو کہ وہ اگلوں کی عادت ہے اور اللہ عزوجل سے نزدیک کرنے والا اور گناہوں سے روکنے والا اور برائیوں کا کفارہ اور بدن سے بیماری دور کرنے والا۔

توفوتِ جماعت کا الزام تہجد کے سر رکھنا قرآن و حدیث کے خلاف ہے —— اگر میزانِ شرعِ مطہر لے کر اپنے احوال و افعال تولے تو کھل جائے کہ یہ الزام خود اسی کے سر تھا۔

یا ھذا۔ سنت ادا کیا چاہتا ہے تو بروجہ سنت ادا کر —— یہ کیا کہ سنت لیجیے اور واجب فوت کیجیے —— ذرا بگوشِ ہوش سن! اگرچہ حق تلخ گزرے۔ وسوسہ ڈالنے والے نے تجھے یہ جھوٹا بہانہ سکھایا کہ اسے مفتیانِ زمانہ پر پیش کرے —— جس کا خیال ترغیباتِ تہجد کی طرف جائے، تجھے تفویتِ جماعت کی اجازت دے۔ جس کی نظر تاکیداتِ جماعت پر جائے، تجھے ترک تہجد کی مشورت دے کہ "مَنِ ابْتُلِيَ بِبَلِيَّتَيْنِ اخْتَارَ أَهْوَنَهُمَا"۔ بہر حال مفتیوں سے ایک نہ ایک کے ترک کی دستاویز نقد ہے۔ مگر حاشا! خدام فقہ و حدیث، نہ تجھے تفویتِ واجب کا فتویٰ دیں گے نہ عادیِ تہجد کو ترکِ تہجد کی ہدایت کرکے، ارشاد حضور سید الاسیاد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

"یاعبدَاللہ لاتکنْ مِثْلَ فُلَانٍ کَانَ یَقُوْمُ اللَّیْلَ فَتَرَکَ قِیَامَ اللَّیْلِ"[۲]. کا خلاف کریں گے۔

تہجد و جماعت میں تعارض نہیں ان میں کوئی دوسرے کی تفویت کا داعی نہیں —— بلکہ یہ ہوائے نفس شریر و سوءِ طرز تدبیر سے ناشی (پیدا) ہوا۔

❶ یا ھذا۔ اگر تو وقت جماعت جاگتا ہوتا اور بطلب آرام پڑا رہتا ہے۔ جب تو صراحۃً آثم و تارکِ واجب —— اور اس عذر باطل میں مبطل و کاذب ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الْجَفَاءُ كُلُّ الْجَفَاءِ، وَالْكُفْرُ وَالنِّفَاقُ مَنْ سَمِعَ مُنَادِيَ اللهِ يُنَادِي إِلَى الصَّلاةِ فَلا يُجِيبُهُ.

ظلم پورا ظلم۔ اور کفر اور نفاق ہے کہ آدمی اللہ کے منادی کو نماز کی طرف بلاتا سنے اور حاضر نہ ہو۔

❷ اور اگر ایسا نہیں تو اپنی حالت جانچ —— کہ یہ فتنۂ خواب کیوں کر جاگا؟[۳] اور یہ فساد عُجاب کہاں سے پیدا ہوا؟ —— اس کی تدبیر کر۔

(الف) کیا تو قیلولہ ایسے تنگ وقت کرتا ہے کہ وقتِ جماعت نزدیک ہوتا ہے ناچار ہوشیار نہیں ہونے پاتا؟ —— یوں ہے تو اول وقت خواب کر —— اولیاے کرام قدسنا اللہ تعالیٰ

---

(۲) رواه الشيخان عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضی الله تعالی عنهما. فتاوی رضويه.

(۳) اس جملے پر قربان جائیے۔ محمد احمد مصباحی

بأسر ارھم نے قیلولہ کے لیے خالی وقت رکھا ہے جس میں نماز و تلاوت نہیں۔ یعنی ضحوۂ کبریٰ سے نصف النہار تک۔ وہ فرماتے ہیں کہ چاشت وغیرہ سے فارغ ہو کر خواب خوب ہے کہ اس سے تہجد میں مدد ملتی ہے ——— اور ٹھیک دوپہر ہونے سے کچھ پہلے جاگنا چاہیے کہ پیش از زوال وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر وقتِ زوال کہ ابتدائے ظہر ہے ذکر و تلاوت میں مشغول ہو۔ ظاہر ہے کہ جو پیش از زوال بیدار ہولیا اس سے فوت جماعت کے کوئی معنی ہی نہیں۔

(ب) کیا اس وقت سونے میں تجھے کچھ عذر ہے؟ ——— اچھا! ٹھیک دوپہر کو سو ——— مگر نہ اتنا کہ وقت جماعت آجائے ——— ایک ساعت قلیلہ قیلولہ بس ہے۔

اگر طولِ خواب سے خوف کرتا ہے:

① تکیہ نہ رکھ، بچھونا نہ بچھا۔ کہ بے تکیہ و بے بستر سونا بھی مسنون ہے۔

② سوتے وقت دل کو خیالِ جماعت سے خوب متعلق رکھ کہ فکر کی نیند غافل نہیں ہوتی۔

③ کھانا حتی الامکان علی الصباح کھا کہ وقت نوم تک بخاراتِ طعام فرو ہولیں اور طولِ منام کے باعث نہ ہوں۔

④ سب سے بہتر علاج تقلیلِ غذا ہے، سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں:

مَا مَلأَ ابْنُ آدَمَ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنِهِ بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ أُكُلاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ فَإِنْ كَانَ لا مَحَالَةَ فَثُلُثٌ لِطَعَامِهِ وَثُلُثٌ لِشَرَابِهِ وَثُلُثٌ لِنَفَسِهِ.

رواه الترمذی وحسّنه وابن ماجه وابن حبان عن المقدام بن معديكرب رضی الله تعالیٰ عنه.

آدمی نے کوئی برتن پیٹ سے بدتر نہ بھرا۔ آدمی کو بہت ہیں چند لقمے جو اس کی پیٹھ سیدھی رکھیں۔ اور اگر یوں نہ گزرے تو تہائی پیٹ کھانے کے لیے، تہائی پانی، تہائی سانس کے لیے۔

پیٹ بھر کر قیام لیل کا شوق رکھنا، بانجھ سے بچہ مانگنا ہے۔ جو بہت کھائے گا بہت پیے گا، جو بہت پیے گا بہت سوئے گا۔ جو بہت سوئے گا آپ ہی یہ خیرات و برکات کھوئے گا۔

⑤ یوں بھی نہ گزرے تو قیام لیل میں تخفیف کر ——— دو رکعتیں خفیف و تام۔ بعد نماز عشا ذرا سونے کے بعد۔ شب میں کسی وقت پڑھنی۔ اگرچہ آدھی رات سے پہلے۔ ادائے تہجد کو بس ہیں۔ مثلاً نو بجے عشا پڑھ کر سو رہا۔ دس بجے اٹھ کر دو رکعتیں پڑھ لیں۔ تہجد ہو گیا۔

(۶) سوتے وقت اللہ عزوجل سے توفیق جماعت کی دعا —— اور اس پر سچا توکل —— مولی تبارک وتعالی جب تیرا حسنِ نیت وصدقِ عزیمت دیکھے گا ضرور تیری مدد فرمائے گا۔ من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ.

(۷) اپنے اہل خانہ وغیرہم سے کسی معتمد کو متعیّن کرکہ وقت جماعت سے پہلے جگادے کما وکَّلَ رسولُ اللہِ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بلالاً رضی اللہ تعالی عنہ لیلۃ التَّعْریْس.

ان ساتوں تدبیروں کے بعد کسی وقت سوئے ان شاء اللہ تعالی فوت جماعت سے محفوظی ہوگی اور اگر شاید اتفاق سے کسی دن آنکھ نہ بھی کھلی —— اور جگانے والا بھی بھول گیا۔ یا سورہا۔ کما وقع لسیدنا بلال رضی اللہ تعالی عنہ تو یہ اتفاقی عذر مسموع ہوگا۔ اور امید ہے کہ صدق نیت وحسن تدبیر پر ثوابِ جماعت پائے گا۔ و باللہ التوفیق.

(ج) کیا تیری مسجد میں بہت اول وقت جماعت کرتے ہیں کہ دوپہر سے اس تک سونے کا وقفہ نہیں؟ جب تو ساری دقّتوں سے چھوٹ گیا۔ سوکر پڑھی۔ یا پڑھ کر سوئے۔ بات تو ایک ہی ہے۔ جماعت پڑھ ہی کر نہ سوئے کہ خوف فوت اصلاً نہ رہے جیسے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم روز جمعہ کیا کرتے تھے۔

غرض یہ تین صورتیں ہیں: (۱) پیش از زوال سوا ٹھنا۔ (۲) بعد جماعت سونا۔ ان میں کوئی خدشہ ہی نہیں۔ (۳) اور تیسری صورت میں وہ سات تدبیریں ہیں۔

رب عزوجل سے ڈرے۔ اور بصدق عزیمت ان پر عمل کرے۔ پھر دیکھیں کیوں کر تہجد تفویتِ جماعت کا موجب ہوتا ہے۔

بالجملہ نہ ماہ نیم ماہ۔ بلکہ مہر نیم روز کی طرح روشن ہوا کہ عذر مذکور یک سر مدفوع و محض نامسموع، جماعت و تہجد میں اصلاً تعارض نہیں، کہ ایک کا حفظ دوسرے کے ترک کی دستاویز کیجیے۔ اور بوجہِ تعذرِ جمع راہِ ترجیح لیجیے۔ ھذا ھو حق الجواب واللہ الھادی الی سبیل الصواب.

باایں ہمہ اگر بالکل خلاف واقع وبے کار طور پر یہی مان لینا ضروری کہ جماعت و تہجد میں تعارض ہے۔ لہذا ایک ہی کی ادائگی ہوگی دوسرے کو ترک کرنا ہوگا۔ اب ترجیح جماعت کو ہو یا تہجد کو؟ تو جماعت اُولی پر تہجد کی ترجیح محض باطل و مہجور۔

(۱) اگر حسب تصریح عامۂ کتب —— تہجد مستحب —— وحسب اختیار جمہور مشائخ جماعت واجب مانیے —— جب تو ظاہر کہ واجب ومستحب کی کیا برابری؟ —— نہ کہ اس کو اس پر تفضیل وبرتری!

(۲) اور اگر تہجد میں ـــــ اعلی الاقوال کی طرف ترقی ـــــ اور جماعت میں ادنی الاحوال کی جانب تنزل ـــــ کر کے دونوں کو سنت ہی مانیے۔ تاہم تہجد کو جماعت سے کچھ نسبت نہیں۔

جماعت بر تقدیر سنیت بھی تمام سنن حتی کہ سنت فجر سے بھی ـــــ اہم وآکد واعظم ہے۔ ولہٰذا اگر امام کو نماز فجر میں پائے اور سمجھے کہ سنتیں پڑھے گا تو تشہد بھی نہ ملے گا، تو بالا جماع سنتیں ترک کر کے جماعت میں مل جائے۔

اور سنت فجر بالاتفاق بقیہ تمام سنن سے افضل ـــــ پھر مذہب اصح پر سنت قبلیۂ ظہر بقیہ سنن سے آکد ہیں ـــــ اور امام شمس الائمہ حلوانی کے نزدیک سنت فجر کے بعد ـــــ افضل وآکد رکعتینِ مغرب ہیں۔ پھر رکعتینِ ظہر ـــــ پھر رکعتینِ عشا ـــــ پھر قبلیۂ ظہر ـــــ پھر شک نہیں کہ ہمارے ائمۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے نزدیک سب سنن رواتب، تہجد سے اہم وآکد ہیں۔ ولہٰذا ہمارے علما سننِ رواتب کی نسبت فرماتے ہیں: انها لِتَاکُّدِها اَشْبَهَتِ الْفَرِ یْضَةَ ۔(یہ مؤکد ہونے کے باعث فرض کے مشابہ ہیں۔) اور یہی مذہب جمہور و مشرب منصور ہے۔

تو تہجد جماعت کے کمتر از کمتر سے کمتر ـــــ پانچویں درجہ میں واقع ہے ـــــ سب سے آکد جماعت ـــــ پھر سنت فجر ـــــ پھر قبلیۂ ظہر ـــــ پھر باقی رواتب ـــــ پھر تہجد وغیرہ سنن ونوافل۔

اور دوسرے قول پر تو کہیں ساتویں درجے میں جا کر پڑے گا کہ سب سے اقوی جماعت ـــــ پھر سنت فجر ـــــ پھر سنت مغرب ـــــ پھر بعدیۂ ظہر ـــــ پھر بعدیۂ عشا ـــــ پھر قبلیۂ ظہر ـــــ پھر تہجد وغیرہا۔

پس تہجد کو سنت ٹھہرا کر بھی جماعت سے افضل کیا؟ برابر کہنے کی بھی اصلاً کوئی راہ نہیں ـــــ نہ کہ مستحب مان کر۔

اگر کہیے یہاں کلام جماعت اُولی میں ہے کہ سوال میں اس کی تصریح موجود ـــــ اور واجب یا اس اعلی درجہ کی مؤکد "مطلق جماعت" ہے ـــــ نہ خاص جماعت اُولی ـــــ بلکہ وہ صرف افضل واَولی ـــــ اور فضل تہجد اس سے اعظم واعلی ـــــ تو حفظ تہجد کے لیے ترک اُولی جائز وروا۔ اگر چہ افضل اِتیان واَدا۔

أقول: یہ تاصیل وتفریع، سراسر بے اصل واِحداثِ شنیع۔ زنہار زنہار! ہرگز جائز نہیں کہ بے عذر مقبول شرعی ـــــ جماعت ثانیہ کے بھروسے پر جماعت اولی قصداً چھوڑ دیجیے ـــــ اور داعی الٰہی کی اجابت نہ کیجیے۔ جماعت ثانیہ کی تشریع، اس غرض سے ہے کہ احیاناً بعض مسلمین کسی عذر صحیح۔ مثل مدافعتِ اخبثین ـــــ یا حاجت طعام وغیرہا ـــــ کے باعث جماعت اولی سے رہ جائیں، وہ برکت جماعت سے

مطلقاً محرومی نہ پائیں۔ بے اعلان و تداعی (یعنی بے اذان) محراب سے جدا ایک گوشے میں جماعت کرلیں ـــــ نہ کہ اذان ہوتی رہے ـــــ داعیِ الٰہی پکارا کرے ـــــ جماعتِ اولیٰ ہوا کرے ـــــ مزے سے گھر میں بیٹھے باتیں بنائیں ـــــ یا پاؤں پھیلا کر آرام فرمائیں کہ عجلت کیا ہے؟ ہم اور کرلیں گے ـــــ یہ قطعاً یقیناً بدعت سیّئہ شنیعہ ہے۔[۴]

اس فتوے سے واضح ہوتا ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہ کی حیثیت صرف ایک مفتی کی نہ تھی۔ بلکہ ایک مصلح و مجدد کی شان ان کے فتاوی سے بھی عیاں ہے۔ بحیثیت مفتی سوال مذکور کا اتنا جواب کافی تھا کہ

> تہجد و جماعت میں تعارض نہیں ـــــ دونوں کی ادائگی کی تدبیر کرنا چاہیے ـــــ اور اگر بالفرض یہ ممکن نہ ہو تو جماعت ترک کر کے ادائے تہجد کی راہ نہیں۔ یہ ہوسکتا ہے کہ تہجد چھوڑے مگر جماعت سے مفر نہیں۔ اور یہ حکم خاص جماعتِ اُولیٰ کا ہے۔ ثانیہ تو محض ضرورت اور صحیح عذر کے لیے مشروع ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

لیکن اس طرح کے جواب سے سائل کو صرف حکم مسئلہ معلوم ہوسکتا ہے۔ بدعت و منکر کا قلع قمع نہ ہوسکے گا ـــــ کہ تمام وساوس شیطانی اور شہوات نفسانی کارد ہو، آدمی میں نیکی کی ادائگی اور برائی کے چھوڑنے کا جذبۂ بیکراں فروغ پائے۔ اور سبیلِ مستقیم پر گامزن ہوجائے۔

اس لیے جواب میں سیدنا الشیخ عبد القادر الجیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبات کا اندازِ واعظانہ وزاجرانہ اختیار فرمایا۔ اور ساتھ ہی طرز عالمانہ واسلوب محققانہ و مفتیانہ بھی اپنائے رکھا۔ جس کے بعد سائل اگر دل میں ذرا بھی زندگی رکھتا ہو تو یہ فتویٰ اس کے لیے بہترین مرشد و شیخ کا کام دے سکتا ہے۔ بیماریِ دل کا خوب تر علاج ہوسکتا ہے۔ اور چوں کہ ترکِ جماعت کی بیماری صرف ایک شخص کی نہیں بلکہ بلاے عام ہے اس لیے یہ فتویٰ نافعِ خاص وعام ہے۔ وھو الھادی و الموفّق.

(۴)

اب آخر میں امام احمد رضا قدس سرہ سے متعلق ایک رخ اور دکھانا چاہتا ہوں جس سے ان کا تابناک ظاہر و باطن دونوں عیاں ہوتا ہے۔

مجدد دین وملت نے اپنی زندگی کا قیمتی حصہ نئے پرانے فتنوں کے استیصال اور ان سے امت مسلمہ کی حفاظت وصیانت میں صَرف کیا ہے۔ یہ ان کا وہ عظیم مجاہدہ ہے جو پہاڑوں اور صحراؤں میں عُزلت نشینی

---

(۴) ملخصاً فتاوی رضویہ، سوم، ص: ۳۳۰ تا ۳۳۵، طبع اول، سنی دار الاشاعت، مبارک پور۔ ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء۔

اور ریاضت ومشقت سے بڑا درجہ رکھتا ہے۔

امام ابو اسحق اسفرائینی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے جب مبتدعین کی اشاعتِ بدعت دیکھی پہاڑوں پر ان اکابر علما کے پاس گئے جو ترکِ دنیا ومافیہا کر کے مجاہدات میں مصروف تھے۔ ان سے فرمایا: اے سوکھی گھاس کھانے والو! تم یہاں ہو اور امت محمد ﷺ فتنوں میں ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ امام! یہ آپ ہی کا کام ہے، ہم سے نہیں ہو سکتا —— امام وہاں سے واپس آئے اور بدمذہبوں کے رد میں نہریں بہائیں۔ (فیض القدیر للعلامۃ المناوی)

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے لکھا ہے: ایک عالم صاحب کی وفات ہوئی۔ ان کو کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا: آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا: جنت عطا کی گئی، نہ علم کے سبب بلکہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اس نسبت کے سبب جو کتے کو راعی کے ساتھ ہوتی ہے کہ ہر وقت بھونک بھونک کر بھیڑوں کو بھیڑیے سے ہوشیار کرتا رہتا ہے۔ مانیں، نہ مانیں یہ ان کا کام۔

اعلی حضرت فرماتے ہیں: بھونکے جاؤ بس اِس قدر نسبت کافی ہے۔ لاکھ ریاضتیں، لاکھ مجاہدے اِس نسبت پر قربان۔ جس کو یہ نسبت حاصل ہے اُس کو کسی مجاہدے کی ضرورت نہیں۔ اور اِسی میں کیا ریاضت تھوڑی ہے؟ جو شخص عُزلت نشین ہو گیا نہ اس کے قلب کو کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے، نہ اس کی آنکھوں کو، نہ اس کے کانوں کو۔ اُس سے کہیے جس نے اوکھلی میں سر دیا ہے، اور چاروں طرف سے موسَل کی مار پڑ رہی ہے۔ (الملفوظ، ج:۳، ص:۳۸)

اب آپ امام احمد رضا قدس سرہ کے شب وروز کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ انھوں نے کتنا عظیم مجاہدہ کیا ہے؟ پوری زندگی فتنوں کی بیخ کنی اور امت مسلمہ کی حفاظت وصیانت میں بسر کی ہے۔ مذاہب باطلہ اور فِرَقِ ضالّہ کے رد میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، ہر فتنے کے سامنے ہمیشہ سینہ سپر رہے۔ بدعات ومنکرات سے کبھی سمجھوتا نہ کیا، کسی مسلمان کو گناہ میں مبتلا دیکھا تو اپنے واعظانہ وناصحانہ کلام سے اس کو معصیت کی دَلدل سے نکالنے کی سعی بلیغ فرمائی۔ یہی مجدّدِ دین وملّت اور مُصلحِ امت کی شان ہے۔

ان کی یہ سعیِ پیہم بے شمار بندگانِ خدا کے حق میں کارگر ثابت ہوئی، لوگ ضلالت ومعصیت سے محفوظ رہے، بہت سے وہ جو کسی ضلالت یا معصیت میں مبتلا تھے، راہِ راست پر آئے۔ یہ سلسلہ ان کے رُشحاتِ قلم کے ذریعے آج بھی جاری ہے۔ رب کریم کے یہاں اس خدمت کا جو اجر عظیم ہے وہ ہمارے وہم وگمان سے باہر ہے۔

اس پر علماے عرب و عجم خصوصًا اکابر حرمین شریفین کی طرف سے امام اہل سنت کی جو مدح و ثنا ہوئی وہ شاید ہی کسی ہندی عالم کو نصیب ہوئی ہو۔ دوسری طرف اہل باطل کی طرف سے سبّ و شتم اور اِفترا و بہتان کا جو بازار گرم ہوا، اور آج بھی ہے، اس کی بھی مثال نہیں ملتی۔

یہاں پہنچ کر امام احمد رضا کی استقامت اور ہمت و عزیمت قابل دید ہے، نہ اپنی خدمتِ دینی پر غرور ہے، نہ مدحِ اکابر پر عُجب و فخر، نہ اپنے حق میں دشمنوں کی ہرزہ سرائیوں پر غیظ و غضب اور جوشِ انتقام ــــــ یہی وہ مقام ہے جہاں ان کے اخلاص کا سونا تپ کر کُندن نظر آتا ہے اور ان کی اصلاحی و تجدیدی خدمات کا نِرخ بالا سے بالاتر ہو جاتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں:

حمد اس کے وجہِ کریم کو جس نے اپنے بندے کو یہ ہدایت دی، یہ استقامت دی کہ وہ نہ ان اعاظم و اکابر کی اِن عظیم مدحوں پر اِتراتا ہے۔ بلکہ اپنے رب کے حُسنِ نعمت کو دیکھتا ہے کہ پاکی تیرے لیے! کیسا تو نے اِس ناچیز کو اُن عُظَماے عزیز کی آنکھوں میں معزز فرمایا۔

نہ [یہ بندہ] ان دُشنامیوں اور ان کے حامیوں کی گالیوں سے، جو وہ زبانی دیتے اور اخباروں میں چھاپتے ہیں، پریشان ہوتا بلکہ شکر بجالاتا ہے کہ تو نے محض اپنے کرم سے اس ناقابل کو اس قابل کیا کہ یہ تیری عظمت اور تیرے حبیب ﷺ کی عزّت کی حمایت کرے۔ گالیاں کھائے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی سرکار کے پہرہ دینے والے کتّوں میں اُس کا چہرہ لکھا جائے۔

(خلاصہ فوائد فتاوی سنہ ۱۳۲۴ھ طبع چہارم بریلی۔ ص:۴۹۔۵۰ ملخصًا)

انہی کلمات پر میں اپنی بات ختم کرتا ہوں، ربّ کریم ہمیں ان کے نقوش زندگی کو دیکھنے، سمجھنے اور ان کے مطابق عمل کرنے کی توفیقِ جمیل مرحمت فرمائے اور دارین کی سعادتوں سے نوازے۔ آمین یا ربَّ العالمین بجاه حبيبك أكرم الأولين والآخرين، صَلِّ وسلِّم وبارِك عليه وعلى آله وصحبه أجمعين، وعلى من تبعهم بإحسانٍ إلى يوم الدين.

محمد احمد مصباحی

رکن المجمع الاسلامی

و ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ - یوپی

باب اول

ارمغانِ اکابر

نیّرِ جلالِ مجدّدِ اعظم

۱۳۸۶ھ

از: برہان ملت علامہ مفتی محمد برہان الحق رضوی سلامی، جبل پوری علیہ الرحمہ

الحمد لله الذی صلی علی حبیبه محمد وجعل رضاءه رضاه، والصلاة والسلام علی من حمدالله تعالیٰ بحمدلا یحمده سواه، فکل حمد لاحمد وکل صلاة لمحمد فاطلب من الله الأحد الأحمد رضاء محمد، علیه وعلی اٰله و صحبه وابنه الاکرم الغوث الأعظم وعلی کل من ینتمی إلیه صلاة الواحد الصمد.

اعلیٰ حضرة، عظیم البرکة، مجدد المائة الحاضرة، مؤ ید الملة الطاهرة، سنام نور الإیمان، انسان عین الأعیان، الذی لم یکتحل بمثله طرف الأوان، قطب المکان، غوث الزمان،برکة الأعیان، آیة من آیات الرحمٰن، سیدنا و سندنا ومرشدنا و أستاذنا العلامة أحمد رضا خان، رضي الله تعالیٰ عنه، وقدسنا بأسراره، ونفعنا بمیامنه وبرکاته فی کل زمان و مکان کی ذات والا صفات علم وفضل وکمال کا ایسا نور بار آفتاب ہے جس کی ظاہری، صوری بے پایاں علوم کی روشن شعاعیں صراط مستقیم شریعت کے لیے - اور روحانی سلاسل مقدسہ کی باطنی معنوی انوار افروز کرنیں رہروانِ راہ طریقت کے لیے- آج بھی، بظاہر افق حیات دائمی میں پردہ پوش ہوجانے کے باوجود اسی طرح تاباں ودرخشاں اور اہل سنت وجماعت کے لیے ایمان افروز مشعل ہدایت ہیں جس طرح حیات ظاہری میں دنیاے اسلام اور چمن وگل زار سنیت کے لیے باران رحمت تھیں۔

ابوداؤد کی حدیث شریف میں ہے:

إن الله تعالیٰ یبعث لهذه الأمة علی رأس کل مائة سنة من یجددلها دینها.

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر صدی کے شروع میں ایک ایسی ذات کو مبعوث فرمائے گا جو اس امت کے لیے دین کی تجدید فرماتا رہے گا۔

اس حدیث شریف کے مطابق ہر صدی کے شروع میں مجدد تشریف لاتے رہے اور اپنے اپنے زمانے کے ماحول کی مناسبت سے سنت کو بدعت سے،ہدایت کو ضلالت سے علاحدہ وممتاز فرماتے رہے اور

اہل بدعت و ضلالت کے سروں کو کچل کر انھیں ذلیل کیا، مجدد کا یہی منصب ہے، مناوی شریف میں اسی حدیث کے تحت فرمایا:

أي يبين السنة من البدعة و يذل أهلها، یعنی مجدد سنت کو بدعت سے علاحدہ اور آشکارا فرمائے گا اور اہل بدعت کو ذلیل کرے گا۔

مجدد کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ جب لوگ کتاب و سنت پر عمل کو ترک کر رہے ہوں اور سنت مٹتی جا رہی ہو تو سنت کو زندہ رکھنا اور مقتضائے کتاب و سنت پر عمل کے لیے حکم دینا اور کوشش کرنا۔ سراج منیر میں، علقمی سے ہے:

معنى التجديد إحياء ما اندرس من العمل بالكتاب و السنة والأمر بمقتضاهما.

یعنی تجدید دین کا معنی ہے کتاب و سنت پر عمل کو زندہ کرنا جو مٹتا جا رہا ہو اور کتاب و سنت کی منشا کے مطابق حکم جاری کرنا۔

عون الودود میں ہے: قال السيوطي عن سفيان بن عيينة بلغني أنه يخرج بكل مائة سنة بعد موت رسول الله ﷺ رجل من العلماء يقوى الله به الدين.

یعنی امام سیوطی نے سفیان بن عیینہ سے روایت کی کہ مجھے حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد یقیناً ہر سو سال پر علما میں سے ایک ایسا شخص ظاہر ہو گا جس سے اللہ تعالیٰ دین کو قوت دے گا۔

مرقاۃ الصعود میں اپنے وقت کے مجدد علامۂ اجل امام جلال الدین سیوطی سے ہے:

والذي ينبغي أن يكون المبعوث على رأس المائة رجلا مشهورا معروفا مشارا إليه وقد كان قبل كل مائة أيضاً ممن يقوم بأمر الدين، والمراد بالذكر من انقضت المائة وهو حي عالم مشهور مشار إليه.

یعنی اس حدیث شریف سے واضح ہوا کہ ہر صدی کے شروع میں جسے تاج مجددیت سے سرفراز فرمایا جائے ایسا شخص ہونا چاہیے جو علم و فضل و کمال و تقوی و حسنِ سیرت میں مشہور و معروف ہو اور دینی معاملات میں اسی کی طرف اشارہ کیا جاتا ہو اور صدی شروع ہونے سے پہلے بھی اس نے امر دین کو مضبوط رکھا ہو اور اس ذکر سے مراد یہ ہے کہ ختم ہونے والی صدی میں وہ ہونہار مجدد زندہ ہو مشہور عالم ہو اور اس

زمانے کے علما کا مشار الیہ مرجع ہو۔

علوم کے تعدد و تنوع و درجات کے لحاظ سے عون الودود میں امام جلال الدین سیوطی سے ہے:

ذهب بعض العلماء الى أن الأولىٰ أن يحمل الحديث على عمومه فلا يلزم أن يكون المبعوث على راس المائة رجلاً واحداً بل قد يكون واحدا فأكثر فإن انتفاع الامة بالفقهاء وإن عم في أمور الدين فإن انتفاعهم بغيرهم كأولي الأمر وأصحاب الحديث والقرآن والوعاظ وأصحاب الطبقات من الزهاد كثير إذ ينفع كل بفن لا ينفع فيه آخر.

یعنی بعض علما کا خیال یہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ حدیث شریف کو اس کے عموم معنی پر رکھا جائے اس سے یہ لازم نہ ہوگا کہ ہر صدی کے شروع میں بھیجا جانے والا مجدد ایک ہی شخص ہو، بلکہ ایک ہو یا زیادہ؛ کیوں کہ امت مسلمہ کو اگرچہ عام طور پر دین کے معاملات میں فقہاے کرام ہی سے کام پڑتا ہے لیکن امت کے بہت سے مسائل ایسے بھی ہیں جن کا فقہا کے علاوہ دوسرے اکابر سے بھی تعلق ہوتا ہے جیسے اولوالامر صاحبِ حکومت، محدثین، قارئین، واعظین اور مختلف طبقات کے زہاد وغیرہم بکثرت حضرات ہیں کیوں کہ ہر شخص جس فن سے تعلق رکھتا ہے اس فن کے امام ہی سے نفع حاصل کر سکتا ہے دوسرے سے نہیں۔

چودھویں صدی کے مجددِ اعظم:

تصریحات متصدرہ کے مطابق ہر صدی میں مجدد تشریف لائے ہوں گے اور ماحول کے مطابق احیاے سنت و تجدید دین متین بھی فرمائی ہوگی۔

ہمارے مجدد اعظم سیدنا، استاذنا، مرشدنا اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات طیبہ کے لمحات مقدسہ پر نظر ڈالی جائے تو ولادت سراپا سعادت سے وفات حسرت آیات تک ہر لمحہ حدیث شریف اور اس کی شروح و توضیحات کے طابق الحرف بالحرف نظر آئے گا اور بعض واقعات و حالات غیر معمولی نوعیت کے ایسے ملیں گے جنھیں خرق عادات سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

ولادت شریفہ مائۃ ماضیۃ ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ھ میں ہوئی۔ چار سال کا ہونے پر عموماً بچہ کی بسم اللہ شروع کرائی جاتی ہے، لیکن مجددیت عظمیٰ کی پہلی علامت یہ ہے کہ آپ نے چار سال کی عمر میں قرآن کریم ختم فرمالیا۔

چودہ سال کی عمر عام طور پر کھیل کود کی ہوتی ہے تعلیم کی طرف رجحان کم ہوتا ہے، اعلیٰ حضرت نے چودہ سال کی عمر میں تمام علوم و فنون کی تکمیل فرما کر مسند افتا کو زینت بخشی اور والد ماجد کو اس عظیم ذمہ داری

سے سبک دوش فرما دیا، مجددیت عظمی کی دوسری نشانی تھی ۱۲۸۶ھ میں مسند افتا پر جلوہ افروز ہوکر حسب تصریح امام علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ وقد کان قبل کل مائۃ ایضاً یقوم بامر الدین مجددیت کے راس مائۃ سے پہلے ہی امر دین کو سنبھالا اور بڑے بڑے عمر رسیدہ علماے اسلام کے مرجع و مشار الیہ ہوئے۔

ہندوستان کے انقلابی دور میں مجدد اعظم کا جہاد بالقلم:

۱۸۵۷ء کے بعد کا دور بڑا سخت اور انقلابی اور آزمائشی دور تھا ۱۸۷۰ء میں جب آپ نے افتا کی ذمہ داریاں سنبھالیں، اس وقت ہندوستان کی سیاست بہت پیچیدہ تھی، سلطنت مغلیہ کا چراغ گل ہو چکا تھا، طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا، امن مفقود تھا اور مسلمان انگریز کا مشق ستم بنا ہوا تھا، چوں کہ مسلم سلطنت انگریز کے دست برد کا شکار ہوئی تھی مسلمان ہی کے وقار و اقتدار کو انتشار میں تبدیل کرنے کی تدبیریں انگریز کے زیر غور تھیں، انگریز جانتا تھا کہ مسلمان کا مذہب ہی سب کچھ ہے، اس لیے جس طرح بھی ہو اسے مذہب سے بے گانہ بنا کر ہی ہندوستان پر چین سے حکومت کی جاسکتی ہے چناں چہ ایسے لوگوں کو تلاش کیا گیا جو بااثر اور اس مقصد کے لیے موزوں ہوں۔ ہندوستان کا مسلمان، مسلمان تھا، سنی العقیدہ، حنفی المذہب تھا، سنیت پر مضبوطی کے ساتھ متحد تھا، مسلمانوں کے اس اتحاد وارتباط کو پارہ پارہ کرنے کے لیے شاطر انگریز کو ایسے لوگوں کی تلاش میں زیادہ دقت نہیں ہوئی جو بظاہر مقطع مسلمان اور مسلمانوں میں بااثر اور بارسوخ تھے اور جن کے ذریعہ آسانی سے مسلمانوں میں مذہبی تفریق و انتشار کی بنیاد ڈالی جاسکتی تھی، چناں چہ ایک طرف اسماعیل دہلوی نجدی ملحدانہ عقائد و خیالات کی تبلیغ کے لیے اور ان کا گرو سید احمد راے بریلوی زہد و تصوف کے لباس میں مل گئے اور دوسری طرف دہریت و نیچریت کی تبلیغ کے لیے سر سید احمد خاں مل گئے اور بدمذہبیت، وہابیت، دہریت کی ہوا نے ہندوستان کے اندر سنیت کی فضا کو مکدر کرنا شروع کر دیا۔

کتاب و سنت پر عمل تو درکنار ایمان کی اصل الاصول محبت و تعظیم و توقیر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نجدیت و وہابیت کے تیغ و تبر چلائے جانے لگے، اللہ تعالیٰ کی طرف امکان کذب منتسب کیا گیا، ختم نبوت سے انکار ہوا، علم غیب نبوی کو معاذ اللہ بچوں، پاگلوں، جانوروں، چوپایوں کے برابر قرار دیا گیا، یارسول اللہ کہنا شرک، ذکر میلاد مبارک کو کنھیا جنم سے تشبیہ دی گئی، نماز میں سرکار اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک و مسعود یاد اور تصور کو معاذ اللہ اپنے گھر کے گدھے اور گائے کے خیال میں غرق ہو جانے سے بدرجہا بدتر کہا گیا۔ وغیرھا من

الهذ یانات و الکفر یات، العیاذ باللہ تعالیٰ من مثل ھذہ الابلیسیات.

حدیث شریف میں مجدد کا فرض ارشاد ہوا: یجدد لھا دینھا. مناوی نے اس کی شرح کی یبین السنة من البدعة و یذل أھلھا. سراج منیر نے علقمی سے تجدید کا معنی بتایا: إحیاء ما اندرس من العمل بالکتاب والسنة والأمر بمقتضاھما. تو تجدید کا مطلب اور مقصد ظاہر ہے کہ مجدد کی وسیع نظر دیکھ رہی ہو کہ مبتدعین وضالین کی ریشہ دوانیاں دین متین کے کس پہلو کو کرید رہی ہیں اور کس بدعت وضلالت کی ترویج ہو رہی ہے، اور کتاب وسنت کے کن اعمال صالحہ کا اندراس ہو رہا ہے۔

مائۃ حاضرہ کے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی عاقبت بیں وسیع نظر نے دیکھا کہ قرین شیطان نجد کا دہلی سے خروج ہوا اور اس کی ناپاک تحریک مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے قدم بڑھا رہی ہے، سید اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت شان، رفعت مکان اور سرکار کی محبت جو عین ایمان ہے، ایمان کی جان ہے اس سے مسلمانوں کو بے گانہ کیا جارہا ہے اور اس زندقہ والحاد کی تحریک کو انگریز کی سنہری رو پہلی پشت پناہی تقویت پہنچا رہی ہے، سیاسی طوائف الملوکی کے ساتھ مذہبی تفرقہ پردازی بڑھتی جارہی ہے ایمان اور دین کے قزاق مسلمان کے روپ میں اسلام اور مذہب کا نام لے کر وہابیت اور نیچریت کی ایمان سوز تحریک اور مہلکِ مذہب زہر کو پھیلا کر مسلمانوں کو حقیقی اسلام ہی کو ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

مسند افتا پر رونق افروز، تاج افتا سے مزین، علم وفضل وکمال کے معراج شہرت پر نمایاں علماے وقت کا مشارالیہ، فضلاے زبان کا مرجع، صغیر السن مفتی اعظم، قائم بامورالدین علامۂ اجل مولانا احمد رضا خاں رضاے احد اور رضاے احمد کے لیے کمر ہمت باندھ کر تجدید مائۃ حاضرہ کے لیے مائۃ ماضیۃ میں، سنانِ قلم وشمشیرِ لسان کے ساتھ میدان علم میں اعداء دین کو للکارتا ہوا تشریف لے آیا۔

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

ہر فرقۂ فاسد وباطل اور ان کے ہر فقرۂ کاسد وعاطل کا قرآن وحدیث واصول معقول ومنقول سے وہ رد فرمایا اور ایسے ایسے قوی دلائل قاہرہ سے ان کے پرخچے اڑائے کہ اعداے دین کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی اور علماے اہل سنت کے دل باغ باغ ہوگئے اور عوام اہل سنت کے ایمان تازہ ہوگئے، جو کیدِ شیطان سے متاثر ہو رہے تھے راہ راست پر آگئے اور امام علامہ سیوطی کے ارشاد: و قد کان قبل کل مائۃ ایضاً ممن یقوم الدین کے مطابق دین متین اسلام وسنیتِ مکر ماکرین وکید شیاطین سے محفوظ رہا۔

ابھی مائۃ حاضرہ شروع نہیں ہوا مگر مجدد کی شان، پوری آن بان کے ساتھ اپنا سکہ بیٹھا رہی ہے اور

لوہا منوا رہی ہے۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

کمال علم مجدد اعظم:

سراج منیر، شرح جامع الصغیر کے ارشاد کے مطابق ان المجدد إنما هو بغلبة الظن بقرائن أحواله والانتقاع بعلمه یعنی مجدد اپنی مجددیت کا دعویٰ نہیں کرتا بلکہ اس کے قرائن احوال اور اس کے علم سے انتقاع پر غلبۂ ظن سے پہچانا جاتا ہے کہ مجدد وقت ہے۔

یہ غزالیِ وقت، رازیِ زماں، سیوطیِ دوراں، اس صغر سنی میں جامع معارف و حقائق، کاشف معانی و دقائق، واقف معقول و منقول، حاوی فروع و اصول، مرجع العلما، منبع العلوم، قرائن احوال اور انتفاع بعلمه الحال سے بتا رہا ہے کہ مستقبل قریب میں تاج مجددیت سے سرفراز ہوگا:

بالائے سرش ز ہوشمندی می تافت ستارۂ بلندی

روشن پیشانی ظاہر کر رہی ہے کہ یہ مجدد معمولی مجدد نہ ہوگا۔

چناں چہ ۱۲۹۴ھ میں جب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو سید السادات الکرام حضور پر نور حضرت اقدس مولانا مرشدنا حضرت سید آل رسول علیہ الرحمہ نے شرف بیعت کے ساتھ سند خلافت و اجازت علوم دینیہ شرعیہ و سلاسل مقدسہ اور سند حدیث وغیرہا سے سرفراز فرمایا تو حضرت اقدس نے یہ تمغہ امتیازی بھی بخشا کہ اگر خدا مجھ سے سوال کرے گا کہ تو میرے لیے کیا لایا تو میں احمد رضا کو پیش کر دوں گا، یہ حضرت اقدس کی مجدد اعظم کے لیے پیشین گوئی تھی۔

۱۲۹۵ھ میں حرمین طیبین حاضری کا شرف حاصل ہوا اور شافعی مصلیٰ کے امام مولانا شیخ حسین بن صالح جمل اللیل نے جن سے کبھی پہلے تعارف نہ تھا، پہلی ہی ملاقات میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا دست اقدس اپنے دست مبارک میں لے کر چہرۂ مقدس کو دیر تک غور سے دیکھا پھر پیشانی مبارک کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر فرمایا "انی لأجد نور الله من هذا الجبين "یعنی بلاشبہ میں اِس پیشانی سے اللہ کا نور جھلکتا پا رہا ہوں یہ مجددیت عظمیٰ کا نور تھا جو پیشانی مقدس سے جھلکا اور پر نور آنکھوں کو نظر آیا۔

امام شافعیہ ممدوح کے علاوہ اس وقت کے علمائے حرمین طیبین نے ہمارے تیئیس (۲۳) سالہ بحر العلوم کی مقدس پیشانی اور منور چہرہ پر علوم کاملہ فراست صادقہ اور فضل و کمال کی چمکتی شعاعوں میں پڑھ

لیاکہ یہ ہونہار نوجوان شریعت وطریقت وحقیقت ومعرفت کا جامع اور دین متین کا ایک مضبوط ومستحکم ستون ہونے والا ہے اور تمام علوم وفنون کے حقائق ومعارف میں بڑے بڑے عمر رسیدہ علماے اعلام وفضلاے کرام کے زانوے ادب اس کے اقتدار علم اور وقار وحلم کے آگے جھکنے والے ہیں۔

علامہ جمل اللیل موصوف، علامہ اجل سید احمد ابن زینی دحلان مفتی شافعیہ، علامہ محقق مولانا عبدالرحمٰن سراج مفتی حنفیہ وغیرہم علماے مکہ مکرمہ ومدینۂ طیبہ نے ہمارے ہونہار مجدد اعظم کو اسناد حدیث وفقہ وغیرہا اور اجازات متینہ سے مشرف فرمایا، تیرہویں صدی پوری ہو رہی ہے اور علماے عرب وعجم وہند کی نظریں اس نور بار تقدس آثار پیشانی کی طرف لگی ہوئی ہیں استفادۂ علوم ظاہری وصوری ومعنوی کے ساتھ مجددیت عظمٰی کے آثار وقرائن بھی دیکھ رہے ہیں اور ان کے مجلیٰ قلوب شہادت دے رہے ہیں کہ من انقضت المائة و هو حی عالم مشهور مشارٌ الیه کا صحیح مظہر یہی ذات عالی صفات ہونے والی ہے۔

مجدد مائۃ حاضرہ:

تیرہویں صدی کا آفتاب غروب ہوا اور چودہویں کا ہلال خیر ورشد افق مغرب پر نمودار ہوا، جاننے والوں نے ربی و ربك الله سے اس کا خیر مقدم کیا اور دعا مانگی اللهم انا نسئلك خیر هذه السنة اللهم انا نعوذبك من شر هذه السنة.

یکم محرم الحرام ۱۳۰۱ھ کا آفتاب عالم تاب ۱۱ر فروری ۱۸۸۳ء جمعرات کو پوری تابانی کے ساتھ افق مشرق پر چمکا اور ہمارے اعلیٰ حضرت مجدد اعظم نے فرمایا کہ ”اب صدی بدلی ہمیں بھی اپنا رنگ بدلنا چاہیے“ سبحان اللہ کتنا ذو معانی ارشاد ہوا کہ اب تک جو کچھ حقائق معارف ومسائل حل کیے گئے اور معاندین حق اور اہل باطل کے رد وابطال میں جو اقدامات ہوئے وہ ایک مفتی کی حیثیت سے تھے اور اب چودہویں صدی میں جو ہوگا وہ مجدد کی حیثیت سے ہوگا اور علوم قدیمہ وجدیدہ کے ہر شعبہ پر قلم رواں ہوگا، علوم وفنون عقلیہ ونقلیہ کے کسی گوشہ کو تشنہ نہ چھوڑا جائے گا ہر باطل کی مکمل سرکوبی کی جائے گی اور حق کو پوری تابانی کے ساتھ واضح کیا جائے گا، ہر اس سنت کو جس کی جانب سے توجہ ہٹتی جارہی ہے زندہ کیا جائے گا اور ہر اس بدعت کو جو بڑھتی جارہی ہے مٹانے کی کوشش کی جائے گی۔ ہر مفسد، معاند، حق پوش، باطل کوش، بددین، بدمذہب، بدعقیدہ کو جہاد بالقلم سے اس کے کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے اور ناموس رسالت واولیاے کرام کی صیانت وحفاظت کے لیے زندگی کا ہر لمحہ وقف کردیا جائے گا۔

امام علامہ سیوطی نے بعض علما کے حوالہ سے فرمایا: الأولیٰ أن یحمل الحدیث علی عمومه

فلا یلزم أن یکون المبعوث علی راس المائة رجلا بل قد یکون واحدا فاکثر الخ یعنی یہ ضروری نہیں کہ ایک وقت میں ایک ہی مجدد ہو، ہو سکتا ہے کہ ہر علم و فن و طبقہ کے لیے علاحدہ علاحدہ کئی مجدد ہوں۔

مجددِ اعظم:

چودہویں صدی کے ہمارے اعلیٰ حضرت مجدد اعظم علیہ الرحمہ کے علم و عمل و کردار و گفتار کے ہر قرینہ سے ظاہر و ہویدا ہو گیا کہ ایک وقت میں کئی مجدد کبھی ہوئے ہوں گے یا آئندہ کبھی ہوں، مگر چودہویں صدی کا مجدد، مجدد اعظم ہے۔ یہ مجدد اعظم ان تمام علوم و فنون کا جامع اور آئندہ تمام باریک سے باریک مسائل پر حاوی ہے جن کی حاجت اس دور میں اور آئندہ رہے گی، حسب ارشاد قرآن کریم ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ اور وَ اَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ چودہویں صدی کا مجدد اعظم بفضل رب اکرم مظہر اتم ہے اس سرکار اعظم رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت کاملہ کی جسے بشارت عظمیٰ دی گئی و کان فضل الله علیك عظیماً اور جس کی شان عظمت مکان ہے:

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ کے علوم کا احصا اس افقر آستان احقر برہان کے امکان سے بالاتر ہے کچھ علوم کی فہرست پیش کرنے کا شرف حاصل کر لیا جائے۔

قرآن کریم، تفسیر، قراءت، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، اسماء الرجال، جرح و تعدیل، فقہ، اصول فقہ، معقولات، منطق، کلام، ادب، معانی، بیان، بدیع، بلاغت، صرف، نحو، عروض، قوافی، تصوف، سلوک، تواریخ (حالات واقعات) فن تاریخ (اعداد) سیر، مناقب، لغات، ہندسہ، حساب، جبر و مقابلہ، ریاضی، ہیأت، طبعیات، نجوم، جفر، اوفاق، تکسیر، توقیت، لوگارثمات، زیج وغیرہا بعض وہ علوم جن پر یورپ کو امتیاز اور فخر تھا اور یورپ ہی ان علوم کا مرکز سمجھا جاتا تھا اور جو صرف اور صرف انگریزی میں تھے ان پر عبور ایک کرامت تھی۔

چودہویں صدی کے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کب اور کیسے اور کس سے حاصل کیے جب کہ آپ نے صرف اپنے والد ماجد علامۂ زمان، فاضل دوران، حضرت مولانا مفتی شاہ محمد نقی علی خان، علیہ الرحمۃ والرضوان کے سوا کسی کے سامنے زانوے ادب تہ نہیں کیا اور جملہ علوم عقلیہ و

نقلیہ حضرت ممدوح ہی سے حاصل کیے، انگریزی کا کسی سے ایک حرف نہ پڑھا مگر اعلیٰ حضرت ان تمام علوم کے نہ صرف جامع بلکہ بعض علوم کے مصلح بھی تھے۔

یہی کہا جاسکتا ہے کہ حدیث شریف میں اتقوا فراسة المومن فإنه ينظر بنور الله تعالیٰ فرمایا گیا، شان مجددیت عظمیٰ کی ایک نہایت دل کش اور نمایاں مثال ہے کہ علوم عدیدہ وعجیبہ کی یہ جامعیت الہامی طور پر فراست صادقہ کے نور مبین سے عطا فرمائی گئی۔ ذٰلك الفضل من الله. یہ بھی خوارق عادات سے ایک خرق عادت ہے۔

فقہ واحکام شرعیہ وعلوم اسلامیہ میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے بلند پایہ مجدد ہونے کی شہادت آپ کا مجموعہ فتاویٰ ہے جس کا تاریخی نام ”العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ“ ہے جو بڑی تقطیع کی ۱۲؍ جلدوں میں ہے اور ہر جلد میں ایک ہزار صفحات سے زیادہ ہیں۔ یہ فتاویٰ مبارکہ اگرچہ مسائل فقہیہ اور جزئیات فقہیہ کا نہایت مدلل اور مکمل جامع فتاویٰ ہے مگر بے شمار نازک ترضمنی مسائل اور دوسرے علوم وفنون کا ایسا نادر ذخیرہ ہے جو فقہاے متقدمین ومتاخرین کے مبسوط مصنفات میں بڑی سرگردانی اور کاوش کے بعد مل سکیں۔ اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک فتوی علامہ جلیل حضرت مولانا سید اسماعیل صاحب حافظ کتب حرم مکہ مکرمہ نے دیکھا، بے انتہا حیرت واستعجاب ومسرت کے ساتھ حضرت مجدد اعظم علیہ الرحمہ کی خدمت میں تحریر روانہ فرمائی جس میں حمد وصلاۃ کے بعد اعلیٰ حضرت کو مخاطب فرماتے ہیں:

”شيخ الاسلام بلا مدافع و وحيد العصر بلامنازع“.

پھر چند سطور کے بعد فرماتے ہیں: والله أقول، والحق أقول إنه لو رآها أبو حنيفة النعمان لاقرت عينه ولجعل مؤلفها من جملة الاصحاب.

یعنی اور اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور بالکل حق کہتا ہوں کہ بے شک اس فتوے کو اگر امام اعظم ابو حنیفہ نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھتے تو بلا شبہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور یقیناً اس فتوے کے مولف کو امام اعظم اپنے اصحاب (امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم) میں شامل فرماتے، اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ کی مجددیت عظمیٰ کی کیسی بین شہادت ہے۔ الحمد للہ۔

”الاجازات المتینہ“ سے بالاختصار یہ ایک شہادت پیش کی گئی۔ تفصیل کے لیے ندوہ کے ردّ وابطال میں ”فتاوی الحرمین“ اور وہابیہ دیوبندیہ کے ردّ وابطال میں ”حسام الحرمین“ کے مطالعہ سے واضح ہو گا کہ علما وعظما واکابر حرمین طیبین نے کیسے عظیم ورفیع ووقیع کلمات عزیزہ سے مجدد مائۃ

حاضرہ علیہ الرحمۃ کو خطاب فرمایا اور یگانہ زمانہ وحید العصر امام وقت مجدد مائۃ حاضرہ کی مجددیت عظمیٰ پر کیسی زبردست شہادتیں دیں، متعنا اللہ تعالیٰ بفیوضہ وقدسنا باسرارہ ونفعنا ببرکاتہ۔

رسالہ مبارکہ "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ" تو اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ کی ایسی نمایاں زندہ کرامت عظیمہ ہے جس کی مثال صدیوں پہلے سے صدیوں بعد تک نہ ملے گی، جس نے شریف مکہ سے خراج مجددیت عظمیٰ وصول کیا اور نہ صرف علمائے حرمین طیبین بلکہ اُس وقت مکہ مکرمہ میں موجود دنیائے اسلام کے تمام علمائے اعلام نے الدولۃ المکیہ کو سن کر مصنف علیہ الرحمۃ کے وہبی فضل علم وکمال تحقیق پر صدائے تحسین وآفریں بلند کی اور فتوائے مذکور کی تصدیق کو اپنی سعادت عظمیٰ تصور کیا اور نہایت فصیح وبلیغ خطاب کے ساتھ خراج عقیدت ومحبت پیش کرتے ہوئے تقاریظ لکھنے کا شرف حاصل کیا۔ اسی کے ساتھ بیعتوں اجازتوں خلافتوں کا لامتناہی سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک آپ مدینہ طیبہ پہنچ کر سرکار ابد قرار حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار رحمت بار سے زیارت روضہ مقدسہ کے ساتھ روحانی فیوض و برکات کا شرف حاصل کر کے مراجعت فرمانہ ہوئے، حرمین طیبین میں خادم حرمین طیبین شریف مکہ اور دنیائے اسلام کے علمائے اعلام، صوفیانِ کرام، اتقیائے عظام، محققین ذوی الاحترام کی جانب سے یہ اعزاز و احترام اور اظہار عقیدت وانقیاد کا اتنا زبردست اہتمام اس بات کی نہایت واضح وبیّن شہادت ہے کہ اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ صرف ہندوستان کے بلکہ پوری دنیائے اسلام کے مجدد اعظم ہیں۔ متعنا اللہ تعالیٰ والمسلمین بفیوضہ الروحانیۃ وقدسنا بأسرارہ الطاہرۃ ونفعنا بعلومہ الفائضہ وبرکاتہ العالیہ۔

باطل تحریکوں کے خلاف امام احمد رضا کا جہاد

از: علامہ حسنین رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ

علمائے دیوبند کی وہ دین سوز عبارتیں جن پر سارا عرب و عجم چیخ اٹھا تھا، دنیا کے بڑے بڑے علمائے کرام و مفتیان عظام و مشائخ ذوی الاحترام و عوام لرز گئے تھے، ہر درد مند و مخلص تڑپ رہا تھا کہ کسی صورت یہ فتنہ ختم ہو اور ملت اسلامیہ سکون و اطمینان کا سانس لے۔

دین اور ملت اسلامیہ میں فتنہ اور افتراق کی یہ ہولناک آگ ایسی نہ تھی جس پر مجدد اعظم امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ خاموش تماشائی بنے رہتے۔ اسلام کا انتہائی درد، مسلمانوں کی دنیا و آخرت کی تباہی کا خوف اور آپ کے منصب کی ذمہ داری نے آپ کو مضطرو بے چین کر دیا علمائے دیوبند کو دعوت پر دعوت دی بہت سے مطبوعہ و غیر مطبوعہ خطوط لکھے، رجسٹریاں بھیجیں کہ اے اللہ کے بندو! تمھاری ان عبارتوں سے اسلام کی بنیادوں پر ضربیں لگی ہیں، مسلمان سخت مشکلات میں پھنس گیا ہے، دنیا کے ساتھ ان کی آخرت بھی برباد ہو رہی ہے، آؤ ہم تم بیٹھ کر اس معاملہ کو صاف کرلیں اور اس راہ کو اختیار کریں جو اسلام کا عین منشا اور مسلمانوں کے لیے صراط مستقیم ہو۔

مگر افسوس کہ اکابر علمائے دیوبند نے یا تو اس سے اجتناب کیا یا اگر وعدے کیے تو ایفا نہ کر سکے خجالت و شرمندگی دامن گیر رہی۔

علمائے دیوبند کی اس روش کا یہ نتیجہ نکلا کہ اس وقت کے اندیشوں کے مطابق یہ فتنہ آج اپنے عروج پر پہنچ گیا، جس سے نہ صرف مسلمانوں کی دنیا کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے بلکہ ایک بہت بڑی جماعت اور اس کی مختلف شاخوں کی آخرت بھی برباد ہو رہی ہے۔

نقل مفاوضۂ عالیہ امام بریلوی قدس سرہ بنام مولوی اشرف علی تھانوی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم. السلام علی من اتبع الھدی.

فقیر بارگاہ عزیز قدیر عزجلالہ تو مدتوں سے آپ کو دعوت دے رہا ہے۔ اب حسب معاہدہ و قرارداد مرادآباد پھر محرّک ہے کہ آپ سوالات و مواخذات حسام الحرمین کی جواب دہی کو آمادہ ہوں اور آپ جو کچھ کہیں لکھ

کر کہیں اور سنادیں اور وہی دستخطی پرچہ اسی وقت فریقین مقابل کو دیتے جائیں کہ فریقین میں سے کسی کو کہہ کے بدکنے کی گنجائش نہ رہے، معاہدہ میں ۲۷/ صفر مناظرہ کے لیے مقرر ہوئی ہے، آج پندرہ کو اس کی خبر مجھ کو ملی، گیارہ روز کی مہلت کافی ہے۔ وہاں بات ہی کتنی ہے؟ اسی قدر کہ یہ کلمات شان اقدس حضور پر نور سید عالم ﷺ میں توہین ہیں یا نہیں؟

یہ بعونہ تعالیٰ دو منٹ میں اہل ایمان پر ظاہر ہو سکتا ہے۔ لہٰذا فقیر اس عظیم ذوالعرش کی قدرت و رحمت پر توکل کر کے یہی ۲۷/ صفر روز جاں افروز دوشنبہ اس کے لیے مقرر کرتا ہے، آپ فوراً قبول کی تحریر اپنی مہری و دستخطی روانہ کریں اور ۲۷/ صفر کی صبح مرادآباد میں ہوں . . . اور آپ بالذات اس امر اہم و اعظم دین کو طے کر لیں، اپنے دل کی آپ جیسی بتا سکیں گے وکیل کیا بتائے گا؟ عاقل بالغ مستطیع غیر مخدرہ کی توکیل کیوں منظور ہو؟ معہذا یہ معاملہ کفر و اسلام کا ہے، کفر و اسلام میں وکالت کیسی؟

اگر آپ خود کسی طرح سامنے نہ آسکیے اور وکیل ہی کا سہارا ڈھونڈیے تو یہی لکھ دیجیے، اتنا تو حسب معاہدہ آپ کو لکھنا ہی ہو گا کہ وہ آپ کا وکیل مطلق ہے اس کا تمام ساختہ پرداختہ، قبول، سکوت، نکول، عدول سب آپ کا ہے۔ اور اس قدر اور بھی ضرور لکھنا ہو گا کہ اگر بعون العزیز المقتدر عزّ جلالہ آپ کا وکیل مغلوب یا معترف یا ساکت یا فار ہوا تو کفر سے توبہ علی الاعلان آپ کو کرنی اور چھاپنی ہو گی کہ توبہ میں وکالت ناممکن ہے اور اعلانیہ کی توبہ اعلانیہ لازم۔

میں عرض کرتا ہوں کہ آخر بار آپ ہی کے سر رہتا ہے کہ توبہ کرنی ہوئی تو آپ ہی پوچھے جائیں گے پھر آپ خود ہی اِس دفع اختلاف کی ہمت کیوں نہ کریں، کیا محمد رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرنے کو آپ تھے اور بات بنانے دوسرا آئے۔ لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم.

آپ برسوں سے ساکت اور آپ کے حواری رفع خجالت کی سعی بے حاصل کرتے ہیں ہر بار ایک ہی جواب کے ہوتے ہیں، آخر تابہ کے؟ یہ اخیر دعوت ہے اس پر بھی آپ سامنے نہ آئے تو الحمد للہ میں فرض ہدایت ادا کر چکا، آئندہ کسی غوغا پر التفات نہ ہو گا۔ منوا دینا میرا کام نہیں، اللہ عزوجل کی قدرت میں ہے وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ و صلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد و آلہ و صحبہ أجمعین و الحمد للہ رب العالمین.

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ   مہر

۱۵/ صفر المظفر روز چہار شنبہ ۱۳۲۹ھ

علی صاحبها وآله أفضل الصلاة والتحية آمين.

مآل یہی ہوا کہ اکابر دیوبند گھبراتے رہے، خجالت و شرمندگی نبھاتے رہے، رجوع واتحاد کی راہوں سے گریز کیا اور ایک بہت بڑا فتنہ باقی رہ گیا۔

تحریک ندوہ پر ایک تاریخی سفر:

ندوہ کی وہ تحریک جس میں ہر مکتب خیال کے فرد کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا تھا، دین و مذہب سے چھیڑ چھاڑ کیے بغیر کسی سیاسی منشا کے لیے یہ تحریک نہ تھی جس کا تسلیم کرنا بھی مسلمان کے لیے روا نہ تھا بلکہ ایسے نئے دین کی بنیاد ڈالی جا رہی تھی جس کے لیے اسلام کی بنیادوں کو اکھیڑ کر پاش پاش کیا گیا، اپنی اور اپنے مذہب کی آن باقی رکھنے کے لیے دین مصطفیٰ ﷺ کو قربان کر دیا گیا تھا۔

ندوہ کی ہولناکی کا اندازہ:

ندوہ کے حوصلے اسلام کو محو کر دینے کے لیے کس قدر بڑھے ہوئے تھے، اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ لکھنؤ میں ندوۃ العلماء کے ایک بہت بڑے جلسے میں بر سر عام ابراہیم آری نے تمام ضروریات دین و اسلام کو بالائے طاق رکھ کر صرف لاالہ الا اللہ کہہ دینے کو اسلام کے لیے کافی اور نجات آخرت کا سبب قرار دیا اور ندوہ تحریک کے ذمہ دار لوگ تحسین پیش کرتے رہے، ہاں یہ ضرور ہوا کہ اس تحریک میں بھول سے شریک ہو جانے والے مسلمان جیسے مولوی عبدالوہاب صاحب لکھنوی وغیرہ یہ کہتے ہوئے جلسے سے اٹھ گئے کہ "یہاں تو رسالت بھی تشریف لے گئی"۔

غور فرمائیے وہ فتنہ زا تحریک جہاں اور اصول دین و فرائض تو کیا رسالت بھی باقی نہ رہے مسلمانوں کے لیے کتنی خطرناک تھی، اسلام کے ذمہ دار علما اسے کس طرح برداشت کر سکتے تھے۔

چناں چہ مجدد اعظم امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ نے اپنے قلم کی فولادی قوت سے ندوۃ العلماء کی بنیادوں اور در و دیوار کو اکھیڑ کر رکھ دیا، دوسری طرف مولانا عبدالقادر بدایونی نے بھی وہ ضربیں لگائیں کہ ندوہ کی اسلام کش تحریک موت کے گھاٹ اترنے لگی۔

سرزمین بریلی پر ندوہ تحریک:

ندوہ نے اپنے نئے دین کو ہندوستان میں پھیلانے کے لیے دوروں کا بہت بڑا پروگرام بنایا تو بریلی

سے ابتدا کرنے کی اس لیے سوجھی کی امام بریلوی قدس سرہ نے اس کے خلاف مضبوط قدم اٹھایا تھا، کم از کم خاموشی سے ہی یہاں جلسے ہو جاتے تو پورے ہندوستان کو فریب دینے کا موقع ہاتھ آجاتا۔

تحریک ندوہ کے سرگرم کارکن بریلی میں جمع ہوئے جن میں بھول سے شریک ہو جانے والے چند سنی علما بھی تھے، مثلاً: مولانا احمد حسن صاحب کان پوری اور ان کے استاذ محترم مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی، جنھیں جگت استاد کہا جاتا تھا، آپ کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا۔

امام بریلوی کی ہدایت:

حضرت امام بریلوی قدس سرہ کو جوں ہی ان حالات کی اطلاع ملی آپ نے ندوہ کے ذمہ داروں کو ان کی کھلی ہوئی غلطیوں پر تنبیہ کی، تحریری و زبانی طریقوں سے اصحاب ندوہ کو بحث و تحقیق کی دعوت دی تاکہ اسلام کی حقانیت اور ندوہ کے نئے دین کا بطلان واضح ہو جائے مگر وہ ندوہ جو اپنی کم زوریوں اور فتنوں کو خوب جانتا تھا کب بحث و تمحیص اور حق قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا۔

علماے اسلام کی ندوہ سے کنارہ کشی:

ہاں یہ ضرور ہوا کہ مجدد اعظم امام بریلوی قدس سرہ کی ایک مختصر مگر ہدایت انگیز تحریر نے حضرت مولانا احمد حسن صاحب کان پوری کو بے قرار کر دیا، آپ نے امام بریلوی قدس سرہ کی ہدایت پاتے ہی خادم کو بستر باندھنے کا حکم دیا، یہ خبر ساری ندوہ تحریک میں پھیل گئی، جب آپ کے استاذ مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے اپنے شاگرد مولانا احمد حسن صاحب کان پوری کو بلوایا اور سبب دریافت کیا، مولانا احمد حسن صاحب نے امام بریلوی قدس سرہ کا وہ رقعہ پیش کر دیا، استاذ موصوف نے باآں شان استادی و وسعتِ حلقۂ تلامذہ یہ خیال بھی نہ فرمایا کہ ہدایت کی ابتدا میرے ایک شاگرد کی طرف سے ہو رہی ہے فوراً حق کو قبول فرما لیا۔ یہ دونوں حضرات اور ان کے بہت سے ساتھی ندوۃ العلماء سے متنفر ہو کر الگ ہو گئے، مولانا لطف اللہ صاحب تو پہلی گاڑی سے سیدھے علی گڑھ روانہ ہو گئے اور مولانا احمد حسن صاحب کان پوری امام بریلوی قدس سرہ کی عیادت کو تشریف لائے۔ اس طرح بہت سے علماے اسلام جو ندوہ کے نئے دین کے فتنوں پر مطلع ہوتے گئے ندوہ سے الگ ہو گئے۔

ندوہ کا دوسرا اجلاس:

ندوہ کے بریلی اجلاس کی جو درگت ہوئی اس نے ندوہ تحریک اور اصحاب ندوہ پر اثر تو ضرور ڈالا مگر

ذمہ داران ندوہ شاید یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ مقامی اثرات کے نتائج ہیں، پٹنہ (بہار) کے دوسرے اجلاس میں اپنے حوصلہ نکالنے کا تہیہ کیے ہوئے روانہ ہو گئے۔

امام بریلوی کا سفر:

امام بریلوی قدس سرہ جو ہر نشیب و فراز کو خوب جانتے تھے نیز آپ کی دینی منشا ندوہ تحریک کے سلسلہ میں بریلی اجلاس کے وقت پوری نہ ہوئی، ندوۃ العلماء کا پٹنہ اجلاس کچھ اور ہی غمازی کر رہا تھا، پٹنہ سفر کا عزم فرمالیا، آپ کے ساتھ کئی علمائے کرام اور دوسرے حضرات ہم سفر ہو گئے، جن میں مولانا عبد القادر بدایونی، مولانا سید اسماعیل حسن مارہروی، مولانا عبد السلام جبل پوری قابل ذکر ہیں، امام بریلوی قدس سرہ کا یہ پورا قافلہ بھی پٹنہ پہنچ گیا اور مولوی قاضی عبد الوحید صاحب رئیس اعظم پٹنہ کے یہاں قیام فرمایا۔

پٹنہ پہنچ کر ندوہ کے ذمہ دار لوگوں کو زبانی اور تحریری دعوتیں دی گئیں، کئی اجلاس منعقد کر کے ندوہ تحریک کے بدترین نتائج اور عظیم دینی نقصانات کو واضح کیا گیا اور انھیں نئے دین کی تجویز و اشاعت پر تنبیہ کی گئی۔

ذمہ داران ندوہ بجائے اس کے کہ دین اور ملت اسلامیہ کے تحفظ کی خاطر اس معاملہ کو طے کر لیتے اپنی بات بنائے رکھنے کے لیے دین و ملت کا عظیم ترین نقصان گوارا کیا اور یہ عذر کر گئے کہ کلکتہ کا پروگرام قریب ہے یہاں ہم بات چیت میں مصروف ہو گئے تو کلکتہ کا پروگرام خراب ہو جائے گا۔

افسوس کہ ندوہ والے دین و ملت کی بربادی کو اچھا سمجھتے رہے اور اپنے تباہ کن پروگرام پر آنچ نہ آنے دی۔

پٹنہ سے کلکتہ:

ندوہ والے ان حیلوں سے یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ جان چھوٹی لاکھوں پائے، کلکتہ پہنچ کر اپنی تحریک میں جان ڈالیں۔ تیسرے اجلاس کے لیے کلکتہ پہنچ گئے، بہت سے دیوبندی مولویوں کو بھی اکٹھا کر لیا اور ندوہ تحریک کے لیے ان کی بہت بڑی تعداد کلکتہ میں جمع ہو گئی۔

امام بریلوی قدس سرہ جو ان کے حیلوں سے خوب واقف تھے، تحفظ دین و ملت کی خاطر ان حالات میں کب ان کا پیچھا چھوڑنے والے تھے، آپ اپنی جماعت کے ساتھ کلکتہ پہنچ گئے اور پوری قوت کے ساتھ ندوہ والوں کو تنبیہ کی کہ

ندوہ کی تحریک نے اسلام میں جو ترمیم و تنسیخ کی ہے اس پر ایک بار گفتگو ہو جائے۔

فرقہ پرستی کی لعنت سے مسلمانوں کو بچایا جائے۔

اس قسم کی نئی جماعت بنا کر مسلمانوں میں پھوٹ نہ ڈالی جائے۔
ساتھ ہی کلکتہ میں اہل سنت کے جلسے زور شور سے ہونے لگے۔
اصحاب ندوہ یہاں بھی ٹال مٹول کی پالیسی پر چلتے رہے اور آخر یہ تجویز پاس کرنے پر مجبور ہوئے کہ ”ندوۃ العلماء کا پروگرام عامۃ المسلمین کے سامنے رکھ کر جب تک استصواب نہ کرلیں ہم دوسری طرف متوجہ نہیں ہوسکتے“۔
اس جواب نے کلکتہ کے مسلمانوں کو ندوۃ العلماء سے اور متنفر کردیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ندوہ کی اس تحریک کا سارا زور ختم ہوگیا۔ اہل سنت کے مزید جلسوں نے بہت ہی زیادہ اثر کیا، ندوہ کی وہ تحریک ہی کلکتہ میں دفن ہوگئی اور ہندوستان گیر دورے سسک سسک کر رہ گئے۔

”حرم مکہ میں مجدد اعظم کی باعثِ رحمت تاریخی حاضری“

بہت بڑے فتنے کا علاج، مسائل اور فیصلوں کا حل

مجدد اعظم امام بریلوی قدس سرہ کا دوسرا حج ۱۳۲۳ھ میں اچانک ہوا اور امام ممدوح اس سفر کے لیے پہلے سے تیار نہ تھے، دل میں اضطراب ہوا اور آپ حج اور زیارت کے لیے روانہ ہوگئے۔ تفصیل آپ الملفوظ حصہ دوم میں ملاحظہ فرمالیں۔ مختصر یہ کہ حکومت وقت کے بعض ارکان کو گانٹھ کر بعض وہابیہ نے شریف مکہ (حاکم وقت) تک رسائی حاصل کی تھی اور علم غیب کے مسئلہ کو چھیڑ کر یہ چاہا تھا کہ علمائے اسلام کو کسی صورت حکومت اور عوام کی طاقت سے کچل دیا جائے، بات ایوان حکومت سے شہر کی عام گلیوں تک پھیلی ہوئی تھی ہر طرف بے چینی واضطراب کے حالات نمایاں تھے۔
مسئلہ دینی تھا، صحیح اسلامی تحقیق کے باوجود طاقت کے ذریعہ حقیقت کو دبا کر اپنی بات رکھنا، دینی خیانت کرنا، عوام کو گمراہی میں ڈالنا، ہوا خواہی ونفس پرستی میں اسلام میں بہت بڑا فتنہ وفساد کرنا تھا۔
خدائے عزوجل کا احسان وکرم کہ مجدد اعظم امام بریلوی قدس سرہ اسی وقت مکہ معظمہ پہنچ گئے اور جو حالات پیش آئے اس کا بعض حصہ امام ممدوح سے ہی نقل کرکے درج ذیل کررہے ہیں:
(الملفوظ حصہ دوم میں) امام قدس سرہ فرماتے ہیں:

حاضری حرم کی حکمت:

اس بار سرکار حرم محترم میں میری حاضری بے اپنے ارادے کے جس غیر متوقع طور پر اور غیر

معمولی طریقوں پر ہوئی اس کا کچھ بیان او پر ہو چکا ہے وہ حکمت الٰہیہ یہاں آکر کھلی، سننے میں آیا کہ وہابیہ پہلے سے آئے ہوئے ہیں جن میں خلیل احمد انبیٹھی (دیوبندی) اور بعض وزراے ریاست، دیگر اہل ثروت بھی ہیں، حضرت شریف (حاکم مکہ معظمہ) تک رسائی پیدا کی ہے اور مسئلہ علم غیب چھیڑا ہے۔

اعلم علما، قاضیِ مکہ و مفتی حنفیہ سے سوال:

اور اس سے متعلق کچھ سوال اعلم علماے مکہ حضرت مولانا شیخ صالح کمال سابق قاضی مکہ و مفتی حنفیہ کی خدمت میں پیش ہوئے ہیں۔ میں حضرت موصوف کی خدمت میں گیا، حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صاحب زادے عزیزی مولوی عبد الاحد صاحب بھی ہم راہ تھے۔

امام بریلوی قدس سرہ کی پر زور مدلل تقریر:

میں نے بعد سلام و مصافحہ علم غیب کی تقریر شروع کی اور دو گھنٹے تک اسے آیات و احادیث و اقوال ائمہ سے ثابت کیا اور مخالفین جو شبہات کیا کرتے ہیں ان کا رد کیا اس دو گھنٹے تک حضرت موصوف محض سکوت کے ساتھ ہمہ تن گوش ہو کر میرا منہ دیکھتے رہے۔

امام بریلوی کی باعث رحمت آمد:

جب میں نے تقریر ختم کی (حضرت مولانا شیخ صالح کمال) چپکے سے اٹھے قریب الماری رکھی تھی، وہاں تشریف لے گئے اور ایک کاغذ نکال لائے جس پر مولوی سلامت اللہ صاحب رام پوری کے رسالہ "اعلام الاذکیاء" کے اس قول کے متعلق کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "ھو الاول و الآخر و الظاھر و الباطن وھو بکل شیٔ علیم "لکھا، چند سوال تھے اور جواب کی چار سطریں ناتمام اٹھا لائے مجھے دکھایا اور فرمایا: تیرا آنا اللہ کی رحمت تھا ورنہ مولوی سلامت اللہ کے کفر کا فتوی یہاں سے جا چکتا۔ میں حمد الٰہی بجالایا اور فرودگاہ پر واپس آیا اور مولانا (شیخ صالح کمال صاحب) سے مقام قیام کا کوئی تذکرہ نہ آیا تھا اب وہ فقیر کے پاس تشریف لانا چاہتے تھے اور حج کا ہنگامہ جائے قیام نامعلوم، آخر خیال فرمایا کہ ضرور کتب خانہ میں آیا کرتا ہو گا، ۲۵ / ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کی تاریخ ہے بعد نماز عصر میں کتب خانے کے زینے پر چڑھ رہا ہوں پیچھے سے ایک آہٹ معلوم ہوئی دیکھا تو حضرت مولانا شیخ صالح کمال ہیں، بعد سلام و مصافحہ دفتر کتب خانہ میں جاکر بیٹھے۔ وہاں حضرت مولانا سید اسماعیل (محافظ کتب حرم) اور ان کے نوجوان سعید رشید بھائی، سید مصطفیٰ اور ان کے والد ماجد مولانا سید خلیل اور بعض حضرات بھی کہ اس وقت یاد نہیں تشریف فرما ہیں۔

پانچ اہم سوالات:

حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے جیب سے ایک پرچہ نکالا جس پر علم غیب سے متعلق پانچ سوال تھے یہ وہی سوال ہیں جن کا جواب مولانا نے شروع کیا تھا اور تقریر فقیر کے بعد چاک فرمادیا، مجھ سے فرمایا یہ وہابیہ نے حضرت سیدنا کے ذریعے سے پیش کیے ہیں اور آپ سے جواب مقصود ہے (سیدنا وہاں شریف مکہ کو کہتے ہیں کہ اس وقت شریف علی پاشا تھے)۔

امام بریلوی کا فوری جواب کا ارادہ:

میں نے مولانا سید مصطفیٰ سے گزارش کی کہ قلم دوات دیجیے حضرت مولانا شیخ کمال صالح و مولانا سید اسماعیل و مولانا سید خلیل سب اکابر نے کہ تشریف فرما تھے۔

تفصیلی جواب کی عرض:

ارشاد فرمایا کہ ہم ایسا فوری جواب نہیں دینا چاہتے بلکہ ایسا جواب ہو کہ خبیثوں کے دانت کھٹے ہوں، میں نے عرض کی کہ اس کے لیے قدرے مہلت چاہیے دو گھڑی دن باقی ہے اس میں کیا ہو سکتا ہے، حضرت مولانا شیخ کمال نے فرمایا: کل سہ شنبہ پرسوں چہار شنبہ ہے ان دو روز میں ہو کر پنجشنبہ کو مجھے مل جائے کہ میں شریف کے سامنے پیش کردوں میں نے اپنے رب عزوجل کی عنایت اور اپنے نبی ﷺ کی اعانت پر بھروسہ کر کے وعدہ کرلیا۔

معرکۃ الآرا تصنیف:

اور شان الٰہی کہ دوسرے ہی دن سے بخار نے پھر عود کیا اسی حالت تپ میں رسالہ تصنیف کرتا اور (حجۃ الاسلام حضرت مولانا) حامد رضا خاں تبییض کرتے۔ اس کا شہرہ مکہ معظمہ میں ہوا کہ وہابیہ نے فلاں کی طرف سوال متوجہ کیا ہے اور وہ جواب لکھ رہا ہے۔ میں نے اس رسالہ میں غیوب خمسہ کی بحث نہ چھیڑی تھی کہ کہ سائلوں کے سوال میں نہ تھی اور بخار کی حالت میں بکمال تعجیل قصد تکمیل۔

اثنائے تصنیف میں شیخ الخطباء کا پیغام:

آج ہی کہ میں لکھ رہا ہوں حضرت شیخ الخطباء کبیر العلماء مولانا شیخ احمد ابوالخیر مرداد کا پیام آیا کہ میں پیر سے معذور ہوں اور تیرا رسالہ سننا چاہتا ہوں۔ میں اسی حالت میں جتنے اوراق لکھے گئے تھے لے کر حاضر ہوا، رسالہ کی قسم اول ختم ہو چکی تھی جس میں اپنے مسلک کا ثبوت ہے قسم دوم لکھی جا رہی تھی جس

میں وہابیہ کا رد اور ان کے سوالوں کا جواب ہے، حضرت شیخ الخطباء نے اول تا آخر سن کر فرمایا اس میں علم خمس کی بحث نہ آئی، میں نے عرض کی کہ سوال میں نہ تھی، فرمایا میری خواہش ہے کہ ضرور زیادہ ہو، میں نے قبول کیا۔ رخصت ہوتے ان کے زانوے مبارک کو ہاتھ لگایا، حضرت موصوف نے باآں فضل وکمال و باآں کبر سال کہ عمر شریف ستر سال سے متجاوز تھی یہ لفظ فرمائے: "أنا أقبّل أرجلكم وأنا أقبّل نعالكم" میں تمھارے قدموں کو بوسہ دوں، میں تمھارے جوتوں کو بوسہ دوں۔ یہ میرے حبیب ﷺ کی رحمت کہ ایسے اکابر کے قلوب میں اس بے وقعت کی یہ وقعت۔

میں واپس آیا اور شب ہی میں بحث خمس کو بڑھایا۔ اب دوسرا دن چہار شنبہ کا ہے۔

ابن محدث مغرب کا پیغام:

صبح کی نماز پڑھ کر حرم شریف سے آتا ہوں کہ مولانا سید عبدالحی ابن مولانا سید عبدالکبیر محدث ملک مغرب (کہ اس وقت تک ان کی چالیس کتابیں علوم حدیثیہ و دینیہ میں مصر میں چھپ چکی تھیں) ان کا خادم پیام لایا کہ مولانا تجھ سے ملنا چاہتے ہیں، میں نے خیال کیا کہ وعدے میں آج ہی کا دن باقی ہے اور ابھی بہت کچھ لکھنا ہے عذر کر بھیجا کہ آج کی معافی دیں کل میں خود حاضر ہوں گا، فوراً خادم واپس آیا کہ میں آج ہی مدینہ طیبہ جاتا ہوں تبریز ہو چکی ہے یعنی قافلے کے اونٹ بیرون شہر جمع ہو لیے ہیں، ظہر پڑھ کر سوار ہوں گا، اب میں مجبور ہوا اور مولانا کو تشریف آوری کی اجازت دی۔

ابن محدث مغرب کی سند حدیث طلبی:

وہ تشریف لائے اور علوم حدیث کی اجازتیں فقیر سے طلب فرمائیں اور لکھوائیں اور علمی مذاکرات ہوتے رہے، یہاں تک کہ ظہر کی اذان ہوئی وہاں زوال ہوتے ہی معاً اذان ہو جاتی ہے میں اور وہ نماز میں حاضر ہوئے، بعد نماز وہ عازم مدینہ طیبہ ہوئے اور میں فرودگاہ پر آیا۔

کتاب کی تکمیل:

آج کے دن کا بڑا حصہ یوں بالکل خالی گیا اور بخار ساتھ ہے بقیہ دن میں اور بعد نماز عشا فضل الٰہی اور عنایات رسالت پناہی ﷺ نے کتاب کی تکمیل و تبییض سب پوری کرادی "الدولة المكية بالمادة الغيبية" اس کا تاریخی نام ہوا اور پنجشنبہ کی صبح ہی کو حضرت مولانا شیخ صالح کمال کی خدمت میں پہنچادی

گئی، مولانا نے دن میں کلی طور پر مطالعہ فرمایا اور شام کو (حاکم وقت) شریف صاحب کے یہاں لے کر تشریف لے گئے عشا کی نماز وہاں شروع وقت میں ہوجاتی ہے اس کے بعد سے نصف شب تک کہ عربی گھڑیوں میں چھ بجتے ہیں، شریف علی پاشا کا دربار ہوتا ہے۔

شریف کے دربار میں حیرت انگیز کتاب کی دھوم:

حضرت مولانا نے دربار میں کتاب پیش کی اور علی الاعلان فرمایا اس شخص (یعنی مجدد اعظم بریلوی قدس سرہ) نے وہ علم ظاہر کیا جس کے انوار چمک اٹھے اور جو ہمارے خواب میں بھی نہ تھا حضرت شریف نے کتاب پڑھنے کا حکم دیا۔

وہابیہ کا خوف، الجھاؤ اور شکست:

دربار میں دو وہابی بھی بیٹھے تھے ایک احمد فقیہ کہلاتا دوسرا عبدالرحمٰن اسکوبی، انھوں نے مقدمۂ کتاب کی آمد ہی سن کر سمجھ لیا کہ یہ کتاب رنگ بدل دے گی، شریف مکہ ذی علم ہیں مسئلہ ان پر منکشف ہوجائے گا، لہٰذا چاہا کہ سننے نہ دیں، بحث میں الجھا کر وقت گزار دیں، کتاب پر کچھ اعتراض کیا، حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے جواب دیا، آگے بڑھے۔ انھوں نے پھر ایک مہمل (بے معنی) اعتراض کیا۔ حضرت مولانا نے جواب دیا اور فرمایا سن لیجیے، پوری کتاب سننے سے پہلے اعتراض بے قاعدہ ہے، ممکن ہے کہ آپ کے شکوک کا جواب کتاب ہی میں آئے اور نہ ہو تو میں جواب کا ذمہ دار ہوں اور مجھ سے نہ ہوسکا تو مصنف موجود ہے۔

یہ فرما کر آگے پڑھنا شروع کیا، کچھ دور پہنچے تھے، انھیں الجھانا مقصود تھا پھر معترض ہوئے اب حضرت مولانا نے حضرت شریف سے کہا کہ یا سیدنا حضرت کا حکم ہے کہ میں کتاب پڑھ کر سناؤں اور یہ جا بجا الجھتے ہیں، حکم ہو تو ان کے اعتراضوں کا جواب دوں یا حکم ہو تو کتاب سناؤں، شریف نے فرمایا ”اقرأ“ (آپ پڑھیے) اب ان کے ہاں کو کون نا کر سکتا تھا معترضوں کا منہ مارا گیا۔

کتاب کے مضامین سے شریف مکہ کا تاثر:

مولانا کتاب سناتے رہے اس (کتاب ”الدولۃ المکیہ“ از امام بریلوی قدس سرہ) کے دلائل قاہرہ سن کر مولانا شریف نے باآواز بلند فرمایا: ”اللہ یعطی ھؤلاء یمنعون“ یعنی اللہ تعالیٰ تو اپنے حبیب ﷺ کو علم غیب عطا فرماتا ہے اور یہ وہابیہ منع کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ نصف شب تک کتاب

سنائی، اب دربار برخاست ہونے کا وقت آگیا، شریف صاحب نے حضرت مولانا سے فرمایا: یہاں نشانی رکھ دو، کتاب بغل میں رکھ کر بالاخانہ پر آرام کے لیے تشریف لے گئے، وہ کتاب آج تک انھیں کے پاس ہے۔

ساکنان حرم علما و عوام میں کتاب اور امام بریلوی قدس سرہ کا عام چرچا اور مسرت و شادمانی کی لہر

اصل کتاب سے متعدّد نقلیں مکہ معظمہ کے علمائے کرام نے لیں اور تمام مکہ معظمہ میں کتاب کا شہرہ ہوا، وہابیہ پر اوس پڑ گئی، بفضلہٖ تعالیٰ سب لوہے ٹھنڈے ہوگئے، گلی کوچہ میں مکہ معظمہ کے لڑکے ان سے تمسخر کرتے کہ اب کچھ نہیں کہتے —— اب وہ جوش کیا ہوئے —— اب وہ مصطفیٰ ﷺ کے لیے علوم غیب ماننے والوں کو کافر کہنا کدھر گیا —— تمھارا کفر و شرک تمھیں پر پلٹا۔

وہابیہ کہتے: اس شخص نے کتاب میں منطقی تقریریں بھر کر شریف پر جادو کر دیا۔ مولا عزوجل کا فضل، حبیب اکرم ﷺ کا کرم کہ علمائے کرام نے دھوم دھامی کتاب پر تقریظیں لکھنی شروع کیں، وہابیہ کا دل جلتا اور بس نہ چلتا، آخر اس فکر میں ہوئے کہ کسی طرح فریب کر کے تقریظات تلف کر دی جائیں۔ (بفضلہٖ تعالیٰ محفوظ رہیں)

چپت

جب وہابیہ کا یہ مکر بھی نہ چلا اور مولانا شریف کے یہاں سے بحمدہ تعالیٰ ان کا منہ کالا ہوا، ایک ناخواندہ جاہل کہ نائب الحرام کہلاتا اسے کسی طرح اپنے موافق کیا احمد راتب پاشا اس زمانہ میں گورنر مکہ معظمہ تھے آدمی ناخواندہ مگر دیندار تھے، ہر روز بعد عصر طواف کرتے۔ خیال کیا کہ شریف ذی علم تھے کتاب سن کر معتقد ہوگئے، یہ بے پڑھا فوجی آدمی ہمارے بھڑکائے سے بھڑک جائے گا۔

ایک روز طواف سے فارغ ہوئے ہیں کہ نائب الحرام نے ان سے گزارش کی۔

ایک ہندی عالم (مجدد اعظم امام بریلوی قدس سرہ) نے ہندوستان میں بہت سے لوگوں کے عقیدے بگاڑ دیے ہیں اور اب اہل مکہ کے عقیدے خراب کرنے آیا ہے (اور ساتھ ہی دل میں سوچا کہ یہ کیوں کر جچے گی کہ ایک ہندی نے مکیوں کے عقیدے بگاڑ دیے مجبوراً اس کے ساتھ یہ کہنا پڑا کہ) اور اکابر علمائے مکہ مثل شیخ العلماء سید محمد سعید بابصیل، مولانا شیخ صالح کمال و مولانا ابوالخیر مرداد، اس کے ساتھ ہوگئے۔

مولا تعالیٰ کی شان کہ یہ واقعی بات جو اس نے مجبوراً کہی اس پر الٹی پڑی، پاشا نے بکمال غضب ایک

چپت اس کی گردن پر جمائی اور کہا:

یاخبیث ابن الخبیث یا کلب ابن الکلب إذا کان ہو لاء معہ فھو یفسد أم یصلح.

(اے خبیث ابن خبیث اے کلب ابن کلب جب یہ (اکابر علماے مکہ) اس کے ساتھ ہیں تو وہ خرابی ڈالے گا یا اصلاح کرے گا)

شیخ حرم اور امام بریلوی:

حضرت مولانا شیخ صالح کمال کو اللہ تعالیٰ جنات عالیہ عطا فرمائے بآں فضل و کمال کہ میرے نزدیک مکہ معظمہ میں ان کے پایے کا دوسرا عالم نہ تھا اِس فقیر حقیر کے ساتھ غایت اعزاز بلکہ ادب کا برتاؤ رکھتے۔

بار بار کے اصرار کے ساتھ مجھ سے اجازت نامہ لکھوایا جسے میں نے اوّلاً کئی روز ٹالا جب مجبور فرمایا لکھ دیا۔

مسائل اور فیصلوں کا حل:

تین تین پہر میری ان کے ساتھ مجالست ہوتی اور اس میں سوا مذاکرات علمیہ کے کچھ نہ ہوتا، جس زمانہ میں قاضی مکہ معظمہ رہے تھے اس وقت کے اپنے فیصلوں کے مسئلے دریافت فرماتے، فقیر جو بیان کرتا اگر ان کے فیصلے کے موافق ہوتا بشاشت و خوشی کا اثر چہرۂ مبارک پر ظاہر ہوتا اور مخالف ہوتا تو ملال و کبیدگی۔ اور یہ سمجھتے کہ مجھ سے حکم میں لغزش ہوئی، میں بھی ان دونوں صاحبوں کے کرم کے سبب ان سے کمال بے تکلفی سے ہر قسم کی بات گزارش کر دیتا۔

☆☆☆☆☆

بارگاہ نبوی میں امام احمد رضا کی مقبولیت

از: جلالۃ العلم حافظ ملت علامہ شاہ **عبد العزیز** محدث مراد آبادی علیہ الرحمۃ

بانی جامعہ اشرفیہ مبارک پور

میری زندگی کا سب سے بہترین زمانہ دار الخیر اجمیر شریف کی حاضری کا وہ دور طالب علمی ہے جس میں نو سال تک خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دربار میں حاضری نصیب ہوئی اور استاذ محترم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کی کفش برداری کا شرف حاصل رہا، اس مبارک زمانے میں اکثر علما و مشائخ و بزرگان دین کی زیارت میسر آتی تھی۔

انھیں بزرگوں میں سے حضرت دیوان سید آل رسول صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ماموں قبلہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں جو بڑے بلند پایہ بزرگ تھے، دیوان صاحب کے یہاں تشریف لایا کرتے تھے، موصوف کی خدمت میں حاضری ہوا کرتی تھی، وہ اکثر بزرگان دین کے واقعات بیان فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت موصوف نے فرمایا کہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ میں ایک شامی بزرگ دہلی تشریف لائے، ان کی آمد کی خبر پا کر ان سے ملاقات کی، بڑی شان و شوکت کے بزرگ تھے، طبیعت میں بڑی بے نیازی تھی، مسلمان جس طرح عربوں کی خدمت کیا کرتے ہیں اسی طرح ان کی بھی خدمت کرنا چاہتے تھے، نذرانہ پیش کرتے تھے مگر وہ قبول نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے: بفضلہٖ تعالیٰ میں فارغ البال ہوں، مجھے ضرورت نہیں۔

ان کے اس استغنا اور طویل سفر سے تعجب ہوا، عرض کیا حضرت! یہاں تشریف لانے کا سبب کیا ہے، فرمایا: مقصد تو بڑا زریں تھا لیکن حاصل نہ ہوا، جس کا افسوس ہے، واقعہ یہ ہے کہ ۲۵؍ صفر ۱۳۴۰ھ کو میری قسمت بیدار ہوئی، خواب میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلوہ افروز ہیں اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حاضر دربار ہیں، لیکن مجلس پر ایک سکوت طاری ہے،

قرینہ سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی کا انتظار ہے، میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا:"فداك ابی و امی" کس کا انتظار ہے، فرمایا:"احمد رضا" کا انتظار ہے، میں نے عرض کیا احمد رضا کون ہیں؟ فرمایا: ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔

بیداری کے بعد میں نے تحقیق کی، معلوم ہوا مولانا احمد رضا خاں صاحب بڑے ہی جلیل القدر عالم ہیں اور بقید حیات ہیں، مجھے مولانا کی ملاقات کا شوق ہوا، میں ہندوستان آیا اور بریلی پہنچا تو معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہو گیا اور وہی ۲۵ صفر ان کی تاریخ وصال تھی۔

میں نے طویل سفر صرف ان کی ملاقات کے لیے ہی کیا تھا لیکن افسوس کہ ملاقات نہ ہو سکی، اس سے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مقبولیت بارگاہ رسالت میں معلوم ہوتی ہے۔کیوں نہ ہو عاشقان رسول علیہ الصلاۃ والتسلیم یوں ہی نوازے جاتے ہیں۔

پلادو ہم کو بھی پیمانۂ حُبّ رسول اللہ
کہ محبوب در خیر البشر احمد رضا تم ہو

امام احمد رضا: مجددِ ملّت طاہرہ

از: خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمۃ مدیر پاسبان الٰہ آباد

قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه واٰله وسلم ان الله يبعث على راس كل مائة سنة من يجدّد لها دينها. (رواه ابوداؤد، مشكاة شريف، كتاب العلم)

(۱) سرور کائنات کا فرمان گرامی ہے کہ پروردگار عالم ہر صدی کے آخر میں ایک رہ نمائے کامل بھیجتا ہے جو مردہ سنتوں کو زندہ کرتا ہے اور قوم کو بھولی بسری باتیں یاد دلاتا ہے، وہ مرد حق تجدید واحیائے دین کی کٹھن راہوں سے گزرنے میں تیر ملامت کا نشانہ بنتا ہے اور کبھی کبھی تو قید وبند کی کٹھنائیوں سے بھی اسے دو چار ہونا پڑتا ہے چوں کہ وہ کوئی سیاسی قیدی نہیں جو حالات کے تیور سے مرعوب ہوکر کلمۂ حق کو واپس لے لے بلکہ آمرانہ وجابرانہ طاقتیں خود اس کے قدموں پر جھکتی ہیں اور حق کا پرستار بلا خوف لومۃ لائم دین کی صاف اور کشادہ راہوں کو پیش کرنے میں جرات و بیباکی سے کام لیتا ہے، غیر تو غیر بسا اوقات اپنے بھی اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہوتے ہیں، مگر نہ پوچھیے اس کے عزم و استقلال کی خداداد طاقت کی کرشمہ سازیاں کہ قہر وغضب کے بادل امنڈتے ہیں مگر برسنے سے پہلے مطلع صاف نظر آتا ہے، نہیں معلوم ایسے کتنے طوفان اٹھتے ہیں مگر اس کی جبین استقلال پہ بل نہیں آتا، یہاں تک کہ وہ اپنی مختصر سی زندگی میں ایسے کارہائے نمایاں انجام دیتا ہے جس کے باعث دنیا اسے ''مجدد'' کے نام سے یاد کرتی ہے۔

(۲) یہ ایک سنت الٰہیہ ہے کہ آفتاب نبوت کے پردہ فرمانے کے بعد کسی قرن اور صدی کو قدسی نفوس ہستیوں سے خالی نہ رکھا گیا، ملت اسلامیہ کی صحیح نمائندگی اور رہ نمائی کے لیے ہر تیرہ و تاریک فضا میں کوئی نہ کوئی آفتاب ہدایت مطلع شہود پر آتا رہا اور وقت کی بگڑتی ہوئی فضا کو ساز گار بنانے میں یا یوں کہ لیجیے کہ نظام شریعت کے سانچے میں ڈھال دینے کی انتھک کوشش کرتا رہا اس سلسلے کی سب سے پہلی کڑی حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمۃ کی ذات گرامی ہے اور مجدد دین کی آخری کڑی میں جس کو نامزد کیا جاسکتا ہے، وہ تاج دار اہل سنت مجدد مائۃ حاضرہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نامی ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز اور اعلیٰ حضرت کی درمیانی صدیوں میں امام شافعی، امام فخر الدین رازی، امام غزالی، امام ابوبکر باقلانی، یہاں تک کہ یکے بعد دیگرے مجدد الف ثانی جیسے بلند پایہ حضرات اپنے اپنے

وقت میں احیاے دین فرماتے رہے اور قریب قریب ہر ایک کی تاریخ میں یہ قدر مشترک نظر آئے گا کہ آسمان ہدایت کے ان چمکتے ہوئے ستاروں پر غبار ڈالنے کی کوشش کی گئی مگر (الحق یعلو ولا یعلیٰ) حق خود بلند ہوتا ہے، وہ کسی کے بلند کرنے سے عظمت و رفعت کی چٹان پر نہیں پہنچتا اور نہ تو کسی باطل کی ہوا خیزی سے اس کی صداقت پر پردہ پڑتا ہے، دنیا کی فرعونی وطاغوتی طاقتوں نے ان کا مقابلہ کیا، آخر ش ایک صبح نمودار ہوئی جس کی روشنی پر تاریکی کا پردہ نہ پڑ سکا اور ان کے کارہائے نمایاں کے سامنے غیروں کی بھی گردنیں جھک گئیں، چناں چہ تاج دار اہل سنت کے متعلق آج بھی مخالفت کے باوجود اکابر علماے دیوبند یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ جو کچھ بھی ہو مولانا احمد رضا خاں صاحب قلم کے بادشاہ تھے جس مسئلہ پر قلم اٹھایا اس کا کوئی گوشہ بھی تشنہ نہ چھوڑا۔

(۳) قلم کی پختہ کاری کا اعتراف ہی اعلیٰ حضرت کی شان تجدید پر روشن دلیل ہے چوں کہ امام اہل سنت کا مجدد ہونا حسن صورت یا امارت و ریاست یا کثرت تلامذہ و حلقۂ ارادت کی وسعت، غرض کہ اس قسم کے دوسرے عوارضات پر مبنی نہیں، بلکہ کشور علم کا تاج دار جس وقت سیف قلم لے کر رزم گاہ حق و باطل میں اترا ہے، اپنے تو اپنے غیروں نے بھی گھٹنے ٹیک دیے اور ''تجدید'' نام ہی ہے انسان کی اس صفت راسخہ کا جس کی قوت سے وقت کی بڑی سے بڑی طاقت پر قابو یافتہ ہو کر حق و باطل کے درمیان خط امتیاز کھینچتا ہے، یہی وہ جوہر ہے جو اعلیٰ حضرت کی تصنیف و تالیف، تقریر و تحریر میں نمایاں حیثیت سے اجاگر ہے اور اس جوہر گراں مایہ سے ہر اس شخص کا دامن نہیں بھر پور ہو سکتا جس نے درس نظامیہ کی کتب متداولہ کی حرف بہ حرف تعلیم حاصل کی ہو، یہ خدا کی ایک بخشی ہوئی طاقت ہے جو احیاے سنت کی خاطر کسی برگزیدہ بندے کو دی جاتی ہے (ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ) یہ اللہ کا ایک فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے انھیں برگزیدہ شخصیتوں میں فاضل بریلوی کا نام نامی ہے۔

(۴) الحاد و بے دینی کی مُہیب فضا، کفر و شرک کی گھنگھور گھٹا نجدیت و وہابیت کی مطلق العنان مارکیٹ میں شرک و بدعت ''ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھاجا'' کی جگہ لے چکی ہے، بات بات پر شرک و بدعت کے فتوے دیے جاتے، استمداد و ندا اور میلاد و قیام، ختم نبوت و علم غیب جیسے قطعی الدلائل مسائل پر نہ صرف قیل و قال کے دروازے کھل گئے تھے بلکہ اخبار و پریس کی طاقت نیز حکومت وقت کے ایما و اشارے پر سچے پکے مسلمانوں کو بدعتی و مشرک کہا جاتا تھا اور یہ فتاوے کیوں نہ دیے جاتے ''سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا'' انگریزوں سے ساز باز تھا، علماے اہل سنت اپنی پوری طاقت سے انگریزی سامراج

کو مٹانا چاہتے تھے، چناں چہ مجاہد جلیل حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتوی صادر فرما چکے تھے، جس کی پاداش میں دریاے شور کی مصیبتیں جھیلنی پڑیں اور بہت سے حق پرست مسلمانوں کو پھانسی کے تختہ پر لٹکا دیا گیا، علماے اہل سنت کا شیرازہ منتشر تھا، یک جہتی ختم ہو چکی تھی، تنظیم ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی، ایک دوسرے کے حالات سے بے خبر و نا آشنا تھے اور ملک کی دوسری فتنہ انگیز جماعت انگریزوں کے ہاتھ کٹھ پتلی بن چکی تھی، برطانیہ گورنمنٹ کی نوازشات سے دامن بھرپور تھا، موقع غنیمت جان کر عقائد کا جال بچھانا شروع کر دیا، اب ان کے پاس دارالعلوم تھا اور جمعیۃ کا جتھا بھی تھا، طفلِ مکتب مصنف بن چکے تھے ہر کتاب پر ہنگامہ ہوتا، ہر عبارت پر مکالمہ بازی کا بازار گرم ہوتا، حفظ الایمان کی ایک گندہ و توہین آمیز عبارت پر بسط البنان، توضیح البیان، مکالمۃ الصدرین جیسے نہیں معلوم کتنے رسالے اور پمفلٹ کوچہ و بازار میں آچکے تھے، کسی طرح عوام کو اپنی طرف متوجہ کرنا تھا، اس لیے نئے نئے شگوفے کھلانا اور نئی نئی پھلجھڑی چھڑانا مصلحت وقت کا عین تقاضا تھا، کبھی علم غیب پر حملہ ہے تو کبھی ختم نبوت پر۔ کبھی شان نبوت کی تنقیص ہے تو کبھی عظمت ولایت کی توہین۔

(۵) غرض کہ زمین ہند ماتم گسار تھی، چرخِ کہن نوحہ گر تھا، قدسی صفات فرشتے رحمت باری کے منتظر تھے، اہل سنت کا کلیجہ زخموں سے چور تھا، حق پرستوں کی آنکھ ساون بھادوں کی جھڑی تھی، عقیدت مندوں کا سینہ نالہ کناں تھا، رسول پاک کے فدائی ماہی بے آب تھے، حرمت نبوت پر جان دینے والے کراہ رہے تھے، عظمت ولایت پر مر مٹنے والے سسک رہے تھے، اس طرف "أغثني یارسول اللہ" کے نعرے تھے، "یاغوث المدد" کی صدائیں تھیں، اور دوسری طرف انگریزوں کی گود میں بیٹھ کر تیر و کمان کی مشق جاری تھی، مقابلہ آسان نہ تھا، نجدیت کے علاوہ سفید چمڑی والوں سے بھی مقابلہ تھا، جن کا دل توے کی کالکھ سے زیادہ سیاہ اور سنگ ریزوں سے زیادہ سخت تھا۔

(٦) مگر مرد مومن کی آہ رنگ لا کر رہی، اہل سنت کے آنسو رحم و کرم کی موسلا دھار بارش بن رہے، یہاں تک کہ سرزمین بریلی کا مقدر اوج ثریّا سے بھی بلند ہوا، شب دیجور کے پردے چاک ہوئے، پو پھٹی، گگر نمودار ہوئی، کرن ضیا پاش ہوئی، آسمان ہدایت پر ایک ستارہ چمکا، بزم علم میں ایک روشن چراغ منور ہوا، چمنستان مجددیت میں ایک شاداب پھول کھلا جس نے عرب و عجم کو چمکایا اور جنوب و شمال کو اپنی عطر بیزیوں سے مہکایا، آیا! کون آیا؟ وہی جس پر دنیاے سنیت عقیدت کے ہار چڑھاتی ہے، ہاں وہ آیا جو سفینۂ سنیت کا تاج دار بن کر آیا جو قلم کا بادشاہ اور زبان کا دھنی بن کر آیا۔

جس کو ہماری زبان میں تاج دار اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت عبدالمصطفیٰ مولانا شاہ احمد رضاخاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام نامی سے یاد کیا جاتا ہے، جن کا نام آج بھی زندہ ہے اور قیامت کی صبح تک ان کی عظمت وشوکت کی پرچم کشائی ہوتی رہے گی۔

(۷) ویسے تو اعلیٰ حضرت کی زندگی پیکر علم وعمل تھی، علمائے عرب وعجم نے خراج عقیدت پیش کیا جس کی ادنی شہادت حسام الحرمین ہے جس میں علمائے عرب نے اعلیٰ حضرت کے فتاوے کی نہ صرف تصدیق کی بلکہ آپ کے علمی فضل وکمال کا اعتراف کرتے ہوئے تقریظات کا حصہ بھی شامل فرمایا، لیکن آج ہمیں اس مسئلہ پر توجہ کرنی ہے کہ وہ کون سے خصوصی علل واسباب ہیں جس کی بنا پر امام اہل سنت کو مجدّد ماننے پر مجبور ہوئے۔

اس موقع پر مجھے اپنی بے مائیگی کا پورا پورا احساس ہے کہ میں ایسی سنگلاخ زمین پر قدم رکھ رہا ہوں جس کا میں قطعی طور پر اہل نہیں۔ محترم مفتی ظفر علی نعمانی پرنسپل دارالعلوم امجدیہ کراچی کا مرسلہ پیکٹ جس وقت مجھے موصول ہوا اور سرورق "حیات اعلیٰ حضرت" پر نظر پڑی تو وفور شوق میں اوراق گردانی کرنے لگا، مگر اپنی حرماں نصیبی کہ جس عنوان کا متلاشی تھا وہ مجھے نہ مل سکا یعنی اعلیٰ حضرت کی شان تجدید، میرے خیال میں جلد اول کا سب سے اہم اور ضروری باب یہی تھا کہ اعلیٰ حضرت کی مجددیت پر سیر حاصل گفتگو کی جاتی اس کے بعد زندگی کے دوسرے گوشوں پر روشنی ڈالی جاتی، ہوسکتا ہے کہ بعد کے دوسرے نسخوں میں حضرت ملک العلماء مولانا محمد ظفرالدین صاحب قبلہ پرنسپل جامعہ لطیفیہ کٹیہار نے اس خصوصی مسئلہ پر گفتگو فرمائی ہو، لیکن اگر ایسا نہ ہوسکا تو مکتبہ کراچی کو چاہیے کہ وہ موصوف سے اس عنوان پر ایک علمی وتحقیقی مقالہ لے کر دوسری یا تیسری جلد میں شامل کردے۔ ورنہ میری نگاہ میں "حیات اعلیٰ حضرت" ایک عالم وفاضل کی تاریخ تو کہی جائے گی مگر وہ کسی مجدد کی تاریخ نہ بن سکے گی، ضرورت ہے کہ اعلیٰ حضرت کی شان تجدید پر محققانہ گفتگو کی جائے یہ تنقید وتبصرہ نہیں بلکہ اپنی رائے ناقص کا اظہار ہے۔

گر قبول افتد زہے عزّ وشرف

(۸) اعلیٰ حضرت کے عہد زندگی پر مختلف لوگوں نے اپنے انداز سے گفتگو کی ہے، لیکن وہ کیا نہ تھے۔ میری نگاہ میں اعلیٰ حضرت چمنستان علم وادب کے ایسے شاداب وبے مثل گل دستہ ہیں جس کی وجہ سے انھیں مجمع محاسن اور جامع کمالات کہا جاسکتا ہے، متبحر عالم، جید فاضل، مفتی دوراں، مناظر اعظم، فقیہ زماں، ماہر فلکیات، جامع معقول ومنقول، آفتاب شریعت، ماہتاب طریقت غرض کہ عربی گرامر سے لے کر

ادب، معانی و بیان و بدیع، فقہ، تفسیر و حدیث، منطق و فلسفہ، علم جفر، تکسیر، ہیئت و ریاضی سب پر یکساں نگاہ تھی اور ہر ایک میں ایسی دست گاہ کامل حاصل تھی کہ کوئی ہم عصر اس بات میں آپ کا ہم پلہ نہیں، لیکن ان تمام محاسن کے ساتھ ایک اور بھی ایسی وہبی و وجدانی طاقت قدرت کی طرف سے ودیعت تھی جو اعلیٰ حضرت اور آپ کے دوسرے ہم عصر علما کے درمیان خط فاصل کھینچتی ہے وہ ہے آپ کا مجدد کامل ہونا۔

(۹) ایک مجدد کی تاریخ کو جانچنے پرکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے گردوپیش اور ماحول پر کڑی نگاہ رکھی جائے، تاوقتے کہ اس کے صحیح ماحول کا اندازہ نہ ہوسکے اس کے کار تجدید پر بحث کرنی دشوار ہوگی۔

اعلیٰ حضرت کی زندگی کا خلاصہ یا نچوڑا حقاقِ حق و ردِّ باطل ہے، زندگی سے مراد آپ کی تصنیف و تالیف، تقریر و تحریر اور وہ روایات ہیں جو یکے بعد دیگرے ہم تک پہنچی ہیں، جہاں تک ردوہابیہ کا تعلق ہے اس خصوص میں اعلیٰ حضرت کے متقدمین میں علامہ فضل حق خیر آبادی اور مولانا فضل رسول بدایونی کا بھی نام لیا جاسکتا ہے لیکن علامہ فضل حق کی تاریخ پر ان کا مجاہدانہ کردار اتنا غالب ہے کہ زندگی کے دوسرے نقوش کا نگاہ اول جائزہ نہیں لے سکتی اور مولانا فضل رسول بدایونی کی زندگی پر تصوف و کشف و کرامات کی ایسی حسین غلاف چڑھی ہے کہ زندگی کے دوسرے نقوش خود بخود اس میں گم ہوجاتے ہیں، علامہ فضل حق خواص کی نگاہ میں ایوان معقول کے شیکسپیئر سمجھے جاتے ہیں اور تاریخ بیں طبقہ کی نظر میں آزادی ہند کے تاج دار اول تصور کیے جاتے ہیں، مولانا فضل رسول بدایونی علما کے طبقہ میں جید عالم اور عقیدت مندوں کے جھرمٹ میں مرشد کامل کی جگہ پاتے ہیں، لیکن امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں صاحب عالم شریعت، شیخ طریقت، متعلم و معلم، راعی و رعایا، حاکم و محکوم ایک پروفیسر و پرنسپل سے لے کر تاجر و مل مزدور تک کی نگاہ میں مجدد کامل سمجھے جاتے ہیں۔

(۱۰) میں نے متقدمین کی فہرست میں کسی اور کا اضافہ اس لیے نہیں کیا کہ اصول موازنہ کا آئینی تقاضا ہے کہ نقاد کا نقاد سے، طبیب کا طبیب سے اور پروفیسر کا پروفیسر سے موازنہ کیا جائے، غرض کہ دو ایسے مقابل جو کسی ایک وصف میں شریک ہوں یا امکان شرکت ہو ایسی شخصیتوں کو ایک دوسرے کے مقابل لایا جا سکتا ہے، چوں کہ اعلیٰ حضرت کے کار تجدید میں نمایاں پہلو عقائد باطلہ کی تردید کو حاصل ہے اور اس بارے میں اگر کسی کو آپ کا شریک و سہیم قرار دیا جاسکتا ہے تو علامہ فضل حق اور مولانا فضل رسول بدایونی کو، لیکن ان دونوں کی زندگی میں یہ حصہ جزوی حیثیت سے نظر آتا ہے اور اعلیٰ حضرت کی پوری زندگی احیاے سنت اور رد باطل کی آئینہ دار ہے، یہ موازنہ من حیثیت تجدید نہیں بلکہ محض ردوہابیہ کے مخصوص شعبہ سے متعلق ہے۔

امام اہل سنت کا کار تجدید ۱۴ ربرس کی عمر سے لے کر زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہا، اوائل عمر میں جو داغ بیل ڈالی گئی زندگی کے آخری حصہ تک پروان چڑھتی رہی، اللہ اکبر! نہ پوچھیے اس مرد حق بیں کی مجاہدانہ تاریخ کہ زمین ہند پر نہ معلوم کتنے صاحبانِ کمال آسمان بن کر چھائے تھے مگر شیر حق کی ایک گرج نے زمین ہند کی کایا پلٹ دی۔

(۱۱) فرنگی محلی کی عظیم ترین شخصیت جس کو آثار السلف کہا جاسکتا ہے، حضرت مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہ بھی سیاسیات کا بہتا ہوا دھارا نہ سمجھ سکے۔ جس وقت ہندوستان کے محبوب لیڈر مولانا محمد علی اور ان کے دوسرے حواریین تحریک خلافت اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے اور گانگریس کے مایہ ناز لیڈران بھی ترکی و برطانیہ جنگ کے اجتماع میں ہندی مسلمانوں کے دوش بدوش تھے ایسے نازک وقت میں حضرت مولانا عبدالباری صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریک خلافت کے ایک جزبن گئے تھے، لیکن اعلیٰ حضرت کی عاقبت اندیش نگاہ، مستقبل سے ناآشنا نہ تھی، چناں چہ حضرت صدرالافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو وحید عصر حضرت مولانا عبدالباری علیہ الرحمۃ کی خدمت گرامی میں بھیجا گیا کہ مولانا اپنے الفاظ سے رجوع فرمالیں۔ قربان جائیے ان حق پرستوں کی للّٰہیت پر کہ نہ تو توبہ لینے والے کو کسی شخصیت کے سامنے جھجک اور نہ تو رجوع کرنے والے کو کسی قسم کی شرم وعار یہ ہے اعلیٰ حضرت کی وہ جرأت بے باک جس کے سامنے اکابر علما کی گردنیں جھک گئی تھیں۔

(۱۲) اگر ایک طرف مولوی شبلی نعمانی کا قلم آزاد خیال طبقے سے خراج عقیدت حاصل کررہا تھا تو دوسری طرف اعلیٰ حضرت کا زور قلم علماے عرب وعجم کو دعوت فکر دے رہا تھا، مگر قلم کی وہ پختہ کاری جو اعلیٰ حضرت کی تصنیف وتالیف میں پائی جاتی ہے وہ دوسری جگہ نظر نہیں آتی۔

مولانا شبلی نعمانی کی تالیفات سے سیرۃ النبی مایۂ ناز تالیف ہے لیکن ارباب فکر ونظر پر یہ حقیقت مخفی نہیں کہ سیرت النبی میں مولانا شبلی نے مسئلہ معراج پر گفتگو کرتے ہوئے نقل روایات کا تسلسل باندھ دیا ہے، مگر اس فیصلہ میں ان کا قلم خاموش ہے کہ رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آیا معراج جسمانی ہوئی تھی یا روحانی؟ یہ ایک مؤلف کی بہت بڑی کمزوری ہے بلکہ ایسی صورت میں اس کی عدم تحقیق اس کا کتمان حق تصور کیا جاتا ہے، اگر سیرۃ النبی میں واقعات کی فراہمی ہی کو دخل ہوتا تو میں اس مسئلہ کو نہ چھیڑتا لیکن حضور کی ولادت سے متعلق ۹ ربیع الاول کی اپنی تحقیق پیش کرنا یا واقعۂ ہجرت پر گفتگو کرتے ہوئے غار ثور پر کبوتر کے انڈا دینے سے انکار کرنا، معجزہ شق القمر کی کی روایات پر جرح کرنا وغیرہ وغیرہ اور مسئلہ معراج میں روایتوں کی

فراہمی کے بعد اظہار حقیقت میں خاموش رہنا "کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے" کا مصداق ہے لیکن اعلیٰ حضرت کے قلم میں نقل روایات کے ساتھ محاکمہ اور قوت فیصلہ کی بے پناہ طاقت موجود تھی یہی وہ طاقت ہے جو دوسرے علما کے درمیان اعلیٰ حضرت کو شرف امتیاز بخشتی ہے۔

(۱۳) بات بہت دور آگئی مقصود صرف یہ ہے کہ اب اعلیٰ حضرت کو ایسے ماحول میں دیکھنا ہے جہاں وقت کے ممتاز لوگ اپنے اپنے علمی فضل وکمال کی داد لے رہے تھے، البتہ اب تک میں نے جتنے نام پیش کیے ہیں ان میں کسی کو مجدد نہیں کہا گیا خواہ وہ علامہ شبلی ہوں یا مولانا محمد علی یا حضرت مولانا عبدالباری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان میں سے ایک مورخ ہے، دوسرا سیاسی لیڈر اور تیسری ذات گرامی متبحر عالم اور شیخ طریقت۔ ہاں ایک نام باقی رہ گیا ہے جس کو ہندوستان کی ایک مخصوص ٹولی اپنا خانہ ساز مجدد تصور کرتی ہے وہ بہشتی زیور کے مولف مولوی اشرف علی صاحب تھانوی ہیں، میں نہیں کہہ سکتا کہ تھانوی صاحب کا موازنہ کس حیثیت سے اعلیٰ حضرت سے کیا جائے۔

(۱۴) ہاں اگر پیر کی مخالفت کرنے والا مجدد ہو سکتا ہے تو تھانوی صاحب نے مسئلہ میلاد وقیام وغیرہ میں اپنے روحانی باپ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی مخالفت کی ہے اس نہج سے انھیں مجدد کہا سکتا ہے، اگر آپ کی اصطلاح میں ایسے مولف کو مجدد کہتے ہیں جس کی عبارت میں نہ صرف ایہام توہین بلکہ رسول پاک کی کھلی ہوئی توہین ہو تو حفظ الایمان کے مولف شاتم رسول جناب تھانوی صاحب کو مجدد کہا جا سکتا ہے، جس میں سرور کائنات کے علوم غیبیہ کو جانور، پاگل، مجنون کے علوم سے تشبیہ دی گئی ہے، العیاذ باللہ من ذلك. اگر آپ کی اصطلاح میں مجدد ایسے مصلحت اندیش کو کہتے ہیں کہ جب تک زمین سازگار نہ ہو کتمانِ حق کیا جائے اور اپنے عقائد باطلہ پر پردہ ڈال کر زمین بنائی جائے تو کان پور کی سرزمین پر تھانوی صاحب نے پہلے اسی اصول کو برتا ہے جیسے جیسے زمین بنتی گئی شرک اور بدعت کو رواج دینے لگے۔

اگر آپ کا یہی اصول ہے کہ دین میں نئی بات پیدا کرنے والا مجدد ہے خواہ وہ بدعات ومنکرات ہی کا رواج کیوں نہ دیتا ہو تو مجھے معاف فرمائیے ایسے مجدد کی پہلی کڑی حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ذات گرامی نہ قرار پائے گی، بلکہ ایسے مجدد کا رشتہ تو ابوجہل اور یزید سے جوڑنا پڑے گا، اور اگر تصنیف وتالیف کی کثرت وبہتات پر نگاہ ہے کہ تھانوی صاحب نے بہت سے رسائل لکھے ہیں تو مصنف اپنے قلم سے پہچانا جاتا ہے، اس اصول کے پیش نظر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے خوان کرم کے خوشہ چیں فقیہ اعظم مولانا امجد علی صاحب کی "بہار شریعت" اور تھانوی صاحب کی "بہشتی زیور" کا موازنہ کیا جائے تو یہ ادعائے محض نہیں

بلکہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ بہشتی زیور کے دس حصے پر ''بہار شریعت'' کا ایک حصہ وزنی ہے بلکہ دس حصے کو ''بہار شریعت'' کے ایک حصہ سے کوئی نسبت نہیں۔

اب میں آپ کی زبان عدالت کا فیصلہ چاہتا ہوں کہ جس کی معرکۃ الآرا تصنیف ''بہار شریعت'' کے مقابل نہ لائی جاسکے وہ فتاوی رضویہ کے مقابل کس طرح لائی جاسکتی ہے؟ جس کی ایک ایک سطر میں علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ محفوظ ہے، اب آپ ہی بتلائیے کہ اعلیٰ حضرت اور تھانوی صاحب کے درمیان وہ کون سا قدر مشترک ہے جس کی بنا پر ایک کو دوسرے کے مقابل لایا جاسکے اس لیے جمہور علما کا بہ اتفاق رائے یہ آخری فیصلہ ہے کہ اعلیٰ حضرت بغیر کسی موازنہ کے اس صدی کے مجدد کامل تھے۔

مگر یہ واضح رہے کہ اس آخری صدی کے مجدد کی شان ہی نرالی تھی پوری زندگی احیاے سنت اور فرقِ باطلہ کی تردید میں گزاری، مگر نوک قلم پر کبھی ایسی بات نہ آئی جس سے اشارۃً و کنایۃً یہ سمجھا جاسکے کہ یہ شخص اپنے کو مجدد کہلانا چاہتا ہے، لیکن آج ایسے بھی صاحب قلم ہیں جو اپنی کتاب ہی کا نام ''تجدید و احیاے دین'' رکھتے ہیں جیسے جناب ابوالاعلیٰ صاحب مودودی، تاکہ ان کی جماعت کتاب کا نام ہی دیکھ کر انھیں مجدد کہہ سکے۔

پروردگار عالم! جب تک آسمان کے ستاروں میں چمک اور مرغزاروں میں کوئلوں کی کوک اور پپیہا کی ترنم خیز صدائیں گونج رہی ہوں۔

اے کائنات کے پالن ہار! جب تک کائنات کی چہل پہل اور گردش لیل و نہار ہو۔

اے رب کریم! جب تک صحن گلشن میں کلیوں کی مسکراہٹ اور پھولوں کے حسین قہقہے پر بلبلوں کی نوا سنجی ہو اس وقت تک آقاے نعمت سیدی، مولائی، تاج دار اہل سنت، مجدد دین و ملت مولانا شاہ عبدالمصطفیٰ محمد احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر انوار پر تیرے رحم و کرم کے پھولوں کی بارش ہو۔ آمین ثم آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین.

☆☆☆☆☆

بابــــ دوم

نقوشِ حیات

امام احمد رضا قادری-احوال وآثار

نفیس احمد قادری مصباحی

استاذ: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

ہندوپاک کی سرزمین پر تقریباایک ہزار سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی، ان کے عہد سلطنت میں غیر مسلموں کو مکمل شہری اور انسانی حقوق حاصل رہے، ہر شخص کو اپنے دین و مذہب پر عمل کرنے کی پوری آزادی تھی، بلکہ بعض مواقع تو ایسے بھی آئے کہ غیر مسلموں کو ترجیحی مراعات حاصل رہیں، انگریز تاجر بن کر آئے اور سازشوں کے بل بوتے پر حکمراں بن بیٹھے، ان کی حکومت کو سب سے زیادہ خطرہ مسلمانوں سے تھا۔ ایک تو اس لیے کہ مسلمان عرصۂ دراز تک یہاں حکومت کر چکے تھے۔ دوسرے اس لیے کہ ان کی ایمانی حرارت انھیں کسی وقت انگریزوں کے ظالمانہ رویے اور غیر انسانی طرز حکومت کے خلاف آمادۂ جہاد کر سکتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے مسلمانوں کی قوت پامال کرنے اور ان کی ملی وحدت کا شیرازہ منتشر کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

وہ اس حقیقت سے پوری طرح باخبر تھے کہ مسلمانوں کی بقا اور ترقی کا راز ایمان اور اتحاد میں مضمر ہے۔ اسی لیے انھوں نے اپنی تمام تر توانائیاں اسی بنیاد کو کمزور اور ختم کرنے پر صرف کر دیں، دینی مدارس کو بے اثر بنانے کے لیے اسکول اور کالج کھولے، تعلیم کی تجدید کے نام پر نہایت چابک دستی اور عیاری سے وہاں تعلیم پانے والے بچوں کے ذہن و دماغ کو الحاد اور بے دینی کے زہر سے مسموم کیا۔ ملی اتحاد ختم کرنے کے لیے نئے نئے پیدا ہونے والے فرقوں کی حوصلہ افزائی کی۔

اور اسی دور پُرفتن میں اس قسم کے مباحث پھیلائے گئے کہ اللہ تعالی جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی آجائے تو آپ کے خاتم النبیین ہونے میں فرق آئے گا یا نہیں، بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی نے تو نبی ہونے کا دعوی ہی کر دیا۔ اللہ تعالی کے حبیب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور دیگر محبوبان خدا کی شان میں توہین و تنقیص کی زبان درازی کی گئی، کسی نے کہا کہ وہ تو بس ہمارے جیسے بشر ہیں، کسی نے کہا: انہیں دیوار کے پیچھے کی بھی خبر نہیں، کوئی ان کے علم کو شیطان اور ملک الموت کے علم

سے کم بتانے لگا، اور یہاں تک دعوی کر بیٹھا کہ شیطان اور ملک الموت کے علم کی وسعت اور پوری روے زمین کے احوال وکوائف سے ان کا باخبر ہونا تو قرآن و حدیث کے قطعی نصوص سے ثابت ہے اور سرکار اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے علم کی وسعت کسی نص سے ثابت نہیں۔ اور کسی نے تو یہاں تک لکھ مارا کہ ان کے جیسا علم غیب تو عام انسانوں، بلکہ بچوں اور پاگلوں، بلکہ تمام جانوروں اور چوپایوں کو حاصل ہے۔ کسی نے لکھا کہ میلاد مصطفیٰ تو کنھیا کے جنم کی طرح ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امت مسلمہ کے اتحاد و اتفاق کا محل زمیں بوس ہو گیا، اس کی وحدت و سالمیت جاتی رہی، اور قوم مسلم مختلف فرقوں اور ٹولیوں میں بٹ گئی اور متحدہ ہندو پاک میں اتنے فرقے پیدا ہو گئے کہ دوسرے کسی بھی اسلامی ملک میں اس کی نظیر ملنا دشوار ہے۔

ایسے نازک اور پر فتن دور میں امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ نے جنم لیا، اور عقل و شعور کی آنکھیں کھولتے ہی ان اسلام دشمن ٹولیوں اور غیر اسلامی افکار و نظریات کا رد بلیغ فرمایا، فرقہ بندی کی بھرپور حوصلہ شکنی کی، اور ملی اتّحاد پر زور دیا، ان کی علمی اور تحقیقی مساعی کا محور ہی ملی اتحاد تھا۔

ذیل میں انھی کی زندگی کے کچھ تابندہ گوشوں اور زریں خدمات کو پیش کیا جارہا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے احوال زندگی پر ایک اجمالی نظر:

اعلی حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ ۱۰ ر شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ ر جون ۱۸۵۶ء کو اتر پردیش کے شہر بریلی کے ایک دینی وعلمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔

- بسم اللہ خوانی ہی کے دن الف، با، تا، ثا پڑھتے ہوئے "لا" پر حیرت انگیز عالمانہ اعتراضات کیے۔
- چار سال کی عمر میں ناظرہ قرآن مجید ختم کیا۔
- چھ سال کی عمر میں ایک نو وارد عرب سے دیر تک فصیح عربی میں گفتگو کی۔
- آٹھ سال کی عمر میں فن نحو کی مشہور کتاب "ہدایۃ النحو" کی دوران تعلیم ہی عربی زبان میں شرح لکھی۔
- دس سال کی عمر میں اصول فقہ کی نہایت دقیق، مشکل اور اہم کتاب "مسلم الثبوت" پر عربی زبان میں ایک شاندار، اور گراں قدر عالمانہ حاشیہ لکھا۔
- تیرہ سال، دس ماہ، پانچ دن کی عمر میں تمام مروّجہ درسی علوم وفنون سے فراغت حاصل کر کے باقاعدہ تدریس کا آغاز کیا، اور منصب افتا کی ذمہ داری سنبھال لی۔ پھر خداداد ذہانت، فطری لیاقت و قابلیت اور زورِ مطالعہ سے تدریجاً مختلف مشرقی و مغربی علوم کو خود ہی حل فرما کر دادِ تحقیق دی، اور ان میں سے بیش تر

میں اپنے پیچھے علمی نقوش وآثار یادگار چھوڑے۔ [۱]

○ بائیس سال کی عمر میں تاج الفحول علامہ عبد القادر بدایونی علیہ الرحمہ کے ایما پر ۱۲۹۴ھ میں اپنے والد گرامی عمدۃ المحققین علامہ نقی علی خان قادری قدس سرہ کے ساتھ مارہرہ شریف حاضر ہوکر حضرت خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول مارہروی علیہ الرحمۃ والرضوان کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور اسی وقت والد گرامی کے ساتھ اجازت وخلافت سے بھی سرفراز کیے گئے۔ [۲]

○ ۱۲۹۵ھ میں اپنے والد ماجد کے ساتھ پہلا سفر حج فرمایا، اور زیارت حرمین طیبین سے شرف یاب ہوئے، اور حضرت علامہ سید احمد زینی دحلان مفتی شافعیہ اور حضرت شیخ عبد الرحمن سراج مفتی حنفیہ جیسے جلیل القدر اور متبحر علمائے حرمین شریفین سے حدیث، فقہ، اصول فقہ، تفسیر اور دیگر علوم کی سندیں حاصل کیں، امام شافعیہ حضرت شیخ حسین بن صالح جمل اللیل نے کسی سابقہ تعارف کے بغیر آپ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے دولت کدہ پر تشریف لائے، اور آپ کی پیشانی کو پکڑ کر فرمایا: إني لأجد نور الله في هذا الجبين. (بے شک میں اس پیشانی میں اللہ کا نور پاتا ہوں۔) اور صحاحِ ستہ اور سلسلہ قادریہ کی اجازت اپنے دست مبارک سے لکھ کر عنایت فرمائی۔ [۳]

○ پھر تدریس، افتا اور تصنیف وتالیف کے ساتھ اصلاحِ معاشرہ کی طرف خصوصی توجہ دی۔ مسلمانوں میں پھیلے ہوئے غلط رسم ورواج کو مٹانے کے درپے ہوئے، بدعات وخرافات کے خلاف محاذ قائم کیا۔ اور دوسرے باطل مذاہب کی تردید کے ساتھ خود اسلام کے نام پر غیر اسلامی نظریات پھیلانے والے مختلف فرقوں کے ردو ابطال میں پوری تن دہی کے ساتھ مصروف ہوگئے۔

○ ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء کو مخدومِ جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے جانشین جناب حضور شاہ امین احمد فردوسی، زیب سجادہ خانقاہ معظم بہار شریف" کی صدارت میں منعقد پٹنہ کے تاریخ ساز اجلاس میں غیر منقسم ہندوستان (موجودہ ہندو پاک وبنگلہ دیش) کے سیکڑوں علما، مشائخ اور خانقاہوں کے سجادہ نشین حضرات کی موجودگی میں "مجدد مائۃ حاضرہ" (موجودہ صدی کے مجدد) کے گراں قدر خطاب سے سرفراز ہوئے۔ اور آپ کی تمام تصنیفات (جو اس وقت دو سو کے قریب تھیں) کا نصف حصہ، تقریباً ایک سو کتابوں

---

(۱) حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۸، مطبوعہ: رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء۔
(۲) امام احمد رضا اور تصوف، ص:۹، مطبوعہ: المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء۔
(۳) حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۳۳، مطبوعہ: رضا اکیڈمی، ممبئی۔

کا پہلا ایڈیشن مطبع تحفہ حنفیہ پٹنہ سے شائع ہوا۔

○ ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۰۶ء میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور دیگر ممالک کے علما و مشائخ نے بھی آپ کی مجددیت کا برملا اعتراف کیا اور آپ کو "امام الائمہ" کے لقب سے یاد کیا۔

○ ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۱ء کو آپ نے اردو زبان میں قرآن کریم کا صحیح ترین ترجمہ "کنز الایمان" پھر فقہ اسلامی کا عظیم دائرۃ المعارف "فتاوی رضویہ" عالم اسلام کو عطا فرمایا۔

○ پھر احیاے علوم اور تجدید دین کے ان داخلی امور کی انجام دہی کے ساتھ، خارجی امور کی طرف بھی توجہ فرمائی، اور ناقابلِ انکار مستحکم دلائل کے ذریعے فلسفیوں کے ہذیانات اور باطل افکار و خیالات کے تار و پود بکھیر دیے۔

○ سائنس کی جانی مانی قد آور شخصیتوں نیوٹن، کاپرنیکس، کیپلر اور آئن اسٹائن کا تعاقب کرتے ہوئے ان کے بعض غلط نظریات کا انھیں کے اصولوں کی روشنی میں عالمانہ رد فرمایا۔

○ امریکہ کے مشہور نجومی پروفیسر ایف پورٹا کی غلط پیشین گوئی کی دھجیاں اڑائیں۔ (۱)

○ ماہر ریاضیات ڈاکٹر سر ضیاء الدین وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے علم ریاضی کے پیچیدہ اور لاینحل سوالوں کو چشم زدن میں حل فرمایا، جس کے اعتراف میں ان کو یہ کہنے پر مجبور ہونا پڑا کہ "میں سنا کرتا تھا کہ علم لدنی بھی کوئی شے ہے، آج آنکھوں سے دیکھ لیا"۔ (۲)

○ شہر بریلی کے گوشۂ گم نامی میں بیٹھ کر انگریزوں اور ان کی غاصبانہ حکومت کی مخالفت کی۔ غیر شرعی تحریک خلافت کا رد کیا۔ اور ہندوستان سے مسلمانوں کی عام ہجرت پر پیشگی بند باندھا۔

○ اس طرح قمری مہینے کے اعتبار سے ۶۷ سال کچھ ماہ کی عمر پا کر ۲۵ / صفر ۱۳۴۰ھ / ۲۸ / اکتوبر ۱۹۲۱ء جمعہ کے دن ۲ / بج کر ۳۸ / منٹ پر اس دار فانی سے دارِ آخرت کی طرف رحلت فرمائی۔ (۳)

خاندانی حالات:

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے آبا و اجداد قندھار (افغانستان) کے موقر قبیلہ "بڑہیچ" کے پٹھان تھے۔ مغل بادشاہوں کے عہد سلطنت میں وہ لاہور آئے اور معزز عہدوں پر فائز رہے، لاہور کا

---

(۱) حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول، ص:۱۰، مطبوعہ: رضا اکیڈمی، ممبئی۔
(۲) حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۲۷۲، مطبوعہ: رضا اکیڈمی، ممبئی۔
(۳) حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول، ص:۱۰، مطبوعہ: رضا اکیڈمی، ممبئی۔

شیش محل انھیں کی جاگیر تھا، پھر وہاں سے دہلی آئے اور اعلی عہدوں پر رہے۔ محمد سعید اللہ خان شش ہزاری عہدے پر فائز تھے، اور انھیں ''شجاعت جنگ'' خطاب ملا تھا۔

ان کے صاحبزادے سعادت یار خاں سلطنت کی جانب سے ایک مہم سر کرنے کے لیے بریلی، روہیل کھنڈ بھیجے گئے، فتح یابی پر ان کو بریلی کا صوبہ دار بنانے کے لیے شاہی فرمان آیا، لیکن وہ ایسے وقت ان تک پہنچا جب کہ وہ بستر مرگ پر تھے۔ ان کے تین صاحبزادے تھے: (۱) اعظم خاں (۲) معظم خاں (۳) مکرم خاں، یہ سبھی بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے، ان کا ماہانہ وظیفہ ایک ہزار سے کم نہ تھا۔

اعظم خاں بریلی تشریف فرما ہوئے، اور دنیا چھوڑ کر خالقِ دنیا سے لو لگائی، زہد وتقوی اور قناعت واستغنا اختیار کیا۔ ''شاہزادے کا تکیہ'' جو محلہ معماران بریلی میں ہے آپ ہی کی نسبت سے مشہور ہے۔ ان کا وہیں قیام تھا اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔ (۱)

ان کے صاحبزادے جناب حافظ محمد کاظم علی خاں علیہ الرحمہ شہر بدایوں کے تحصیل دار تھے۔ اور یہ عہدہ آج کل کی کلکٹری کے ہم پلہ تھا۔ دو سو سواروں کی بٹالین خدمت میں رہتی تھی، آٹھ گاؤں مغل شاہی دربار سے جاگیر میں ملے تھے۔

حضرت حافظ صاحب کے صاحب زادے، قدوۃ الواصلین، زبدۃ الکاملین، قطب وقت حضرت مولانا رضا علی خاں علیہ الرحمۃ والرضوان تھے، بلند پایہ عالم اور اپنے معاصرین میں علم وتقوی دونوں میں ممتاز تھے، فقہ وتصوف میں ید طولی رکھتے تھے۔ زہد وقناعت، علم وتواضع، تجرید وتفرید، سلام میں پہل کرنے میں نمایاں تھے۔ ۲/ جمادی الاولی ۱۲۸۲ھ میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ (۲)

آپ اویس زمان، مولانا شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی علیہ الرحمہ کے فیض یافتہ مرید تھے۔ (۳)

آپ بڑے باکرامت اور صاحب روحانیت بزرگ تھے۔ مولانا محمد حسن علمی بریلوی، جن کے خطبے ''مجموعہ خطب علمی'' کے نام سے ہر جگہ مشہور ہیں، شہر تو شہر، دیہات کی مساجد میں بھی وہ پڑھے جاتے ہیں، وہ حضرت ہی کے شاگرد و مرید تھے۔ اس مجموعے کے اخیر میں علمی صاحب خود تحریر فرماتے ہیں:

''اس مؤلفِ عاصی محمد حسن علمیؔ کو امیدواری جناب باری عزّ اسمہ سے یہ ہے کہ اپنے فضل عمیم اور

---

(۱) حیات اعلی حضرت، ص:۸۲۔

(۲) حیات اعلی حضرت، ج:۱، ص:۸۳-۸۵، مطبوعہ: رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۳) اویس زمان، شاہ فضل رحمن گنج مراد آبادی، ص:۴۴۔

طفیل رسول کریم، ملقب بہ ”انک لعلی خلق عظیم“ کے ہم سب مومنین کو بعفو جرائم وعصیان اور فیضان توفیق واحسان کے عزت بخشے۔ اور ہمارے مرشد و مولی، عالم علم ربانی، مقبول بارگاہ سبحانی، مخزن اسرار معقول ومنقول، کاشف استار فروع واصول، مطلع العلوم، مجمع الفہوم، عالم باعمل، فاضل بے بدل، منبع الاخلاق، منہل الاشفاق، مصدر احسان، مظہر امتنان، مولانا و مخدومنا، لوذعی زمان، مولوی رضاعلی خان کو بیچ دونوں جہان کے رحمت خاصہ میں اپنی رکھ کر اقصی مراتبِ قبولیت کو پہنچائے۔ آمین یارب العالمین “(۱)

حضرت مولانا رضاعلی خاں قدس سرہ کے صاحب زادے رئیس المتکلّمین، تاج الفقہاء حضرت مولانا مفتی نقی علی خاں قادری برکاتی علیہ الرحمہ تھے، یکم رجب ۱۲۴۶ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ اپنے والد ماجد سے تعلیم و تربیت اور علوم درسیہ سے فراغت پائی۔ فطری شجاعت کے علاوہ سخاوت، تواضع اور استغنا سے موصوف تھے۔ ذہانت، اصابت رائے، ژرف نگاہی میں معاصرین سے ممتاز تھے۔ (۲)

عقائد وکلام اور فقہ وافتا میں تو ان کا کوئی جواب ہی نہ تھا، اس کا اندازہ امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کی درج ذیل شہادت سے ہوتا ہے:

”رد وہابیہ اور افتا دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے۔ ان میں بھی طبیبِ حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے۔ میں بھی ایک حاذق طبیب کے مطب میں سات برس بیٹھا۔ مجھے وہ وقت، وہ دن، وہ جگہ، وہ مسائل اور جہاں سے وہ آئے تھے اچھی طرح یاد ہیں۔ میں نے ایک بار ایک پیچیدہ حکم بڑی کوشش وجاں فشانی سے نکالا اور اس کی تایدات مع تنقیح آٹھ ورق میں جمع کیں، مگر جب حضرت والد ماجد قدس سرہ کے حضور میں پیش کیا تو انھوں نے ایک جملہ ایسا فرمایا کہ اس سے یہ سب ورق رد ہوگئے۔ وہی جملے اب تک دل میں پڑے ہوئے ہیں اور قلب میں اب تک ان کا اثر باقی ہے۔“ (۳)

مولانا شاہ محرم علی چشتی، صدر انجمن نعمانیہ، لاہور کے ایک سوال مسئولہ ۱۵ر جمادی الآخرہ ۱۳۲۰ھ کے جواب میں اعلی حضرت لکھتے ہیں:

”آہ آہ آہ! ہندوستان میں میرے زمانۂ ہوش میں دو بندۂ خدا تھے جن پر اصول و فروع و عقائد و فقہ سب میں اعتمادِ کلی کی اجازت تھی۔

(۱) حیات اعلی حضرت، ج:۱، ص:۸۷،۸۸، مطبوعہ: رضا اکیڈمی، ممبئی۔
(۲) حیات اعلی حضرت، ج:۱، ص:۹۷، مطبوعہ: رضا اکیڈمی، ممبئی۔
(۳) الملفوظ، ج:۱، ص:۳۷، کتب خانہ سمنانی، میرٹھ۔

اول اقدسِ حضرت خاتم المحققین سیدنا الوالدقدس سرہ الماجد، حاش للہ! نہ اس لیے کہ وہ میرے والد و والی ولی نعمت تھے بلکہ اس لیے کہ الحق والحق أقول، الصدق واللہ یحب الصدق. میں نے اس طبیبِ صادق کا برسوں مطب پایا اور وہ دیکھا کہ عرب وعجم میں جس کا نظیر نظر نہ آیا۔ اس جناب رفیع قدس اللہ سرہ البدیع کو اصولِ حنفی سے استنباطِ فروع کا ملکہ حاصل تھا۔ اگرچہ کبھی اس پر حکم نہ فرماتے، مگر یوں ظاہر ہوتا تھا کہ کوئی نادر ودقیق ومعضل مسئلہ پیش نہ ہوا کہ کتب متداولہ میں جس کا پتہ نہیں، (اس) خادم کمینہ کو مراجعتِ کتب واستخراجِ جزئیہ کا حکم ہوتا اور ارشاد فرماتے: "ظاہراً حکم یوں ہونا چاہیے۔" جو وہ فرماتے وہی نکلتا، یا بعض کتب میں اس کا خلاف نکلتا تو زیادتِ مطالعہ نے واضح کر دیا کہ دیگر کتب میں ترجیح اسی کو دی جو حضرت نے ارشاد فرمایا تھا۔

عجم کی حالت تو آپ ملاحظہ ہی فرماتے ہیں۔ عرب کا حال یہ ہے کہ اس جنابِ قدس کا یہ ادنیٰ خوشہ چیں وزلّہ ربا، جو مکہ معظمہ میں اس بار حاضر ہوا، وہاں کے اعلم العلماء وافقہ الفقہاء سے چھ چھ گھنٹے مذاکرہ علمیہ کی مجلس گرم رہتی، جب انہوں نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ فقہ حنفی کے دو حرف جانتا ہے اپنے زمانہ کے عہدِ افتا کے مسائل کثیرہ جن میں وہاں کے علماء سے اختلاف پڑا، یا اشتباہ رہا، اس ہیچ میرز پر پیش فرمانا شروع کیے، جس مسئلہ اور حکم میں اس احقر نے ان کی موافقت عرض کی آثارِ بشاشت ان کے چہرہ نورانی پر ظاہر ہوئے اور جس میں عرض کر دیا کہ فقیر کی رائے میں حکم اس کے خلاف ہے، سماعِ دلیل سے پہلے آثارِ حزن نمایاں ہوئے اور خیال فرمالیتے کہ ہم سے اس حکم میں لغزش واقع ہوئی۔ یہ اسی طبیبِ حاذق کی کفش برادری کا صدقہ ہے۔ دوم: والا حضرت تاج الفحول محبِ رسول مولانا مولوی عبدالقادر صاحب قادری بدایونی قدس سرہ الشریف۔ الخ"[۱]

آخر ذی قعدہ ۱۲۹۷ھ کو پنج شنبہ کے دن، ظہر کے وقت اکیاون برس پانچ مہینہ کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے والد ماجد (حضرت مولانا مفتی رضا علی خاں) علیہ الرحمہ کے پہلو میں آسودۂ خواب ہوئے۔[۲]

رئیس المتکلّمین حضرت مفتی نقی علی خاں قادری علیہ الرحمۃ کی شادی اسفندیار بیگ کی بڑی صاحب زادی (حسینی خانم) سے ہوئی جن سے درج ذیل اولادیں ہوئیں۔ (۱) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں (۲) استاذِ زمن مولانا حسن رضا خاں (۳) مولانا محمد رضا خاں (۴) حجاب بیگم زوجہ وارث علی خاں (۵) احمدی بیگم زوجہ شاہ ایران خاں (۶) محمدی بیگم زوجہ کفایت اللہ خاں۔[۳]

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۳۰، ۱۳۱۔
(۲) حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۹۴۔
(۳) حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۰۱۔

ولادت:

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی ولادت باسعادت ۱۰/ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴/ جون ۱۸۵۶ء کو شنبہ کے دن، ظہر کے وقت بریلی شہر کے محلہ جسولی میں ہوئی، پہلے وہی آپ کا آبائی مکان اور آپ کے جد امجد حضرت مولانا رضا علی خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کی قیام گاہ تھی۔

جب آپ شکم مادر میں تھے آپ کے والد ماجد مفتی نقی علی خاں علیہ الرحمۃ نے ایک رات بہت عجیب وغریب خواب دیکھا، جس سے کچھ پریشان ہوئے، صبح کو اٹھے تو بھی اس کی تشویش ذہن ودماغ کے پردہ پر باقی تھی۔ صبح کو اپنے والد ماجد عارف باللہ حضرت مولانا رضا علی خاں علیہ الرحمہ سے خواب بیان فرمایا۔ حضرت نے فرمایا: ”یہ خواب مبارک ہے۔ بشارت ہو کہ پروردگار عالم تمھارے نطفہ سے ایک ایسا فرزند عطا فرمائے گا جو علم کے دریا بہائے گا، جس کا شہرہ مشرق ومغرب میں پھیلے گا۔“ (۱)

جب اعلی حضرت کی ولادت ہوئی تو انھیں دادا جان (حضرت مولانا رضا علی خاں قدس سرہ) کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ دیکھ کر گود میں لیا اور فرمایا: ”یہ میرا بیٹا بہت بڑا عالم ہوگا۔“

آپ کا تاریخی نام ”المختار“ ہے۔ آپ نے اپنا سنۂ ولادت درج ذیل آیت کریمہ سے نکالا: ”أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ“.

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ (یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا ہے اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعہ ان کی مدد فرمائی ہے۔)

اس آیت کا ابتدائی حصہ یہ ہے: لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ. (مجادلہ،۵۸/۲۲)

(نہ پائیں گے آپ ان لوگوں کو جو اللہ ورسول اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اللہ ورسول کے مخالفوں سے دوستی رکھیں، اگرچہ وہ ان کے باپ یا ان کی اولاد یا ان کے بھائی یا ان کے کنبے قبیلے ہی کے کیوں نہ ہوں۔)

خود اعلی حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

بحمد اللہ تعالی! بچپن سے مجھے نفرت ہے اعداء اللہ (دشمنانِ خدا) سے۔ اور میرے بچوں اور بچوں

---

(۱) حیات اعلی حضرت، ج:۱، ص:۱۰۲۔

کے بچوں کو بھی بفضل اللہ تعالیٰ عداوتِ اعداء اللہ (دشمنانِ خدا سے دشمنی) گھٹی میں پلادی گئی ہے۔ اور بفضلہ تعالیٰ یہ وعدہ بھی پورا ہوا "اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ۔ بحمد اللہ اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا لَا اِلٰهَ اِلَّا الله، دوسرے پر لکھا ہوگا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

اور بحمد اللہ تعالیٰ ہر بدمذہب پر ہمیشہ فتح وظفر حاصل ہوئی۔ ربُّ العزّت جل جلالہ نے رُوحُ القُدُس سے تائید (یعنی مدد) فرمائی۔ اللہ تعالیٰ پورا فرمائے: وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (مجادلہ:۲۲)

(اور انھیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں، ان میں ہمیشہ رہیں، اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، یہ اللہ کی جماعت ہے، سنتا ہے! اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔)

یہ سب برکات ہیں حضرت جد امجد (یعنی حضرت مولانا رضا علی خان) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔ قرآن عظیم میں خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ میں ہے کہ دو یتیم بچے ایک مکان میں رہتے تھے، اس کی دیوار گرنے والی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا، خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دیوار کو سیدھا کر دیا۔ اس واقعہ میں فرمایا جاتا ہے: وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ (اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔) (الکھف:۸۲) اس کی برکت سے یہ رحمت کی گئی۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: وہ باپ ان کی چودھویں پُشت میں تھا۔ صالح باپ کی یہ برکات ہوتی ہیں، تو یہاں تو ابھی تیسری ہی پُشت ہے۔ دیکھیے کب تک برکات اس سلسلے میں رہیں۔"[۱]

بسم اللہ خوانی وسلسلۂ تعلیم:

صحیح طور پر یہ معلوم نہ ہوسکا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی بسم اللہ خوانی کس عمر میں ہوئی۔ لیکن بسم اللہ خوانی کے وقت ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا جو آپ کی ذہانت وفطانت کی روشن دلیل ہے۔ استاذ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد الف، با، تا، ثا پڑھانا شروع کیا۔ آپ استاذ کے پڑھانے کے مطابق پڑھتے رہے۔ جب لام الف (لا) تک پہنچے، استاذ نے فرمایا: کہو لام الف۔ آپ خاموش رہے اور نہیں کہا، استاذ نے دوبارہ کہا: کہو میاں، لام الف۔ آپ نے فرمایا: یہ دونوں تو پڑھ چکے ہیں، لام بھی پڑھ چکے ہیں اور

---

(۱) حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۰۲-۱۰۵۔

الف بھی پڑھ چکے ہیں، یہ دوبارہ کیسا؟ اس وقت آپ کے دادا جان عالم ربانی حضرت مولانا رضا علی خان بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنی فراست ایمانی سے بھانپ لیا، اور فرمایا: بیٹا! استاذ کا کہا مانو، جو کہتے ہیں پڑھو، آپ نے اپنے دادا جان کے حکم کی تعمیل کی، اور ان کے چہرے کی طرف دیکھنے لگے، دادا جان نے تاڑ لیا کہ اس بچے کو شبہہ یہ ہو رہا ہے کہ یہ حروفِ مفردہ کا بیان ہے، اب اس میں ایک مرکب لفظ کیسے آگیا؟ یہ دونوں حرف تو الگ الگ پڑھ ہی چکے ہیں۔ اگرچہ بچے کی عمر کے لحاظ سے اس فلسفے کو بیان کرنا مناسب نہ تھا۔ اور سمجھ سے بالاتر خیال کیا جاتا، مگر مشہور کہاوت ہے: ”ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات“۔ حضرت جد امجد نے نورِ باطنی سے سمجھ لیا کہ یہ لڑکا کچھ ہونے والا ہے، اسی لیے اس چھوٹی سی عمر ہی میں ان کے سامنے اسرار و نکات کا بیان کرنا مناسب سمجھا، اور فرمایا: بیٹا! تمھارا خیال درست اور سوال بجا ہے، لیکن در اصل بات یہ ہے کہ شروع میں تم نے جس کو الف پڑھا حقیقت میں وہ ہمزہ ہے، اور یہ در حقیقت الف ہے۔ لیکن الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے، اور کسی ساکن حرف سے ابتدا کرنا ناممکن ہے، اس لیے ایک حرف ”لام“ شروع میں لا کر اس کا تلفظ بتانا مقصود ہے۔ اعلی حضرت نے کہا: تو کوئی بھی ایک حرف ملا دینا کافی تھا، اتنے دور کے بعد لام کی خصوصیت کیا ہے؟ با، تا، دال، سین بھی شروع میں لا سکتے تھے۔ دادا جان نے فرط مسرت سے آپ کو گلے لگا لیا، اور دل سے بہت دعائیں دیں۔ اور فرمایا: لام اور الف میں صورت اور سیرت دونوں اعتبار سے ایک خاص مناسبت ہے۔ ظاہراً لکھنے میں دونوں کی صورت ایک سی ہوتی ہے، ”لَا“ یا ”لَا“۔ اور سیرت کے اعتبار سے یوں کہ لام کا قلب الف ہے اور الف کا قلب لام ہے، یعنی یہ اس کے بیچ میں ہے اور وہ اس کے بیچ میں، گویا:

من تو شدم تو من شدی، من جاں شدم تو تن شدی
تا کس نگوید بعد ازیں، من دیگرم تو دیگری

کہنے کو تو آپ کے دادا جان نے لام، الف کو مرکب لانے کی وجہ بیان فرمائی مگر باتوں بات میں سب کچھ بتا دیا، اور اسرار و حقائق کے رموز واشارات کے دریافت وادراک کی صلاحیت اور قابلیت اسی وقت سے پیدا کر دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کی نگاہوں نے دیکھ لیا کہ شریعت میں اگر وہ امام ابو حنیفہ کے قدم بقدم ہیں تو طریقت میں سیدنا غوث اعظم کے نائب اکرم ہیں۔

سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ کاشانۂ اقدس پر ایک مولوی صاحب چند بچوں کو پڑھایا کرتے تھے، اعلی حضرت علیہ الرحمہ بھی ان سے قرآن کریم پڑھتے تھے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ مولوی صاحب کسی آیت کریمہ میں بار بار ایک لفظ آپ کو بتاتے، مگر آپ کی زبان سے نہیں نکلتا تھا۔ وہ زیر بتاتے تھے اور آپ زبر

پڑھتے تھے۔ یہ کیفیت آپ کے داداجان قطب ربانی حضرت مولانا رضا علی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دیکھ کر آپ کو اپنے پاس بلالیا، اور کلام پاک منگا کر دیکھا تو اس میں کاتب سے اعراب کی غلطی ہو گئی تھی۔ زیر کی جگہ زبر لکھ گیا تھا، اور یوں ہی بے تصحیح چھپ گیا تھا۔ داداجان نے آپ سے دریافت کیا کہ مولوی صاحب جس طرح تم کو بتاتے تھے اسی طرح کیوں نہیں پڑھتے تھے؟ عرض کیا: میں ارادہ کرتا تھا کہ اسی طرح پڑھوں، مگر زبان پر قابو نہ پاتا تھا۔ داداجان نے فرمایا: خوب۔ اور مسکرا کر سر پر دستِ شفقت پھیرا، اور دل سے دعا دی۔ پھر ان مولوی صاحب سے فرمایا: یہ بچہ صحیح پڑھ رہا تھا، کاتب نے غلط لکھ دیا تھا، پھر اپنے قلم سے اس کی تصحیح فرمادی۔

اعلیٰ حضرت خود فرماتے تھے کہ میرے استاد جن سے میں ابتدائی کتاب پڑھتا تھا، جب مجھے سبق پڑھادیا کرتے۔ میں ایک دوبار اسے دیکھ کر کتاب بند کر دیتا، جب سبق سنتے تو حرف بحرف، لفظ بلفظ سنا دیتا۔ روزانہ یہ حالت دیکھ کر وہ سخت تعجب کرتے، ایک دن مجھ سے فرمانے لگے: کہ احمد میاں! یہ تو بتاؤ تم آدمی ہو یا جن؟ کہ مجھ کو پڑھاتے دیر لگتی ہے، مگر تم کو یاد کرتے دیر نہیں لگتی۔ (۱)

جب آپ عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھ چکے تو تمام مروجہ درسیات کی تعلیم اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ سے حاصل کی۔ اور ۱۲۸۶ھ میں تیرہ سال، دس ماہ کی عمر میں تمام درسیات سے فراغت پائی۔ زبر و بینات کے لحاظ سے ''تعویذ'' تاریخِ فراغت ہے، اور اس میں صاف بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کو دشمنوں سے پناہ میں رکھے گا۔ اور دوسرا مادۂ تاریخ ''غفور'' ہے، اور اس میں یہ خوش خبری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے آپ کی اور آپ کے وابستگانِ دامن کی مغفرت فرمانے والا ہے:

دنیا، مزار، حشر، جہاں ہیں غفور ہیں
ہر منزل اپنے ماہ کی، منزل غفر کی ہے (۲)

اساتذۂ کرام:

آپ نے ابتدائی کتابیں ایک مولوی صاحب سے پڑھیں (جن کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔) پھر میزان ومنشعب وغیرہ جناب مرزا غلام قادر بیگ (قادری برکاتی) سے پڑھنا شروع کیا۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ میں جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ میں شرف بیعت سے مشرف ہوا، تعلیمِ

(۱) حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۱۰-۱۱۳۔
(۲) حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۱۴۔

طریقت اپنے پیرو مرشد (خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی علیہ الرحمہ) سے حاصل کی، ۱۲۹۶ھ میں حضرت کا وصال ہوا تو قبلِ وصال مجھے اپنے پوتے سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری (سجادہ نشین خانقاہ مارہرہ مطہرہ) کے سپرد فرمایا۔ حضرت نوری میاں صاحب سے میں نے کچھ تعلیم طریقت، علم جفر، علم تکسیر وغیرہ علوم حاصل کیے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اعلی حضرت علیہ الرحمہ والرضوان کے شیوخ اور اساتذہ کی تعداد بہت مختصر ہے:

[۱] اعلی حضرت کے وہ استاد جنھوں نے ابتدائی کتابیں پڑھائیں۔

[۲] مرزا غلام قادر بیگ قادری برکاتی بریلوی

[۳] مولانا عبدالعلی رام پوری (جن سے ہیأت کی ایک کتاب شرح چغمینی پڑھی)

[۴] علامہ نقی علی خاں قادری بریلوی (والد ماجد)

[۵] سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی

[۶] خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول مارہروی (پیرو مرشد) علیہم الرحمۃ والرضوان

ان چھ حضرات کے علاوہ آپ نے کسی کے سامنے زانوے تلمذ تہ نہیں کیا، مگر اللہ تعالی نے اپنے فضل و کرم، آپ کی کوشش و محنت اور خداداد ذہانت کی وجہ سے آپ کو اتنے علوم و فنون میں کمال اور مہارت عطا فرمائی کہ پچاس فنون میں آپ نے کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اور علوم و معارف کے وہ دریا بہائے کہ اپنے تو اپنے، پرائے بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کشور علم کے تاج دار اور قلم کے بادشاہ ہیں جس مسئلے پر قلم اٹھایا اسے ایسا پانی پانی کر دیا کہ نہ موافق کے لیے اس میں کسی اضافہ کی گنجائش باقی رہی، نہ مخالف کے لیے مجالِ دم زدن۔ [۱]

شادی اور اولاد:

اعلی حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کا نکاح ۱۲۹۱ھ میں شیخ افضل حسین عثمانی کی بڑی صاحب زادی "ارشاد بیگم" سے ہوا۔

آپ کی سات اولادیں ہوئیں:

دو شاہ زادے: (۱) حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں قادری (۲) مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مصطفٰی رضا خاں نوری۔

---

(۱) حیات اعلی حضرت، ج:۱، ص:۱۱۴-۱۱۶۔

پانچ صاحبزادیاں:(۱)مصطفائی بیگم (۲)کنیز حسن (۳)کنیز حسین (۴)کنیز حسنین (۵)مرتضائی بیگم۔

حضرت حجۃ الاسلام کی شادی پھوپھی زاد بہن کنیز عائشہ سے ہوئی، ان سے دو صاحب زادے اور چار صاحب زادیاں ہوئیں۔ (۱) ابراہیم رضا خاں (۲) حماد رضا خاں (۳) ام کلثوم (۴) کنیز صغری (۵) رابعہ (۶) سلمیٰ۔

حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی شادی چھوٹے چچا حضرت مولانا محمد رضا خاں کی اکلوتی صاحب زادی سے ہوئی۔ ان سے سات اولادیں ہوئیں: (۱) صاحب زادہ مرحوم (۲) نگار فاطمہ (۳) انوار فاطمہ (۴) برکاتی بیگم (۵) رابعہ بیگم (۶) ہاجرہ بیگم (۷) شاکرہ بیگم۔

صاحب زادے تو کم سنی ہی میں داغِ مفارقت دے گئے، جس کا نہ صرف والدین بلکہ پورے خاندان، اعزہ واقربا اور مریدین ومتعلقین ومتوسلین کو صدمہ ہوا۔(۱)

بیعت وخلافت:

امام احمد رضا قدس سرہ ۱۲۹۴ھ میں تاج الفحول علامہ شاہ عبد القادر بدایونی علیہ الرحمہ کے ایما پر اپنے والد گرامی عمدۃ المحققین حضرت علامہ نقی علی خاں قادری قدس سرہ کے ہمراہ مارہرہ شریف خاتم الاکابر حضرت سیدنا شاہ آل رسول مارہروی علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ میں حاضر ہوکر بیعت سے شرف یاب ہوئے، اسی وقت والد گرامی کے ساتھ اجازت وخلافت سے سرفراز کیے گئے۔ اس سفر میں حضرت تاج الفحول اور اعلیٰ حضرت کے استاذ مرزا عبد القادر بیگ بریلوی بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ مرزا صاحب موصوف بھی اسی موقع پر حضرت خاتم الاکابر علیہ الرحمۃ والرضوان کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔(۲)

حضرت سیدنا شاہ آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ تعالی علیہ ان ارباب سلوک اور اہلِ ایصال، مرشدین کرام میں سے تھے جو اپنے مریدین ومسترشدین کو ریاضت ومجاہدہ کی سخت منزلوں سے گزارتے، ان کے قلوب کا بھرپور تزکیہ وتصفیہ کرتے، پھر جب انھیں سجادۂ مشیخت اور مسند ارشاد پر جلوہ آرائی کے قابل دیکھتے تو خلافت واجازت سے سرفراز کرتے۔ مگر امام احمد رضا قدس سرہ اور ان کے والد گرامی کو بلا ریاضت ومجاہدہ بیعت کے ساتھ ہی خلافت بھی دے دی گئی، یہ اس بارگاہ کا ایک عجیب وغریب واقعہ تھا۔

---

(۱) حیات اعلی حضرت، ج:۱، ص:۱۱۷-۱۱۹، تلخیصاً۔

(۲) حیات اعلی حضرت، ج:۱، ص:۱۲۱، ۱۲۲۔

حضرت خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول مارہروی کے ولی عہد، پوتے اور باکمال خلیفہ نور العارفین سیدنا ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمہ نے عرض کیا: حضور! آپ کے یہاں تو بڑی ریاضت و مجاہدہ کے بعد خلافت دی جاتی ہے، ان کو ابھی کیسے دے دی گئی؟ فرمایا:

''اور لوگ میلا کچیلا زنگ آلود دل لے کر آتے ہیں اس کے تزکیہ کے لیے ریاضت و مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مصفّٰی مزکّٰی قلب لے کر آئے، انھیں ریاضت و مجاہدہ کی کیا ضرورت تھی؟ صرف اتصالِ نسبت کی حاجت تھی جو بیعت کے ساتھ ہی حاصل ہو گیا۔'' مزید فرمایا: ''مجھے بڑی فکر تھی کہ بروز حشر اگر احکم الحاکمین نے سوال فرمایا کہ آل رسول! تو میرے لیے کیا لایا ہے؟ تو میں کیا پیش کروں گا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ آج وہ فکر دور ہو گئی۔ اس وقت میں احمد رضا کو پیش کر دوں گا۔''

حضرت نوری میاں علیہ الرحمہ سے یہ بھی فرمایا: ''دیکھو اب ہماری اور ہمارے خاندان کے اکابر کی جو کتابیں شائع ہوں، ان دونوں عالموں (مولانا عبد القادر بدایونی اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہما الرحمہ) کو دکھالی جائیں۔ اور یہ جیسے اصلاح کریں قبول کی جائے، پھر اشاعت ہو۔''

۱۲۹۴ھ میں امام احمد رضا قدس سرہ کی عمر صرف بائیس سال تھی، لیکن ان کا قلب مبارک ایسا روشن اور مزکّٰی ہو چکا تھا کہ اس بارگاہ عالی میں ایسی قدر دانی و عزت افزائی ہوئی کہ ایک تو فوراً خلافت دے دی گئی۔ دوسرے یہ عظیم امتیاز ملا کہ روز قیامت احکم الحاکمین کی بارگاہ میں اپنی کمائی پیش کرنے کا موقع آیا تو احمد رضا کو پیش کر دوں گا۔ تیسرے یہ کہ توجہ تشبیہی سے نوازے گئے۔ امام احمد رضا اپنے مرشد کے ساتھ خانقاہ کے دروازۂ سنگینی سے برآمد ہوئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت سیدنا آل رسول مارہروی عنفوان شباب میں رونق افروز ہیں۔ داڑھی کی سفیدی اور سیاہی سے سیدنا آل رسول اور مولانا احمد رضا میں امتیاز کیا جا سکا۔ جب ابتدا کا یہ حال و کمال ہے تو انتہا کا عروج وارتقا کیا ہو گا؟''(۱)

تدریس:

درسی کتابوں سے فراغت کے بعد آپ نے تدریس، افتا اور تصنیف کی طرف توجہ فرمائی، ابتدائی ایام میں بریلی شریف میں کوئی مدرسہ نہ تھا، اس لیے صرف اعلی حضرت کی ذات ہی طلبہ اور علما کا مرجع تھی، جنھیں اپنی علمی تشنگی بجھانی ہوتی وہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے، اور آپ سے فیض یاب ہو کر اپنی علمی پیاس

(۱) امام احمد رضا اور تصوف، علامہ محمد احمد مصباحی، ص: ۹-۱۰، مطبوعہ المجمع الاسلامی، بار اول: ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء۔

بجھاتے، گویا حضرت شیخ سعدی کی زبان میں آپ کی ذات ان تشنگان علوم کے لیے ’’چشمۂ شیریں‘‘ تھی۔

آں نہ بینی کہ تشنگانِ حجاز بر لبِ آبِ شور گرد آیند

ہر کجا چشمۂ بود شیریں مردم و مرغ و مور گرد آیند

ایک زمانہ وہ بھی گزرا جب اعلیٰ حضرت کی تدریس و تعلیم میں شہرت کی خوش بو پورے بر صغیر میں پھیلی ہوئی تھی، آپ کے علمی تبحر اور گہرائی و گیرائی کا چرچا سن کر دور دراز سے طلبہ پروانہ وار آپ کے ارد گرد اکٹھا ہوتے اور اس خورشید علم کی کرنوں سے اپنے قلب و دماغ کو روشنی اور تابندگی عطا کرتے تھے۔

ایک دن تین طالب علم آئے اور اعلیٰ حضرت سے پڑھنے کا ارادہ ظاہر کیا، ان سے پوچھا گیا کہ آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟ اس سے پہلے کہاں پڑھتے تھے؟ ان طلبہ نے بتایا: ہم لوگ دار العلوم دیوبند میں پڑھتے تھے، وہاں سے گنگوہ گئے، اس کے بعد یہاں آئے ہیں۔ پوچھنے والے نے کہا: طلبہ میں یہ بیماری عام ہے کہ وہ ایک جگہ جم کر بہت کم پڑھتے ہیں، بلکہ دو چار جگہ جاکر ضرور دیکھتے ہیں کہ تعلیم کیسی ہو رہی ہے۔ لیکن عام طور سے یہ ایسی جگہ جاتے ہیں جہاں کی تعریف وہ پہلے سن چکے ہوتے ہیں۔ مگر میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ آپ لوگوں نے دیوبند یا گنگوہ میں بریلی کی تعریف و توصیف سنی ہو، اور اس کی وجہ سے یہاں کے مشتاقِ دید ہو کر آئے ہوں۔ ان طلبہ نے کہا: آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ مسلک و مذہب اور فکر و خیال میں ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے وہاں زیادہ تر بریلی کی برائی ہی ہوا کرتی تھی، مگر آخر میں ٹیپ کا بند بھی ضرور ہوتا کہ ’’قلم کا بادشاہ ہے، جس مسئلہ پر قلم اٹھا دیا پھر کسی کی مجال نہیں کہ ان کے خلاف کچھ لکھ سکے۔‘‘ یہی دیوبند میں سنا، اور یہی گنگوہ میں بھی، تو ہم لوگوں کو شوق ہوا کہ اب وہیں چل کر تعلیم حاصل کرنی چاہئے، جن کے مخالفین بھی ان کے فضل و کمال کی گواہی دیتے ہیں۔ والفضل ماشهدت به الأعداء [1]

تلامذہ اور مستفیدین:

امام احمد رضا قدس سرہ کی ذات بابرکات سے بے شمار لوگوں نے فیض پایا، نہ جانے کتنے طلبہ نے اپنی علمی پیاس بجھائی، چوں کہ آپ نے باضابطہ کسی مدرسہ میں مدرس بن کر تعلیم نہیں دی، کہ رجسٹر داخلہ سے طلبہ کا نام اور تعداد معلوم کی جائے، یا فارغین طلبہ کے نام فارغ التحصیل طلبہ کے رجسٹر سے حاصل کیے جائیں۔ اس لیے سب کی صحیح تعداد بتانا نہایت مشکل کام ہے، ان میں سے چند مشہور و معروف تلامذہ کے

---

(۱) حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۲۴-۱۲۵، مطبوعہ: رضا اکیڈمی، ممبئی۔

نام ہی درج کیے جاسکتے ہیں۔ ہاں! آپ کے شاگردوں میں خصوصیت کے ساتھ علم فقہ سے شغف، تصنیف وتالیف کی طرف رغبت اور وعظ وتقریر کا رنگ ضرور ہوتا ہے۔ ان میں سے کچھ حضرات کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

- مولانا نواب سلطان احمد خان، محلہ بہاری پور، بریلی۔
- مولانا سید امیر احمد ، محلہ ذخیرہ ،بریلی۔
- استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں (برادر اوسط اعلی حضرت)
- مولانا محمد رضا خاں (برادر خورد اعلی حضرت)
- مولانا حامد رضا خاں بریلوی حجۃ الاسلام (اعلی حضرت کے بڑے صاحب زادے)
- مولانا حافظ یقین الدین، محلہ ملوک پور، بریلی۔
- مولانا حافظ سید عبد الکریم، محلہ ذخیرہ، بریلی۔
- مولوی منور حسین بریلوی۔
- مولانا الحاج سید نور احمد چاٹگامی۔
- مولانا واعظ الدین (مصنف دفع زیغ زاغ)
- مولانا سید عبد الرشید عظیم آبادی۔
- مولانا نواب مرزا بریلوی۔
- مولانا عبد الاحد پیلی بھیتی، سلطان الواعظین (صاحب زادہ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ)
- مولانا ابو المحمود سید احمد اشرف کچھوچھوی۔
- مولانا سید محمد کچھوچھوی محدث اعظم ہند۔[1]

فتوی نویسی:

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ پچاس سے زائد علوم وفنون میں کامل مہارت رکھنے والے بے نظیر فاضل تھے، مگر آپ کی علمی شخصیت پر فقہ کا رنگ سب سے زیادہ نمایاں تھا، اللہ تعالی کے فضل وکرم اور رحمت عالم ﷺ کی نگاہ رحمت سے آپ کو یہ خصوصی فیض ملا تھا کہ بچپن ہی سے آپ کو فقہ وافتا سے فطری

(۱) حیات اعلی حضرت، ج:۱، ص:۱۲۵، ۱۲۶، مطبوعہ: رضا اکیڈمی، ممبئی۔

مناسبت اور لگاؤ ہو گیا تھا۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ امام اہل سنت (اعلیٰ حضرت امام احمد رضا) قدس سرہ نے آٹھ سال کی عمر میں علم فرائض کا ایک مسئلہ تحریر فرمایا تھا۔ اتفاقاً (اعلیٰ حضرت کے والد ماجد) حضرت رئیس الاتقیاء مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب گاؤں سے بذریعہ بیل گاڑی تشریف لائے تو آپ کے لکھے ہوئے اس فتوی پر ان کی نظر پڑ گئی، فرمایا: معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ امن میاں [1] نے لکھا ہے، ان کو ابھی نہ لکھنا چاہیے، مگر ہمیں اس جیسا مسئلہ کوئی بڑا لکھ کر دکھا دے تو میں جانوں۔ [2]

مگر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے باضابطہ فتوی نویسی کا آغاز کب کیا اور والد ماجد علیہ الرحمہ کی جانب سے آپ کو اس کی باقاعدہ اجازت کب ملی؟ ان سوالوں کا جواب الملفوظ کی درج ذیل عبارت میں ملتا ہے:

”عرض: اگر بچے کی ناک میں کسی طرح دودھ چڑھ کر حلق میں پہنچ گیا تو کیا حکم ہے؟

ارشاد: ”منھ یا ناک سے عورت کا دودھ جو بچے کے جوف (پیٹ) میں پہنچے گا حرمتِ رضاعت لائے گا۔

یہ وہی فتوی ہے جو چودہ شعبان ۱۲۸۶ھ کو سب سے پہلے اس فقیر نے لکھا اور اسی چودہ شعبان ۱۲۸۶ھ کو منصب افتا عطا ہوا اور اسی تاریخ سے بحمد اللہ تعالیٰ نماز فرض ہوئی۔ اور ولادت دس شوال المکرم ۱۲۷۲ھ روز شنبہ وقت ظہر مطابق ۱۴/ جون ۱۸۵۶ء، ۱۱/ جیٹھ سدی ۱۹۱۳ سمبت کو ہوئی، تو منصبِ افتا ملنے کے وقت فقیر کی عمر ۱۳/ برس، دس مہینہ، چار دن کی تھی۔ جب سے اب تک برابر یہ ہی خدمتِ دین لی جا رہی ہے۔ والحمد للہ“۔ [3]

ابتدا ہی سے فقہ وافتا کے باب میں آپ کی مہارت، ژرف نگاہی اور دور بینی اپنے کمال پر تھی، جسے دیکھنے کے بعد بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ فتوی نویسی میں آپ کی مہارت اور لیاقت بارگاہِ رسالت کا خاص فیضان اور اپنے عاشق صادق کے لیے محبوب رب العالمین کا خاص عطیہ تھا، اس کا احساس خود امام احمد رضا قدس سرہ کو بھی تھا۔ اسی لیے انھوں نے اپنے مجموعہ فتاوی کا نام ”العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ“ رکھا۔ آغاز کار ہی میں آپ کی باریک بینی کس نقطۂ کمال پر تھی اس کا کچھ اندازہ

---

(۱) اعلیٰ حضرت کے والدین پیار سے آپ کو امّن میاں کہتے تھے۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۵۰۸، حاشیہ)

(۲) حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۳۲۳، مطبوعہ: رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۳) حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۳۲۳، ۳۲۴، مطبوعہ: رضا اکیڈمی، ممبئی۔

اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے:

حضرت مولانا اعجاز ولی خان کا بیان ہے کہ اعلی حضرت قبلہ کی عمر کا چودھواں سال تھا۔ افتا کا کام حضرت نے اپنے ذمّے لے لیا تھا، ایک شخص رامپور سے حضرت اقدس امام المحققین مولانا نقی علی خاں رضی اللہ تعالی عنہ کی شہرت سن کر بریلی تشریف لائے، اور حضرت مولانا (مفتی) ارشاد حسین مجددی علیہ الرحمۃ والرضوان کا فتوی - جس پر اکثر علما کی مہریں اور دستخط ثبت تھے - پیش خدمت کیا۔ حضرت نے فرمایا: کمرہ میں مولوی صاحب ہیں، ان کو دے دیجیے، جواب لکھ دیں گے۔ انھوں نے کہا: حضور! میں تو جناب کا شہرہ سن کر آیا تھا۔ حضرت نے فرمایا: آج کل وہی فتوی لکھا کرتے ہیں، انھیں کو دے دیجیے۔ اعلی حضرت نے جو اس فتوی کو دیکھا تو ٹھیک نہ تھا۔ اعلی حضرت نے اس جواب کے خلاف جواب تحریر فرمایا۔ اور اپنے والد ماجد کی خدمت میں پیش فرمایا۔ حضرت نے اس کی تصدیق و تصویب فرمائی۔ پھر وہ صاحب اس فتوی کو دوسرے علما کے پاس لے گئے۔ ان لوگوں نے حضرت مولانا (مفتی) ارشاد حسین علیہ الرحمہ کی شہرت دیکھ کر انہیں کے فتوی کی تصدیق کی۔ جب وہ فتوی والیِ رامپور نواب کلب علی خاں صاحب کی خدمت میں پہنچا، انھوں نے شروع سے آخر تک اس فتوی کو پڑھا، اور تمام لوگوں کی تصدیقات دیکھیں۔ دیکھا کہ سب علما کی ایک رائے ہے۔ صرف بریلی کے دو عالموں نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ نواب صاحب نے حضرت مولانا مفتی ارشاد حسین مجدّدی کو یاد فرمایا۔ حضرت تشریف لائے۔ نواب صاحب نے وہ فتوی ان کی خدمت میں پیش فرمایا۔ حضرت مولانا کی دیانت اور انصاف پسندی دیکھیے کہ صاف فرمایا: حقیقت میں وہی حکم صحیح ہے جو ان دو صاحبان نے لکھا ہے۔ نواب صاحب نے پوچھا: پھر اتنے علما نے آپ کے فتوے کی تصدیق کس طرح کی؟ فرمایا: ان لوگوں نے میری شہرت کی وجہ سے مجھ پر اعتماد کیا اور میرے فتوے کی تصدیق کی۔ ورنہ حق وہی ہے جو انہوں نے لکھا ہے۔ (۱)

اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

"یہ بیان مولوی اعجاز ولی خان صاحب کا ہے لیکن مجھے ایسا یاد آتا ہے کہ اعلی حضرت نے اس واقعہ کو مجھ سے خود ارشاد فرمایا تھا، سن شریف اس وقت چودہ سال نہ تھا (یہ سن فتوی نویسی کی ابتدا کا ہے) بلکہ اس وقت غالبا بیس سال کے تھے۔ یہ واقعہ اعلی حضرت کی شادی کے بعد کا ہے۔ آپ کی ولادت ۱۲۷۲ھ میں ہوئی، اور شادی ۱۲۹۱ھ میں۔ تو کم از کم یہ واقعہ ۱۲۹۲ھ کا ہے۔ (۲)

---

(۱) حیات اعلی حضرت، ج:۱، ص:۳۲۴، ۳۲۵، مطبوعہ: رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۲) حیات اعلی حضرت (قدیم نسخہ)، ج:۱، ص ۱۳۴۔

استاذ محترم صدر العلماء حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ ناظم تعلیمات وسابق صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور اعلی حضرت کے اس فتوے کے متعلق فرماتے ہیں:

’’غالبًا یہ وہی فتوی ہے جو فتاوی رضویہ جلد سوم کے ص:۱۶۸و۱۶۹ پر ہے، چوں کہ اعلی حضرت اکابر علماے اہل سنت کا بڑا احترام کرتے تھے اس لیے مولانا رام پوری کا مکمل فتوی نقل نہ کیا بلکہ نہایت اختصار کے ساتھ سوال اور فتوی میں ذکر شدہ دلیل قلم بند فرمائی اور اپنا جواب علی حالہ رکھا ہے۔ یہ استفتا مولانا ارشاد حسین علیہ الرحمہ کے بھائی مولانا امداد حسین کا مرسلہ ۱۲۹۴ھ کا لکھا ہے، جب اعلی حضرت کی عمر صرف بائیس سال تھی۔ حیات اعلی حضرت میں ملک العلماء نے اتنا تو یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ واقعہ (فتوی لکھنا، پھر رام پور تشریف لے جانا) شادی کے بعد کا ہے، مگر عمر کی تعیین حتمی طور پر نہیں فرمائی ہے۔ اس لیے کوئی بعید نہیں کہ یہ واقعہ، مذکورہ فتوی ۱۲۹۴ھ سے ہی متعلق ہو۔ واللہ اعلم [۱]

امام احمد رضا قدس سرہ ابتدا میں جو بھی فتوی لکھتے اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ کو دکھاتے، اور ان کی اصلاح و تصدیق کے بعد ہی اسے جاری فرماتے۔ ۱۴/ شعبان ۱۲۸۶ھ سے یہ سلسلہ شروع ہوا، اور برابر سات برس تک جاری رہا، جب اس مدت میں آپ کے والد ماجد کو آپ کی فقہی لیاقت و قابلیت، دقیقہ بینی ونکتہ رسی پر پورا بھروسا اور اعتماد ہو گیا تو آپ کو اجازت دے دی کہ اب مجھے دکھائے بغیر ہی فتوے سائلین کو جاری کر سکتے ہو، مگر اعلی حضرت قدس سرہ کا کمال احتیاط دیکھیے کہ جب تک والد ماجد علیہ الرحمۃ والرضوان باحیات رہے انھیں دکھائے بغیر کوئی فتوی جاری نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ جب ذی قعدہ ۱۲۹۷ھ میں والد ماجد نے اس دار فانی سے کوچ فرمایا تو اس کے بعد خود فتوی جاری کرنا شروع فرمایا۔ [۲]

اس طرح امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے علمی تبحر، وسعت مطالعہ، دقت نظر، فقہی بصیرت اور علمی و فنی جامعیت کے باوجود گیارہ سال، دو ماہ، سولہ دن تک اپنے والد ماجد خاتم المحققین امام المدققین علامہ مفتی محمد نقی علی خاں علیہ الرحمۃ والرضوان سے فتوی نویسی کے باب میں مسلسل استفادہ کیا، اصلاح لی، اور پھر خاکِ ہند سے ایک ایسے مفتی اکبر کی حیثیت سے ابھرے کہ بر صغیر ہند و پاک کیا، پورے عالم اسلام میں کوئی آپ کا ہم پلّہ نہ رہا۔

فتوی نویسی اور خلق خدا کی ہدایت ورہ نمائی کا یہ سلسلہ پوری عالمانہ شان کے ساتھ زندگی بھر جاری رہا،

---

(۱) امام احمد رضا اور تصوف، ص:۱۱، مطبوعہ: المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء۔

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیے، فتاوی رضویہ، ج:۱، ص:۴ صفۃ الکتاب، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی۔

اس عرصے میں آپ کی نوک قلم سے ہزار ہا ہزار فتوے جاری ہوئے، جن سے سائلوں کی الجھنیں دور فرمائیں، پیچیدہ علمی مسائل کی گتھیاں سلجھائیں، فنی مشکلات کو آسان فرمایا، جس مسئلہ پر قلم اٹھایا اس کے ہر گوشے پر سیر حاصل بحث فرمائی، اور اس کے تعلق سے کچھ ایسے اچھوتے گوشے پیش فرمائے جن تک بڑے بڑے نکتہ رس رجالِ فقہ وافتا اور صاحبانِ بصیرت کا طائرِ تخیل بھی پرواز نہیں کر سکا۔

رسالہ "النور والنورق لإسفار الماء المطلق" میں پانی کی قسموں پر گفتگو کا آغاز کیا تو فرمایا: "پانی کی ایک سو ساٹھ قسمیں ایسی ہیں جن سے وضو جائز ہے، لیکن ایک سو بائیس قسمیں ایسی بھی ہیں جن سے وضو جائز نہیں۔ اور بائیس قسمیں ایسی ہیں جن میں فقہا کا اختلاف ہے، اور پینتالیس قسمیں ایسی ہیں کہ ان میں بھی جواز وعدمِ جوازِ وضو کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، اور یہ موخر الذکر قسمیں از اضافات رضویہ ہیں۔" (۱)

جو چیز بدن سے کسی بیماری کے سبب خارج ہو فقہا کے نزدیک اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ علامہ سید احمد طحطاوی نے اس قاعدہ سے یہ مسئلہ نکالا کہ زکام بھی نواقض وضو میں سے ہے۔ امام احمد رضا نے اس تسامح (چوک) پر تنبیہ فرمائی کیوں کہ کتبِ احناف میں بالتفصیل یہ قید موجود ہے کہ بیماری سے خارج ہونے والی کوئی شے جس میں خون یا پیپ ملے رہنے کا شائبہ ہو وہ ناقض وضو ہے۔ اس کی پوری تفصیل فتاوی رضویہ جلد اول میں موجود ہے۔

ہندو پاک یا عالمِ اسلام میں امام احمد رضا بریلوی کے ہم عصر فقہا کی تحقیقات کا جائزہ لیا جائے اور کسی ایک موضوع پر دوسروں کی کاوش اور آپ کی محققانہ تحریر کا موازنہ کیا جائے تو روز روشن کی طرح ہر صاحبِ علم پر عیاں ہو جائے گا کہ امام احمد رضا قدس سرہ اپنے وقت کے سب سے بڑے فقیہ اور فقہا کے سرتاج ہیں۔ اور یہ وہ حقیقت ہے کہ اپنے تو اپنے، غیر بھی اس کا برملا اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

سراج الفقہا مولانا سراج احمد قدس سرہ مفتی سراج العلوم خان پور، پاکستان لکھتے ہیں:

مولوی نظام الدین فقیہ احمد پوری وہابی جو تفقہ میں اپنے ہم عصر علماے دیوبند وغیرہ سے اپنے آپ جیسا فائق کسی کو نہ جانتا تھا۔ فتاوی رشیدیہ کے اس فتوی پر کہ حدیث صحیح کے مقابل قولِ فقہا پر عمل کرنا نہ

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے: رسالہ "النور والنورق لإسفار الماء المطلق"۔ یہ رسالہ فتاوی رضویہ قدیم ج:۱ میں ص:۴۰۷ سے ۵۵۲ تک بڑے سائز کے ۱۴۵ر صفحات کو حاوی ہے۔ یہ اپنے موضوع پر بے مثال کتاب ہے، اس کی سطر سطر سے امام احمد رضا قدس سرہ کی علمی جلالت، وسعت مطالعہ، قوتِ حافظہ، شانِ تفقہ اور رنگ تحقیق وتدقیق عیاں ہے۔ اگر ان کی کوئی اور تصنیف نہ بھی ہوتی تو صرف یہی رسالہ ان کی بے مثال فقہی بصیرت اور علمی عظمت وجلالت کے ثبوت کے لیے کافی تھا۔

چاہیے۔ میں نے رسالہ "الفضل الموهبی فی معنی إذا صح الحديث فهو مذهبی" مصنفہ اعلی حضرت رحمہ اللہ تعالی کے ابتدائی اوراق، منازلِ حدیث کے سنائے تو کہا: "یہ سب منازلِ فہمِ حدیث مولانا کو حاصل تھے، افسوس! کہ میں ان کے زمانہ میں رہ کر بے خبر و بے فیض رہا۔"

پھر چند مسائل فقہ کے جوابات رسائل رضویہ سے سنائے تو کہنے لگا کہ "علامہ شامی اور صاحب فتح القدیر مولانا کے شاگرد ہیں، یہ (شخص) تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتا ہے۔"(۱)

آپ نے صرف اللہ و رسول کی رضا اور خوشنودی کے لیے اسلام کی خدمت کی، سوالوں کے جواب میں فتاوی اور کتابیں لکھیں، انھیں کبھی دنیا طلبی کا ذریعہ نہ بنایا، نہ اس کے ذریعہ مالی منفعت حاصل کرنے کا خیال کبھی ذہن میں آیا۔ ایک سائل نے اپنے استفتا کے آخر میں لکھا:

"قیمتِ کاغذ دی جائے گی۔"

اس کا جواب دینے کے بعد آپ لکھتے ہیں:

"قیمتِ کاغذ کی نسبت پہلے آپ کو لکھ دیا گیا کہ یہاں فتوی اللہ کے لیے دیا جاتا ہے۔ بیچا نہیں جاتا، آئندہ کبھی یہ لفظ نہ لکھیے۔" (۲)

ایک دوسرے سائل نے اپنے سوال کے بعد لکھا:

"خوب کوشش کر کے، بلکہ جو فرماویں خرچ وغیرہ کے لیے تو غلام، خدمت کے لیے حاضر ہے۔"

اس کے سوال کے جواب سے پہلے لکھتے ہیں:

"یہاں فتوی پر کوئی خرچ نہیں لیا جاتا۔ نہ اس کو اپنے حق میں روا رکھا جاتا ہے۔" (۳)

اخلاص و للّٰہیت کی یہی وہ دولت ہے جس نے آپ کو اپنے زمانے کا سب سے شہرۂ آفاق فقیہ و مفتی بنا دیا، اور عوام و خواص سبھی اپنی دینی و علمی الجھنوں کو دور کرنے کے لیے آپ کی بارگاہ فیض کی طرف رجوع کرنے لگے اور آپ کے دار الافتاء میں سوالات اس کثرت سے آنے لگے جس کا اندازہ خود آپ کی درج ذیل تحریر سے ہوتا ہے:

"فقیر کے یہاں علاوہ ردِّ وہابیہ -خذلهم الله تعالی- و دیگر مشاغل کثیرہ دینیہ کے کارِ فتویٰ اس

---

(۱) امام احمد رضا اور ردبدعات و منکرات، ص:۲۱۱، ۲۱۲، مطبوعہ: المجمع الاسلامی، مبارک پور۔
(۲) فتاوی رضویہ، ج:۵، ص:۷۰، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی۔
(۳) فتاوی رضویہ، ج:۵، ص:۲۶۵، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی۔

درجہ وافر ہے کہ دس مفتیوں کے کام سے زائد ہے۔ شہر و دیگر بلاد و امصار، جملہ اقطار، ہندوستان و بنگال وپنجاب وملیبار وبرما وارکاٹ وچین وغزنی وامریکہ وافریقہ حتی کہ سرکار حرمین شریفین محترمین سے استفتا آتے ہیں اور ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہوجاتے ہیں۔"(۱)

حج وزیارت:

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے دو حج کیے، پہلا حج ۱۲۹۵ھ میں اپنے والدین کریمین علیہما الرحمۃ کے ساتھ کیا، اور دوسرا حج ۱۳۲۳ھ میں کیا۔ دوسرے سفر حج میں آپ کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا محمد رضا خاں اور بڑے صاحب زادے حجۃ الاسلام حضرت مولانا مفتی حامد رضا خاں اور آپ کی اہلیہ محترمہ بھی تھیں۔

پہلے سفر حج میں مکہ مکرمہ کے اکابر علما مثلا مفتی شافعیہ حضرت علامہ سید احمد زینی دحلان اور مفتی حنفیہ حضرت علامہ شیخ عبد الرحمن سراج سے حدیث، فقہ، اصول، تفسیر اور دیگر علوم کی سندیں حاصل فرمائیں۔ اس وقت آپ کی عمر تیئیس سال تھی، نوجوانی کا عالم تھا، مگر آپ کی پیشانی پر روحانیت کے انوار جگمگا رہے تھے۔

ایک دن نماز مغرب مقام ابراہیم میں ادا کی، نماز سے فراغت کے بعد امام شافعیہ حضرت شیخ حسین بن صالح جمل اللیل نے کسی سابقہ تعارف کے بغیر آپ کا ہاتھ پکڑا اور آپ کو اپنے ہمراہ اپنے دولت کدہ پر لے گئے، اور دیر تک آپ کی پیشانی کو پکڑ کر فرمایا:"إني لأجد نور الله في هذا الجبين۔" (بے شک میں اس پیشانی میں اللہ کا نور پاتا ہوں۔) اور صحاح ستہ اور سلسلہ قادریہ کی اجازت اپنے دست مبارک سے لکھ کر عنایت فرمائی اور فرمایا کہ تمھارا نام "ضیاء الدین احمد" ہے۔ اس سند کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں امام بخاری تک صرف گیارہ واسطے ہیں۔

اور اسی موقع پر آپ نے حضرت شیخ حسین بن صالح کے اشارے پر ان کی عربی تصنیف "جوہرہ" کا اردو میں ترجمہ فرمایا، یہ کتاب حج کے مسائل کے بیان میں ہے اور اس کی شرح دو دن میں تحریر فرمائی، اور اس کا نام "النيرة الوضية في شرح الجوهرة المضية۔" رکھا۔ جب اس ترجمہ اور شرح کو حضرت شیخ کی خدمت میں پیش فرمایا، وہ بہت خوش ہوئے اور بڑی تعریف وتحسین فرمائی۔

اور مدینہ طیبہ میں مفتی شافعیہ مولانا محمد بن محمد بن عرب نے اعلی حضرت کی دعوت کی۔ کھانے کے

---

(۱) فتاوی رضویہ، ج:۴، ص:۱۴۹، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی۔

دوران یہ بحث چھڑ گئی کہ جنت البقیع شریف میں جو حضرات مدفون ہیں ان میں سے افضل کون ہیں؟

اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ اہل بقیع میں سب سے افضل امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اور مولانا محمد صاحب فرماتے تھے کہ ان میں سب سے افضل حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ دونوں حضرات نے اپنے اپنے دلائل پیش کیے۔ آخر مولانا نے فرمایا: دونوں قول صحیح اور مُوَجَّہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: ''وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا''۔ عین اسی وقت حرم شریف میں عصر کی اذان ہوئی۔ ختم اذان پر اعلیٰ حضرت نے فرمایا: فاستبقوا الخیرات. مجلس برخاست ہوئی، اور سبھی حضرات نماز کے لیے حرم شریف پہنچے۔ رات کے وقت اعلیٰ حضرت نے تنہا مسجد خیف میں قیام کیا اور بخشش و مغفرت کی خوش خبری سے بہرہ مند ہوئے۔ (۱)

دوسرے سفر حج کے موقع پر مکہ مکرمہ کے علما و مشائخ نے آپ کا بڑا اعزاز و اکرام کیا، اپنے گھروں پر دعوتیں کیں، مکہ شریف میں قیام کے دوران وہاں کے علمائے کرام و مشائخ عظام کے یہاں پُر تکلف دعوتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ ہر دعوت میں علمائے کرام کا مجمع ہوتا، علمی مذاکرات کا سلسلہ جاری رہتا۔ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران جن علمائے کرام سے ملاقاتیں ہوئیں ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

- محافظِ کتب حرم مولانا سید اسماعیل خلیل مکی۔
- مولانا سید خلیل مکی۔
- شیخ عبد القادر کردی۔
- مفتی حنفیہ واعلمِ علمائے مکہ مولانا شیخ صالح کمال۔
- شیخ الخطباء کبیر العلماء مولانا شیخ احمد ابوالخیر مرداد
- مولانا سید عبد الحی بن مولانا سید عبد الکبیر محدث مغرب مصنف کتب کثیرہ۔
- شیخ العلماء مولانا محمد سعید بابصیل
- شیخ الدلائل مولانا عبد الحق مہاجر الہ آبادی، صاحب اکلیل شرح مدارک التنزیل، وغیرہ

اس کے تعلق سے خود اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

فقیر دعوتوں کے علاوہ صرف چار جگہ ملنے کو جاتا: (۱) مولانا شیخ صالح کمال (۲) شیخ العلماء مولانا محمد سعید بابصیل (۳) مولانا عبد الحق مہاجر الہ آبادی (۴) اور کتب خانہ میں مولانا سید اسماعیل کے پاس۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ

(۱) حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۳۳، ۱۳۴، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی۔

علیہم اجمعین۔ یہ حضرات اور باقی تمام حضرات فرود گاہ فقیر پر تشریف لایا کرتے۔ صبح سے نصف شب کے قریب تک ملاقاتوں ہی میں وقت صرف ہوتا۔ مولانا شیخ صالح کمال کی تشریف آوری کی تو گنتی نہیں، اور مولانا سید اسمٰعیل التزاماً روزانہ تشریف لاتے، اور ایک بار کا آنا تو ناغہ ہی نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا عبد الحق الہ آبادی کو چالیس سال سے زیادہ مکہ معظمہ میں گزرے تھے، کبھی شریف کے یہاں بھی تشریف نہیں لے گئے، قیام گاہِ فقیر پر دوبار تشریف لائے۔ مولانا سید اسمٰعیل وغیرہ ان کے تلامذہ فرماتے تھے کہ یہ محض خرقِ عادت ہے۔ مولانا کا دم بسا غنیمت تھا، ہندی تھے، مگر ان کے انوار مکہ میں چمک رہے تھے۔ مکہ معظمہ میں بنام "عِلم" کوئی صاحب ایسے نہ تھے جو فقیر سے ملنے نہ آئے ہوں، سوا شیخ عبد اللہ بن صدیق بن عباس کے کہ اس وقت مفتیِ حنفیہ تھے اور وہاں مفتیِ حنفیہ کا منصب، شریف سے دوسرے درجے میں سمجھا جاتا ہے، اپنے منصب کی جلالتِ قدر نے انہیں فقیر غریب الوطن کے پاس آنے سے روکا۔ اپنے ایک شاگردِ خاص کو فقیر کے پاس بھیجا کہ حضرت مفتیِ حنفیہ نے بعد سلام فرمایا ہے کہ میں آپ کی زیارت کا بہت مُشتاق ہوں۔ مولانا سید اسمٰعیل اس وقت میرے پاس بیٹھے تھے۔ میں نے چاہا کہ حاضری کا وعدہ کروں مگر اللہُ اَعْلَم حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کرم نے ان اکابر کے دل میں اِس ذرۂ بے مقدار کی کیسی وقعت ڈالی تھی، فوراً روکا اور فرمایا: "واللہ یہ نہ ہوگا، تمام علما ملنے آتے ہیں، وہ کیوں نہیں آتے، میں ان کی قسم کے سبب مجبور رہا۔(۱)

اسی سفر میں علمِ غیبِ نبوی سے متعلق ایک نہایت اہم، گراں قدر اور معرکۃ الاراء کتاب علمائے مکہ کے سوال پر چند گھنٹوں میں برجستہ عربی میں تحریر فرمائی، جس کا نام "الدولة المكية بالمادة الغيبية" رکھا، جسے خود شریفِ مکہ نے اپنے دربار میں پڑھوا کر سنا، اور اس کے دلائل قاہرہ سن کر بلند آواز میں کہا: اللہُ يعطي وهولاء يمنعون" (یعنی اللہ تو اپنے حبیب کو علم غیب عطا فرماتا ہے اور یہ وہابیہ منع کرتے ہیں۔) علمائے مکہ کے یہاں یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ انھوں نے بڑے شوق اور رغبت سے اس کی نقلیں لیں۔(۲)

اسی مبارک سفر میں قیامِ مکہ ہی کے دوران مولانا عبد اللہ مرداد اور مولانا حامد محمد احمد جداوی کے کرنسی نوٹ سے متعلق بارہ سوالوں پر مشتمل ایک استفتا کے جواب میں ایک نہایت عظیم الشان، بیش قیمت رسالہ عربی زبان میں تحریر فرمایا جس کا نام "كفل الفقيه الفاهم في أحكام قرطاس الدراهم"

---

(۱) الملفوظ، ج:۲، ص:۱۸-۲۰، ملخصاً۔ مطبوعہ قادری مشن، نزد نو محلہ مسجد، بریلی، یوپی۔

(۲) الملفوظ، ج:۲، ص:۱۲-۱۳۔ مطبوعہ قادری مشن، نزد نو محلہ مسجد، بریلی، یوپی۔

رکھا۔ سابق مفتیِ حنفیہ مکہ علامہ جمال بن عبد اللہ بن عمر مکی علیہ الرحمہ سے نوٹ کے بارے میں اسی وقت سوال ہو چکا تھا جب کہ وہ مفتی حنفیہ کے منصب پر فائز تھے تو انھوں نے اس کے جواب میں فرمایا تھا: ”علم علما کی گردنوں میں امانت ہے، مجھے اس کے جزئیہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کوئی حکم دوں“۔ اس رسالہ میں اعلیٰ حضرت نے فتح القدیر شرح ہدایہ سے یہ عبارت نقل فرمائی: (لو باعَ کاغذہ بألف یجوزُ ولا یکرہ) ”اگر کوئی شخص اپنے ایک کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے میں بیچے تو جائز ہے، مکروہ نہیں ہے۔“

جب اس وقت کے موجودہ مفتی حنفیہ شیخ عبد اللہ بن صدیق اس رسالہ کا مطالعہ کرتے ہوئے اس جزئیہ تک پہنچے تو پھڑک اٹھے اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر بولے: "اَیْنَ جمالُ بْنُ عَبدِ اللہ مِن ھٰذا النَّصِّ الصَّریح." (حضرت جمال بن عبد اللہ اس نصِ صریح سے کیوں کر غافل رہے؟)(۱)

جب آپ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو یہاں کے علما و مشائخ اور دیگر حضرات، اہل مکہ سے زیادہ محبت سے پیش آئے۔ اکتیس روز تک مدینہ طیبہ میں قیام رہا، آپ کی قیام گاہ پر برابر عُلما و عُظما و مشائخ کا ہجوم رہتا۔ مولانا عبد الحق مہاجر الہ آبادی کے شاگرد مولانا کریم اللہ کے خلوص کی تو کوئی حد ہی نہ تھی۔ وہاں کے علما نے بھی ”حُسام الحرمین“ اور ”الدولۃ المکیۃ“ پر گراں قدر تقریظیں لکھیں۔ خود اعلیٰ حضرت کا بیان ہے:

”وَاللہُ اَعْلَمُ وہ کیا بات تھی جس نے حضراتِ کرام مدینہ طیبہ کو اس ذرۂ بے مقدار کا مشتاق کر رکھا تھا، یہاں تک کہ مولانا کریم اللہ صاحب فرماتے تھے کہ ”عُلما تو عُلما اہلِ بازار تک کو تیرا اشتیاق تھا“ اور یہ جملہ فرمایا کہ "ہم سالہا سال سے سرکار میں مقیم ہیں، اَطراف وآفاق سے علما آتے ہیں، واللہ! یہ لفظ تھا کہ جوتیاں چٹخاتے چلے جاتے ہیں کوئی بات نہیں پوچھتا اور تمھارے پاس علما کا یہ ہجوم ہے! میں نے عرض کی: میرے سرکار کا کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔"

کریماں کہ در فضل بالا ترند — سگاں پرورند و چناں پرورند
اپنے کرم کا جب وہ صدقہ نکالتے ہیں — ہمسوں کو پالتے ہیں اور ایسا پالتے ہیں!“(۲)

حُجاج کرام اور زائرین طیبہ کی تعظیم و تکریم:

سچے عاشق کی پہچان یہی ہے کہ جس چیز کو بھی محبوب سے نسبت اور تعلق ہو اس سے محبت رکھے اور

(۱) الملفوظ، ج:۲، ص:۲۰-۲۱۔ مطبوعہ قادری مشن، نزد نو محلہ مسجد، بریلی، یوپی۔
(۲) الملفوظ، ج:۲، ص:۳۸-۴۰۔ مطبوعہ قادری مشن، نزد نو محلہ مسجد، بریلی، یوپی۔

اس کی تعظیم و تکریم میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے۔ جب کوئی حج بیت اللہ کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا پہلا سوال یہی کرتے کہ روضۂ رسول پر حاضری ہوئی؟ اگر وہ کہتا کہ ہاں! تو اس کا قدم چوم لیتے اگرچہ وہ آپ سے کتنا ہی فروتر کیوں نہ ہوتا۔ اور اگر جواب یہ ملتا کہ در حبیب پر حاضری نہیں ہوئی، حرم مکہ ہی سے واپس چلا آیا تو اس سے منھ پھیر لیتے اور اس کی طرف توجہ نہ فرماتے۔ خود سرکار اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: ”من حجَّ ولم یزرنی فقد جفانی“ (جس نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا اس نے میرے ساتھ بد خلقی و بد سلوکی کی۔) اور غور کیجیے جس نے محبوب آقا کے ساتھ بد سلوکی کی ہو اس کے ساتھ ایک سچا عاشق و محب خندہ پیشانی سے کیسے پیش آسکتا ہے؟

ایک نعت کے مقطع میں آپ فرماتے ہیں:

رضا کسی سگِ طیبہ کے پاؤں بھی چومے تم اور آہ کہ اتنا دماغ لے کے چلے

مگر حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہ دیار مدینہ سے آنے والوں کا پاؤں چوم لیتے اور اِس راہ میں ان کے مرتبے کی عظمت اور منصب کی جلالت حائل نہ ہوتی۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک بار ایک حاجی صاحب زیارت حرمین طیبین کے بعد ملنے کے لیے آئے۔ حسب عادت اعلیٰ حضرت نے پوچھا: سرکار میں حاضری ہوئی؟ انھوں نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا: ہاں حضور! مگر صرف دو دن قیام رہا۔ اعلیٰ حضرت نے ان کی قدم بوسی فرمائی اور ارشاد فرمایا: وہاں کی تو چند سانسیں بھی بہت ہیں، آپ نے تو بحمد اللہ دو دن قیام فرمایا۔

اسی طرح صدر الشریعہ علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی (مصنف بہار شریعت و حاشیہ طحاوی وغیرہ) جب زیارت حرمین طیبین سے واپس ہوئے تو اعلیٰ حضرت خود ریلوے اسٹیشن پر تشریف لے گئے، پھر ایک جلوس کی شکل میں نعت خوانی کرتے ہوئے پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ انھیں دولت کدے پر لایا گیا۔ اور وہاں مدّاح الحبیب مولانا جمیل الرحمن خاں بریلوی نے اعلیٰ حضرت کی یہ نعت پڑھی:

بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر کی ہے
کلیاں کھلیں دلوں کی ہوا یہ کدھر کی ہے

پورے مجمع پر عجب کیف و مستی کا عالم تھا۔[1]

---

(۱) حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۲۳۷-۲۳۸۔

مبلغ اسلام حضرت علامہ شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی حرمین شریفین سے واپسی پر اعلی حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مندرجہ ذیل منقبت نہایت خوش آوازی سے پڑھ کر سنائی:

تمھاری شان میں جوکچھ کہوں اس سے سوا تم ہو
قسیمِ جامِ عرفاں اے شہِ احمد رضا تم ہو

غریقِ بحرِ الفت، مست جام بادۂ وحدت
محب خاص، منظورِ حبیبِ کبریا تم ہو

جو مرکز ہے شریعت کا، مدار اہل طریقت کا
جو محور ہے حقیقت کا، وہ قطب الاولیا تم ہو

یہاں آکر ملیں نہریں شریعت اور طریقت کی
ہے سینہ مجمع البحرین ایسے رہ نما تم ہو

حرم والوں نے مانا تم کو اپنا قبلہ و کعبہ
جو قبلہ اہلِ قبلہ کا ہے وہ قبلہ نما تم ہو

مزّین جس سے ہے تاجِ فضیلت تاج والوں کا
وہ لعلِ پُر ضیا تم ہو، وہ درِّ بے بہا تم ہو

عرب میں جاکے ان آنکھوں نے دیکھا جس کی صولت کو
عجم کے واسطے لاریب وہ قبلہ نما تم ہو

ہیں سیارہ صفت گردش کناں اہلِ طریقت یاں
وہ قطب وقت اے سرخَیل جَمْعِ اولیا تم ہو

عیاں ہے شان صدیقی تمھاری شان تقوی سے
کہوں اتقی نہ کیوں کر جب کہ خیر الاتقیا تم ہو

جلال و ہیبتِ فاروقِ اعظم آپ سے ظاہر
عدو اللہ پر اک حربۂ تیغِ خدا تم ہو

اشداء علی الکفار کے ہو سر بسر مظہر
مخالف جس سے تھرائیں وہی شیرِ وَغا تم ہو

تمھی نے جمع فرمائے نکات و رمز قرآنی
یہ ورثہ پانے والے حضرت عثمان کا تم ہو

خلوصِ مرتضی، خلقِ حسن، عزمِ حسینی میں
عدیم المثل، یکتائے زمن اے با خدا تم ہو

تمھی پھیلا رہے ہو علم حق اکناف عالم میں
امامِ اہلِ سنت نائبِ غوث الوری تم ہو

بھکاری تیرے در کا بھیک کی جھولی ہے پھیلائے
بھکاری کی بھرو جھولی، گدا کا آسرا تم ہو

وفي اموالھم حق ہر اک سائل کا حق ٹھہرا
نہیں پھرتا کوئی محروم ایسے با سخا تم ہو

علیمؔ خستہ اک ادنی گدا ہے آستانے کا
کرم فرمانے والے حال پر اس کے شہا تم ہو[1]

عشق رسول:

امام احمد رضا قدس سرہ کی اس کیفیتِ دل وجان سے عالم آگاہ ہے، ان کے عشقِ رسالت کا چرچا

---

(۱) حیات اعلی حضرت، ج:۱، ص:۱۷۶-۱۷۸۔

غیروں کی محفل میں بھی ہے، انھوں نے عشق رسول کا وہ درس دیا کہ دنیا سیکھا کرے، اور عملاً عشق رسول اس طرح پیش فرمایا کہ دنیا دیکھا کرے۔ اس باب میں ان کی کون کون سی ادا یاد کی جائے، اور اس کی کتنی صورتیں بیان کی جائیں، اس عشق کے جلوے ان کی خلوت میں بھی ملتے ہیں اور جلوت میں بھی، ان کی نثر میں بھی ملتے ہیں اور نظم میں بھی۔ یہاں نظم سے چند اشعار پیش کیے جا رہے ہیں۔

اس مقام پر یہ بھی بتاتا چلوں کہ امام احمد رضا کی شاعری سراسر حال ہے، ان کا کلام وارداتِ قلب کا اظہار ہے، وہ بارگاہِ رسول میں جھوٹے احوال دکھانے سے ہر طرح متنفر و بے زار ہیں، وہ اپنے آقا سرورِ انبیا ﷺ کو اپنی ہر کیفیت و حقیقت سے آگاہ اور باخبر جانتے ہیں۔

غالب نے عشق مجازی میں کہا تھا: ع

"جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں"

مگر عشق کا جمال و کمال عشقِ مجازی میں کہاں؟ اس لیے اس عشق حقیقی والے نے یوں کہا:

دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں
پھر کے گلی گلی تباہ، ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں

سوتے ہیں ان کے سایے میں کوئی ہمیں جگائے کیوں
رخصتِ قافلہ کا شور غش سے ہمیں اٹھائے کیوں

جس کو ہو درد کا مزہ، نازِ دوا اٹھائے کیوں
جان ہے عشق مصطفیٰ، روز فزوں کرے خدا

جانا ہے سر کو جا چکے، دل کو قرار آئے کیوں
سنگِ درِ حضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے

وہ ایک دوسری نعت میں داغِ عشق کو قبر کی تاریکیوں کا اجالا سمجھتے ہیں:

لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

وہ آتشِ عشق کو آتشِ جہنم سے نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں:

اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھٹے سستے
جو آگ بجھادے گی وہ آگ لگائی ہے

"سوزِ دروں" سے ان کا دل سلگتا تھا، اور عرفائے حق و اولیاء اللہ کی طرح ان کا دل سوزش عشق سے کباب ہو چکا تھا۔

دم گھٹنے لگا ظالم، کیا دھونی رمائی ہے
اے دل! یہ سلگنا کیا، جلنا ہے تو جل ہی اٹھ

آج کے دودِ آہ میں بوے کباب آئی کیوں
تو نے تو کر دیا طبیب، آتشِ سینہ کا علاج

علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ کے متعلق امام عبد الوہاب شعرانی علیہ الرحمہ نے ''میزان الشریعۃ الکبریٰ'' میں ذکر فرمایا ہے کہ پچھتر بار بیداری میں انھیں سید عالم ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ اور حضور اقدس ﷺ سے بالمشافہہ تحقیقات حدیث کی دولت پائی۔ بے داری میں شرف زیارت کے اثبات میں علامہ سیوطی کا ایک رسالہ بھی ہے جس کا نام ہے: تنویر الحلك في إمكان رؤية النبي و الملك.

امام احمد رضا قدس سرہ خواب میں تو بار بار زیارت جمالِ اقدسِ سیدِ عالم ﷺ سے شرف یاب ہوئے، مگر دوسری بار حج وزیارت کے موقع پر روضۂ اطہر کے اندر خاص مواجہہ عالیہ میں شوق دیدار کے ساتھ درود شریف پڑھتے رہے اس امید پر کہ سرکار اقدس ﷺ عزت افزائی فرمائیں گے اور زیارت جمال سے سرفراز کریں گے۔ لیکن پہلی رات تکمیلِ آرزو نہ ہو سکی۔ یاس وحسرت کے عالم میں ایک نعت کہی جس کا مطلع ہے:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

مقطع میں عاشق مصطفیٰ کا ناز اور ایک جلیل القدر ولی کا عرفان، پھر بے کسی ومحرومی کا اظہار کچھ عجب انداز لیے ہوئے نظر آتا ہے۔ عرض کرتے ہیں:

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کُتّے ہزار پھرتے ہیں

مواجہہ شریف میں یہ نعت عرض کی اور باادب انتظار میں بیٹھ گئے۔ قسمت جاگی، حجاب اٹھا، اور عالمِ بیداری میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت اور جمال جہاں آرا کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ یہ واقعہ ان کے کمالِ عشق وعرفان کی کھلی ہوئی دلیل اور بارگاہِ رسالت میں ان کی مقبولیت کا بیّن ثبوت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ایک شامی بزرگ نے امام احمد رضا قدس سرہ کے خاص یوم وفات پر خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے جنازے کا انتظار کر رہے ہیں۔[1]

وہ عشق رسول کی اس منزل پر تھے کہ ناموس رسول کی حفاظت کے لیے اپنی عزت وآبرو اور اپنے آباو اجداد کی عزت وناموس کو قربان کرنا خوش نصیبی خیال کرتے تھے، دشمنوں کی گالی سنتے اور قرار پاتے کہ جب تک وہ مجھے گالیاں دیتے، اور میری بدگوئی کرتے ہیں میرے آقا کی بدگوئی سے باز رہتے ہیں، خود فرماتے ہیں:

---

(۱) امام احمد رضا اور تصوف، از علامہ محمد احمد مصباحی، مبارک پور، ص:۴۱، مطبوعہ: المجمع الاسلامی، مبارک پور۔

''واللہ العظیم ! یہ بندہ خدا بخوشی راضی ہے اگر یہ دشنامی حضرات بھی اس بدلے پر راضی ہوں کہ وہ اللہ ورسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالی علیہ وسلم) کی جناب میں گستاخی سے باز آئیں اور یہ شرط لگالیں کہ روزانہ اس بندۂ خدا کو پچاس ہزار مغلّظہ گالیاں سنائیں اور لکھ لکھ کر شائع فرمائیں۔ اگر اس قدر پر پیٹ نہ بھرے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی گستاخی سے باز رہنا اس شرط پر مشروط رہے کہ اس بندۂ خدا کے ساتھ اس کے باپ دادا اکابر علما قدست اسرارھم کو بھی گالیاں دیں تو ایں ہم برعَلَم۔

اے خوشا نصیب اس کا کہ اس کی آبرو، اس کے آبا واجداد کی آبرو بدگویوں کی بدزبانی سے محمد رسول اللہ ﷺ کی آبرو کے لیے سپر ہوجائے۔

یہی وجہ ہے کہ بدگو حضرات اس بندۂ خدا پر کیا کیا طوفان، بہتان اس کے ذاتی معاملات میں اٹھاتے ہیں، اخباروں، اشتہاروں میں طرح طرح کی گڑھتوں سے کیا کیا خاک اڑاتے ہیں، مگر وہ اصلاً قطعًا نہ اس طرف التفات کرتا، نہ جواب دیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جو وقت مجھے اس لیے عطا ہوا کہ بعونہ تعالی عزتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی حمایت کروں، حاشا کہ اسے اپنی ذاتی حمایت میں ضائع ہونے دوں۔ اچھا ہے کہ جتنی دیر مجھے برا کہتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بدگوئی سے غافل رہتے ہیں۔

فإن أبي ووالده وعرضي

لعرض محمد منكم وقاء (۱)

امام احمد رضا قدس سرہ عشق رسول کی اس بلند منزل پر فائز تھے کہ وہ عشق رسول کی کسوٹی پر پرکھ کر شخصیتوں کا مقام ومنصب متعیّن فرماتے تھے، جس شخصیت میں عشق رسول جتنا زیادہ پاتے اس کے مقام ومنصب کو اتنا ہی بلند سمجھتے۔ اور آپ کے دل میں اس کے لیے تعظیم وتکریم کے جذبات کی اتنی ہی فراوانی ہوتی۔ اس کا اندازہ خود انھی کی درج ذیل گفتگو سے ہوتا ہے، ایک مجلس میں فرمایا:

''سب انبیا علیہم الصلوۃ والسلام طاہرِ محض ہیں، اور جو شے ان سے علاقہ (تَعلُّق) رکھنے والی ہے سب طاہر۔ ہاں اُن کے فُضلات خود ان کے حق میں ایسے ہی نَجس ہیں جیسے ہمارے حق میں ہمارے فضلات نجس ہیں اور اگر اُن سے کوئی فضلہ خارِج ہو جو ہمارے لیے ناقِضِ وُضو ہے تو بے شک ان کا وضو بھی ٹوٹ جائے گا۔

میری نظر میں امام ابنِ حجر عسقلانی شارِحِ صحیحِ بخاری کی وقعت اِبتداءً امام بدر الدین محمود عینی شارح صحیح بخاری سے زیادہ تھی۔ ''فُضلاتِ شریفہ'' کی طہارت کی بحث ان دونوں صاحبوں نے کی ہے۔

(۱) امام احمد رضا اور تصوف، ص:۴۲، ۴۳، (ملخصًا)، بحوالہ خلاصہ فوائد فتاوی، طبع چہارم: ۱۳۲۴ھ ص: ۴۹، ۵۰۔

امام ابنِ حجر نے اَبحاثِ مُحَدّثانہ لکھی ہیں۔

امام عینی نے بھی شرح بخاری میں اس بحث کو بہت بَسْط سے لکھا ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں کہ ''یہ سب کچھ اَبحاث ہیں، جو شخص طہارت کا قائل ہو اُس کو میں مانتا ہوں اور جو اس کے خلاف کہے اس کے لیے میرے کان بہرے ہیں، میں سنتا نہیں۔'' یہ لفظ ان کی کمالِ محبت کو ثابت کرتا ہے، اور میرے دل میں ایسا اثر کر گیا کہ ان کی وقعت بہت ہو گئی۔ (۱)

ارشادات رسول پر اعتماد و یقین:

امام اہل سنت اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان سچے عاشق رسول اور عارف حق تھے۔ انھیں حضور اقدس ﷺ کی احادیث اور ارشادات پر مکمل یقین واعتماد تھا، انھیں ان حدیثوں پر بھی یقینِ کامل ہوتا جو اخبارِ آحاد ہوتیں، اور جن سے ثبوت کو علما و محدثین ظنی قرار دیتے ہیں، یقینی نہیں مانتے، جب ان احادیث کا حکم لکھنے کی باری آتی تو خود اعلی حضرت بھی انھیں ظنی الثبوت لکھتے ہیں، لیکن یہ معاملہ احکامِ شریعت تک ہے اور اس کے کچھ خاص اسباب و نتائج ہیں جن میں علمی و فقہی باریکیاں ہیں۔ تفصیل سے صرف نظر کرتے ہوئے مجھے یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ احادیث جو غیر احکام میں ہوں اور کسی منصوص شرعی کے معارض ومخالف نہ ہوں، اگر ان پر کسی مومن کو آج بھی یقین کامل ہوا اور وہ اس پر عمل کرے تو جائز ہے اور شرعًا اسے اس کا حق ہے۔ رب کریم فرماتا ہے، حدیث قدسی میں ہے: أنا عند ظن عبدي بي۔ (میرا بندہ میرے ساتھ جیسی امید رکھتا ہے اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرماتا ہوں) امام احمد رضا کو اپنے آقا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ارشادات پر پورا اعتماد اور اپنے مالک جل وعلا کی رحمت پر پختہ یقین تھا اور یہ صرف زبانی جمع خرچ کی حد تک نہ تھا، بل کہ ایک عارف کامل، عاشق صادق اور ولی وقت کو جیسا یقین واذعان ہوتا ہے ویسا ہی تھا۔ آپ کی زندگی میں اس کے بہت سے دلائل وشواہد موجود ہیں۔

(۱) حدیث شریف میں ہے کہ جو کسی بلا رسیدہ کو دیکھ کر ''الحمد الله الذي عافاني مما ابتلاك به وفضلني على كثير ممن خلق تفضيلا'' پڑھ لے اس مرض وبلا سے مامون ومحفوظ رہے گا۔ امام احمد رضا نے طاعون زدہ کو دیکھ کر بارہا یہ دعا پڑھی تھی، حدیث پر انھیں اطمینان کامل تھا۔

ایک بار کسی غریب کے یہاں دعوت میں گائے کا گوشت کھانا پڑا۔ گائے کا گوشت آپ کو سخت

---

(۱) الملفوظ، حصہ چہارم، ص: ۲۳، ۲۴، قادری مشن، نزد نو محلہ مسجد، بریلی۔

نقصان کرتا تھا، مگر ایک غریب مومن کی دل جوئی کے لیے آپ نے تناول فرمالیا جس کے اثر سے گلٹی نکل آئی، بولنا پڑھنا سب موقوف ہو گیا، نماز سنت بھی کسی کی اقتدا میں ادا کرتے۔ ان دنوں بریلی میں طاعون کا زور تھا۔ نہ معلوم کتنے افراد اس مہلک بیماری سے لقمۂ اجل بن چکے تھے، طبیب نے دیکھ کر کہا: ''وہی ہے۔'' اعلی حضرت فرماتے ہیں: میں بول نہ سکتا تھا اس لیے جواب نہ دے سکا۔ دل میں بارگاہ رب العزت کی طرف رجوع کیا اور عرض کیا: اَللّٰھُمَّ صَدِّقِ الحَبِیبَ وَکَذِّبِ الطَّبِیبَ (خداوندا! اپنے حبیب کا قول سچا کر دکھا اور طبیب کا قول جھوٹا) فوراً جیسے کسی نے کان میں ایک تدبیر بتائی: مسواک اور گول مرچ۔ لوگ رات میں باری باری میرے لیے جاگتے تھے۔ اس وقت جو صاحب جاگ رہے تھے، میں نے انھیں اشارے سے بلایا، اور انھیں مسواک اور گول مرچ کا اشارہ کیا۔ وہ مسواک تو سمجھ گئے، گول مرچ کس طرح سمجھیں۔ بڑی مشکل سے سمجھے۔ میں نے بڑی دقت سے مسواک کے سہارے تھوڑا منہ کھولا اور دانتوں پر مسواک رکھ کر گول مرچ کا سفوف چھوڑ دیا، اور اسی طرح پسی ہوئی مرچیں داڑھوں تک پہنچائیں۔ تھوڑی دیر میں ایک کلی خالص خون کی آئی مگر کوئی تکلیف واذیت محسوس نہ ہوئی، اس کے بعد ایک کلی خون کی اور آئی، اور بحمد اللہ وہ گلٹیاں جاتی رہیں، منھ کھل گیا۔ میں نے اللہ تعالی کا شکر ادا کیا اور طبیب صاحب کو کہلا بھیجا کہ آپ کا وہ (طاعون) بفضلہ تعالی جاتا رہا۔ دو تین روز میں بخار بھی جاتا رہا۔

اسی واقعے کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ مجھے نوعمری میں آشوب چشم اکثر ہوتا اور بوجہ حدّتِ مزاج تکلیف دیتا، انیس سال کی عمر ہوگی، رام پور جاتے ہوئے ایک شخص کو آشوب چشم میں مبتلا دیکھ کر یہ دعا پڑھ لی۔ اس وقت سے اب تک آشوب چشم کبھی نہیں ہوا۔ مجھے اس موقع پر اس دعا کے پڑھنے کا افسوس ہے کیوں کہ سرکار کا ارشاد ہے کہ تین بیماریوں کو ناپسندیدہ نہ جانو (۱) زکام، کیوں کہ اس کی وجہ سے بہت سی بیماریوں کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ (۲) کھجلی، کیوں کہ اس سے جذام وغیرہ جلدی بیماریوں کا سَدِّ باب ہو جاتا ہے۔ (۳) آشوب چشم، کیوں کہ یہ نابینائی کو ختم کرتا ہے۔

خیر اس دعا کی برکت سے آشوب چشم تو جاتا رہا، جمادی الاولی ۱۳۰۰ھ میں ایک اور مرض پیش آیا۔ کچھ اہم تصانیف کے سبب ایک مہینہ کامل باریک تحریر کی کتابیں شب و روز مسلسل دیکھنا ہوا۔ یہ عمر کا اٹھائیسواں سال تھا۔ اندر کے دالان میں مطالعہ اور تصنیف کا کام ہوتا۔ گرمی کا موسم تھا، میں نے اندھیرے کا خیال نہ کیا۔ ایک دن لکھتے لکھتے گرمی کی شدت کی وجہ سے دوپہر کو غسل کیا۔ سر پر پانی پڑتے ہی معلوم ہوا کہ کوئی چیز دماغ سے دہنی آنکھ میں اتر آئی۔ ایک سربرآوردہ ڈاکٹر نے آلات سے بہت دیر

تک بغور دیکھا، اور کہا: "کتب بینی کی کثرت کی بنا پر کچھ خشکی آگئی ہے۔ پندرہ دن کتاب نہ دیکھو"۔ مجھ سے پندرہ گھڑی بھی صبر نہ ہوا۔

حکیم مولوی سید اشفاق حسین صاحب مرحوم سہسوانی ڈپٹی کلکٹر نے فرمایا: مقدمۂ نزولِ آب ہے۔ بیس برس بعد پانی اتر آئے گا۔ میں نے کوئی توجہ نہ کی، اور نزول آب والے مریض کو دیکھ کر وہی دعا پڑھ لی، اور اپنے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد پاک پر مطمئن ہو گیا۔

۱۳۱۶ھ میں ایک اور ماہر حکیم کے سامنے ذکر ہوا، بغور دیکھ کر کہا: چار برس بعد پانی اتر آئے گا۔ ان کا حساب ڈپٹی صاحب کے حساب کے بالکل موافق آیا۔ انھوں نے بیس برس کہے تھے۔ انھوں نے سولہ سال بعد چار کہے۔ مجھے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر ایسا (کمزور) اعتماد نہ تھا کہ معاذ اللہ حکیموں کے کہنے سے متزلزل ہو جاتا۔ بیس درکنار تیس برس سے زائد گزر چکے ہیں، اور وہ حلقہ ذرّہ برابر نہ بڑھا، نہ بعونہ تعالیٰ بڑھے گا۔ نہ میں نے کتاب بینی میں کبھی کمی کی، نہ انشاء اللہ کمی کروں گا۔ یہ میں نے اس لیے بیان کر دیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دائم و باقی معجزات ہیں جو آج تک آنکھوں دیکھے جا رہے ہیں، اور قیامت تک اہل ایمان مشاہدہ کرتے رہیں گے۔ (۱)

(۲) امام احمد رضا قدس سرہ کے دوسرے سفر حج کا واقعہ ہے۔ مکہ مکرمہ میں حضرت کو بخار تھا۔ فرماتے ہیں۔ اواخر محرم میں بفضلہ تعالیٰ صحت ہوئی، وہاں ایک سلطانی حمام ہے، میں اس میں نہا کر باہر نکلا ہی تھا کہ ابر دیکھا، جو حرم شریف پہنچتے پہنچتے برسنا شروع ہو گیا۔ مجھے حدیث یاد آئی کہ "جو بارش کے دوران طواف کرے وہ رحمت الٰہی میں تیرتا ہے۔" فوراً سنگ اسود کا بوسہ لے کر بارش ہی میں سات پھیرے طواف کیا۔ بخار دوبارہ آگیا۔ مولانا سید اسماعیل نے فرمایا: ایک ضعیف حدیث کے لیے تم نے اپنے بدن کی یہ بے احتیاطی کی۔ میں نے کہا: حدیث ضعیف ہے مگر بحمد اللہ تعالیٰ امید قوی ہے۔ یہ طواف بحمدہ تعالیٰ بہت مزے کا تھا۔ بارش کے سبب طواف کرنے والوں کی وہ کثرت نہ تھی۔ (۲)

(۳) حدیث شریف میں ایک دعا ہے کہ کسی کشتی پر سوار ہوتے وقت پڑھ لی جائے، تو کشتی ڈوبنے سے محفوظ رہے، امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے پہلے سفر میں جہاز پر سوار ہوتے وقت وہ دعا پڑھ لی تھی، ساتھ میں آپ کے والدین کریمین بھی تھے۔ سمندر میں سخت طوفان آیا۔ لوگوں نے کفن پہن لیے۔ والدہ ماجدہ

---

(۱) حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۷۰-۱۷۳۔

(۲) حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۴۴۵۔

بہت پریشان ہوئیں۔ اعلی حضرت فرماتے ہیں: ان کا اضطراب دیکھ کر بے ساختہ میری زبان سے نکلا: ''آپ اطمینان رکھیں، خدا کی قسم! یہ جہاز نہ ڈوبے گا۔'' یہ قسم میں نے حدیث ہی کے اطمینان پر کھائی تھی۔ حدیث کے سچے وعدے پر میں مطمئن تھا۔ پھر قسم نکل جانے سے مجھے اندیشہ ہوا اور معاً حدیث یاد کی: مَن یَتَألّ علی اللہ یکذّبہ. اللہ عزوجل کی طرف رجوع کیا اور سرکار رسالت سے مدد مانگی۔ وہ مخالف ہوا جو تین دن سے پورے زور شور کے ساتھ چل رہی تھی، بحمد اللہ تعالی گھڑی بھر میں موقوف ہوگئی اور جہاز نے نجات پائی۔[1]

بہت سی حدیثیں اپنی سندوں کے باعث محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، اہل عرفان اور اولیاے کرام کے نزدیک کشف و مشاہدہ کے باعث قوی ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی کتاب ''منیر العین في حکم تقبیل الإبهامین'' میں اس کا تفصیلی ذکر فرمایا ہے۔ یہ گراں قدر رسالہ فتاوی رضویہ جلد دوم میں شامل ہے۔

بہرحال امام احمد رضا کو ان ضعیف حدیثوں پر بھرپور اعتماد و اذعان ہوتا جو کسی نص شرعی کے مخالف نہ ہوتیں اور فضائل رجال و فضائل اعمال میں بلا تکلف ان پر عمل کرتے۔ البتہ موضوع حدیث کو کسی طرح قابلِ عمل نہ گردانتے، کہ وہ حدیث ہی نہیں، کسی خدانا ترس، بدبخت کی من گڑھت ہے۔ ان واقعات و شواہد میں احادیث نبویہ پر امام احمد رضا قدس سرہ کا بھی قلبی یقین اور کمال ایمان و اذعان پوری طرح نمایاں نظر آتا ہے، اور ان کی ولایت و روحانیت اور تصوف و عرفان کا سورج پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ فگن دکھائی دیتا ہے۔

قدرت الٰہی پر یقین واعتماد:

رب قدیر کی قدرت کاملہ پر انھیں ہر وقت کامل یقین و اعتماد رہتا۔ امام احمد رضا قدس سرہ بہت سے علوم و فنون کی طرح علم نجوم کے بھی ماہر تھے۔ عموماً اہلِ نجوم اپنے ظنی علم پر اتنا اعتماد اور بھروسا رکھتے ہیں کہ اپنے علم و فن کے نشے میں اللہ تعالی کی قدرت کو بھول جاتے ہیں اور اپنے علم ہی کو سب کچھ سمجھنے لگتے ہیں ۔ مگر اعلی حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی کیفیت کچھ اور ہی تھی۔ ان کے یہاں علم و فن کے نتائج اپنی جگہ، لیکن اللہ تعالی کی قدرت کاملہ پر یقین و اعتماد کو سب پر بالادستی حاصل تھی۔

مولانا محمد حسین بریلوی (موجد طلسمی پریس) کے والد مولانا غلام حسین علم نجوم میں بڑے ماہر تھے، ستاروں کی شناخت اور ان کی چال سے نتائج نکالنے پر بڑی دسترس رکھتے تھے۔ عمر میں اعلی حضرت قدس

(۱) حیات اعلی حضرت، ج:۱، ص:۴۱۴۔

سرہ سے بڑے اور ان کے والد ماجد مولانا نقی علی بریلوی علیہ الرحمہ کے ملنے والوں میں تھے۔

یہ ایک مرتبہ اعلی حضرت قدس سرہ کے یہاں تشریف لائے۔ اعلی حضرت نے دریافت کیا: فرمایئے بارش کا کیا اندازہ ہے؟ کب تک ہوگی؟ انھوں نے ستاروں کی وضع کا زائچہ بنایا اور فرمایا: اس مہینے میں پانی نہیں ہے۔ آئندہ ماہ میں ہوگا۔ یہ کہہ کر زائچہ اعلی حضرت کی طرف بڑھایا۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا: اللہ کو سب قدرت ہے، چاہے تو آج ہی بارش ہو۔" انھوں نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا آپ ستاروں کی وضع نہیں دیکھتے؟ اعلی حضرت نے فرمایا: "محترم! میں سب دیکھ رہا ہوں، اور اس کے ساتھ واضع اور اس کی قدرت کو بھی دیکھ رہا ہوں۔"

پھر اس مشکل مسئلہ کو بڑے آسان طریقے پر سمجھایا۔ سامنے دیوار گھڑی لگی ہوئی تھی۔ اعلی حضرت نے ان سے پوچھا: وقت کیا ہے؟ بولے: سوا گیارہ بجے ہیں۔ فرمایا: بارہ بجنے میں کتنی دیر ہے؟ بولے: پون گھنٹہ۔ فرمایا: اس سے پہلے؟ کہا: ہرگز نہیں، ٹھیک پون گھنٹہ۔ اعلی حضرت اٹھے اور بڑی سوئی گھما دی۔ فوراً ٹن ٹن بارہ بجنے لگے۔ حضرت نے فرمایا: آپ نے کہا تھا: ٹھیک پون گھنٹہ بارہ بجنے میں باقی ہے۔ وہ بولے: اس کی سوئی کھسکا دی، ورنہ اپنی رفتار سے پون گھنٹہ بعد ہی بارہ بجتے۔ اعلی حضرت نے فرمایا: اسی طرح اللہ رب العزت قادر مطلق ہے کہ جس ستارے کو جس وقت جہاں چاہے پہنچا دے۔ وہ چاہے تو ایک مہینہ، ایک ہفتہ، ایک دن کیا، ابھی بارش ہونے لگے۔" اعلی حضرت کی زبان مبارک سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ چاروں طرف سے گھنگھور گھٹا چھائی، اور فوراً پانی برسنے لگا۔ (۱)

کیا قدرت خداوندی پر ایسے اعلی درجے کا ایمان ویقین کسی ماہر نجوم کے یہاں مل سکتا ہے؟ اور کیا زبان کی ایسی تاثیر کسی عالمِ ظاہر کے یہاں دست یاب ہو سکتی ہے؟ یہ واقعہ اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ اعلی حضرت ایک عالمِ ربانی، عارف صمدانی، ولی کامل، صوفی زندہ دل اور مستجاب الدعوات مرد خدا تھے۔

یہ تو قدرت الٰہی پر ایمان ویقین کی بات ہے جو ہر مومن کے قلب میں ہونا چاہیے۔ اگر یہ بالکل ہی نہ ہو تو مومن ہی کہاں؟ اور اگر اس حد تک نہ ہو تو مومن ضرور ہے مگر عارف اور کامل الایمان ہرگز نہیں۔

تقوی اور پرہیز گاری:

اعلی حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے حالات پر نظر ڈالیے تو ان کی پوری زندگی تقوی و پرہیز گاری، شریعت مصطفی اور سنت مصطفی علیہ التحیۃ والثنا کی پابندی سے آراستہ وپیراستہ ملتی ہے۔ ان کے

(۱) امام احمد رضا اور تصوف، از علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی، ص:۵۱۔

تقوی و پرہیز گاری کی شان بڑی بلند و بالا ہے۔

اس طرح کے بہت سے واقعات ان کی زندگی کی تاریخ سے وابستہ ہیں جن میں ان کا عرفان، خوف خداوندی، خشیت ربانی اور تقوی و پرہیز گاری کا حسن و جمال صاف جھلکتا ہے۔ ذیل کے واقعات میرے دعوے پر دلیل ہیں۔

(۱) امام احمد رضا قدس سرہ کی زندگی کا آخری رمضان ۱۳۳۹ھ میں تھا۔ اس وقت ایک تو بریلی میں سخت گرمی تھی، دوسرے عمر مبارک کا آخری حصہ اور ضعف ومرض کی شدت۔ شریعت اجازت دیتی ہے کہ شیخ فانی روزہ نہ رکھ سکے تو فدیہ دے اور ناتواں مریض کو اجازت دیتی ہے کہ روزے کی قضا بعد میں قوت و توانائی اور صحت و تندرستی کے وقت کرے۔ لیکن امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کا فتوی اپنے لیے کچھ اور ہی تھا جو در حقیقت فتوی نہیں، تقوی تھا۔ انھوں نے فرمایا: ”بریلی میں گرمی کی شدت کے باعث میرے لیے روزہ رکھنا ممکن نہیں لیکن پہاڑ پر ٹھنڈک ہوتی ہے، یہاں سے نینی تال قریب ہے، بھوالی پہاڑ پر روزہ رکھا جاسکتا ہے، میں وہاں جانے پر قادر ہوں، لہذا میرے اوپر وہاں جاکر روزہ رکھنا فرض ہے۔“ چنانچہ رمضان نینی تال جاکر بھوالی پہاڑ پر گزارا اور پورے روزے رکھے۔

(۲) ۲۵ر صفر ۱۳۴۰ھ کو آپ کا وصال ہوا مرض مہینوں سے تھا، اور ایسا کہ چلنے پھرنے کی طاقت نہیں، شریعت اجازت دیتی ہے کہ ایسا مریض گھر میں تنہا نماز پڑھ لے، مگر امام احمد رضا جماعت کی پابندی کرتے اور چار آدمی کرسی پر بٹھا کر مسجد تک لے جاتے، جب تک اس طرح حاضری کی قدرت تھی، جماعت میں شریک ہوتے رہے۔

حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ بانی جامعہ اشرفیہ مبارک پور (۱۳۱۲ھ - ۱۳۹۶ھ) کا بیان ہے۔ ایک بار مسجد لے جانے والا کوئی نہ تھا، جماعت کا وقت ہوگیا، طبیعت پریشان، ناچار خود ہی کسی طرح گھسٹتے ہوئے حاضر مسجد ہوئے اور باجماعت نماز ادا کی۔ آج صحت و طاقت اور تمام تر سہولت کے باوجود ترکِ نماز اور ترکِ جماعت کے ماحول میں یہ واقعہ ایک عظیم درس عبرت ہے۔ (۱)

(۳) ایک بار امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے علاقۂ زمین داری میں سکونت پذیر تھے۔ دردِ قولنج کے سخت دورے ہوا کرتے تھے۔ ایک دن تنہا تھے، فرماتے ہیں: ظہر کے وقت درد شروع ہوا۔

---

(۱) امام احمد رضا اور تصوف، ص:۵۶۔

اسی حالت میں جس طرح بنا وضو کیا۔ اب نماز کو کھڑا نہیں ہوا جاتا۔ رب عزوجل سے دعا کی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدد مانگی، مولا عزوجل مضطر کی پکار سنتا ہے۔ میں نے سنتوں کی نیت باندھی درد جاتا رہا۔ جب سلام پھیرا، اسی شدت سے تھا۔ فوراً اٹھ کر فرضوں کی نیت باندھی، درد جاتا رہا۔ جب سلام پھیرا وہی حالت تھی، بعد کی سنتیں پڑھیں، درد موقوف۔ اور سلام کے بعد پھر بدستور۔ میں نے کہا: اب عصر تک ہوتا رہ۔ پلنگ پر لیٹا کروٹیں لے رہا تھا کہ درد سے کسی پہلو قرار نہ تھا۔[1]

(۴) مسجد میں وضو کا مستعمل پانی گرانا جائز نہیں، خواہ وہی پانی ہو جو اعضا پر لگا رہ جاتا ہے۔ ایک بار سخت سردی میں شدید بارش ہو رہی تھی۔ اعلیٰ حضرت معتکف تھے۔ باہر وضو کی صورت نظر نہ آئی۔ لحاف کو چار تہ کر کے اس پر وضو کیا ایک قطرہ بھی فرش پر گرنے نہ دیا۔ اور پوری رات سردی میں ٹھٹھر کر بسر کر دی۔

(۵) آپ جب مسجد میں داخل ہوتے تو دایاں پاؤں آگے بڑھاتے۔ ہر صف کو دایاں قدم بڑھاتے ہوئے پار کرتے۔ اسی طرح محراب تک مصلّٰی پر پہنچ جاتے۔ فرض نماز صرف کرتے اور ٹوپی پر بغیر عمامہ کبھی ادا نہ کی۔

(۶) دکھتی آنکھ سے جو پانی گرے ناقضِ وضو ہے۔ ایک بار آشوب چشم تھا تو ہر نماز کے بعد کسی سے آنکھ دکھا لیتے کہ پانی حلقۂ چشم سے باہر تو نہیں آیا ورنہ دوبارہ وضو کر کے لوٹانی ہوگی۔

(۷) قرآن کریم میں ارشاد ہے: وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۚ (زمین پر اتراتے ہوئے نہ چل) اس حکم پر ایسا عمل تھا کہ سبک خرامی دیدنی ہوتی، قدموں کی آہٹ پانا بھی مشکل تھا۔ بارہا ایسا ہوا کہ قریب پہنچ کر خود پہلے سلام کیا تو خدام کو آنے کی خبر ہوئی۔

(۸) سونے میں اسم رسالت ''محمد'' علی صاحبہ الصلوۃ والسلام کا نقشہ ہوتا۔

(۹) خط بنواتے وقت اپنی کنگھی اور اپنا شیشہ استعمال کرتے۔

(۱۰) قبلہ کی طرف نہ کبھی پاؤں دراز کیا نہ منہ کر کے تھوکا۔

آپ کی ان عادات واطوار کو دیکھ کر سراج الامہ امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی تقوی شعار زندگی کی یاد تازہ ہوتی ہے۔[2]

---

(۱) الملفوظ، ج:۲، ص:۸۷، قادری مشن، نزد نو محلہ مسجد، بریلی۔
(۲) امام احمد رضا اور تصوف، ص:۵۶، المجمع الاسلامی، مبارک پور۔

تجدید و اصلاح:

دعوت دین، اصلاحِ اہل زمانہ، فتنہ شکنی، احیاے شریعت اور تجدید سنت نبویہ وہ عظیم مجاہدہ ہے جو اہل ظاہر تو اہل ظاہر، تمام ارباب سلوک کو بھی نصیب نہیں ہوتا، بہت سے اولیاے کرام وہ گزرے ہیں جنھوں نے خلوت کی زندگی گزاری، اور جلوت سے انھیں کوئی سروکار نہیں رہا۔ اس کی حقیقت تک رسائی کے لیے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کا درج ذیل بیان پڑھیے۔

''آدمی تین قسم کے ہیں: (۱) مفید (۲) مستفید (۳) منفرد۔

مفید: وہ جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔

مستفید: وہ کہ خود دوسرے سے فائدہ حاصل کرے۔

منفرد: وہ کہ دوسرے سے فائدہ لینے کی اسے حاجت نہ ہو، اور نہ دوسروں کو فائدہ پہنچا سکتا ہو۔

مفید اور مستفید کو عزلت گزینی حرام ہے، اور منفرد کو جائز بلکہ واجب۔[۱]

اسی بنیاد پر سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے تکمیل علوم شریعت و راہ طریقت کے بعد کوئی گوشۂ تنہائی نہیں، بلکہ بغداد کی گھنی آبادی کا انتخاب کیا جو بے شمار فتنوں کی آماج گاہ بلکہ تربیت گاہ بن چکا تھا۔ انھوں نے اپنی تقریروں سے خلفا، امرا، علما اور عوام کے دل ہلا دیے، ان کے فیضِ اصلاح سے ہزاروں بے دین صراط مستقیم پر آئے اور لاکھوں بے راہ صالح اور نیک بن گئے۔

امام غزالی نے تکمیل تعلیم کے بعد اپنی اصلاح کا رخ خاص طور پر امرا اور علما کی طرف پھیرا، ان کے ہاتھ پر توبہ کرنے والوں کی فہرست سوانح نگاروں نے مرتب نہ کی، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان کے رشحاتِ قلم آج بھی باعث رشد و ہدایت ہیں۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے دین کے نام پر اٹھنے والے فتنوں اور باطل تحریکوں کا نہایت پامردی سے مقابلہ کیا۔ ان کے بھتیجے مولانا حسنین رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: '

''اس ہندستان میں کوئی باطل فرقہ ایسا نہیں ہے جس کے رد میں ان کی بکثرت تحریریں موجود نہ ہوں۔ جب دین میں کوئی نیا فتنہ اٹھتا تو سب سے پہلے حضور کے زبان و قلم کو حرکت ہوتی، اور کامل استیصال فرما کر چھوڑتے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ہر فتنہ انگیز کو فتنہ پھیلانے سے قبل یہ خیال مدتہا مدت

---

(۱) الملفوظ، ج:۳، ص:۳۸، قادری مشن، نزد نو محلہ مسجد، بریلی۔

تک باز رکھتا کہ اعلی حضرت کی سیفِ زبان و نیزۂ قلم کا کیا جواب ہو گا۔“ (۱)

انھوں نے نہایت جواں مردی اور بے باکی کے ساتھ اس وصف کا خود ہی اعلان فرمایا ہے:

کلکِ رضا ہے خنجر خوں خوار، برق بار

اعدا سے کہہ دو خیر منائیں، نہ شر کریں

ان کی زبانِ فیض ترجمان سے بہت سے معصیت کاروں، گنہگاروں اور دنیا داروں کو صلاح وفلاح کی زندگی نصیب ہوئی۔ ایک بار آپ کا قیام جبل پور میں تقریباً چونتیس دن رہا، بے شمار فاسقوں، عصیاں شعاروں نے آپ کے دست حق پرست پر اپنے علانیہ وخفیہ گناہوں سے توبہ کی۔ اللہ تعالی نے آپ کی زبان میں حیرت انگیز تاثیر رکھی تھی، زبان مبارک سے نکلے ہوئے سیدھے سادھے الفاظ لوگوں میں وہ اثر کرتے کہ ان کے دل امنڈ آتے، آنکھیں اشک بار ہو جاتیں، اور مدتوں کے جھگڑے اور باہمی آویزشیں ایک لمحے میں دور ہو جاتیں۔

جبل پور کا واقعہ ہے دو بھائیوں میں باہمی نزاع تھی، چند کلمات کے بعد فرمایا: خوب سمجھ لیے، آپ دونوں صاحبوں میں جو ملنے میں سبقت کرے گا جنت کی طرف سبقت کرے گا۔ یہ فرمانا تھا کہ دونوں کے دلوں پر ایک بجلی کا سا اثر ہوا، اور بے تابانہ ایک دوسرے کے قدموں پر گر پڑے اور نہایت صاف دلی کے ساتھ ایک دوسرے سے لپٹ گئے، اور جوشِ محبت کی یہ حالت ہوئی کہ اگر حاضرین میں سے کچھ لوگ انھیں سنبھال نہ لیتے تو دونوں حضرات اس گلے ملنے میں گر پڑتے۔ (۲)

خود بریلی میں آئے دن اعلی حضرت کے ہاتھوں پر توبہ کرنے والوں کا کوئی شمار نہیں۔ جبل پور کے ایک جلسہ میں توبہ کرنے والوں کی فہرست شائع ہوئی۔ اعلی حضرت نے بتایا کہ اللہ و رسول کے گستاخوں سے صحابۂ کرام اور اولیاے کبار بیزاری اور نفرت کا سلوک کرتے ہیں، تو بدمذہبوں، گستاخوں سے صحبت و قربت رکھنے والے بہت سے لوگوں نے توبہ کی اور صدق دل سے تائب ہوئے۔ اس پر ارشاد فرمایا: ”بھائیو! یہ وقت نزول رحمت الہی کا ہے۔ سب حضرات اپنے اپنے گناہوں سے توبہ کریں۔ جن کے خفیہ ہوں وہ خفیہ اور جن کے علانیہ ہوں وہ علانیہ۔ فقیر دعا کرتا ہے کہ مولا تعالی آپ حضرات کو استقامت مرحمت فرمائے۔ جو داڑھی منڈاتے یا کترواتے ہوں، یا چڑھاتے، یا سیاہ خضاب لگاتے ہوں وہ اور ایسے ہی جو علانیہ گناہ کرتے ہوں انھیں علانیہ توبہ کرنا چاہیے، اور جو گناہ خفیہ طور پر کیے ان سے پوشیدہ، کہ گناہ کا

---

(۱) ایمان افروز وصایا، ص:۷۔ المجمع الاسلامی، مبارک پور۔

(۲) الملفوظ، ج:۲، ص:۷۹، (ملخصًا)۔

اعلان بھی گناہ ہے۔" ان چند فقروں میں اللہ ہی جانے کیا اثر تھا کہ لوگ دہاڑیں مار مار کر رونے لگے، گویا وہ اپنے گناہوں کے دفتر آنسوؤں سے دھورہے تھے۔ اور بے تابانہ اس شمع انجمن محمدی پر نثار ہورہے تھے۔ اور اس (شیخِ ارشاد) کے قدموں پر گرگڑا کر اپنے خفیہ وعلانیہ گناہوں سے توبہ کررہے تھے۔ عجب سماں تھا ... جو لوگ حاضر جلسہ نہ تھے انھیں بعد میں اطلاع ہوئی، وہ سب حاضر ہوکر تائب ہوتے گئے۔ دوسرے دن وقت ظہر جبل پور سے روانگی تھی، لوگ اسٹیشن تک آئے اور تائب ہوئے۔[1]

امام احمد رضا قدس سرہ نے بہت سی سنتوں کو حیات نو عطا کی جن پر عوام وخواص سبھی کا عمل درآمد ختم ہوچکا تھا اور جو مردہ ہوچکی تھیں۔ آپ نے ان کا سنت ہونا لوگوں کے سامنے عیاں کیا، اور اپنی زبان اور قلم سے ان کی نصرت وحمایت کا فریضہ سرانجام دیا۔ غیروں کے ساتھ اپنوں نے بھی کچھ کم مخالفتیں نہیں کیں، آپ نے سب کی کرم فرمائیوں کو نہایت صبر واستقامت کے ساتھ برداشت کیا، اور احیاے سنت اور تجدید دین وملت پوری ثابت قدمی کے ساتھ کرتے رہے۔

○ ان سنتوں میں سے جمعہ کی اذان ثانی کا مسئلہ ہے۔ اس کی تاریخ یہ رہی ہے کہ عہدِ رسالت وعہدِ صدیق وفاروق بل کہ عہدِ جملہ خلفاے راشدین اور اس کے بہت بعد تک بھی یہ اذان مسجد کے دروازے پر امام کے بالمقابل اور سامنے ہوتی رہی۔ سنن ابوداؤد کی حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے، اور فقہ وفتاوی کی بہت سی کتابوں میں تصریح ہے کہ مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے، ان عبارتوں میں نہ تو کسی اذان کا استثنا ہے، نہ کسی کی تخصیص۔ لیکن بعد کے زمانوں میں جس طرح بہت سی سنتوں کے خلاف رواج پڑ گیا اسی طرح اس سنت کے خلاف بھی عمل درآمد ہوگیا اور خطبے کی اذان خاص مسجد کے اندر منبر کے متّصل ہونے لگی۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان سے اس کا استفتا ہوا آپ نے جواب دیا: یہ اذان بھی مسجد کے اندر دینا مکروہ اور خلاف سنت ہے۔ دیوبندیوں نے اس مسئلہ میں آپ کی مخالفت کی، اور علماے اہل سنت میں بھی کئی لوگوں نے آپ کی مخالفت کی اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کو ہر طرح سے پریشان کرنے کی کوشش کی اور اتنی اذیتیں پہنچائیں کہ آپ نے سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کی ایک منقبت میں اس کا اظہار اور بارگاہ غوثیت میں کچھ اس طرح استغاثہ فرمایا ہے:

عدو بد دین، مذہب والے حاسد — تو ہی تنہا کا زورِ دل ہے یا غوث
حسد سے ان کے سینے پاک کردے — کہ بدتر دق سے بھی یہ سل ہے یا غوث

---

(۱) امام احمد رضا اور تصوف، ص:۷۹۔

غذائے دق یہی خوں، استخواں، گوشت — یہ آتش دین کی آکل ہے یا غوث
دیا مجھ کو انھیں محروم چھوڑا — مرا کیا جرم، حق فاصل ہے یا غوث
خدا سے لیں لڑائی وہ ہے معطی — نبی قاسم ہے، تو مُوصِل ہے یا غوث
عطائیں مقتدر، غفار کی ہیں — عبث بندوں کے دل میں غل ہے یا غوث

بہر حال آپ نے مخالفتوں کی ان زور دار آندھیوں کی پرواہ کیے بغیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کریمہ کو زندہ فرمایا۔ آپ نے فتاوی کے علاوہ اس موضوع پر دو مستقل رسالے بھی لکھے۔ ایک ''أوفى اللمعة في أذان الجمعة''، جو فتاوی رضویہ جلد سوم میں شامل ہو کر شائع ہو چکا ہے۔ جب کہ دوسرا رسالہ ''شمائم العنبر في أدب النداء أمام المنبر'' ہے جو ۱۶۱ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور عربی زبان میں ہے، یہ رسالہ بحر العلوم علامہ مفتی عبد المنان اعظمی مصباحی سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے اردو ترجمے اور تقدیم کے ساتھ رضا اکیڈمی، ممبئی کے زیر اہتمام علاحدہ شائع ہو چکا ہے۔ یہ رسالہ اتنا مدلل اور گراں قدر ہے کہ اس کے مطالعے سے اہل علم کی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں۔ آخر کار آپ کی یہ مومنانہ جرأت اور مخلصانہ کوششیں رنگ لائیں، اور آج الحمدللہ عموماً اہل سنت و جماعت کی مسجدوں میں اس سنت کے مطابق عمل ہو رہا ہے اور اذان خطبہ بیرون مسجد دی جا رہی ہے۔

○ اسی طرح حنفیوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جب امام مصلے پر موجود ہو اور مکبر تکبیر کہنا شروع کرے تو امام اور مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب تکبیر کہنے والا ''حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح'' پر پہنچے۔ اس سے پہلے کھڑے ہونا، یا ابتدا ہی سے کھڑے رہنا، خلافِ سنت اور مکروہ ہے۔ خود محررِ مذہبِ حنفی حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے مؤطا امام محمد ''باب تسوية الصفوف'' میں اس مسئلے کو صاف بیان فرمایا ہے۔ بل کہ فتاوی عالمگیری میں تو یہاں تک صراحت موجود ہے کہ اگر تکبیر ہو رہی ہو اور کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو جہاں تکبیر سنے وہیں بیٹھ جائے، اور جب مکبر ''حي علی الصلوۃ'' تک پہنچے تو امام دیگر مقتدیوں کے ساتھ کھڑا ہو، کھڑے کھڑے انتظار کرنا مکروہ ہے۔ فقہ کی درجنوں کتابوں میں اس مسئلے کی صراحت موجود ہے۔

مگر نہ جانے کب سے اس مسئلے کے خلاف عمل ہونے لگا، اور عوام و خواص بھی اس خلاف سنت رواج کے شکار ہو گئے۔ اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے فتاوی میں اس مسئلے کو فقہا و ائمہ کے اقوال اور شرعی دلائل سے خوب خوب مستحکم فرمایا، اور زبان و قلم اور کردار و عمل سے اس مردہ سنت کو زندہ فرمایا، یہاں تک کہ مسجدوں میں اس پر ایسا عمل ہونے لگا کہ یہ سنیّت کی واضح نشانی بن گئی۔ اس طرح آپ نے اپنے زبان و قلم کے ذریعے دین کی تجدید و احیا کا کام سر انجام دیا۔

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے والہانہ تعلق:

اعلی حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کو غوث اعظم، قطب ربانی حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ کی ذات سے والہانہ تعلق تھا، آپ صحیح معنوں میں عاشق غوث اعظم تھے، آپ کی محفلیں ان کے ذکر سے معمور رہتیں۔ آپ کا نہاں خانۂ دل سرکار غوثیت مآب کی بابرکت یادوں سے آباد رہتا۔ آپ کے یہاں بچپن ہی سے بارگاہِ قادریت کا ادب ملحوظ رہا۔ چھ برس کی عمر میں معلوم ہو گیا کہ بغداد شریف کس سمت ہے اس وقت سے تا زندگی ادھر کبھی پاؤں نہ پھیلایا۔ سمتِ قبلہ کا احترام تو آداب شرع میں داخل ہے مگر سمتِ مرشد کا ادب بارگاہ عشق کا حصہ ہے۔ اسی لیے اعلی حضرت نے فتوی کی زبان میں تو یہی لکھا کہ جانب شمال پاؤں پھیلا کر سونے میں کوئی ممانعت نہیں، ہاں اگر اس خیال سے بچتا ہے کہ اس سمت بغداد شریف ہے اور مسجد اقصی قبلۂ انبیا ہے تو یہ ایک معقول وجہ ہے۔ [۱]

اعلی حضرت خود اپنا ایک خواب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”ایک بار میں نے دیکھا کہ حضرت والد ماجد کے ساتھ ایک سواری ہے جو بہت نفیس اور اونچی بھی تھی۔ والد ماجد نے کمر پکڑ کر سوار کیا اور فرمایا: گیارہ درجے تک تو ہم نے پہنچا دیا، آگے اللہ مالک ہے۔ میرے خیال میں اس سے مراد غلامی ہے سرکار غوثیت رضی اللہ تعالی عنہ کی۔“ [۲]

امام احمد رضا کو سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے کیسی گہری عقیدت تھی اس کا اندازہ حضرت محدث اعظم مولانا سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے اس بیان سے ہوتا ہے جو انھوں نے جشن ولادت اعلی حضرت منعقدہ ناگ پور ۱۳۷۹ھ کے خطبۂ صدارت میں دیا ہے:

”اعلی حضرت نے مجھے کار افتا پر لگانے سے پہلے خود گیارہ روپے کی شیرینی منگائی۔ اپنے پلنگ پر مجھ کو بٹھا کر اور شیرینی رکھ کر فاتحۂ غوثیہ کر کے دست کرم سے شیرینی مجھ کو بھی عطا فرمائی، اور حاضرین میں تقسیم کا حکم دیا کہ اچانک اعلی حضرت پلنگ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب حاضرین کے ساتھ میں بھی اٹھ کھڑا ہوا کہ شاید کسی حاجت سے اندر تشریف لے جائیں گے لیکن حیرت بالائے حیرت یہ ہوئی کہ اعلی حضرت زمین پر اکڑوں بیٹھ گئے، سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ دیکھا تو یہ دیکھا کہ تقسیم کرنے والے کی غفلت سے شیرینی کا

---

(۱) فتاوی رضویہ، بحوالہ امام احمد رضا اور تصوف، ص:۸۹۔
(۲) الملفوظ، ج:۳، ص:۷۰۔

ایک ذرہ زمین پر گر گیا تھا، اور اعلیٰ حضرت اس ذرے کو نوک زبان سے اٹھا رہے ہیں۔ اور پھر اپنی نشست گاہ پر بدستور تشریف فرما ہوئے۔ اس واقعے کو دیکھ کر سارے حاضرین سرکار غوثیت کی عظمت و محبت میں ڈوب گئے۔ اب میں سمجھا کہ بارہا مجھ سے جو فرمایا گیا کہ کچھ نہیں، یہ آپ کے جد امجد (سرکار غوث پاک) کا صدقہ ہے وہ مجھے خاموش کر دینے ہی کے لیے نہ تھا اور نہ صرف مجھ کو شرم دلانا مقصود تھا، بل کہ در حقیقت اعلیٰ حضرت غوث پاک کے ہاتھ میں "چوں قلم در دست کاتب" تھے۔

وہ بارگاہِ قادریت کی غلامی میں ایسے غیرت مند تھے کہ سبھی بزرگان دین اور مشائخ طریقت سے محبت واحترام کے باوجود کسی اور سے اپنی حاجت روائی کی درخواست کرنا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔

الملفوظ میں ہے کہ ایک صاحب نے عرض کیا:

عرض: حضرت سیدی احمد زروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے: جب کسی کو کوئی تکلیف پہنچے یَا زَرُوق کہہ کر ندا کرے میں فوراً اس کی مدد کروں گا۔

ارشاد: مگر میں نے کبھی اس قسم کی مدد نہ طلب کی، جب کبھی میں نے اِستِعانَت کی "یا غوث" ہی کہا:

یک درگیر، محکم گیر۔

میری عمر کا تیسواں سال تھا کہ حضرت محبوب الٰہی (خواجہ نظام الدین اولیا علیہ الرحمہ) کی درگاہ میں حاضر ہوا۔ اِحاطے میں مَزَامیر وغیر کا شور مچا تھا۔ طبیعت مُنتشِر ہوتی تھی۔ میں نے عرض کیا: "حضور! میں آپ کے دربار میں حاضر ہوا ہوں، اس شور وشَغَب سے مجھے نجات ملے۔ جیسے ہی پہلا قدَم روضۂ مبارک میں رکھا ہے کہ معلوم ہوا سب ایک دم چپ ہو گئے ہیں۔ سمجھا کہ واقعی سب لوگ خاموش ہو گئے، قدم درگاہ شریف سے باہر نکالا پھر وہی شور وغُل تھا۔ پھر اندر قدم رکھا پھر وہی خاموشی۔ معلوم ہوا کہ یہ سب حضرت کا تَصَرُّف ہے، یہ بَیِّن (اور کھلی ہوئی) کرامت دیکھ کر مدد مانگنی چاہی، بجائے حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نامِ مُبارک کے "یا غَوْثاہ" زبان سے نکلا۔ وہیں میں نے "اکسیر اعظم" (۱۳۰۲ھ) قصیدہ بھی تصنیف کیا۔

(پھر ارشاد فرمایا:) اِرادت شرطِ اَہم ہے بَیعت میں، بس مُرشِد کی ذرا سی توجُّہ درکار ہے اور دوسری طرف اگر اِرادت نہیں تو کچھ نہیں ہو سکتا۔[1]

اس قصیدے میں عرض کرتے ہیں: ۔

سر توئی، سرور توئی، سر را سر وساماں توئی   جاں توئی، جاناں توئی، جاں را قرار جاں توئی

---

(۱) الملفوظ، ج:۲، ص:۵۹، ۶۰۔

بہر پابیت خواجۂ ہنداں شہ کیواں جناب بل علی عینی وراسی گوید آں خاقاں توئی
بندہ ات غیرت برد، گر بر درِ غیرت رود ور رود چوں بنگرد ہم شاہِ آں ایواں توئی

مولانا شاہ محمد ابراہیم قادری برکاتی مدراسی حیدر آبادی نے اطلاع دی کہ مولانا وکیل احمد سکندر پوری قصیدہ غوثیہ کی شرح لکھ رہے ہیں، اور کچھ لوگوں کو اس قصیدہ کی عربیت پر کلام ہے۔ ان کا رد بھی اچھی طرح کررہے ہیں۔ آپ اس قصیدے کی نسبت اور عربیت سے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

اعلیٰ حضرت نے جواب میں اولاً اس کی نسبت کی صحت ثابت کی، پھر اس کی عربیت سے متعلق دس نکات تحریر فرمائے۔ جن میں یہ مان کر کہ ممکن ہے اس کی عربیت میں کمی ہے بطور تنزل کلام کیا، اور نکتہ ثانیہ میں اکابر علما و ادبا کی تیس عبارتیں پیش کیں جن میں قواعد عربی کی رعایت نہ تھی وہ بھی نثر میں۔ جواب کے آخر میں فرماتے ہیں:

''الحمد للہ، کلام اپنے منتہا کو پہنچا اور ارتیاب مرتاب اپنی سزا کو، مگر ابھی تو مجھے حضرت معترض کی مزاج پرسی کرنی ہے۔ ذرا مہربانی فرما کر اپنے اعتراضات تفصیلی سے اطلاع دیں اور اس وقت جواب تفصیلی کے مرتبے میں ہم پر ہمارے آقا کا فیضان دیکھیں۔ ہاں ہاں، اصلاً نہ شرمائیں۔ جہاں تک اعتراض خاطر میں آئیں، سب ایک ایک کرکے بیان فرمائیں۔ کچھ اٹھار کھنے کی تکلیف ہرگز نہ اٹھائیں۔ ہم بھی تو جانیں کہ قصیدہ مبارکہ میں ایسے کیا کچھ اغلاط دیکھ پائے ہیں، جن کی بنا پر یہ شور اٹھائے ہیں۔''(۱)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے سرکار غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک منقبت میں لکھا:

''بندہ مجبور ہے خاطر پہ ہے قبضہ تیرا''

یہ سرکار غوث اعظم کے ایک ارشاد کا ترجمہ ہے، بعض حضرات کو اس پر اعتراض ہوا۔ اسی طرح مشہور نعت پاک '' حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو'' میں لفظ ''شہنشاہ'' پر ایک صاحب کو ممانعت اور ناجائز ہونے کا خدشہ ہوا، ان دونوں اعتراضات کے جواب میں آپ نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام رکھا ''فقه شهنشاه وأن القلوب بيد المحبوب بعطاء الله''(۱۳۲۶ھ)۔

بہجۃ الاسرار شریف اور دیگر اکابر کی کتابوں میں خود سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک نماز مروی ہے جس کا نام ''صلاۃ الاسرار'' ہے، اس میں بعد نماز بغداد شریف کی طرف گیارہ قدم چلتے ہوئے سرکار غوثیت سے استمداد بھی ہے۔ غوث اعظم فرماتے ہیں جو حاجت ہو پوری کی جائے گی۔ یہ نماز اولیائے

---

(۱) دیکھیے رسالہ: ''الزمزمة القمرية في الذب عن الخمرية۔

کرام کے معمولات ومجربات سے ہے۔اعلی حضرت فرماتے ہیں:

حسنِ نیت ہو خطا پھر کبھی کرتا ہی نہیں
آزمایا ہے یگانہ ہے دوگانہ تیرا

کچھ منکرینِ استعانت وتوسل کو اس پر اعتراض ہوا، اس کے جواب میں ایک رسالہ لکھا جس کا نام "أنهار الأنوار من يمّ صلاة الأسرار" رکھا جس میں اکابر امت اور اکابر منکرین سے اس کا جواز ثابت کیا، اور بہت سے اہم صوفیانہ نکات بھی اس میں تحریر فرمائے۔

ان ساری تفصیلات کے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے متعلق اعلی حضرت نے جو عرض کیا ہے کہ

میری قسمت کی قسم کھائیں سگانِ بغداد
ہند میں بھی ہوں تو دیتا رہوں پہرا تیرا

یہ صرف شاعرانہ دعوی نہیں، بل کہ حقیقت بھی یہی ہے کہ انھوں نے ناموسِ غوثیت کی حفاظت اور فضائلِ قادریت کے اظہار واعلان میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ان کی اسی عقیدت ومحبت کا ثمرہ ہے کہ مشکل مسائل میں حضرت سیدنا غوث اعظم کی جانب سے ان پر فیوض وبرکات اور علمی دقائق ونکات کی وہ بارش ہوئی کہ آپ کی کتابیں پڑھ کر اہلِ علم انگشت بدنداں ہیں۔

امام احمد رضا نثر کی طرح نظم میں بھی سیدنا غوث اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ قدس میں عشق وعقیدت کے موتی لٹاتے ہوئے نظر آتے ہیں، انھوں نے سرکار غوث پاک کی شان میں کئی طویل منقبتیں بھی کہی ہیں جو ان کے دیوان "حدائق بخشش" میں چھپ چکی ہیں، جن کے مطالعہ کے بعد یہ تاثر ہر قاری کے ذہن پر مرتسم ہو جاتا ہے کہ انھیں بارگاہ قادریت سے بے پناہ عشق تھا۔ ان کی یہ منقبت اہل عشق وعرفان کی محفلوں میں بڑے والہانہ انداز میں پڑھی اور سنی جاتی ہے:

تو ہے وہ غوث کہ ہر غوث ہے شیدا تیرا
تو ہے وہ غیث کہ ہر غیث ہے پیاسا تیرا
سورج اگلوں کے چمکتے تھے چمک کر ڈوبے
افقِ نور پہ ہے مہر ہمیشہ تیرا

سارے اقطابِ جہاں کرتے ہیں کعبہ کا طواف
کعبہ کرتا ہے طوافِ درِ والا تیرا
تو ہے نوشاہ، براتی ہے یہ سارا گلزار
لائی ہے فصلِ سمن گوندھ کے سہرا تیرا
گیت کلیوں کی چٹک، غزلیں ہزاروں کی چہک
باغ کے سازوں میں بجتا ہے ترانہ تیرا
صفِ ہر شجرہ میں ہوتی ہے سلامی تیری
شاخیں جھک کے بجا لاتی ہیں مجرا تیرا
کس گلستاں کو نہیں فصلِ بہاری سے نیاز
کون سے سلسلے میں فیض نہ آیا تیرا
نہیں کس چاند کی منزل میں ترا جلوۂ ناز
نہیں کس آئینہ کے گھر میں اجالا تیرا
راج کس شہر میں کرتے نہیں تیرے خدّام
باج کس شہر سے لیتا نہیں دریا تیرا
مزرعِ چشت و بخارا و عراق و اجمیر
کون سے کِشت پر برسا نہیں جھالا تیرا
جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے
سب ادب رکھتے ہیں دل میں مرے آقا تیرا

سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کی گہری عقیدت اور والہانہ تعلق خاطر کا اعتراف غیر جانب دار لوگوں کو بھی ہے۔ مشہور آزاد خیال ادیب وتنقید نگار نیاز فتح پوری نے آپ کے نعتیہ کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

”مولانا حسرت موہانی اور مولانا بریلوی میں ایک شے قدرِ مشترک تھی، اور وہ ہے غوث الاعظم کی ذات والا صفات، جن سے دونوں کی گہری وابستگی تھی۔ مولانا حسرت موہانی کی زبان سے اکثر میں نے مولانا بریلوی کا یہ شعر سنا ہے:

تیری سرکار میں لاتا ہے رضا اس کو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا [1]

(۱) ترجمانِ اہل سنت، کراچی، نومبر، ۱۹۷۵ء، ص:۲۸۔

تصنیف وتالیف:

امام احمد رضا قدس سرہ نے علمی ماحول میں پرورش پائی جہاں درس وتدریس، وعظ وتقریر، ہدایت وارشاد اور سب سے بڑھ کر تصنیف و تالیف کا دور دورہ تھا، والد گرامی علامہ نقی علی خاں بریلوی ایک بلند پایہ مصنف اور قلم کار تھے، اور آپ کا میلان بھی دوسرے علمی میدانوں سے زیادہ تصنیف و تالیف کی طرف تھا۔ گھر کے علمی ماحول نے اس میں سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ اس کے علاوہ یہ تاریخی حقیقت بھی آپ کے پیش نظر تھی کہ تصنیف و تالیف کے مقابلے میں وعظ وتقریر اور درس وتدریس کے اثرات وقتی، عارضی اور ناپایدار ہوتے ہیں جب کہ تصنیف و تالیف کے اثرات مستحکم، پایدار اور رہتی دنیا تک باقی رہنے والے ہوتے ہیں۔

دنیا میں بے شمار رجال فکر وفن پیدا ہوئے، جو مختلف علوم وفنون میں ید طولی رکھتے تھے، وہ علم کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اور فکر وفن کا کوہِ ہمالہ تھے، انھوں نے اپنی تدریس وتقریر کے ذریعہ ایک عالم کو مستفیض فرمایا، اور علم و آگہی کا اجالا پھیلا کر جہالت وگمرہی کی تاریکی دور کی۔ مگر آج دنیا ان کے نام سے بھی واقف نہیں، نہ یہ معلوم کہ وہ کہاں کے رہنے والے تھے؟ کن کن علوم وفنون میں انھیں کمال حاصل تھا؟ انھوں نے کس کس طریقے سے دین وعلم کی خدمات انجام دیں؟ ان خدمات کی تفصیلات کیا ہیں؟ اور اگر کچھ علم بھی ہوا تو دوسرے اہل علم کی تحریر وتصنیف کے ذریعے۔

لیکن ہر باشعور انسان سمجھتا ہے کہ سنے ہوئے اور دیکھے ہوئے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ لیس الخبر کالمعاینة، شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔

اس کے برخلاف امام غزالی، امام رازی، امام ابن حجر عسقلانی، امام بدرالدین عینی، حافظ جلال الدین سیوطی، امام محمد بن حسن شیبانی، اصحاب صحاح ستہ اور بے شمار اصحاب تصانیف عُلما وفضلا نے اپنے پیچھے علمی نقوش وآثار چھوڑے، دنیا آج تک ان کی کتابوں سے براہ راست فیض اٹھا رہی ہے۔ اور قیامت تک وہ کتابیں علم وفن کا چشمۂ شیریں بن کر تشنگان علوم کی پیاس بجھاتی رہیں گی۔

یہی سب بنیادیں تھیں جن کی بنا پر امام اہل سنت سیدی اعلی حضرت قدس سرہ نے تدریس وتقریر سے زیادہ تصنیف و تالیف کی طرف توجہ فرمائی اور ہوش سنبھالتے ہی اس کام کا آغاز فرمادیا۔ آٹھ برس کی عمر میں ہدایۃ النحو کی عربی زبان میں شرح لکھی۔ تیرہ برس کی عمر میں حمد وہدایت کی تعریف میں عربی زبان میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا جس کا نام "ضوء النهاية في أعلام الحمد والهداية" رکھا۔[1]

---

(۱) حیات اعلی حضرت، ج:۲، ص:۷، مطبوعہ رضا اکیڈمی۔

اور پھر زندگی بھر تصنیف و تالیف کا یہ سلسلہ برابر چلتا رہا، آپ نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا، اس کے تمام ضروری گوشوں پر گفتگو فرمائی اور اس میں کوئی نہ کوئی علمی نکتہ ضرور یادگار چھوڑا، تحقیق اور جامعیت آپ کی ساری تصانیف کا طرۂ امتیاز ہے۔

ملک العلماء علامہ ظفر الدین رضوی بہاری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''المجمل المعدّد لتالیفات المجدد'' میں تین سو پچاس کتابوں کے نام شمار کرائے ہیں اور یہ بھی صراحت کی ہے کہ وہ کس زبان اور کس موضوع پر ہیں۔ یہ وہ تصانیف رضویہ ہیں جو ۱۳۲۷ھ کے ابتدائی مہینوں تک معرض تحریر میں آچکی تھیں۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان تیرہ سال باحیات رہے، اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ برابری جاری رہا۔ اس تیرہ سال کی مدت میں امام احمد رضا قدس سرہ نے کتنی کتابیں تحریر فرمائیں، اس کی باضابطہ کوئی فہرست مرتب نہ ہوسکی۔ جب کہ اس زمانہ میں ان کا اشہب قلم پہلے کی بہ نسب زیادہ برق رفتار اور فکر زیادہ پختہ اور مضامین کی آمد کا اوسط کچھ زیادہ ہی رہا ہوگا۔ اس لیے اس مدت کی تصانیف کچھ زیادہ ہی ہوں گی۔

پھر حضرت ملک العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان نے ۱۳۲۷ھ کے اوائل تک تصانیف کی جو تعداد اپنے رسالہ ''المجمل المعدد'' میں لکھی ہے وہ بھی حتمی اور یقینی نہیں، بلکہ ان کی اس وقت کی تلاش وجستجو کے پیش نظر تھی۔ اگر اس سے زیادہ تلاش وجستجو ہوتی تو بہت سی اور تصانیف بھی ملتیں۔ خود حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ نے ''المجمل المعدد'' میں اس کا اعتراف کچھ اس طرح کیا ہے:

''یہ مجموعہ مع ذیل بعض تالیفات اصحاب واحباب محرم ۱۳۲۷ھ تک ساڑھے تین سو تصنیفیں ہیں، میں نہیں کہتا کہ سب اسی قدر ہیں، بلکہ یہ صرف وہ ہیں جو اس وقت کے استقرا میں میرے پیش نظر ہیں، فضلِ خدا سے امید واثق کہ اگر تفحصِ تام اور تمام قدیم وجدید بستوں پر نظر کی جائے تو کم وبیش پچاس رسالے اور نکلیں، کہ پہلی بار اوائل صفر میں فقیر اپنے زعم میں تمام تصنیفات کی فہرست مکمل کر چکا تھا، پھر دوبارہ قدیم بستے اور فتاوی کی جلدیں دیکھنے سے چھیانوے رسالے اور نکلے جن میں بعض مطبوعات سے تھے کہ باوصفِ طبع مجھے یاد نہ آئے اور باقی سب مبیضہ پائے۔ وللہ الحمد''(۱)

یہی حضرت ملک العلماء حیات اعلیٰ حضرت حصہ اول میں (جو کہ ۱۳۶۹ھ/۱۹۳۸ء میں تالیف ہوئی) لکھتے ہیں:

(۱) حیات اعلیٰ حضرت، ج:۲، ص:۷، ۸، مطبوعہ رضا اکیڈمی۔

''درحقیقت اعلیٰ حضرت کی تصانیف چھ سو سے زیادہ ہیں جس کا مفصل بیان حیات اعلیٰ حضرت حصہ دوم میں آتا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ'' (۱)

لیکن حیات اعلیٰ حضرت حصہ دوم میں انھی ساڑھے تین سو تصنیفات کا بیان سنہ تصنیف کے اعتبار سے درج ہے۔ جب کہ خود اسی میں آپ کا یہ بیان بھی ہے:

'' اس (المجمل المعدد کی تالیف) کے بعد جب ذی قعدہ ۱۳۶۲ھ میں چار مہینے کی فرصت لے کر اعلیٰ حضرت کی تصنیفات کی اشاعت کے سلسلے میں بریلی شریف میں قیام کا موقع ملا تو ۱۳۲۷ھ کے بعد سے وصال تک جس قدر تصنیفات فرمائی تھیں ان کو بطور ضمیمہ اس رسالے کے، اضافہ کیا۔ اب جملہ تصنیفات چھ سو سے فاضل ہیں (۲)

اس کے باوجود اس میں جو تصانیف درج ہیں وہ وہی ساڑھے تین سو ہیں جو ''المجمل المعدد'' میں چھپ چکی ہیں، بقیہ تصنیفات کی کوئی فہرست حیات اعلیٰ حضرت جلد دوم کیا کسی جلد میں موجود نہیں ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ نے علاحدہ سے کوئی فہرست بنائی ہوگی جو حیات اعلیٰ حضرت میں شامل کرنی تھی لیکن اس کا مسودہ غائب ہو گیا ہو، یا کسی امانت دار کے ہاتھ لگ گیا ہو اور ''تہ خانے'' میں محفوظ ہو۔ واللہ أعلم بحقیقۃ الحال۔

ویسے اکتوبر و دسمبر ۱۹۶۲ء کے ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلی شریف میں تصانیف رضویہ کی ایک فہرست شائع ہوئی ہے جس میں ''المجمل المعدد'' سے کہیں زیادہ کتب و حواشی کے نام درج ہیں، شاید یہی وہ فہرست ہو جو حضرت ملک العلماء نے بعد میں بنائی تھی لیکن اس میں مرتب کی حیثیت سے حضرت ملک العلماء کا کہیں ذکر نہیں۔

حضرت مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی، رکن المجمع الاسلامی، مبارک پور نے بڑی محنت اور کاوش سے ایک فہرست تصنیفات مرتب فرمائی ہے جس میں چھ سو چوراسی کتب و رسائل و حواشی کے نام درج ہیں۔ یہ فہرست المجمع الاسلامی، مبارک پور کے زیر اہتمام رضا اکیڈمی، ممبئی سے صفر ۱۴۲۵ھ / اپریل ۲۰۰۴ء کو '' تصانیف امام احمد رضا'' کے نام سے چھپ چکی ہے۔

اور حضرت شیر بیشہ سنت مولانا حشمت علی خاں لکھنوی علیہ الرحمۃ نے ''ترجمان اہل سنت'' (شمارہ پنجم، ص: ۸۷) میں تحریر فرمایا کہ اعلیٰ حضرت کی تصنیفات مبارکہ ایک ہزار سے بھی زائد ہیں۔ (سوانح اعلیٰ

---

(۱) حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول (قدیم)، ص: ۱۳۰، مطبوعہ: قادری بک ڈپو، بریلی۔
(۲) حیات اعلیٰ حضرت، ج: ۲، ص: ۸، (مرتبہ مفتی مطیع الرحمن) مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی۔

حضرت، از مولانا بدرالدین احمد رضوی، ص: ۳۹۵، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲ء)

تصانیف کی اس کثرتِ تعداد کو دیکھتے ہوئے میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی ذات گرامی اسلامی تاریخ کی ان چند عبقری، باکمال اور نامور ہستیوں میں نمایاں ہے جنھوں نے اپنے پیچھے امت مسلمہ کی ہدایت ورہنمائی کے لیے تصنیفات کا ایک لمبا سلسلہ چھوڑا۔ اس باب میں امام محمد بن حسن شیبانی، امام ابن حجر عسقلانی، امام جلال الدین سیوطی کے بعد مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کا نام سپہر علم وفضل پر بدر کامل کی طرح چمکتا دمکتا نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت امام کی تربت انور پر ہمیشہ اپنی رحمت وغفران کے ساون بھادوں برسائے اور انھیں اپنی بارگاہ کریم سے اس کی وہ جزا عطا فرمائے جو اس کی شانِ جود وعطا کے لائق ہے۔ آمین

امام احمد رضا کی تصنیفات تین زبانوں میں ہیں: (۱) عربی (۲) اردو (۳) فارسی۔

"تصانیف امام احمد رضا" مرتبہ مولانا عبد المبین نعمانی قادری مصباحی کے مطابق عربی میں دو سو چھپن (۲۵۶)، فارسی میں چھپن (۵۶) اور اردو میں تین سو بہتر (۳۷۲) تصنیفات ہیں۔

حضرت ملک العلما علیہ الرحمۃ کے بیان کے مطابق یہ کتابیں پچاس فنون وموضوعات پر ہیں جن کی تفصیل "حیات اعلیٰ حضرت" جلد دوم ص: ۵۰ پر دیکھی جا سکتی ہے۔ جب کہ حضرت نعمانی صاحب دام ظلہ نے تصانیف امام احمد رضا میں اکیاون فنون میں کتابیں شمار کرائی ہیں۔ سب سے زیادہ کتابیں فقہ میں ہیں جن کی تعداد دو سو ترپن ہے۔ ان میں فتاوی رضویہ جیسا عظیم مجموعہ بھی ہے جو بارہ جلدوں میں پھیلا ہوا ہے۔ حدیث واصول حدیث واسماء الرجال میں ستاون کتابیں ہیں، جب کہ تفسیر واصول تفسیر میں کتابوں کی تعداد سولہ اور عقائد وکلام میں ایک سو چوبیس تصنیفات ہیں۔

آپ کی تصانیف میں " فتاوی رضویہ، الدولة المكية، النور والنورق لإسفار الماء المطلق، حاجز البحرين، كفل الفقيه الفاهم، كنز الايمان في ترجمة القرآن، الفضل الموهبي فى معنى إذا صح الحديث فهو مذهبي، منير العين فى حكم تقبيل الإبهامين، جد الممتار على ردالمحتار، الكشف شافيا حكم فونوجرافيا، شمائم العنبر في أدب النداء أمام المنبر، أجلى الإعلام أن الفتوى مطلقا على قول الإمام، المعتمد المستند بناء نجاة الأبد، حدائق بخشش، فوز مبین در ردّ حرکت زمین، تمہید ایمان نسبتاً زیادہ اہم اور گراں قدر ہیں۔

میں اخیر میں امام احمد رضا قدس سرہ کی تصانیف کی اہمیت وافادیت کے تعلق سے پاکستان کے مشہور

دانش ور اور بلند پایہ مفکر مولانا کوثر نیازی کا ایک بیان نذر قارئین کرتا ہوں جس سے تصنیفات رضویہ کے علمی تحقیقی اور افادی پہلو کو سمجھنے میں کافی مدد ملے گی۔ وہ لکھتے ہیں:

"قرطاس وقلم سے میرا تعلق دو چار سال ہی کی بات نہیں، نصف صدی کی بات ہے۔ اس دوران وقت کے بڑے بڑے اہل علم وقلم، مشایخ وعلما کی صحبت میں بیٹھ کر استفادہ کرنے کا موقع ملا اور ان کے درس میں شریک رہا۔ اور اپنی بساط کے مطابق فیض حاصل کرتا رہا۔ زندگی میں، میں نے اتنی روٹیاں نہیں کھائی ہیں جتنی کثیر تعداد میں کتابیں پڑھی ہیں۔ میری اپنی ذاتی لائبریری میں دس ہزار سے زیادہ کتابیں ہیں وہ سب مطالعہ سے گزری ہیں۔ ان سب کے مطالعہ کے دوران امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی کتب نظر سے نہیں گزری تھیں۔ اور مجھے محسوس ہوتا تھا کہ علم کا خزانہ پالیا ہے اور علم کا سمندر پار کر لیا ہے۔ علم کی ہر جہت تک رسائی حاصل کر لی ہے۔ مگر جب امام اہل سنت کی کتابیں مطالعہ کیں اور ان کے دروازے پر دستک دی اور فیض یاب ہوا تو اپنے جہل کا احساس اور اعتراف ہوا۔ یوں لگا کہ ابھی تو میں علم کے سمندر کے کنارے کھڑا صرف سیپیاں چن رہا تھا۔ علم کا سمندر تو امام کی ذات ہے۔ امام کی تصانیف کا جتنا مطالعہ کرتا ہوں عقل اتنی ہی حیران ہوتی چلی جاتی ہے اور یہ کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ امام احمد رضا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہیں جسے اللہ نے اتنا وسیع علم دے کر دنیا میں بھیجا ہے کہ علم کی کوئی جہت ایسی نہیں کہ جس پر امام کو مکمل دسترس حاصل نہ ہو۔ اور اس پر کوئی تصنیف نہ لکھی ہو۔ یقینا آپ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے علوم کے صحیح جانشین تھے جس سے ایک عالم فیض یاب ہوا۔

فقہ حنفی میں ہندوستان میں دو کتابیں مستند ترین ہیں۔ ان میں سے ایک "فتاوی عالمگیری" ہے جو دراصل چالیس علما کی مشترکہ خدمت ہے۔ دوسرا "فتاوی رضویہ" ہے جس کی انفرادیت یہ ہے کہ جو کام چالیس علما[1] نے مل کر انجام دیا وہ اس مرد مجاہد نے تنہا کر کے دکھا دیا۔ اور یہ مجموع فتاوی رضویہ "فتاوی عالمگیریہ" سے زیادہ جامع ہے اور میں نے جو آپ کو "امام ابو حنیفہ ثانی" کہا ہے صرف محبت یا عقیدت میں نہیں کہا بلکہ فتاوی رضویہ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات کہہ رہا ہوں کہ آپ اس دور کے ابو حنیفہ ہیں۔ آپ کے فتاوی میں مختلف علوم وفنون پر جو بحثیں کی گئی ہیں ان کو پڑھ کر بڑے بڑے علما کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ کاش کہ اعلی حضرت کی حیات اس دور کو میسر آجاتی تاکہ آج کل کے پیچیدہ مسائل حل ہو سکتے۔ کیونکہ آپ کی تحقیق حتمی ہوتی، مزید کی گنجائش نہ ہوتی۔[2]

---

(۱) صحیح یہ ہے کہ فتاوی عالم گیری کے مرتبین کی تعداد پانچ سو ہے۔ نفیس احمد مصباحی

(۲) امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت، ص: ۳۰،۳۱، مطبوعہ رضا اسلامک مشن، مدن پورہ، بنارس، یوپی۔

وفات:

امام احمد رضا قدس سرہ العزیز پوری زندگی قرآن وسنت کا پیغام عام کرتے رہے، خلق خدا کی ہدایت و رہ نمائی کا سامان کرتے رہے، بدعات وخرافات اور کفر وضلالت کے علم برداروں کو اپنے تیشۂ قلم سے زخمی اور بے جان کرتے رہے، بالآخر ۲۵/ صفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۸/ اکتوبر ۱۹۲۱ء دو پہر ۲/ بج کر ۳۸/ منٹ پر جمعہ کے دن آپ اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون .

آپ کا سنہ وصال آیت کریمہ "وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ" سے بر آمد ہوتا ہے۔اس آیت کریمہ کے اعداد بقاعدۂ ابجد ۱۳۴۰ نکلتے ہیں، اور اگر شروع سے "و" حذف کرکے یہ آیت پڑھی جائے تو اس سے ۱۳۳۴ کے اعداد نکلتے ہیں۔ ۱۳۳۴ھ میں محدث سورتی حضرت علامہ وصی احمد علیہ الرحمۃ والرضوان کا وصال ہوا تھا۔

ملک العلماء حضرت علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ استاذی الکریم حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد تعزیت کے لیے میں پیلی بھیت حاضر ہوا، اس کے بعد بریلی شریف، اعلی حضرت کی قدم بوسی کے لیے بھی حاضری دی۔ ایک دن اعلی حضرت نے گفتگو کے دوران فرمایا کہ میں نے حضور محدث صاحب کی تاریخ وفات آیت کریمہ سے پائی، جس سے ان کا مرتبہ بھی معلوم ہوتا ہے اور پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: "يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ" اسی وقت میں نے آیت کریمہ کے اعداد جوڑے تو "۱۳۳۴" نکلے۔لیکن میرے دل میں ایک کھٹک تھی جس کو زبان پر لانے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ اعلی حضرت نے اپنی روشن ضمیری اور فراست ایمانی سے اسے بھانپ لیا اور فرمایا: کیا کچھ کہنا چاہتے ہیں؟ اتنا اشارہ پاکر میں نے عرض کیا: آیت کریمہ "وَ يُطَافُ..." ہے۔اس پر تبسم فرمایا اور کہا کہ پوری آیت اُس بندۂ خدا کی تاریخ ہوگی جس کا انتقال چھ سال بعد ۱۳۴۰ھ میں ہوگا۔ اس وقت میرا ذہن حضور کی طرف نہ گیا۔ لیکن جب ۱۳۴۰ھ میں آپ کا وصال ہوا تو سمجھ میں آیا کہ اس دن اعلی حضرت نے اپنی ہی طرف اشارہ فرمایا تھا مگر میں سمجھ نہ سکا تھا۔

نبیرۂ محدثِ سورتی مولانا قاری احمد صاحب کا بیان ہے کہ وصال کے بعد جب اعلی حضرت کو غسل دینے کے لیے بستر سے اٹھایا گیا تو سرہانے سے ایک کاغذ بر آمد ہوا جس پر سورہ دہر کی یہ آیت لکھی ہوئی تھی "وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ" نیچے لکھا ہوا تھا اگر اس آیت کو واو سمیت پڑھا جائے تو میرے انتقال کی تاریخ نکلتی ہے، اور اگر بغیر واو کے پڑھیں تو حضرت مولانا شاہ وصی احمد سورتی کے انتقال کی تاریخ نکلتی ہے۔ (۱)

---

(۱) حیات اعلی حضرت، ج:۳، ص: ۲۷۷، ۲۷۸۔

وصال سے دو روز قبل چہار شنبہ کو بڑی شدت سے لرزہ ہوا، جناب حکیم حسین رضا خاں کو نبض دکھائی۔ انھیں نبض نہ ملی، دریافت فرمایا: نبض کی کیا حالت ہے؟ انھوں نے گھبراہٹ اور پریشانی میں عرض کر دیا: ضعف کے سبب نہیں ملتی۔ اس پر دریافت فرمایا: آج کون سا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: چہار شنبہ ہے۔ ارشاد فرمایا: جمعہ پرسوں، یہ فرما کر دیر تک ''حسبُنا اللّٰہ ونعم الوکیل'' پڑھتے رہے۔ حضرت ملک العلما فرماتے ہیں: میں اس وقت حاضر تھا۔ کہنے والے نے میرے دل میں فوراً کہہ دیا کہ امامِ اہل سنت جمعہ کو ہم میں رہنے والے نہیں۔

پنج شنبہ کی رات اہل خانہ نے چاہا کہ جاگیں، شاید کوئی ضرورت ہو، منع فرمایا۔ جب انھوں نے زیادہ اصرار کیا تو ارشاد فرمایا: ان شاء اللہ یہ رات وہ نہیں ہے جو تمھارا خیال ہے، تم سب سو رہو، وصال کے روز ارشاد فرمایا: پہلے جمعہ میں کرسی پر جانا ہوا، آج چارپائی پر ہو گا پھر فرمایا میری وجہ سے نماز جمعہ میں تاخیر نہ کرنا۔

چودھری عبدالحمید خاں، رئیس (مصنف کنز الآخرہ) جو اعلی حضرت کے نہایت مخلص عقیدت کیش تھے۔ وصال سے کچھ پہلے ملنے کے لیے تشریف لائے۔ اور اعلی حضرت سے عرض کیا کہ حکیم عابد علی خاں کوثر، سیتاپور کے ایک پرانے طبیب ہیں، صحیح العقیدہ سنی اور فقیر دوست ہیں۔ میرے خیال میں انھیں بلا لیا جائے۔ اس پر اعلی حضرت نے ارشاد فرمایا: انسان آخر وقت تک تدبیر نہیں چھوڑتا، اور یہ نہیں سمجھتا کہ اب تدبیر کا وقت نہیں رہا۔

جمعہ کے روز صبح ہی سے سفر آخرت کی تیاریاں ہوتی رہیں۔ جائداد کے متعلق وقف نامے کی تکمیل فرمائی۔ جائداد کی چوتھائی آمدنی مصرفِ خیر میں رکھی۔ باقی اپنے ورثہ پر شرعی حصوں کے مطابق وقف علی الاولاد فرما دی۔ پھر وصال سے دو گھنٹہ ۱۵/ منٹ پہلے وصیتیں لکھوائیں جو ''وصایا شریف'' کے نام سے ایک مستقل رسالے کی شکل میں چھپ چکی ہیں۔ (۱)

اور دو پہر ۲/ بج کر ۳۸/ منٹ پر آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ (۲) نماز جنازہ میں خلائق کا زبردست ہجوم تھا۔ اس لیے عید گاہ کے وسیع میدان میں دوسرے دن ۲۶/ صفر کو نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اور ۴/ بجے مسجد رضوی کے پہلو میں آپ کو آسودۂ خاک کیا گیا۔ (۳)

☆☆☆☆☆☆

---

(۱) حیات اعلی حضرت، ج:۳، ص:۲۸۷-۲۸۹۔

(۲) حیات اعلی حضرت، ج:۳، ص:۲۸۱۔

(۳) حیات اعلی حضرت، ج:۳، ص:۲۹۵۔

امام احمد رضا کے فرزندان گرامی

نفیس احمد قادری مصباحی

استاد: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

① فرزندِ اکبر حجۃ الاسلام

علامہ مفتی محمد حامد رضا خاں قادری بریلوی علیہ الرحمہ

ولادت: حجۃ الاسلام علامہ مفتی محمد حامد رضا خاں قادری بریلوی ماہ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں شمالی ہند کے مشہور شہر بریلی میں پیدا ہوئے۔

آپ کے والد ماجد مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری، دادا جان خاتم المحققین علامہ مفتی نقی علی خاں قادری، اور پردادا عالمِ ربانی حضرت مولانا رضا علی خاں بریلوی تھے۔

والد گرامی نے آپ کا نام "محمد" رکھا، پکارنے کے لیے "حامد رضا خان" نام تجویز ہوا، عوام آپ کو "بڑے مولانا" کہتے تھے اور خواص "حجۃ الاسلام" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

آپ امام احمد رضا قدس سرہ کے بڑے بیٹے تھے، اس لیے آپ کی پرورش بڑے لاڈ اور پیار سے ہوئی۔ آپ کی عمر ابھی چھ سال کے قریب تھی کہ آپ کے دادا جان کا انتقال ہو گیا، دادی جان آپ کو بہت چاہتی تھیں، اس لیے پرورش بڑی توجہ اور اہتمام سے ہوئی۔ آپ بچپن ہی سے گھوڑ سواری کے شوقین تھے، تربیت کے مرحلے میں آپ کو فنون سپہ گری بھی سکھائے گئے، دینی تعلیم کے ساتھ جسمانی ورزش کا بھی اہتمام ہوا۔ زمین داری کی دیکھ بھال کے لیے جہاں بینی اور جہاں گیری کی صلاحیتیں بھی پیدا کی گئیں۔ اور وہ ماحول فراہم کیا گیا کہ آپ اپنے آبا واجداد کے نام ور جانشین بن سکیں۔

تعلیم و تربیت: حضرت حجۃ الاسلام نے ساری تعلیم اپنے والد ماجد امام احمد رضا قدس سرہ سے حاصل کی، آپ نے خداداد ذہانت پائی تھی، اس کے ساتھ شوق اور توجہ نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔

ساتھ ہی طالب علمی کے زمانے میں گھر کے ذمہ داروں کی طرف سے شب و روز مطالعہ اور مذاکرہ پر زور دیا جاتا تھا۔ اس لیے اسی وقت آپ نے پڑھائی کے ساتھ درسیات کی اہم کتابوں: خیالی، توضیح تلویح، ہدایہ آخرین، بیضاوی اور صحیح بخاری وغیرہ پر حواشی لکھ کر اپنے والد ذیشان کے زمانۂ تعلیم کی یاد تازہ کر دی۔

آپ نے معقولات و منقولات کی تمام درسی کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں اور اس شان سے پڑھیں کہ ان کے درسی سوالات کو امام احمد رضا قدس سرہ نے یہ وقار بخشا کہ جب فرزند دل بند کا حوالہ دیتے ہیں تو فرماتے ہیں: "قال الولد الأعز"۔

حجۃ الاسلام نے ۱۹؍ سال کی عمر میں ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء میں تمام درسیات کی تعلیم مکمل کر لی، اس کے بعد ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء تک امام احمد رضا کی خدمت میں رہ کر تربیت کے مراحل طے کیے۔ اس زمانے میں اپنے والد ماجد کے لیے فتووں میں حوالوں کی عبارتیں نکالنا، مناسب فقہی جزئیات تلاش کرنا آپ کے ذمے تھا، اس طرح پوری توجہ کے ساتھ فتویٰ نویسی کے لیے آپ کو تیار کیا گیا۔

۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں جب آپ حج و زیارت کے لیے حرمین شریفین حاضر ہوئے تو وہاں کے اکابر علما کے درس میں شریک ہوئے اور ان سے سندیں حاصل کیں۔

۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء میں آپ کے عم محترم استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں بریلوی کا انتقال ہوا تو دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف کے اہتمام کی ذمہ داریاں آپ کے سپرد ہوئیں، اور امام احمد رضا قدس سرہ کے لیے فتویٰ نویسی میں حوالوں کی عبارتیں اور مناسب فقہی جزئیات تلاش کرنے کی ذمہ داریاں آپ کے چھوٹے بھائی حضور مفتی اعظم علامہ مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی نے سنبھالی جو عمر میں آپ سے سترہ، اٹھارہ سال چھوٹے تھے۔

علمی تبحر: حضرت حجۃ الاسلام علم و فضل میں اپنے معاصرین میں ممتاز تھے، مولانا حسنین رضا قادری بریلوی نے سچ فرمایا: "اعلیٰ حضرت کے بعد اگر واقعی کوئی عالم اور ادیب تھا تو وہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں تھے"۔[1]

حجۃ الاسلام کا علم اتنا پختہ اور مطالعہ اتنا گہرا اور وسیع تھا کہ وہ بڑے سے بڑے عالم سے پُر اعتماد لہجے میں گفتگو کرتے اور مستحکم دلائل کی روشنی میں حق بات منوا لیا کرتے۔ مفتیِ شافعیہ کے شاگرد شیخ عبدالقادر طرابلسی کو کچھ مسائل میں اختلاف تھا، حجۃ الاسلام نے انھیں قیام حرمین شریفین کے زمانے (۱۳۲۴ھ/

(۱) تذکرۂ جمیل، ص:۱۲۶۔

۱۹۰۵ء) میں ایسا عالمانہ جواب دیا کہ انھیں خاموش ہونا پڑا۔[۲]

حج وزیارت: حضرت حجۃ الاسلام اکتیس سال کی عمر میں ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں اپنی والدہ ماجدہ اور عم محترم مولانا محمد رضا خاں بریلوی کے ہمراہ حج وزیارت کے لیے حرمین شریفین روانہ ہوئے، لکھنؤ تک آپ کے والد ماجد امام احمد رضا قدس سرہ انھیں چھوڑنے گئے، وہاں سے واپس آنے پر ان کا دل بے قرار رہا، چین نہ آیا، اس لیے خود بھی تیار ہو کر ممبئی پہنچ گئے، پھر حجۃ الاسلام وہاں سے اپنے والدین کریمین اور چچا جان اور دیگر حضرات کے ساتھ پانی کے جہاز سے حج وزیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ بعونہ تعالیٰ یہ مبارک سفر وسیلۂ ظفر بنا، اور اس میں حرمین طیبین کی مبارک سرزمین پر امام احمد رضا کی وہ فتوحات ہوئیں جن کے بیان کے لیے ایک دفتر چاہیے۔ اسی سفر میں امام احمد رضا نے علم غیب رسول کے موضوع پر فصیح عربی میں اپنی شہرۂ آفاق کتاب "الدولة المكية بالمادة الغيبية" تصنیف فرمائی جس سے "۱۳۲۳" کے اعداد بر آمد ہوتے ہیں اور اسی سفر میں انھوں نے ہندوستانی کرنسی نوٹ کے موضوع پر عربی میں بے مثال کتاب "كفل الفقيه الفاهم في أحكام قرطاس الدراهم" تحریر فرمائی جس سے ۱۳۲۴ کے اعداد نکلتے ہیں۔۔خیال رہے کہ یہ سفر حج ۱۳۲۳ھ کے آخری مہینوں میں شروع ہوا تھا اور ماہ ربیع الآخر ۱۳۲۴ھ میں وہاں سے واپسی ہوئی۔[۳] حضرت حجۃ الاسلام نے "الدولة المكية" کا فصیح اردو میں شاندار ترجمہ کیا۔

بیعت وخلافت: حجۃ الاسلام، حضرت نور العارفین سید شاہ ابو الحسین احمد نوری مارہروی علیہ الرحمۃ (متوفی: ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) سے بیعت تھے۔ انھیں کے ارشاد کے مطابق امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ نے درج ذیل تیرہ سلاسل طریقت کی آپ کو خلافت واجازت عطا فرمائی تھی:

(۱) قادریہ برکاتیہ جدیدہ (۲) قادریہ آبائیہ قدیمہ (۳) قادریہ اہدائیہ (۴) قادریہ رزاقیہ (۵) قادریہ منوریہ (۶) چشتیہ نظامیہ قدیمہ (۷) چشتیہ محبوبیہ جدیدہ (۸) سہروردیہ قدیمہ (۹) سہروردیہ جدیدہ (۱۰) نقشبندیہ علائیہ صدیقیہ (۱۱) نقشبندیہ علائیہ علویہ (۱۲) بدیعیہ (۱۳) علویہ منامیہ۔

ان کے علاوہ تمام علوم نقلیہ وعقلیہ اور اوراد واشغال کی بھی اجازت دی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے خلفا کی فہرست میں حجۃ الاسلام کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

---

(۲) دیکھیے: ملفوظات اعلیٰ حضرت، ج:۲، ص:۲۲۔

(۳) اس سفر کے تفصیلی واقعات بزبان امام احمد رضا پڑھنے کے لیے دیکھیے: الملفوظ، حصہ دوم، بعنوان: "اعلیٰ حضرت کا دوسرا سفر حج"، ص:۱۸۲-ص:۲۲۵، ناشر: مجلس المدینۃ العلمیہ، دعوت اسلامی۔

''صاحب زادہ جناب مولانا الحاج مولوی محمد حامد رضا خاں صاحب، محلہ سوداگران، بریلی، عالم، فاضل، مفتی، کامل، مناظر، مصنف، حامی سنت، ومُجازِ طریقت۔''

حجۃ الاسلام نے بیعت کا آغاز اپنے والد ماجد کے وصال سے چند روز قبل فرمایا، اس موقع پر بیعت کے لیے آنے والوں سے امام احمد رضا قدس سرہ نے فرمایا:

''ان کی بیعت میری بیعت ہے، ان کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے، جو ان کا مرید ہوا، میرا مرید ہوا، ان سے بیعت کرو۔''(۴)

حجۃ الاسلام کے بے شمار مرید ہیں، جو برّ صغیر ہندو پاک کے علاوہ مختلف ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔

امام احمد رضا اپنے اس فرزند دل بند سے بہت محبت فرماتے تھے، ایک بار آپ کو دعوت دی گئی، خود نہ جا سکے تو اپنی جگہ حضرت حجۃ الاسلام کو بھیجا اور دعوت دینے والے کو تحریر فرمایا:

''حامد رضا کو بھیج رہا ہوں، یہ میرے قائم مقام ہیں، ان کو حامد رضا نہیں، احمد رضا ہی سمجھنا۔'' (۵)

اسی عینیت اور اقربیت کو بیان کرتے ہوئے ایک شعر میں یوں فرماتے ہیں:

''حَامِدٌ مِنّی وَأنَا مِنْ حَامِد''

(حامد مجھ سے ہے اور میں حامد سے ہوں۔)

اور خود حضرت حجۃ الاسلام کو اس نسبت پر ناز تھا، اس پر اللہ تعالی کا شکر ادا کرتے ہوئے ایک شعر میں یوں فرماتے ہیں:

أنا من حامد، حامد رضا منی کے جلووں سے
بحمد اللہ رضا حامد ہے اور حامد رضا تم ہو

حجۃ الاسلام کے چچا جان استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

حامد رضا، عالِم علمِ ہُدیٰ
نوگلِ گل زارِ جنابِ رضا
حُسنِ بہارش ز خزاں دور باد
چوں اب و جد ناصر و منصور باد

(۴) تذکرۂ جمیل، ص:۱۰۹۔
(۵) تذکرۂ جمیل، ص:۱۲۲۔

خلفا: کثیر علماے کرام کو آپ نے اجازت و خلافت سے نوازا، چند مشاہیر خلفا کے نام یہ ہیں:

● مفسرِ اعظم مولانا ابراہیم رضا خاں بریلوی (بڑے صاحب زادے) ● مولانا حماد رضا خاں بریلوی (چھوٹے صاحب زادے) ● مفتی ابرار حسن تلہری ● مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمن بھدرکی ● مفتی رفاقت حسین مظفر پوری ● مفتی محمد اجمل شاہ سنبھلی ● مفتی اعجاز ولی خاں بریلوی ● محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد گورداس پوری ثم لائل پوری ● مولانا ابوالحسنات محمد احمد لاہوری ● شیر بیشۂ سنت مولانا حشمت علی خاں لکھنوی ثم پیلی بھیتی ● مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی ● مولانا احسان علی مظفر پوری ● مولانا تقدس علی خاں بریلوی ● مولانا ریحان رضا خاں بریلوی (پوتے) ● مفتی ظفر علی نعمانی، کراچی۔

صاحب زادگان: حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ کے دو صاحب زادے تھے:

(۱) مفسر اعظم ہند مولانا ابراہیم رضا خاں

(۲) ممتاز العلماء مولانا حماد رضا خاں

صورت و سیرت: حجۃ الاسلام پیکر جمال و کمال تھے، اتنے خوب صورت کہ جو دیکھے، بے ساختہ کہے: فَتَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْن، وہ جمال ظاہر اور کمال باطن کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ بقول شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ: ”طلعت زیبا ایسی نورانی اور جاذب تھی کہ بڑوں بڑوں کو غلام بنالیا، صرف ان کی نورانی صورت دیکھ کر کتنے کفار مسلمان ہو گئے۔“[۶]

چہرے پر نورانیت اور دل کشی ایسی کہ انصاف پسند پکار اٹھتے تھے کہ سچوں کا چہرہ ایسا ہی ہوتا ہے۔

آپ خوب صورت ہونے کے ساتھ خوب سیرت بھی تھے، بلند اخلاق، انکسار و تواضع سے آراستہ، ہر چاہنے والے پر مہربان، سادات کرام سے والہانہ محبت، معاصر علما سے لگاؤ، اللہ کے دوستوں سے دوستی، اور اس کے دشمنوں سے دشمنی کرنے والے، تقوی و پرہیز گاری میں بے مثال، مصائب پر صبر میں بے نظیر۔ پیٹھ میں کار بنکل پھوڑا نکل آیا، آپریشن کی نوبت آئی، بے ہوشی کے لیے دوا نہ کھائی کہ شراب ہے، درود شریف پڑھتے میں بغیر سُن کیے آپریشن ہوتا رہا، آپ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ دیکھنے والے یہ صبر و تحمل دیکھ کر سراپا حیرت تھے۔

سنتوں سے محبت، بدعتوں سے نفرت، قوم کا درد، ملّت کی فکر، بڑوں کا احترام، چھوٹوں پر شفقت، اسلاف سے عقیدت، بزرگوں سے محبت آپ کے نمایاں اوصاف ہیں۔

---

(۶) صدر الشریعہ نمبر، ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ اکتوبر، نومبر ۱۹۹۵ء، ص: ۵۸، ۵۹۔

آپ میزبانی میں پیش پیش رہتے، مخدوم ہوتے ہوئے خادموں کے ساتھ خادم کی طرح معاملہ کرتے۔ مہمانوں کی خاطر تواضع کوئی ان سے سیکھے۔

عبادت وریاضت: حضرت حجۃ الاسلام عابد شب زندہ دار اور تہجد گزار بزرگ تھے، آپ اپنے والد ماجد کی طرح دنیوی معاملات سے بے تعلق رہتے تھے، جایداد اور مالی امور اپنے فرزند اکبر مولانا ابراہیم رضا خاں "جیلانی میاں" کے سپرد کر دیے تھے، جو وقت عبادت وریاضت، اوراد و وظائف سے بچتا وہ مذہب اہل سنت وجماعت کی تایید و نصرت اور نشر واشاعت میں صرف ہوتا۔

اہتمام وتدریس: آپ اپنے عم محترم مولانا حسن رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کی ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء میں رحلت کے بعد ہی سے دار العلوم منظر اسلام کے مہتمم تھے، اور آپ کی سرپرستی میں امام احمد رضا کے ہمشیر زادے حکیم علی احمد خاں بھی دار العلوم کا انتظام وانصرام دیکھا کرتے اور نائب مہتمم کی ذمہ داریاں نبھاتے۔ امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے زمانے میں دار العلوم کا سارا انتظام وانصرام آپ کے حوالے تھا۔ آپ کے دور اہتمام میں استاذ العلماء حضرت مولانا رحم الٰہی منگلوری شیخ الحدیث، شمس العلماء مولانا ظہور الحسین فاروقی رام پوری اور شمس العلماء کی وفات کے بعد ان کے صاحب زادے مولانا نور الحسین فاروقی رام پوری صدر المدرسین تھے۔ دار العلوم منظر اسلام کے نہ صرف آپ مہتمم رہے، بلکہ مولانا رحم الٰہی منگلوری کے ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۶ء میں میرٹھ چلے جانے کے بعد شیخ الحدیث اور صدر المدرسین کا منصب بھی آپ نے سنبھال لیا، حدیث وتفسیر خصوصاً تفسیر بیضاوی اس دل نشیں انداز میں پڑھاتے کہ علما دور دور سے آپ کے درس سے استفادہ کے لیے سفر کر کے آتے۔

تلامذہ: حجۃ الاسلام نے اپنے چھوٹے بھائی مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفیٰ رضا نوری اور اپنے چچیرے بھائی مولانا حسنین رضا علیہما الرحمہ کو بھی پڑھایا۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے، ان میں کچھ خاص نام یہ ہیں:

(۱) مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں بریلوی (۲) مولانا حسنین رضا خاں بریلوی (۳) مولانا تقدس علی خاں بریلوی (۴) مفتی اعجاز ولی خاں بریلوی (۵) محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد لائل پوری (۶) مفسر اعظم مولانا ابراہیم رضا خاں بریلوی (۷) امین شریعت مفتی رفاقت حسین مظفر پوری، مفتی اعظم کان پور (۸) شیخ العلماء مولانا غلام جیلانی اعظمی (۹) مفتی ابرار حسین تلہری (۱۰) مولانا عبد الغفور ہزاروی (۱۱) مولانا سید وزارت رسول بنارسی (۱۲) مولانا عبد الکریم تاجی ناگ پوری (۱۳) مولانا ریحان رضا

بریلوی معروف بہ "رحمانی میاں" (پوتے) (۱۴) مولانا غلام آسی بلیاوی۔

فتویٰ نویسی: حضرت حجۃ الاسلام نے اپنے والد گرامی امام احمد رضا قدس سرہ کی حیات میں ۱۸۹۵ء سے فتویٰ نویسی کا آغاز کر دیا تھا، پوری زندگی آپ یہ اہم اور عظیم دینی خدمت انجام دیتے رہے، لیکن آپ کے فتاویٰ کی نقل اور حفاظت کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے فتاویٰ ضائع ہوگئے، جو فتاویٰ باقی بچے وہ ابھی چند سال پہلے "فتاویٰ حامدیہ" کے نام سے بریلی شریف سے ایک جلد میں شائع ہوئے۔ اس جلد کو دیکھنے کے بعد فتویٰ نویسی میں آپ کی مہارت اور کمال کے ساتھ آپ کی دقیقہ سنجی، قوت استدلال اور علمی گہرائی و گیرائی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

"قیاس کن زگلستان من بہار مرا"

اور آپ کے فتاویٰ کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے مرزا غلام احمد قادیانی کے رد میں اپنا رسالہ "السوء والعقاب علی المسیح الکذاب" تحریر فرمایا تو اس میں آپ کے فتوے کا اس طرح ذکر کیا:

"پہلے اس ادعاے کاذب کی نسبت سہارن پور سے سوال آیا تھا جس کا مبسوط جواب ولد اعز فاضل نوجوان مولوی محمد حامد رضا خان حفظہ اللہ تعالیٰ نے لکھا اور بنام تاریخی "الصارم الربانی علی إسراف القادیانی" (۱۳۱۵ھ) یہ رسالہ حامی سنن، ماحی فتن، ندوی فگن، مکرمنا قاضی عبد الوحید حنفی فردوسی -صِینَ عن الفتن- نے اپنے رسالے "تحفۂ حنفیہ" -کہ عظیم آباد سے ماہوار شائع ہوتا ہے- میں طبع فرما دیا۔"

تصنیف و تالیف: اللہ تعالیٰ نے آپ کو تصنیف و تالیف کا بھی ملکہ عطا فرمایا تھا، آپ نے وقت کے تقاضوں کے مطابق مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) فتاویٰ حامدیہ (۲) الصارم الربانی علی إسراف القادیانی (۳) الإجازات المتینة لعلماء بکة والمدینة (ترتیب) (۴) سدُّ الفرار (۵) أجلی أنوار الرضا (۶) آثار المبتدعین لهدم الحبل المتین (۷) سلامة الله لأهل السنة، من سبیل العناد والفتنة (۸) نعتیہ دیوان (۹) حاشیۂ ملا جلال (۱۰) حاشیۂ کنز المصلی (۱۱) ان کے علاوہ مختلف کتابوں کے خطبے، تمہیدیں اور مختصر حواشی۔

تاریخ گوئی: حجۃ الاسلام کو تاریخ گوئی میں بڑا کمال حاصل تھا، انھوں نے اردو، فارسی اور عربی میں تاریخ گوئی کی ہے۔ ریلوے جنکشن بریلی کی مسجد -جسے اب "نوری مسجد" کہا جاتا ہے- جب تیار

ہوئی تو آپ نے پانچ عربی اشعار پر مشتمل برجستہ تاریخِ تعمیر کہی۔ مولانا محمد عبد الکریم سندھی کے وصال پر چھ فارسی اشعار پر مشتمل تاریخ وفات قلم بند فرمائی۔ اپنے والد گرامی امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی رحلت پر آپ نے درج ذیل تواریخ وفات ارشاد فرمائیں:

"شيخ الإسلام والمسلمين" [۱۳۴۰ھ]، "إمام هداية السنة الحاج أحمد رضا" [۱۳۴۰ھ]، "رضى الله الحق عنه" [۱۳۴۰ھ]۔

خطابت: حجۃ الاسلام مایۂ ناز ادیب، یگانۂ روزگار عالم وفاضل، بے مثال مدرس ہونے کے ساتھ بلند پایہ خطیب بھی تھے، تقریر میں انھیں بڑا ملکہ حاصل تھا۔ آپ نے برصغیر کے مختلف مقامات پر تقریروں کے ذریعے عقائد وافکار کی اصلاح فرمائی اور لوگوں کے اندر اسلامی جذبہ اور ایمانی حرارت پیدا کرنے کے لیے سعی بلیغ فرمائی۔ آپ انجمن حزب الاحناف، لاہور اور جامعہ نعمانیہ، لاہور کے جلسوں میں لاہور تشریف لے گئے۔ آپ سندھ بھی تشریف لے گئے، مولانا عبد الکریم سندھی سے آپ کے گہرے مراسم تھے، وہ امام احمد رضا کے مخلصین میں تھے۔ اسی طرح آپ دہلی وغیرہ بھی تشریف لے گئے۔

آپ کی پہلی مدلل تقریر ۲۹/ مارچ ۱۹۱۹ء/ ۱۳۳۷ھ کو جبل پور، مدھیہ پردیش میں ہوئی، امام احمد رضا بھی اس جلسے میں شریک تھے، آپ کی تقریر پر وہ حد درجہ شاداں وفرحاں ہوئے۔ ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء میں مراد آباد کی ایک کانفرنس میں جو خطبہ ارشاد فرمایا اس سے آپ کی خطابت میں مہارت کے ساتھ سیاسی سوجھ بوجھ اور ملی ہمدردی کا بھی خوب اندازہ ہوتا ہے۔ یہ خطبہ آج کسی بھی مسلم سلطنت کا لائحہ عمل بن سکتا ہے۔

سیاسی تدبر اور ملی بصیرت: اللہ تعالیٰ نے حضرت حجۃ الاسلام کو سیاسی تدبر اور ملی بصیرت سے بھی نوازا تھا جس کا اندازہ ان کے اس خطبۂ استقبالیہ سے ہوتا ہے جو انھوں نے مراد آباد کے چار روزہ اجلاس میں پیش کیا، جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:[۷]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی وفات کے تقریباً پانچ برس بعد ۱۹۲۵ء میں ان کے خلیفہ صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ کی کوششوں سے آل انڈیا سنی کانفرنس کا چار روزہ اجلاس ۱۷/ ۱۸/ ۱۹/ ۲۰ مارچ کو مراد آباد، یوپی، میں منعقد ہوا۔ اجلاس کی صدارت شیخ المشائخ حضرت

---

(۷) یہ تفصیل پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی کی کتاب "خلفاے محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے ص: ۴۱- ۴۸ سے ماخوذ ہے۔ آل انڈیا سنی کانفرس کی تفصیلی رپورٹ ماہ نامہ اشرفی (ص: ۱۳-۲۱) بابت ماہ شوال ۱۳۴۳ھ / مئی ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ کانفرنس بہت اعلیٰ پیمانے پر منعقد ہوئی تھی، اس میں برصغیر کے تقریباً تین سو علماے کرام شریک ہوئے تھے۔

مولانا سید شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی علیہ الرحمۃ نے فرمائی۔ کانفرنس کے مستقل صدر کے فرائض حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری علیہ الرحمۃ نے انجام دیے۔ اور مجلس استقبالیہ کے صدر حضرت امام احمد رضا کے بڑے شہزادے اور خلیفہ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان علیہ الرحمۃ مقرر ہوئے۔ جس سیاسی و مذہبی اور معاشرتی پس منظر میں اور جن مقاصد کے تحت یہ اجلاس منعقد کیا گیا، مندرجہ بالا حضرات کے صدارتی خطبوں کے مطالعہ سے ان کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ ان میں خصوصیت کے ساتھ حضرت مولانا حامد رضا خان علیہ الرحمۃ کا خطبہ نہایت اہم ہے۔[۸]

اس کانفرنس کے تاریخی پس منظر اور اس کے مقاصد پر روشنی ڈالنے کے بعد ہم اس خطبے کے مندرجات سے چند نکات اور اقتباسات پیش کرتے ہیں جو آج بھی اتنے ہی اہم ہیں جتنے آج سے ۵۲ر سال پہلے تھے۔

حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ نے اس خطبے میں ملت اسلامیہ کے مذہبی، سیاسی، تمدنی اور معاشرتی پہلوؤں پر بصیرت افروز خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ خطبہ اتنا طویل ہے کہ دو نشستوں میں مکمل ہوا۔ اس خطبے میں آپ نے مندرجہ ذیل مقاصد کو سامنے رکھا ہے اور پھر ہر مقصد کے تحت اظہار خیال فرمایا ہے:

(۱) دعوت و تبلیغ (۲) مذہبی تعلیم (۳) حفظ امن (۴) اصلاح معاشرت

یہ مختصر کتاب تفصیل کی متحمل نہیں، پھر بھی ہم مندرجہ بالا مقاصد میں مؤخر الذکر دو مقاصد کے بارے میں عرض کریں گے، کیوں کہ ان کا تعلق ایک عالم دین سے زیادہ ماہر سیاست و معاشیات سے ہے، شاید ان لوگوں کے لیے یہ اچنبھے کا باعث ہو جو علما کو نظامِ جہاں بانی سے نا آشنا اور کاروبار جہاں کے لائق نہیں سمجھتے، لیکن ان کو نہیں معلوم:

کاروبارِ جہاں سنورتے ہیں
ہوش جب بے خودی سے ملتا ہے

پہلے اول الذکر دو مقاصد کے بارے میں مختصراً عرض کرتے ہیں پھر آخر الذکر دو مقاصد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں:

---

(۸) یہ خطبہ "خطبۂ صدارت جمعیت عالیہ" کے نام سے ۱۹۲۵ء میں بریلی سے شائع ہوا، اس کے ایک ناقص الآخر نسخے کی نقل محترم مولانا محمد جلال الدین قادری مدظلہ نے پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کو فراہم کی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: خلفاے محدث بریلوی علیہ الرحمہ" از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقش بندی مجددی مظہری، حاشیہ: ۳، ص: ۴۲۔

(۱) **تبلیغ دین** کے سلسلے میں حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ نے انجمن اہل سنت و جماعت مرادآباد کی طرف سے ''مدرسۃ التبلیغ'' کی تجویز پیش کی، اس کے قواعد وضوابط، طریقۂ کار پر روشنی ڈالی اور نصاب کے بارے میں اظہار خیال فرمایا ہے۔

(۲) **مذہبی تعلیم** کے لیے انھوں نے بہت سی تجاویز پیش کیں، مثلاً:

- قصبات میں محلہ وار مدارس کا قیام
- انگریزی مدارس کے طلبہ کے لیے مدرسۃ اللیل کا قیام
- ہر ضلع میں ایک بڑے مدرسے کی تجویز
- صوبہ میں ایک مدرسہ عالیہ کا قیام جو چھوٹے مدارس کا نگراں ہو اور جملہ مدارس، جمعیت عالیہ کے ماتحت ہوں۔
- ہر کامل النصاب مدرسے میں دارالافتا اور شعبۂ تصنیف و تالیف کا قیام وغیرہ وغیرہ۔

(۳) حفظِ امن: چوں کہ اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے؛ اس لیے حفظِ امن کے سلسلے میں انھوں نے مسلمانوں کو یہ ہدایات دیں:

الف: جس طرح بھی ہو امن کی زندگی بسر کرنا چاہیے، جھگڑے اور نزاع کا جس راہ میں خطرہ اور اندیشہ ہو، اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

ب: اِس وقت جنگ وجدال میں مصروف ہو جانا ہماری قومی و مذہبی زندگی کے لیے نہایت خطرناک ہے۔

مگر یہ صلح جوئی دین و مذہب کی قیمت پر ہرگز نہ تھی، چناں چہ اس صلح کوشی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ یہ ہدایت بھی فرماتے ہیں:

''تم ہرگز کبھی ایسی جماعت پر اعتبار و اعتماد نہ کرو جو تم کو اسلام کی کوئی خصوصیت، کوئی امتیاز، کوئی ادنی رسم یا تمھارا کوئی جائز شرعی، عرفی قانونی حق چھوڑنے کے لیے اشارہ بھی کرے کہ الحذر! الحذر!

ج: ہم سوراج کو مسلمانوں کے حق میں ایک تباہ کن مصیبت سمجھتے ہیں۔

اقتصادی اور معاشی لحاظ سے ہندوستان کے مسلمان بہت کمزور تھے اور یہ بات عام مسلمان سیاست دانوں نے کم محسوس کی کہ سیاسی استحکام کے لیے معاشی استحکام بہت ضروری ہے بلکہ دور جدید

میں معاشی استحکام کے بغیر سیاسی استحکام ممکن نظر نہیں آتا۔

حضرت مولانا حامد رضا خان علیہ الرحمۃ نے اس حقیقت کو شدت سے محسوس کیا اور اس سلسلے میں بہت سی تجاویز اور تدابیر پیش کیں۔ یہاں تک کہ طالب علموں کے لیے یہ ضروری قرار دیا کہ زمانہ طالب علمی میں والدین پر بوجھ نہ بنیں بلکہ سوسائٹی کا ایک مفید فرد بنیں، ان کے ارشادات ملاحظہ ہوں:

(۱) دست کاری اور پیشہ و ہنر سے تعلق پیدا کرنا چاہیے، یہ دولت وہ ہے جو نہ دشمن چھین سکتا ہے نہ کہیں رہین و مکفول ہو سکتی ہے، بے منت روزی کا ذریعہ ہے۔

(۲) برادران اسلام! تمہارے بزرگ تجارت کرتے تھے، تجارت عیب نہ سمجھی جاتی تھی، تم تجارت کرو۔

(۳) برادران ملت! نوکری اور ملازمت کا خیال چھوڑ کر تجارت پر ٹوٹ پڑو تو دیکھو تھوڑے عرصے میں تم کیا ہو جاتے ہو۔

(۴) نکمے اور بے کار لوگوں کے لیے بھی مشغلے سوچے جائیں۔

(۵) اگر وہ تعلیم پاتا ہے، تب بھی اس کے لیے ایسا ٹھیکہ یا تجارت تجویز کریں جس میں وقت کم صرف ہو مگر آمدنی پیدا ہو سکے، تاکہ بچے اس عمر سے تجارت یا حرفت اور کسب مال کے خوگر و عادی ہو جائیں۔

ہمارے اکثر طلبہ اب بھی بے کار رہتے ہیں۔ مفت خوری کی عادت بہت سے مسائل پیدا کر دیتی ہے؛ اس لیے طلب علم کے دوران ہی کسبِ معاش کی فکر لازم ہے، جو قومیں بیدار ہیں ان کے طلبہ بھی بے کار نہیں رہتے۔ کچھ نہ کچھ کما ہی لیتے ہیں۔

- کفایت شعاری، سودی قرضوں سے نجات اور بیت المال کے قیام کے لیے ہدایات فرماتے ہیں:

(۶) ہمیں، اپنے مصارف شب و روز کم کرنے کی فکر کرنا چاہیے۔

(۷) سود لینے اور سودی قرض لینے سے بچیں اور سچی توبہ کریں کہ آئندہ خواہ کچھ بھی حال ہو مگر سودی قرض نہیں لیں گے۔

(۸) اللہ تعالیٰ میسر کرے اور ایک ایسا بیت المال بن جائے تو اس سے مقروض مسلمانوں کے قرض ادا کرنے کے علاوہ نادار غریب مسلمانوں کو زراعت

یا تجارتی ضرورت کے لیے روپیہ قرض بھی دیا جاسکتا ہے تا کہ وہ ساہوکاروں کے دامِ حرص سے محفوظ رہیں۔

حضرت مولانا حامد رضا خان صاحب علیہ الرحمۃ نے اس سلسلے میں '' ذخیرۂ قرض حسن'' کے نام سے چھوٹے بیت المال کے قیام پھر ہر گاؤں میں '' انجمنِ قرض حسن'' کی تشکیل کا بھی ذکر کیا ہے اور اس مسئلے پر ایک ماہر معاشیات کی طرح اظہار خیال فرمایا ہے۔

جس زمانے میں کانفرنس منعقد ہوئی وہ داخلی اور خارجی طور پر بڑے انتشار واختلال کا زمانہ تھا۔

خارجی طور پر حالات یہ تھے کہ ترکوں کو شکست ہوئی۔ خلیفۂ اسلام ممالک مغربیہ کے تحت بے اثر ہو کر رہ گیا۔ مصطفی کمال نے اناطولیہ میں ایک خود مختار ترکی حکومت قائم کی اور دوسرا خلیفہ منتخب کرلیا، مگر ۱۹۲۴ء میں اس کو معزول کر کے ملک بدر کر دیا اور اس طرح خلافت اسلامیہ کا خاتمہ ہو گیا جس نے ساری دنیا کے مسلمانوں کو، خصوصاً پاک وہند کے مسلمانوں کو نفسیاتی طور پر بے حد متاثر کیا۔

حرمین شریفین میں ابن سعود کے گستاخانہ طرزِ عمل اور مقامات مقدسہ کے انہدام کی کاروائی سے مسلمانان ہند وپاک کے جذبات مشتعل تھے۔ لیکن اس زمانے میں بعض ایسے بھی مسلمان تھے جنھوں نے بے حرمتی کی اس کاروائی پر ابن سعود کو مبارک باد کے تار بھی بھیجے اور اور مخلص مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی کی۔

داخلی طور پر حالات یہ تھے کہ لالہ منشی رام متعصب آریہ سماجی نے آگرے میں ایک مرکز قائم کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو مذہب اسلام سے برگشتہ کیا جائے، پھر فروری ۱۹۲۵ء میں آریہ مت کے بانی سوامی دیانند کی سو سالہ تقریب کے موقع پر مسلمانوں کو دین اسلام سے منحرف کرنے کے لیے مختلف کمیٹیاں بنائی گئیں۔ اس زمانے میں اخبار '' تنظیم'' امرتسر، ''زمین دار'' لاہور اور ''ملاپ'' لاہور وغیرہ میں لالہ ہردیال ایم اے کا مضمون شائع ہوا جس سے ہندو ذہنیت کھل کر سامنے آگئی۔ اس مضمون کا یہ اقتباس قابل توجہ ہے:

''اہل ہنود کا اسلام سے ہرگز اتفاق نہیں ہو سکتا؛ اس لیے تمام مسلمانوں کو ہر جائز اور ناجائز کوشش سے ہندو بنا کر اہل ہنود کے کسی نہ کسی فرقے میں داخل کرلو اور اس طرح ''سوراجیہ'' حاصل کرلو اور بھارت ورش کو تمام غیر ہندوؤں سے پاک اور شُدھ کرلو، اور ہندو ریاست قائم کر کے رعب ودبدبہ، جاہ وحشم کی تخفیف اور زر کی لالچ سے تمام مسلمانوں کو گمراہ کر کے ہندو بنالو۔''

خود مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ ان میں بہت سے باطل فرقے پیدا ہو گئے تھے اور قومِ مسلم ایک عجیب سیاسی اور فکری انتشار کا شکار ہو گئی تھی۔ اس زمانے میں مسلمانوں کے ایک طبقے نے ہندوؤں اور ہندو لیڈروں کو شاہی مسجد کے منبر پر بٹھایا، ہندوؤں کی ارتھیوں کو کندھا دیا، اور ان کی دل جوئی کی خاطر گائے کے ذبیحے پر پابندی لگوائی اور اس طرح خود شعائر اسلام کو مٹایا۔ الغرض وہ کچھ کیا جو ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا اور اخلاقی حالت اس سے بدتر تھی، گویا ترقی کا کوئی امکان نہ تھا۔

اس داخلی اور خارجی انتشار کی حالت میں آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد کی گئی، جس کے اہم مقاصد یہ تھے:

(۱) جو عادات ورسوم اسلام کے منافی ہیں ان کو ختم کرنا۔

(۲) مروّجہ علوم کی تعلیم اور سرکاری ملازمتوں کے حصول کے لیے مسلمانوں کی ہمت افزائی کرنا۔

(۳) مسلمانوں کے دلوں میں صحیح اسلامی تصورات قائم کرنا اور حضور اکرم ﷺ کا سچا غلام بنانا۔

(۴) قرآن پاک کی مقدس تعلیم کو عام کر کے سلف صالحین کا پیرو بنانا۔

(۵) باطل فرقے جو اہل سنت و جماعت سے علاحدہ ہو کر ٹکڑوں میں بٹ گئے ہیں، تعلیم و تفہیم کے ذریعہ ان کو عقائد باطلہ سے الگ کر کے اپنا بنانا اور مسلمانوں میں اتحاد و یگانگت پیدا کرنا۔

(۶) سیاسی اور مذہبی حیثیت سے مسلمانوں کی انفرادیت اور عظمت کو قائم کرنا اور ان کو غیر مسلموں کی غلامی سے نجات دلا کر باوقار بنانا۔ نیز غیر مسلموں کے اوچھے ارادوں سے باخبر کرنا۔

ان اغراض و مقاصد کو سامنے رکھ کر حضرت حجۃ الاسلام کی سیاسی، سماجی، اقتصادی اور دینی بصیرت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ نے غلط عقائد کا رد کیا، مذہبی اور سیاسی تحریکوں میں حصہ لیا۔ تحریک رضائے مصطفیٰ، تحریک خلافت، تحریک ترکِ موالات، تحریک شدھی سنگٹھن، تحریک مسجد شہید گنج، وغیرہ بہت سی تحریکوں میں ملت اسلامیہ کی بروقت صحیح رہ نمائی فرمائی۔

رحلت: حجۃ الاسلام علامہ مفتی محمد حامد رضا خاں قادری برکاتی علیہ الرحمہ کا وصال ۱۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۳ر مئی ۱۹۴۳ء کو بریلی شریف میں عشا کی نماز کے دوران، تشہد پڑھتے ہوا۔ نماز جنازہ محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد لائل پوری نے پڑھائی۔ اور بریلی شریف ہی میں اپنے والد گرامی امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

جانشین: حجۃ الاسلام کے بعد مفسر اعظم مولانا محمد ابراہیم رضا خاں ''جیلانی میاں'' ان کے جانشین

ہوئے۔ ۱۱ر صفر ۱۳۸۵ھ /۱۲ر جون ۱۹۶۵ء کو بریلی شریف میں ان کی رحلت ہوئی۔ یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ جس مہینے میں حجۃ الاسلام کی ولادت ہوئی اسی مہینے میں ''جیلانی میاں'' پیدا ہوئے، اور جس مہینے میں امام احمد رضا کا وصال ہوا اسی مہینے میں جیلانی میاں نے بھی رحلت فرمائی۔

حضرت جیلانی میاں کے پانچ صاحب زادے ہوئے:

(۱) ریحان ملت مولانا ریحان رضا خاں ''رحمانی میاں'' (۲) تنویر رضا خاں (۳) تاج الشریعہ علامہ مفتی اختر رضا خاں ''ازہری میاں'' (۴) ڈاکٹر قمر رضا خاں (۵) مولانا منان رضا ''منانی میاں''

حضرت جیلانی میاں کی رحلت کے بعد ان کے بڑے صاحب زادے حضرت ریحان ملت علیہ الرحمہ سجادہ نشین ہوئے۔ اور تاج الشریعہ علامہ مفتی اختر رضا خاں ازہری علیہ الرحمہ قائم مقام مفتی اعظم اور وہاں کے دار الافتاء کے سب سے عظیم مفتی قرار پائے۔

حضرت ریحان ملت کے پانچ صاحب زادے ہیں:

(۱) مولانا سبحان رضا خاں ''سبحانی میاں'' (۲) عثمان رضا خاں (۳) مولانا توقیر رضا خاں (۴) مولانا توصیف رضا خاں (۵) قاری تسلیم رضا خاں۔ ریحان ملت کی وفات کے بعد ان کے بڑے شہزادے حضرت سبحانی میاں درگاہِ اعلیٰ حضرت کے سجادہ نشین ہوئے۔ اور اب ان کے صاحب زادے حضرت مولانا احسن رضا خاں صاحبِ سجادہ ہیں۔

حضرت تاج الشریعہ علامہ ازہری میاں علیہ الرحمہ کے ایک صاحب زادے حضرت مولانا عسجد رضا خاں قادری ہیں جو اپنے والد گرامی کے جانشین اور جامعۃ الرضا بریلی شریف کے مہتمم ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس عظیم علمی و دینی خانوادے کو شاد و آباد رکھے، اور اس سے دین متین کی بیش بہا خدمات لیتا رہے۔ اٰمین بجاہ النبی الکریم۔ (۹)

(۹) حضرت حجۃ الاسلام کے اس تذکرہ و سوانح کا بنیادی ماخذ ''تذکرۂ جمیل'' ہے جو علامہ محمد ابراہیم خوش تر صدیقی کا نتیجۂ قلم ہے، یہ حضرت حجۃ الاسلام کی سوانح پر پہلی مستند کتاب ہے، جو ۱۹۹۱ء میں بریلی شریف سے شائع ہوئی ہے۔

۲ فرزند اصغر مفتی اعظم ہند

علامہ مفتی محمد مصطفی رضا قادری نوری بریلوی علیہ الرحمۃ

حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفی رضا قادری نوری بریلوی قدس سرہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی بریلوی علیہ الرحمہ کے چھوٹے شہزادے ہیں، آپ کی ذات والا صفات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ اگر ایک طرف متبحر عالم، معتبر اور مستند فقیہ، ممتاز متکلّم، مختلف علوم وفنون کے ماہر اور شعر و ادب کے مزاج آشنا تھے تو دوسری طرف عبادت و ریاضت، تقویٰ و پرہیزگاری، زہد وورع اور اسرار باطنی کے بھی محرم تھے، ہر میدان میں ان کے خلوص وللّٰہیت کی جلوہ گری نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے، وہ ایک ایسی شمع تھے جس کے گرد لاکھوں پروانے اکتساب نور کی خاطر منڈلاتے رہتے۔

ولادت ونسب: آپ کا اصلی نام "محمد" ہے، غیبی نام "آل الرحمٰن" ہے، پیرو مرشد نور العارفین حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ نے آپ کا نام "ابوالبرکات محی الدین جیلانی" تجویز فرمایا، والد ماجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ نے عرفی نام "مصطفی رضا" رکھا، فن شاعری میں آپ اپنا تخلص "نوری" فرماتے ہیں۔ مگر عرفی نام اس قدر مشہور ہوا کہ خواص وعوام میں آپ کو اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ کی ولادت ۲۲/ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ / ۷/ جولائی ۱۸۹۳ء کو صوبہ اتر پردیش کے مشہور شہر بریلی میں ہوئی۔

بیعت وخلافت: حضرت مفتی اعظم ہند کی عمر ابھی چھ ماہ کی تھی کہ مرشد کامل حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی رحمۃ اللہ علیہ بریلی شریف تشریف لائے تو آپ کو اپنی آغوش مبارک میں لے کر دعاؤں سے نوازا اور منہ میں انگلی ڈال کر اپنا مرید فرما کر تمام سلاسل کی خلافت سے سرفراز فرمایا۔[۱۰]

بیعت کرتے وقت مرشد کامل نے فرمایا: "یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوق خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا، یہ بچہ ولی ہے، اس کی نگاہوں سے لاکھوں گمراہ انسان دین حق پر قائم ہوں گے، یہ فیض کا دریا بہائے گا"۔[۱۱]

---

(۱۰) ماہنامہ استقامت کان پور، مفتی اعظم نمبر، مئی ۱۹۸۳ء، ص:۱۱

(۱۱) پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ، ۱۵/ دسمبر، ۱۹۸۱ء ص: ۱۳

اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے بھی اپنے اِس شہزادے کو تمام اورادواشغال، اوفاق و اعمال اور سلاسل طریقت و شریعت کی اجازت دی اور اپنی خلافت سے سرفراز کیا۔

تعلیم و تربیت: حضرت مفتی اعظم قدس سرہ جب سخن آموزی کی منزل عبور کر چکے تو ان کے والد ماجد امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے بڑے صاحبزادے حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا قدس سرہ سے فرمایا: "میری مصروفیات سے تم باخبر ہو، تم اپنے بھائی کو پڑھاؤ"۔ وہ بڑی محنت اور لگن کے ساتھ حضرت مفتی اعظم کو پڑھانے لگے۔ آپ نے صرف تین سال کی عمر میں ناظرہ قرآن کریم ختم کرلیا۔ ناظرہ قرآن کریم کی تکمیل کے بعد امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز کے حکم سے استاذ الاساتذہ حضرت علامہ شاہ رحم الٰہی منگلوری اور مولانا بشیر احمد علی گڑھی نے آپ کو تعلیم دی۔ (۱۲)

اور اصل تعلیم و تربیت تو اپنے والد ماجد امام احمد رضا قدس سرہ سے پائی۔ پھر ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں اٹھارہ سال کی عمر میں تمام مروجہ علوم و فنون، منقولات و معقولات پر عبور حاصل کر کے دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف سے فراغت پائی۔

فتوی نویسی: حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے جس ماحول میں پرورش پائی وہ علم و فضل میں یکتائے روزگار تھا۔ عالم اسلام کی مایۂ ناز عبقری شخصیت امام احمد رضا قدس سرہ نے آپ کی تعلیم و تربیت فرمائی۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں، تاہم مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے خمیر و ضمیر اور فطرت و سرشت میں تفقہ فی الدین کا ملکہ ودیعت کیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اٹھارہ برس کی عمر میں ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء میں آپ نے قلم برداشتہ پہلا فتوی تحریر فرمایا۔

اس کا واقعہ یوں ہے کہ دار الافتاء میں امام احمد رضا قدس سرہ کے زیر نگرانی ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری اور مولانا سید عبد الرشید، فتوی نویسی کا کام کرتے تھے۔ ایک روز اتفاقا حضرت مفتی اعظم قدس سرہ وہاں تشریف لائے، دیکھا کہ مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کسی مسئلے کی تحقیق کے لیے فتاوی رضویہ (قلمی) الماری سے نکال رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ مولانا! کیا آپ فتاوی رضویہ دیکھ کر جواب لکھتے ہیں؟ اس پر حضرت ملک العلماء نے فرمایا: اچھا آپ بغیر دیکھے جواب لکھ دیں تو جانیں۔

مفتی اعظم نے قلم برداشتہ استفتا کا جواب تحریر فرمایا، یہ رضاعت کا مسئلہ تھا۔ فتوی اصلاح کے لیے امام احمد رضا قدس سرہ کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے جواب صحیح ہونے کی وجہ سے مسرت و اطمینان کا

---

(۱۲) ماہنامہ استقامت، مفتی اعظم نمبر، ص: ۱۹۸، ملخصا

اظہار فرمایا اور "صح الجواب بعون اللہ العزیز الوھاب" لکھ کر دستخط ثبت فرمادیے۔ یہی نہیں بلکہ بطور انعام "ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل رحمن محمد عرف مصطفیٰ رضا" کی مہر بھی بنوا کر دی۔

آپ نے اپنے والد ماجد امام احمد رضا قدس سرہ کی حیات میں ۱۳۲۸ھ سے ۱۳۴۰ھ تک تیرہ برس تک فتاوی لکھے اور والد ماجد کے وصال کے بعد ۱۳۹۵ھ تک مسلسل فتوی نویسی فرمائی۔ اس کے بعد ضعف و علالت کی وجہ سے فتوی نویسی کا کام نہ ہوسکا، لیکن آخری لمحات تک مفتیان دین کی علمی مشکلات زبانی حل فرماتے رہے۔ اس طرح ستّر برس کے طویل عرصے تک بلا معاوضہ فتوی نویسی فرمائی، آپ کی طرف بر صغیر ہندو پاک اور بنگلہ دیش کے علاوہ افریقہ، امریکہ، سری لنکا، ملیشیا، مشرق وسطی اور یورپ تک کے علما فتوی کے لیے رجوع فرماتے تھے۔ (۱۳)

تدریس: حضرت مفتی اعظم ہند نے مدرسہ منظر اسلام یا مظہر اسلام میں کبھی درس نہیں دیا لیکن آپ کے دولت خانے پر اگر کسی نے پڑھنے کی خواہش ظاہر کی تو اسے پڑھا دیا۔ حضرت محدث اعظم پاکستان کو بھی اسی طرح درس دیا۔ کچھ لوگوں نے جو یہ لکھا ہے کہ مفتی اعظم ہند نے منظر اسلام و مظہر اسلام دونوں میں درس دیا ہے، یہ صحیح نہیں ہے۔ شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ میں نے اس سلسلے میں خود مفتی اعظم سے دریافت کیا تو فرمایا کہ نہیں اور اس کے اسباب بھی بیان فرمائے۔ اور جب مظہر اسلام قائم فرمایا تو اس وقت حضرت کی طرف عوام کا اتنا رجوع ہو چکا تھا کہ درس و تدریس کے لیے فرصت ملنے کا سوال ہی نہ تھا۔

تلامذہ و مستفیدین: آپ کی ذات بابرکات سے مستفیض ہونے والوں کی ایک لمبی فہرست ہے جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔ خیال رہے کہ ان میں کچھ تو وہ ہیں جنھوں نے باضابطہ آپ سے درسی کتابیں پڑھیں اور کچھ وہ ہیں جنھوں نے فتوی نویسی یا کسی اور طریقے سے آپ کے خرمن علم سے خوشہ چینی کی۔

(۱) محدث اعظم پاکستان علامہ محمد سردار احمد گورداس پوری ثم لائل پوری

(۲) فقیہ عصر مفتی اعجاز ولی خان رضوی بریلوی

(۳) رئیس الاتقیاء مولانا حاجی مبین الدین امروہوی

---

(۱۳) محدث اعظم پاکستان، ج/۱، ص: ۶۹

(۴) فقیہ الہند شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی

(۵) ریحان ملت مولانا محمد ریحان رضا خاں رضوی بریلوی

(۶) تاج الشریعہ مفتی محمد اختر رضا خان ازہری

(۷) بحر العلوم مفتی افضل حسین مونگیری

(۸) فقیہ جلیل مولانا قاضی عبد الرحیم بستوی

مذکورہ بالا ہستیوں میں سے ہر ایک اپنے وقت کا آفتاب و ماہتاب تھا جو زندگی بھرپوری فیاضی کے ساتھ مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے فیضان علمی کا باڑا بانٹتا رہا اور آج تک عوام و خواص اس سے بہرہ مند ہو رہے ہیں۔

مفتی دار القضاء: حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ کی نوجوانی کا زمانہ تھا، امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز نے تقاضاے وقت کے پیش نظر بریلی شریف میں شرعی دار القضاء کا قیام فرمایا۔ چونکہ قاضی کے لیے کافی تربیت، تفقہ اور تجربے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس اعتبار سے حاضرین بارگاہ رضوی میں سب سے فائق حضرت صدر الشریعہ تھے اس لیے انھیں قاضی بنایا اور حضرت مفتی اعظم ہند اور حضرت برہان ملت مفتی برہان الحق جبل پوری علیہما الرحمہ کو ان کی اعانت کے لیے مفتی دار القضاء کے منصب پر فائز فرمایا۔

اس دار القضاء میں اگرچہ حضرت مفتی اعظم ہند، حضرت صدر الشریعہ کے ماتحت تھے مگر غور کیجیے کہ یہ دار القضاء کوئی معمولی دار القضاء نہ تھا، پورے ہندستان کا سب سے بڑا مرکزی دار القضاء تھا جسے سپریم کورٹ کہہ لیجیے اور اس دار القضاء میں مفتی کی وہی حیثیت تھی جو کسی بنچ کے جج کی ہوتی ہے۔ ایک نوعمر نوجوان کو سپریم کورٹ کی خصوصی بنچ کے ججوں میں شامل کرنا اتنا بڑا اعزاز ہے کہ کہنہ مشقوں کو بھی شاید باید نصیب ہوتا ہے۔ اس نوعمری میں سب سے بڑے دار القضاء کا رکن بنانے میں اس طرف اشارہ تھا کہ ایک دن آئے گا کہ یہ نوعمر پوری دنیا کے علما میں وہ حیثیت حاصل کرلے گا کہ اس کی حیثیت عالمی سپریم کورٹ کے اعلیٰ جج کی ہو جائے گی۔ اور دنیا نے اپنی چشم سر سے دیکھ لیا کہ حضرت مفتی اعظم ہند اپنے عہد میں پوری دنیاے سنیت کے صرف قاضی القضاۃ ہی نہ تھے بلکہ روحانی شہنشاہ تھے۔ [۱۴]

تبحر علمی: آپ علوم و فنون کے بحر زخار تھے۔ تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، معانی، بیان، بدیع، نحو و صرف وغیرہ مروّجہ علوم کے علاوہ بہت سے غیر مروّجہ علوم مثلاً: علم توقیت، تکسیر، جفر وغیرہ پر بھی آپ کو دسترس تھی۔ آپ کے تبحر علمی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کی عمر

(۱۴) مفتی اعظم اپنے فضل و کمال کے آئینے میں۔ از شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی، ص: ۷

مبارک کے نوجوانی کے ایام تھے کہ علماے رام پور سے ''مسئلہ اذان ثانی'' پر بحث چھڑ گئی۔ علماے رام پور معمولی علما نہ تھے، یہ وہ اکابر ملت تھے کہ جن کے علم وفضل کا رعب پورے ہندوستان پر چھایا ہوا تھا۔ یہ شمس العلماء مولانا عبد الحق بن علامہ فضل حق خیر آبادی جیسے بطل جلیل کے وارث تھے۔ جب بانی دیوبندیت قاسم نانوتوی رام پور آئے تو ان علما کی ہیبت سے اپنے کو ظاہر نہ کر سکے، سرائے میں ایک خفیہ کوٹھری میں قیام کیا اور اپنا نام تبدیل کر کے لکھوایا۔

علماے رام پور نے اس مسئلے پر اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ بحث شروع کر دی۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ان کے افہام وتفہیم کے لیے اپنے اس نوجوان فرزند کو حکم دیا، حضرت مفتی اعظم ہند نے ان حضرات کی علمی بحثوں کے ایسے مدلل، مسکت اور فصیح جواب دیے کہ وہ دم بخود رہ گئے، ان پر وہ گرفتیں کیں کہ وہ انگشت بدنداں رہ گئے۔ جس کا جی چاہے اس وقت کے رسائل و قاية اهل السنة ، نفي العار وغیرہ کا مطالعہ کر لے، اسے معلوم ہو جائے گا کہ امام احمد رضا قدس سرہ کے اس علمی وروحانی وارث نے دنیا کو دکھا دیا کہ ''بزرگی بعقل است، نہ بسال'' حضرت مفتی اعظم کے ان ایرادات کے جوابات آج بھی ان کے ذمے قرض ہیں۔

یہ سب آپ کے والد ومربّی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی مخلصانہ تربیت اور نگاہ کیمیا اثر کا فیضان تھا جس نے آپ کے اندر ژرف نگاہی، نکتہ سنجی، دقیقہ بینی اور حقائق کی دریافت کا ایسا ملکہ پیدا فرما دیا جسے دیکھ کر بڑے بڑے علماے کرام ومفتیان اسلام محوِ حیرت ہو جاتے تھے۔(۱۵)

تصنیف وتالیف: اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ قلمی قوتوں سے نوازا تھا جہاں آپ کی تحریروں میں آپ کے والد ماجد، مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ کے اسلوب کی جھلک اور ژرف نگاہی نظر آتی ہے، وہیں تحقیق کا کمال، تدقیق کا جمال، فقہی جزئیات پر عبور، علامہ شامی کا تفقہ، امام غزالی کی نکتہ سنجی، امام رازی کی دقّت نظر اور امام سیوطی کی وسعت مطالعہ کا جلوہ بھی دکھائی دیتا ہے۔

آپ نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود مختلف موضوعات پر تصنیفات وتالیفات کا ایک گراں قدر ذخیرہ یادگار چھوڑا۔ ان میں سے بعض کے اسما یہ ہیں:

(۱) فتاویٰ مصطفویہ (۲) وقعات السنان (۳) ادخال السنان (۴) الموت الاحمر (۵) ملفوظات اعلیٰ

(۱۵) ایضاً، ص: ۵،۶۔

حضرت (۹) الطاری الداری لہفوات عبد الباری (۲) القول العجیب فی جواز التثویب (۸) سامانِ بخشش (۹) تنویر الحجۃ بالتواء الحجۃ (۱۰) طرق الہدی والارشاد (۱۱) وقایۃ اہل السنۃ وغیرہ۔

اوصاف حمیدہ: آپ افعال وکردار میں سنت نبوی کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ آپ اخلاص ووفا کی شمع فروزاں، عزیمت واستقلال کے جبل شامخ، زہد وتقوی، ایمان وایقان، صداقت ودیانت کے پیکر جمیل تھے، عشق مصطفیٰ اور حب اولیا کے اعلی مقام پر فائز تھے، سنت کی نصرت وحمایت اور بدعت کے استیصال ومخالفت میں ہمیشہ مصروف رہتے تھے، احقاق حق اور ابطال باطل اپنے والد ماجد امام احمد رضا قدس سرہ سے ورثے میں پایا تھا، ذہانت وذکاوت، علمی تعمق اور بصیرت ایسی کہ جہاں بھی ارباب علم ودانش اور اصحاب فکر وبصیرت کی محفلوں میں پہنچتے آپ ہی ''میر مجلس'' ہوتے۔ بے کسوں اور بے نواؤں کے حامی، دنیاداروں اور ارباب اقتدار سے دور اور نفور تھے، اخلاقی وروحانی اقدار کے محافظ وامین اور گم گشتگان راہ کے لیے مینارۂ نور تھے، آپ کا ہر ہر قدم سنت مصطفیٰ کا آئینہ دار تھا۔ تقوی وپرہیزگاری کا یہ عالم کہ جس چیز کو شریعت مصطفویہ کی روشنی میں ناجائز سمجھا اس سے زندگی بھر اجتناب فرمایا۔ فوٹو آپ کے نزدیک حرام ہے، ساری عمر فوٹو نہ بنوایا۔ اس لیے بڑی خواہش کے باوجود بغداد شریف اور دیگر مقامات مقدسہ پر حاضری نہ دے سکے۔ غیرت دینی کا یہ حال کہ بانوے برس کی طویل عمر پانے کے باوجود کبھی بھی کسی سربراہ مملکت کے یہاں نہ گئے، بلکہ کتنے سربراہوں اور صاحبان اقتدار نے خود ان کی مجلس میں باریاب ہونے کی اجازت چاہی مگر اپنے فقر غیور کے باعث یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ایک درویش کو بادشاہوں، اور ارباب حکومت سے کیا سروکار؟

شعروشاعری: حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کو شاعری ورثے میں ملی تھی۔ آپ کی شاعری قرآن وحدیث اور اقوال صالحین وبزرگان دین سے مزیّن ہے، آپ نے حمد، نعت اور منقبت جیسی مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ ہر ایک صنف میں زبان وبیان کی بھرپور چاشنی ملتی ہے اور رنگ تغزل جھلملاتا ہے، لطافت، صداقت، معنی آفرینی، نکتہ سنجی اور محاسن بلاغت آپ کی شاعری کی جان ہیں۔ آپ کا تخلص ''نوری'' ہے۔ مجموعۂ کلام بنام ''سامان بخشش'' طبع ہو کر ارباب علم وادب سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے۔ تفصیل کے لیے مجموعۂ کلام کا مطالعہ مفید ہوگا۔

حلقۂ ارادت: آپ کا حلقۂ ارادت اتنا وسیع ہے کہ اس کے اعداد وشمار لکھنا نہایت مشکل ہے۔ بر صغیر ہند وپاک کے علاوہ دنیا کے بیشتر ملکوں میں آپ کے مریدین موجود ہیں، یہاں تک کہ حرمین شریفین کے کچھ افراد بھی آپ کے مریدین میں شامل ہیں، جن میں سے بعض صفِ علما سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ آپ

کے مریدین میں بڑے بڑے علما،صلحا، مشائخ، ادبا، شعرا، دانشور، ڈاکٹر، انجینیر صاحبان بھی شامل ہیں۔ آپ کے خلفا کی تعداد اتنی ہے جتنی بڑے بڑے پیروں کے مریدوں کی۔ یہ تعداد بھی سیکڑوں میں ہے، وہ بھی معمولی نہیں ایسے جلیل وعظیم جو اپنے وقت میں اہل سنت کے صف اول کے معتمد اور مستند علما تھے۔

اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم ہند: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے چھوٹے شہزادے مفتی اعظم علامہ محمد مصطفی رضا قادری نوری بریلوی کی وہ تربیت فرمائی کہ ان کے ظاہر کو بھی سنوارا اور باطن کو بھی خوب خوب نکھارا۔ دنیا نے دیکھا کہ مفتی اعظم ہند اپنے زمانے کے ایسے رئیس الاتقیاء بن کر افق کائنات پر طلوع ہوئے کہ ارباب مشاہدہ کو آپ کے تقوی و پرہیز گاری، ولایت وروحانیت کا برملا اعتراف کرنا پڑا۔

آپ نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ سے تقوی وطہارت، ولایت و معرفت کے ساتھ ہی ساتھ علوم عقلیہ ونقلیہ میں وہ فیض پایا کہ ”الولد سر لأبيه“ (بیٹا اپنے باپ کا مظہر ہوتا ہے) کے جلوے آپ کی ذات بابرکات میں صاف دکھائی دینے لگے۔

● بعض مواقع پر آپ نے اپنے والد گرامی کو کچھ مناسب علمی مشورے بھی دیے جنھیں مجدد اعظم علیہ الرحمہ نے قبول فرمایا اور اپنی تحریر میں ان کا ذکر بھی فرمایا۔ آپ " الكلمةُ المُلْهَمة“ کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”بعونہ تعالیٰ فقیر نے ردِّ فلسفۂ جدیدہ میں ایک مبسوط کتاب مسمی بنام تاریخی ”فوز مبین در ردِّ حرکت زمین“ لکھی، جس میں ایک سو پانچ دلائل سے حرکت زمین باطل کی، اور جاذبیت ونافریت وغیرہا مزعومات فلسفۂ جدیدہ پر وہ روشن رد کیے جن کے مطالعہ سے ہر ذی انصاف پر بحمدہ تعالیٰ آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے کہ فلسفۂ جدیدہ کو اصلاً عقل سے مس نہیں۔ اس کی **فصل سوم** میں ایک تذییل لکھی جس میں وہ دس دلائل ذکر کیے جو فلسفۂ قدیمہ نے رد حرکت زمین پر دیے۔ ہم نے ان کا ابطال کیا کہ یہ دلائل باطل و زائل ہیں، ان میں سے **تعلیل پنجم** یہ تھی کہ فلک میں میل مستدیر ہے تو زمین میں نہ ہوگا کہ طبیعت متضاد ہے۔ **ہفتم** یہ کہ زمین مبدءِ میل مستقیم ہے تو مبدءِ میل مستدیر محال۔ **ہشتم** یہ تھی کہ زمین کا دورہ طبعاً وارادتاً نہ ہونا ظاہر، اور قسر کو دوام نہیں۔ **نہم** یہ کہ حرکت زمین ماننے والوں کے نزدیک یہ حرکت نامتناہی ہے تو قوت جسمانی سے اس کا صدور محال۔ **دہم** یہ کہ طبیعیات میں ثابت ہے کہ حرکت وضعیہ نہ ہوگی مگر ارادیہ۔ اور زمین ذات ارادہ (ارادہ والی) نہیں۔ ان کے ردنے اصول فلسفۂ قدیمہ کے ازہاق وابطال کا دروازہ کھولا۔ ہم نے **تیس مقام** ان کے رد میں لکھے۔ جن سے بعونہ تعالیٰ تمام فلسفۂ قدیمہ کی نسبت روشن ہو گیا کہ فلسفۂ

جدیدہ کی طرح بازیچۂ اطفال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ یہ تذییل ان مقامات جلیل کے سبب بہت طویل ہوگئی اور اس کی فصل چہارم دور جا پڑی۔

ولد اعزّ ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمٰن معروف بہ مولوی مصطفیٰ رضا خان، سلمہ الملک المنان و أبقاہ، وإلی معالی کمالات الدین والدنیا رقاہ کی رائے ہوئی کہ ان مقامات کو رد فلسفۂ قدیمہ میں مستقل کتاب کیا جائے، اگرچہ دم الاخوین یک جانہ ہو، یہ کتاب رد فلسفۂ جدیدہ میں رہے، دوسری ردّ فلسفۂ قدیمہ میں، اور مقاصد فوز مبین میں اجنبی سے فصل طویل نہ ہو۔ یہ رائے فقیر کو پسند آئی۔ اور وہ کتاب کامل النصاب بعون الملک الوہاب یہ ہے مسمی بنام تاریخی "الكلمةُ المُلهَمة في الحكمَةِ المُحْكَمَةِ لِوهاء فَلْسَفَةِ المَشئمة". (۱۶)

● حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے ہوش سنبھالتے ہی اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ قدس میں رہ کر فیوض و برکات حاصل کرنے شروع کر دیے، اور شریعت و طریقت کے باریک مسائل کی گتھیاں ان کے فیض صحبت سے سلجھانی شروع کر دیں۔ وہ خود "الملفوظ" کے مقدمہ میں اس حقیقت کا یوں برملا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں:

"فقیر جب تک سِنِ شُعور کو نہ پہنچا تھا اور اچھے بُرے کی تمیز نہ تھی، بھلائی برائی کا ہوش نہیں تھا، اس وقت میں ایسے خیال ہونا کیا معنٰی؟ پھر جب سِنِ شُعور کو پہنچا تو اور زیادہ بے شُعور ہوا، "جوانی دیوانی" مشہور ہے مگر "اَلصُّحْبَةُ مُؤَثِّرَةٌ" صحبت بغیر رنگ لائے نہیں رہتی اور پھر اچھوں کی صحبت! اور وہ بھی کون؟ جنھیں سَیِّدُ الْعُلَمَاء کہیں تو حق یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا، جنھیں تاجُ الْعُرَفاء کہیں تو بَجا، جنھیں مُجَدِّدِ وقت اور اِمامُ الْاولیاء سے تعبیر کریں تو صحیح، جنہیں حَرَمَین طَیِّبَین کے عُلَماے کِرام نے مَدائح جلیلہ سے سَراہا، "اِنَّهُ السَّیِّدُ الْفَرْدُ الْاِمَامُ" کہا، اُن کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، انہیں اپنا شیخِ طریقت بنایا، اُن سے سَنَدیں لِیں، اِجازتیں لِیں، اُنھیں اپنا اُستاذ مانا۔ پھر ایسے اچھے کی صحبت کیسی بابرکت صحبت ہوگی۔ سچ تو یہ ہے کہ اِس صحبت کی برکت نے انسان کر دیا۔ اُس زمانے میں کہ آزادی کی تُند و تیز ہوا چل رہی تھی کیا عَجب تھا کہ میں غریب بھی اس بادِ صَرصَر کے تیز جھونکوں سے جہاں صَدہا "بِئْسَ الْمَصِیر" پہنچے وہیں جا رہتا، مگر اپنے مولا کے قربان جس کی نظرِ عنایت نے پکا مسلمان بنا دیا - وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ.

---

(۱۶) الکلمۃ الملہمہ، ص:۵،۶، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی ۱۹۷۴ء

اب نہ وہ خُودی ہے جو بے خُود بنائے تھی۔ نہ وہ مَدہوشی جو بیہوش کئے تھی۔ نہ وہ جوانی کی اُمنگ، نہ کسی قسم کی کوئی اور ترنگ۔ مولانا (جلال الدین رومی) معنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

ع "صحبتِ صالح ترا صالح کند"

مولانا کے اِس فرمان کی مجھے آنکھوں دیکھی تصدیق ہوئی۔ اس معنٰی میں حضرت سَعدی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا، اور کتنا اچھا فرمایا۔ میں بار بار اُن کے اَشعار پڑھتا ہوں اور حظ (یعنی لطف) اٹھاتا ہوں، جب پڑھتا ہوں ایک نیا لطف پاتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں:

قطعہ

گلے خوشبوئے دَر حمّام روزے رسید اَز دست محبوبے بدَستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری کہ اَز بُوے دلآویزِ تو مستم
بگفتا مَن گلے ناچیز بُودم ولیکن مُدّتے با گُل نشستم
جمالِ ہم نشیں دَر مَن اثر کَرد وگرنہ مَن ہماں خاکم کہ ہستم

(گلستان سعدی، ص:٦)

غرض میری جان ان پاک قدموں پر قربان! جب سے یہ قدم پکڑے آنکھیں کھلیں، اچھے برے کی تمیز ہوئی، اپنا نفع وزِیاں (یعنی فائدہ اور نقصان) سوجھا۔ مَنہیات سے تابمَقدُور اِحتراز کیا اور اَوامِر کی بجا آوری میں مشغول ہوا، اور اب اعلیٰ حضرت مدّ ظلہُ الاقدس کی بافیض صحبت میں زیادہ رہنا اختیار کیا۔ یہاں یہ دیکھا کہ شریعت وطریقت کے وہ باریک مسائل جن میں مُدّتوں غور وخوضِ کامل کے بعد بھی ہماری کیا بِساط! بڑے بڑے سر ٹیک کر رہ جائیں، فکر کرتے کرتے تھکیں اور ہرگز نہ سمجھیں اور صاف " اَنَا لَا اَدْرِيْ "کا دَم بھریں، وہ یہاں ایک فقرے میں ایسے صاف فرمادیے جائیں کہ ہر شخص سمجھ لے گویا اِشکال ہی نہ تھا اور وہ دَقائِق ونِکاتِ مذہب ومِلّت جو ایک چیستاں اور معُمّا ہوں جن کا حل دُشوار سے زیادہ دُشوار ہو، یہاں منٹوں میں حل فرمادیے جائیں۔[١٧]

● جب حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ۱۳۳۸ھ میں اپنے والد ومربی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ الرضوان کے یہ "ملفوظات" جمع فرمائے تو اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس کا

(١٧) الملفوظ، ج:١، ص:٣،٣٠، ٥،٤، مطبوعہ قادری مشن، نزد نومحلہ مسجد، بریلی۔

تاریخی نام "اَلْمَلْفُوْظ " رکھا اور ایک تاریخی قطعہ کہا جو درج ذیل ہے:

میرے ملفوظ کچھ کیے محفوظ　　مصطفٰی مصطفٰی کا ہو ملحوظ

نام تاریخی اس کا رکھتا ہوں　　زُبرُ وبیّنہ میں "الملفوظ"(۱۸)

ان اشعار میں ملفوظات کی تاریخ جمع و ترتیب بھی ہے، اظہار مسرت بھی ہے اور حضرت مفتی اعظم ہند کے لیے دعا بھی۔

● اعلی حضرت، اپنے اس فرزند ارجمند سے کتنا خوش تھے کہ کبھی انھیں "ولداعز" کہتے ہیں، کہیں ان کے لیے دعا کرتے ہیں، کہیں اپنی قلبی مسرتوں کا اظہار فرماتے ہیں، اور کہیں ان کی قرار واقعی حیثیت اجاگر فرماتے ہیں۔ "الاستمداد" میں جب آپ نے اپنے احباب و اصحاب اور تلامذہ واکابر اہل سنت کا ذکر جمیل فرمایا تو مفتی اعظم کا تذکرہ، برہان ملت علیہ الرحمہ کے ساتھ کچھ اس طرح فرمایا:

آلِ رحماں، برہان الحق　　شرق پر برق گراتے یہ ہیں

وصال پر ملال:

شب پنج شنبہ ۱۴/ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۲/ نومبر ۱۹۸۱ء ایک بج کر چالیس منٹ پر آپ کی رحلت ہوئی، بی. بی. سی لندن، آل انڈیا ریڈیو، پاکستان ریڈیو، اور اخبارات و رسائل نے اس المناک حادثے کی خبر ساری دنیا میں پھیلا دی جس سے سنّی مسلمانوں پر ایک بجلی سی گری اور سوگواروں کے قافلے بریلی شریف کی جانب چل پڑے، کاروں، بسوں، ٹرینوں اور ہوائی جہازوں سے علما و فضلا، مختلف ممالک کے سُفرا اور نمائندگانِ حکومت لاکھوں کی تعداد میں جمع ہو گئے، تین بج کر بیس منٹ پر بعد نماز جمعہ اسلامیہ کالج بریلی کے وسیع وعریض میدان میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ رحمہ اللہ تعالی رحمۃ و اسعۃ۔(۱۹)

آیت کریمہ "اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِیْمٍ ﴿۱۷﴾" سے تاریخ وصال نکلتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆

(۱۸) الملفوظ، ج:۱، ص:۱۲۴، مطبوعہ قادری مشن، نزد نو محلہ مسجد، بریلی۔

(۱۹) استقامت کان پور، مفتی اعظم ہند نمبر، ص ۳۱۶

امام احمد رضا: کردار و عمل کے آئینے میں

اختر حسین فیضی مصباحی
استاذ : الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ ایک ممتاز عالم دین، مستند صاحب تصنیف، صاحب نسبت بزرگ، قابل قدر شیخ طریقت اور بے لوث داعی حق کی حیثیت سے چودھویں صدی ہجری میں اسلامیان ہند پر چھائے رہے، اور اپنی دینی و ملی خدمات کی وجہ سے آج بھی لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے اندر اتنی صلاحیتیں جمع کر دیں تھیں کہ صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں مختلف النوع صلاحیتوں کے مالک تسلیم کیے گئے، علم و حلم، زہد و تقویٰ، عزم و عزیمت اور فکر و بصیرت آپ کے ممتاز اوصاف ہیں، ان تمام خوبیوں کے ساتھ ایک بڑی خوبی جو آپ کی ذات گرامی میں نمایاں تھی وہ آپ کا بلند کردار اور حسن اخلاق تھا، حسن اخلاق کے تعلق سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عن عبداللہ بن عمرو قال، قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان من احبکم الیّ احسنکم اخلاقاً-رواہ البخاری-

عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں: رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک تمھاری سب سے پسندیدہ چیز تمھارا حسن اخلاق ہے۔

وعنہ قال قال، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان من خیارکم احسنکم اخلاقاً -متفق علیہ-

انھی سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم میں بہتر وہ ہیں جو اخلاق کے اعتبار سے اچھے ہیں۔ (مشکاۃ المصابیح، ج:۳، الفصل الاول، ص:۸۴، باب الرفق والحیاو حسن الخلق)

عن ابی الدرداء عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ان اثقل شیء یوضع فی میزان المؤمن یوم القیامۃ خلق حسن وان اللہ یبغض الفاحش البذیء. رواہ الترمذی و قال ھذا حدیث حسن صحیح.

ابودرداء کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن مومن کے میزان میں جو

سب سے باوزن چیز رکھی جائے گی وہ حسن اخلاق ہے اور اللہ تعالیٰ فحش گو سے ناراض ہوتا ہے۔

عن عائشة قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یقول ان المؤمن لیدرك بحسن خلقه درجة قائم اللیل وصائم النھار.-راوہ ابوداؤد-

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ مومن اپنے حسن اخلاق سے رات کو نوافل پڑھنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کا درجہ پالیتا ہے۔ (مشکاۃ المصابیح، الفصل الثانی، ص:۸۷-۸۸)

عن ابی ھریرة قال، قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ألا أنبئکم بخیارکم، قالوا بلیٰ یارسول اللہ، قال خیارکم اطولکم اعماراً واحسنکم اخلاقاً-رواہ احمد-

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: کیا میں تم میں سے بہتر شخص کی نشان دہی نہ کروں، لوگ عرض گزار ہوئے کیوں نہیں یارسول اللہ! فرمایا: تم میں سے بہتر وہ ہیں جن کی عمریں لمبی اور اخلاق اچھے ہوں۔

وعنه قال، قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم اکمل المؤمنین ایماناً احسنھم خلقاً-رواہ ابوداؤد والدارمی-

انھی سے روایت ہے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کے لحاظ سے کامل تر مومن وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔ (مشکاۃ المصابیح، الفصل الثالث، ص:۹۰)

یہ احادیث کریمہ اس بات کی دعوت دیتی ہیں کہ حسن اخلاق اور عظمت کردار انسان کو بلندیوں کی راہ دکھاتا ہے اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قرب عطا کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ انسان محبوبیت کی منزل پالیتا ہے۔

جب ہم امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ کے اخلاق و کردار کا جائزہ لیتے ہیں تو اس میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق حمیدہ اور فرمودات عالیہ کا عکس صاف نظر آتا ہے۔ آپ کی زندگی کے چند گوشے پیش ہیں جن سے آپ کے بلند کردار پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔

○ **قناعت:** عن عبداللہ بن عمرو بن العاص ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال قد افلح من أسلم ورُزِق کَفافاً وقنّعهُ اللہ بما آتاہ. (مسلم.ج:۱،ص:۲۳۷، باب: فضل التعفف والصبر والقناعة)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص کامیاب ہو گیا

جس نے اسلام قبول کر لیا اور ضرورت بھر روزی دیا گیا اور اللہ نے جو کچھ اسے دیا، اس پر اسے قناعت کی توفیق سے نوازا۔

حضرت مہدی حسن میاں سجادہ نشین سرکار کلاں مارہرہ شریف نے فرمایا کہ میں نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے پاس ایک خط بھیجا، جس کا جواب تاخیر سے آیا، اس میں آپ نے تاخیر کا سبب یہ بیان کیا کہ فقیر کی عادت ہے کہ اپنی ضروریات کے مطابق تھوڑے روپے رکھ لیے، باقی زنان خانے میں بھیج دیے، آپ کے گرامی نامہ کی وصولی سے پہلے وہ روپے خرچ ہو چکے تھے اور گاؤں سے رقم آئی نہیں تھی اور میں اپنی ضروریات کے لیے کسی سے طلب نہیں کرتا۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۸۵، رضا اکیڈمی ممبئی)

○ **سخاوت:** کرم اور سخاوت کے تعلق سے سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ماسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن شیءٍ قط فقال: لا. (صحیح بخاری، ج:۲، ص:۸۹۲، باب حسن الخلق والسخا)

ایسا کبھی نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو اور آپ نے جواب میں "نہیں" فرمایا ہو۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کبھی بھی سائل کے سوال پر آپ کی زبان مبارک سے لفظ "نہیں" نہیں نکلا، اگر آپ کے پاس وہ چیز ہے تو عطا فرمائی ورنہ قرض لے کر سائل کی حاجت پوری فرمائی۔

آقائے کائنات فرماتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا: یاابن آدم انفق اُنفِق علیك. (صحیح مسلم، ج:۱، ص:۳۲۲، کتاب الزکاۃ باب الحث علی النفقه)

اے ابن آدم تو خرچ کر، تجھ پر میں خرچ کروں گا۔

پہلی حدیث میں بیان کیا گیا کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ سے کوئی سائل کبھی محروم نہیں جاتا اور دوسری حدیث میں انفاق فی سبیل اللہ کی تعلیم دی گئی ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنا معیار حدیث رسول کو بنایا۔ سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ کاشانۂ اقدس (کاشانۂ اعلیٰ حضرت) سے کبھی کوئی سائل خالی نہ پھرتا، اس کے علاوہ بیوگان کی امداد، ضرورت مندوں کی حاجت روائی، ناداروں کے توکلاً علی اللہ مہینے مقرر تھے اور یہ اعانت فقط مقامی ہی نہ تھی، بلکہ بیرون جات میں بذریعہ منی آرڈر رقوم امداد روانہ فرمایا کرتے تھے۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۵۲-۵۳)

انھیں کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک ضرورت مند صاحب حاضر خدمت ہوئے، حضور نے ارشاد فرمایا: اس وقت میرے پاس صرف ساڑھے تین آنے پیسے ہیں اور وہ بھی بعض خطوط کے جوابات کے لیے رکھے

تھے، اگر آپ فرمائیں تو حاضر کر دیے جائیں، حالاں کہ آج ڈاک سے ایک منی آرڈر ڈھائی سو روپے کا آیا تھا اور وہ تقسیم کر دیے گئے، پہلے سے آپ آجاتے تو آپ کو بھی مل جاتا، ان بے چارے نے آب دیدہ ہو کر نظر نیچی کر لی اور حضور نے وہ ساڑھے تین آنے ان کے حوالے کر دیے، یہاں یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ حضور نے ڈھائی سو روپے کے آنے اور تقسیم ہو جانے کا ذکر کیوں فرمایا؟ نہ اس خیال سے کہ عوام مخیر جانیں، نام و نمود کا تو اس دربار عالی میں کوئی ذکر ہی نہ تھا، حقیقۃً یہ بات تھی کہ ڈھائی سو روپے ہم خدام کے سامنے آئے تھے، اس لیے بعض لوگوں کے وسوسے رفع کرنے کو خلاف معمول یہ بیان فرمایا اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی، بارہا دیکھا گیا کہ جس وقت کوئی رقم آئی بکوشش اسے اپنے پاس سے خرچ کر دیا کرتے۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۵۳)

جناب ذکاء اللہ خاں صاحب کا بیان ہے کہ سردی کا موسم تھا بعد مغرب اعلیٰ حضرت حسب معمول پھاٹک میں تشریف لا کر سب لوگوں کو رخصت کر رہے تھے، خادم کو دیکھ کر فرمایا آپ کے پاس رزائی نہیں ہے، خادم خاموش ہو گیا، اس وقت جو رزائی اعلیٰ حضرت اوڑھتے تھے خادم کو اتار کر دے دی اور فرمایا کہ اوڑھ لیجیے، خادم نے بصد ادب قدم بوسی کی اور حضرت کے فرمان مبارک کی تعمیل کی اور رزائی اوڑھ لی۔

انھی کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت نے جب رزائی مجھے عنایت فرمائی اس کے دو تین دن کے بعد اس کی نئی رزائی تیار ہو کر آگئی نئی رزائی اوڑھے ہوئے چند ہی روز گزرے تھے کہ مسجد میں ایک مسافر صاحب رات کے وقت آئے اور اعلیٰ حضرت سے عرض کیا میرے پاس کچھ اوڑھنے کو نہیں ہے اعلیٰ حضرت نے وہی نئی رزائی ان مسافر صاحب کو عطا فرمائی۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۵۰، قدیم نسخہ)

جناب سید علی صاحب کا بیان ہے میرے والد علیل تھے عسرت کی حالت تھی حضور نے دس روپے مجھے عطا فرمائے اور میری طبیعت کا اندازہ کرتے ہوئے فرمایا یہ میں آپ کو نہیں دیتا ہوں بلکہ اپنے دوست کی دوا کے لیے دے رہا ہوں۔

انھی کا بیان ہے کہ موسم برسات میں بعض اوقات مسجد کی حاضری بحالت ترشح ہوا کرتی تھی، حاجی کفایت اللہ صاحب نے اس تکلیف کو محسوس کرتے ہوئے ایک چھتری خرید کر نذر کی اور اپنے ہی پاس رکھ لی کہ جب حضور کاشانۂ اقدس سے باہر تشریف لاتے تو حاجی صاحب چھتری لگا کر مسجد تک لے جاتے ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ایک حاجت مند نے چھتری کا سوال کیا حضور نے فوراً وہ چھتری حاجی صاحب سے دلوا دی۔

انھی کا بیان ہے کہ موسم سرما میں ایک مرتبہ ننھے میاں صاحب برادر خورد اعلیٰ حضرت جناب مولانا

محمد رضا خاں صاحب قدس سرہ نے حضور کے واسطے خاص طور پر ایک فرد تیار کرا کر پیش کی، حضور کی عادت کریمہ تھی کہ ہر سال فردیں تیار کرا کے غربا کو تقسیم کیا کرتے تھے، اس سال کی سب تقسیم ہو چکی تھیں کہ ایک صاحب نے درخواست کی حضور نے بلا تاخیر اپنی وہ فرد جو حضرت ننھے میاں صاحب نے تیار کر کے حاضر خدمت کی تھی اور اسی وقت اس کو اوڑھا تھا اتار کر ان کو دے دی۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۵۱، قدیم نسخہ)

سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے: جو سلسلۂ سفر جبل پور میں تحریر فرمایا کہ حضرت عیدالاسلام جناب مولانا مولوی عبد السلام صاحب مدظلہم الاقدس نے مبلغ ایک ہزار روپے سکۂ رائج الوقت ایک سفید چینی کی بڑی قاب میں بھر کر بطور نذر حضور کی خدمت میں پیش کیا، جسے قبول فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مولانا یہی کیا کم تھا، جو آپ نے اس وقت صرف کیا اور حاجی کفایت اللہ صاحب سے فرمایا: اسے رکھ لو اور میرے وظیفہ کی صندوقچی اٹھا لاؤ، حاجی صاحب نے وہ روپے سامنے کمرے میں رکھ دیے اور وظیفہ کی ہشت پہل صندوقچی پیش کی جس کا طول تقریباً ایک فٹ ہوگا اور جس میں ایک طویل سفید کپڑے پر سیاہ ڈورے کے حروف تھے، یہ وظیفہ حضور کو اپنے شیخ سے ملا تھا، جسے بعد نماز فجر پڑھا کرتے تھے اور یہ صندوقچہ مقفل رہا کرتا تھا جس کی کنجی حضور اپنے پاس رکھتے تھے، اس صندوقچی میں بجز وظیفہ کے کوئی اور چیز نہیں رہتی تھی اور نہ اس میں گنجائش تھی کہ دوسری شے رکھی جاتی اب حضور اس صندوقچی کو اپنے سامنے رکھ کر کھولتے ہیں، اور ڈھکنا بالکل نہیں کھولتے بلکہ تھوڑا سا اٹھا کر الٹے ہاتھ سے جھکائے رکھتے اور سیدھا ہاتھ بار بار بغیر دیکھے اندر ڈالتے روپے نکالتے اور فرداً فرداً ملازمین و ملازمہ و خدام و رضا کاران وغیرہم پر نہایت فراخ دلی سے تقسیم فرماتے رہے، تعجب ہوتا تھا کہ اس قدر روپے اس صندوقچہ میں کہاں سے آگئے اور اسی پر بس نہیں ہوا بلکہ مولانا عبد السلام صاحب کی بہو یعنی برہان میاں صاحب کی اہلیہ کو اور ان کی بچیوں کو طلائی زیورات بلکہ سب سے چھوٹے بچہ کے لیے سلا ہوا کرتا ٹوپی اسی صندوقچی سے برآمد ہوا حالاں کہ وظیفہ کی صندوقچی اس دوران سفر میں بسا اوقات وظیفہ پڑھنے میں دیکھی گئی بجز وظیفہ کی کتاب کے اور کچھ نظر نہیں پڑا۔

ملک العلما علامہ ظفر الدین قادری رضوی کہتے ہیں کہ اس واقعہ کو مجھ سے مولانا حسنین رضا خان صاحب نے اسی تعجب کے ساتھ بیان کیا تھا بلکہ انھوں نے یہ بھی کہا کہ نہ صرف مولانا عبد السلام صاحب ہی کے اعزہ کے لیے بلکہ خاص خاص سیٹھ صاحبان کی بچیوں کے لیے بھی کافی طلائی زیورات اعلیٰ حضرت نے وظیفہ کی صندوقچی میں سے نکال نکال کر عطا فرمائے، یہاں تک کہ سیٹھ صاحبوں نے کہا کہ ہم لوگوں نے اعلیٰ حضرت کی کیا خدمت کی جو کچھ دعوت اور خاطر مدارات میں صرف کیا اس سے کہیں زائد کے زیورات اعلیٰ حضرت نے ہم لوگوں کی

بچیوں، بہوؤں کے لیے عطا فرمائے، مولوی حسنین رضا خان صاحب بہت ہی حیرت اور تعجب کے ساتھ یہ کہتے تھے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ زیورات کب اعلیٰ حضرت نے خریدے اور کب اس صندوقچی میں رکھے، اس کے علاوہ اس صندوقچی میں تو وظیفہ کی کتابوں کے سوا جگہ بھی نہ تھی، اتنے زیورات اس میں کہاں سے آ گئے اور کیسے گنجائش ہوئی، واقعی یہ واقعہ جس طرح اعلیٰ حضرت کی سیر چشمی کی دلیل ہے جو دو سخا کا روشن برہان اسی طرح بین کرامت کا پر زور ثبوت ہے۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۵۶-۵۷، قدیم نسخہ)

○ **تواضع:** تواضع و انکسار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اندر حد سے زیادہ تھا، حضرت سید شاہ اسماعیل حسن میاں مارہروی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت شاہ برکت اللہ قدس سرہ کے عرس میں میرے اصرار پر بیان فرمایا مگر اس طرح کہ حاضرین مجلس سے فرماتے ہیں، میں ابھی اپنے نفس کو وعظ نہیں کہہ پایا، دوسروں کو وعظ کے کیا لائق ہوں، آپ حضرات مجھ سے مسائل شرعیہ دریافت فرمائیں، ان کے بارے میں جو حکم شرعی میرے علم میں ہوگا ظاہر کر دوں گا، چوں کہ بعد سوال اسے ظاہر کر دینا حکم شریعت ہے۔

حضرت سید صاحب موصوف نے فرمایا کہ ایک بار میرے اصرار پر مولانا (احمد رضا قدس سرہ) نے مزار صاحب البرکات پر اپنے والد ماجد قبلہ کا مؤلفہ مولد شریف "سرور القلوب فی ذکر المحبوب" بھی پڑھا ہے، ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری کہتے ہیں کہ تواضع و انکساری کی حد ہے، اس لیے کہ کتاب دیکھ کر مجلس میں ایک معمولی مولوی بھی پڑھنا پسند نہیں کرتا، بلکہ اس کو لوگ شان علم کے خلاف سمجھتے ہیں۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۴۰)

آپ ایک مرتبہ اعتکاف میں تھے، ملازم بعد مغرب پان دیر سے لایا جو بچہ تھا، حضرت نے اسے چپت مار کر فرمایا اتنی دیر میں لایا۔ پھر سحری کے وقت سحری کھا کر مسجد کے دروازے پر تشریف لائے... اور اس بچے کو بلوایا جو شام کو پان دیر میں لایا تھا اور فرمایا کہ شام کو غلطی ہو گئی تھی جو میں نے تمھیں چپت مار دی، دیر سے بھیجنے والے کا قصور تھا لہٰذا تم میرے سر پر چپت مارو اور ٹوپی اتار کر اصرار فرمارہے ہیں... وہ بچہ پریشان ہاتھ جوڑ کر عرض کیا حضور! میں نے معاف کیا، فرمایا: تم نابالغ ہو، تمھیں معاف کرنے کا حق نہیں، تم چپت مارو، مگر وہ نہ مار سکا، بعدہ اپنا بکس منگوا کر مٹھی بھر پیسے نکالے وہ پیسے دکھا کر فرمایا: میں تم کو یہ دوں گا، تم چپت مارو، مگر وہ بے چارہ یہی کہتا رہا، حضور میں نے معاف کیا، اعلیٰ حضرت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بہت سے چپتیں اپنے سر مبارک پر اس کے ہاتھ سے لگائیں اور پھر اس کو پیسے دے کر رخصت کیا۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۴۲)

تواضع کے تعلق سے حدیث شریف میں آیا ہے:

ماتواضع احدٌ للّٰہ إلا رفعه اللّٰہُ. (مسلم،ج:۲،ص:۳۲۱، کتاب البر والصلة والادب، باب استحباب العفو والتواضع)

جو صرف اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بلند فرماتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ ایک جگہ اور ارشاد فرماتے ہیں: ان اللّٰہ اوحی إلیّ ان تواضعوا حتی لایفخر احد علی احد ولا یبغی احد علی احد. (مسلم، ج:۲،ص:۳۸۵، کتاب الجنة وصفة نعیمها واهلها، باب: الصفات التی یعرف بها فی الدنیا اهل الجنة واهل النار)

اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی کہ آپس میں تواضع اختیار کرو، یہاں تک کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کسی پر زیادتی کرے۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے تواضع اور عاجزی کو جب ہم حدیث رسول کریم ﷺ کی روشنی میں دیکھتے ہیں، تو یہ فیصلہ کرنا بالکل آسان ہو جاتا ہے کہ عاجزی اور تواضع نے آپ کو عظمت اور بلندی عطا فرمائی۔

جناب سید ایوب علی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ پیلی بھیت شریف حضرت مولانا مولوی وصی احمد صاحب محدث سورتی قدس سرہ العزیز کے عرس سراپا قدس سے واپسی صبح کی گاڑی سے ہوئی، حضور نے اس وقت اسٹیشن پر آکر وظیفہ کی صندوقچی حاجی کفایت اللہ صاحب سے طلب فرمائی کسی نے جلدی سے آرام کرسی ویٹنگ روم سے لاکر بچھادی۔ ارشاد فرمایا یہ تو بڑی متکبرانہ کرسی ہے جتنی دیر تک وظیفہ پڑھا آرام کرسی کے تکیہ سے پشت مبارک نہ لگائی۔

○ **خرد نوازی:** آپ چھوٹوں پر بے پناہ شفقت فرماتے اور ان کے بہترین کارناموں پر انھیں خوب خوب سراہتے تھے، جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک مسلمان ساکن محلہ قرولان حلوا سوہن فروخت کیا کرتے تھے، ان سے حضور نے کچھ حلوا سوہن خرید فرمایا اور یہ واقعہ پیلی کوٹھی میں قیام کے زمانہ کا ہے، میں اور برادرم قناعت علی شب کے وقت کام کر کے واپس آنے لگے، تو قناعت علی سے ارشاد فرمایا: وہ سامنے تپائی پر کپڑے میں جو بندھا ہوا رکھا ہے اٹھا لایئے، یہ دو پوٹلیاں اٹھا لائے، حضور ان کو دونوں ہاتھوں میں لے کر میری طرف بڑھے، میں پیچھے ہٹا، حضور آگے بڑھے، میں اور ہٹا آپ اور آگے بڑھے، یہاں تک کہ میں دالان کے گوشہ میں پہنچ گیا، حضور نے ایک پوٹلی عطا فرمائی، میں نے کہا: حضور یہ کیا؟ ارشاد فرمایا: حلوا سوہن ہے، میں نے دبی زبان سے نیچی نظر کیے ہوئے عرض کیا: حضور بڑی شرم معلوم ہوتی ہے، فرمایا: شرم کی کیا بات ہے، جیسے مصطفیٰ (حضور مفتی اعظم ہند) ویسے تم، سب بچوں کو حصہ دیا گیا، آپ دونوں کے لیے بھی

میں نے دو حصے رکھ لیے، یہ سنتے ہی برادرم قناعت علی نے بڑھ کر حضور کے ہاتھ سے اپنا حصہ خود لے لیا اور دست بستہ عرض کیا: حضور! میں نے جسارت اس لیے کی کہ اپنے بزرگوں کے ہاتھ میں چیز دیکھ کر بچے اسی طرح لے لیا کرتے ہیں، حضور نے تبسم فرمایا، بعدہ ہم لوگ دست بوسی کر کے مکان چلے آئے، حقیقت یہ ہے کہ حضور نے ہم لوگوں کو بہت نوازا اور ہم نابکار کچھ خدمت نہ کر سکے۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۴۶)

ملک العلما علامہ محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ ۱۳۲۲ھ میں سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اصلاح کے لیے پیش کیا، حسن اتفاق سے بالکل صحیح نکلا، اعلیٰ حضرت قدس سرہ اس فتوی کو لیے ہوئے خود تشریف لائے اور ایک روپیہ دست مبارک سے فقیر کو عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: مولانا سب سے پہلے جو فتوی میں نے لکھا، تو میرے والد ماجد قدس سرہ العزیز نے مجھے شیرینی کھانے کے لیے ایک روپیہ عنایت فرمایا تھا، آج آپ نے جو فتوی لکھا، یہ پہلا فتوی ہے اور ماشاء اللہ بالکل صحیح ہے، اس لیے اسی اتباع میں ایک روپیہ آپ کو شیرینی کھانے کے لیے دیتا ہوں، غایت مسرت کی وجہ سے میری زبان بند ہوگئی اور میں کچھ بول نہ سکا، اس لیے کہ فتوی پیش کرتے وقت میں خیال کر رہا تھا کہ خدا جانے جواب صحیح لکھا ہے یا غلط، مگر خدا کے فضل سے وہ صحیح اور بالکل صحیح نکلا اور پھر اس پر انعام اور وہ بھی ان الفاظ کریمہ سے کہ میرے والد ماجد نے مجھے اول فتوی صحیح پر انعام دیا تھا، اس لیے میں بھی اول فتوی صحیح پر انعام دیتا ہوں، حق یہ ہے کہ ایک خادم کی وہ عزت افزائی ہے جس کی حد نہیں اور اس کے بعد اس کو ہمیشہ برقرار رکھا۔

میرے پاس چالیس سے زیادہ مکاتیب ہیں جو وقتاً فوقتاً بریلی شریف سے امضا فرمائے، اس میں برابر ولدی الاعز مولانا مولوی محمد ظفر الدین جعلہ اللہ تعالیٰ کا سمہ ظفر الدین سے شروع فرمایا، فتاوی شریف جلد اول میں میرا نام انھیں لفظوں سے تحریر فرمایا ہے، جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء.

اسی سلسلہ میں یہ بات بھی مجھے ہمیشہ یاد رہتی ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں جب کبھی ماہ مبارک رمضان شریف میں بریلی شریف رہتا اور اس تعطیل میں مکان نہ آتا تو عید الفطر کے دن جس طرح تمام عزیزوں کو عیدی تقسیم فرماتے مجھے اور دوسرے خاص طلبہ مثلاً مولوی سید عبد الرشید صاحب کو پاوی عظیم آبادی، مولوی سید شاہ غلام محمد صاحب درگاہ کلاں بہار شریف، مولوی محمد ابراہیم صاحب اوگانوانی، مولانا مولوی محمد نذیر الحق صاحب رمضان پوری، مولوی اسمٰعیل صاحب بہاری سب کو علی قدر مراتب تہواری عطا فرماتے۔

حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب کے برابر لڑکیاں ہی پیدا ہوئیں، اسی لیے سب لوگوں کی دلی تمنا تھی کی کوئی لڑکا ہوتا تاکہ اس کے ذریعہ اعلیٰ حضرت کا نسب و حسب و فضل و کمالات کا

سلسلہ جاری رہتا، خداوند عالم کی شان کہ ۱۳۲۵ھ میں مولوی محمد ابراہیم رضا خاں صاحب سلمہ کی ولادت ہوئی، نہ صرف والدین اور اعلیٰ حضرت بلکہ تمام خاندان بلکہ جملہ متوسلین کو از حد خوشی ہوئی، اس خوشی میں من جملہ اور باتوں کے اعلیٰ حضرت نے جملہ طلبۂ مدرسہ اہل سنت و جماعت منظر اسلام کی ان کی خواہش کے مطابق دعوت فرمائی، بنگالی طلبہ سے دریافت فرمایا، آپ لوگ کیا کھانا چاہتے ہیں، انھوں نے کہا: مچھلی، بھات، چناں چہ روہو مچھلی بہت وافر طریقہ پر منگائی گئی اور ان لوگوں کی حسب خواہش دعوت ہوئی، بہاری طلبہ سے دریافت فرمایا: آپ لوگوں کی کیا خواہش ہے؟ ہم لوگوں نے کہا بریانی، زردہ، فیرنی، کباب، میٹھا ٹکڑا وغیرہ، بہاریوں کے لیے پر تکلف کھانا تیار کرایا گیا، پنجابی اور ولایتی طلبہ کی خواہش ہوئی دنبہ کا خوب چرب گوشت اور تنور کی پکی گرم گرم روٹیاں۔ غرض ان لوگوں کے لیے وافر طور پر اسی کا انتظام ہوا، اس وقت خاص عزیزوں مریدوں کے لیے جوڑا بھی تیار کیا گیا تھا، نہایت ہی مسرت سے لکھتا ہوں کہ میں بھی انھیں خاص لوگوں میں ہوں جن کے لیے جوڑا بھی تیار کرایا گیا تھا۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۴۷)

۱۳۳۴ھ میں جب میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں مدرس اول تھا، رمضان شریف کی تعطیل میں اعلیٰ حضرت کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا، اس زمانہ میں اعلیٰ حضرت علم ہیئت میں ایک کتاب تصنیف فرمارہے تھے اور میں اسے صاف کر رہا تھا، ارادہ تھا کہ ماہ رمضان المبارک تمام کرکے بعد شش عید کے جب مدرسہ کھلے گا، پٹنہ واپس ہوں گا، لیکن اواخر رمضان شریف میں جناب حاجی لعل خاں صاحب مرحوم صاحب کا خط پہنچا کہ یہاں ولی اللہ نامی ایک وہابی آیا ہوا ہے اور جگہ جگہ مناظرہ کا چیلنج دیتا ہے، حضور والا مولانا محمد ظفر الدین صاحب کو روانہ فرمادیں اس وقت وہ کتاب قریب ختم کے تھی، اعلیٰ حضرت نے دو دن میں اس کو تمام کردیا لیکن مجھے نقل کرنا اور صاف کرنا بہت باقی تھا اس لیے حضرت نے فرمایا کہ آپ اس کو اپنے ساتھ لیتے جائیں اور نقل کرنے کے بعد اصل اور نقل دونوں رجسٹری سے واپس کردیجیے گا، جب چلنے کا وقت ہوا اور اسٹیشن جانے کے لیے سواری آگئی اعلیٰ حضرت باہر تشریف لائے اور دو نوٹ دس دس روپے کے مجھے عنایت فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ میرا ارادہ تھا کہ امسال آپ عید میں یہیں رہیں گے، بچوں کے لیے کپڑے بنواؤں گا تو آپ کے لیے بھی بنواؤں گا، لیکن دینی ضرورت سے آپ کلکتہ جارہے ہیں، اس لیے یہ روپے آپ کی نذر ہیں، مجھے بہت شرم آئی کہ طالب علمی کا زمانہ تو ضرورت کا زمانہ تھا، اب تو میں نوکر ہوں میں پیر کی خدمت کیا کرتا اور ان کی نذر کرتا کہ الٹے پیر ہی سے روپے وصول کروں۔ میں نے کچھ تامل کیا، اعلیٰ حضرت نے باصرار عنایت فرمایا میں نے قدم بوسی کرتے ہوئے وہ روپے لے لیے اور کلکتہ روانہ ہوا۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۴۸-۴۹)

غریبوں کی دعوت:

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ دعوت میں امیر اور غریب کا فرق نہ کرتے بلکہ غریبوں کی دعوت شوق سے قبول کرتے اور ان کی دل داری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے، دیکھیں ذیل کے دو واقعے:

① ایک روز ایک کم سن صاحبزادے اعلیٰ حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بڑی بے تکلفی سے آپ سے کہنے لگے کہ میری بوا (ماں) نے آپ کی دعوت کی ہے، کل صبح بلایا ہے، اعلیٰ حضرت قبلہ نے ان کی بے تکلفی پر مزاحاً دریافت فرمایا کہ دعوت میں کیا کھلاؤ گے، صاحبزادے نے اپنے کرتے کا دامن جسے دونوں ہاتھوں سے پکڑے تھے پھیلا کر دکھادیا۔ اس میں ماش کی دال اور کچھ مرچیں تھیں اور کہا دیکھیے نا یہ لایا ہوں۔ اعلیٰ حضرت نے ان کے سر پر دست شفقت پھیرا اور فرمایا کہ میں اور یہ (حاجی کفایت اللہ صاحب کی طرف اشارہ فرمایا) آئیں گے، اور حاجی صاحب کو حکم دیا کہ ان سے مکان کا پتہ دریافت کر لیجیے۔ صاحبزادے مکان کا پتہ بتا کر خوش خوش لوٹ گئے۔ دوسرے دن وقت مقررہ پر اعلیٰ حضرت قبلہ اندر سے تشریف لائے اور حاجی صاحب سے فرمایا چلیے، انھوں نے عرض کیا: کہاں؟ فرمایا صاحبزادے کے یہاں جو کل دعوت کہہ گئے تھے، آپ نے مکان کا پتہ معلوم کر ہی لیا ہوگا۔ حاجی صاحب نے عرض کیا: ہاں حضور ان کا مکان محلہ ملوک پور میں ہے یہ کہہ کر ساتھ ہو لیے۔ جس وقت ان کے مکان پر پہنچے تو صاحبزادے اپنے دروازے پر کھڑے انتظار کر رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت کو دیکھتے ہی یہ کہتے ہوئے اندر کو بھاگے ارے مولوی صاحب آگئے۔ ان کے دروازے پر ایک چھپر پڑا تھا جس کے سایہ میں اعلیٰ حضرت اور حاجی کفایت اللہ صاحب کچھ دیر منتظر کھڑے رہے۔ اس کے بعد ایک بوسیدہ چٹائی آئی اور ایک ڈلیا میں باجرے کی گرم گرم روٹیاں آئیں۔ مٹی کی رکابی میں ماش کی دال آئی جس میں مرچوں کے ٹکڑے ٹوٹے ہوئے پڑے تھے۔ یہ رکھ کر صاحب زادے نے کھانے کو کہا۔ فرمایا: ہاتھ دھونے کے لیے پہلے پانی تو لائیے، وہ پانی لینے مکان میں گئے تو حاجی صاحب نے عرض کیا: یہ مکان تو نقارچی کا ہے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے ان سے کبیدہ خاطر ہو کر فرمایا: ابھی سے کیوں کہہ دیا۔ کھانے کے بعد کہتے۔ اتنے میں صاحبزادے پانی لے کر آگئے۔ آپ نے ان سے پہلا سوال یہ کیا کہ آپ کے والد کہاں ہیں، اور کیا کام کرتے ہیں؟ پردے کی آڑ سے ان کی ماں نے عرض کیا کہ میرے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے۔ وہ پہلے کبھی نوبت بجاتے تھے، اس کے بعد انھوں نے توبہ کر لی تھی، اور اب تو کمانے والا صرف یہ لڑکا ہے جو راجوں کے ساتھ مزدوری کرتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور ان لوگوں کے لیے دعاے خیر و برکت کی۔ حاجی صاحب بھی شریک طعام رہے۔ حاجی صاحب کے دل میں یہ خیال گشت کرتا رہا کہ اعلیٰ حضرت کے کھانے میں گھر پر تو یہ

احتیاط برتی جاتی ہے کہ بجائے چپاتی کے سوجی کا بسکٹ ملاحظہ فرماتے ہیں، یہاں باجرے کی روٹی اور ماش کی دال کھانا پڑی ہے، قربان ان اخلاق کریمہ کے کہ میزبان کی دل شکنی کے اندیشے سے کچھ نہیں فرماتے۔ بلکہ میزبان کا دل رکھنے کے لیے پوری توجہ سے کھانا کھاتے رہے۔ غرض یہ کہ وہاں خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ حاجی صاحب کا پورا ساتھ دیا۔ واپسی پر حاجی صاحب سے فرمایا کہ اگر ایسی پُر خلوص دعوت ہوا کرے تو میں روز کھاؤں۔ ورنہ گھر سوائے گوشت بزیا چوزے کے اور کوئی چیز پیش نہ کی جاتی تھی۔ یا بعض وہ میٹھی اور ٹھنڈی چیزیں جوان کو مضر نہ ہوتیں۔ اس پرہیز کا سبب ان کی علالت اور کمزوری تھی جوان کو تیرہ چودہ سال کی عمر سے مسلسل بیٹھے رہ کر لکھنے سے عارض ہوئی تھی۔ آخر عمر تک یکساں یہی حالت رہی۔ درد گردہ کے وہ مستقل مریض تھے جس کے کبھی کبھی دورے پڑ جاتے تھے مگر۔ اپنے کام کے آگے وہ ان موانع کی پروانہ کرتے تھے۔ (سیرت اعلیٰ حضرت، ص:۹۸-۱۰۰)

② ایک روز ایک صاحب تشریف لائے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کی اور ان کے بعض ساتھیوں کی دعوت کر کے چلے گئے۔ دوسرے دن گاڑی آگئی۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے ساتھ اس روز مولانا ظفر الدین صاحب بھی تھے۔ مکان پر گاڑی پہنچی تو میزبان بھی منتظر ملے۔ گاڑی سے اتارا اور اپنے مکان میں چارپائی پر لے جا کر بٹھا دیا۔ ہاتھ دھلانے کے بعد ایک ڈلیا میں روٹیاں اور رکابیوں میں گائے کے گوشت کا قیمہ رکھ دیا، کھانا شروع ہوا۔ مولانا ظفر الدین صاحب کو خیال آیا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ تو گائے کا گوشت کھاتے نہیں، ان کے لیے سخت مضر ہے، اگر گوشت شوربے کا پکاتے تو اعلیٰ حضرت شوربا کھا لیتے۔ اور قیمہ میں بلا گوشت کھائے چارۂ کار ہی نہیں ہے۔ یہ اسی خیال میں الجھے ہوئے تھے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ نے از خود فرمایا مولانا ایک دعا حدیث شریف میں وارد ہے کہ مسلمان اگر پڑھ کر جو کچھ کھائے وہ کھانا ہرگز ضرر نہ دے گا۔ وہ دعا یہ ہے:

بسم الله الذي لا يضر مع اسمه شيءٌ في الأرض ولا في السماء وهو السميع العليم.

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جس کا نام نامی ہوتے ہوئے زمین و آسمان میں کوئی چیز نقصان نہیں کرتی، وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

مسلمان بھی دعا یاد کریں۔ اپنے گھر کی عورتوں اور بچوں کو یاد کرائیں، جو کھانے پینے کی ہر چیز سے پہلے کی دعا پڑھ کر دم کریں۔ سرکار دو عالم ﷺ کے ہر ارشاد سے مسلمانوں کو فائدہ اٹھانا چاہیے۔ مولانا سمجھ گئے کہ میرے دل کے خطرے کا جواب دیا ہے اور اس دعا کی بھی تعلیم فرمائی ہے۔

صاحب خانہ سے مولانا کی بے تکلفی تھی، مولانا نے موقع پا کر صاحب خانہ سے کہا کہ جب آپ کی مالی حالت اس قدر کمزور تھی کہ اعلیٰ حضرت کے لیے پرہیز کا کھانا نہ پکا سکتے تھے تو دعوت ہی

کی کیا ضرورت تھی۔صاحب خانہ بولے کہ غربت ہی کے سبب سے تو اعلیٰ حضرت کی دعوت کی تا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کے میرے یہاں قدم آئیں، میں جو کچھ حاضر کر سکوں وہ حاضر کر دوں، اعلیٰ حضرت حسب عادت دعا فرمائیں تو میرے گھر کی نیستی دور ہو،اور خوش حالی آئے، دین و دنیا کی برکتیں حاصل ہوں۔(سیرت اعلیٰ حضرت، ص:۱۰۰-۱۰۱)

ماں کا ادب واحترام:

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: وَوَصَّيْنَا الْاِنْسٰنَ بِوٰلِدَيْهِۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَ لِوٰلِدَیْكَؕ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ﴿۱۴﴾ (پارہ:۲۱،سورہ:لقمان:۱۴)

اور ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید فرمائی، اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا کمزوری پر کمزوری جھیلتی ہوئی، اوراس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا آخر مجھی تک آنا ہے۔(کنزالایمان)

اس آیت کریمہ میں والدین کی فرماں برداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہے، اس کے فوراً بعد ان دشواریوں کا بیان ہے جو ماؤں کو حمل کے دوران اور ایام شیر خوارگی میں جھیلنی پڑتی ہیں؛ اس لیے اولاد پر ضروری ہے کہ ماں کی خدمت میں کوئی کوتاہی نہ ہو، ہر آن اُن کی دل جوئی ہو، ان کی طرف سے اگر کوئی ناپسندیدہ چیز ہوتی ہے تو اس کا خوش دلی سے خیر مقدم کریں کہ اسی میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے، ماں کے ادب و احترام کے تعلق سے اعلیٰ حضرت کی زندگی کا ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں اور اس سے والدہ کے ادب واحترام کا سبق بھی حاصل کریں۔

اعلیٰ حضرت قبلہ حضرت حجۃ الاسلام (علامہ حامد رضا) کو گھر کے ایک دالان میں پڑھانے بیٹھے۔وہ پچھلا سبق سن کر آگے سبق دیتے تھے۔پچھلا سبق جو سنا تو وہ یاد نہ تھا۔اس پر ان کو سزادی۔ اعلیٰ حضرت کی والدہ محترمہ جو دوسرے دالان کے کسی گوشے میں تشریف فرما تھیں انھیں کسی طرح اس کی خبر ہوئی، وہ حضرت حجۃ الاسلام کو بہت چاہتی تھیں،غصہ میں بھری ہوئی آئیں اور اعلیٰ حضرت قبلہ کی پشت پر ایک دوہتڑ مارا اور فرمایا تم میرے حامد کو مارتے ہو، اعلیٰ حضرت فوراً جھک کر کھڑے ہو گئے اور اپنی والدہ محترمہ سے عرض کیا کہ اماں اور ماریئے جب تک کہ آپ کا غصہ فرو نہ ہو۔یہ کہنے کے بعد انھوں نے ایک دوہتڑ مارا، اعلیٰ حضرت سر جھکائے کھڑے رہے یہاں تک کہ وہ خود واپس تشریف لے گئیں، اس وقت تو جو غصے میں ہونا تھا ہو گیا مگر اس واقعہ کا ذکر جب کرتیں تو

آبدیدہ ہو کر فرماتی تھیں کہ دو ہتڑ مارنے سے پہلے میرے ہاتھ کیوں نہ ٹوٹ گئے کہ ایسے مطیع و فرماں بردار بیٹے کے جس نے خود پٹنے کے لیے پیش کر دیا۔ دوسرا دو ہتڑ کیسے مارا۔ افسوس۔

یہ تھی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بڑوں کی عزت، اسی لیے رب العزت نے ان کو گھر بیٹھے حیرت انگیز وقار عطا فرمایا تھا۔ ان کے دور میں اس کی دوسری کوئی مثال نہیں ملتی۔ دوست دشمن سب ان کا لوہا مانتے تھے۔ اور اب بھی جو لوگ ان کو جانتے جا رہے ہیں وہ ان کو اپنے دور کا سب سے بڑا رہنما مانتے جا رہے ہیں۔ آج بھی بفضلہٖ تعالیٰ ان کی شخصیت سب سے پیش پیش ہے۔ اور ہر نزاعی مسئلہ میں ان کے رسائل و فتاوی پر سب کی نظر ہے۔ (سیرت اعلیٰ حضرت، ص:۹۸)

حضرت سید شاہ اسماعیل میاں قدس سرہ کا بیان ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کو اللہ تعالیٰ نے جامع کمالات ظاہری و باطنی صوری و معنوی بنایا۔ اوصاف و کمالات میں جس کو لے کر دیکھیے مولانا کی ذات میں بروجہ کمال اس کا ظہور تھا۔ والدین کی اتباع کا یہ حال تھا کہ جب مولانا کے والد ماجد جناب مولانا نقی علی خان صاحب کا انتقال ہوا اپنے حصۂ جائداد کے خود مالک تھے مگر سب اختیار والدہ ماجدہ کے سپرد تھا وہ پوری مالکہ و متصرفہ تھیں جس طرح چاہتیں صرف کرتیں جب مولانا کو کتابوں کی خریداری کے لیے کسی غیر معمولی رقم کی ضرورت پڑتی تو والدہ ماجدہ صاحبہ کی خدمت میں درخواست کرتے اور اپنی ضرورت ظاہر کرتے، جب وہ اجازت دیتیں اور درخواست منظور کرتیں تو کتابیں منگواتے۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۴۲، قدیم نسخہ)

حضرت مولانا محمد رضا خان صاحب برادر اصغر اور حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خان صاحب خلف اکبر اور حضور کی اہلیہ محترمہ ۱۳۲۳ھ میں حج و زیارت کے لیے روانہ ہوئیں تو حضور جھانسی [1] تک ان کو پہنچانے تشریف لے گئے کہ وہاں سے ممبئی میل پر وہ لوگ روانہ ہوں گے جو سیدھا ممبئی جائے گا اور کہیں بدلنا نہ ہوگا، اس وقت تک اعلیٰ حضرت کا قصد حج و زیارت کے لیے بالکل نہ تھا، کہ حج فرض ادا ہو چکا تھا، زیارت سے مشرف ہو چکے تھے، صرف ان کی مشایعت مقصود تھی، اسی دوران اعلیٰ حضرت کو اپنی نعتیہ غزل یاد آ گئی جس کا مطلع ہے:

گزرے جس راہ سے وہ سید والا ہو کر ‏ ‏ ‏ رہ گئی ساری زمیں عنبر سارا ہو کر

اس کا ایک شعر یہ ہے:

---

(۱) الملفوظ حصہ دوم میں "جھانسی" کے بجائے "لکھنؤ" ہے۔ (دیکھیے: "اعلی حضرت کا دوسرا سفرِ حج" ملفوظات اعلی حضرت، حصہ دوم، ص:۱۸۳، مکتبۃ المدینۃ (دعوت اسلامی) دہلی-۶)

واے محرومیِ قسمت کہ میں پھر اب کی برس رہ گیا ہمرہِ زُوّار مدینہ ہوکر

اس کا یاد آنا تھا کہ دل بے چین ہوگیا اور وہی ہوا جس کو حضور نے دوسری غزل میں فرمایا ہے:

پھر اٹھا ولولۂ یاد مغیلان عرب پھر کھنچا دامن دل سوے بیابان عرب

اسی وقت حج وزیارت بلکہ خاص زیارت سرور دوعالم کا قصد مصمم فرمایا لیکن والدہ ماجدہ کی بغیر اجازت سفر مناسب نہ جانا اس لیے ان کی گاڑی چھوٹنے کے بعد بریلی واپس تشریف لائے اور والدہ ماجدہ سے اجازت کے لیے حاضر خدمت ہوئے، اجازت مل گئی مطمئن ہوئے ورنہ جھانسی سے واپسی کے بعد بہت پریشان نظر آتے تھے، اجازت مل جانے کے بعد سامان سفر مکمل فرمایا اور روانہ ہوئے حسن اتفاق کہ اعلیٰ حضرت کو پہنچنے تک وہ جہاز روانہ نہ ہوا تھا، سب لوگ ایک ہی جہاز میں روانہ ہوئے اور یہ سفر مبارک بخیرو خوبی انجام پایا اسی سفر کے متعلق اعلیٰ حضرت کا شعر ہے:

کعبہ کا نام تک نہ لیا طیبہ ہی کہا پوچھا تھا ہم سے جس نے کہ نہضت کدھر کی ہے

حدیث شریف میں ہے انما الاعمال بالنیات و انما لکل امرئ مانوی عام طور پر بھی زبان زد ہے ”جیسی نیت ویسی برکت“ یہ سفر اعلیٰ حضرت کا چوں کہ خاص حضور ﷺ کی زیارت پاک کے لیے تھا اس لیے ویسا ہی ہوا۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۴۲-۴۳، قدیم نسخہ)

مولوی سید شاہ جعفر میاں خطیب جامع مسجد کپور تھلہ نے اپنے والد صاحب کے عرس کے موقع پر اس واقعہ کو نہایت موثر انداز میں بیان کیا تھا کہ جب جناب مولانا احمد رضا خان صاحب علیہ الرحمۃ دوسری مرتبہ زیارت نبوی ﷺ کے لیے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے شوق دیدار میں روضہ شریف کے مواجہہ میں درود شریف پڑھتے رہے اور یقین کیا کہ ضرور سرکار ابد قرار ﷺ عزت افزائی فرمائیں گے اور بالمواجہہ زیارت سے مشرف فرمائیں گے، لیکن پہلی شب ایسا نہ ہوا تو کچھ کبیدہ خاطر ہوکر ایک غزل لکھی جس کا مطلع یہ ہے:

وہ سوے لالہ زار پھرتے ہیں تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

اس غزل کے مقطع میں اسی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

یہ غزل مواجہہ میں عرض کرکے انتظار میں مؤدب بیٹھے ہوئے تھے کہ قسمت جاگ اٹھی اور چشم سر سے بیداری میں زیارت حضور ﷺ سے مشرف ہوئے۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۴۳-۴۴، قدیم نسخہ)

احترام سادات:

سادات کرام کا نسبی تعلق چوں کہ نبی کریم ﷺ سے ہے؛ اس لیے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اس نسبت کے

پیش نظر سادات کرام کا بے حد ادب و احترام بجالاتے اور انھیں ہر طرح سے خوش کرنے کی فکر میں لگے رہتے، انھیں کسی بھی طرح ناراض دیکھنا پسند نہیں کرتے۔

علماے کرام نے اپنی مستند تصانیف میں تحریر فرمایا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی محبت و تعظیم سے ہے کہ وہ چیز جس کو حضور اقدس ﷺ سے نسبت و اضافت ہے اس کی تعظیم و توقیر کرنی اور ان میں سادات کرام جزء رسول ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ مستحق توقیر و تعظیم ہیں اور ان پر پورا عمل کرنے والا میں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کو پایا، اس لیے کہ کسی سید صاحب کو وہ اس کی ذاتی حیثیت و لیاقت سے نہیں دیکھتے بلکہ اس حیثیت سے ملاحظہ فرماتے کہ سرکار دو عالم ﷺ کا جز ہیں پھر اس اعتقاد و نظریہ کے بعد جو کچھ ان کی تعظیم و توقیر کی جائے سب درست و بجا ہے، اعلیٰ حضرت اپنے قصیدۂ نور میں عرض کرتے ہیں:

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا ۔۔۔ تو ہے عین نور، تیرا سب گھرانا نور

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے ایک کم عمر صاحب زادے خانہ داری کے کاموں میں امداد کے لیے کاشانۂ اقدس میں ملازم ہوئے بعد میں معلوم ہوا کہ سید زادے ہیں، لہٰذا گھر والوں کو تاکید فرمادی کہ صاحب زادے صاحب سے خبر دار کوئی کام نہ لیا جائے کہ مخدوم زادہ ہیں، کھانا وغیرہ جس شے کی ضرورت ہو حاضر کی جائے، جس تنخواہ کا وعدہ ہے وہ بطور نذرانہ پیش ہوتا رہے، چناں چہ حسب الارشاد تعمیل ہوتی رہی کچھ عرصہ بعد وہ صاحب زادے خود ہی تشریف لے گئے۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۲۰۱، قدیم نسخہ)

انھی کا بیان ہے کہ فقیر اور برادرم سید قناعت علی کے بیعت ہونے پر بموقع عید الفطر بعدِ نماز دست بوسی کے لیے عوام نے ہجوم کیا مگر جس وقت قناعت علی دست بوس ہوئے حضور پر نور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ہاتھ چوم لیے یہ خائف ہوئے اور دیگر مقربان خاص سے تذکرہ کیا تو معلوم ہوا کہ حضور کا یہ معمول ہے کہ بموقع عیدین دوران مصافحہ سب سے پہلے جو سید صاحب مصافحہ کرتے ہیں اعلیٰ حضرت اس کی دست بوسی فرمایا کرتے ہیں، غالباً آپ موجود سادات کرام میں سب سے پہلے دست بوس ہوئے ہیں۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۲۰۱، قدیم نسخہ)

حضور کے یہاں مجلس میلاد مبارک میں سادات کرام کو بہ نسبت اور لوگوں کے دوگنا حصہ بروقت شیرینی ملا کرتا تھا اور اسی کا اتباع اہل خاندان بھی کرتے ہیں ایک سال بموقع بارہویں شریف ماہ ربیع الاول ہجوم میں سید محمود جان صاحب علیہ الرحمۃ کو خلاف معمول اکہرا حصہ یعنی دو تشتریاں شیرینی کی بلا قصد پہنچ گئیں، موصوف خاموشی کے ساتھ حصہ لے کر سیدھے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور

کے یہاں سے آج مجھے عام حصہ ملا، فرمایا: تشریف رکھیے اور تقسیم کرنے والے کی فوراً طلبی ہوئی اور سخت اظہار ناراضی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ابھی ایک سینی (خوان) میں جس قدر حصے آسکیں بھر کر لاؤ چناں چہ فوراً تعمیل ہوئی سید صاحب نے عرض بھی کیا کہ حضور میرا یہ مقصد نہ تھا ہاں قلب کو ضرور تکلیف ہوئی جسے برداشت نہ کرسکا، فرمایا سید صاحب یہ شیرینی تو آپ کو قبول کرنا ہوگی ورنہ مجھے سخت تکلیف رہے گی اور قاسم شیرینی سے کہا کہ ایک آدمی کو سید صاحب کے ساتھ کردو جو اس خوان کو مکان پر پہنچا آئے انھوں نے فوراً تعمیل کی۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۲۰۳، قدیم نسخہ)

بعد نماز جمعہ حضور پھاٹک میں تشریف فرماہیں اور حاضرین کا مجمع ہے کہ شیخ امام علی قادری رضوی مالک ہوٹل آئس کریم ممبئی کے برادر خرد مولوی نور محمد کی آواز جو بسلسلہ تعلیم مقیم آستانہ تھے، باہر سے قناعت علی قناعت علی پکارنے کی گوش گزار ہوئی، انھیں فوراً طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا: سید صاحب کو ایسے پکارتے ہو؟ کبھی آپ نے مجھے بھی نام لیتے ہوئے سنا، مولوی نور محمد نے ندامت سے نظر نیچی کرلی۔ فرمایا: تشریف لے جائیے اور آئندہ سے اس کالحاظ رکھیے، اسی تذکرہ میں فرمایا کہ شریف مکہ کے زمانہ میں حاجیوں سے ٹیکس بڑی سختی سے وصول کیا جاتا تھا، یہاں تک کہ اس کے کارکن مستورات کی جامہ تلاشی کرتے تھے، ایک عالم صاحب مع مستورات وہاں پہنچتے ہیں، ان کی مستورات کے ساتھ بھی وہی برتاو کیا گیا، عالم صاحب کو یہ بات بہت شاق گزری اور انھوں نے رات بھر شریف صاحب کو برا بھلا کہا اور بددعائیں دیں، صبح ہوتے آنکھ لگ گئی، خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے، ارشاد فرماتے ہیں: مولوی صاحب کیا میری اولاد ہی آپ کو بددعا کرنے کو رہ گئی تھی، پھر فرمایا: سید کو اگر قاضی حد لگائے تو یہ نہ خیال کرے کہ میں سزا دے رہا ہوں بلکہ تصور کرے کہ شاہ زادے کے پیروں میں کیچڑ لگ گئی ہے اسے دھو رہا ہوں۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۲۰۴، قدیم نسخہ)

ملک العلما لکھتے ہیں: محبی مخلصی حامی دین متین مولانا مولوی سید شاہ ابو سلیمان محمد عبد المنان صاحب قادری چشتی فردوسی ابوالعلائی منعمی مفتی و صدرالمدرسین مدرسہ عربیہ محمدیہ عظیم آباد سے میں نے درخواست کی کہ آپ کو بھی اگر کوئی واقعہ اعلیٰ حضرت کے متعلق معلوم ہو تو تحریر کر کے مجھے عنایت کریں، اگرچہ میں نے اخبار ہمدرد دہلی و دبدبہ سکندری رام پور میں اس کا اعلان بھی کردیا ہے لیکن خاص حضرات کو خصوصیت کے ساتھ بذریعہ خط یا ملاقات ہوجانے پر زبانی بھی فرمائش کردیتا ہوں، چناں چہ مولانا موصوف نے یہ خط مجھے تحریر فرمایا جو بہت جامع ہے لیکن اصل واقعہ کے اعتبار سے تعظیم سادات سے اس کا تعلق ہے اس لیے اس جگہ درج کرنا انسب معلوم ہوتا ہے۔

۸۶ـ

مجی محترمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھے اخبار ہمدرد میں یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ جناب نے ایک بڑی خدمت اور اہم کام جو مسلمانان عالم کے لیے مفید اور کار آمد ہوگا، اپنے سر لیا یعنی اعلیٰ حضرت، حامی سنت ماحی بدعت مجدد مأۃ حاضرہ حضرت مولانا قاری حافظ شاہ احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوانح حیات جمع کر کے منظر عام پر لائیں اور ان کی پاکیزہ زندگی کو سنی مسلمانوں کے لیے خصوصاً اور دیگر مسلمانوں کے لیے عموماً مشعل ہدایت بنائیں، پھر اخبار مذکور کا یہ اعلان کہ جن حضرات کو حالات اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ معلوم ہوں وہ بذریعۂ ڈاک ارسال فرمائیں جناب کی کاوشوں اور انہماک کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بلا شبہہ یہ طریقہ جو جناب والا نے اختیار فرمایا ہے تدوین حالات کے لیے ازبس مفید ثابت ہوگا۔ اعلیٰ حضرت کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں وہ تو آفتاب شریعت ماہتاب طریقت ہے، دنیا کا کون ساخطہ اور مقام ہے جو آپ کی علمی ضوفشانی سے محروم رہا ہو، دوست تو دوست دشمن کو بھی آپ کے تبحر علمی اور فضل و بزرگی کا قائل پایا، سچ ہے: ”والفضل ما شھدت بہ الاعداء“۔ علماے عصر و فضلاے دہر خواہ کسی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں آپ کی تحقیقات و تدقیقات کے سامنے سر تسلیم خم ہی کرتے تھے، ہندوستان تو ہندوستان علماے مکہ، مدینہ۔ زادہما اللہ شرفاً و تعظیما۔ وروم وشام، مصرویمن سب ہی کو آپ کے علم وفضل کا مداح پایا۔

مجھ فقیر کو بھی ۱۳۳۹ھ کے موسم بہار میں زیارت کا موقع ملا یوں تو عرصۂ دراز سے آپ کے رسائل مفیدہ و تحریرات انیقہ دیکھا کرتا تھا اور جزئیات فقہیہ پر اعلیٰ حضرت کو جو ید طولیٰ حاصل تھا اس کا قائل بھی تھا اور درحقیقت انہی رسائل و تحریرات نے زیارت کا ولولہ بھی اس فقیر کے دل میں پیدا کر دیا تھا، بالآخر جب یہ فقیر درس نظامیہ کی تکمیل کر رہا تھا اور تعلیم کا آخری سال گزار رہا تھا تو برسوں کی تمناے دلی برآئی، بریلی شریف جانے کا اتفاق ہوا، طالب علمانہ شان سے اعلیٰ حضرت کے مدرسہ میں پہنچا، حضرات اساتذۂ کرام سے ملاقاتیں کیں، اور دلی تمناؤں کے اظہار کا موقع بھی ہاتھ آیا، اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی تو کہوں گا کہ جناب مولانا مولوی قاضی رحم الٰہی صاحب مدرس مدرسہ نے مجھے اعلیٰ حضرت کی خدمت فیض درجت میں پہنچایا اور میری پوری رہبری کی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ تحریک خلافت و ترک موالات اپنے پورے شباب پر تھی اور جماعت کثیرہ ان تحریکوں میں شامل تھی۔ بناءً علیہ یہ فقیر بھی شدت کے ساتھ ان تحریکات کا حامی تھا لیکن اعلیٰ حضرت کی تحریروں نے جو وقتاً فوقتاً مجھے مل جایا کرتی تھیں اور جناب مولانا سلیمان اشرف صاحب اور ابوالکلام کی باہمی گفتگو نے مجھے ان

تحریکات سے برگشتہ کر دیا تھا اور ایک قسم کی دل میں خلش پیدا ہو گئی تھی جس نے بریلی شریف پہنچانے میں معاونت کی کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہو اور مسائل حاضرہ بھی سمجھ لوں۔ چناں چہ جیسا سنا کرتا تھا اور تحریروں سے معلوم کرتا تھا کہ علمی تبحر میں آپ کا کوئی ثانی نہیں اور اخلاق نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک زندہ مثال ہیں، آپ کی زیارت نے بتمام وکمال فقیر پر یہ ثابت کر دیا کہ جو کچھ بھی آپ کی تعریفیں ہوتی ہیں وہ کم ہیں، اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ یہ فقیر سادات سے ہے تو آپ نے بڑی عزت بخشی اور جملہ شکوک کو چند منٹوں میں اس طرح رفع فرما دیا گویا کہ شکوک کبھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے، پھر اخلاق کا یہ عالم کہ دو دن مجھے آپ کے اخلاق کریمانہ نے روک رکھا اور ان دو دنوں میں اس فقیر نے بہت کچھ فیوض و برکات حاصل کیے، پھر رخصت ہوتے وقت خاص کرم فرمایا کہ کچھ نقد روپے جو الہ آباد کی آمد و رفت میں صرف ہو سکتے ہیں بلکہ کچھ زائد تھے مرحمت فرمائے، فقیر نے تو پہلے انکار کیا، لیکن اعلیٰ حضرت نے یہ فرمایا کہ یہ تو آپ کے گھر کے عنایت کردہ ہیں اسے لے لیجیے تو فقیر نے وہ رقم لے لی اور واپسی کے بعد ان تحریکات سے کلیتًہ علاحدگی اختیار کر لی پھر بعد وصال اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ چند مرتبہ عرس اعلیٰ حضرت میں جانے کا اتفاق ہوا، بعد وصال بھی اعلیٰ حضرت کی روحانیت نے اپنے فیوض برکات سے محروم نہ رکھا۔ وللہ الحمد والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم وآخر دعوینا ان الحمد رب العلمین فقیر الی المولیٰ تعالیٰ سید شاہ ابو سلمان محمد عبد المنان قادری چشتی فردوسی منعمی ابوالعلائی غفرلہ الباری مفتی وصدر مدرس مدرسہ عربیہ محمدیہ عظیم آباد پٹنہ سٹی ۷/ دسمبر ۱۹۴۷ء یوم یک شنبہ۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۲۰۴ تا ۲۰۶، قدیم نسخہ)

جس زمانہ میں اعلیٰ حضرت کے دولت کدہ کی مغربی سمت میں جس میں کتب خانہ نیا تیار ہو رہا تھا، عورتیں اعلیٰ حضرت کے قدیمی آبائی مکان میں جس میں حضرت مولانا حسن رضا خاں قادری صاحب برادر اوسط اعلیٰ حضرت مع متعلقین تشریف رکھتے تھے قیام فرما تھیں اور اعلیٰ حضرت کا مکان مردانہ کر دیا گیا تھا کہ ہر وقت راج مزدوروں کا اجتماع رہتا، اسی طرح کئی مہینہ تک وہ مکان مردانہ رہا جن صاحب کو اعلیٰ حضرت کی خدمت میں باریابی کی ضرورت پڑتی بے کھٹک پہنچ جایا کرتے جب وہ کتب خانہ مکمل ہو گیا مستورات حسب دستور سابق اس مکان میں چلی آئیں اتفاق وقت کہ ایک سید صاحب جو کچھ دن پہلے تشریف لائے تھے اور اس مکان کو مردانہ پایا تھا پھر تشریف لائے اور اس خیال سے کہ مکان مردانہ ہے بے تکلف اندر چلے گئے جب نصف آنگن میں پہنچے تو مستورات پر نظر پڑی جو زنانہ مکان میں خانہ داری کے کاموں میں مشغول تھیں انھوں نے جب سید صاحب کو دیکھا تو گھبرا کر ادھر ادھر پردہ میں ہو گئیں ان کے جانے کی آہٹ سے جناب سید

صاحب کو علم ہوا کہ یہ مکان زنانہ ہوگیا ہے، مجھ سے سخت غلطی ہوئی جو میں چلا آیا اور ندامت کے مارے سر جھکائے واپس ہونے لگے کہ اعلیٰ حضرت دکھن طرف کے سائبان سے فوراً تشریف لائے اور جناب سید صاحب کو لے کر اس جگہ پہنچے جہاں حضرت تشریف رکھا کرتے اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے اور سید صاحب کو بٹھا کر بہت دیر تک باتیں کرتے رہے، جس میں سید صاحب کی پریشانی اور ندامت دور ہو پہلے تو سید صاحب خفت کے مارے خاموش رہے پھر معذرت کی اور اپنی لاعلمی ظاہر کی کہ مجھے زنانہ مکان ہونے کا کوئی علم نہ تھا، اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ حضرت یہ سب تو آپ کی باندیاں ہیں آپ آقا اور آقا زادے ہیں معذرت کی کیا حاجت ہے؟ میں خود سمجھتا ہوں، حضرت اطمینان سے تشریف رکھیں۔ غرض بہت دیر تک سید صاحب کو وہیں بٹھا کر ان سے بات چیت کی پان منگوایا ان کو کھلایا جب دیکھا کہ سید صاحب کے چہرہ پر آثار ندامت نہیں ہیں اور سید صاحب نے اجازت چاہی ساتھ ساتھ تشریف لائے اور باہر کے پھاٹک تک پہنچا کر ان کو رخصت فرمایا وہ دست بوس ہو کر رخصت ہوئے، عجیب اتفاق کہ وہ وقت مدرسہ کا تھا اور رحم اللہ خان خادم بھی بازار گئے ہوئے تھے کوئی شخص باہر کمرہ پر نہ تھا جو سید صاحب کو مکان زنانہ ہونے کی خبر دیتا، جناب سید صاحب نے اس واقعہ کو خود مجھ سے بیان فرمایا اور مذاق سے کہا کہ ہم نے تو سمجھا کہ آج خوب پٹے مگر ہمارے پٹھان نے وہ عزت و قدر کی کہ دل خوش ہوگیا، واقعی حب رسول ہو تو ایسا ہو۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۲۰۶ تا ۲۰۸، قدیم نسخہ)

علامہ حسنین رضا خاں صاحب کا بیان ہے:

اعلیٰ حضرت کا خاندان سادات کی عزت و عظمت کے لیے مدت سے مشہور ہے، اعلیٰ حضرت قبلہ کے دادا مولانا رضا علی خاں روزانہ نماز فجر پڑھ کر سادات کرام نو محلہ کی خیریت معلوم کرنے اور سلام عرض کرنے جایا کرتے تھے۔ ان کے اس معمول میں کسی مجبوری ہی سے فرق پڑتا تھا۔ یہ خاندان نجیب بھی سادات کرام کا عجیب خاندان تھا۔ ان کے اخلاق کریمہ یہ کہوا لیتے تھے کہ ان کی رگوں میں خونِ سرکارِ رسالت ہے اور سارا خاندان حسین و جمیل خوب صورت اور خوب سیرت تھا۔ مولانا رضا علی خاں صاحب کے بعد مولانا نقی علی خان بھی اسی خاندان سے وابستہ رہے۔ ہر تقریب میں ہر دعوت میں وہ اپنے یہاں سادات کرام کو ضرور شریک کرتے تھے۔ اور ان کا اعزازی حصہ سب سے دوگنا ہوتا تھا، اعلیٰ حضرت اگر کبھی ناخوش ہوتے تو کھانا یا حقہ یا پان چھوڑ دیتے تھے جس سے انہیں سخت تکلیف ہوتی تھی کبھی مجاہدہ ہو ہی جاتا تھا۔ پہلے تو خاندان والے اور احباب اس غصہ کے فرد کرنے کی کوشش کرتے۔ اگر وہ اس مجاہدہ کو ختم نہ کرا سکے تو سید صاحبان سے عرض کیا جاتا تھا۔ اعلیٰ حضرت کو سید صاحب کے حکم کی تکمیل کرنا پڑتی تھی۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے ایک بار کھانا چھوڑا اور صرف ناشتہ پر

قناعت کی۔ اس میں بھی کوئی اضافہ منظور نہ فرمایا۔ سارے خاندان اور ان کے احباب کی کوشش رائگاں گئی۔ سید مقبول صاحب کی خدمت میں نو محلہ حاضر ہوئے عرض کیا: آج دو مہینے ہونے کو آئے کہ اعلیٰ حضرت نے کھانا چھوڑ دیا ہے، ہم سب کوشش کر کے تھک گئے ہیں، آپ ہی انھیں مجبور کر سکتے ہیں، اس پر انھوں نے فرمایا کہ ہماری زندگی میں انھیں یہ ہمت ہوگئی ہے کہ وہ کھانا چھوڑ بیٹھے ہیں۔ ابھی کھانا تیار کراتا ہوں اور لے کر آتا ہوں، حسب وعدہ سید مقبول صاحب ایک نعمت خانہ میں کھانا لے کر خود تشریف لائے، اعلیٰ حضرت قبلہ زنانے مکان میں تھے۔ سید صاحب کی اطلاع پاتے ہی باہر آگئے، سید صاحب سے قدم بوس ہوئے۔ اب بات چیت شروع ہوئی۔ سید صاحب نے فرمایا: میں نے سنا ہے کہ آپ نے کھانا چھوڑ دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے عرض کیا کہ میں تو روز کھاتا ہوں۔ سید صاحب نے فرمایا: مجھے معلوم ہے جیسا آپ کھاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے عرض کیا کہ حضور میرے معاملات میں اب تک کوئی فرق نہیں پڑا ہے۔ میں اپنا سب کام بدستور کر رہا ہوں، مجھے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ تو سید صاحب قبلہ برہم ہوگئے اور کھڑے ہو کر فرمانے لگے اچھا تو میں کھانا لیے جاتا ہوں کل میدان قیامت میں سرکار دوجہاں کا دامن پکڑ کر عرض کروں گا کہ ایک سیدانی نے بڑے شوق سے کھانا پکایا اور سید لے کر آیا مگر آپ کے احمد رضا خاں نے کسی طرح نہ کھایا۔ اس پر اعلیٰ حضرت کانپ گئے، عرض کیا کہ میں تکمیل حکم کے لیے حاضر ہوں۔ ابھی کھائے لیتا ہوں۔ سید صاحب قبلہ نے فرمایا کہ اب تو کھانا تم جب ہی کھا سکتے ہوں جب یہ وعدہ کرو کہ اب عمر بھر کھانا نہ چھوڑو گے۔ چناں چہ اعلیٰ حضرت قبلہ نے عمر بھر کھانا نہ چھوڑنے کا وعدہ کیا تو سید صاحب قبلہ نے اپنے سامنے انھیں کھلایا اور خوش خوش تشریف لے گئے۔ اعلیٰ حضرت کے لیے سادات کرام کا جائز حکم آخری ہوتا تھا۔ سادات کرام کے حکم کے بعد اعلیٰ حضرت کو سوائے تکمیل حکم کے کوئی چارۂ کار ہی نہ ہوتا تھا۔ ہم نے ان کے والد ماجد کا دور تو نہ دیکھا مگر یہ دیکھا کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے بعد اعلیٰ حضرت کے یہاں سادات کرام ہی کا حکم نافذ ہو سکتا تھا۔ یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ سرکار دوعالم کی آخری وصیت انی تارك فيكم الثقلين: كتاب الله و عترتی۔ (ترجمہ) میں تم میں دو بھاری امانتیں چھوڑتا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور اپنی اولاد اس پر پورا پورا عمل کر کے اس دور میں اعلیٰ حضرت قبلہ ہی نے دکھایا۔ (سیرت اعلیٰ حضرت، ص:۹۵-۹۷)

ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: میرے قیام بریلی شریف کے زمانہ میں ایک سید صاحب تشریف لائے اور زنانہ دروازہ کے قریب جا کر آواز دی، دلواؤ سید کو، اعلیٰ حضرت قبلہ نے اپنی آمدنی سے اخراجات دینیہ کے لیے دو سو روپے ماہ وار مقرر فرمایا تھا، اس مہینے کے روپے اسی دن حضرت منجھلے

میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حاضر کیے تھے جن میں دس کے نوٹ پانچ کے نوٹ، روپے، اٹھنیاں، چونیاں، دونیاں، پیسے سب تھے، اس زمانے میں ایک روپے کا نوٹ نہ چلا تھا، نہ اکنی کا رواج ہوا تھا، اعلیٰ حضرت نے سید صاحب کی آواز سنتے ہی آفس بکس کا وہ حصہ جس میں یہ رقمیں تھیں لے کر باہر تشریف لائے اور ان سید صاحب کی خدمت میں پیش کر کے فرمایا: حضور! حاضر ہیں، سید صاحب اس رقم کو دیر تک دیکھتے رہے، جو ایک ایک خانہ میں ایک ایک رقم علاحدہ علاحدہ رکھی ہوئی تھی، اس کے بعد چونی کے خانے میں سے ایک چونی اٹھالی اور فرمایا: بس آپ لے جائیے، اس وقت اعلیٰ حضرت نے اپنے خادم سے فرمایا: جب سید صاحب کو دیکھو ایک چونی نذر کر دیا کرو، ان کو مانگنے کی ضرورت نہ پڑے۔

حضرت حسن میاں صاحب (بریلوی) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب نعتیہ شعر کہا ہے یہ اسی کا اتباع ہے:

کیوں اپنی گلی میں وہ روادار صدا ہو   جو بھیک لیے راہِ گدا دیکھ رہا ہو

وہ سید صاحب بھی واقعی سید تھے اور وقت ضرورت بقدر ضرورت ہی سوال کرتے تھے، ورنہ اگر وہ چاہتے تو دس بیس روپے کے نوٹ اٹھا لیتے، بلکہ اعلیٰ حضرت نے میرے دریافت کرنے پر فرمایا: اس وقت اگر سید صاحب پورے دو سو روپے لے لیتے تو مجھے اصلاً عذر نہ ہوتا میں تو اسی غرض سے لایا ہی تھا، میں نے وہ رقم ایک سائل کے سامنے نہیں پیش کی تھی، بلکہ اولاد رسول کی خدمت میں حاضر لایا تھا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۵۴، قدیم نسخہ)

ایثار:

اعلیٰ حضرت کے والد ماجد علامہ نقی علی خاں علیہ الرحمہ کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں، چھوٹی بیٹی کا انتقال باپ کی زندگی ہی میں ہو گیا اب دو صاحب زادیاں اور تین صاحب زادے بچے، صاحب زادوں کی تفصیل یہ ہے:

(۱) امام احمد رضا خاں (۲) مولانا حسن رضا خاں (۳) مولانا محمد رضا خاں۔

اخیر زندگی میں آپ نے اپنی جائداد کی تقسیم کی تو اعلیٰ حضرت کو سب سے زیادہ دیا، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ تمام وارثین کے درمیان برابری کا معاملہ ہو، لیکن شریعت کی طرف سے اتنی اجازت ہے کہ اگر کسی کے اندر فضل و کمال ہو یا اور کوئی ترجیحی وجہ ہو تو باپ اسے زیادہ دے سکتا ہے، اب تقسیم کی روداد، مولانا حسنین رضا بریلوی علیہ الرحمہ کی زبانی سنیے:

اعلیٰ حضرت قبلہ کے والد ماجد نے اپنے دوران علالت علاقے کی تقسیم کا دفعتًا ارادہ کر لیا اور دو موضعوں کی حقیت اپنی دونوں بیٹیوں کو دے کر باقی مسلم مواضعات اعلیٰ حضرت قبلہ کو لکھے اور پچاس پچاس

روپے ماہوار ان کے دونوں بھائیوں کو ان مواضعات کی آمدنی سے دینا لکھے۔ وہ دونوں بھائی مولوی حسن رضا خاں اور مولوی محمد رضا خاں اعلیٰ حضرت قبلہ سے چھوٹے تھے۔ عم مکرم مولوی محمد رضا خاں تو بہت کم عمر تھے۔ ان دونوں میں اتنی بڑی جائداد کی تقسیم کے معاملے کو سمجھنے کا شعور بھی نہ ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے اس وقت ان دونوں کی وکالت فرمائی، مذکورہ بالا مسودہ جب ان کے والد ماجد نے ان کی والدہ مرحومہ کو دیا کہ وہ امن میاں (اعلیٰ حضرت قبلہ) کو دکھالیں تو میں اسے رجسٹری کرادوں۔ والدہ صاحبہ نے وہ مسودہ اعلیٰ حضرت کو دیا، آپ نے دیکھا دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور چہرہ تمتمانے لگا اور فرمایا کہ اس مسودہ کی دونوں باتیں مجھے نامنظور ہیں۔ نہ مجھے اپنے بھائیوں کے حصوں کی کمی منظور ہے اور نہ میں ان کو اپنا دست نگر بنانا پسند کرتا ہوں۔ میری خوشی یہ ہے کہ برابر کے تین حصے کر دیے جائیں اور ہر ایک کا حصہ اس کے نام لکھ دیا جائے جس کا ہے۔ اور اس مسودہ کو غالباً چاک کر دیا۔ اعلیٰ حضرت کی والدہ ماجدہ نے ان کا یہ جواب ان کے پدر بزرگوار کو پہنچا دیا۔ تو اعلیٰ حضرت کے والد ماجد نے ان کی والدہ محترمہ سے فرمایا: یہ میں جانتا ہوں کہ اس دنیا میں امن میاں دین ہی کی خدمت کریں گے اور ان کے یہ دونوں بھائی کچھ دنیا کما کر ان پچاس پچاس روپے میں اضافہ کر لیا کریں گے، جو ان کے گزارے کے لیے کافی ہوگا، جب اعلیٰ حضرت قبلہ کسی طرح راضی نہ ہوئے تو ان کے والد ماجد نے دوسرا مسودہ لکھا، اس میں کل کی آدھی جائداد اعلیٰ حضرت قبلہ کو لکھی اور بقیہ آدھی جائداد میں ان دونوں بیٹوں کو شریک کر دیا، اور یہ مسودہ بھی اعلیٰ حضرت قبلہ کی والدہ ماجدہ کو دیا کہ امن میاں کو دکھاؤ اور ان سے کہہ دو کہ اب اس میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی، میں تم کو بحق پدری حکم دیتا ہوں کہ تم اسے مان لو تو جلد ہی رجسٹری ہو جائے، چناں چہ وہ مسودہ رجسٹری ہو گیا، اور چند ہی روز بعد حضرت مولانا نقی خاں والد ماجد اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے وفات پائی۔ فانا للہ و انا الیہ راجعون۔ (سیرت اعلیٰ حضرت، ص:۱۰۴-۱۰۵)

اس تقسیم کا نفاذ چوں کہ حق پدری کے حکم سے ہوا تھا اس لیے اعلیٰ حضرت کو بادل ناخواستہ ماننا پڑا، مگر اس کے بعد انھوں نے کیا کیا دیکھیے ذیل کی عبارت:

ان کی وفات کے بعد اعلیٰ حضرت نے اپنی والدہ ماجدہ کو اس بات پر راضی کیا کہ آپ گھر کا نظم اس طرح کریں کہ زیادہ روپیہ پس انداز ہو اور بچت کے روپے سے دوسری جائداد خرید کر میرے دونوں بھائیوں کی جائداد میری جائداد کے برابر کریں، اس جائداد کے ملحقہ حصے مولانا نقی خاں صاحب کے چچازاد بھائیوں کے پاس تھے، وہ چار بھائی تھے، خرچ زیادہ اور آمدنی کم تھی، انھوں نے مقدمہ بازی شروع کر دی جس میں وہ ہارتے رہے، انھیں مقدمہ بازی کے دور میں اپنی جائداد کے حصص فروخت کرنا پڑے اور وہ حصص اعلیٰ حضرت کی والدہ ماجدہ نے

خریدنا شروع کر دیے، جب سے مقدمہ بازی بند ہوئی تو خریداری بھی بند ہوگئی اور یہ بھی ہوا کہ اعلیٰ حضرت اور ان کے بھائیوں کی اولادیں بڑھیں، رہائشی مکان ناکافی ہوگیا تو مکانات آپس میں تقسیم کر کے تینوں بھائی علاحدہ علاحدہ اپنے مکانوں میں منتقل ہوگئے، اب خرچ بہت بڑھ گیا، اس وجہ سے بھی جائداد کی خریداری روکنا پڑی، ادھر ان کے بھائیوں نے بھی دیکھا کہ اس جُزرسی کی وجہ سے اعلیٰ حضرت ہی کے اخراجات میں تنگی ہوجاتی ہے انھوں نے بھی اس اسکیم کو بند کرادیا، اس ترکیب سے کافی جائداد خرید کے ان کے دونوں بھائیوں کے نام کی گئی، مگر پھر بھی ان بھائیوں کی آمدنی انفرادی طور پر اعلیٰ حضرت قبلہ کی آمدنی سے کچھ کم ہی رہی، ہمیں تو اعلیٰ حضرت کی ذات پر بڑا فخر ہے کہ انھوں نے میرے باپ اور چچا کو زمین دار بنایا، ورنہ یہ دونوں پچاس پچاس روپے ماہوار پاتے اور عمر بھر دنیا کی کش مکش میں پڑے رہتے، مگر اعلیٰ حضرت کے اخراجات دیکھتے ہوئے میرے نزدیک علاقے کی پہلی تقسیم زیادہ مناسب تھی، ایثار کی ایسی کوئی مثال اس دور میں میری نظر سے نہ گزری، اعلیٰ حضرت قدس سرہ اگر تارک الدنیا (اگرچہ وہ اسے پسند نہ فرماتے تھے) ہوکر ساری جائداد بھائیوں کو دے دیتے تو کوئی کمال نہ تھا، مگر دنیا میں رہ کر دنیا پر اتنی زبردست ٹھوکر جمانا انھیں کا دل گردہ تھا، یہ ایثار اس عمر میں کیا جس عمر میں ہر آدمی امیدوں، آرزؤں، ارمانوں، امنگوں کی رو میں بہتا ہے، اس عمر میں اسے بڑا لالچ ہوتا ہے، اور تحصیل زر کے سلسلے میں حلال و حرام کا امتیاز بھی نہیں کیا جاتا۔ (سیرت اعلیٰ حضرت، ص ۱۰۵-۱۰۶)

روزے کی پابندی:

حضرت علامہ حسنین رضا خاں بن علامہ حسن رضا بریلوی لکھتے ہیں:

روزے کی قضا کے بارے میں نہ ان (امام احمد رضا) کے کسی بڑے کی زبانی سنا، نہ کسی برابر والے نے بتایا، نہ ہم چھوٹوں نے کبھی ماہ مبارک کا کوئی روزہ قضا کرتے دیکھا بعض مرتبہ ماہ مبارک میں بھی علالت ہوئی مگر اعلیٰ حضرت نے روزہ نہ چھوڑا، اگر کسی نے بہ اصرار عرض بھی کیا کہ ایسی حالت میں روزے سے کمزوری اور بڑھے گی تو ارشاد فرمایا کہ مریض ہوں تو علاج نہ کروں؟ لوگ تعجب سے کہتے تھے کہ روزہ بھی کوئی علاج ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اکسیر علاج ہے میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بتایا ہوا اکسیر ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: صوموا تصحوا۔ روزہ رکھو تندرست ہو جاؤ گے۔ (سیرت اعلیٰ حضرت، ص:۹۳)

مسجد کی حاضری:

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کے اتنے پابند تھے کہ تکلیف اور پریشانی میں بھی وہ گھر میں فرض نماز پڑھنا پسند نہ کرتے تھے، مسجد کی حاضری کی اہمیت اور اس کا ثواب ان کے سامنے

تھا، حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: مرد کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ، گھر میں اور بازار میں پڑھنے سے پچیس درجے زائد ہے، اور یہ یوں کہ جب اچھی طرح وضو کرکے مسجد کے لیے نکلا تو جو قدم چلتا ہے اس سے پچیس درجہ بلند ہوتا ہے اور گناہ مٹتا ہے اور جب نماز پڑھتا ہے تو ملائکہ برابر اس پر درود بھیجتے ہیں جب تک اپنے مصلے پر ہے اور ہمیشہ نماز میں ہے جب تک نماز کا انتظار کر رہا ہے۔ (رواہ البخاری ومسلم وغیرہ)

ایک دوسری حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: تکلیف میں پورا وضو کرنا اور مسجد کی طرف چلنا اور ایک نماز کے بعد دوسری کا انتظار کرنا گناہوں کو اچھی طرح دھو دیتا ہے۔ (رواہ البزار وابویعلیٰ) [بہار شریعت، ج:۳، ص:۱۴۷-۱۴۸]

ان احادیث کی روشنی میں اب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا یہ عمل ملاحظہ فرمائیے:

اعلیٰ حضرت قبلہ کا ایک سال پاؤں کا انگوٹھا پک گیا، اور اس میں ان کے خاص جراح جو شہر میں سب سے ہوشیار جراح تھے جن کو بعض سول سرجن بھی خطرناک آپریشن میں شریک کرتے تھے، مولا بخش مرحوم، انھوں نے ان کا آپریشن کر دیا پٹی باندھنے کے بعد انھوں نے عرض کیا کہ حضور اگر حرکت نہ کریں گے تو یہ زخم دس بارہ روز میں خشک ہو سکے گا ورنہ زیادہ وقت لگے گا، وہ یہ کہہ کر چلے گئے۔ یہاں یہ ممکن نہ تھا کہ مسجد کی حاضری اور جماعت میں پابندی ترک کر دی جائے۔ یہ صبح کا وقت تھا۔ جب ظہر کا وقت آیا آپ نے وضو کیا اور کھڑے نہ ہو سکتے تھے تو بیٹھ کر پھاٹک تک آ گئے، وہیں سے لوگوں نے کرسی پر بٹھا کر مسجد تک پہنچا دیا۔ اور اس وقت اہل محلہ خاندان وغیرہ نے یہ طے کیا کہ علاوہ مغرب کے ہر اذان کے بعد ہم سب میں سے چار مضبوط آدمی کرسی لے کر زنان خانہ میں حاضر ہو جایا کریں گے، اور پلنگ ہی پر سے کرسی پر بٹھا کر مسجد کی محراب کے قریب بٹھا دیا کریں گے، اور مغرب کی نماز کے وقت اندازے سے حاضر ہو جایا کریں۔ یہ سلسلہ تقریباً ایک ماہ تک بڑی پابندی سے چلتا رہا، جب زخم اچھا ہو گیا اور آپ خود چلنے کے قابل ہو گئے تو یہ سلسلہ ختم ہوا نماز تو نماز ہے ان کی جماعت کا ترک بھی بلا عذر شرعی کسی صاحب کو یاد نہ ہو گا، ان کے بزرگوں اور ہم عمروں کے بیان سے معلوم ہوا ہے کہ وہ ابتدا سے نماز با جماعت کے سخت پابند رہے، گویا قبل بلوغ ہی وہ اصحاب ترتیب کے زمرے میں داخل ہو چکے تھے اور وقت وفات تک صاحب ترتیب ہی رہے، جمعۃ الوفات ہی ایسا جمعہ ہوا جس کو مسجد میں ادا نہ کر سکے۔ (سیرت اعلیٰ حضرت، ص:۹۳-۹۴)

طریقۂ اصلاح:

علامہ حسنین رضا خاں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ محب اللہ خاں صاحب مرحوم (جو

بڑے غریب تھے بڑے اکھڑ پٹھان تھے) بڑے نمازی تھے، سوداگری محلہ میں رہتے تھے، وہ کبھی اعلیٰ حضرت قبلہ کی ملازمت کرتے تھے اور کبھی وہاں سے ناراض ہو کر حلوائی کا خوانچہ لگا لیتے تھے، یوں ان کی گزر اوقات تھی، وہ ایک مرتبہ ظہر کی نماز پڑھنے مسجد میں داخل ہوئے اور انھوں نے سنتوں کی نیت کی، اعلیٰ حضرت قدس سرہ اس وقت وظیفہ پڑھ رہے تھے، وہ اپنے وظیفے میں دوسرے نمازیوں کی نگرانی فرماتے تھے کہ وہ کس طرح نماز ادا کر رہے ہیں۔

محب اللہ خاں صاحب کو اعلیٰ حضرت قبلہ نے دیکھا کہ وہ رکوع میں اوپر کو سر اٹھائے ہوئے جانب قبلہ دیکھتے رہتے ہیں، جب انھوں نے سلام پھیرا تو اعلیٰ حضرت قبلہ نے اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ رکوع میں آپ سر اٹھائے آگے کو کیوں دیکھتے ہیں، وہ بولے تو کیا میں رکوع میں کعبہ سے منہ پھیر لوں، اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ سجدہ آپ کیا ٹھوڑی پر کرتے ہیں؟ اس واسطے کہ پیشانی زمین پر رکھنے سے کعبہ سے منہ پھر جاتا ہے، اس پر وہ سناٹے میں رہ گئے، مگر اس نماز کے بعد انھوں نے رکوع میں حسب ہدایت پاؤں کی انگلیوں پر نظر رکھی، منہ اٹھا کر سامنے کی طرف نہ دیکھا۔

یہ مسئلہ اگر انھیں مسئلہ کے طور پر سمجھایا جاتا تو وہ نہ سمجھ سکتے تھے اور اپنے بنائے ہوئے اصول کو ہرگز نہ چھوڑتے، مگر اعلیٰ حضرت کے اس معارضہ نے ان کے خود ساختہ اصول کو درہم برہم کر دیا، اور اس معاملے میں ان کے دماغ کی کایا پلٹ دی۔ (سیرت اعلیٰ حضرت، ص:۱۰۸)

مساوات اسلامی:

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک صاحب جن کا نام مجھے یاد نہیں، حضور کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور اعلیٰ حضرت بھی کبھی کبھی ان کے یہاں تشریف لے جایا کرتے تھے، ایک مرتبہ حضور ان کے یہاں تشریف فرما تھے اور ان کے محلے کا ایک بے چارہ غریب مسلمان ٹوٹی ہوئی پرانی چارپائی پر جو صحن کے کنارے پر پڑی تھی جھجکتے ہوئے بیٹھا تھا کہ خان صاحب نے نہایت کڑے تیوروں سے اس کی طرف دیکھنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ ندامت سے سر جھکائے اٹھ کر چلا گیا، حضور کو صاحب خانہ کی اس مغرورانہ روش سے سخت تکلیف پہنچی مگر کچھ فرمایا نہیں، کچھ دنوں کے بعد وہ حضور کے یہاں آئے حضور نے اپنی چارپائی پر جگہ دی وہ بیٹھے ہی تھے کہ اتنے میں کریم بخش حجام حضور کا خط بنانے کے لیے آئے وہ اس فکر میں تھے کہ کہاں بیٹھوں حضور نے فرمایا کہ بھائی کریم بخش کیوں کھڑے ہو، مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ان صاحب کے برابر بیٹھنے کا اشارہ فرمایا، وہ بیٹھ گئے، پھر تو ان صاحب کے

غصہ کی یہ کیفیت تھی کہ جیسے سانپ پھنکاریں مارتا ہے اور فوراً اٹھ کر چلے گئے، پھر کبھی نہ آئے، خلاف معمول جب عرصہ گزر گیا تو حضور نے فرمایا: اب فلاں صاحب تشریف نہیں لاتے ہیں، پھر خود ہی فرمایا: میں ایسے متکبر مغرور شخص سے ملنا بھی نہیں چاہتا۔

تعظیم و توقیر اکابر:

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت جس طرح اشداء علی الکفار کے مصداق تھے،اسی طرح رحماء بینھم کی بھی زندہ تصویر تھے، علمائے اہل سنت کی عزت و قدر ایسی کرتے کہ بایدو شاید، خصوصًا حضرت تاج الفحول محب رسول مولانا شاہ عبد القادر صاحب بدایونی قدس سرہ العزیز کی بہت عزت کرتے تھے۔"قصیدہ آمال الابرار و آلام الاشرار" میں علمائے اہل سنت کی تعریف میں فرمایا ہے:

اذا حلوا تمصرت الابادی

اذا راحوا فصار المصر بید[۲]

یہ علمائے کرام ایسے ہیں جب کسی ویرانے میں اترتے ہیں تو ان کے دم قدم سے وہ پر رونق شہر ہوجاتا ہے اور وہ جب کسی شہر سے روانہ ہوتے ہیں تو شہر ویران ہوجاتا ہے۔

جس زمانہ میں محض برکت کے لیے یہ قصیدہ اعلیٰ حضرت سے پڑھا کرتا تھا (اور نہ عربی اشعار کے زیر زبر دیے ہوئے ہیں ہر شعر کے نیچے اس کا ترجمہ کیا ہوا ہے، خاص خاص باتیں حاشیہ میں چھپی ہوئی ہیں،اس میں پڑھنے کی کیا حاجت) جب اس شعر پر پہنچا، میں نے کہا یہ تو محض مبالغۂ شاعرانہ معلوم ہوتا ہے،اعلیٰ حضرت نے فرمایا: نہیں بلکہ بالکل واقعہ ہے حضرت مولانا عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہی شان تھی کہ جب تشریف لایا کرتے تو شہر کی حالت بدل جایا کرتی، عجیب رونق چہل پہل ہوجایا کرتی اور جب تشریف لے جاتے تو باوجودے کہ سب لوگ موجود رہتے مگر ایک ویرانگی اور اداسی چھاجاتی۔

اس عزت و توقیر کے باوجود بعض بعض مسئلوں میں کچھ اختلاف بھی تھا اور بعض اختلافی مسائل میں گفتگو ہو کر پھر اتفاق بھی ہوجاتا تھا، حضرت مولانا سید شاہ اسماعیل حسن میاں صاحب مارہروی قدس سرہ العزیز کا بیان ہے کہ ایک بار ان دونوں حضرات میں مسئلہ عینیت و غیریت صفات باری تعالیٰ پر بحث ہوئی،

---

(۲) مطبوعہ قصیدے میں یہ شعر اس طرح ہے:

إذا حلّوا تمصرتِ الفيافی وحين ترحّلوا الأمصارُ بِيد (فیضی)

مولانا عبد القادر صاحب فرماتے کہ صوفیہ کے صفات کو عین ذات ماننے اور فلاسفہ کے عین ذات ماننے میں فرق ہے اور مولانا احمد رضا خاں صاحب اس فرق کے ماننے میں اپنا تامل ظاہر فرماتے تھے، آخر یہ ٹھہری کہ سیتا پور چلیے اور وہاں حضور جد امجد سید نا شاہ اچھے میاں صاحب قدس سرہ العزیز کی مولفہ کتاب آئین احمدی کی جلد عقائد میرے کتب خانہ میں ہے اور دیگر کتب صوفیہ بھی موجود ہیں، ان میں فرق کو دیکھ لیجیے، دونوں حضرات تشریف لائے اور اولاً آئین احمدی کی جلد عقائد سے کتاب زبدۃ العقائد مولفہ حضرت سید احمد صاحب کالپوی قدس سرہ جو ہمارے پیران سلسلہ سے ہیں مولانا عبد القادر صاحب نے نکال کر دکھائی، اسے دیکھ کر مولانا احمد رضا خاں صاحب نے فرمایا: میں بغیر دلیل تسلیم کیے لیتا ہوں کہ صوفیہ کے قول عینیت اور فلاسفہ کے قول عینیت میں فرق ہے، اس لیے کہ میرے مرشدان عظام فرماتے ہیں کہ ہم جو صفات کو عین ذات مانتے ہیں وہ اس طرح نہیں جس طرح فلاسفہ مانتے ہیں اگرچہ دلیل سے یہ فرق میرے ذہن میں اب تک نہیں آیا ہے لیکن چوں کہ میرے مرشدان عظام یہ فرماتے ہیں، اس لیے اپنے مرشدان عظام کے ارشاد پر سر تسلیم خم کیے دیتا ہوں۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۴۴-۴۵، قدیم نسخہ)

مولوی محمد ابراہیم صاحب فریدی صدر مدرس شمس العلوم بدایوں کا بیان ہے کہ حضرت مہدی حسن میاں صاحب سجادہ نشین سرکار کلاں مارہرہ شریف نے فرمایا کہ میں جب بریلی آتا تو اعلیٰ حضرت خود کھانا لاتے ہاتھ دھلاتے، حسب دستور ایک بار ہاتھ دھلاتے وقت فرمایا: حضرت شاہ زادہ صاحب انگوٹھی اور چھلے مجھے دے دیجیے تو میں نے اتار کر دے دیے اور وہاں سے ممبئی چلا گیا ممبئی سے مارہرہ واپس آیا تو میری لڑکی فاطمہ نے کہا: ابا! بریلی کے مولانا صاحب کے یہاں سے پارسل آیا تھا جس میں چھلے اور انگوٹھی تھے، (یہ دونوں طلائی تھے) اور والا نامہ میں مذکور تھا "شاہ زادی صاحبہ "یہ دونوں طلائی اشیا آپ کی ہیں" یہ تھا اعلیٰ حضرت کا امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ اور ساتھ ساتھ اکابر و مشائخ کی تعظیم و توقیر۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۴۵، قدیم نسخہ)

اخلاق کریمانہ:

حضرت ملک العلما لکھتے ہیں: ایک خط گالیوں سے بھرا ہوا کسی صاحب کا آیا میں نے چند سطریں پڑھ کر اس کو علاحدہ رکھ دیا اور عرض کیا کہ کسی وہابی نے اپنی شرارت کا ثبوت دیا ہے، ایک مرید صاحب نے جو نئے نئے حلقۂ ارادت میں آئے تھے، اس خط کو اٹھا لیا اور پڑھنے لگے، اتفاق وقت کی کہ بھیجنے والے کا جو نام اور پتا لکھا واقعی یا فرضی وہ ان صاحب کے اطراف کے تھے، اس لیے ان کو اور بھی بہت زیادہ رنج ہوا، اس وقت تو خاموش رہے، لیکن جب اعلیٰ حضرت مغرب کی نماز کے بعد مکان تشریف لے جانے لگے حضرت

کو روک کر کہا اس وقت جو خط میں نے پڑھا جسے مولانا ظفر الدین صاحب نے ذرا سا پڑھ کر چھوڑ دیا تھا کسی بدتمیز نے نہایت ہی کمینہ پن کو راہ دی ہے، اس میں گالیاں لکھ کر بھیجی ہیں، میری رائے ہے کہ ان پر مقدمہ کیا جائے ایسے لوگوں کو قرار واقعی سزا دلوائی جائے تاکہ دوسروں کے لیے ذریعۂ عبرت و نصیحت ہو ورنہ دوسروں کو بھی ایسی جرأت ہوگی، اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ تشریف رکھیے، اندر تشریف لے گئے اور دس پندرہ خطوط دست مبارک میں لیے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا کہ ان کو پڑھیے ہم لوگ متحیر تھے کہ کس قسم کے خطوط ہیں خیال ہوا کہ شاید اسی قسم کے گالی نامے ہوں گے جن کے پڑھوانے سے یہ مقصود ہوگا کہ اس قسم کے خط آج کوئی نئی بات نہیں بلکہ زمانہ سے آرہے ہیں، میں اس کا عادی ہوں لیکن خط پڑھتے جاتے تھے اور ان صاحب کا چہرہ خوشی سے دمکتا جاتا تھا آخر جب سب خط پڑھ چکے تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا: پہلے ان تعریف کرنے والوں بلکہ تعریف کا پل باندھنے والوں کو انعام و اکرام، جاگیر و عطیات سے مالامال کر دیجیے پھر گالی دینے والوں کو سزا دلوانے کی فکر کیجیے گا، انھوں نے اپنی مجبوری و معذوری ظاہر کی اور کہا کہ جی تو یہی چاہتا ہے کہ ان سب کو اتنا انعام و اکرام دیا جائے کہ نہ صرف ان کو بلکہ ان کے پشتہا پشت کو کافی ہو؛ مگر میری وسعت سے باہر ہے، فرمایا: جب آپ مخلص کو نفع نہیں پہنچا سکتے تو مخالف کو نقصان بھی نہ پہنچائیے ”کل امرءٍ بما کسب رھین“۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۶۹-۷۰، قدیم نسخہ)

یہ واقعہ پیش کرنے کے بعد حضرت ملک العلما رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس پر یوں تبصرہ کرتے ہیں: ایک زمانہ میں میرا خیال تھا کہ اس قسم کے گالی نامے جاہل عوام بدتمیز لوگ لکھا کرتے ہیں کیوں کہ بے چارے علم سے کورے ہیں، جب سنتے ہیں کہ ہمارے پیر کا فلاں صاحب نے رد کیا ہے ان کے رسائل و مسائل کا جواب لکھا ہے تو ہوش میں نہیں رہتے، جامہ سے باہر ہو جاتے ہیں، چوں کہ علمی سرمایہ سے بے بہرہ ہیں اس لیے وہ نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں کہ بات کیا ہے، کون حق پر ہے، کس کی زیادتی ہے، ان کے پاس علمی سرمایہ تو ہے نہیں جو علمی باتوں کا جواب دے سکیں، اس لیے بے چارے جو پونجی رکھتے ہیں وہی پیش کرتے ہیں اور گالیوں میں ماں بہن کی مغلظات تک دینے سے باز نہیں آتے، لیکن مولوی رشید احمد گنگوہی کا انتقال ہوا اور ان کے معتقد خاص مولوی عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نے ایک کتاب دو حصوں میں بنام ”تذکرۃ الرشید“ چھاپی۔ اس کتاب میں کیا ہونا چاہیے موضوع کتاب تو نام ہی سے ظاہر ہے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی کے حالات اس کتاب میں ہوں مگر ہے کیا؟ مولوی صاحب کے حالات تو چند ورقوں سے زائد نہیں، لیکن ان کے دادا پیر، اپنے ہم خیال لوگوں کی خوبیوں کا طومار اور علمائے اہل سنت و جماعت پر طعن و تشنیع کی بوچھار

ہے اور خصوصاً سنی حضرات میں جنھوں نے تقریراً یا تحریراً گنگوہی صاحب کا رد کیا ہے اور حق کی حمایت کی ہے ان کی توہین وتذلیل میں تو کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا جھوٹے کھوٹے واقعات اور قصے گڑھ کر سنیوں کی دل آزاری کی اور اپنے اوصاف باطنی کا جلوہ دکھایا ہے، اس وقت معلوم ہوا کہ یہ گالی نامے جاہلوں کے کام نہ تھے بلکہ ''اس حمام میں سب ننگے'' کا مضمون ہے ان کے یہاں کے پڑھے لکھے عوام کے کان کترتے ہیں۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۷۰، قدیم نسخہ)

اتباع شرع وتقویٰ:

حضرت سید ناشاہ اسماعیل حسن میاں صاحب نے فرمایا کہ ایک بار میں اور حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب بدایونی اور حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی خیر آباد گئے، مولانا عبد القادر صاحب نے مولوی عبد الحق صاحب خیر آبادی سے ملنے کے لیے جانے کا ارادہ کیا حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب نے یہ کہہ کر ہم راہ جانے سے عذر کیا کہ مولوی عبد الحق صاحب خیر آبادی کے متعلق مسموع ہوا ہے کہ وہ فقہاے کرام وعلماے اعلام کے خلافِ شان غیر مناسب کلمات کہا کرتے ہیں مجھ سے اس کی برداشت نہ ہوگی، اور مجلس میں بے لطفی پیدا ہو جائے گی، آپ وہاں تشریف لے جائیں اور میں مولانا حسین بخش صاحب سے ملنے جاتا ہوں۔ یہ مولانا حسین بخش خیر آباد میں فقیہ تھے اور حضرت چھوٹے مخدوم صاحب حضرت مخدوم اللہ دیا خیر آبادی قدس سرہ کی اولاد امجاد میں تھے۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۷۶، قدیم نسخہ)

ایک بار مولانا فضل رسول صاحب کے عرس کے زمانہ میں مجھے معلوم ہوا کہ مولوی غلام قطب الدین برہمچاری صاحب آئے ہوئے ہیں اور بعد نماز جمعہ مسجد بدایوں میں وعظ فرمائیں گے، ان کے بیان کا شہرہ سن کر مجھے بھی اشتیاق ہوا، میں نے مولانا عبد القادر صاحب سے کہا کہ ہم اور آپ نماز جمعہ جامع مسجد میں چل کر پڑھیں، وہاں بیان بھی سنیں گے، مولانا عبد القادر صاحب اور میں جامع مسجد جانے لگے تو مولانا احمد رضا خان صاحب نے مولانا بدایونی سے اجازت طلب کی کہ درگاہ شریف ہی میں جمعہ قائم کرلیں اس لیے کہ امام جامع مسجد کی نسبت کچھ قراءت وغیرہ ضروریات نماز میں نقصان وقصور مسموع ہوا۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۷۷، قدیم نسخہ)

ایک مرتبہ تین چار فوجی آدمی عقیدۃً خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے حضور نے نیچی نظر کرلی اور انھوں نے کچھ عرض کیا حضور نے بغیر نظر اٹھائے انھیں جواب دیا چوں کہ ہم خدام حضور سے سنے ہوئے تھے کہ ناف سے زانوؤں تک مرد کا جسم عورت ہے اور اس کا چھپانا واجب اور

یہ لوگ نیکر پہنے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے زانو کھلے ہوئے تھے فوراً ایک کپڑا لے کر سب کے زانو ڈھک دیے اس کے بعد حضور نے نظر اٹھا کر کلام فرمایا۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ص:۱۷۹، قدیم نسخہ)

احترام مسجد:

نماز جمعہ کے لیے جس وقت تشریف لاتے فرش مسجد پر قدم رکھتے ہی حاضرین سے تقدیم سلام فرماتے اور اسی پر بس نہیں بلکہ جس درجہ میں ورود مسعود ہوتا تقدیم سلام ہوتی جاتی اس کی بھی آنکھیں شاہد ہیں کہ مسجد کے ہر درجہ میں وسطی در سے داخل ہوا کرتے اگر چہ آس پاس کے درون سے داخل ہونے میں سہولت ہی کیوں نہ ہو نیز بعض اوقات اورادو وظائف مسجد شریف ہی میں بحالت خرام شمالاً و جنوباً پڑھا کرتے مگر منتہائے فرش مسجد سے واپسی ہمیشہ قبلہ رو ہر کر ہی ہوئی کبھی پشت کرتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۷۹، قدیم نسخہ)

ایک مرتبہ حضور بحالت اعتکاف اپنی مسجد میں مقیم تھے، شب کا وقت، جاڑے کا زمانہ اور اس وقت دیر سے شدید بارش مسلسل ہو رہی تھی حضور کو نماز عشا کے لیے وضو کرنے کی فکر ہوئی کہ پانی تو موجود مگر بارش میں کس جگہ بیٹھ کر وضو کیا جائے بالآخر مسجد کے اندر لحاف گدے کی چادر تہ کر کے اس پر وضو کیا اور ایک قطرہ فرش مسجد پر نہ گرنے دیا، اور پوری رات جاڑوں کی اور اس پر بادوباراں کا طوفان یوں ہی جاگ کر ٹھٹھر ٹھٹھر کر کاٹ دی۔ جزاہ اللہ عن الإسلام خیر الجزاء۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۷۹، قدیم نسخہ)

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک روز فریضۂ فجر ادا کرنے کے لیے خلاف معمول کسی قدر حضور کو دیر ہوگئی، نمازیوں کی نگاہیں بار بار کاشانۂ اقدس کی طرف اٹھ رہی تھیں کہ عین انتظار میں جلد جلد تشریف لائے اس وقت برادرم قناعت علی نے اپنا یہ خیال مجھ سے کہا کہ اس تنگ وقت میں دیکھنا یہ ہے کہ حضور سیدھا قدم مسجد میں پہلے رکھتے ہیں یا بایاں مگر قربان اس ذات کریم کے کہ دروازہ مسجد کے زینہ پر جس وقت قدم مبارک پہنچتا ہے، تو سیدھا تو سیعی فرش مسجد پر قدم پہنچتا ہے تو سیدھا قدیمی فرش مسجد پر قدم پہنچتا ہے تو سیدھا آگے صحن مسجد میں ایک صف بچھی تھی اس پر قدم پہنچتا ہے تو سیدھا اور اسی پر بس نہیں صف پر تقدیم سیدھے ہی قدم سے فرمائی یہاں تک کہ محراب میں مصلیٰ پر قدم پاک سیدھا ہی پہنچتا ہے۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ص:۱۷۷، قدیم نسخہ)

مسجد سے باہر آتے وقت پہلے الٹا قدم نکالنے کا حکم فرمایا گیا ہے، اس لیے حضور اس موقع پر الٹا قدم جوتے کے بالائی حصے پر قائم فرما کر سیدھے پاؤں میں پہلے جوتا پہنتے پھر الٹے میں، بیت الادب میں داخل ہوتے

وقت عصائے مبارک باہر بازو کو کھڑا فرما کر جاتے شاید اس میں دو مصلحت مضمر تھیں ایک تو یہ کہ دوسرا شخص آنے نہ پائے، دوسرے عصائے مبارک مسجد میں ساتھ رہتا تھا بلکہ اس کے سہارے سے قیام میں قیام فرماتے اسی لیے احتیاط ملحوظ رکھتے۔ الحمد للہ۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ص:۱۷۸، قدیم نسخہ)

خلاف شرع کام سے بیزاری:

نبیرۂ محدث سورتی مولانا قاری احمد صاحب کا بیان ہے کہ مدرستہ الحدیث پیلی بھیت کے سالانہ جلسہ میں اعلیٰ حضرت قبلہ پیلی بھیت تشریف لائے، ایک روز صبح کو حضرت محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہم راہ پیلی بھیت کے مشہور بزرگ شاہ جی محمد شیر میاں علیہ الرحمۃ سے ملنے تشریف لے گئے، وہاں پہنچ کر دیکھا کہ شاہ صاحب بے حجابانہ عورتوں کو بیعت کر رہے ہیں، اعلیٰ حضرت بمقتضائے کمال غیرت علی احکام الشرع بغیر ملے ہوئے واپس تشریف لے آئے دوسرا کوئی ہوتا تو بگڑ جاتا لیکن حضرت شاہ جی میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کمال بے نفسی و حق پسندی اس طرح جلوہ گر ہوا کہ شام کو جب اعلیٰ حضرت بریلی تشریف لے جانے لگے تو شاہ جی میاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسٹیشن تک پہنچانے گئے اور صبح کے واقعہ پر اظہار افسوس کر کے فرمایا کہ مولانا اب آئندہ میں عورتوں کو پس پردہ بیٹھا کر ان سے بیعت لیا کروں گا، اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے ان سے مصافحہ اور معانقہ فرمایا، یہ تھے ان حضرات کے مابین ونزعنا مافی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقبلین. کے جلوے- رضی اللہ تعالیٰ عنہما- وللہ الحمد۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۸۰، قدیم نسخہ)

احتیاط فی الدین:

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ نقشہ ماہ مبارک ۱۳۳۵ھ کے اوقات صلاۃ خمسہ فقیر استخراج کرتا ہے اور تکمیل کے بعد بغرض ملاحظہ کاشانۂ اقدس میں بوقت صبح حاضر کرتا ہے جو ۱۰-۱۵ منٹ میں واپس آجاتا ہے، دیکھتا ہوں کہ ہر نماز کے کالم میں ''صحیح'' مرقوم ہے بجز ایک کالم کے کہ اس کے آخر میں لفظ ''خیر'' تحریر فرمایا تھا اور جس تاریخ کے وقت میں خامی تھی اس پر نشان (X) بنا دیا تھا، چناں چہ جانچ کرنے سے وہ نقص دور ہو گیا جو سکنڈ کے ہزارویں حصہ میں تھا، اگرچہ وقت پر اس کا اثر نہ آتا تھا مگر غلطی تو تھی اس لیے بجائے صحیح کے لفظ خیر ارقام فرمایا گیا۔ اللہ اللہ یہ ہیں وہ پاک متبرک و بے مثل محتاط صادق القول نفوس قدسیہ جن کی تحریر منیر اور تقریر دل پذیر کا کوئی جملہ کوئی لفظ کوئی حرف نعوذ باللہ قابل گرفت نہیں۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۸۱، قدیم نسخہ)

شعبان المعظم کا اخیر ہفتہ ہے نقشہ اوقات صلاۃ خمسہ ماہ مبارک کا تیار ہو چکا ہے حضور بعد عصر اپنی جیبی گھڑی سے جس میں صحیح وقت تھا اس سے ایک اور گھڑی میں کچھ منٹ کم یا بیش کر کے میرے اور برادرم قناعت علی کے حوالہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ شہر سے باہر بلند مقام پر پہنچ کر غروب آفتاب مشاہدہ کرو اور یہ دیکھو کہ بوقت غروب اس گھڑی میں کیا وقت ہوتا ہے، حسب الارشاد ہم دونوں روانہ ہوئے یہ منظر دیکھنے کے لیے ہمارے ساتھ نواب سعید احمد خان صاحب اور نواب وحید احمد خان صاحب قادری رضوی بھی تشریف لے گئے، ہم لوگوں کے پاس ایک گھڑی صحیح وقت کی تار گھر سے ملی ہوئی اور تھی نیز اس روز کا وقت غروب بھی معلوم تھا۔ مختصر یہ کہ بوقت غروب ہم چاروں شخصوں کی آنکھیں شاہد ہیں کہ قرص آفتاب کا باریک کنارہ جھلک دے رہا ہے تو وقت میں بھی سکنڈ باقی ہیں یہاں تک کہ ادھر وقت پورا ہوا ادھر آفتاب نظروں سے اوجھل تھا، یہ کیفیت دیکھ کر حاضرین کی زبان سے بے ساختہ سبحان اللہ سبحان اللہ نکل گیا، اب فکر صرف یہ رہ گئی کہ حضور کی عطا کردہ گھڑی میں جتنے منٹ کا تفاوت ہوا ہے، حضور کے روبرو صحیح ثابت ہو جائے، چناں چہ حاضر ہو کر عرض کیا کہ غروب کے وقت اس گھڑی میں یہ وقت تھا، حضور نے تبسم فرمایا اور فرمایا کہ بحمد اللہ تعالیٰ نقشے کے مطابق غروب ہوا۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۸۱، قدیم نسخہ)

برسات کا موسم تھا، عشا کے وقت ہوا کے تیز جھونکے مسجد کے کڑوے تیل کا چراغ بار بار گل کر دیتے تھے جس کے روشن کرنے میں بارش کی وجہ سے سخت دقت ہوتی تھی اور اس کی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ خارج مسجد دیا سلائی جلانے کا حکم تھا، اس زمانہ میں ناروے کی دیا سلائی استعمال کی جاتی تھی جس کے روشن کرنے میں گندھک کی بدبو نکلتی تھی لہٰذا اس تکلیف کی مدافعت حضور کے خادم خاص حاجی کفایت اللہ صاحب نے یہ کی کہ ایک لالٹین میں معمولی چار شیشے لگوا کر کُپی میں ارنڈی کا تیل ڈالا اور روشن کر کے حضور کے ساتھ ساتھ مسجد کے اندر جا کر رکھ دی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ حضور کی نظر اس پر پڑی اور ارشاد فرمایا: حاجی صاحب آپ نے یہ مسئلہ بارہا سنا ہو گا، کہ مسجد میں بدبودار تیل نہیں جلانا چاہیے، انھوں نے عرض کیا حضور! اس میں ارنڈی کا تیل ہے فرمایا: راہ گیر دیکھ کر کیسے سمجھیں گے کہ اس لالٹین میں ارنڈی کا تیل جل رہا ہے وہ تو یہی کہیں گے کہ دوسروں کو تو فتویٰ دیا جاتا ہے کہ مٹی کا بدبودار تیل مسجد میں نہ جلاؤ اور خود مسجد میں لالٹین جلوا رہے ہیں، ہاں اگر آپ برابر اس کے پاس بیٹھے ہوئے یہ کہتے رہیں کہ اس لالٹین میں ارنڈی کا تیل ہے، اس لالٹین میں ارنڈی کا تیل ہے تو مضائقہ نہیں، چناں چہ حاجی صاحب نے فوراً اس لالٹین کو گل کر کے خارج مسجد کر دیا۔

حضرت ملک العلما کہتے ہیں کہ اگرچہ اس لالٹین میں شرعاً مضائقہ نہ تھا، مگر غایت احتیاط فی الدین کی وجہ سے ایسا فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے: اتقوا مواضع التهم. بچو اعتراض کے مواقع سے یعنی اگرچہ وہ بات درست ہو مگر لوگوں کو خواہ مخواہ طعن وتشنیع کا موقع اس سے ملتا ہو اس سے احتیاط کرو نیز اس میں یہ حکمت تھی کہ عامۂ مخلصین و معتقدین اس لالٹین کو دیکھ کر اپنی غلط فہمی سے اس میں مٹی کا تیل جلتا ہوا سمجھ کر یہ غلط بات باور نہ کرلیں کہ جب اعلیٰ حضرت کی مسجد میں مٹی کا تیل جلایا جاتا ہے تو مسجد میں مٹی کا تیل جلانا جائز ہی ہوگا، اللہ اکبر یہ ہے نشان امامت اہل سنن و غلامی سرکار رسالت کا جلوہ، وللہ الحمد۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۸۲، قدیم نسخہ)

ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت قبلہ کی آنکھیں دکھنے آگئی تھیں، اس زمانہ میں بوقت حاضری مسجد متعدّد بار ایسا اتفاق ہوا کہ کبھی قبل نماز اور کبھی بعد نماز مجھے (سید ایوب علی صاحب کو) پاس بلالیا اور فرمایا سید صاحب دیکھیے تو آنکھ کے حلقہ سے باہر پانی تو نہیں آیا ہے ورنہ وضو کرکے نماز اعادہ کرنا ہوگی۔۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۸۳، قدیم نسخہ)

نماز میں احتیاط:

ایک دن عصر کے وقت تشریف لائے اور نماز پڑھاکر تشریف لے گئے۔ میں مسجد کے اپنے کونے میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں مجھ سے ایک صاحب نے فرمایا: آپ نے ابھی عصر کی نماز نہیں پڑھی، میں نے کہا کہ میں نے حضرت کے پیچھے نماز پڑھ لی۔ انھوں نے کہا کہ حضرت تو اب پڑھ رہے ہیں مجھے اس وجہ سے یقین نہیں آیا کہ بعد عصر نوافل نہیں اور اگر کسی وجہ سے نماز نہیں ہوئی تھی تو حضرت کا ایسا حافظہ نہیں کہ مجھے بھول جاتے اور مطلع نہ فرماتے انھوں نے مجھ سے پھر کہا کہ دیکھ لیجیے وہ پڑھ رہے ہیں، میں نے بڑھ کر دیکھا تو واقعی پڑھ رہے تھے، مجھے بے حد حیرت ہوئی اور آگے بڑھ کر کھڑا رہا سلام پھیرنے پر عرض کیا حضور میری سمجھ میں نہیں آیا، ارشاد فرمایا کہ قعدۂ اخیرہ میں بعد تشہد سانس کی حرکت سے میرے انگرکھے کا بند ٹوٹ گیا تھا، کیوں کہ نماز تشہد پر ختم ہوجاتی ہے، اس وجہ سے میں نے آپ سے نہیں کہا، اور گھر جاکر بند درست کراکر اپنی نماز پھر پڑھ لی۔

یہ ایسا واقعہ ہے کہ اکثر صاحبان کے سمجھ میں نہیں آتا صرف ایک بزرگ نے مجھ سے یہ سن کر اس کی بڑی عظمت کی، یہ بزرگ پیر عبدالحمید صاحب بغدادی ہیں بڑودہ میں تشریف لائے اور جامع مسجد میں ایک دن مغرب کی نماز پڑھائی۔ میں نے ایسا اثر کبھی قرآن شریف پڑھنے کا نہیں دیکھا بعدہ معلوم کیا یہ کون صاحب تھے تب ان سے ملنے ان کے قیام گاہ پر گیا، اعجاز قرآنی کے سلسلہ میں فرمایا: میں ایک مرتبہ ایران گیا وہاں آتش پرستوں کا ایک آتش کدہ بہت پرانا ہے، اس کی پرستش کرتے ہیں، ان سے مباحثہ کے لیے لوگوں نے میرا نام

لے دیا، میں نے کہا: یہ لوگ جسے پوجتے ہیں انھیں سے پوچھ لو یعنی آتش کدہ میں جاکر آگ سے پوچھ لو کہ وہ کس کی رعایت کرتی ہے لوگوں نے اس کو محض دھمکانا سمجھا اور لوگوں نے میرا اور وہاں کے ایک پجاری کا نام مقرر کر کے ایک تاریخ و وقت معین کر کے مناظرہ کا اعلان کر دیا، وقت مقررہ پر تمام شہر کی مخلوق کثرت سے موجود تھی، اس وقت میں نے اس پجاری سے کہا کہ چلیے۔ اب گھبرایا اور رکا۔ میں نے خیال کیا کہ اگر میں بھی رکا تو لوگ محض دھمکی سمجھیں گے، اس لیے تنہا اس آتش کدہ میں چلا گیا، اور پورے بیس منٹ آگ میں کھڑا رہا بعدہ نکل آیا۔ یہ دیکھ کر بہت سے آتش پرست مسلمان ہو گئے، میں نے اپنے ضعف ایمانی کی وجہ سے ان سے مکرر پوچھا کہ آپ کیسے آتش کدہ میں چلے گئے؟ فرمایا: قرآن مجید لے کر یہ سمجھ کر چلا گیا جب ہم کو قرآن نار جہنم سے بچائے گا تو اس معمولی آگ سے کیوں نہیں بچائے گا۔ اس واقعہ سے حضرات ناظرین ان بغدادی صاحب کی بزرگی اور قوت ایمانی کا اندازہ لگالیں، ان بزرگ نے مجھ سے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ واقعہ عصر کی نماز کا سنا، دوسرے دن ان سے پھر ملاقات ہوئی تو فرمایا آج ساری رات روتے گزری یہی کہتا رہا کہ خداوندا تیرے ایسے ایسے بندے بھی ہیں جو اس احتیاط سے نماز پڑھتے ہیں۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۸۳-۱۸۴، قدیم نسخہ)

صلابت مذہبی و حق گوئی:

حضرت سیدنا شاہ اسماعیل حسن میاں صاحب مارہروی کا بیان ہے کہ ایک بار مولانا فضل رسول صاحب قدس سرہ العزیز کے عرس میں مولانا احمد رضا خان صاحب تشریف لائے تھے، کسی نے مولوی سراج الدین صاحب آنولوی کو میلاد شریف پڑھنے بیٹھا دیا تھا، انھوں نے اثنائے تقریر میں یہ کہا کہ پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں قیامت کے دن فرشتے روح ڈالیں گے، چوں کہ اس میں حیات انبیا علیہم السلام کے مسلمہ اصول سے انکار نکلتا تھا یہ سن کر مولانا موصوف کا چہرہ متغیّر ہو گیا اور جناب مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے فرمایا آپ اجازت دیں تو میں اس کو منبر سے اتار دوں۔ مولانا عبدالقادر صاحب نے آنولوی صاحب کو بیان سے روک دیا اور مولانا عبدالمقتدر صاحب سے فرمایا: مولانا ایسے بے علم لوگوں کو مولانا احمد رضا خان صاحب کے سامنے میلاد شریف پڑھنے نہ بیٹھایا کیجیے، جن کے سامنے بیان کرنے والے کے لیے علم اور زبان کو بہت نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے، اسی سلسلہ میں مولانا احمد رضا خان صاحب نے فرمایا کہ انھیں وجوہ سے آج کل کے واعظین اور میلاد خوانوں کے بیانوں، وعظوں میں جانا چھوڑ دیا ہے اور حضرت شاہ علی حسین صاحب کچھوچھوی علیہ الرحمۃ کے متعلق فرمایا کہ حضرت ان میں سے ہیں جن کا بیان میں بخوشی سنتا ہوں۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۸۵، قدیم نسخہ)

داڑھی اور وظیفہ:

جناب حاجی کفایت اللہ صاحب جناب حاجی خدا بخش صاحب کی زبانی روایت کرتے ہیں، کہ ایک دن میں نے صبح کی نماز اعلیٰ حضرت کے پیچھے پڑھی، جب حضرت نماز پڑھ چکے تو ایک مسافر صاحب آئے ہوئے تھے انھوں نے اعلیٰ حضرت کو ایک خط دیا وہ صاحب اعلیٰ حضرت کے مرید تھے، جس وقت وہ مرید ہوئے تھے، ان کی داڑھی حد شرع سے کم تھی۔ انھوں نے خواہش کی کہ کوئی وظیفہ حضور مجھ کو تعلیم فرمائیں، اعلیٰ حضرت نے فرمایا: جس وقت تمھاری داڑھی حد شرع کے مطابق ہو جائے گی اس وقت میں وظیفہ وغیرہ بتادوں گا وہ صاحب ایک بزرگ کا سفارشی خط لائے تھے کہ ان کو کچھ بتادیا جائے۔ حضرت نے فرمایا جب تک تم داڑھی حد شرع تک بڑھا کر نہ آؤ گے، اس وقت تم کسی کی سفارش لاؤ تم کو کچھ نہیں بتاؤں گا، جب داڑھی تمھاری حد شرع کے مطابق ہو جائے گی میں خود ہی بتادوں گا اس میں کسی کی سفارش کی ضرورت نہیں۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۸۵، قدیم نسخہ)

بدمذہب سے نفرت:

سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ حضرت ننھے میاں (برادر خورد اعلیٰ حضرت) عصر کے بعد حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ حیدرآباد دکن سے ایک رافضی محض آپ سے ملنے کی غرض سے پیچھے آرہا ہے، تالیف قلوب کے لیے اس سے بات چیت کر لیجیے کہ اتنے میں وہ بھی آگیا۔ ہم لوگوں نے دیکھا کہ حضور بالکل اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے، ننھے میاں نے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا، وہ بیٹھ گیا، حضور کے مخاطبہ نہ فرمانے سے اس کی بھی جرأت نہ ہوئی کہ تقدیم کلام کرتا غرض تھوڑی دیر بیٹھ کر چلا گیا، اس کے جانے کے بعد ننھے میاں نے حضور کو سناتے ہوئے کہا کہ اتنی دور سے ملاقات کے لیے آیا تھا اخلاقاً توجہ فرما لینے میں کیا حرج تھا، حضور نے جلال کے ساتھ ارشاد فرمایا: میرے اکابر نے مجھے یہی اخلاق بتایا ہے، پھر فرمایا: امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی شریف سے تشریف لا رہے ہیں راہ میں ایک مسافر ملتا ہے اور سوال کرتا ہے کہ میں بھوکا ہوں آپ ساتھ چلنے کا اشارہ فرماتے ہیں، وہ پیچھے پیچھے کاشانۂ اقدس تک پہنچتا ہے، امیر المومنین خادم کو کھانا لانے کے لیے حکم فرماتے ہیں، خادم کھانا لاتا ہے اور دستر خوان بچھا کر کھانا سامنے رکھتا ہے، وہ کھانا کھانے میں کوئی بدمذہبی کے الفاظ زبان سے نکالتا ہے، امیر المومنین خادم کو حکم فرماتے ہیں کھانا فوراً اٹھا لیا جائے اور کان پکڑ کر باہر کر دیا جائے، خادم فوراً تعمیل کرتا ہے، خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد نبوی شریف سے نام لے لے کر منافقین کو نکلوایا اخرج یا فلان

فانك منافق اے فلاں نکل جا کہ تو منافق ہے۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۸۹، قدیم نسخہ)

نوابوں کی تعظیم اور نذر سے پرہیز:

ایک مرتبہ نواب رام پور (حامد علی خاں) نینی تال جا رہے تھے، اسپیشل بریلی شریف پہنچا تو حضرت شاہ مہدی حسن میاں صاحب (جو نواب کے ہم راہ تھے) اپنے نام سے ڈیڑھ ہزار کے نوٹ ریاست کے مدار المہام کی معرفت بطور نذر اسٹیشن سے حضور (اعلیٰ حضرت) کی خدمت میں بھیجتے ہیں اور والی ریاست کی جانب سے مستدعی ہوتے ہیں کہ ملاقات کا موقع دیا جائے، حضور کو مدار المہام صاحب کے آنے کی خبر ہوئی تو اندر سے دروازہ کی چوکھٹ پر کھڑے کھڑے مدار المہام صاحب سے فرمایا کہ میاں کو میرا اسلام عرض کیجیے اور یہ کہیے گا، یہ الٹی نذر کیسی؟ مجھے میاں کی خدمت میں نذر پیش کرنا چاہیے، نہ کہ میاں مجھے نذر دیں، یہ ڈیڑھ ہزار ہوں یا جتنے ہوں واپس لے جائیے، فقیر کا مکان نہ اس قابل کہ کسی والی ریاست کو بلا سکوں اور نہ میں والیانِ ریاست کے آداب سے واقف کہ خود جا سکوں۔

یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد ملک العلما لکھتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کی اس صلابت مذہبی کو دین و شرع سے ناواقف لوگ شدت و غلظتِ طبیعت یا مقتضائے قومیت (یعنی پٹھان ہونے) پر محمول کریں گے لیکن در حقیقت یہ خالص اتباع شریعت ہے اور علمائے کرام کا معمول تھا۔ چناں چہ رسالہ "عرصہ ظہور" مصنفہ سید شاہ ابوالخیر محمد نور الحق صاحب رحمانی میں ہے "بادشاہ دہلی حاضر خدمت مولانا فخر الدین صاحب چشتی کے ہوا۔ موافق دستور کے آپ نے اس کی تعظیم فرمائی بعد ازاں اعلیٰ و ادنی جو آیا سب کی تعظیم فرماتے رہے، بادشاہ وہاں سے رخصت ہو کر حضرت مرزا مظہر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے موافق عادت کے کوئی تعظیم نہیں فرمائی اور کوئی بھی آیا اس کی بھی تعظیم نہیں فرمائی، بعد ازاں وہاں سے رخصت ہو کر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی خدمت میں آیا آپ نے اس کی تعظیم فرمائی۔ اس کا وزیر بھی آیا تو کوئی تعظیم نہ فرمائی بعد ازاں چوبدار شاہی سامنے آیا اس کی تعظیم فرمائی، بادشاہ متعجّب ہو کر مستفسر ہوا کہ اس اشکال کو حل فرمائیے اور ہر جگہ دیکھا ہوا حال بیان کیا، آپ نے فرمایا: حضرت فخر الدین چشتی مقام توحید وجود میں ہیں لہٰذا سب میں جلوۂ یار ان کو نظر آتا ہے اور حضرت مرزا صاحب پر توحید شہود کا غلبہ ہے لہٰذا مشاہدہ عظمت الٰہی کے سبب سے کسی کی تعظیم روا نہیں رکھتے اور فقیر پابند شرع ہے تم اُولو الامر ہو تمھاری تعظیم لازم ہے اور یہ وزیر رافضی ہے لہٰذا قابل تعظیم نہیں اور چوبدار تمھارا حافظ قرآن ہے اس واسطے میں نے تعظیم کی۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۹۲، قدیم نسخہ)

تشبہ سے پرہیز:

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ منشی شوکت علی صاحب سابق محرر چونگی ساکن محلہ ذخیرہ حاجی محمد شیر صاحب پیلی بھیتی علیہ الرحمۃ سے مرید ہیں اور حضور پر نور اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے از حد معتقد کہ اکثر لوگ انھیں حضور ہی کا مرید جانتے ہیں، محرم الحرام کی کسی ابتدائی تاریخ میں حضور کی خدمت اقدس میں سیاہ ٹوپی اوڑھے ہوئے حاضر ہوتے ہیں ان پر نظر پڑتی ہے ارشاد ہوتا ہے "منشی جی عشرۂ محرم تک تین رنگ کا کپڑا پہننا نہیں چاہیے، ایک سبز کہ عَلَم داروں کا لباس ہے، دوسرا سرخ کہ خوارج پہنتے ہیں، جنھوں نے شہادت امام عالی مقام پر خوشی منائی تھی، تیسرا سیاہ یہ روافض کا لباس ہے، آپ کے سر پر سیاہ ٹوپی ہے، یہ سنتے ہی منشی جی نے فوراً ٹوپی اتار لی اور برہنہ سر بیٹھ گئے، ارشاد فرمایا: اب تو آپ نے روافض کا اور تشبہ اختیار کر لیا اور فوراً حکم ہوا کہ اندر مکان سے میری ٹوپی منگالو یہ سن کر حاضرین میں سے ہر ایک اپنی اپنی ٹوپی اس لالچ میں کہ حضور کی ٹوپی ہمیں ملے گی، منشی جی کو پیش کرنے لگا مگر کیا وہ اس بات کو نہیں سمجھتے تھے، انھوں نے کسی کی ٹوپی قبول نہ فرمائی اور اتنی دیر یوں ہی بیٹھے رہے جب تک کہ حضور کی کلاہ مبارک حاصل نہ کر لی، اس کے بعد حضور نے فرمایا کہ میں رویت ہلال سے پہلے روئی کی مرزئی پہنے ہوئے تھا اس کے کپڑے میں یہ تینوں رنگ موجود تھے یعنی اس کی زمین سیاہ تھی اور اس پر سرخ گلاب کے پھول اور شاخیں پتیاں سبز تھیں اگرچہ اس کے پہنے رہنے سے کسی کا تشبہ نہ تھا اس لیے کہ ہر ایک جدا جدا تینوں رنگوں میں سے ایک ایک رنگ اختیار کرتا ہے مگر میں نے احتیاطاً اس مرزئی کو اتار دیا۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۹۴، قدیم نسخہ)

علما کی خودداری:

حضرت سید شاہ اسماعیل حسن میاں صاحب کا بیان ہے کہ ایک سال مولانا فضل رسول صاحب بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عرس میں میں نے اور میاں صاحب بھائی قبلہ مرحوم نے مولوی حامد رضا خاں صاحب اور بریلی کے ایک مرزا جی کو جن کا نام اس وقت خیال سے اترا ہوا ہے اور جن کے پاس موئے شریف بھی تھا اور خوش آواز آدمی تھے نعت شریف نور کا قصیدہ پڑھنے بیٹھا دیا تھا، مولانا احمد رضا خاں صاحب کا دستور یہ تھا کہ وہ بعد مغرب میرے پاس زمانہ عرس میں آبیٹھتے تھے، مولوی حامد رضا خاں صاحب پڑھ رہے تھے کہ مولانا تشریف لے آئے مگر یہ دیکھ کر کہ مولوی حامد رضا خاں صاحب اور مرزا جی مل کر اشعار نعت شریف پڑھ رہے ہیں فوراً ہی اٹھ کر قیام گاہ تشریف لے گئے اور مولوی حامد رضا خاں صاحب کو بھی بلوا لیا مجھے خیال گزرا کہ کہیں مولوی حامد رضا صاحب پر ناراض نہ ہوں میں نے مولانا عبد القادر صاحب سے یہ خیال ظاہر کر کے انھیں مولانا کے خیمہ میں

بھیجا، مولوی حامد رضا خاں صاحب پہنچ چکے تھے اور مولانا عبد القادر صاحب سے اس بارے میں گفتگو آنے پر مولانا احمد رضا خاں نے فرمایا کہ حضرت میں علما کے لیے اس طرح ایسے مواقع پر عوام کے ساتھ آوازیں ملا کر نغمہ و ترنم سے نعت پڑھنا مناسب نہیں سمجھتا اور مجھے صاحب زادہ صاحب (یعنی فقیر کے بڑے لڑکے سید غلام محی الدین فقیر عالم) سے بھی مثنوی شریف کے ساتھ اس طریقے پر نعت شریف کے اشعار پڑھوانا نامناسب معلوم ہوا تھا (فقیر عالم سے اشعار نعت مولانا عبد القادر صاحب نے اس سے پہلے پڑھوائے تھے)

علامہ ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں:

ان مرزا صاحب کا نام مرزا اسماعیل بیگ تھا، یہ اعلیٰ حضرت کے قریبی رشتہ دار تھے اور اعلیٰ حضرت کے مکان سے پیچھم ان کا مکان تھا، جس کا ایک حصہ حضرت حجۃ الاسلام نے خرید کر خانقاہ میں شامل کر لیا ہے اور دوسرے حصہ کے متعلق حضرت مفتی اعظم کے لیے بات چیت مرزا صاحب مرحوم کے منجھلے صاحب زادے احمد مرزا صاحب سے ہو رہی ہے، ممکن ہے کہ وہ بھی شامل خانقاہ ہو جائے۔ مرزا اسماعیل بیگ صاحب کے والد کا نام نامی مرزا ابراہیم بیگ تھا، جو مرزا اسفندیار بیگ کے صاحب زادے تھے، انھیں مرزا اسفندیار بیگ کی صاحب زادی حسینی خانم سے حضرت رئیس الاتقیا مولانا نقی علی خاں صاحب کی شادی ہوئی اس وجہ سے جناب مرزا اسماعیل بیگ صاحب اعلیٰ حضرت کے حقیقی ماموں زاد بھائی تھے۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۹۵، قدیم نسخہ)

محبت و عزت علما:

حضرت ملک العلما لکھتے ہیں: میرے زمانۂ قیام بریلی شریف یعنی ۱۳۲۱ھ سے ۱۳۲۹ھ تک علمائے اہل سنت و مشائخ کرام و داعیان دین و ملت و دیگر حضرات اہل سنت و جماعت برابر تشریف لایا کرتے، کوئی دن ایسا نہ ہوتا کہ ایک دو مہمان تشریف نہ لاتے ہوں، ان سب کی خاطر مدارت حسب مرتبہ کی جاتی اور علمائے کرام کی تشریف آوری کے وقت اعلیٰ حضرت کے مسرت کی جو حالت ہوتی احاطۂ تحریر سے باہر ہے، خصوصًا حضرت محدث سورتی مولانا شاہ وصی احمد صاحب پیلی بھیتی و حضرت ابو الوقت شیر بیشہ سنت مولانا ہدایۃ الرسول صاحب لکھنوی، حضرت مولانا سراج الدین ابو الذکاء شاہ سلامت اللہ صاحب اعظمی رامپوری، حضرت مولانا شاہ ظہور الحسین صاحب رام پوری، حضرت مولانا شاہ ریاست علی خاں صاحب شاہ جہاں پوری، مولوی اعظم شاہ صاحب شاہ جہاں پوری، حضرت مولانا عید الاسلام شاہ عبد السلام صاحب جبل پوری، حضرت مولانا سید شاہ محمد فاخر صاحب اجملی الٰہ آبادی، حضرت مولانا سید شاہ علی حسین صاحب کچھوچھوی اور ان کے صاحب زادے حضرت مولانا سید شاہ احمد اشرف صاحب، جناب مولانا قاضی عبد الوحید صاحب عظیم آبادی، مولانا محمد عمر الدین

صاحب ہزاروی، نزیل ممبئی، حضرت مولانا سید شاہ دیدار علی صاحب الوری ثم اللاہوری، جناب مولانا احمد مختار صاحب صدیقی میرٹھی، مولانا حبیب اللہ صاحب میرٹھی، حضرت استاذ مولانا شاہ عبد اللہ صاحب الہ آبادی، ثم الکانپوری، مولانا مشتاق احمد صاحب کان پوری، مولانا سید شاہ سلیمان اشرف صاحب بہاری علی گڑھی، مولانا رحیم بخش صاحب بہاری آروی، مولانا سید شاہ عبد الغنی صاحب سہسرامی وغیرہ وغیرہ علماے کرام کی تشریف آوری کے وقت کا سماں تو بیان سے باہر ہے، ان میں حضرت محدث سورتی اکثر و بیش تر تشریف لایا کرتے اور حضرت سیف اللہ المسلول جناب مولانا شاہ ہدایۃ الرسول صاحب جب تشریف لاتے تو شہر بھر میں ان کے وعظوں کی دھوم پڑجاتی اور جگہ جگہ وعظ ہونے لگتے اور مہینہ دو مہینہ سے کم قیام کی نوبت نہ آتی، وہ زمانہ بھی عجیب چہل پہل کا ہوتا شہر بھر میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ جاتی۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۹۸، قدیم نسخہ)

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضور پیلی بھیت حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی کے یہاں تشریف لے گئے، دوران قیام میں ایک روز کسی صاحب کے یہاں دعوت تھی اور بوجہ نقاہت پالکی میں تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا، مِن جملہ اور متوسلین و معتقدین کے خود حضرت محدث صاحب ممدوح پیادہ پا پالکی کے پیچھے پیچھے ہولیے چوں کہ کہاروں کی رفتار تیز تھی، آپ نے سعی فرمائی یہاں تک کہ دوڑنا شروع کر دیا اور اسی پر بس نہ کیا بلکہ نعلین شریفین در بغلین کر لیں۔ شارع عام پر عام بلکہ تمام حضرات حیرت و استعجاب سے پالکی اور مولانا ممدوح کو دیکھ رہے تھے، یکایک کہاروں نے کاندھا بدلنے کے لیے پالکی روکی۔ چوں کہ حضرت محدث صاحب تیز روی سے ہم راہ تھے لہٰذا روبرو میں پالکی کی کھڑکی کا سامنا ہوگیا، جس وقت اعلیٰ حضرت کی نظر حضرت محدث صاحب پر پڑی کہ برہنہ پا پالکی کے ہم راہ ہیں کہاروں کو حکم فرمایا پالکی کو یہیں رکھ دو اور فرمایا مولانا یہ کیا غضب کر رہے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: حضور تشریف تو رکھیں، اعلیٰ حضرت نے فرمایا: ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، محدث صاحب نے فرمایا: آپ بہت کم زور ہیں اور ابھی مکان دور ہے، اعلیٰ حضرت نے فرمایا اچھا تو آپ یہیں سے واپس تشریف لے جائیے تب میں پالکی میں بیٹھوں گا، ورنہ میں بھی پیدل چلوں گا، بالآخر محدث صاحب کو واپس ہونا پڑا، تب پالکی آگے بڑھی چوں کہ حضرت محدث صاحب بھی وہاں مدعو تھے، اعلیٰ حضرت کے پہنچ جانے کے بعد ان رئیس صاحب نے دوبارہ پالکی حضرت محدث صاحب کے لیے بھیجی۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ص:۱۹۹، قدیم نسخہ)

تعظیم حجاج و زوار رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ جب کوئی صاحب حج بیت اللہ شریف کر کے حضور کی

خدمت میں حاضر ہوتے، پہلا سوال یہی ہوتا کہ سرکار میں حاضری دی؟ اگر اثبات میں جواب ملا تو فوراً ان کے قدم چوم لیتے اور اگر نفی میں جواب ملا پھر مطلق تخاطب نہ فرماتے، نہ التفات فرماتے، ایک بار ایک حاجی صاحب حاضر ہوئے، چناں چہ حسب عادت کریمہ یہی استفسار ہوا کہ سرکار میں حاضری ہوئی، وہ آب دیدہ ہو کر عرض کرتے ہیں، ہاں! حضور مگر صرف دو روز قیام رہا، حضور نے قدم بوسی فرمائی اور ارشاد فرمایا: وہاں کی تو سانسیں بھی بہت ہیں آپ نے تو بحمد اللہ دو دن قیام فرمایا۔

انھی کا بیان ہے کہ دوران قیام مدینہ منورہ وسط شوال ۱۳۶۵ھ میں فقیر سے چند ہندی حجاج قیام گاہ پر ملاقات کے لیے تشریف لاتے ہیں، جس میں مستری غلام نبی صاحب قادری رضوی بریلوی ساکن محلہ مسجد نیاریاں بھی آتے ہیں، میں نے اعلیٰ حضرت کے تذکرہ کے درمیان جناب صدر الشریعہ مولانا، مولوی حاجی مفتی حکیم ابو العلا محمد امجد علی صاحب رضوی مدظلہ کی مراجعت حرمین طیبین کا واقعہ بیان کیا کہ حضور پر نور اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تاریخ آمد پر بہ نفس نفیس ریلوے اسٹیشن پر تشریف لے گئے تھے، مختصر یہ کہ یہ جلوس بڑی شان و شوکت کے ساتھ نعت خوانی کرتا ہوا آستانہ آیا، یہاں مداح الحبیب مولوی جمیل الرحمٰن خاں صاحب نے ابھی نعت شریف شروع نہیں کی تھی کی حضور نے۔

بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر کی ہے   کلیاں کھلیں دلوں کی ہوا یہ کدھر کی ہے

پڑھنے کی فرمائش کی جس کو پڑھ کر تمام مجمع عجیب پر کیف حالت میں تھا، اس کے اختتام پر حضرت شیخ صدر صاحب ممدوح نے کچھ رقم نکال کر جناب حاجی شاہد علی خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (خواہر زادہ اعلیٰ حضرت) کو بغرض شیرینی دی اور مداح الحبیب علیہ الرحمۃ سے ذکر میلاد پڑھنے کو فرمایا، مجمع کافی ہو گیا تھا چناں چہ شیرینی آنے پر قیام ہوا، دیر زیادہ ہو گئی تھی عوام فاتحہ ہونے سے پہلے ہی جانے پر آمادہ تھے لہٰذا حضور نے فرمایا نیت پر مدار ہے یوں ہی تقسیم شروع کر دو۔

ناظرین کرام! میرے اس بیان کی تائید کرتے ہوئے مستری صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ چوں کہ مولانا کی آمد اور حضور کے ریلوے اسٹیشن تشریف لے جانے کی خبر رات ہی میں عام ہو چکی تھی، لہٰذا میں نے نماز فجر حضور ہی کی مسجد میں پڑھی نیز اور مسلمان بھی کافی تعداد میں جمع ہو گئے، بعد نماز کاشانۂ اقدس میں تشریف لے گئے۔ ریلوے جنکشن والے بنن میاں کی فٹن بسا اوقات سواری کے لیے آیا کرتی تھی اور وہ اس وقت تک آئی نہ تھی، ریل کا وقت تھوڑا رہ گیا تھا، میں بغیر کسی سے کچھ کہے سواری کی تلاش میں کتب خانہ دوڑتا ہوا گیا، ایک تانگہ والے سے کہا اس نے کہا کہ حضو تو بنن کی فٹن میں جاتے ہیں، غرض میرے اصرار سے وہ چلا آیا۔ چناں

چہ جب تانگہ حضرت منجھلے میاں صاحب کے مکان کے موڑ پر پہنچا تو تانگہ والے نے کہا کہ گاڑی کھڑی ہے، میں نے اتر کر تانگہ سے دیکھا تو واقعی کچھ حصہ چمک رہا تھا اور سب لوگ پھاٹک پر جمع تھے، مسجد کے قریب یا جہاں تک تانگہ پہنچا تھا کوئی نہ تھا، مختصر یہ کہ تانگے والا واپس جانے لگا تو میں نے ایک چوَنی اپنی جیب سے نکال کر اسے دی، اس نے کہا بھی کہ رہنے دیجیے، مگر میں نے اس کے حوالہ کر دی اور وہ گلی کے موڑ ہی سے واپس چلا گیا، اس کے جانے اور میرے چوَنی دینے کو کسی نے نہ دیکھا، اب میری چار پانچ روز کے بعد حاضری ہوتی ہے، اس وقت حضور مجھے ایک چوَنی عطا فرماتے ہیں، میں عرض کرتا ہوں حضور یہ کیسی ہے، ارشاد فرماتے ہیں، اس روز تانگہ والے کو جو آپ نے دی تھی، میں نے یہ عرض کرتے ہوئے کہ وہ بھی حضور ہی کی تھی لینے میں قدرے تامل کیا مگر بایمائے دیگر حضرات کہ اس تبرک کو کیوں چھوڑتے ہو اسے ہاتھ بڑھا کر لے لیا، چناں چہ جب تک وہ میرے پاس رہی نمایاں برکات میں نے پائے۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۲۰۹، قدیم نسخہ)

آپ اسلام کے سچے علم بردار اور کتاب و سنت کے ناشر و داعی تھے، اہل اسلام سے محبت اور دشمنان اسلام سے نفرت آپ کی سرشت میں داخل تھی، یہ صفت آپ کی ذات گرامی میں اس لیے نمایاں تھی کہ آپ سید کونین ﷺ کے سچے نائب اور صحیح وارث تھے، آپ تعلیمات اسلامی پر سختی سے عامل تھے، خلاف شرع کوئی قدم اٹھانا گوارا نہ کرتے، آپ کی عملی زندگی میں اس کے شواہد بے شمار ہیں۔ آپ کی زندگی کا یہ پہلو بھی مسلمانان عالم کے لیے، درس عبرت ہے، اخیر میں دعا کرتے ہیں کہ پروردگار عالم ہمیں بھی اپنے اسلاف کا کردار و عمل اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

ماخذ

قرآن مجید	منزل من اللہ	مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور
صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل بخاری	مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور
صحیح مسلم	مسلم بن حجاج	مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور
مشکاۃ المصابیح	محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی	دار الفکر بیروت
بہار شریعت	علامہ محمد امجد علی اعظمی	دعوت اسلامی
سیرت اعلیٰ حضرت	علامہ حسنین رضا بریلوی	امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف
حیات اعلیٰ حضرت	ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری	قادری کتاب گھر بریلی شریف۔

امام احمد رضا اور عبادت وریاضت

محترمہ تمنا خاتون سبطینی

جامعہ ایوب نسواں، رضا نگر، پیرا کنک

قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿٥٦﴾ [سورہ الذٰریٰت آیت ۵۶]

ترجمہ: اور میں نے جن اور آدمی کو اسی لیے ہی بنایا کہ میری بندگی کریں [کنزالایمان]

اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بہت سی عبادتوں کو حکم دیا ہے مثلاً نماز، روزہ، زکوۃ، صدقہ، حج، خیرات، لیکن لوگ دنیاوی زندگی میں لگے ہوئے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں جب کہ ہمارے بزرگوں کا عالم یہ تھا کہ وہ عبادت الٰہی میں اس طرح مشغول رہتے کہ انھیں دنیا کی خبر نہ رہتی، انھیں بزرگوں میں سے ایک ذات امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی بھی ہے کہ ان کے عبادت وریاضت کا عالم یہ تھا کہ آپ پانچوں نمازوں کے وقت مسجد میں حاضر ہوتے اور ہمیشہ عمامہ کے ساتھ نماز ادا کرتے خصوصاً فرض تو کبھی صرف ٹوپی اور کرتے کے ساتھ ادا نہ کیا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ بچپن سے ہی تقویٰ اور طہارت اتباع سنت پاکیزہ اخلاق اور حسین سیرت کے اوصاف جلیلہ سے مزین ہو چکے تھے۔

امام احمد رضا رسول کریم ﷺ کے سچے پیروکار تھے اس لئے اپنے رسول اللہ ﷺ کو جو کہتے سنا وہی کہنے لگے اور جو کرتے دیکھا اسی پر عمل پیرا ہو گئے آپ ﷺ کی ذات سے صلو اکمارایتمونی کا عکس زیبا جھلکتا ہے اور سفر و حضر ہر جگہ آپ نماز کے اوقات میں رسول اللہ ﷺ کے مطابق سجدہ ریز نظر آتے ہیں جیسا کہ واقعات ذیل شاہد ہیں۔ ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں اعلیٰ حضرت نے مولانا عبد السلام صاحب علیہ الرحمہ کی دعوت پر جبل پور کا سفر بیماری کی حالت میں کیا آغاز سفر کا ذکر حضرت برہان ملت یوں کرتے ہیں صبح چار بجے اعلیٰ حضرت اور خادم برہان گاڑی پر بریلی ریلوے اسٹیشن کے لئے روانہ ہوئے میں نے عرض کیا حضرت عین نماز کے وقت گاڑی روانہ ہو گی نماز فجر کہاں ادا کی جائے گی اعلیٰ حضرت نے مسکرا کر فرمایا انشاء اللہ پلیٹ فارم پر ــــ اسٹیشن پہونچنے پر معلوم ہوا کہ گاڑی چالیس منٹ لیٹ ہے پلیٹ فارم پر جانماز چادریں رومال بچھائے گئے اور کثیر جماعت نے اعلیٰ حضرت کے پیچھے

نماز فجر ادا کی۔ یہ اعلیٰ حضرت کی کرامت تھی کہ اطمینان کے ساتھ نماز سے فارغ ہوئے۔

حضرت مولانا عبد السلام صاحب اپنے رفقا کے ہمراہ اعلیٰ حضرت کے استقبال کے لئے کٹنی تک چلے آئے تھے آگے کا واقعہ حضرت برہان ملت یوں لکھتے ہیں ٹرین چار بجے کٹنی پہونچی اعلیٰ حضرت کے لئے وضو کا انتظام کیا گیا فرمایا نماز فجر کہاں ہوگی عرض کیا سلیمنا باد میں لیکن صرف تین منٹ گاڑی ٹھہرتی ہے حضور وضو فرمائیں خادم حاضر ہوتا ہے میں انجن کی طرف بڑھا دیکھا ڈرائیور مسلمان ہے اور وہ بھی اعلیٰ حضرت کی قدم بوسی کر کے جا رہے ہیں مجھ سے مصافحہ کیا میں نے کہا سلیمنا باد میں نماز فجر ادا کرنا ہے پوچھا کتنا وقت لگے گا میں نے کہا بارہ یا پندرہ منٹ کہا میں لیٹ کروں گا گارڈ بھی مل گیا اس نے بھی اطمینان دلایا گاڑی بڑے وقت پر سلیمنا باد پہونچی پلیٹ فارم پر جانماز چادریں رومال بچھا کر تقریبًا تین سو کی جماعت ہوئی پوری ٹرین کے مسافر دیکھ رہے تھے اعلیٰ حضرت اطمینان کے ساتھ وظیفہ سے فارغ ہو کر گاڑی میں تشریف لائے۔ (اکرام امام احمد رضا صفحہ نمبر ۸۸)

جبل پور کے قیام کے دوران اعلیٰ حضرت کے معمولات سے حضرت برہان ملت نے یہ بھی شمار کیا ہے کہ نماز کے لئے پانچوں وقت مسجد تشریف لاتے (اکرام امام احمد رضا صفحہ نمبر ۸۹)

ان دنوں عید الاسلام اس مسجد میں نماز ادا فرمانے جاتے جو قدیم کوتوالی کی طرف سے ہے اس کا فاصلہ آپ کے دولت خانہ سے پانچ سو قدم سے زیادہ ہے ایک نحیف و ناتواں کے لئے اتنا فاصلہ بھی بہت ہے بلکہ یہ فاصلہ استطاعت سے کہیں زیادہ ہے جبل پور سے واپس ہو کر ۲۲ رجب ۳۷ھ کو اعلیٰ حضرت نے بریلی سے حضرت عید الاسلام کو یہ اطلاع نامہ بھیجا شب دوشنبہ آٹھ بجے مع الخیر اسٹیشن بریلی پر آیا راہ میں بڑی نعمت بفضلہ عزوجل یہ پائی کہ نماز مغرب کا اندیشہ تھا۔ شاہ جہاں پور چھ بج کر ۳۳/ منٹ پر آمد تھی کہ ہنوز وقت مغرب نہ ہوتا اور صرف آٹھ منٹ قیام مگر گاڑی بفضلہ تعالیٰ پندرہ منٹ لیٹ ہو کر شاہ جہاں پور پہونچی اور دس منٹ ٹھہری کہ بہ اطمینان تمام نماز اچھے وقت ادا ہوئی وللہ الحمد موٹر بلحاظ ہمراہیاں (جو استقبال کے لئے اسٹیشن پر کثیر تعداد میں آئے تھے) بہت آہستہ خرامی کے ساتھ بہ دیر مکان پر پہونچا فقیر نے ابتدا بہ مسجد کی۔ نماز عشا ہوئی (اکرام امام احمد رضا صفحہ نمر ۹۹) اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ولرضوان نے ۵۲ برس کی عمر میں دوسری بار سفر حج کیا۔ مناسک حج کی ادائگی کے بعد آپ ایسے علیل ہوئے کہ دو ماہ سے زیادہ صاحب فراش رہے جب کچھ روبہ صحت ہوئے تو ۲۴ صفر ۱۳۲۴ھ کو زیارت روضۂ انور کے لیے مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر جدہ سے بذریعہ کشتی رابغ پہونچے اور وہاں سے مدینۃ الرسول ﷺ کے لیے اونٹ

کی سواری کی اب آگے آپ کا واقعہ خود اعلیٰ حضرت کی زبانی سنیئے۔

راہ میں جب پیر "شیخ" پر پہنچتے ہیں منزل چند میل باقی تھی اور وقت تھوڑا۔ جمالوں (اونٹ والوں) نے منزل ہی پر روکنا چاہا اور جب تک وقت نماز نہ رہتا۔ میں اور میرے رفقا اتر پڑے قافلہ چلا گیا کرمچ کا ڈول پاس تھا لیکن رسی نہیں اور کواں بھی گہرا۔ عمامہ باندھ کر پانی بھرا۔ وضو کیا بحمد اللہ تعالیٰ نماز ہوگئی اب یہ فکر لاحق ہوئی کہ طول مرض سے ضعف شدید ہے اتنے میل پیادہ (پیدل) کیوں کر چلنا ہوگا منہ پھیر کر دیکھا تو ایک جمال (اونٹ والا) محض اجنبی اپنا اونٹ لئے میرے انتظار میں کھڑا ہے حمد الٰہی بجالایا اس پر سوار ہوا لوگوں نے پوچھا کہ تم یہ اونٹ کیسے لائے کہا ہمیں شیخ حسین نے تاکید کردی تھی کہ شیخ کی خدمت میں کمی نہ کرنا۔ کچھ دور آگے چلے تھے کہ دیکھا میرا اپنا جمال اونٹ لئے کھڑا ہے اس سے پوچھا کہا کہ جب قافلہ کے جمال نہ ٹھہرے میں نے دل میں کہا شیخ کو تکلیف ہوگی قافلہ میں سے اونٹ کھول کر واپس لایا یہ سب میرے سرکار کی وصیتیں تھیں، صلی اللہ تعالیٰ بارک وسلم علیہ وعلیٰ وعترتہ قدر رافتہ ورحمتہ ورنہ کہاں یہ فقیر اور کہاں سردار رابغ شیخ حسین جن سے جان نہ پہچان اور کہاں وحشی مزاج جمّال اور ان کی یہ خارق العادات روشیں (الملفوظ صفحہ:۳۲ جلد:۲)

سبحان اللہ یہ ہے ذوق نماز اور شوق عبادت کہ نماز کے فوت ہونے کے اندیشے سے دل بے قرار اور بے چین ہوگیا وقت سے نماز ادا ہوگئی تو دل کو قرار مل گیا اور جان میں جان آگئی۔ مہینوں کی طویل علالت اور ضعف شدید کے باوجود ہر طرح کی کلفت و مشقت سے بالکل بے پرواہ ہو کر قافلہ کا ساتھ چھوڑ دیا مگر احب العبادات نماز کو چھوڑنا گوارا نہ فرمایا یہ عاشق رسول اسے نعمت عظمیٰ سمجھتا ہے اور خدائے پاک کی اس نوازش پر وہ اس کا شکر بھی ادا کرتا ہے یقیناً جو چیز خدائے ذوالجلال کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہو بہت ہی زیادہ پیاری ہو وہ ایک مومن کامل کے لئے نعمت عظمیٰ ضرور ہوگی۔

قربان جائیے اتباع سنت کے اس جذبہ کامل پر کہ آپ سوا ماہ کے بعد باہر سے اپنے وطن عزیز میں پہنچے تھے لیکن بچوں سے ملنے سے پہلے کشاں کشاں خانہ خدا میں حاضر ہو رہے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بچوں سے ملنے میں جماعت فوت ہو جائے۔ یہ ہے نماز کی محافظت اور یہ ہے شوق سجدہ۔

اعلیٰ حضرت کی زندگی رسول ﷺ کے ارشاد و عمل کی مکمل عملی تصور تھی قیام پر قدرت ہے تو کھڑے ہو کر ہمہ تن شوق مولیٰ سے راز و نیاز میں مشغول ہیں بدن میں طاقت نہیں تو عصا کے سہارے قیام ہو رہا ہے اسی کے سہارے رکوع و سجود ہو رہے ہیں لیکن کبھی راحت نفس کے لئے نماز نہیں چھوڑتے۔

حضرت مولانا عبد السلام صاحب علیہ الرحمہ کے نام اپنے ایک مکتوب (مورخہ ۴ ربیع الآخر ۳۴ھ)

میں آپ لکھتے ہیں: ڈھائی سال سے اگرچہ امراض درد کمر ومثانہ وسر وغیرہا امراض کا للازم ہوگئے ہیں قیام و قعود رکوع وسجود بذریعہ عصا ہے مگر الحمد للہ کہ دین حق پر استقامت عطا فرمائی ہے کثرت اَعدا روز افزوں ہے حفظ الٰہی تفضیل نامتناہی شامل حال والحمد للہ رب العٰلمین۔ (اکرام امام احمد رضا صفحہ: ۱۲۸)

اعلیٰ حضرت کے قیام جبل پور کے دوران ایک روز حضرت عبدالاسلام نے عرض کیا جبل پور خوش نصیب ہے کہ یہاں حضور کی صحت بہت اچھی ہے بریلی شریف میں کبھی کبھی نماز میں رکوع وسجود میں عصا کا سہارا لینا پڑتا تھا یہاں نہیں دیکھا۔ [اکرام امام احمد رضا:۹۸]

اعلیٰ حضرت اپنے مرض الموت کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں اس مرض کے ساتھ ہی بہ شدت کھانسی، زکام اور بلغم میں لزوجت ایسی کہ دس دس جھٹکوں کے بعد بہ دشواری جدا ہوتا کھانسی اس قدر شدت کی اتنے جھٹکے ہوتے اور جگر و پہلو میں درد ان کو اِن جھٹکوں کی اصل خبر نہ ہوتی یہ وہ مرض تھا کہ بائیس دن میں بازو کا گوشت صحیح پیمائش سے سوا انچ گھل گیا رانوں کا ابتدائی حصہ اتنا رہ گیا جتنے بائیس دن پہلے بازو تھے شدت قبض و ہیجان ریاح کا سلسلہ اب تک (جاری) ہے اب مسجد تک جانے کی طاقت نہ رہی پندرہ روز سے اسہال (دست) شروع ہوئے اس نے بالکل گرادیا نماز کی چوکی پلنگ کے برابر لگی ہے اس پر سے اس پر بیٹھے بیٹھے جانا تین تین بار ہمت سے ہوتا الحمد للہ کے اب تک فرض و وتر اور صبح کی سنتیں بذریعہ عصا کھڑے ہی ہوکر پڑھتا ہوں مگر جو دشواری ہوتی ہے دل جانتا ہے نبض کی یہ حالت کہ ایک ایک منٹ میں چار چار بار رک جاتی ہے دو دو قرع کی قدر رکی رہتی ہے پھر باذنہ تعالیٰ چلنے لگتی ہے۔ [اکرام امام احمد رضا ص ۱۱۴۔۱۱۵ خلاصہ بلفظ]

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ والرضوان کی زندگی پاک کا جائزہ لیجئے تو اس میں نمایاں طور پر صحابہ کرام بلکہ خود سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی حیات طیبہ کا عکس جمیل جھلکتا ہوا نظر آئے گا اور آپ محسوس کریں گے کہ اعلیٰ حضرت نے زندگی بھر ماہ رسالت اور اس کے بخوم ہدایت سے جو کسب نور کیا تھا وہ نور خود ان کی ذات انور میں جگمگا رہا ہے بُڑھاپے کا زمانہ ہے کثرت کار ہجوم افکار نزول بلایا و شدت امراض کے باعث آپ کے قوی ساتھ چھوڑتے جا رہے ہیں نقاہت اور کمزوری حد درجہ کو پہنچ چکی ہے چند قدم چلنے کی بھی بدن میں طاقت نہیں رہ گئی۔

مگر اس مرد باخدا کے عزم و حوصلہ کی بلندی کا عجب حال ہے کہ وہ تمام دشواریوں، مجبوریوں اور معذوریوں کے باوجود قرب الٰہی کے شوق میں جانب مسجد رواں دواں ہے۔

ایک خط اور ملاحظہ فرمائیے:

چار دن کم پانچ مہینے ہوئے، آنکھ دُکھنے آئی اور اس پر اطوار مختلفہ وارد ہوئے ضُعت قائم ہو گیا سیاہ خیالات نظر آتے ہیں آنکھیں ہمہ وقت نم رہتی ہیں اول تو مہینوں کچھ لکھ پڑھ ہی نہ سکا چند منٹ نگاہ نیچی کرنے سے آنکھ بھاری پڑ جاتی ہے۔ کمزوری بڑھ جاتی ہے۔ پانچ مہینے سے مسائل ورسائل سب زبانی بتا کر لکھے جاتے ہیں بارہویں ربیع الاول کی شام سے ایک ایسا مرض لاحق ہوا کہ عمر بھر میں نہ ہوا تھا نہ اللہ تعالیٰ کسی سنی کو اس میں مبتلا کرے بیچھتر گھنٹے کامل اجابت نہ ہوئی بیشاب بھی بند ہو گیا مولیٰ تعالیٰ نے فضل فرمایا مگر ضعف بدرجۂ غایت ہے نواں روز ہے بخار کا دورہ ہوا، ضُعف کو اور قوت بخشی، روز تجربہ کیا، مسجد تک جانے آنے کے تعب سے فوراً بخار آجاتا ہے مجبوراً گئی روز سے یہ ہے کہ کرسی پر بیٹھا کر چار آدمی لے جاتے اور لاتے ہیں ظہر کو جاتا اور مغرب پڑھ کر آتا ہوں۔ (جہاں امام احمد رضا جلد ۲ ص ۱۰۹)

اللہ جل مجدہ ہم سبھی کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

امام احمد رضا، ارباب علم و دانش کی نظر میں

قاری نور الہدی مصباحی گورکھپوری
لکشمی پور مہراج گنج

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ خاک ہند کا خمیر علم و فضل اور زہد و تقوی سے گوندھا ہوا ہے۔ اس کی سرزمین پر ہر دور میں بے شمار علما، فضلا، اصفیا اور دانشوران قوم نے جنم لیا۔ اس کے وسیع و عریض دامن میں ہمیشہ علوم و معارف کے مہ پاروں نے اپنی روشنی بکھیری۔ اس کے افق پر ہمیشہ فہم و ذکاوت کے آفتاب اپنی ضیا پاش کرنوں سے قلوب واذہان کو جگمگاتے رہے۔ کبھی ملا احمد جیون جیسی شخصیات نے اپنے علم و فضل کی قندیلوں سے تاریک گوشوں کو منور کیا تو کبھی بحر العلوم علامہ عبد العلی محمد فرنگی محلی اور محقق عصر ملا محب اللہ بہاری جیسی ہستیوں نے اپنے علم و فضل کے جواہر بکھیرے اور کبھی امام فکر و فن علامہ فضل حق خیر آبادی جیسی شخصیت نے اپنی تیز تاب شعاعوں سے سرد قلوب کو گرمایا مگر جو آفتاب عالم تاب تیر ہویں صدی کے نصف اخیر میں طلوع ہوا اس کی ضوفشانی کا حال عجب نرالا رہا۔ وہ امام اعظم کا سچا جانشین تھا۔ حسن بصری کا صحیح پیرو کار۔ حضرت ابن مسعود کا سچا متبع۔ میدان فکر و فن کا شہ سوار اور قافلۂ عشق و محبت کا سردار جسے دنیا امام عشق و محبت مجدد دین و ملت امام احمد رضا خان رضی اللہ عنہ کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔ آپ کو مختلف علوم و فنون میں کمال حاصل تھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، عروض و معانی و بیان و بدیع، منطق و فلسفہ، ریاضی، تکسیر، ہیئت اور نجوم، غرض کہ آپ اس وقت کے تمام فنون مروجہ کے امام الکل تھے۔ آپ نے موجودہ دور کے بے شمار نئے نئے مسائل کو جس بصیرت و فقاہت کے ساتھ حل فرمایا وہ کسی بھی انسان کو ورطۂ حیرت میں ڈالنے کے لیے کافی ہے۔ آپ کا فقہی انسائیکلوپیڈیا جس کو "**العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ**" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ وہ آپ جیسی ہمہ جہت شخصیت کی زندہ کرامت ہے۔

اعلی حضرت عظیم البرکت مجدد دین و ملت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی ولادت باسعادت ہندوستان کے مشہور شہر بریلی شریف میں ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء میں

ہوئی۔ آپ کے علم کا سکّہ شعر و شاعری میں بھی رائج الوقت ہے، خود فرماتے ہیں کہ میں نے نعت لکھنا قرآن سے سیکھا ہے، آپ نے دو مرتبہ زیارت حرمین شریفین کی سعادت حاصل کی۔ پہلی مرتبہ ۱۲۹۵ھ میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ گئے اور علماے وقت سے اسناد بھی حاصل کیں۔ دوسری مرتبہ ۱۳۲۳ھ میں زیارت حرمین شریفین کے لئے گئے۔ یہ سفر بہت ہی دلچسپ اور نفع بخش تھا۔ اس میں آپ کو بخار ہو گیا تھا تو آپ نے اس طرح نفس کو دھتکارا۔

گرمی ہے، تپ ہے، درد ہے، کلفت سفر کی ہے
ناشکر، یہ تو دیکھ عزیمت کدھر کی ہے

اسی مبارک سفر میں آپ نے ''الدولۃ المکیۃ'' تصنیف فرمائی۔ اس موقع پر علماے حرمین شریفین نے آپ کو بے شمار القاب سے نوازا۔ امام احمد رضا کو ان کے دینی و تجدیدی کارناموں ہی کی بنا پر حرمین شریفین، دیگر بلاد اسلامیہ اور متحدہ ہندوستان کے سیکڑوں علما و مشائخ نے چودھویں صدی ہجری کا مجدد تسلیم کیا۔

ساؤتھ افریقہ کے علاوہ کئی ممالک میں فتاواے رضویہ کو سرکاری سطح پر اسلامی ماخذ کے طور پر قبول کیا گیا ہے۔ عدالتوں میں جب ایسے مقدمات آتے جن میں فقہ کی باریکیوں کو دخل ہوتا تو وہ مقدمات امام احمد رضا کی بارگاہ میں فیصل ہوتے، گورنمنٹ ڈگری کالج ٹھٹھہ سندھ پاکستان کے سابق پرنسپل ڈاکٹر مسعود احمد مجدّدی (متوفی ۲۰۰۸ء) نے امام احمد رضا پر بہت تحقیقی کام کیا ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ پوری دنیا کے سامنے امام احمد رضا کے علمی کارناموں کو جدید انداز میں پیش کرنے اور کرانے کا سہرا موصوف ہی کے سر ہے۔ موصوف اپنے مخصوص انداز میں رقم طراز ہیں۔

''فقہ میں ان کے تبحّر کا سکہ ہند و پاک کی عدالتوں کے ججوں پر بھی بیٹھا ہوا تھا۔ بہاول پور ہائی کورٹ کے جج سے جب ایک فیصلہ نہ ہو سکا تو اس نے حکم دیا کہ مقدمہ فیصلہ کے لیے مولانا احمد رضا کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ مقدمہ استفتا کی صورت میں پیش کیا گیا اور امام احمد رضا نے ایسا فاضلانہ جواب دیا جس نے ججوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ یہ فتویٰ، فتاویٰ رضویہ کی گیارہویں جلد میں آج بھی موجود ہے۔ بمبئی ہائی کورٹ کا مشہور پارسی جج ڈی ایف ملاّ، امام احمد رضا کی فقاہت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے:

''(۱۹۳۰ء) ہند و پاک میں فقہ میں دو نادرِ روزگار کتابیں لکھی گئیں، ایک فتاویٰ عالمگیری اور دوسری فتاویٰ رضویہ۔'' (بحوالہ اجالا، صفحہ: ۱۳۰)

ڈاکٹر محمد طفیل ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد اپنے ایک مقالہ ''فتاویٰ رضویہ کے فقہی مصادر'' میں لکھتے ہیں: یہ کتاب در حقیقت فقہ اسلامی کا ایک دائرۃ المعارف ہے۔ اگر فتاویٰ رضویہ میں بیان کردہ مسائل کو انضباطی ترتیب سے مرتب کیا جائے تو یقین ہے فقہ اسلامی کا ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا ہوگا۔ (بحوالہ ماہنامہ معارف رضا کراچی ۱۴۱۶ھ، شمارہ: ۱۵)

(ماخوذ: امام احمد رضا کے افکار و نظریات ایک تقابلی مطالعہ، از: پروفیسر ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم)

امام احمد رضا ایک عہد ساز شخصیت کا نام ہے۔ آپ کی خدمات ہر دور کے لیے ہیں۔ ہم آپ کے تجدیدی کارناموں پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے یہاں کچھ ارباب علم و دانش کی آرا پیش کر رہے ہیں۔

شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال:

حضرت علامہ سید سلیمان اشرف صدر شعبۂ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، خلیفہ امام احمد رضا کی ایک مجلس کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر سید عابد علی مہتمم بیت القرآن لاہور و سابق لیکچرر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ لکھتے ہیں:

''غالباً ۱۹۳۳ء کا واقعہ ہے کہ ڈاکٹر اقبال مسلم یونیورسٹی میں موجود تھے۔ ایک محفل میں -جس میں، میں بھی موجود تھا- دوران گفتگو مولانا احمد رضا بریلوی کا تذکرہ آگیا۔ ڈاکٹر مرحوم نے مولانا بریلوی کو خراج عقیدت و تحسین پیش کرتے ہوئے کہا: ہندوستان کے دور آخر میں ان جیسا طباع و ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے ڈاکٹر مرحوم نے کہا کہ: میں نے ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے یہ رائے قائم کی ہے۔ اور ان کے فتاویٰ ان کی ذہانت، فطانت، جودت طبعی، کمال فقاہت اور علوم دینیہ میں تبحّر علمی کے شاہد عدل ہیں۔ نیز فرمایا: مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے تھے اس پر مضبوطی سے قائم رہتے تھے۔ یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے تھے، لہٰذا انہیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاویٰ میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑی۔ (بحوالہ سید عابد علی، یکم اگست ۱۹۶۸ء اس پورے تحریری بیان کی فوٹو کاپی ہفت روزہ 'افق' کراچی ۲۲ تا ۲۸ جنوری ۱۹۷۹ء نے شائع کر دیا ہے)

(ماخوذ، دبستان رضا: امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں۔ مولانا یٰسین اختر مصباحی، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی: صفحہ ۸۰)

عمدۃ العلما حضرت مولانا عبد اللہ نابلسی علیہ الرحمہ مسجد نبوی کے خطیب وامام فرماتے ہیں:

’’وہ نادر روزگار اس وقت اور اس زمانے کا نور، عالم باعمل، بلند ہمت فاضل، مسائل اور مشکل احکام کی تنقیح کرنے والا اور دلائل وبراہین سے مستحکم تر کرنے والا، معزز مشایخ اور فضلا کا سردار، بلا تامل وہ زمانے کا گوہر یکتا، قاضی القضاۃ شیخ احمد رضا خاں‘‘ (الفیوضات الملکیہ، ص: ۹۶،۹۵)

جسٹس شمیم حسین قادری، ہائی کورٹ مغربی پاکستان کے تاثرات ملاحظہ ہوں:

’’وہ (امام احمد رضا) عاشق رسول تھے، اور یہی عشق رسول کا مسلک عام کرنے کی ضرورت ہے۔ سرور کائنات کی محبت نہ صرف اس دنیا میں ہماری مشکلات کا حل ہے بلکہ اگلی دنیا میں بھی نجات کا باعث ہے۔ قوم پر جب کبھی سیاسی اور تہذیبی مشکل کا وقت آیا علماے کرام ہی آگے بڑھے اور انہوں نے قوم کے لیے قربانیاں پیش کیں۔ (مقالات یوم رضا، حصہ دوم، ص: ۱۸)

پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد مجدّدی:

امام احمد رضا عالم اسلام کے جلیل القدر عالم تھے، عارف تھے، ایک عبقری تھے، محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک معجزہ تھے۔ احادیث پر عبور کا یہ معاملہ تھا کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے علماء ان کو ’’امام المحدثین‘‘ کے خطاب جلیل سے نواز رہے ہیں۔ فقہ میں تبحّر کی یہ کیفیت کہ جب ایک مکی عالم نے عربی فتویٰ مطالعہ کیا تو بے ساختہ پکار اُٹھا ’’یہ فتویٰ امام ابو حنیفہ دیکھ لیتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں اور اس کے مصنف کو اپنے شاگردوں میں شامل کر لیتے۔‘‘ (ماخوذ اجالا صفحہ ۱۳)

امام احمد رضا حنفی قادری کے خلیفہ اجل حضرت **مولانا شیخ ضیاء الدین قادری** مہاجر مدنی نے حضرت حافظ احسان الحق (گوجرانوالہ پنجاب) سے بیان فرمایا: ایک مرتبہ **مصر کے فاضل ترین** علماے کرام کے اجتماع میں، میں نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا مندرجہ ذیل قصیدۂ عربیہ پڑھا تو انہوں نے بیک زبان کہا:

’’یہ قصیدہ کسی فصیح اللسان عربی النسل عالم دین کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔‘‘ میں نے بتایا کہ اس قصیدے کے لکھنے والے مولانا احمد رضا خاں بریلوی ہیں۔ جو عربی نہیں بلکہ عجمی ہیں، تو علماے مصر حیرت میں ڈوب گئے۔ وہ عجمی ہو کر عربی میں اتنے ماہر ہیں۔ قصیدہ یہ ہے:

الحمدُ لِلمُتَوحِّد بِجَلالِه المُتَفرِّدِ
وصلاتُه دوماً علیٰ خَیرِ الاَنام محمد
والآل والاَصحاب هُم ماوايَ عِندَ شَدائد
فالیٰ العظیمِ تَوسُّلِی بِکِتابِه وباحمد
وبمن اتیٰ بکلامه وبمن هدیٰ وبمن هُدی
وبطیبة وبمن حوت وبمنبر وبمسجد
وبکل من وجد الرضا من عند رب واجد

(ص ۸۶،۸۷، فاضل بریلوی علماے حجاز کی نظر میں۔ از پروفیسر محمد مسعود احمد، مطبوعہ المجمع الاسلامی، ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء)

مفتی سعد اللہ مکی:

سرزمین حجاز کے مشہور عالم فاضل اجل شیخ مفتی سعد اللہ مکی سے مولانا غلام مصطفی کوثر امجدی صدر مدرس مدرسہ عربیہ اشرف العلوم راج شاہی (موجودہ بنگلہ دیش) نے ایام حج (۱۹۵۹ء) میں چند علما کے ایک وفد کے ساتھ ملاقات کی، گفتگو کے دوران انھوں نے بتایا کہ:

بلاد عرب میں حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے علم وفضل کا ہر طرف شہرہ ہے اور علماے حرمین طیبین آپ کی عظیم وباوقار شخصیت سے جس قدر واقف ہیں، ہندوستان کے لوگ بھی اتنے واقف نہیں۔(سفرنامہ حج، مطبوعہ ۱۹۶۰ء از مولانا غلام مصطفی)

مفتی سعد اللہ مکی نے بطور آزمائش ایک وفد **شیخ علوی عباس مالکی مکی** کے پاس بھیجا، جن کے والدماجد حضرت امام احمد رضا کے ہم عصر اور آپ کے دوست تھے، انہوں نے اس وفد سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ جب ان کے پاس پہنچیں تو یہ ضرور کہیں: ہم مولانا احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ ہیں۔ جب یہ وفد ان کے دولت کدے پر پہنچا تو تھوڑی دیر کے بعد ایک بزرگ تشریف لائے، سلام ومصافحہ اور خیریت کے بعد ان لوگوں نے وہی جملہ دہرایا۔ اتنا سننا تھا کہ حضرت علوی مالکی سروقد کھڑے ہوگئے ایک ایک سے معانقہ کیا اور غایت شفقت ومحبت سے پیش آئے، اس کے بعد فرمایا حضرت امام احمد رضا سے ان کی تصنیفات وتالیفات کے مطالعہ کے ذریعہ ہم لوگ اچھی طرح واقف ہیں۔ ان کی محبت سنیت کی

علامت اور ان سے بغض علامتِ بدعت و بدمذہبی ہے۔ (استاذ حازم محمد احمد عبد الرحیم، کلیۃ اللغات و الترجمہ، جامعہ ازہر، قاہرہ)

شیخ امام احمد رضا حنفی رضوی قادری بریلوی صحیح معنوں میں فقیہ امام ہیں اور علم اصول دین و علوم شرعیہ کے عرفان و فیضان سے داعیِ حق و ہدایت ہیں آپ کی ایک ہزار کتابیں ہیں جن میں سے اکثر فقہ و فتاویٰ پر مشتمل ہیں۔ آپ نے مسلمانان عالم کو پوری استقامت کے ساتھ صحیح و درست دینی شاہ راہ پر چلانے کا فریضہ انجام دیا۔ صحیح و غلط اور اوامر و نواہی اور محرمات و مکروہات کا فرق و امتیاز اور ان کی اصل حیثیت واضح کی۔ آپ ایسے امام ہیں جنھوں نے ہمیشہ فتاویٰ اور امور شرعیہ کی خدمت انجام دی اور دینی و علمی مصلح کی حیثیت سے اپنی یہ ذمہ داری سمجھی کہ امت مسلمہ کی مسلسل رہنمائی کرتے رہیں تاکہ وہ تاریک رات کے مسافر کی طرح کسی گڑھے میں نہ گر جائیں۔ (صفحہ ۳۴، مقدمہ المنظومۃ السلامیہ، تالیف الدکتور حازم محفوظ)۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد تذکرہ علمائے ہند کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

۱۲۹۵ھ۔۱۸۷۸ء میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ زیارت حرمین سے مشرف ہوئے، وہاں کے اکابر علما یعنی سید احمد زینی دحلان اور عبد الرحمن سراج سے حدیث، فقہ، اصول تفسیر اور دوسرے علوم کی سند حاصل کی۔ ایک دن نماز مغرب مقام ابراہیم میں ادا کی، نماز کے بعد امام شافعیہ **حسین بن صالح جمل اللیل** بغیر کسی سابقہ تعارف کے ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو اپنے گھر لے گئے، دیر تک ان کی پیشانی کو تھامے رہے اور فرمایا: ''اِنّی لاَجِدُ نُور اللهِ مِن هٰذا الجبین'' بیشک میں اس پیشانی سے اللہ کا نور پاتا ہوں، اس کے بعد صحاح ستہ کی سند اور سلسلہ قادریہ کی اجازت اپنے دستخط خاص سے مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا: تمھارا نام ضیاء الدین احمد ہے۔

سند مذکور میں امام بخاری علیہ الرحمہ تک صرف گیارہ واسطے ہیں۔ (فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں، صفحہ ۸۴،۸۵)۔

شیخ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی علیہ الرحمہ:

جواہر البحار، شواہد الحق، سعادت الدارین اور حجۃ اللہ علی العالمین کے مصنف شیخ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی الدولۃ المکیہ پر تقریظ میں تحریر کرتے ہیں:

میں نے اس کو شروع سے آخر تک پڑھا اور تمام دینی کتابوں میں بہت زیادہ نفع بخش اور مفید پایا اس کی دلیلیں بڑی قوی ہیں، جو ایک امام کبیر علامہ اجل کی طرف سے ہی ظاہر ہو سکتی ہیں۔ اللہ راضی رہے اس

رسالے کے مصنف سے اور اپنی عنایتوں سے ان کو راضی کرے اور ان کی تمام پاکیزہ امیدوں کو برلائے۔ (الدولۃ المکیۃ، صفحہ ۲۷۷، مطبوعہ کراچی)۔

شیخ احمد ابوالخیر بن عبد اللہ میر داد (مکہ معظمہ):

مسجد حرام کے مدرس رئیس الخطبا و الائمہ شیخ احمد ابو الخیر الدولۃ المکیۃ کی تعریف و توصیف میں فرماتے ہیں:

یہ اس کی تصنیف ہے جو علامہ، عقیل، ذکی، بلند ہمت ہے اور اپنے زمانے کے تمام مؤلّفوں کا سردار اور خود اپنے معاصرین کی شہادت سے سب مصنفوں کا امام ہے۔ (مصدر سابق، صفحہ ۳۱۱)۔

شیخ محمد مختار بن عطارد الجاوی، مکہ معظمہ:

فرماتے ہیں:

بیشک مصنف علامہ اس زمانے کے علماے محققین کا بادشاہ ہے اور اس کا کلام مبارک حق صریح ہے اور گویا کہ حضور سید عالم ﷺ کے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہے جو اس امام کے ہاتھ پر اللہ نے ظاہر فرمایا اور حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب ہمارے سردار ہمارے مولیٰ خاتم المحققین اور سنی علما کے پیشوا ہیں۔ (ایضاً، صفحہ ۳۷)۔

مفتی مالکیہ شیخ عابد حسین:

مفتی مالکیہ شیخ عابد حسین حسام الحرمین پر تقریظ تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

علماے مشاہیر کا سردار، معزز فاضلوں کا مایۂ افتخار، دین اسلام کی سعادت، نہایت محمود سیرت، ہر کام میں پسندیدہ، صاحب عدل، عالم باعمل، صاحب احسان حضرت مولانا احمد رضا خاں نے اس بات میں فرض کفایہ ادا کر دیا۔ (یعنی گستاخان رسول ﷺ کا رد فرما کر) (حسام الحرمین، صفحہ ۱۴۶)۔

شیخ محمد سعید بن محمد یمانی:

شیخ محمد سعید بن محمد یمانی مدرس مسجد حرام مکہ معظمہ، مذکورہ کتاب پر تقریظ تحریر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

بیشک اللہ تعالیٰ کی ان عظیم نعمتوں سے جن کا شکر ادا نہیں کیا جا سکتا یہ ہے کہ اس نے حضرت امام دریاے بلند ہمت، برکت انام، بزرگوں کی یادگار، ائمہ زہاد اور بندگان کاملین میں سے ایک یعنی حضرت احمد رضا خان کو مقرر فرمایا۔ (ایضاً، ۱۹۲)۔

مولانا عبدالرحمن درویش مکہ معظمہ:

ان کی عقیدت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ فاضل بریلوی کے تبرکات کو دل وجان سے لگا کر رکھ چھوڑا ہے۔ موصوف فرماتے تھے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ علمائے حرم شریف جب اعلیٰ حضرت سے ملتے توان کی دست بوسی کرتے اور اتنا احترام فرماتے کہ میں نے اتنا احترام کسی ہندوستانی عالم کا نہیں دیکھا۔ (فاضل بریلوی، علمائے حجاز کی نظر میں، المجمع الاسلامی، صفحہ ۱۵۵)۔

پروفیسر عبداللہ، انگلینڈ:

جناب پروفیسر عبداللہ صاحب ہل یونیورسٹی، انگلینڈ لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی تصنیفات، کمالات علمیہ اور خدمات دینیہ پر تحقیقات کی حوصلہ افزائی فرمانا اور ان سے عوام وخواص کو صحیح طور پر متعارف کرانا صرف اہل سنت وجماعت کی خدمت کرنا ہی نہیں، بلکہ اصل میں آقائے نامدار حضرت محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیے ہوئے صحیح دین کی اشاعت کرنا اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب کی صحیح نمائندگی کرنا ہے۔ (فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں: ص ۲۴۶)

ڈاکٹر پیر محمد حسن:

شیخ الادب ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب اپنے طویل پیغام میں لکھتے ہیں:

مولانا احمد رضا خان کا علم، زہد وتقویٰ کسی پر مخفی نہیں۔ مجھے بعض ایسے لوگوں سے گفتگو کرنے کا موقع ملا، جو مولانا کے شدید ترین مخالفین میں سے ہیں، انہوں نے میرے سامنے اس بات کا اعتراف کیا کہ ان کے بزرگ مولانا کی علمی قابلیت کے معترف تھے۔ یہ ہے وہ جادو جو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ مولانا جس قدر زود نویس تھے۔ اس کا پتہ ان کی لاتعداد تصانیف سے چلتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ علم کا سمندر ان کے سینے اور دماغ میں موجزن تھا۔ اور اس کا بہاؤ اس قدر تیز تھا کہ روکنے کی گنجائش نہیں تھی۔ (مقالات یوم رضا، حصہ ۲، ص ۶۷)

محدث اعظم ہند علامہ سید محمد اشرفی کچھوچھوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اللہ کا ایک مقبول بندہ اور رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سچا نائب، علم کا جبل شامخ، عمل صالح کا اسوۂ حسنہ، معقولات میں بحر زخار، منقولات میں دریائے ناپید اکنار، اہل سنت کا امام واجب الاحترام، اور اس صدی کا باجماع عرب وعجم مجدد، تصدیق حق میں صدیق اکبر کا پرتو، باطل کو چھانٹنے میں فاروق اعظم کا مظہر، رحم و

کرم میں ذوالنورین کی تصویر، باطل شکنی میں حیدری شمشیر، دولت فقہ و روایت میں امیر المؤمنین، اور سلطنت قرآن و حدیث کا مسلم الثبوت و زیر المجتہدین، اعلیٰ حضرت علی الاطلاق، امام اہل سنت فی الآفاق، مجدد مأۃ حاضرہ، مؤید ملت طاہرہ، اعلم العلماء عند العلماء، و قطب الارشاد علیٰ لسان الاولیاء، مولانا و فی جمیع الکمالات اولانا، فانی فی اللہ، و باقی باللہ، عاشق کامل رسول اللہ، مولانا شاہ احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ورضی اللہ تعالیٰ عنہ وأرضاہ۔ (اعلیٰ حضرت بریلوی، ازنسیم بستوی، صفحہ ۱۴۴)

مذکورہ شخصیتوں کے علاوہ اور بھی بہت سے ارباب علم و دانش نے امام بریلوی علیہ الرحمہ کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے گراں قدر تاثرات کا اظہار کیا ہے۔

رب قدیر ہم سب کو فیضان اعلیٰ حضرت سے مالا مال فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

باب سوم

خدمات و کارنامے

کنزالایمان: تعارف وجائزہ

مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی، استاذ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ

اس سے پہلے کہ میں امام احمد رضا رضی اللہ تعالی عنہ کی کثیر الجہات شخصیت اور ان کے بے نظیر ترجمۂ قرآن پر کچھ عرض کروں مناسب خیال کرتا ہوں کہ ذیل میں ان اوصاف کا ذکر کروں جن سے ایک مترجمِ قرآن کو متّصف ہونا ضروری ہے تاکہ ترجمۂ امام کی ضرورت واہمیت وافادیت کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

(۱) اللہ کی سخت گرفت پر یقین اور اس کے عذاب کا ڈر۔ ارشاد ہے:

"اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿۱۲﴾" (بروج:۸۵/۱۲) بے شک تیرے رب کی پکڑ ضرور سخت ہے۔

"وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾" (بقرہ: ۲/ ۱۹۶) اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے۔

(۲) قرآن پر ایمان یعنی اس بات کی تصدیق کہ وہ اللہ پاک وبرتر کا کلام ہے جسے اس نے حضرت جبریل علیہ السلام کے واسطے سے اپنے آخری رسول حضرت محمد مصطفی ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔

یہ اللہ تعالی کی ایک صفت ازلی پر دال ہے اور قواعد عربی کی رو سے اللہ کی جس مراد پر دال ہے وہ حق ہے اس میں کوئی شک وشبہہ نہیں۔ (کشف الظنون:۱/ ۴۳۲)

(۳) مترجم قرآن کا متن کی زبان اور اپنی زبان کے مفردات ومرکبات کے معانی، مواقعِ استعمال اور ان کے محاورات وضرب الامثال پر عبور رکھنا، ان کے تہذیبی وسماجی سیاق، ان کے تاریخی ، لسانی وثقافتی پس منظر اور دونوں زبانوں کے ادب سے پوری واقفیت رکھنا۔

(۴) نحو، صرف، اشتقاق، معانی وبیان وبدیع، اصول دین، فقہ واصول فقہ اور قرآن کے مجمل ومبہم کلمات کی تفسیر وتوضیح کرنے والی احادیث اور خداداد علم سے کامل طور پر آگاہ ہونا۔ (کشف الظنون:۱/ ۴۳۴)

(۵) ترجمۂ قرآن کو اپنے فاسد مذہب یا باطل خیال و نظریہ کے تابع نہ کرنا۔ (کشف الظنون: ۱/ ۴۴۴)

مندرجہ بالا جہتوں سے جب ہم امام احمد رضا کی مبارک زندگی اور ان کے علم و فضل کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ حقیقت پوری آب و تاب کے ساتھ عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ ایک ایسے خدا ترس و تقوی شعار مسلمان تھے جس کی پوری زندگی اللہ و رسول کے فرامین وارشادات پر سختی سے عمل اور ان کے حرام فرمودہ اور ناپسندیدہ کاموں سے پوری شدت کے ساتھ اجتناب سے عبارت ہے۔ اللہ و رسول اور قرآن و سنت پر ان کا ایمان اتنا پختہ اور ان کی عزت و حرمت اور صداقت و حقانیت پر ان کا یقین اتنا محکم تھا کہ انھوں نے ان کے دفاع میں اپنی پوری زندگی وقف کر دی تھی۔

وہ سادہ، سلیس، شگفتہ اور بامحاورہ عربی نثر لکھنے پر بڑی قدرت رکھتے تھے جس کا بین ثبوت علمِ غیبِ نبوی کے اثبات میں ان کی مشہور زمانہ علمی و تحقیقی کتاب "الدولة المكية بالمادة الغيبية" اور کاغذی روپیہ اور نوٹ کے مسائل پر "كفل الفقيه الفاهم فى احكام قرطاس الدراهم" وغیرہ کتب ورسائل ہیں۔

عربی شعر گوئی میں جو کمال اور عربی لغات پر جو عبور انھیں حاصل تھا اس کا صحیح اندازہ ان کے عربی کلام کے مجموعے بساتین الغفران اور سیف اللہ المسلول حضرت علامہ فضل رسول بدایونی رحمہ اللہ کی شان میں تحریر کردہ ان کے دو طویل مدحیہ قصائد سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ اردو تو ان کی مادری زبان تھی، اس میں انھیں جو قدرت و مہارت اور اس کے محاورات وضرب الامثال کے بر محل استعمال پر انھیں جو عبور حاصل تھا وہ ان کے عظیم و ضخیم اور شاہکار مجموعۂ فتاوی، فتاوی رضویہ اور دیگر تصانیف ورسائل اور ادب اردو کے باکمال ادبا و نامور شعرا کے اعترافات سے پورے طور پر آشکار ہے۔

وہ نحو و صرف، اشتقاق، معانی و بیان و بدیع اردو و عربی کے تاریخی، لسانی و ثقافتی اور تہذیبی وسماجی پس منظر اور سیاق سے پوری طرح باخبر تھے۔ ان کے گواہ ان کا عربی مجموعۂ کلام بالخصوص مذکورہ قصائد، اردو زبان میں حدائق بخشش اور عربی و اردو میں ان کی کتابیں اور رسائل ہیں۔

انھیں علومِ قرآن و سنت، اصول دین اور فقہ واصول فقہ میں جو کامل دستگاہ حاصل تھی اس کے حیرت انگیز اور خیرہ کن جلوے فتاوی رضویہ اور ان کی دوسری تصانیف میں جا بجا بکھرے ہوئے ہیں۔

انھیں قدرت نے بڑی فیاضی کے ساتھ پچاس سے زائد علوم وفنون میں کامل مہارت عطا فرمائی تھی جو ان کی عبقریت و کمال پر روشن دلیل ہے۔

انھوں نے پوری زندگی اہل سنت وجماعت کے مذہب حق کی تایید وحمایت اور اس کا احقاق واثبات کیا اور اس کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز اور ہر تحریک کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اس کے نظریات وخیالات کے رد وابطال میں سعی بلیغ فرمائی۔

چوں کہ قرآن مقدس خالق کائنات کا آخری صحیفہ اور اسلامی نظام حیات کی خشتِ اول ہے اس لیے اس کے حیات بخش وجاں نواز پیغامات سے واقفیت ایک مسلمان کے لیے نہایت ضروری ہے۔ لیکن چوں کہ یہ سرچشمۂ حیات عربی زبان میں اور فصاحت وبلاغت اور کمال اعجاز کے اتنے بلند ترین معیار پر ہے کہ بہت سے عرب بھی اس سے پورے طور پر مستفید نہیں ہوسکتے تھے اسی لیے خود حضور رسول اکرم ﷺ نے اپنے ارشادات کے ذریعہ قرآن کے معانی ومطالب بیان فرمانے کا اہتمام فرمایا تھا۔

صحابۂ کرام میں خلفاے اربعہ، ابن مسعود، ابن عباس، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابو موسی اشعری، عبداللہ بن زبیر، انس بن مالک، ابوہریرہ، جابر اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین نے قرآن کریم کی تفسیر وتوضیح میں سرگرم حصہ لیا۔ ان میں حضرت عبداللہ بن عباس تمام صحابہ کرام میں سب سے نمایاں شان کے حامل تھے اسی لیے انھیں ترجمان القرآن، حبر الامہ اور رئیس المفسرین کے عظیم الشان القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کے حق میں نبیّ برحق ﷺ نے یہ دعا بھی فرمائی تھی: اللهم فقّهه في الدين وعلّمه التاويل۔ ”اے اللہ ابن عباس کو فقیہ بنا اور اسے تاویل وتفسیر کا علم عطا فرما“۔

بعد ازاں تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد کے علماے حق نے بھی قرآن کریم کی تفسیر وتشریح اور اس کی تسہیل کا فریضہ باحسنِ وجوہ انجام دیا۔ اور جب اسلام کا پیغامِ رحمت خطۂ عرب سے نکل کر غیر عرب علاقوں میں پہنچا اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوگئے تو وہاں کے علما نے ان علاقوں کی زبانوں میں بھی قرآن کے ترجمے اور تفسیر وتوضیح کا بیڑا اٹھایا۔ فارسی زبان میں قرآن کریم کے بہت سے ترجمے اور کتب تفسیر وجود میں آئیں۔ ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا فارسی ترجمۂ قرآن بھی اسی سلسلۂ زریں کی ایک کڑی ہے۔ پھر جب اس زبان نے برصغیر سے اپنا بوریا بستر باندھ لیا اور اردو زبان لوگوں کا ذریعہ اظہار بن گئی تو انھیں شاہ ولی اللہ کے صاحبزادے حضرت شاہ رفیع الدین صاحب نے ۱۲۰۰ھ میں قرآن کا پہلا مکمل لفظی ترجمہ کیا لیکن اس میں سلاست وروانی مفقود ہونے کے سبب اس کے اصل مفہوم تک رسائی بڑی مشکل تھی۔ شاید اسی کمی کا احساس کرتے

ہوئے ان کے برادر خرد حضرت شاہ عبد القادر صاحب نے ۹؍ سال بعد ایک دوسرا ترجمہ کیا جو نسبتاً سلیس، شگفتہ اور زیادہ قابل فہم تھا۔ ان دونوں تراجم کے بعد ایک محتاط اندازہ کے مطابق ۲۵؍ تراجم قرآن اردو زبان میں وجود میں آئے جن میں سر سید احمد خان، عاشق الٰہی میرٹھی، فتح محمد جالندھری، ڈپٹی نذیر احمد، محمود الحسن دیوبندی، نواب وحید الزماں خان (غیر مقلد) اور اشرف علی تھانوی کے تراجم قابل ذکر ہیں۔

اب یہ سوال اٹھتا ہے کہ اتنے اردو تراجم کی بھیڑ میں امام احمد رضا نے کیوں ترجمۂ قرآن کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے مذکورہ صاحبزادگان کے علاوہ دیگر مترجمین میں سے کسی کا بھی تعلق اہل سنت وجماعت سے نہ تھا اور انھوں نے قرآن کے ساتھ سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ ان تراجم کو بر صغیر کی اکثریتی سنی آبادی میں اپنے مخصوص اور باطل معتقدات ونظریات کو پھیلانے کا ذریعہ بنالیا اور اللہ ورسول کے لیے ان کے شایانِ شان الفاظ کے انتخاب کا التزام تو کسی بھی اردو مترجمِ قرآن نے نہیں کیا۔ ڈپٹی نذیر احمد نے تو اپنے ترجمہ کو اپنی اردو دانی اور کثیر محاورات کے استعمال پر قدرت کے اظہار کا ذریعہ بھی بنالیا اور یہ مطلق پروانہ کی کہ ترجمہ میں زبردستی ٹھونسے گئے بہت سے محاورات معانی قرآن کی صحیح ترجمانی نہیں کرتے۔

ایسے پُر آشوب حالات میں سخت ضرورت تھی ایک ایسے ترجمہ کی جو قرآن کریم کا سچا ترجمان ہو، قدیم معتبر کتب تفاسیر کے مطابق ہو، اہل تفویض کے مسلکِ اسلم کا عکاس ہو، اصحاب تاویل کے مذہب سالم کا مؤید ہو، زبان کی روانی اور سلاست میں بے مثل ہو، عوامی لغات اور بازاری بولی سے یکسر پاک ہو، قرآن حکیم کے اصل منشا ومراد کو بتاتا ہو۔ آیات ربانی کے انداز خطاب کو پہچنواتا ہو، قرآن کے مخصوص محاوروں کی نشان دہی کرتا ہو، قادر مطلق کی ردائے عزت وجلال میں نقص وعیب کا دھبہ لگانے والوں کے لیے شمشیر براں ہو، حضرات انبیا کی عظمت وحرمت کا محافظ ونگہبان ہو، عام مسلمانوں کے لیے بامحاورہ اردو میں سادہ ترجمہ ہو لیکن علما ومشائخ کے لیے حقائق ومعرفت کا امڈتا ہوا سمندر ہو۔

ایسے عظیم ترین اور دشوار ترین کام سے بخوبی عہدہ برآ ہونے کے لیے اس وقت امام احمد رضا سے زیادہ موزوں اور مناسب کوئی صاحب علم ودانش موجود نہیں تھا کیوں کہ کثیر علوم وفنون میں انھیں جو تبحر، وسعت مطالعہ اور استحضار حاصل تھا وہ کسی اور عالم کو حاصل نہ تھا اور محبت الٰہی وعشق رسالت پناہی تو ان کے رگ وریشہ میں رچا بسا ہوا تھا۔ اس لیے جب ان کے حاضر باشوں نے پیہم

اصرار کیا تو وہ ترجمۂ قرآن کا املا کرانے کے لیے تیار ہو گئے اور حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کی کوشش سے وہ مبارک و مسعود دن بھی آیا جب ترجمہ کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچا پھر اشاعت پذیر ہو کر اہل ایمان کے دلوں کا نور اور ان کی آنکھوں کا سرمہ بنا۔

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا نے مذکورہ بالا خوبیوں کے ساتھ معانی قرآن کو قرآن کے نصوص و مضمرات کی بھرپور رعایت کرتے ہوئے جس طرح اختصار و جامعیت کے ساتھ اردو کے قالب میں ڈھالا ہے اس کی اردو تراجم قرآن میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اب اس تفصیل کے بعد میں اس کی کچھ خصوصیات پر گفتگو کروں گا۔

آیات متشابہات

قرآن کریم میں اللہ تعالی کے لیے کچھ ایسے اسما اور صفات کا اطلاق ہوا ہے جن کے ظاہری معانی مراد ہونا محال و ناممکن ہے مثلا: ید، یدان، ایدی۔ ید کے معنی "ہاتھ" کے ہیں، یدان اس کا تثنیہ اور ایدی اس کی جمع ہے۔ نفس، وَجہ، یمین، عین اور ساق وغیرہ—— صفات جیسے: "استہزاء"، سُخریہ، خداع، مکر اور کید وغیرہ۔

یاد رہے کہ اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ عرض ہے نہ جوہر نہ جسم، نہ اس کے اجزا و ابعاض ہیں نہ وہ اجزا و ابعاض سے مرکب ہے—— وہ غیر متناہی ہے، اسے کسی ماہیت و کیفیت سے موصوف نہیں کیا جا سکتا نہ وہ کسی مکان اور جگہ میں مکین و قرار گرفتہ ہے نہ اس پر زمانے کا جریان ہوتا ہے یعنی اس کے وجود کا تعیّن کسی زمانے سے نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس کے مثل کوئی چیز نہیں، کوئی چیز اس کے حیطۂ علم و قدرت سے باہر نہیں اس کی صفات ازلی ہیں جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں، نہ وہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات، وہ صفاتِ کمال: علم و قدرت، حیات و قوت، ارادہ و مشیئت، فعل، تخلیق اور ترزیق (روزی دینا) سے متّصف ہے۔ (شرح عقائد)

وہ تمام صفاتِ نقص و عیب سے پاک ہونے کے ساتھ ان صفات سے بھی پاک ہے جن میں نہ کوئی نقص ہو نہ کوئی کمال۔ مسامرہ شرح مسایرہ میں ہے:

یستحیل علیه -سبحانه- (سِمات النقص كالجهل والكذب) بل یستحیل علیه كل صفة لا كمال فيها ولا نقص لأن كلا من صفات الإله، صفة كمالٍ. [ص:۳۹۳]

"اللہ سبحانہ پر جہل اور دروغ گوئی جیسی صفاتِ نقص تو محال ہیں ہی، اس پر وہ تمام صفات بھی

محال ہیں جن میں نہ کوئی کمال ہے نہ کوئی نقص؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات، صفاتِ کمال ہیں“۔

متشابہات کے بارے میں اہل سنت کے دو مسالک ہیں:

جمہور ائمۂ سلف کے نزدیک ان جیسے کلمات کی کوئی تاویل نہیں کی جائے گی۔ ان کا کہنا ہے کہ جب ان سے ظاہری معانی قطعی طور پر مقصود نہیں اور تاویلی مطلب متعیّن نہیں تو بہتر یہی ہے کہ ہم ان کا علم اللہ پر چھوڑ دیں؛ کیوں کہ ہمارے رب نے آیات متشابہات کے پیچھے پڑنے اور ان کی مراد کی تعیین میں غور وخوض کرنے کو گمراہی قرار دیا ہے اس لیے ہم حد سے تجاوز نہ کرتے ہوئے صرف اس حصے پر قناعت کرلیں کہ ”اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ“۔ (۳/۷) ”ہم متشابہات پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کی جانب سے ہے“۔ یہ مسلکِ تفویض وتسلیم ہے۔

متکلّمین نے سوچا کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کی دو قسمیں محکم اور متشابہ کرکے محکمات کو ”هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ“ فرمایا جس کے معنی ہیں وہ کتاب کی اصل اور اس کی جڑ ہیں تو متشابہات ان کی فرع اور شاخ ہوئیں اور ظاہر ہے کہ فرع اپنی اصل کی طرف پلٹتی ہے تو اس آیت کریمہ نے خود متشابہات کی تاویل کا راستہ بتادیا اور ان کی ٹھیک کسوٹی سمجھادی کہ ان میں وہ درست وپاکیزہ احتمالات پیدا کرو جن سے یہ اپنی اصل یعنی محکمات کے مطابق ہوجائیں، عام لوگ فتنہ وگمراہی سے محفوظ ہوجائیں اور ان کے ذہنوں میں باطل ومحال باتیں راہ نہ پائیں ـــــــ یہ مسلکِ تاویل ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج:۲۱، ص:۴۸۳، ۴۸۴ -بتغییر یسیر، امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

اب میں ذیل میں پہلے کچھ اسماے متشابہات کو زیر بحث لاؤں گا پھر چند صفات متشابہات پر گفتگو ہوگی۔

ید

عربی میں ید کے متعدّد معانی ہیں: ہاتھ، قدرت، قوت۔ ارشاد باری ہے: اُولِي الْاَيْدِيْ وَ الْاَبْصَارِ ﴿صٓ ۴۵﴾: قدرت اور علم والوں کو۔ نعمت: تم کہتے ہو: لفلان عندی ید أشکره علیها. فلاں کا میرے اوپر ایک احسان ہے جس پر میں اس کا شکر گزار ہوں۔ مِلک اور تصرف واختیار۔ کہا جاتا ہے: هٰذا الامر بیده او فی یده: یہ امر اس کے تصرف واختیار میں ہے۔ الخیر بید الله سبحانه: خیر اللہ کے زیر تصرف وملک ہے۔ کہا جاتا ہے: هٰذا الامرُ بین یدی فلان او بین یدی ذلك الامر، یہ امر فلاں کے یا اس امر کے آگے ہے۔ هذا الامر عُمِلَ بین یدی فلان، یہ کام فلاں

کی موجودگی میں کیا گیا۔جاء الحاجب بین یدی الرئیس :دربان،صدر کی آمد سے پہلے آیا۔یعلم اللہ مابین یدیك و ماخلفك :اللہ ان تمام جہات کو جانتا ہے جو تجھے گھیرے ہوئے ہیں۔اعطی ماطلب منه عن ید، اس نے انقیاد وفرماں برداری اور ذلت کے ساتھ وہ چیز دی جو اس سے طلب کی گئی۔صدر کہتا ہے:عملت ھذاالامر بیدی: میں نے یہ کام خود انجام دیا،اس کے لیے کسی کو واسطہ نہیں بنایا۔یدہ مغلولة:وہ بخیل ہے۔یدہ مبسوطة: وہ سخاوت اور بخشش کرنے والا ہے۔(معجم وتفسیر لغوی لکلمات القرآن جلد۵،ص ۳۰۰، ۳۰۱حسن عزالدین الجمل، تفسیر المراغی ج:۶،ص ۱۵۳)

● امام احمد رضا نے اللہ کی طرف منسوب ید اور اس کے تثنیہ وجمع کے ترجموں میں اہل تاویل کے مسلک کو اختیار فرمایا ہے۔ ذیل کی آیات ملاحظہ ہوں:

(۱) "قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ" [آلِ عمران /۷۳] فرمادو کہ فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔

(۲) "یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ" [فتح،۴۸ /۱۰] ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

(۳) "بَلْ یَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ" [مائدہ،۵ /۶۴] بلکہ اس کے ہاتھ کشادہ ہیں۔

(۴) "وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْىدٍ" [زاریات،۵۱ /۴۷] اور آسمان کو ہم نے ہاتھوں سے بنایا۔

ان آیات کے ترجموں میں امام احمد رضا نے ید، یدان اور ایدی کے لغوی معنی "ہاتھ" اس لیے کیا ہے کہ اردو زبان میں بھی ہاتھ کا لفظ صرف ایک انسانی عضو کے لیے ہی نہیں استعمال ہوتا بلکہ یہ دوسرے معانی کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ جیسے: بس، قابو، اختیار، قبضہ، قدرت، طاقت، قوت، حفاظت، حمایت، مدد وغیرہ۔

کہا جاتا ہے: یہ معاملہ آپ کے ہاتھ ہے یعنی آپ کے زیر تصرف واختیار ہے۔ فلاں نے فلاں پر ہاتھ رکھا۔اس کی مدد کی، اس کو سہارا دیا، اس کی حفاظت کی، اس کو بچایا۔ یہ معاملہ اب حکومت کے ہاتھ میں ہے۔اس کے اختیار میں ہے۔ وہ کشادہ ہاتھوں والا یعنی فیاض ہے۔ اردو میں "ہاتھ کھلا رہنا" محاورہ ہے جس کے معنی ہیں: فیاضی کی عادت ہونا، دادودہش میں مشاق ہونا۔ ہاتھ کھلنا، تنگی نہ رہنا، فراخی رہنا، ہاتھ بندھ جانا، مجبور ہونا لہٰذا ان آیات کے ترجموں میں ہاتھ سے اللہ تعالی کی شان تنزیہ کے لائق اور اس کے مناسب معانی قدرت، طاقت، مدد اور سخاوت وغیرہ ہی مراد ہوں گے کیوں کہ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ کسی کتاب ، مضمون یا ترجمہ میں مذکور کسی خاص لفظ کے معنی کی تعیین اس کتاب کے مصنف، مضمون نگار یا مترجم کے معلوم عقائد ونظریات کی روشنی میں کی جاتی ہے اس لیے یہاں ہمیں یہ

مد نظر رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جسم وجسمانی اعضا وجوارح اور جسمانی عوارض واوصاف سے پاک ہونے کے بارے میں امام احمد رضا زندگی بھر انھیں عقائد و نظریات پر سختی سے کاربند، ان کے داعی و مبلغ اور اپنی پوری علمی و فکری اور ایمانی واعتقادی توانائیوں کے ساتھ ان کے اثبات واحقاق اور تایید وحمایت میں مصروف رہے جن پر ہمیشہ اہل سنت قائم رہے اس لیے یہاں وہی معانی مراد ہونے میں قطعی طور پر متعین ہیں جو ہم نے ذکر کیے اور جن کو پیش نظر رکھتے ہوئے امام احمد رضا نے ترجمہ کیا۔

عربی زبان کی معتبر کتب تفسیر کے مطابق پہلی آیت میں وارد کلمۂ "ید" ملک اور قدرت کے معنی میں ہے۔

قرطبی میں ہے: وتكون يد الملك والقدرة. قال الله تعالىٰ: قل ان الفضل بيدالله.

"ید سے ملک اور قدرت مراد ہے۔ ارشاد ربانی ہے: کہہ دو بے شک فضل اللہ کی قدرت میں ہے"۔

(ج ٦/ ص ٢٣٨)

خازن میں ہے: وقوله تعالىٰ: قل ان الفضل يعني قل لهم يامحمد إنّ التوفيق للايمان والهداية للاسلام "بيدالله" أي إنه مالك له وقادر عليه دون سائر خلقه. (ج ١/ص ٢٦٠)

قل ان الفضل بيدالله کے معنی ہیں: اے محمد (ﷺ) ان سے کہہ دو کہ ایمان کی توفیق اور اسلام کی طرف رہ نمائی صرف اللہ کی ملک اور اس کی قدرت میں ہے"۔

دوسری آیت کا تعلق بیعت رضوان سے ہے جب مقام حدیبیہ میں چودہ سو صحابۂ کرام کی مقدس جماعت نے حضور کے دست اقدس پر بیعت کی تھی۔ ظاہر ہے کہ ان اصحاب رسول کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ نہیں تھا بلکہ رسول کا ہاتھ تھا لیکن رسول اللہ سے بیعت چوں کہ اللہ سے بیعت ہے اس لیے يد الله فوق ايديهم کہا گیا۔

دوسری تاویل یہ ہے کہ یہاں ید سے مراد قوت وقدرت یا نصرت و مدد ہے یعنی رسول اللہ کی نصرت وحمایت میں اللہ کی قوت وقدرت صحابۂ کرام کی قدرت وطاقت سے بڑھ کر ہے کیوں کہ انھوں نے دشمنان دین کے خلاف رسول اللہ کی مدد کرنے پر ان سے بیعت کی تھی۔

طبری میں ہے: وفي قوله: يد الله فوق أيديهم وجهان من التأويل. أحدهما: يدالله فوق أيديهم عندالبيعة لانهم كانوا يبايعون الله ببيعتهم نبيّه ﷺ، والآخر: قوة الله فوق قوتهم في نصرة رسوله (ﷺ) لأنهم انما بايعوا رسول الله ﷺ على نصرته على

العدو. (تفسیر الطبری۲۱/۲۵۴)

التفسیر البسیط میں ہے:وقال ابن كيسان :قوة الله ونصرته فوق قوتهم ونصرتهم وهذا معنى قول ابن عباس فى رواية عطاء، والمعنى ثق بنصرة الله لك لا بنصرتهم وإن بايعوك (ج۳/ص۲۹۳)

ابن کیسان نے کہا: "اللہ کی قوت اوراس کی مدد ان کی قوت اور مدد سے اوپر ہے۔ یہی عطا سے مروی حضرت ابن عباس کے قول کا معنی ہے۔ اب آیت کے معنی ہوں گے "تم اللہ کی نصرت و مدد پر بھروسا کرو ان کی مدد پر نہیں اگرچہ انھوں نے تم سے اس پر بیعت کرلی ہے"۔

تیسری آیت کا پس منظر یہ ہے کہ جب یہود نے محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ لانے میں اللہ کی نافرمانی کی اوران کو جھٹلایا تواللہ تعالیٰ نے انھیں تنگ دستی میں مبتلا کردیا اس وقت انھوں نے کہاکہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔اس سے ان کا مقصد صرف یہ تھاکہ اللہ روزی دینے میں بہت بخیل ہے،ان کا مقصد ہرگز یہ نہیں تھاکہ اللہ کے پاس ہاتھ ہے اور وہ بندھا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کا جو جواب دیا وہ اس کے بالکل برابر مگر اس کے برعکس ہے چناں چہ فرمایا:بل يداه مبسوطتان "بلکہ اس کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں"۔

تواس ارشاد کا بھی مقصد اللہ کے لیے ہاتھ کا اثبات نہیں بلکہ محض یہ ثابت کرنا ہے کہ وہ بخیل نہیں، بہت زیادہ سخی وفیاض ہے۔ایسا فیاض جیسے دونوں ہاتھوں سے دے رہا ہو۔

التفسیر الوسیط میں ہے:قوله تعالىٰ:(وقالت اليهود يد الله مغلولة) قال ابن عباس فى رواية عطاء يريد الامساك عن الرزق وقال فى رواية الوالبي :ليسوا يعنون بذلك ان يده موثقة ولكن يقولون إنه بخيل أمسك ماعنده.(ج۷/ص۴۵۲)

اس کے آگے ہے:واليهود - لعنهم الله- وصفوا الله تعالىٰ بالبخل فقالوا:يدالله مغلولة فأجيبوا على قدر كلامهم وردعليهم بضد ذلك فقيل:(بل يداه مبسوطتان) أى ليس الأمر على ما وصفتموه به من البخل بل هوجوادفليس لذكر اليد فى الآية علىٰ هذاالمعنى معنىً إلّا إفادة معنى الجود والبخل، ومعنى التثنية فى قوله (بل يداه مبسوطتان) المبالغة فى الجود والاحسان، وهذاالطريق فى معنى الآية صحيح.

(التفسیر البسیط للواحدی،ج۷/ ۴۵۹،۴۶۰)

دور جدید کے عظیم مفسر علامہ ابوزہرہ اپنی تفسیر زہرۃ التفاسیر میں لکھتے ہیں: زمخشری نے کہا: غل الید اور بسط الید سے مجازاً بخل اور جود وسخا مراد ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: لاتجعل یدك مغلولة إلیٰ عنقك و لا تبسطها كل البسط بھی اسی قبیل سے ہے۔ معنی ہیں: اپنا ہاتھ اپنی گردن سے نہ بندھا ہوا رکھ نہ پورے طور پر کھلا ہوا چھوڑ دے۔

جو شخص ایسا کلام بولتا ہے اس کا مقصد نہ ہاتھ کا اثبات ہوتا ہے نہ اس کے باندھنے کھولنے کا حتیٰ کہ وہ اسے ایسے بخیل کے لیے بھی استعمال کرتا ہے جو اپنے ہاتھ سے کبھی کوئی عطا و بخشش نہ کرتا ہو اور دینے سے انکار بھی اشارے سے کرتا ہو، اس کے لیے نہ ہاتھ کا استعمال کرتا ہو نہ اسے کھولتا باندھتا ہو اور اگر فیاضی وفراخ دلی کے ساتھ کوئی ایسا شخص بڑی بڑی داد و دہش کرے جس کا ہاتھ مونڈھے تک کٹا ہوا ہو تو عرب کہتے ہیں: ما أبسط یده بالنوال: عطا و بخشش میں اس کا ہاتھ کتنا کشادہ ہے۔ بسط ید اور قبض ید ایسی عبارتیں ہیں جو یکے بعد دیگرے آئی ہیں۔

عربوں نے بسط ید کا استعمال ایسے مقام پر بھی کیا ہے جہاں "ید" ہونا صحیح ہی نہ ہو۔ شاعر کہتا ہے:

جاد الحمی بسط الیدین بوابل

شکرت نداه تلاعه ووهاده

"کھلے ہاتھوں والے بادل نے چراگاہ پر موسلا دھار بارش برسائی تو اس کی عطا (بارش) کا شکریہ نشیب وفراز پر مشتمل اس کی زمینوں نے کیا"۔

کھلی بات ہے کہ بادل کے ہاتھ نہیں۔

زہرۃ التفاسیر کی عبارت یہ ہے: وقد قال فی ذلك الزمخشری: (غل الید وبسطها) مجاز عن البخل والجود ومنه قوله تعالیٰ (لاتجعل یدك مغلولة الی عنقك ولا تبسطها كل البسط) ولایقصد من یتكلم به إثبات ید ولا غل ولا بسط حتی یستعمله فی بخیل لا یعطی بیده عطاءً قط. ولایمنعه إلا بإشارته من غیر استعمال یده وبسطها وقبضها، ولو أعطی الأقطع الی المنكب عطاء جزیلاً لقالوا: ما ابسط یده بالنوال؛ لان بسط الید وقبضها عبارتان وقعتا متعاقبتین وقد استعملوه حیث لا تصح الید كقوله: جاء الحمی بسط الیدین بوابل   شكرت نداه تلاعه ووهاده.

(جلد ۵ ص ۸۷ ۲۲۰)

آخری آیت میں مذکور لفظ أید کے بارے میں مشہور قول یہ ہے کہ یہ آدَ یئید أیداً بمعنی قوی

اور مضبوط ہونا کا اسم ہے جس کے معنی قوت کے ہیں مگر امام احمد رضا نے اسے ید کی جمع قرار دے کر اس کا معنی ''ہاتھوں'' کیا ہے۔

تفسیر رازی میں اَید کے ید کی جمع ہونے کا احتمال مذکور ہے اور اس کی دلیل میں اللہ تعالی کے یہ دو ارشادات پیش کیے گئے ہیں:

(۱) ''قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ''۔(ص:۳۸/۷۵)

''فرمایا اے ابلیس تجھے کس چیز نے روکا کہ تو اس کے لیے سجدہ کرے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا''

(۲) ''اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَاۤ اَنْعَامًا''۔ (یس، ۳۶/۷۱) ''اور کیا انھوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے چوپائے ان کے لیے پیدا کیے''

تفسیر رازی کے الفاظ یہ ہیں:

''وَقَوْلُهُ تَعَالَى: بِأَيْدٍ أَيْ قُوَّةٍ وَالْأَيْدُ :الْقُوَّةُ، هَذَا هُوَ الْمَشْهُورُ وَبِهِ فُسِّرَ قَوْلُهُ تَعَالَى: ذَا الْأَيْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ [ص: ١٧] ويَحْتَمِلُ أَنْ يُقَالَ إِنَّ الْمُرَادَ جَمْعُ الْيَدِ، وَدَلِيلُهُ أَنَّهُ قَالَ تَعَالَى: لِما خَلَقْتُ بِيَدَيَّ [ص: ٧٥] وَقَالَ تَعَالَى: مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينا أَنْعاماً [يس: ٧١] وَهُوَ رَاجِعٌ فِي الْحَقِيقَةِ إِلَى الْمَعْنَى الْأَوَّلِ وَعَلَى هَذَا فَحَيْثُ قَالَ: خَلَقْتُ قَالَ: بِيَدَيَّ وَحَيْثُ قَالَ: بَنَيْنا قَالَ: بِأَيْدٍ لمقابلة الجمع بالجمع.''(ج: ۳۸/ص:۱۸۸)

''اللہ تعالی کے قول اید سے قوت مراد لینا مشہور ہے اور اللہ تعالی کے ارشاد ذا الاید انہ اواب کی یہی تفسیر کی گئی ہے''۔

ایک احتمال یہ ہے کہ یہاں اید، ید کی جمع ہو، اس کی دلیل اوپر مذکور دونوں ارشادات الہی ہیں۔ درحقیقت اس صورت میں بھی معنی اول قوت ہی مراد ہے۔ اس تقدیر پر جہاں اللہ تعالی نے ''**خلقت**'' (میں نے پیدا کیا) فرمایا وہاں **بیدیَّ** تثنیہ ذکر فرمایا اور جہاں ''**بنینا**'' (ہم نے بنایا) ذکر کیا وہاں **باید** فرمایا تاکہ جمع سے جمع کا مقابلہ ہو جائے''۔

امام احمد رضا نے صنعت مقابلۃ الجمع بالجمع کے سبب اید کو ید کی جمع قرار دے کر ترجمہ فرمایا۔

خلقت بیدی میں یدی اور مما علمت ایدینا میں ایدی سے مراد قوت وقدرت ہے۔

تفسیر سمرقندی میں ہے:قولہ مما علمت ایدینا انعاما یعنی: اناخلقناھم بقوتنا

وقدرتناو بامرنا انعاما یعنی الابل والبقر والغنم .ہم نے ان کے لیے اپنی قوت وقدرت اورامر سے چوپایے یعنی اونٹ، گائیں اور بکریاں پیدا کیں۔

تاویلات اہل السنۃ میں ہے:وقولہ (خلقت بیدی)ای بقوۃ ونحوہ واللہ اعلم .

مندرجہ ذیل دوآیتوں میں اللہ کی طرف منسوب لفظ ید کا ترجمہ امام احمد رضا نے ہاتھ نہیں فرمایا۔

(۱)یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ(حجرات،آیت ۱)

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔

(۲)تَبٰرَکَ الَّذِیۡ بِیَدِہِ الۡمُلۡکُ (ملک،آیت ۱)

بڑی برکت والا ہے وہ جس کے قبضہ میں سارا ملک۔

پہلی آیت کے بین یدی اللہ کا ترجمہ "آگے" فرمایا کیوں کہ عرب جب کہتے ہیں: لاتقدم بین یدی الإمام یا لاتقدم بین یدی الأب توان کی اس سے مراد ہوتی ہے: سردار قوم یا باپ سے آگے یا اس سے پہلے کوئی امر یا نہی صادر نہ کرو بلکہ یہ کام انھیں پر چھوڑ دو۔

تفسیر وسیط میں ہے:قال ابو عبیدۃ: العرب تقول لاتقدم بین یدی الإمام او بین یدی الاب ای لاتعجل بالامر والنھی دونہ ومعنی بین الیدین ھھنا الأمام والقدام وذلک راجع الی قدام الامر والنھی لان المعنی لاتقدموا قبل امرھما ونھیھما و بین الیدین عبارۃ عن الأمام لان مابین یدی الانسان أمامہ ومعنی الآیۃ لاتقطعوا امرا دون اللہ ورسولہ ای لاتعجلوا بہ.(ج۴/ص۱۵۰)

دوسری آیت کے ید کا ترجمہ "قبضہ" فرمایا کیوں کہ ید، قبضہ، قدرت اور تصرف کے معنی میں آتا ہے۔

تفسیر بیضاوی میں ہے:(تبارک الذی بیدہ الملک)بقبضتہ وقدرتہ التصرف فی الامور کلھا(ج۵/ص۲۲۸)

مدارک میں ہے: (تبارک)تعالیٰ وتعاظم عن صفات المخلوقین (الذی بیدہ الملک)ای بتصرفہ الملک والاستیلاء علی کل موجود وھو مالک الملک یؤتیہ من یشاء و ینزعہ ممن یشاء .(ج۳/ص۵۱۰)

عَلَم الھدیٰ حضرت امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ عضو مخصوص "ہاتھ" سے ذات باری تعالیٰ کے پاک ہونے پر دلیل قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وفی قولہ (اولی الایدی والابصار) دلالۃ

أنّه قديفهم بذكر الايدى غيرالجارحة و بذكرالبصرغيرالعين لانه معلوم انه لم يرد بذكرالايدى الجوارح ولابذكرالابصارالاعين ولافهم منه ذلك، ولكن فهم باليدالقوة و بذكر البصرالفهم ومافهم فعلى ذلك لايفهم من قوله -عزوجل- (خلقت بيدى) ونحوه الجارحة على مايفهم من الخلق ولكن القوة اوغيرهالكن كنى باليدعن القوة لان باليد يقوى وكنى بالبصرعن درك الاشياء حقيقة كما بالبصريدرك الاشياء (تفسیر الماتریدی ج۸ ص۶۳۶)

"اللہ تعالیٰ کے قول (اولی الایدی والابصار) میں اس پر دلالت ہے کہ کبھی ایدی ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے عضو خاص "ہاتھ" مراد نہیں ہوتا اور کبھی بصر کا ذکر ہوتا ہے اور اس سے عضو مخصوص "آنکھ" مراد نہیں ہوتی کیوں کہ یہ بات معلوم و متعیّن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں ایدی ذکر فرما کر اس سے ہاتھ اور ابصار ذکر فرما کر اس سے آنکھ مراد نہیں لی ہے اور نہ ان سے یہ اعضا سمجھے گئے بلکہ ید سے قوت اور بصر سے فہم یا دوسرے معنی سمجھے گئے لہٰذا اس بنیاد پر اللہ عزوجل کے ارشاد: (خلقت بیدی) اور اسی طرح کے دوسرے ارشادات سے اللہ کے لیے ہاتھ نہیں سمجھا جائے گا جیسا کہ مخلوق سے ہاتھ سمجھا جاتا ہے بلکہ ان میں ید سے قوت یا کوئی اور معنی سمجھا جائے گا۔ ید کا قوت سے کنایہ کیا گیا اس لیے کہ ید سے قوت حاصل ہوتی ہے اور بصر کا حقیقت اشیا کے ادراک سے کنایہ کیا گیا کیوں کہ بصر سے اشیا کا ادراک ہوتا ہے"۔

یمین

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے لیے یمین کا لفظ وارد ہوا ہے۔ اس کے معانی یہ ہیں: داہنا ہاتھ، داہنی جانب جیسے جلس عن يمينه: وہ اس کی داہنی جانب بیٹھا۔ جلس ذات اليمين: وہ داہنی جانب بیٹھا۔ سعادت جیسے فلان من اصحاب اليمين: فلاں سعادت مندوں میں سے ہے۔ ملک جیسے هذا الشیء ملك يمينی: میں اس چیز کا مالک ہوں۔ ملك اليمين: غلام، باندی۔ هذاالشیء فی يمينی: یہ چیز میری ملک ہے۔ قدرت، قوت، حق اور خیر کا پہلو جیسے قالوا انكم كنتم تاتوننا عن اليمين (الصافات ۲۸): بولے تم ہمارے پاس حق اور دین کی جہت سے آتے تھے۔ قسم، عہد جیسے أو يخافوا أن ترد أيمان بعد أيمانهم (مائدہ ۵ / ۱۰۸) "یا ڈریں کہ کچھ قسمیں رد کر دی جائیں ان کی قسموں کے بعد (یا) کچھ عہد رد کر دیے جائیں ان کے عہدوں کے بعد (معجم و تفسیر لغوی

لکلمات القرآن ج ۵ / ص ۳۰۹، ۳۱۱، ۳۱۰)

یمین میں بھی امام احمد رضا نے مسلک تاویل کو اپنایا ہے۔ ذیل کی دو آیتیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) ”وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ“۔ (زمر ۳۹ / ۶۷)

”اور اس کی قدرت سے سب آسمان لپیٹ دیے جائیں گے۔“

(۲) ”لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ ۝۴۵“۔ (حاقہ، / ۴۵) ضرور ہم ان سے بقوت بدلہ لیتے۔“

پہلی آیت کی تفسیر، تفسیر سمرقندی میں اس طرح ہے:

وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ أي: بقدرته. وقال القتبي: بِیَمِینِهِ أي: بقدرته نحو قوله: ما مَلَكَتْ أَيْمانُهُمْ [الأحزاب: ٥٠] يعني: ما كانت لهم عليه قدرة. وليس الملك لليمين دون الشمال. ويقال: اليمين هاهنا الحلف، لأنه حلف بعزته، وجلاله، ليطوينّ السموات والأرض. (ج ۳، ص: ۱۹۴)

” وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ میں یمین سے مراد ”اللہ کی قدرت“ ہے۔ قتبی کا بھی یہی قول ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان ما مَلَكَتْ أَيْمانُهُمْ سے مراد ہے: وہ باندیاں جن پر انھیں یعنی ایمان والوں کو قدرت تھی۔ مراد یہ نہیں کہ ملک داہنے ہاتھ کی تھی بائیں کی نہیں یعنی ایسے جملوں میں مالک ہونے کی نسبت داہنے ہاتھ کی طرف کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ صاحب ملک کی طرف نسبت مقصود ہوتی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یمین یہاں قسم کے معنی میں ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت وعظمت کی قسم یاد فرمائی ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کو ضرور لپیٹ دے گا۔“

دوسری آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں:

وقيل :اليمين بمعنى القوة فالمعنى ”لانتقمنامنه بقوتنا وقدرتنا“ وعبرعن القوة باليمين لأن قوة كل شيء في ميامنه فيكون من قبيل ذكرالمحل وإرادة الحال أو ذكر الملزوم وإرادة اللازم (روح البیان) جز ۱۰ / ص ۱۵۱) ”یمین قوت کے معنی میں ہے اس لیے آیت کے معنی ہوں گے ہم اس سے اپنی قوت وقدرت سے بدلہ لیتے“۔

قوت کی تعبیر یمین سے اس لیے کی گئی کہ ہر چیز کی قوت اس کے داہنے حصوں میں ہوتی ہے۔ اس طرح یہ محل کو ذکر کرکے اس سے حال یا ملزوم کو ذکر کرکے اس سے لازم مراد لینے کے قبیل سے ہے۔

علامہ محمد علی صابونی لکھتے ہیں:

(لأخذنامنه باليمين)أی لانتقمنا منه بقوتنا وقدرتنا.(صفوة التفاسير ج ۳/ ۴۱۵) شماخ کہتا ہے:

إذا ماراية رفعت لمجد تلقّاها عرابة باليمين

أي بالقوة.

جب مجد وشرف کا کوئی پرچم بلند کیا جاتا ہے تو اسے عرابہ مضبوطی اور قوت کے ساتھ تھامتا ہے۔(قرطبی ج ۱۸/ ص ۲۷۶)

عین

عین کے کثیر معانی ہیں۔ آنکھ، بینائی، جیسے هو قوى العين،وہ تیز بینائی والا ہے۔پانی کا چشمہ، جیسے فيهما عينان تجر یان:ان میں دو چشمے بہ رہے ہیں۔شہر کے لوگ، گھر کے لوگ، امیر لشکر، جاسوس، شے کی ذات، کہا جاتا ہے :هو هو عينا او بعينه،وہ ہو بہو وہی ہے۔جاء محمد عينه، خود محمد آیا۔ قوم کا بڑا اور شریف، موجود جیسے بعتُه عينا بعين، میں نے موجود سے موجود کی بیع کی۔ محفوظ ، کہا جاتا ہے: **أنت على عيني.** تم تکریم اور حفاظت میں میری آنکھوں پر ہو یعنی میرے نزدیک مکرم اور محفوظ ہو۔جمع: اعین۔(کتب لغت)

قرآن کریم کی چند آیات میں عین اور اس کی جمع اعین کا ذکر اللہ تعالی کے لیے ہوا ہے۔امام احمد رضا نے ایسی کئی آیات میں ان کا ترجمہ ”نگاہ“کیا ہے کیوں کہ اردو میں بھی ”نگاہ“ کے کئی معانی ہیں: نظر، چتون، تیور، بصارت، آنکھ، توجہ، عنایت، مہربانی، نگرانی، رکھوالی، چوکسی۔

اس طرح امام احمد رضا نے یہاں بھی اصحاب تاویل کے موقف کا اتباع کیا ہے۔

ملاحظہ ہوں ترجموں کے ساتھ کچھ وہ آیات جن میں اللہ کے لیے عین یا اعین کا ذکر ہوا ہے:

(۱) ولتصنع على عيني: اور اس لیے کہ تو میری نگاہ کے سامنے تیار ہو۔

تاویلات اہل السنۃ میں ہے:قال أبو عوسجة،(ولتصنع على عيني)أي تربى بعيني. (ج۷/ ۲۸۳۲)

”ابو عوسجہ نے کہا ولتصنع على عيني کے معنی ہیں: تا کہ میری نگاہ کے سامنے تیری تربیت ہو۔

تفسیر سمعانی میں ہے:ای تربى و تغذى على نظر منى (ج۳/ ص ۳۲۹) اور تا کہ میری نگاہ

کے سامنے تیری تربیت ہو۔

(۲) ”وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا“۔(ہود،۱۱/۳۷)

اور کشتی بناؤ ہمارے سامنے اور ہمارے حکم سے۔

البحر المحیط میں ہے:واصنع الفلك باعيننا بمرأى منا، وكلاءة وحفظ ... وجمعت هنا لتكثير الكلاءة والحفظ وديمومتها،نوحي إليك ونلهمك كيف تصنع۔(ج:۶/۱۴۹)

کشتی میرے سامنے اور میری حفاظت ونگہ داشت میں تیار کرو۔ یہاں اعین جمع زیادہ حفاظت ونگہ داشت اور اس کی ہیشگی بتانے کے لیے آئی ہے۔

”بوحینا“ کا مطلب یہ ہے کہ ہم تمھیں وحی والہام کے ذریعہ کشتی بنانے کا طریقہ بتائیں گے۔

تفسیر سمرقندی میں ہے:يقول: اعمل السفينة باعيننا ، قال الكلبي: يعني بمنظر منا ووحينا يعني بوحينا إليك وقال مقاتل: يعني بتعليمنا وأمرنا . (ج:۲/۱۴۹)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:”ہمارے سامنے اور ہماری وحی سے کشتی بناؤیا ہمارے بتانے اور ہمارے حکم سے کشتی بناؤ“۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ باعیننا سے اس کا ظاہر معنی” آنکھ“ مرادلیناچندوجوہ سے ناممکن ہے۔

(۱) یہ معنی اس بات کا مقتضی ہے کہ اللہ کی بہت آنکھیں ہوں تو یہ اللہ تعالیٰ کے قول ولتصنع علی عینی کے ظاہر معنی کے مناقض ہے۔

(۲) یہ مقتضی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کشتی اِن آنکھوں سے بنائیں جیسے کہا جاتا ہے: میں نے چھری سے کاٹا۔ میں نے قلم سے لکھا۔

اوراس کا بطلان ایک امر معلوم ہے۔

(۳) قطعی عقلی دلائل سے اللہ تعالیٰ کا اعضاوجوارح اوراجزاوابعاض سے منزہ وپاک ہوناثابت ہے۔

نظر برآں تاویل سے چارہ نہیں اس لیے اس کی چند تاویلیں کی گئی ہیں:

(۱) باعیننا کے معنی ہیں ہمارے فرشتے کی آنکھوں کے سامنے کشتی بناؤ جوکشتی بنانے کا طریقہ بتائے۔کہا جاتا ہے:فلان عين على فلان:فلاں کو فلاں پر مقرر کیا گیا تاکہ وہ اس کے احوال سے آگاہی حاصل کرتا ہے اوراس کی آنکھ اس سے نہ ہٹے۔

(۲) جب کسی کے نزدیک کوئی چیز زیادہ حفاظت کی مستحق ہوتی ہے تو وہ اس پر نگاہ رکھتا ہے تو چوں کہ

اس پر نگاہ رکھنا اس کی زیادہ سے زیادہ حفاظت ونگہ داشت کا سبب ہے اس لیے عربی میں لفظ عین کو حفاظت سے کنایہ قرار دیا گیا، اسی لیے مفسرین نے کہا آیت کے معنی ہیں: تم کشتی بناؤ ہم اس طرح تمھاری حفاظت کریں گے جیسے وہ شخص حفاظت کرتا ہے جو تمھیں دیکھ رہا ہو اور تم سے غم اور برائی کو دور کر سکتا ہو۔

تفسیر رازی کی عبارت یہ ہے: اما قوله: باعيننا فهذا لايمكن إجراؤ ه على ظاهره من وجوه. **أحدها:** انه يقتضي ان يكون لله تعالىٰ اعين كثيرة وهذا يناقض ظاهر قوله تعالىٰ: ولتصنع على عينى. **وثانيها** انه يقتضى ان يصنع نوح عليه السلام ذلك الفلك بتلك الاعين كما يقال: قطعت بالسكين وكتبت بالقلم ومعلوم ان ذلك باطل. **ثالثها:** انه ثبت بالدلائل القطعية العقلية كونه تعالىٰ منزها عن الاعضاء والجوارح والاجزاء والابعاض فوجب المصير فيه الى التاويل وهو من وجوه. الاول: ان معنى باعيننا اى بعين الملك الذى كان يعرفه كيف يتخذ السفينة يقال: فلان عين على فلان: نصب عليه ليكون متفحصا عن احواله ولا تحول عنه عينه. الثانى: ان من كان عظيم العناية بالشيء فانه يضع عينه عليه، فلما كان وضع العين على الشيء سببا لمبالغة الاحتياط والعناية جعل العين كناية عن الاحتياط فلهذا قال المفسرون معناه: بحفظنا اياك حفظ من يراك ويملك دفع الشر عنك (تفسیر رازی، ج۱۷، ص۳۴۴)

(۳) وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا۔ (طور ۵۲/ ۴۸)

اور اے محبوب! تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو کہ بے شک تم ہماری نگہ داشت میں ہو۔"

امام احمد رضا نے اس آیت کا ترجمہ: "اپنے رب کے حکم کے لیے ٹھہرو" نہیں فرمایا بلکہ فرمایا اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو، اس سے وہ ہمیں دو باتیں بتانا چاہتے ہیں ایک یہ کہ لحکم کا لام "علی" کے معنی میں ہے، دوسری یہ کہ صبر میں ثبات واستمرار کا معنی ہے۔

آیت بالا کی تفسیر تفسیر سمرقندی میں اس طرح ہے:

ثم عزى نبيه صلّى الله عليه وسلم ليصبر على أذاهم فقال: وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ يعني: لما أمرك ربك، ونهاك عنه. ويقال: واصبر على تكذيبهم، وأذاهم. فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنا يعني: فإنك بمنظر منا، والله تعالى يرى أحوالك، ولا يخفى عليه شيء. وقال الزجاج: فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنا بمعنى فإنك بحيث نراك، ونحفظك، ولا يصلون

إلى مكرك. ويقال: نرى ما يصنع بك.۔(ج:۳/۳۵۷)

”پھر اللہ تعالی نے اپنے نبی کو ان کی اذیت پر صبر کرنے کے لیے تسلی کے یہ کلمات ارشاد فرمائے:
”اے محبوب! تم اپنے رب کے حکم پر یعنی اس کے مامورات و منہیات پر ٹھہرے اور جمے رہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: اے محبوب! تم ان کی اذیت رسانی اور جھٹلانے پر صبر کرتے رہو اس لیے کہ تم میری نگاہ کے سامنے ہو اور اللہ تمھارے احوال دیکھ رہا ہے اس پر کوئی چیز ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ زجاج نے کہا: فانك باعيننا کے معنی ہیں: تم ایسی جگہ ہو جہاں ہم تمھیں دیکھ رہے ہیں اور تمھاری نگہ داشت فرما رہے ہیں۔ تمھارے خلاف ان کا مکر کامیاب نہیں ہو گا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تمھارے ساتھ جو کیا جائے گا وہ ہمارے سامنے ہے اور ہم اسے دیکھ رہے ہیں“۔

تفسیر رازی میں ہے:”الثاني: الصبر فيه معنى الثبات وكأنه يقول فاثبت لحكم ربك“۔ صبر میں ثبات کا معنی ہے گویا فرما رہا ہے: تم اپنے رب کے حکم پر ثابت اور قائم رہو“۔

آپ نے دیکھا کہ مفسرین نے على عيني اور باعيننا کی تاویل على حفظي، على علمي، بمرأى منا، بمنظر منا اور بحفظنا کی ہے۔ امام احمد رضا نے اسی مفہوم کو کہیں ”میری نگاہ کے سامنے“ میرے سامنے، ہماری نگاہ کے روبرو اور کہیں ”ہماری نگہ داشت“ کے الفاظ سے ادا کیا ہے۔ اردو میں اس ہیئت کے ساتھ یہ الفاظ توجہ، التفات، عنایت، نگرانی، دیکھ بھال اور حفاظت کا مفہوم ادا کرتے ہیں۔ چناں چہ اگر کہا جائے: یہ کام میری نگاہ کے سامنے کرو یا میرے سامنے کرو یا میری نگاہ کے روبرو کرو تو اس کا مفہوم صرف اور صرف یہ ہوتا ہے کہ میری نگہ داشت، نگرانی، دیکھ بھال، علم اور جان کاری میں یہ کام کرو۔ اس طرح یہ الفاظ، الفاظ قرآن سے قریب بھی رہے اور منشاے قرآن کے ترجمان بھی رہے۔

وجہ

عربی میں لفظ وجہ کے بہت سے معانی ہیں مثلاً قصد، نیت، عمل وغیرہ جس کی طرف انسان متوجہ ہو، رضا و خوشنودی، کہا جاتا ہے: فعل ذلك لوجه الله: اس نے وہ کام رضاے الٰہی کے لیے کیا۔ قدر و شرف، بلندی مرتبہ، سردار، شریف، چہرہ، ہر چیز کا سامنے کا حصہ، شي کی ذات، دل۔ حدیث میں ہے: لتسون صفوفكم أو ليخالفن الله بين وجوهكم: نمازیں لازمی طور پر اپنی صفیں سیدھی

کرلیا کرو، ورنہ اللہ تمھارے دلوں میں ایک دوسرے کی مخالفت پیدا کردے گا۔ جمع: وجوہ۔ (کتب لغت)

"وجہ" کے بارے میں بھی امام احمد رضا نے متکلمین کا موقف اختیار فرمایا ہے۔

ہم ذیل میں چند آیات ان کے ترجموں کے ساتھ درج کر رہے ہیں۔ ساتھ میں معتبر کتبِ تفاسیر سے کم از کم ایک ایک تائیدی عبارت بھی پیش کریں گے۔

(۱) "فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ" [بقرہ،۲/۱۱۵]

تو تم جدھر منہ کرو ادھر وجہ اللہ (خدا کی رحمت تمہاری طرف متوجہ) ہے۔

تفسیر بغوی میں ہے: یعنی فأینما تحولوا (فثم) أی هناك رحمة الله۔ (ج:۱/ص:۱۳۹)

"تم جدھر منہ پھیرو ادھر اللہ کی رحمت ہے"۔

امام احمد رضا نے اپنے ترجمہ میں وجہ کے لغوی معنی کی بھی رعایت کی ہے۔

(۲) ذٰلِکَ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَ اللّٰہِ [روم،۳۰/۳۸]

یہ بہتر ہے ان کے لیے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں۔

تفسیر رازی میں ہے: والثالث أن یکون المراد منه "فثم مرضاة الله"(ج:۴/ص:۲۱)

"وجہ سوم یہ ہے کہ وجہ سے مراد اللہ کی رضا وخوش نودی ہے۔

(۳) "کُلُّ شَیۡءٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجۡہَہٗ"[قصص،۲۸/۸۸]

ہر چیز فانی ہے سوا اس کی ذات کے۔

(۴) وَّ یَبۡقٰی وَجۡہُ رَبِّکَ ذُو الۡجَلٰلِ وَ الۡاِکۡرَامِ [رحمٰن،۵۵/۲۷]

اور باقی ہے تمھارے رب کی ذات، عظمت اور بزرگی والا۔

قرطبی میں ہے:

(وَّ یَبۡقٰی وَجۡہُ رَبِّکَ) أی و یبقی الله فالوجه عبارة عن وجوده وذاته سبحانه، قال الشاعر: قضی علی خلقه المنایا فکل شیء سواه فانی.(قرطبی،ج:۱۱/۱۶۵)

"وَّ یَبۡقٰی وَجۡہُ رَبِّکَ" سے مراد ہے: اللہ باقی رہے گا۔ لہذا وجہ سے اللہ کا وجود اور اس کی ذات پاک مراد ہے۔

شاعر نے کہا: اللہ نے اپنی مخلوق پر موتیں لکھ دیں یعنی اس پر فنا لازم کر دیا ہے اس لیے اس کے سوا ہر شے فانی ہے۔

کشاف میں ہے: وجه ربك ذاته، والوجه يعبر عن الجهة والذات ؛ومساكين مكة يقولون: أيّ وجه عربي كريم سينقذني من الهوان. (ج:۴/۴۴۶)

وَجْهُ رَبِّكَ سے مراد ہے: رب تعالیٰ کی ذات۔ لفظ وجہ سے جہت اور ذات کی تعبیر کی جاتی ہے۔ مکہ کے کمزور اور ذلیل لوگ کہتے ہیں: کون معزز اور شریف عرب ہستی ہے جو مجھے جلد ذلت ورسوائی سے نجات دے گی۔

(۵) ''اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ'' [انسان۷۶/۹]

''ہم تمھیں خاص اللہ کے لیے کھانا دیتے ہیں''۔

تفسیر رازی میں ہے:

ونظيره قوله تعالى: إنما نطعمكم لوجه الله يعني لرضوان الله. (ج:۴/ص:۲۱)

اس آیت کے ترجمہ میں امام احمد رضا نے بڑے اختصار سے کام لیا ہے۔ اس میں انھوں نے وجہ کا ترجمہ ذات نہیں کیا کیوں کہ یہاں وجہ صلہ اور زائد ہے۔ پھر ''اللہ کی رضا کے لیے'' ترجمہ نہیں کیا بلکہ ''اللہ کے لیے'' پر اکتفا فرمالیا کیوں کہ اردو زبان میں ایسے مواقع پر یہ ''اللہ کی رضا کے لیے'' کا ہی معنی دیتا ہے۔ لفظِ ''خاص'' اِنَّمَا کا ترجمہ ہے، کیوں کہ یہ جس جملے پر داخل ہوتا ہے، اس کے آخری جز میں حصر اور تخصیص کا معنی پیدا کرتا ہے۔

اگرچہ وجہ کا معنی ''چہرہ'' بھی ہے لیکن جیسا کہ ہم نے ذکر کیا عربی زبان میں اس کا اطلاق ذات، رحمت اور رضا وغیرہ معانی پر بھی ہوتا ہے اور اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی جسم اور چہرہ وغیرہ اعضا وجوارح سے وجوبی طور پر منزہ اور پاک ہے اس لیے امام احمد رضا نے وجہ کا معنی کہیں رحمت، کہیں رضا اور کہیں ذات لکھا۔

ایسی آیات میں ''وجہ'' کو عضو مخصوص کے معنی میں لینا ممکن ہی نہیں۔ اس لیے کہ یہ عقل اور نقل یعنی قرآن کریم کے خلاف ہے کیوں کہ اللہ تعالی کا ارشاد ''كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ'' اس بات پر دلیل ہے کہ اللہ کے وجہ کے سوا ہر چیز ہلاک ہوجائے گی اور صرف وجه الله باقی رہے گا تو وجہ کو عضو مخصوص پر محمول کرنے میں لازم آئے گا کہ اس کا ہاتھ فنا ہوجائے جس کا اثبات مجسمہ نے اس کے لیے کیا اور اس کا پیر باقی نہ رہے جس کا انھوں نے قول کیا لیکن اگر اس سے اللہ کی ذات یا اس کی حقیقت مراد ہو تو کوئی اشکال لازم نہیں آتا۔

امام رازی لکھتے ہیں:

الوجه يطلق على الذات والمجسّم يحمل الوجه على العضو وهو خلاف العقل والنقل أعنى القرآن لأن قوله تعالى: كل شيءٍ هالك إلا وجهه يدل على أن لا يبقى إلا وجه الله تعالى، فعلى القول الحق لاإشكال فيه لأن المعنى لايبقى غير حقيقة الله أو غير ذات الله شيء، وهو كذلك، وعلى قول المجسّم يلزم أن لا تبقى يده التي أثبتها ورجله التي قال بها: (تفسیر رازی، ج:۲۲ -۲۹/ص:۳۵۵)

نفس

نفس واحد ہے۔ انفس اور نفوس اس کی جمعیں ہیں۔اس کے چند معانی یہ ہیں: جان، نظر بد، کہا جاتا ہے **اصابته عين**: اسے نظر بد لگ گئی۔ خون، جسم، کہا جاتا ہے **هو عظيم النفس**: وہ بھاری جسم کا ہے۔ عظمت، ہمت، عزت، غیرت وخود داری، ارادہ، رائے، عیب، عقوبت، نفس الامر: حقیقت امر۔ نفس الشيء: عین شے، ذات، قصد، مراد۔ (کتب لغت)

نفس کے بارے میں بھی امام احمد رضا نے متکلمین کے موقف کا اتباع کیا ہے۔ ذیل میں کچھ آیات اور ان کے ترجمے مفسرین کی تائیدی عبارتوں کے ساتھ درج کیے جاتے ہیں:

(ا) ”تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ “ [مائدہ،۱۱۶]

”تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے۔“

سید المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: تو وہ سب جانتا ہے جو میرے غیب میں ہے اور میں وہ نہیں جانتا جو تیرے غیب میں ہے یعنی تو میرے دل کے راز ہائے سربستہ کو جانتا ہے لیکن تیرے ان رازوں سے میں آگاہ نہیں جن پر تو نے مجھے مطلع نہیں کیا۔

زجاج نے کہا: نفس کے معنی ہیں: ”شی کی حقیقت“ تو آیت کے معنی ہوں گے: تو میرے مخفی بھیدوں سے باخبر ہے مگر میں ان باتوں سے بالکل بے خبر ہوں جو تیری حقیقت میں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میں جو بھی علم رکھتا ہوں اس سے تو آگاہ ہے لیکن میں ان باتوں کا کچھ بھی علم نہیں رکھتا جن سے تو آگاہ ہے۔ اس پر دلیل اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے: بے شک تو ہی تمام غیبوں سے آگاہ ہے۔

یہ ارشاد بطور مطابقہ ومشاکلہ ہے۔ مشاکلہ یہ ہے کہ کسی چیز کو دوسری چیز کے ساتھ واقع ہونے

کے سبب اس دوسری چیز کے لفظ سے ذکر کر دیا جائے۔ عربی زبان میں یہ بکثرت رائج ہے اور زبان میں اس سے حسن پیدا ہوتا ہے چناں چہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چوں کہ اپنا راز اور علم اپنے نفس میں چھپاتے تھے اس لیے اللہ کے راز اور علم کو بھی ان امور سے قرار دے دیا جنھیں اللہ اپنے نفس میں چھپائے۔ اس طرح نفس کا نفس سے مقابلہ ہو گیا اور کلام میں مشابہت و یکسانیت آگئی اور نظمِ کلام میں حسن پیدا ہو گیا۔

التفسیر الوسیط میں ہے: قال ابن عباس: تعلم ما في غيبي ولا أعلم ما في غيبك، والمعنى: تعلم ما أخفيه من سري وغيبي ولا أعلم ما تخفيه أنت ولم تطلعنا عليه، فلما كان سر عيسى يخفيه في نفسه، جعل أيضا سر الله مما يخفيه الله في نفسه ليزدوج الكلام ويحسن النظم. وقال الزجاج: النفس في اللغة تقع عبارة عن حقيقة الشي ء فمعنى "تعلم ما في نفسي أي تعلم ما أضمره (ولا أعلم ما في نفسك) أي لا أعلم ما في حقيقتك وما عندي علمه. والتاو يل: إنك تعلم ما أعلم ولا أعلم ما تعلم، يدل على هذا إنك أنت عَلام الغيوبِ .(ج:۲/۴۴۸)

تفسیر نسفی میں ہے:

(تعلم ما في نفسي) ذاتي (ولا أعلم ما في نفسك) ذاتك فنفس الشيء: ذاته وهويته، والمعنى: تعلم معلومي ولا أعلم معلومك.(ج ا/ص:۴۸۷)

"میرے نفس اور ذات میں جو کچھ نہاں ہے اس سے تو باخبر ہے اور مجھے ان باتوں کی کچھ بھی خبر نہیں جو تیری ذات میں ہیں یعنی جو کچھ میرے علم و دانست میں ہے تو اس سے آگاہ ہے اور مجھے ان باتوں کا کوئی علم نہیں جو تیرے علم میں ہیں"۔ عرب نفس الشیء سے شی کی ذات اور اس کی حقیقت مراد لیتے ہیں"۔

علامہ رازی مجسّمہ کے نفس سے شخص اور جسم مراد لینے کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: تمسکت المجسّمة بهذه الآية وقالوا: النفس هوالشخص وذلك يقتضى كونه تعالىٰ جسما والجواب من وجهين: الاول ان النفس عبارة عن الذات يقال: نفس الشيء وذاته بمعنى واحد. والثانى ان المراد تعلم معلومى ولااعلم معلومك ولكنه ذكر هذاالكلام على طر يق المطابقة والمشاكلة وهومن فصيح الكلام (تفسیر رازی ج ۱۲/ص ۴۶۶)

مجسمہ نے اس آیت کو اپنے موقف پر دلیل قرار دیتے ہوئے کہا کہ نفس کے معنی شخص اور جسم کے ہیں

لہذا یہ اللہ تعالیٰ کے جسم ہونے کی مقتضی ہے۔اس کا جواب دووجہوں پر ہے۔(۱)نفس سے مراد ذات ہے کہاجاتا ہے:نفس الشيء وذاته: شی کی ذات۔(۲)آیت کریمہ سے مراد ہے:تو میری معلوم باتوں کو جانتا ہے اور میں تیری معلوم باتیں نہیں جانتا۔

یہ کلام بطور مطابقہ ومشاکلہ ذکر کیا گیا ہے جو کلام فصیح کے قبیل سے ہے۔

(۲)وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ (آل عمران۳/۲۸)

"اور اللہ تمھیں اپنے غضب سے ڈراتا ہے۔"

جلالین میں ہے:

(ويحذركم) يخوفكم (الله نفسه) أن يغضب عليكم. (ص:٦٩)

" اللہ تم پر اپنا غضب نازل فرمانے سے ڈراتا ہے"۔

(۳)وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ۔ (آل عمران۳/۳۰)

اور اللہ تمھیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے۔

البحر المحیط میں ہے:

قال ابن عباس والحسن :ويحذركم الله عقابه(ج۳/ص۹۶)

حضرت ابن عباس اور حسن بصری نے کہا: اللہ تمھیں اپنی سزا سے ڈراتا ہے۔

امام اہل سنت ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ تعالی لکھتے ہیں:وقال الله تعالى:(ويحذركم الله نفسه)وكان معناه :انه يحذركم عذابه لا ان اريد به تحقيق النفس.(تاویلات اہل السنہ ج:۱۰ص۵۲۵)

اس آیت کے معنی ہیں: اللہ تمھیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے۔یہاں حقیقتِ نفس مراد نہیں۔

علامہ بغوی لکھتے ہیں:ويحذركم الله نفسه أي ويخوفكم الله عقوبته على موالاة الكفار وارتكاب المنهي ومخالفة الامور.(تفسیر البغوی ج۱ص۴۲۸)آیت کے معنی ہیں: اللہ کافروں سے دوستی کرنے، ممنوع کام کا ارتکاب کرنے اور اللہ ورسول کے فرامین کی مخالفت کرنے پر تمھیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے۔

(۴)فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ۔(انعام۶/۵۴)

ان سے فرماؤ تم پر سلام تمھارے رب نے اپنے ذمہ کرم پر رحمت لازم کرلی ہے۔

امام رازی لکھتے ہیں:

كتب على نفسه ذلك أوجبه إيجاب الفضل والكرم. (تفسیر رازی، ج:۱۲/ ۴۸۹)
"كتب على نفسه ذلك کا مطلب ہے: اس نے اس کو اپنے اوپر اپنے فضل و کرم سے واجب اور لازم کر لیا ہے"۔

(۵) وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿۴۱﴾ (طٰہٰ ۲۰/ ۴۱)
"میں نے تجھے خاص اپنے لیے بنایا۔"

تاویلات اہل السنہ میں ہے: اخترتك لأمري وجعلتك القائم بحجتي والمخاطب بيني وبين خلقي كأني أقمت عليهم الحجة وخاطبتهم. (ج ۲/ ۳۶۵)
"میں نے تجھے اپنے امر اور دین کے لیے منتخب کیا اور دوسروں پر تجھ کو ترجیح دی۔ تجھے اپنی حجت کا قائم کرنے والا اور اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان مخاطب بنایا گویا میں نے اس پر حجت قائم کر دی اور اس سے خطاب فرمادیا"۔

قرطبی میں ہے: قال ابن عباس: اصطفيتك لوحيي ورسالتي، وقيل: اصطنعتك: خلقتك. (ج ۱۱/ ۱۹۸)
"حضرت ابن عباس نے فرمایا: میں نے تجھے اپنی وحی اور رسالت کے لیے چن لیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اصطنعتك کے معنی ہیں: میں نے تجھے بنایا"۔

لطائف الاشارات میں ہے: واستخلصتك لي حتى لاتصلح لاحد غيري ولا يتأتى شيء منك غير تبليغ رسالتي، وماهو مرادي. (ج ۲ ص ۴۵۸)
میں نے تجھے خاص اپنے لیے اس طور پر بنایا کہ تو میرے سوا کسی اور کے لائق ہی نہیں رہے گا اور تجھ سے میری رسالت اور میری مراد کی تبلیغ کے علاوہ کوئی کام نہ ہو گا۔

یہاں دوسری آیت کا ترجمہ امام احمد رضا نے "اپنے غضب سے ڈراتا ہے" اور تیسری آیت کا ترجمہ "اپنے عذاب سے ڈراتا ہے" کیا اس بات پر تنبیہ فرمانے کے لیے کہ آیتوں میں نفس سے پہلے غضب یا عقوبت یا عذاب مقدر ہے اور نفس، ذات کے معنی میں ہے جس پر لفظ "اپنے" دلالت کر رہا ہے۔ تقدیر عبارت ہے: و يحذركم الله غضب نفسه یا و يحذركم الله عقوبة نفسه او عذاب نفسه.

یہ بھی ممکن ہے کہ امام احمد رضا نے یہاں نفس کو غضب اور عذاب کے معنی میں لیا ہو کیوں کہ علامہ مرتضی زبیدی نے لکھا ہے کہ لفظ نفس، لغت میں عقوبت یعنی عذاب کے معنی میں آتا ہے اور

اصحاب تفسیر نے اس کی تفسیر عقوبت،(عقاب اور عذاب) سے کی ہے۔

لکھتے ہیں: والنفس :العقوبة ،قیل: ومنه قوله تعالى: ويحذركم الله نفسه أى عقوبته .(تاج العروس ج۱۶ص ۵۶۴)

اس آیت کے تحت درج محولہ تفسیری عبارتیں بھی اس کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔

چوتھی آیت کے ترجمے میں ”ذمۂ کرم“کا اضافہ فرمایا: اس کی ضرورت اس لیے ہوئی کہ عرب جب كتَب كذَا على فُلانٍ بولتے ہیں تو اس سے کسی شخص پر کوئی کام لازم کرنا مراد لیتے ہیں ادھر کلمۂ علی بھی عربی زبان میں کسی امر کو لازم کرنے کا افادہ کرتا ہے اس لیے مجموعی طور پر دونوں سے کسی امر کو لازم کرنے میں مبالغہ پیدا ہوتا ہے۔امام احمد رضا نے دیکھا کہ آیت کریمہ میں یہی ترکیب آئی ہے جس کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ بندوں پر رحم کرنا یا انھیں کسی نعمت سے نوازنا اللہ تعالی پر لازم ہے حالاں کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ یہ اللہ پر لازم نہیں ہے۔ہاں اللہ تعالی نے اپنے فضل وکرم سے ایسا کرنا لازم کر لیا ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں:قوله كتب كذاعلى فلان: يفيد الإيجاب وكلمة "على" أيضا تفيدالايجاب ومجموعهما مبالغة فى الإيجاب فهذا يقتضى كونه سبحانه راحماً لعباده رحيماً بهم على سبيل الوجوب.واختلف العقلاء فى سبب ذلك الوجوب فقال أصحابنا:له سبحانه أن يتصرف فى عبيده كيف شاء وأراد، إلاأنه أوجب الرحمةعلى نفسه على سبيل الفضل والكرم.(تفسیر الرازی ج۱۳/ ۶)

پانچویں آیت میں لفظ خاص کے اضافے کی حکمت معتبر کتب تفسیر کی عبارتوں سے ظاہر ہے۔

ساق

ساق :پنڈلی، سختی، کہاجاتاہے:كشف الامر عن ساقه :معاملہ سخت اوردشوار ہوگیا۔ قامت الحرب على ساق :جنگ شدت اختیار کرگئی۔درخت کا تنا،جان : حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے جنگ شُراۃ کے موقع پر فرمایا:لابد لى من قتالهم ولو تلفت ساقى:مجھے ان سے جنگ کرنا ناگزیر ہے اگرچہ میری جان تلف ہوجائے۔جمع:سیقان ،اسوق.

امام احمد رضا نے کلمۂ ساق میں اصحاب تفویض کے مسلک کی پیروی کی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

يوم يكشف عن ساق(پ۲۹ قلم۶۸ / ۴۲)

”جس دن ایک ساق کھولی جائے گی (جس کے معنی اللہ ہی جانتا ہے)
آیت کریمہ کے ترجمے میں ساق کو جوں کا توں رکھنا اور اس کے آگے ”جس کے معنی اللہ ہی جانتا ہے“ کا اضافہ کرنا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ یہاں اصحاب تفویض کے مسلک کی پیروی کی گئی ہے۔

اس کی وجہ بخاری و مسلم وغیرہ کی وہ حدیث ہے جس میں ساق کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔
حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سمعت النبی ﷺ یقول: یکشف ربنا عن ساقه فیسجد له کل مؤمن ومؤمنة و یبقی من کان یسجد فی الدنیا ریاء وسمعة فیذهب لیسجد فیعود ظهره طبقا واحدا (تفسیر بغوی ج۵/ص۱۴۱)
میں نے نبی کریم ﷺ کو کہتے ہوئے سنا: قیامت کے دن ہمارا رب اپنی ساق کھولے گا تو ہر مومن عورت مرد اس کے حضور سجدہ ریز ہوجائیں گے اور جو لوگ دنیا میں محض دکھاوے اور شہرت کے لیے سجدے کرتے تھے وہ سجدہ کرنا چاہیں گے تو ان کی پشتیں اتنی کڑی ہوجائیں گی اور ان کی لچک اس طرح ختم ہوجائے گی کہ وہ سجدہ نہ کرسکیں گے۔

علماے حق نے اللہ تعالیٰ کے اعضاوجوارح سے مرکب جسم ہونے کے ابطال میں بے شمار قاہر دلائل قائم کیے ہیں۔ ہم یہاں اختصار کے پیش نظر صرف ایک الزامی دلیل تفسیر رازی سے نقل کررہے ہیں۔
امام رازی لکھتے ہیں: جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اعضا اور اجزا سے مرکب ہے وہ یا تو صرف وہ اعضا اس کے لیے ثابت کرے گا جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے، ان پر کسی عضو کا اضافہ نہیں کرے گا یا ان پر اضافہ کرے گا۔
اگر وہ پہلی شق کو اختیار کرے گا تو اس پر ایک ایسی صورت کا اثبات لازم آئے گا جس سے زیادہ قبیح اور بھدی کوئی اور چیز ہو ہی نہیں سکتی، کیوں کہ اس پر ایک ایسے چہرہ کا ثابت کرنا لازم آئے گا جس کے ساتھ کوئی اور عضو پایا ہی نہ جائے گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کل شیء هالك الا وجهه: اس کے چہرے کے سوا ہر چیز فنا اور ہلاک ہوجائے گی۔ اس پر لازم ہوگا کہ وہ کثیر آنکھوں کا اثبات کرے کیوں کہ ارشاد باری ہے: تجری باعیننا: وہ کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے بہتی تھی۔ ایک کروٹ ثابت کرے کیوں کہ ارشاد الٰہی ہے: یاحسرتی علی مافرطت فی جنب الله: ہائے افسوس ان تقصیروں پر جو میں نے اللہ کی کروٹ میں کیا۔ اس کروٹ پر کثیر ہاتھوں کا اثبات کرے کیوں کہ ارشاد خداوندی ہے: مما عملت ایدینا: جنھیں میرے ہاتھوں نے بنایا۔ دو ہاتھ ہونے کی تقدیر پر لازم ہوگا کہ دونوں ایک ہی جانب ہوں

کیوں کہ فرمان رسالت مآب ہے: الحجر الاسود یمین اللہ فی الارض: حجر اسود زمین پر اللہ کا داہنا ہاتھ ہے۔اس پر یہ بھی لازم ہوگا کہ اس کے لیے ایک پنڈلی ثابت کرے کیوں کہ ارشاد ہے: یوم یکشف عن ساق: جس دن اللہ کی پنڈلی کھولی جائے گی یوں اس صورت کا حاصل صرف ایک ایسا چہرہ ہوگا جس پر بہت سی آنکھیں ہوں گی۔ ایک کروٹ ہوگی جس پر بہت سے ہاتھ اور ایک پنڈلی ہوگی اور معلوم ہے کہ یہ سب سے قبیح صورت ہوگی۔ اگر یہ غلام ہوتو اسے خریدنے کی کوئی خواہش نہ کرے گا اس لیے ایک عقل مند کیسے کہے گا کہ سارے عالم کے رب کی یہ صورت ہے۔

تفسیر رازی کے الفاظ یہ ہیں:ان من قال انه مرکب من الاعضاء والاجزاء فاما ان یثبت الاعضاء التی وردذکرهافی القرآن ولایزید علیها واما ان یزید علیها فان کان الاول لزمه اثبات صورة لایمکن ان یزاد علیها فی القبح لانه یلزمه اثبات وجه بحیث لایوجد منه الامجرد رقعة الوجه لقوله:کل شیء هالك الاوجهه (القصص: ۸۸)ویلزمه ان یثبت فی تلك الرقعة عیوناکثیرة لقوله:تجری باعیننا (القمر:۱٤)وان یثبت جنباواحدا لقوله تعالیٰ :یاحسرتی علی مافرطت فی جنب الله (الزمر:٥٦)وان یثبت علی ذلك الجنب ایدی کثیرة لقوله تعالیٰ :مماعملت ایدینا(یس:۷۱)وبتقدیران یکون له یدان فانه یجب ان یکون کلاهماعلی جانب واحدلقوله (ﷺ)الحجر الاسودیمین الله فی الارض، وان یثبت ساقاواحدالقوله تعالیٰ: یوم یکشف عن ساق(القلم٤٢) فیکون الحاصل من هذه الصورة مجرد رقعة الوجه ویکون علیها عیون کثیرة وجنب واحد ویکون علیه ایدکثیرة وساق واحد. ومعلوم ان هذه الصورة أقبح الصور ولوکان هذا عبدالم یرغب احد فی شرائه فکیف یقول العاقل ان رب العالمین موصوف بهذه الصورة.(تفسیر الرازی مفاتیح الغیب ج۲۶/ ۴۱۰)

اب اخیر میں متشابہات کے بارے میں ایک مفید اور ضروری ضابطہ ذکر کیا جارہا ہے جسے علامہ ابو حیان اندلسی نے اپنی تفسیر میں درج کیا ہے:

إذا كان للفظ دلالة على التجسيم فنحمله ، إمّا على ما يسوغ فيه من الحقيقة التي يصح نسبتها إلى الله تعالى إن كان اللفظ مشتركاً ، أو من المجاز إن كان اللفظ غير مشترك. والمجاز في كلام العرب أكثر من رمل يبرين ونهر فلسطين. فالوقوف مع ظاهر

اللفظ الدال على التجسيم غباوة وجهل بلسان العرب وأنحائها ومتصرّفاتها في كلامها، وحجج العقول التي مرجع حمل الألفاظ المشكلة إليها.

”اگر کسی لفظ کی دلالت اللہ کے جسم ہونے پر ہو رہی ہو تو اگر وہ چند معانی میں مشترک ہو تو ہم اسے اس کے اس حقیقی معنی پر محمول کریں گے جس کی نسبت اللہ کی طرف کرنا جائز ہو اور اگر وہ لفظ مشترک نہ ہو تو اسے اس کے اس مجازی معنی پر محمول کریں گے جو اس کے حق میں جائز ہو۔

عربوں کے کلام میں مجازات اتنے زیادہ ہیں کہ ریگستانِ یَبرین کی ریت اور نہرِ فلسطین کا پانی بھی ان سے کم ہے لہٰذا اللہ کی جسمیت پر دلالت کرنے والے لفظ کے ظاہر معنی پر جم جانا عربوں کی زبان ،اس کے پہلوؤں، اپنے کلام میں ان کے تصرفات اور ان دلائلِ عقلیہ سے جہالت وناواقفیت کی دلیل ہے جو متشابہات کے حمل کا مرجع ہیں۔“ (البحر المحیط، ج:۱، ص:۵۷۷)

صفات متشابہات

صفاتِ متشابہات کے بارے میں کچھ عرض کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ میں علامہ رازی رحمہ اللہ تعالی کا بیان کردہ ایک ضابطہ ذکر کردوں جس سے ان متشابہات کے درست معانی تک پہنچنے میں آسانی ہو۔ فرماتے ہیں:

قرآن کریم میں کچھ الفاظ وہ بھی ہیں جن کی دلالت ایسی صفات پر ہے جن کا اثبات اللہ کے لیے ناممکن ہے جیسے استہزا، مکر، غضب، تعجب (اگر سورۂ صافات کے بارہویں رکوع کے کلمۂ عَجِبْتَ کو ایک قراءت کے مطابق تا کے ضمہ کے ساتھ عجبتُ پڑھا جائے تو اس صورت میں تعجب کی نسبت اللہ تعالی کی طرف ہوگی۔) تکبر، حیا وغیرہ۔

ان الفاظ سے متعلق صحیح قانون یہ ہے کہ مذکورہ بالا احوال میں سے ہر ایک حال میں چند امور اس کے ساتھ ابتدا میں پائے جاتے ہیں اور ہر ایک سے کوئی نہ کوئی اثر آخر میں صادر وظاہر ہوتا ہے مثلاً غضب ایک حالت ہے جو دل کا خون جوش میں آنے اور مزاج کی گرمی کے وقت دل میں پیدا ہوتی ہے اور آخر میں اس کا اثر اپنے مغضوب کی ضرر رسانی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اس لیے جب اللہ کے حق میں غضب کا اطلاق سنا جائے تو اس کو اس کی نہایت پر محمول کیا جائے نہ کہ اس کی بدایت پر یعنی غضب سے دل کے خون کا جوش اور مزاج کی حِدّت مراد نہیں بلکہ کسی کو اس کے جرم پر ضرر دینا اور عذاب میں ڈالنا مراد ہوگا جو غضب کا اثر اور نتیجہ ہے۔

امام رازی کی عبارت یہ ہے:ان القانون الصحیح فی ھذہ الالفاظ ان نقول:لکل واحد من ھذہ الاحوال امور توجد معھا فی البدایة وآثار تصدرعنھا فی النھایة .مثالہ ان الغضب حالة تحصل فی القلب عند غلیان دم القلب وسخونةالمزاج، والاثر الحاصل منھا فی النھایة ایصال الضرر الی المغضوب علیہ فاذا سمعت الغضب فی حق اللہ تعالی فاحملہ علی نھایة الاعراض لا علی بدایة الاعراض وقس الباقی علیہ.(تفسیر رازی،ج:۱،۱۴۱)

امام رازی کی عبارت بالا سے قانون تشابہات اور غضب کی تعریف معلوم ہو جانے کے بعد اب ہم استہزاوغیرہ مزید کچھ صفات کے معانی تفسیر رازی کی روشنی میں لکھتے ہیں:

استہزا: تلبیس کے ساتھ کسی کا مذاق اڑانا۔ حضرت موسی علیہ السلام نے اسی کو جہالت بھی قرار دیا تھا جب انھوں نے اپنی قوم کو گاے ذبح کرنے کا حکم دیا اور اس نے کہا"کیا آپ ہم سے مذاق کر رہے ہیں تو انھوں نے فرمایا: میں جاہلانہ بات کہنے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

سخریہ: یہ استہزا کے معنی میں ہے۔

سخریہ اور استہزا کا اثر اور نتیجہ مذاق بنائے جانے والے شخص کو ضرر یا تکلیف پہنچانا ہوتا ہے۔ اللہ کی شان میں یہی اثر مراد ہوتا ہے۔

خداع: اس کے اصل معنی ہیں: کسی چیز کو چھپانا۔ خزانے کو مخدع اور گردن کی دو رگوں کو أخدعان اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ چھپی ہوتی ہیں۔

عرب کہتے ہیں: خَدَعَ الضَّبُّ خَدْعاً: جب گوہ اپنے بل میں چھپ جائے اور کم ہی باہر آئے۔طریق خیدع و خدّاع:وہ راستہ جو منزلِ مقصود کے مخالف ہو اور چلنے والے کو پتہ ہی نہ چلے کہ وہ غلط سمت اور راستہ پر جا رہا ہے۔

اس کی تعریف ہے: کسی کے ساتھ ایسے رویے کا اظہار کرنا جو اس کے ذہن میں معقولیت اور درستی کا وہم پیدا کرے اور دل میں وہ امر چھپانا جو اس کی ضرر رسانی کا مقتضی ہو۔

اس رویے کے اظہار کا اثر اور نتیجہ ضرر رسانی یا دوسرے لفظوں میں مصیبت اور عقوبت میں ڈالنا ہے۔لہذا جب یہ اللہ کے لیے بولا جائے تو یہی اثر وغایت مراد ہوگی۔

کید: کسی انسان کو فریب اور دھوکے میں ڈالنے کی کوشش کرنا۔اس کا اثر اور نتیجہ اس انسان کو غیر شعوری طور پر کسی ایسے ناگوار و ناپسندیدہ امر میں ڈالنا ہے جسے دفع کرنے کی اس کے پاس کوئی راہ

نہ ہو۔ اللہ کے حق میں یہی غایت مراد ہوتی ہے۔

مکر: لغت میں مکر کے معنی ہیں: خفیہ اور پوشیدہ طریقے سے کسی کو شر وفساد میں مبتلا کرنے کی کوشش اور حیلہ کرنا۔

زجاج نے کہا: مَکَرَ اللیلُ و أمکر کے معنی ہیں: رات کا تاریک ہونا۔

ارشاد باری تعالی ہے: وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (انفال: ۳۰)

اور اے محبوب یاد کرو جب کافر تمھارے ساتھ مکر کرتے تھے۔

دوسرے مقام پر ہے: وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَهُمْ یَمْکُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ (یوسف: ۱۰۲)

اور تم ان (برادران یوسف) کے پاس نہ تھے جب انھوں نے اپنا کام پکا کیا تھا اور وہ داؤ چل رہے تھے۔

کہا گیا کہ مکر کا اصل معنی ہے: اجتماع الأمر وإحكامه: امر کا محکم، پختہ اور مضبوط ہونا اور اسے پختہ و مضبوط کرنا۔ اسی سے امرأة ممکورة ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: پیدائشی اعتبار سے مضبوط وتوانا عورت۔ رائے پکی کرنے کو إجماع اور جمع بھی کہا جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

"فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَکُمْ وَشُرَکَآءَکُمْ"۔ (یونس، ۱۰/ ۷۱)

"اور اپنے معبودوں سمیت اپنی رائے پکی کرلو"

توجب مکر ایک مضبوط و مستحکم رائے ہو جو کمی اور فتور کی جہتوں سے محفوظ ہو تو لاجرم اسے مکر کہا جائے گا۔

مکر کا جو معنی ہم نے پہلے ذکر کیا اس کی رو سے جب یہ کسی کو شر اور فساد میں ڈالنے کا ایک حیلہ اور فریب ہے تو اللہ تعالی کے ساتھ بندوں کی حیلہ سازی اور فریب دہی کا کامیاب ہونا محال ہوگا کیوں کہ وہ تو ہر مخلوق کے رازہائے سربستہ سے بھی پورے طور پر آگاہ ہے اس لیے لفظ مکر اللہ تعالی کے حق میں متشابہات کے قبیل سے ہو جائے گا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ لفظ متشابہات کے قبیل سے ہے ہی نہیں کیوں کہ اس کے معنی "کامل اور محکم تدبیر" کے بھی ہیں پھر عرف میں خصوصیت کے ساتھ کسی کو شر میں مبتلا کرنے کی تدبیر کرنے میں مستعمل ہو گیا۔ یوں یہ لفظ اپنے اس معنی کے اعتبار سے اللہ تعالی کے حق میں محال نہ ہوگا۔ (تفسیر رازی، ج:۸، ۲۳۵)

عصر حاضر کے عرب مفسر مراغی بھی اس کے قائل ہیں کہ مکر اصل لغت کے اعتبار سے "خفیہ تدبیر"

کے معنی میں ہے۔ چناں چہ لکھتے ہیں: مکر، وہ مخفی تدبیر ہے جو اس شخص کو جس کے ساتھ یہ تدبیر کی جائے ایک ایسے اچھے امر تک پہنچادے جس کا اسے گمان نہ رہا ہو۔ پھر بطورِ غالب بری تدبیر میں اس کا استعمال ہو گیا اگرچہ اچھی اور بری تدبیروں میں اس کا استعمال اب بھی ہو رہا ہے۔ (تفسیر المراغی، ج:۳، ص:۱۶۶)

البحر المحیط میں علامہ مفضل کے حوالے سے مکروا و مکر اللہ کی تفسیر اس طرح کی گئی ہے:

ودبروا ودبر الله، والمكر: لطف التدبير" (ج:۱، ص:۱۷۵)

"انھوں نے اپنی تدبیر کی اور اللہ نے اپنی تدبیر فرمائی"۔ مکر کے معنی ہیں: "تدبیر کا خفیہ ہونا"۔

اب ذیل میں غضب استہزا اور مکر وغیرہ کلمات پر مشتمل آیات کو ان کے ترجموں اور مستند مفسرین کے اقوال کے ساتھ ملاحظہ کریں۔

غضب

(۱) وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللهِ ؕ۔ (بقرہ ۳/ ۶۱) "اور خدا کے غضب میں لوٹے"۔

(۲) وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللهِ۔ (بقرہ، ۳/ ۱۱۲) "اور غضب الٰہی کے سزاوار ہوئے۔"

بَآءُوْ کا اصل معنی لوٹنا ہے لیکن یہ سزاوار اور مستحق ہونے کا معنی بھی دیتا ہے اس لیے امام احمد رضا نے ترجمے میں کبھی "لوٹے" استعمال کیا تو کبھی" سزاوار ہوئے۔

تاویلات اہل السنہ میں ہے: وقوله (وباؤ بغضب من الله) قيل فيه بوجوه. قيل: باؤا: رجعوا، وقيل: استوجبوا، وقيل: أقرّوا، وكله يرجع إلى واحد.

"بَآءُوْ میں چند وجہیں ذکر کی گئی ہیں: رجعوا "وہ لوٹے" استوجبوا "وہ مستحق ہوئے، سزاوار ہوئے، أقَرُّوا: "انھوں نے اقرار کیا"۔ مآل ان سب کا ایک ہے۔

(۳) قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ (۷/ ۷۱)

"کہا ضرور تم پر تمھارے رب کا عذاب اور غضب پڑ گیا۔"

بیضاوی میں ہے:

(قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ) قد وجب وحق عليكم أو نزل عليكم على أن المتوقع كالواقع (مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ) عذاب من الإرتجاس وهو الاضطراب (وَّغَضَبٌ) إرادة انتقام. (ج:۳، ص:۱۹)

”تم پر تمھارے رب کا عذاب لازم اور ضروری ہو گیا یا تم پر عذاب آچکا یہ اس تقدیر پر ہے کہ امر متوقع، واقع کی طرح ہوتا ہے۔ یہاں غضب سے مراد ہے: سزا دینے کا ارادہ“۔

علامہ بغوی لکھتے ہیں:

قال هود (قد وقع) وجب ونزل (عليكم من ربكم رجس) أي عذاب ، والسين مبدلةمن الزاي (وغضب) أي: سخط. (تفسیر البغوی، ج:۳، ص:۲۴۳)

”حضرت ہود نے فرمایا: تم پر تمھارے رب کی جانب سے عذاب اور ناراضی لازم اور نازل ہو چکی“۔

اردو زبان میں چوں کہ غضب کا لفظ بولنے سے کسی کے ذہن میں وہ معنی نہیں آتا جو علامہ رازی رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے اس لیے امام احمد رضا نے اس کا کوئی ترجمہ نہیں فرمایا۔ جیسے رحمت کے حقیقی معنی رقۃ القلب یعنی دل کی نرمی کے ہیں لیکن کسی مسلمان کا بھی ذہن **”اللہ رحیم ہے“** بولنے پر ”اس سے اللہ کا نرم دل ہونا نہیں سمجھتا بلکہ وہ اس جملے سے اس کو عنایت کرنے والا اور مہربان ہی سمجھتا ہے۔ اسی طرح غضب سے بھی آفت، قہر، عذاب اور ناراضی کے معانی سمجھ میں آتے ہیں۔

پہلی دونوں آیتوں میں غضب، عذاب کے معنی میں اور تیسری آیت میں ناراضی یا انتقام کے معنی میں ہے کیوں کہ یہاں امام احمد رضا نے رجس کا ترجمہ جب عذاب فرما دیا ہے تو غضب سے مراد عذاب ہو ہی نہیں سکتا۔

ایک قابل توجہ بات یہ بھی ہے کہ انھوں نے ترجمہ میں وقع کے اصل معنی ”پڑنا“ کی رعایت کے ساتھ اس کے وجوب ولزوم کے معنی کو بھی ملحوظ رکھا ہے جو علیٰ کے ساتھ اس کے استعمال ہونے کی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔

استہزا

یہ لفظ عربی اور اردو دونوں زبانوں میں ہنسی، مذاق اور ٹھٹا کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۴ اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ (بقرہ:۱۴،۱۵)

”اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوں تو کہیں ہم تمھارے ساتھ ہیں، ہم تو یوں ہی ہنسی کرتے ہیں۔ اللہ ان سے استہزا فرماتا ہے۔ (جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔)

آخری آیت کے کلمۂ **یَسْتَهْزِئُ** کا امام احمد رضا نے کوئی ترجمہ نہیں فرمایا بلکہ اسی کا مصدر اس کے نیچے رکھ دیا اور ''جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے'' کا اضافہ کر کے اس بات پر متنبہ کر دیا کہ خبر دار کوئی اس لفظ سے اس کا ظاہری معنی قطعاً مراد نہ لے بلکہ اس سے وہ معنی لے جو اللہ کی مقدس و منزہ اور ہر عیب و نقص سے پاک ذات کی شان کے لائق ہو۔

ان اضافی کلمات سے صاف ظاہر ہے کہ امام احمد رضا یہاں اصحاب تفویض اور اصحاب تاویل دونوں کے مذہب پر عمل کو جائز قرار دے رہے ہیں۔ ہم چاہیں تو اصحاب تفویض کے طور پر کہہ دیں کہ اس کے ظاہری معنی تو ہرگز مراد نہیں اور اپنی شان کے لائق حقیقی مراد سے اللہ ہی آگاہ ہے اس لیے ہم اسے اللہ کو تفویض کرتے اور تاویل سے اجتناب کرتے ہیں۔

اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جو تاویلی معانی اللہ کے شایانِ شان ہوں اس سے وہ مراد لے لیں۔

امام رازی نے پانچ تاویلیں ذکر فرمائی ہیں۔ یہاں ہم تین تاویلیں ذکر کرتے ہیں:

(۱) اللہ کے منافقین سے استہزا کرنے کا مطلب ہے: اللہ کا انھیں ان کے استہزا کا بدلہ دینا؛ کیوں کہ کسی چیز کے بدلے کو اس چیز کا نام دے دیا جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ۔ (شوری، ۴۲/ ۴۰)

''اور برائی کا بدلہ اسی کی برابر برائی ہے''۔

ہمارے عرف میں بھی بولا جاتا ہے: برے کام کا برا بدلہ، حالاں کہ برے کام کا بدلہ برا نہیں بلکہ اچھا اور عین تقاضاے انصاف ہے۔

''فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠'' (بقرہ ۲/ ۱۹۴)

''جو تم پر زیادتی کرے اس پر زیادتی کرو اتنی ہی جتنی اس نے کی''۔ زیادتی کرنے والے کو اس کی زیادتی کا بدلہ دینا عین انصاف ہے نہ کہ زیادتی۔

''يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ'' (نساء ۴/ ۱۴۲)

''بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہی انھیں غافل کر کے مارے گا۔'' فریب دینے والے کو غافل کر کے مارنا یعنی اسے سزا دینا انصاف کی بات ہے نہ کہ فریب دینا۔''

''وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ'' (آل عمران ۳/ ۵۴)

اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی۔
مکر کرنے والے کی ہلاکت کی خفیہ تدبیر بالکل مناسب اقدام ہے نہ کہ مکر۔
(۲) ان کے استہزا کا ضرر الٹا انھیں پر پڑے گا اور اس سے ایمان والوں پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ گویا یہی ان کے ساتھ اللہ کا استہزا ہے۔
(۳) استہزا کے آثار میں سے ایک اثر اور نتیجہ حقارت ورسوائی ہے یوں ذکر تو ہوا استہزا کا، لیکن مراد ہے ان کا ذلیل وخوار ہونا؛ کیوں کہ سبب بول کر مسبب مراد لیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ استہزا سبب ہے مذاق بنائے جانے والے شخص کی ذلت و تحقیر کا تو یہ ذلت و تحقیر مسبب ہوئی لیکن اس استہزا سے رسول اور ان پر ایمان والے لوگ جن کا یہ ٹھٹا کرتے رہتے ہیں، ذلیل و حقیر نہیں ہوں گے بلکہ یہ ٹھٹا کرنے والے ہی طوق ذلت اپنی گردنوں میں ڈالیں گے۔
سخر یہ میں امام احمد رضا نے اصحاب تاویل کا مسلک اختیار فرمایا ہے۔
ارشاد باری تعالی ہے: ”فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ؗ“۔ (توبہ، ۹/ ۷۹)
”تو ان سے ہنستے ہیں اللہ ان کی ہنسی کی سزا دے گا۔“ تفسیر سمرقندی میں ہے:
فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ. يقول: يستهزئون بهم. سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ، يعني: يجازيهم جزاء سخريتهم. وهذا كقوله: اللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ. (بقرہ، ۲/ ۱۵)(ج ۲/ ص: ۷۷)
اللہ فرماتا ہے: وہ خیرات کرنے والے مسلمانوں پر ٹھٹا کرتے ہیں، اللہ انھیں ان کے ٹھٹا کی سزا دے گا۔ یہ اللہ تعالی کے قول **”اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ“** کی طرح ہے۔
تفسیر ابن کثیر میں ہے:
فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ] وَهَذَا مِنْ بَابِ الْمُقَابَلَةِ عَلَى صَنِيعِهِمْ وَاسْتِهْزَائِهِمْ بِالْمُؤْمِنِينَ؛ لِأَنَّ الْجَزَاءَ مِنْ جِنْسِ الْعَمَلِ، فَعَامَلَهُمْ مُعَامَلَةَ مَنْ سَخِرَ بِهِمْ، انْتِصَارًا لِلْمُؤْمِنِينَ، وَأَعَدَّ فِي الْآخِرَةِ عَذَابًا أليما. (ج: ۴/ ۱۸۸)
”ایمان والوں کے ساتھ منافقین کے طرزِ عمل اور ان کے ساتھ ان کے استہزا پر یہ قول باب مقابلہ سے ہے کیوں کہ کسی کو سزا اور بدلہ اس کے عمل کی جنس سے ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالی نے ایمان والوں کا بدلہ لینے کے لیے ان کے ساتھ ہنسی کرنے والے کا سا معاملہ کیا۔ اور آخرت میں اللہ نے ان ٹھٹے بازوں کے لیے دردناک عذاب تیار کر دیا ہے۔“

خداع

خداع میں امام احمد رضا نے اصحاب تاویل کا مسلک اختیار فرمایا۔ ملاحظہ ہو ذیل کی آیت:
"یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَ ھُوَ خَادِعُھُمْ ج"۔ (نساء، ۴/ ۱۴۲) "بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہی انھیں غافل کر کے مارے گا۔"
تفسیر سمر قندی میں ہے:

ثم بيّن حال المنافقين في الدنيا وخداعهم، فقال تعالى: إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللّٰهَ أي يظنون أنهم يخادعون الله وَهُوَ خادِعُهُمْ أي يجازيهم جزاء خداعهم، وهو أنهم يمشون مع المؤمنين على الصراط يوم القيامة، ثم يسلبهم النور فيبقون في ظلمة. (ج:۱/۳۵۰)

پھر اللہ نے منافقوں کا حال اور ایمان والوں کے ساتھ ان کی فریب دہی کا بیان کرتے ہوئے فرمایا: بے شک منافق لوگ اللہ کو دھوکا دیا چاہتے ہیں یعنی وہ گمان میں ہیں کہ وہ اللہ کو دھوکا دے رہے ہیں حالاں کہ وہ انھیں اس فریب دہی کا بدلہ دے گا۔ یہ اس طور پر ہوگا کہ منافقین قیامت کے دن پل صراط پر ایمان والوں کے ساتھ روشنی میں چلیں گے۔ پھر اللہ ان کی روشنی ان سے چھین لے گا جس کے نتیجے میں وہ تاریکی میں رہ جائیں گے۔
البحر المحیط میں ہے:

ومعنى "وهو خادعهم": أي منزل الخداع بهم ، وهذه عبارة عن عقوبة سمّاها باسم الذنب. فعقوبتهم في الدنيا ذلهم وخوفهم ، وفي الآخرة عذاب جهنم قاله ابن عطية. وقال الحسن ، والسدي ، وابن جريج ، وغيرهم من المفسرين : هذا الخداع هو أنه تعالى يعطي هذه الأمّة يوم القيامة نورا لكل إنسان مؤمن أو منافق، فيفرح المنافقون ويظنون أنهم قد نجوا ، فإذا جاؤوا إلى الصراط طفئ نور كل منافق ، ونهض المؤمنون. وذلك قول المنافقين : انظرونا نقتبس من نوركم وذلك هو الخداع الذي يجري على المنافقين. (ج: ٤/ ص: ١٠٨)

"خداع ایک گناہ ہے لیکن یہاں اس سے مراد اس گناہ کی سزا ہے یوں دنیا میں منافقوں کی سزا: ان کی ذلت وخواری اور خوف واندیشہ اور آخرت میں ان کی سزا: عذاب جہنم ہے۔ امام حسن

بصری وغیر ہم کے نزدیک خداع یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر مومن ومنافق کو ایک نور عطا کیا جائے گا۔ منافقین اس نور کو پاکر خوش ہوں گے اور گمان کریں گے کہ چلو ہماری بھی نجات ہو گئی لیکن جیسے ہی یہ منافقین پل صراط کی جانب آئیں گے ان کا نور بجھ جائے گا اور ایمان والے آگے بڑھ جائیں گے۔ اس وقت یہ لوگ کہیں گے اے ایمان والو! ہمارا بھی انتظار کرلو تاکہ ہم بھی آپ حضرات کے نور سے استفادہ کرلیں (لیکن ایسا ہو گا نہیں)۔ یہی خداع ہے۔

ان حوالوں سے روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ امام احمد رضا نے اپنے ترجمے میں "اپنے گمان میں" اور "غافل" کا اضافہ کیوں فرمایا ہے۔

مکر

مکر میں امام احمد رضا نے اصحابِ تفویض اور اصحاب تاویل میں سے کسی کا اتباع نہیں کیا بلکہ اس سے اس کا اصل معنی خفیہ تدبیر مراد لیا اور اسی کے مطابق تمام آیتوں کا ترجمہ فرمایا ہے۔ چند آیات ان کے ترجموں کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔ دلائل ہم پہلے ہی ذکر کر چکے۔

(۱) "وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝" ۔ (آل عمران ۳/ ۵۴)

"اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے"۔

(۲) "وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ" ۔ (رعد ۱۳/ ۴۲)

"اور ان سے اگلے فریب کر چکے ہیں تو ساری خفیہ تدبیر کا مالک تو اللہ ہی ہے۔"

(۳) وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ۔ (نمل ۲۷/ ۵۰)

"اور انھوں نے اپنا سا مکر کیا اور ہم نے اپنی خفیہ تدبیر فرمائی اور وہ غافل رہے۔"

کید

ماسبق میں ہم نے کید کی جو تعریف ذکر کی اس کی رو سے ذات الٰہی پر اس کا اطلاق جائز نہیں اس لیے متکلمین نے کید والی آیات میں اس کی غایت یعنی ناگوار وناپسندیدہ امر دوسرے لفظوں میں عذاب، سزا اور بدلہ مراد لیا ہے۔

ذیل میں ایسی دو آیات اور ان کی تفسیریں ذکر کی جاتی ہیں پھر ترجمۂ اعلیٰ حضرت کچھ دلائل کے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔

(۱) ”وَ اُمۡلِیۡ لَہُمۡ ؕ اِنَّ کَیۡدِیۡ مَتِیۡنٌ ﴿۱۸۳﴾“ (اعراف ۷/ ۱۸۳)

تفسیر سمرقندی میں ہے: (وَ اُمۡلِیۡ لَہُمۡ) يعني أمهلهم (اِنَّ کَیۡدِیۡ مَتِیۡنٌ ﴿۱۸۳﴾) يعني عقوبتي شديدة. و يقال: إن صنيعي محكم، و يقال: إن أخذي شديد. (اعراف ۷/ ج:۱/ ص ۵۷۱)

”میں انھیں ڈھیل دوں گا۔ بے شک میری سزا سخت ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: میرا کام محکم ہے۔ (دوسرے لفظوں میں میری تدبیر محکم ہے۔) یہ بھی کہا جاتا ہے: بے شک میری پکڑ سخت ہے۔

(۲) اِنَّہُمۡ یَکِیۡدُوۡنَ کَیۡدًا ﴿ۙ۱۵﴾ وَّ اَکِیۡدُ کَیۡدًا ﴿ۚ۱۶﴾ (طارق ۸۶/ ۱۵)

”إنهم أي أعداء الله يكيدون كيدا أي يمكرون بمحمد صلى الله تعالى عليه وسلم وأصحابه مكرا وأكيد كيدا أي أجاز يهم جزاء كيدهم. (قرطبی ج:۲۰/ ص:۷۱)

اللہ کے دشمن محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کے ساتھ اپنا سا داؤ چلتے ہیں اور میں انھیں ان کے داؤ کی سزا اور بدلہ دوں گا۔

امام احمد رضا عربی لغت اور زبان وادب پر گہری نظر رکھتے تھے انھوں نے دیکھا کہ کید کا معنی ”خفیہ تدبیر“ بھی ہے جو اللہ کی شان کے لائق ہے اس لیے کید کی نسبت جہاں اللہ کی طرف ہے وہاں اس کا ترجمہ اللہ کی خفیہ تدبیر فرمایا ہے۔

عربی زبان کی مشہور و معتمد کتابِ لغت، لسان العرب میں ہے:

الكيد: التدبير بباطل أو بحق. کید: باطل یا حق تدبیر۔

معجم معانی القرآن الکریم میں ہے:

الْكَيْدُ: ضرب من الاحتيال، قد يكون مذموما وممدوحا، وإن كان يستعمل في المذموم أكثر، وكذلك الاستدراج والمكر، ويكون بعض ذلك محمودا، قال: كَذٰلِكَ كِدْنا لِيُوسُفَ [۱۲/ ۷۶] وقوله: وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ.(الأعراف/۱۸۳) (معجم معانی القرآن الكريم ۔آن نیٹ)

”کید ایک طرح کا حیلہ ہے، یہ کبھی برا ہوتا اور کبھی اچھا ہوتا ہے اگرچہ برے حیلہ میں اس کا استعمال نسبتاً زیادہ ہے۔ استدراج اور مکر بھی پسندیدہ اور ناپسندیدہ ہوتے ہیں۔ ارشاد ہے: ”ہم نے

یوسف کو اسی طرح تدبیر بتائی۔'' دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ''میں انھیں ڈھیل دوں گا بلا شبہہ میری تدبیر بہت پکی ہے۔''

عصر حاضر کے دو معروف عرب علما کی کتابوں سے دو حوالے۔

علامہ وہبہ زحیلی اپنی کتاب ''التفسیر الوسیط'' میں لکھتے ہیں:

وينذرهم الله تعالى بأنه سيملي ويطول لهم ما هم فيه، ولكن كيد الله متين، أي تدبيره الخفي قوي شديد، محكم مسدّد النتائج.(ج:۱/ص:۷۵۷)

اللہ تعالیٰ انھیں متنبہ فرمارہا ہے کہ وہ جس حال میں ہیں اس پر انھیں ڈھیل دے گا اور ان پر اسے دراز کرے گا لیکن اللہ کا کید یعنی اس کی مخفی تدبیر، قوی، محکم، پختہ اور درست نتائج والی ہوتی ہے۔

علامہ محمد ابوزہرہ اپنی تفسیر زہرۃ التفاسیر میں لکھتے ہیں:

إن كيدى متين، هو التدبير للأشرار معاملة لهم بمثل تدبيرهم وشرهم وإيذائهم لأهل الإيمان. (زہرۃ التفاسیر، ج:۵،ص:۳۰۱۸)

''إن كيدي متين'' کے معنی ہیں: شرپسندوں کے خلاف میری تدبیر جو اہل ایمان کے خلاف ان شرپسندوں کی تدبیر، شرانگیزی اوران کی ایذارسانی کے مثل ان کے ساتھ معاملہ کرنے کے لیے ہے وہ بہت محکم ہے۔

تفسیر سمرقندی میں مذکور قول دوم اور لغت وتفسیر کی درج بالا کتب کی روشنی میں اب ان مذکورہ آیات کا رضوی ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ''اور میں انھیں ڈھیل دوں گا بے شک میری ''خفیہ تدبیر'' بہت پکی ہے۔''

(۲) ''بے شک کافر اپنا سا داؤ چلتے ہیں اور میں اپنی خفیہ تدبیر فرماتا ہوں۔''

استوا

قرآن کریم کی جن آیات میں فعل ''استوی'' کی نسبت اللہ کی طرف ہوئی ہے اس کا امام احمد رضا نے کوئی ترجمہ نہیں فرمایا بلکہ اس کی جگہ اس کا مصدر استوار کھ کر آگے ''جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے''۔ کا اضافہ کرکے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ یہاں استوی کے ظاہری معانی چڑھنا، بیٹھنا اور ٹھہرنا مراد نہیں۔ اب یا تو یہ کہا جائے کہ اس کی حقیقی مراد جو اللہ کی شان کے لائق ہے اللہ ہی جانتا ہے یا یہ کہا جائے کہ یہاں اس کے وہ تاویلی

معانی مراد ہیں جو اس کی شان کریم کے لائق و مناسب ہیں مثلاً مندرجہ ذیل چار معانی عمدہ اور واضح ہیں:

(۱) قہر وغلبہ: یہ معنی عربی زبان سے ثابت بھی ہے۔ اس صورت میں معنی ہوں گے: اس نے عرش پر قہر وغلبہ کیا۔

اب یہ سوال ضرور اٹھے گا کہ اللہ کا قہر وغلبہ تو ہر چیز کو عام ہے اس لیے عرش کی تخصیص کیسی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تخصیص تمام مخلوقات میں عرش کے سب سے اوپر، اونچے اور عظیم ہونے کی وجہ سے ہے اس لیے جب اس کا قہر وغلبہ اتنی بلند ترین اور عظیم ترین مخلوق پر ہے تو اس سے چھوٹی مخلوقات پر تو بدرجۂ اولیٰ ہوگا۔

(۲) استوا، اللہ عزوجل کی صفت علو و بلندی کے معنی میں ہے لیکن اس سے "جگہ کی بلندی" مراد نہیں بلکہ مالکیت اور سلطنت و بادشاہت کی بلندی مراد ہے۔ اس طور پر معنی ہوں گے: وہ اپنی حاکمیت اور سلطنت و بادشاہت کے اعتبار سے عرش سے بلند ہے۔"

(۳) استوا، قصد و ارادہ کے معنی میں ہے: اس طور پر معنی ہوں گے۔ "وہ عرش کی طرف متوجہ ہوا یعنی اس کی آفرینش کا ارادہ فرمایا اور اس کی تخلیق شروع فرمائی۔"

اس توجیہ پر "علی"، "إلی" کے معنی میں ہوگا جیسے "استوی علی یشاتمنی اور استوی إلی یشاتمنی" ہم معنی ہیں کیوں کہ علیٰ، إلی کے معنی میں ہے۔ "وہ مجھے گالی دینے کے لیے میری طرف متوجہ ہوا اور اس نے گالی کا قصد کیا"۔

(۴) استوا، کام سے فارغ ہونے اور کام کے پورے ہونے کے معنی میں ہے۔ اب معنی ہوں گے: "اس نے سلسلۂ تخلیق وآفرینش کو عرش پر مکمل فرمادیا اس سے باہر کوئی چیز نہیں بنائی۔ دنیا وآخرت میں جو کچھ بنایا اور بنائے گا وہ دائرۂ عرش سے باہر نہیں کیوں کہ وہ تمام مخلوق کو حاوی ہے۔" (قوارع القہار علی المجسمۃ الفجار مشمولہ فتاوی رضویہ، ص:۴۸۴، ۴۸۵، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

اعتراض کا جواب

امام احمد رضا جب کسی ایسی آیت کا ترجمہ کرتے ہیں جس پر بظاہر کوئی اعتراض وارد ہوتا ہے تو وہاں ترجمہ کے لیے ایسے لفظ یا الفاظ کا انتخاب فرماتے ہیں کہ وہ اعتراض سرے سے وارد ہی نہیں ہوتا۔

میں یہاں چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

(۱) "اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ﴿۵﴾" (سورہ فاتحہ/۶) کا ظاہر مفہوم ہے: "ہمیں سیدھا راستہ دکھا یا بتا"۔

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدایا ہم نے سیدھا راستہ دیکھا نہیں اس لیے تجھ سے ہم سیدھا راستہ دکھانے کی طلب کررہے ہیں حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے رسول گرامی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے واسطے سے ہمیں سیدھا راستہ دکھا دیا ہے۔ اس لیے اعتراض ہوا کہ جب ہمیں سیدھا راستہ دکھا دیا گیا تو پھر تحصیلِ حاصل کی طلب کیوں؟

امام احمد رضا نے "دکھایا بتا کی جگہ "چلا" رکھ کر اعتراض کو دفع فرمادیا۔ چناں چہ لکھتے ہیں: "ہم کو سیدھا راستہ چلا" یعنی بار الٰہ! ہم نے تیرے کرم عظیم سے تیرے حبیب مکرم کے ذریعہ سیدھا راستہ دیکھ لیا مگر اس پر ثبات واستقامت اور اس پر چلنا تیری توفیق کے بغیر ناممکن ہے اس لیے ہم تجھ سے اس راستے پر چلانے کا سوال کرتے ہیں۔

علامہ واحدی مذکورہ اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومعنى سؤال المسلمين الهدى وهم مهتدون: التثبيت على الهدى وهذا كما نقول للقائم: قم حتى أعود إليك. أي: اثبت على قيامك.(التفسير الوسيط،ج:۱/ص: ۶۸)

"ہدایت یافتہ ہونے کے باوجود مسلمانوں کا اللہ سے ہدایت دینے کا سوال کرنے کا مطلب اللہ سے ہدایت پر ثبات عطا کرنے کا سوال ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ہم کھڑے ہوئے شخص سے کہتے ہیں " تم کھڑے ہو یہاں تک کہ میں تمھارے پاس واپس آجاؤں ۔" یعنی کھڑے رہو۔

علامہ واحدی ہی اپنی دوسری کتاب تفسیر "الوجیز" میں لکھتے ہیں:

"اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۵" أي دلنا عليه واسلك بنا فيه وثبتنا عليه. (۷-۶۲۳۷)

"ہمیں سیدھے راستے کی رہ نمائی فرما، ہمیں سیدھے راستہ پر چلا اور اس پر ثابت قدم رکھ۔"

علامہ واحدی کی یہ عبارت تو امام احمد رضا کے ترجمہ کی نہ صرف بھرپور تائید کررہی ہے بلکہ ان کے استحضار ووسعت مطالعہ کا ببانگِ دہل اعلان بھی کررہی ہے۔

(۲) "اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۶"

اس آیت کا ظاہر مفہوم تو یہی ہے کہ جو لوگ کافر ہیں تم انھیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ کافروں کو قیامت کے ہولناک واقعات اور جہنم کے دردناک عذاب سنا سنا کر انھیں کفر چھوڑ کر ایمان لانے کی دعوت دینے سے کوئی فائدہ نہیں کیوں کہ وہ ایمان لائیں گے نہیں۔

اس پر اعتراض وارد ہوا کہ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ حضور داعی اکبر محمد رسول اللہ کی دعوت وتبلیغ سے

بے شمار گم گشتگان کفر وشرک نے اسلام قبول کیا پھر ان کا ایمان نہ لانا چہ معنی دارد؟

امام احمد رضا کو معلوم تھا کہ اس آیت کریمہ میں الذین، صیغۂ جمع اور لام تعریف بظاہر استغراق کے لیے ہے اس لیے آیت کا ظاہری مفہوم تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا لیکن یہاں یہ معنی ظاہر مراد نہیں کیوں کہ بے شمار کافر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اس لیے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی نے یہاں اپنا کلام عموم پر رکھا ہے اور اس سے اس کی مراد خصوص ہے۔ اس خصوص پر دلالت کرنے والا قرینہ چوں کہ حضور کے زمانے میں بالکل ظاہر تھا اس لیے عام ذکر کر کے خاص مراد لینا اچھا اور عمدہ تھا کیوں کہ التباس نہ پیدا ہونے کے سبب مقصود بالکل ظاہر تھا۔ جیسے کسی انسان کے دشمنوں کی ایک مخصوص جماعت ہو اور وہ کہے کہ لوگ مجھے ایذا دے رہے ہیں تو اس سے سب یہی سمجھیں گے کہ اس کی مراد دشمنوں کی یہی مخصوص جماعت ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں:

قَوْلُهُ: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا صِيغَةٌ لِلْجَمْعِ مَعَ لَامِ التَّعْرِيفِ وَهِيَ لِلِاسْتِغْرَاقِ بِظَاهِرِهِ ثُمَّ إِنَّهُ لَا نِزَاعَ فِي أَنَّهُ لَيْسَ الْمُرَادُ مِنْهَا هَذَا الظَّاهِرَ، لِأَنَّ كَثِيرًا مِنَ الْكُفَّارِ أَسْلَمُوا فَعَلِمْنَا أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ يَتَكَلَّمُ بِالْعَامِّ وَيَكُونُ مُرَادُهُ الْخَاصَّ، إِمَّا لِأَجْلِ أَنَّ الْقَرِينَةَ الدَّالَّةَ عَلَى أَنَّ الْمُرَادَ مِنْ ذَلِكَ الْعُمُومِ ذَلِكَ الْخُصُوصُ كَانَتْ ظَاهِرَةً فِي زَمَنِ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَسُنَ ذَلِكَ لِعَدَمِ التَّلْبِيسِ وَظُهُورِ الْمَقْصُودِ، وَمِثَالُهُ مَا إِذَا كَانَ لِلْإِنْسَانِ فِي الْبَلَدِ جَمْعٌ مَخْصُوصٌ مِنَ الْأَعْدَاءِ، فَإِذَا قَالَ «إِنَّ النَّاسَ يُؤْذُونَنِي» فَهِمَ كُلُّ أَحَدٍ أَنَّ مُرَادَهُ مِنَ النَّاسِ ذَلِكَ الْجَمْعُ مِنَ الأعداء.(ج:۲/۲۸۴)

امام احمد رضا نے ان سب امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے ترجمہ میں ایک لفظ "قسمت" کا اضافہ فرما کر اعتراض کو دفع فرما دیا اور بتا دیا کہ یہاں عام کفار نہیں بلکہ وہ خاص کفار مراد ہیں جن کے ایمان نہ لانے پر قلم تقدیر چل چکا تھا۔

ملاحظہ ہو امام احمد رضا کا ترجمہ:

"بے شک وہ جن کی قسمت میں کفر ہے انھیں برابر ہے چاہے تم انھیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے کے نہیں۔

(۳) وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾۔ وہ کافروں میں سے تھا۔

تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدۂ تعظیمی کریں۔ یہ حکم ہوتے ہی تمام فرشتے بے چون وچرا سجدہ میں چلے گئے مگر ابلیس نشۂ غرور میں بدمست کھڑا رہا اور سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

اسی کا بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَؕ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ ﱪ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ(۳۴)''

''اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو تمام فرشتے سجدہ میں گر گئے سوائے ابلیس کے کہ اس نے انکار کیا اور گھمنڈ کیا اور وہ کافروں میں سے تھا۔''

امام رازی فرماتے ہیں کہ ابلیس کے کافر ہونے کے بارے میں عقلا کے دو قول ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ ابلیس عبادتِ الٰہی میں مشغول ہونے کے وقت بھی کافر تھا۔ اس نے محض نفاق کا چولا اپنے اوپر اوڑھ رکھا تھا۔

دوسرا یہ کہ وہ مومن تھا پھر اس نے کفر اختیار کیا۔

اس قول کے قائلین کے درمیان اختلاف ہوا۔ بعض نے کہا: وہ علم الٰہی میں کافر تھا یعنی اللہ تعالیٰ ازل میں ہی جانتا تھا کہ ابلیس کفر کرے گا اس اعتبار سے اسے کافر تھا کہا گیا۔

بعض نے کہا: جب اس نے ایک وقتِ معین میں کفر کیا جب کہ وہ اس سے پہلے مومن تھا تو اس کے کفر کے ماضی ہو جانے کے بعد اس پر اس وقت صادق آگیا کہ وہ کافروں میں سے ایک کافر تھا۔

بعض نے کہا: عربی زبان میں کان، صار کے معنی میں آتا ہے اور یہاں وہ صار ہو جانا کے معنی میں ہے۔

امام احمد رضا نے اسی قول کو اختیار فرمایا اور یوں ترجمہ کیا ''وہ کافر ہو گیا''۔

امام احمد رضا اگر ''وہ کافروں میں سے تھا'' ترجمہ فرماتے تو یہ اعتراض اپنی جگہ برقرار رہتا کہ وہ تو معلم الملائکہ اور انتہائی عبادت گزار تھا۔ پھر اسے کافر تھا کیسے کہا گیا؟

تفسیر رازی میں ہے:

لِلْعُقَلَاءِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: وَكَانَ مِنَ الْكافِرِينَ قَوْلَانِ: أَحَدُهُمَا: أَنَّ إِبْلِيسَ حِينَ اشْتِغَالِهِ بِالْعِبَادَةِ كَانَ مُنَافِقًا كَافِرًا. الْقَوْلُ الثَّانِي: إِنَّ إِبْلِيسَ كَانَ مُؤْمِنًا ثُمَّ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ وَهؤُلَاءِ اخْتَلَفُوا فِي تَفْسِيرِ قَوْلِهِ تَعَالَى: وَكَانَ مِنَ الْكافِرِينَ فَمِنْهُمْ مَنْ قَالَ مَعْنَاهُ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ فِي عِلْمِ اللَّهِ تَعَالَى أَيْ كَانَ عَالِمًا فِي الْأَزَلِ بِأَنَّهُ سَيَكْفُرُ فَصِيغَةُ كَانَ مُتَعَلِّقَةٌ بِالْعِلْمِ لَا بِالْمَعْلُومِ. وَالْوَجْه الثَّانِي: أَنَّهُ لَمَّا كَفَرَ فِي وَقْتٍ مُعَيَّنٍ بَعْدَ أَنْ كَانَ مُؤْمِنًا قَبْلَ ذَلِكَ فَبَعْدَ مُضِيِّ كُفْرِهِ صَدَقَ عَلَيْهِ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ أَنَّهُ كَانَ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ مِنَ الْكَافِرِينَ. الْوَجْهُ الثَّالِثُ: الْمُرَادُ مِنْ كَانَ صَارَ، أَيْ وصار من الكافرين.

(۴) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰى

آیت کریمہ میں قَتلیٰ قتیل کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: مقتولین، مارے جانے والے۔

جو ناحق مارا جائے وہ بھی مقتول ہے اور جو کسی کو ناحق قتل کر دینے کے سبب قتل کیا جائے وہ بھی مقتول ہے۔

اب اگر آیت کریمہ کا ترجمہ اس طرح کیا جائے تم پر مقتولین (مارے جانے والوں) کا قصاص لینا فرض ہے"۔ تو لفظ مقتولین مطلق ہونے کے سبب مقتولوں کی دونوں قسموں کو شامل ہوگا۔

اب ظاہر معنی کے اعتبار سے اعتراض ہوگا کہ یہ تو تقاضاے انصاف کے خلاف ہے کہ کسی بے گناہ کے قتل کے بدلے میں مارے جانے والے شخص کا قصاص لیا جائے۔

امام احمد رضا کی نظر اس اعتراض پر تھی اس لیے انھوں نے ترجمہ میں ایک لفظ "ناحق" بڑھا کر اعتراض کو دفع فرمادیا اور مقصود قرآنی کی بہترین ترجمانی فرمادی۔ چناں چہ لکھتے ہیں:

اے ایمان والو! تم پر فرض ہے کہ جو ناحق مارے جائیں ان کے خون کا بدلہ لو۔

اس آیت کا ترجمہ کرتے وقت امام احمد رضا کے پیش نظر متعدّد آیات واحادیث تھیں مثلاً: ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطنا (اسرا۳۳)

اور کوئی جان جس کی حرمت اللہ نے رکھی ہے ناحق نہ مارو اور جو ناحق مارا جائے تو بے شک ہم نے اس کے وارث کو قابو دیا۔

حدیث شریف ہے: لا یحل دم امرئ مسلم الا باحدی ثلاث: کفر بعد اسلامه، اوزنی بعد احصانه او قتل نفسا بغیر نفس (ابوداود۴۵۰۲، ابن ماجہ ۲۵۳۳، ترمذی ۲۱۵۸) تین باتوں میں سے کسی ایک سے ہی ایک مسلمان کا خون بہانا جائز ہے: مسلمان ہونے کے بعد کفر اختیار کرے یا محصن ہونے کے بعد زنا کرے یا ناحق کوئی جان مارے۔ (محصن: وہ آزاد مسلمان ہے جو مکلف ہو اور نکاح صحیح کے ساتھ صحبت کر چکا ہو خواہ ایک ہی مرتبہ۔ خزائن العرفان)

(۵) قرآن کریم میں کئی ایسی آیات ہیں جن کا مضمون یہ ہے کہ ہم (اللہ) نے ایسا کام اسی لیے کیا کہ ہمیں فلاں بات معلوم ہو جائے اس سے ذہن میں یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ اس بات کا اللہ کو پہلے سے علم نہیں تھا جب وہ کام کیا تو اسے علم ہوا۔ یہ اس بات کا متقاضی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی بات کے وقوع سے پہلے اس کا علم نہیں ہوتا حالاں کہ خود قرآن کریم، احادیث نبویہ اور اجماع کی رو سے اللہ تعالیٰ ہر چیز کا ازل میں ہی عالم ہے۔

امام احمد رضا نے مستند کتب تفسیر کی روشنی میں ان آیات کے ترجمے فرما کر اعتراض کو دفع فرمادیا ہے۔ میں یہاں صرف چند آیات ان کے ترجموں کے ساتھ ذکر کروں گا۔

(۱) ''وَ تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ ۚ وَ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ یَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ'' (آل عمران ۳/ ۱۴۰)

اور یہ دن ہیں جن میں ہم نے لوگوں کے لیے باریاں رکھی ہیں اور اس لیے کہ اللہ پہچان کرا دے ایمان والوں کی اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہادت کا مرتبہ دے۔''

تفسیر طبری میں ہے:

ولیعلم اللہ الذین آمنوا أی لیمیز بین المؤمنین والمنافقین ولیکرم من أکرم من أهل الإیمان بالشهادة.

ولیعلم الذین آمنوا سے مراد ہے: تاکہ اللہ ایمان والوں اور راہِ نفاق اختیار کرنے والوں کی پہچان کرا دے اور ان کے درمیان خط امتیاز کھینچ دے اور ایمان کی دولت سے معزز ہونے والوں کو شہادت کا اعزاز بخشے''۔ (طبری ج:۷/ص:۲۴۳)

اردو زبان میں ''پہچان کا لفظ''تمیز اور درک کے معنی میں آتا ہے۔

(۲) اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ یَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ ۝۱۴۲ . (آل عمران، ۲/۱۴۲)

''کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی اللہ نے تمھارے غازیوں کا امتحان نہ لیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی''۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

ثم قال (أم حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ ولما یعلم اللہ ....) أَيْ أَحَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمْ تُبْتَلَوْا بِالْقِتَالِ وَالشَّدَائِدِ، كَمَا قَالَ تَعَالَى فِي سُورَةِ الْبَقَرَةِ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا [الْبَقَرَةِ: ٢١٤] . وَقَالَ تَعَالَى: الم أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ [العنكبوت: ٢] الآية، وَلِهَذَا قَالَ هَاهُنَا أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ أَيْ لَا يَحْصُلُ لَكُمْ دُخُولُ الْجَنَّةِ حَتَّى تُبْتَلَوْا وَيَرَى اللَّهُ

مِنْكُمُ الْمُجَاهِدِينَ في سبيله، والصابرين على مقاومة الْأَعْدَاءِ.(ابن كثير، ج: ۲،ص:۱۲۷)

کیا تم اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالاں کہ لڑائی اور سختیوں سے تمھاری آزمائش نہیں کی گئی۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: کیا تم اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر اگلوں کی سی روداد نہ آئی، پہنچی انھیں سختی اور شدت اور ہلا ہلا ڈالے گئے۔ ایک اور مقام پر ہے: کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اتنی بات پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ کہیں ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لیے یہاں فرمایا:(أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ) مطلب یہ ہے کہ تمھیں جنت میں جانا اسی وقت نصیب ہوگا جب تمھاری آزمائش اور امتحان ہو جائے اور اللہ اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں اور دشمنان خدا سے مقابلہ کرنے پر صبر کرنے والوں کو دیکھ لے“۔

تفسیر طبری میں ہے:

اخبرهم ان لا يتركهم حتى يمحصهم ويختبرهم (ج:۱۱ص۳۷۳)

اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ انھیں نہ چھوڑے گا جب تک ان کا امتحان نہ لے لے اور ان کی آزمائش نہ کر لے۔

(۳) وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ لَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ ۝۳ (عنکبوت،۲۹/۳)

”اور بے شک ہم نے ان سے اگلوں کو آزمایا تو ضرور اللہ سچوں کو دیکھے گا اور ضرور جھوٹوں کو دیکھے گا۔“

التفسیر البسیط میں ہے:

قال مقاتل: فليرين الله الذين صدقوا في إيمانهم من هذه الأمة عند البلاء، فيصبروا لقضاء الله {وَلَيَعْلَمَنَّ} يقول: وليرين {الْكَاذِبِينَ} ، الذين فتنوا عند البلاء والتمحيص؛ يعني: المنافقين.(ج: ۴۹۰/۱۷ للواحدی)

”تو اللہ آزمائش کے وقت اس امت کے ان لوگوں کو ضرور دیکھے گا جو اپنے ایمان میں سچے ہوں گے اس لیے وہ اللہ کی قضا پر صبر کر لیں گے اور اللہ ضرور ان جھوٹوں یعنی منافقین کو دیکھے گا جو امتحان وآزمائش کے وقت فتنہ میں مبتلا ہوں گے۔“

(۴) وَ لَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَیَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ ۝۱۱ (عنکبوت ۱۱/۲۹)

”اور ضرور اللہ ظاہر کر دے گا ایمان والوں کو اور ضرور ظاہر کر دے گا منافقوں کو۔“

امام رازی نے مذکورہ دونوں آیتوں کے افعال علم کے تین معانی ذکر کیے:

الأول: فليرين الله. والثاني: فليظهرنَّ اللهُ. والثالث: فليميزنَّ الله۔ (تفسیر رازی، ج:۹، ص:۴۲۲)

اگر مذکورہ آیات میں وارد لیعلم اور لیعلمن کا ترجمہ جاننا اور معلوم کرنا کیا جائے تو وہ اعتراض وارد ہوتا ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا جب کہ امام احمد رضا کے ترجموں سے یہ اعتراض سرے سے وارد ہی نہیں ہوتا۔

بظاہر متعارض آیات میں تطبیق:

قرآن کریم میں کچھ ایسی آیات بھی ہیں جن سے صراحتاً ثابت ہے کہ غیب کا علم اللہ کے ساتھ خاص ہے اور کچھ آیات سے انبیاے کرام علیہم السلام کے لیے علم غیب کا اثبات بھی ہوتا ہے۔

اس تعارض کو علما نے اس طور پر دفع کیا کہ جن آیات سے علم غیب کا اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہونا ثابت ہو رہا ہے ان سے مراد علم ذاتی ہے یعنی علم غیب اللہ کے ساتھ اس طور پر خاص ہے کہ اس کو یہ علم کسی نے دیا نہیں ہے بلکہ اسے خود حاصل ہے جب کہ انبیاے کرام کے لیے غیب کا اثبات کرنے والی آیات سے "علم غیب عطائی" مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انبیا کو جو بھی علم غیب ہوتا ہے وہ محض عطاے الہی ہوتا ہے۔

چندوہ آیات جن سے علم غیب کا اللہ کے ساتھ خاص ہونا یا غیر اللہ سے اس کی نفی ثابت ہے۔

(۱) "وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ" (انعام ۵۹)

اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں انھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(۲) قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ (نمل ۲۷/آیت ۶۵)

"تم فرماؤ (خود) غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ"

(۳) قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىٕنُ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ۔ (انعام ۵۰)

تم فرمادو میں تم سے نہیں کہتا میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں۔

(۴) وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىٕنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ (ہود ۱۱/آیت ۳۱)

اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جان لیتا ہوں۔

(۵) "قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ" (اعراف، ۱۸۸)

تم فرماؤ میں اپنی جان کے بھلے برے کا خود مختار نہیں مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کرلی۔

چند وہ آیات جن سے انبیا کے لیے علم غیب کا اثبات ہوتا ہے۔

(۶) عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (جن/۲۶)

عالم الغیب اپنے غیب پر اپنے پسندیدہ رسولوں کو ہی آگاہ کرتا ہے۔

(۷) ''وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَیْبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ'' (آل عمران ۳/۱۷۹)

اے عام لوگو! اللہ کی شان یہ نہیں کہ تمھیں غیب سے آگاہ کرے لیکن اللہ اپنے منتخب رسولوں میں سے جسے چاہے غیب عطا فرماتا ہے۔

دوسری آیت کریمہ کے ترجمے میں 'خود غیب نہیں جانتے' سے بھی امام احمد رضا نے یہی بتایا ہے کہ نفی علم غیب ذاتی کی ہے نہ کہ عطائی کی۔ تیسری، چوتھی اور پانچویں آیت میں ''نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں'' ''نہ یہ کہ میں غیب جان لیتا ہوں اور ''اگر میں غیب جان لیا کرتا'' کی ترکیب بھی صاف اور واضح انداز میں بتا رہی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اپنی ذات سے ''علم غیب ذاتی'' کی نفی فرما رہے ہیں نہ کہ عطائی کی۔ اور چھٹی اور ساتویں آیت سے نبی کے لیے علمِ غیب عطائی کا ثبوت ہو رہا ہے یوں دونوں قسم کی آیتوں کے درمیان کوئی تعارض نہ رہا۔

امام احمد رضا کا یہ ترجمہ معتمد کتبِ تفاسیر کی روشنی میں ہے۔ ہم چند حوالے یہاں نقل کرتے ہیں:

خازن میں ہے: ما أخبركم إلا بوحي من الله أنزل عَلَيَّ.

آگے ہے: فما أخبر عنه من غيب فبوحي الله إلى.

''میں اللہ کی نازل کردہ وحی سے ہی تمھیں غیب کی خبریں دیتا ہوں۔'' تو میں جو بھی غیب کی خبر دیتا ہوں وہ اللہ کے وحی فرمانے سے ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

(وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ) أَمَرَهُ اللَّهُ تَعَالَى أَنْ يُفَوِّضَ الْأُمُورَ إِلَيْهِ، وَأَنْ يُخْبِرَ عَنْ نَفْسِهِ أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ، وَلَا اطِّلَاعَ لَهُ عَلَى شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ إِلَّا بِمَا أَطْلَعَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ، كَمَا قَالَ تَعَالَى: عَالِمُ الْغَيْبِ فَلا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ

أَحَدًا. إِلا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ.(تفسیر ابن کثیر، ج:۳/ص: ۵۲۳)

”اللہ تعالی نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ وہ اپنے سارے کام اللہ کو تفویض کردیں اور اپنے بارے میں لوگوں کو باخبر کردیں کہ مجھے غیب کا جو بھی علم اور اس پر جو بھی اطلاع ہے وہ محض اللہ کے مطلع کرنے سے ہے جیساکہ ارشاد فرماتا ہے: غیب داں اللہ! اپنے غیب پر اپنے پسندیدہ رسولوں کو ہی مسلط فرماتا ہے۔

تفسیر سمعانی میں ہے:

(وَلَا أعلم الْغَيْب) والغيب: كل مَا غَابَ عَنْك وَيكون مَاضِيا، وَيكون فِي الْمُسْتَقْبل، والماضي مِنْهُ يجوز أَن يعلمهُ الْإِنْسَان بِخَبَر مخبر وَنَحْوه. فَأما الْمُسْتَقْبل فَلَا يعلمهُ إِلَّا الله، وَرَسُول ارْتَضَاهُ، كَمَا قَالَ فِي سُورَة الْجِنّ، وَقَوله: {وَلَا أعلم الْغَيْب} فِيهِ إِضْمَار، أَي: وَلَا أعلم الْغَيْب إِلَّا مَا أعلمنيه الله. (ج:۲، ص: ۱۰۵)

”**غیب**: وہ ہے جو تمھارے سامنے نہ ہو۔ یہ ماضی بھی ہوتا ہے اور زمانہ آئندہ میں بھی ہوتا ہے۔ گزشتہ غیبی بات کسی خبر دینے والے کی خبر یا کسی اور ذریعہ سے انسان کو معلوم ہو سکتی ہے لیکن مستقبل کی غیبی خبر سے تو اللہ اور اس کے پسندیدہ رسول ہی آگاہ ہوتے ہیں جیساکہ اللہ تعالی نے سورۂ جن میں فرمایا ہے۔

اللہ تعالی کے ارشاد: (و لا اعلم الغيب) میں الا ما أعلمنيه الله مضمر ہے یعنی عبارت یوں ہے:

”و لا اعلم الغيب إلا ما أعلمنيه الله. میں وہی غیب کی باتیں جانتا ہوں جن سے اللہ مجھے آگاہ فرماتا ہے۔“

تفسیر مظہری میں ہے:

(قُلْ لا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعاً وَلا ضَرًّا) أى جلب منفعة ولا دفع مضرة دينية ولا دنيوية وهو اظهار للعبودية والتبري عن دعوى العلم بالغيب إِلَّا ما شاءَ اللَّهُ من ذلك فيعلمنى به وحيا جليا أو خفيا ويعطينى قدرة على جلب النفع أو دفع الضرر. (ج:۳، ص:۴۴۱)

”کہہ دو میں خود کو کوئی دینی یا دنیوی نفع پہنچانے یا اپنی ذات سے کوئی دینی یا دنیوی ضرر ٹالنے کا اختیار نہیں رکھتا۔“ یہ حضور ﷺ کی طرف سے اپنی عبودیت وبندگی کا اظہار اور دعوی علمِ غیب سے اپنی بیزاری کا اعلان ہے اور إلا ماشاء اللہ کا مطلب ہے۔ مگر مجھے اللہ وحی جلی یا وحی خفی کے ذریعہ جو علم غیب عطا کرتا ہے میں اس سے آگاہ ہوں اور اپنے لیے جس نفع کے حصول اور جس ضرر کو دور کرنے کی وہ مجھے وسعت وقدرت دیتا ہے وہ نفع میں حاصل کرتا اور وہ ضرر دور کرتا ہوں۔“

قرطبی میں ہے:

(ولو کنتُ اعلمُ الغیبُ لا ستکثرت من الخیر) المعنی: لو کنتُ اعلم ما یر ید اللہ عز و جل منی قبل أن یعرّ فنیه لفعلته.

"اللہ مجھ سے جو ارادہ فرماتا ہے اگر میں اس سے اللہ کے آگاہ کرنے سے پہلے ہی آگاہ ہوجاتا تو ایسا کرتا۔" (ج:۷/ص:۳۳۶)

عصمتِ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام

اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ انبیاے کرام بڑے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اور تحقیق کی رو سے وہ چھوٹے گناہوں سے بھی معصوم ہوتے ہیں۔

تفسیر بغوی میں ہے: قال جمهور من الفقهاء من أصحاب مالك وأبي حنيفة والشافعي إنهم معصومون من الصغائر كلها كعصمتهم من الكبائر أجمعها لأنا امرناباتباعهم فی أفعالهم وآثارهم وسيرهم أمرا مطلقا من غير التزام قر ينة ،فلو جوزنا عليهم الصغائرلم يمكن الإقتداء بهم إذ ليس كل فعل من أفعالهم يتميز بقصده من القربة والإباحة أوالحظر أوالمعصية ،ولا يصح أن يؤمر المرء بامتثال أمر لعله المعصية ،لاسيما من يرى تقديم الفعل على القول إذا تعارضامن الأصوليين .قال الأستاذ أبو اسحاق الإسفراييني :واختلفوا فی الصغائر ،والذی عليه الأكثر أن ذلك غير جائز عليهم ،وصار بعضهم إلی تجو يزها ،ولا أصل لهذه المقالة(ج۷،ص:۲۹۷)

"امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے اصحاب میں سے جمہور فقہانے فرمایا:

انبیاے کرام جس طرح تمام کبیرہ گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اسی طرح وہ تمام صغیرہ گناہوں سے بھی معصوم ہوتے ہیں کیوں کہ کسی قرینہ کا التزام کیے بغیر ہمیں مطلقًا ان کے افعال وآثار اور ان کی سیرتوں میں ان کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے اس لیے اگر ہم ان سے صغیرہ گناہوں کا وقوع جائز قرار دے دیں تو ان کی اقتدا ممکن ہی نہیں رہے گی کیوں کہ ان کے کسی بھی فعل میں یہ فرق وامتیاز نہیں ہوسکے گا کہ اس کا مقصود قربت واباحت ہے یا حظر وممانعت یا معصیت وگناہ اور یہ کوئی معقول اور درست بات نہیں ہوگی کہ کسی کو ایسے کام کے امتثال وتعمیل کا حکم دیا جائے جس کا گناہ ہونا ممکن ہو خاص طور سے ان علماے اصول کے قول پر جو قول وفعل کے متعارض ہونے کے وقت قول پر فعل کی تقدیم کی راے رکھتے ہیں۔

استاذ ابو اسحاق اسفرایینی نے کہا: چھوٹے گناہوں کے بارے میں علما کے درمیان اختلاف ہوا۔ اکثر علما کا مذہب یہ ہے کہ ایسے گناہوں کا صدور بھی انبیا کے لیے ممکن نہیں۔ بعض علما نے اسے جائز قرار دیا ہے مگر ان کے پاس اس کی کوئی اصل اور سند نہیں۔"

المعتقد المنتقد میں ہے: وتنزيههم عن الكبائر اجماعا وعن الصغائر تحقيقاً. (ص ۱۱۰/ رضا اکیڈمی ممبئی)

"انبیاے کرام بالاجماع کبیرہ گناہوں سے اور تحقیق کی رو سے صغیرہ گناہوں سے بھی پاک ہوتے ہیں"۔

اب اعتراض ہوا کہ قرآن کریم کی سورۂ فتح میں نبی معصوم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی طرف تو ذنب (گناہ) کی نسبت کی گئی ہے؟۔

ارشاد باری تعالی ہے:

"اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ" (سورۂ فتح/۱)

اس کا جواب جلالین میں اس طرح دیا گیا ہے۔"وهو مؤول لعصمة الأنبياء عليهم الصلاة والسلام بالدليل العقلى القاطع من الذنوب." اس میں تاویل کی جائے گی کیوں کہ اس بات پر دلیل عقلی قطعی قائم ہے کہ انبیاے کرام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

وهو مؤول کے تحت حاشیہ نمبر ۱۱ پر ہے:

أي إسناد الذنب له صلى الله تعالى عليه وسلم مؤول إما بأن المراد ذنوب أمتك أو هو من باب حسنات الأبرار ، سيئات المقربين أو بأن المراد بالغفران، الإحالة بينه و بين الذنوب فلا تصدر منه لأن الغفر هو الستر، والستر ما بين العبد و الذنب أو بين الذنب وعذابه فاللائق بالأنبياء، الأول و بالأمم ، الثاني. (صاوی مختصراً)

"وہو مؤول سے مراد ہے: حضور کی طرف ذنب کی نسبت مؤول ہے۔ ایک تاویل یہ ہے کہ ذنبك سے مراد ذنوب أمتك ہے یعنی تمھاری امت کے گناہ۔ اب معنی ہوں گے: تمھارے سبب سے تمھاری امت کے اگلے پچھلے گناہ بخشے۔"

یا ذنبك اس قبیل سے ہے کہ نیکوں کی نیکیاں، مقربان بارگاہ الٰہی کے گناہ ہیں۔ یا غفران سے مراد ہے: اللہ تعالی کا حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور گناہوں کے درمیان پردہ حائل کر دینا یوں حضور سے کوئی گناہ سرزد ہو ہی نہیں سکتا کیوں کہ غفر کے اصل معنی ہیں "ستر کرنا" تو یہ ستر یا تو بندہ اور گناہ کے درمیان ہوگا

یا گناہ اور اس کے عذاب کے درمیان ہوگا اول انبیا کے لائق ہے اور دوم امتوں کے لائق ہے"۔ (ص: ۴۲۳، مجلس برکات، مبارک پور)

تفسیر ماتریدی میں ہے:

والوجه الثاني:يرجع إلى ذنوب أمته؛ أي: ليغفر لك الله ذنوب أمتك، وهو ما يشفع لأمته، فيغفر له؛ أي: لشفاعته، وهو كما روي في الخبر: " يغفر للمؤذن مدّ صوته " أي: يجعل له الشفاعة،فعلى ذلك جائز أن يكون قوله: (لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ) أي: يغفر لأمته بشفاعته، واللَّه أعلم.

"دوسری وجہ یہ ہے کہ ذنبك سے مراد حضور کی امت کے گناہ ہیں یعنی تاکہ اللہ تمھارے سبب سے تمھاری اگلی پچھلی امت کے گناہ بخشے۔ حضور اپنی امت کے لیے بارگاہ خداوندی میں شفاعت کریں گے تو اللہ تعالی حضور کی شفاعت سے ان کی مغفرت فرمائے گا۔ خبر رسول میں بھی ہے: "اذان کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے وہاں تک سکونت پذیر اور اقامت گزیں لوگوں کے گناہوں کی مغفرت مؤذن کی شفاعت سے ہو جائے گی۔ یہ اس لیے کہ اللہ اسے شفاعت کا حق عطا کر دے گا۔ اس تقدیر پر جائز ہے کہ اللہ تعالی کے قول: **لیغفر لک اللہ** سے مراد یہ ہو کہ اللہ تعالی حضور کی شفاعت اور ان کی سفارش سے حضور کی امت کو بخش دے گا۔"

اسی کتاب کے صفحہ ۲۹۳ پر ہے: وجائز أن يكون قوله (ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك) أي: من ذنب أمتك وماتاخرمن ذنبهم على ما قال بعض أهل التاويل.

"بعض اہل تاویل کے قول کے مطابق اللہ تعالی کے ارشاد (ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك) سے یہ مراد لینا جائز ہے کہ "اللہ تمھارے سبب سے تمھاری امت کے اگلے پچھلے گناہ بخش دے۔

اسی مفہوم کو اختیار کرتے ہوئے امام احمد رضا نے یوں ترجمہ فرمایا:

تاکہ اللہ تمھارے سبب سے گناہ بخشے تمھارے اگلوں کے اور تمھارے پچھلوں کے"۔

یہاں امام احمد رضا "تم سے اگلوں کے گناہ بخشے" ترجمہ نہیں کر رہے ہیں کہ بعض مفسرین کے قول کی رو سے حضرت ابراہیم یا حضرت آدم و حواء مراد ہوں بلکہ وہ "تمھارے اگلوں اور تمھارے پچھلوں" ترجمہ کر رہے ہیں جس سے آفتاب نیم روز کی طرح روشن ہے کہ امام احمد رضا نے صرف امتِ محمدی مراد لی ہے۔

ادھر مولوی محمود الحسن نے دیکھا کہ ذنب کا لغوی معنی "گناہ" ہے لہذا جھٹ ترجمہ کر دیا۔ "تاکہ

معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے۔" انھوں نے مطلق یہ خیال نہ کیا کہ "گناہ" کے لفظ سے عام ذہنوں پر کیا اثر مرتب ہوگا اور عصمتِ انبیا پر کس طرح حرف آئے گا۔

تنبیہ

یہ بات ہر مسلمان ذہن نشین رکھے کہ قطعًا یہ جائز نہیں کہ وہ حضور ﷺ کے گناہ کی تلاش وجستجو کرے، یہ تکلف کرے کہ ان کا گناہ کیا تھا؟ اور ان کی لغزش کیا تھی؟ کیوں کہ ان کی لغزش کی جستجو ان کی شان گھٹانے کی موجب ہے اس لیے جو شخص بھی یہ تکلف کرے گا اس پر کفر کا اندیشہ ہے۔

حضور ﷺ اور انبیاے کرام علیہم السلام کا گناہ ہمارے گناہوں کی طرح نہیں کیوں کہ وہ گناہ ہمارے حق میں فعل مباح کی منزل میں ہوتا ہے۔ لیکن انھیں اس سے روک دیا گیا ہے۔

امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: ثم لا يجوز لنا أن نبحث عن ذنبه ونتكلف ما كان ذنبه ؟ وايش كانت زلته ؟ لأن البحث عن زلته مما يوجب النقص فيه ،فمن تكلف البحث عن ذلك يخاف عليه الكفر ،لكن ذنبه وذنب سائر الأ نبياء عليهم السلام ليس نظير ذنبنا ؛إذ ذنبهم بمنزلة فعل مباح منا ،لكنهم نهوا عنها . (تفسیر الماتریدی ج:۹ ص ۲۹۲)

ضَلال (بھٹکنا، گمراہ ہونا)

انبیاے کرام دین اسلام اور توحید وایمان پر ہمیشہ قائم رہتے ہیں وہ کبھی اپنی قوم کا باطل دین نہیں اختیار کرتے۔ اسی حقیقت کا اعلان کرتے ہوئے علامہ سفارینی لکھتے ہیں:

لم يكن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم على دين سوى الإسلام، ولا كان على دين قومه قط: بل وُلدَ النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم- مؤمنا صالحا على ما كتبه الله وعلمه في حاله. (لوامع الأنوار البهية وسواطع الأسرار الأثرية شرح الدرر المضيئة، ص: ۳۰۵)

"نبی اکرم -صلی اللہ تعالی علیہ وسلم- ہمیشہ دین اسلام پر ہی قائم رہے۔ آپ کبھی اپنی قوم کے دین پر نہیں رہے بلکہ نوشتہ الہی اور علم الہی کے مطابق مومن صالح ہو کر دنیا میں تشریف لائے"۔

علامہ قاضی عیاض فرماتے ہیں:

والصواب أنهم معصومون قبل النبوة من الجهل بالله وصفاته والتشكك في شيء من ذلك، وقد تعاضدت الأخبار والآثار عن الأنبياء بتنزيههم عن هذه

النقيصة، منذ ولدوا، ونشأتهم على التوحيد والإيمان. بل على إشراق أنوار المعارف ونفحات الطاف السعادة ومن طالع سيرهم منذصباهم الىٰ مبعثهم حقق ذالك.

لم ينقل أحدمن أهل الأخبارأن أحدانبيء واصطفى ممن عرف بكفروإشراك قبل ذلك. ومستندهذا الباب النقلُ وقد استدل بعضهم بأن القلوب تنفرعمن كان هذه سبيله. قال القاضي: وأناأقول: إن قريشا قدرمت نبيناعليه السلام بكل ما افترته، وعيركفارالأمم أنبياءها بكل ماامكنها واختلقته ممانصه الله عليه اونقلته اليناالرواة. ولم نجدفي شي ء من ذلك تعييرالواحدمنهم برفضه آلهتهم وتقريعه بذمه بترك ماكان قدجامعهم عليه. ولوكان هذالكانوابذلك مبادرين، ويتلونه في معبوده محتجين ولكان توبيخهم له بنهيهم عماكان يعبد قبل أفظع وأقطع في الحجة من توبيخه بنهيهم عن آلهتهم وماكان يعبدآباءهم من قبل، ففي إطباقهم على الإعراض عنه دليل على انهم لم يجدواسبيلاً اليه اذلوكان لنقل وماسكتواعنه كما لم يسكتواعن تحويل القبلة وقالوا مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا. كماحكا ه الله عنهم. (قرطبي ج ١٦/ ص ٥٥/ ٥٦)

”انبیاے کرام اعلان نبوت سے پہلے بھی اللہ اور اس کی صفات سے نابلد ہونے اور ان میں شک کرنے سے معصوم ہوتے ہیں، چناں چہ ان کے بارے میں وارد اخبار وآثار ان کی پیدائش سے ہی نہ صرف اس عیب سے ان کے منزہ وپاک ہونے اور توحید وایمان پر ان کی نشو ونما ہونے پر ایک دوسرے کے مؤید ہیں بلکہ معارف الٰہی کے انوار کے ورود اور الطاف سعادت کے فیضانات پر ان کی نشو ونما ہونے کے بھی مؤید ہیں۔

جو ان کے بچپن سے ان کی بعثت تک کی سیرت کا مطالعہ کرتا ہے وہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔

اہل خبر میں سے کسی نے یہ نقل نہیں کیا کہ کسی ایسے شخص کو نبوت دی گئی اور کار نبوت کے لیے کسی ایسے کا انتخاب ہوا جو قبل نبوت کفر وشرک کا مرتکب ہوا ہو۔ یہ نقل سے ثابت ہے۔

بعض علمانے اس پر یہ دلیل قائم کی کہ انسانوں کے دل ایسے شخص سے نفرت کرتے ہیں جس کا راستہ کفر وشرک ہو۔

قاضی عیاض علیہ الرحمہ مزید لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں: قریش نے ہمارے رسول ﷺ کے خلاف ہر طرح کی افترا پردازیاں کر کے ان پر الزام تراشیاں کیں اسی طرح دیگر امتوں کے کافروں نے اپنے انبیا کو

اپنے امکان بھر ہر طرح کی گھڑی ہوئی باتوں سے عار دلائے جن کو اللہ تعالیٰ یا راویان اخبار نے نقل کیا لیکن ان دونوں ماخذوں میں سے کسی میں بھی ہمیں یہ نہیں ملتا کہ اگر کسی نبی نے اپنی قوم کے معبودوں کو مسترد کر دیا ہو اور ان معبودان باطل کی عبادت اور مراسم کفر و شرک پر انھیں زجر و توبیخ کی ہو تو اس قوم نے اپنے نبی کی مذمت کرتے ہوئے اس کو یہ عار دلائی ہو کہ تم بھی تو ہماری موافقت میں پہلے ایسا کر چکے ہو۔ یہ کام وہ سب سے پہلے کرتے اور اس کے بعد اس بات کو اس نبی کے معبود کے بارے میں بطور حجت پیش کرتے اور اس نبی کے اپنے پہلے کے معبودوں سے روکنے پر اس قوم کا اس نبی کو زجر و توبیخ کرنا اتنی عظیم ترجحت قطعی ہوتی جتنی وہ زجر و توبیخ نہ ہوتی جو نبی اپنی قوم کو اس کے معبودوں سے روکنے پر کرتا لیکن قبل نبوت کسی نبی پر اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرنے کی تہمت لگانے سے اعراض پر تمام انبیا کی امتوں کا اتفاق اس بات پر دلیل ہے کہ انھیں ایسا کوئی امر نہ مل سکا کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو وہ راویوں کے ذریعہ منقول ہوتا اور لوگ اس سے خاموش نہ رہتے جیسے تحویل قبلہ کے بارے میں وہ خاموش نہ رہے اور بول پڑے: انھیں ان کے اس قبلہ سے کس چیز نے پھیرا جس پر یہ لوگ قائم تھے۔ اس کا بیان اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے“۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَ مَا غَوٰی ۚ﴿۲﴾“۔ (نجم، ۲/۵۳) تمھارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے۔

اب ظاہر ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ”ووجدك ضالا فهدى“ کے معنی یہ تو نہ ہوں گے۔

”اور اس نے تجھے گمراہ یا بھٹکا ہوا پایا تو سیدھی راہ کی ہدایت دی۔“

امام رازی نے اس کے بیس وجوہ ذکر فرمائے جن میں چودھویں وجہ یہ بیان فرمائی:

الضَّلَالُ بِمَعْنَى الْمَحَبَّةِ كَمَا فِي قَوْلِهِ: إِنَّكَ لَفِي ضَلالِكَ الْقَدِيمِ [يُوسُف: ۹۵/۱۲] أَيْ مَحَبَّتِكَ، وَمَعْنَاهُ أَنَّكَ مُحِبٌّ فَهَدَيْتُكَ إِلَى الشَّرَائِعِ الَّتِي بِهَا تَتَقَرَّبُ إِلَى خِدْمَةِ مَحْبُوبِكَ. (ج: ۳۱/ص: ۱۹۸)

”یہاں ضلال، محبت کے معنی میں ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کے قول انك لفی ضلالك القديم میں محبت کے معنی میں ہے۔ معنی ہیں: تم محبت کرنے والے ہو اس لیے میں نے تمھیں ان شرائع و احکام کی ہدایت دی جن سے تمھیں اپنے محبوب کی خدمت کا قرب حاصل ہو جائے۔

تفسیر مظہری میں ہے:

وقال بعض الصوفية معناه: وجدك محبا عاشقا مفرطا فى الحب والعشق

یکنی بالضال لاستلزام السکر غالبا والسکران یغلط الطریق غالبا. وفی الحدیث: حبك الشيء یعمی ویصم فهی تسمیة السبب باسم المسبب کما فی قوله تعالی: انزل الله من السماء من رزق یعنی من مطر. قال الله تعالی عن اخوة یوسف: ان أبانا لفی ضلال مبین. وانك لفی ضلالك القدیم. وقال نسوة فی المدینة: امرأة العزیز تراود فتاها عن نفسه قد شغفها حبّا انّا لنراها فی ضلال مبین. فَهَدی أی فهداك إلی وصل محبوبك حتی کنت قاب قوسین أو ادنی.(ج: ۱۰ /ص: ۲۸۶)

”بعض صوفیہ نے فرمایا: وجدك ضالا کے معنی ہیں ”اللہ نے تمھیں ایسا محب وعاشق پایا جو اپنے عشق ومحبت میں حد سے بڑھا ہوا تھا۔ ایسے عاشق کا ضال سے کنایہ کیا جاتا ہے کیوں کہ غالبا ایسے عاشق کو خمار محبت اور نشہ عشق مستلزم ہوتا ہے اور جو شخص نشے میں ہو وہ غالبا راستہ بہک جاتا ہے۔ حدیث میں ہے: ”کسی چیز سے تمھاری محبت تمھیں اندھا اور بہرا کر دیتی ہے“۔ تو یہ سبب کو مسبب کا نام دے دینے کے قبیل سے ہے۔ یعنی عشق ومحبت میں حد سے گزر جانا، سبب ہے اور ضلال (راستہ بہک جانا) مسبب ہے تو یہاں ضلال بول کر سبب یعنی عشق ومحبت کا حد سے بڑھ جانا مراد ہے۔

جیسے ارشاد باری تعالی ہے:

اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ: ”اللہ نے آسمان سے روزی اتاری۔ روزی مسبب ہے جس کا سبب بارش ہے تو یہاں مسبب بول کر بطور کنایہ سبب مراد لیا گیا۔ اللہ تعالی نے حضرت یوسف کے بھائیوں کی طرف سے فرمایا: اِنَّ اَبَانَا لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنِۣ ۝۸ (یوسف/۸)

بے شک ہمارے باپ صراحتاً ان کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔“

اِنَّكَ لَفِیۡ ضَلٰلِكَ الۡقَدِیۡمِ ۝۹۵۔ ”بے شک آپ اپنی اسی پرانی خودرفتگی میں ہیں۔“

اور فرمایا: ”وَ قَالَ نِسۡوَةٌ فِی الۡمَدِیۡنَةِ امۡرَاَتُ الۡعَزِیۡزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنۡ نَّفۡسِهٖ ۚ قَدۡ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ۝۳۰“ (یوسف/۳۰)

”اور شہر میں کچھ عورتیں بولیں کہ عزیز کی بی بی اپنے نوجوان کا دل لبھاتی ہے، بے شک ان کی محبت اس کے دل میں پیر گئی ہے ہم تو اسے صریح خودرفتہ پاتے ہیں۔“

فهدی یعنی اللہ تعالی نے تمھارے محبوب سے وصال تک تمھاری رہ نمائی فرمادی یہاں تک کہ تم اس محبوب حقیقی سے دو ہاتھ بلکہ اس سے بھی کم دوری پر ہو گئے۔“

صراح میں ہے: ضلال بالفتح: ضائع شدن وگم شدن ومغلوب شدن یقال: ضل الماء فی اللبن أی غلب بحیث لایظهر أثره فی اللبن ومنه قوله تعالیٰ حکایة عن إخوة یوسف: ان ابانا لفی ضلال مبین أی هو مغلوب فی محبتهما یعنی فی محبة یوسف وأخیه وقوله تعالیٰ حکایة عن موسیٰ: قال اذا وانامن الضالین ای من المغلوبین فی عصبیة الدین. (ص۴۳۴)

"ضاد کے فتحے کے ساتھ ضلال کے معنی ہیں: ضائع ہونا، گم ہونا، مغلوب ہونا۔ کہاجاتا ہے: ضل الماء فی اللبن: پانی دودھ میں اس طرح مغلوب ہوگیا کہ دودھ میں اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہورہا ہے۔

حضرت یوسف کے بھائیوں کا قول نقل کرتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے: بے شک ہمارے والد (حضرت یعقوب) یوسف اور اس کے بھائی بنیامین کی محبت میں مغلوب ہیں۔

حضرت موسیٰ کے قول کی حکایت کرتے ہوئے ارشاد ربانی ہے: موسیٰ نے فرمایا: میں نے وہ کام کیا جب کہ میں دین کی عصبیت میں مغلوب تھا۔

امام احمد رضا نے تفسیر ولغت کی روشنی میں یہ نہایت ایمان افروز ترجمہ فرمایا:

"اور تمھیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔"

اتباعِ اہواء اور اشراک باللہ

اللہ کے رسول ﷺ کے لیے یہودیوں، عیسائیوں اور مشرکین کی خواہشات نفسانی کا اتباع کرنا اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا محال وناممکن تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مندرجہ ذیل آیات سے بظاہر رسول کے لیے اس اتباع اور شرک کا امکان ثابت ہورہا ہے۔

(۱) "وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ﴿۱۲۰﴾" (بقرہ ۲/۱۲۰)

(۲) "وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۵﴾" (بقرہ ۲/۱۴۵)

(۳) "وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾" (رعد ۱۳/۳۷)

(۴) "وَ لَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَ اِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۶۵﴾" (زمر ۳۹/۶۵)

علمانے اس کی مختلف توجیہات ذکر فرمائیں: مثلا:

(۱) بظاہر رسول مخاطب ہیں مگر معنی کے اعتبار سے خطاب ان کی امت سے ہے۔

(۲) اللہ کے رسول سے یہ خطاب امر محال کو فرض کر لینے کے طور پر ہے۔

امام احمد رضا نے پہلے قول کو اختیار کرتے ہوئے اصل متن کا ترجمہ کرنے سے پہلے ''اے سننے والے کسے باشد'' کا اضافہ فرماکر یہ واضح کر دیا کہ ان آیات میں اصل مخاطب اللہ کے رسول نہیں بلکہ رسول خود اپنی امت کو یہ آیات سنا رہے ہیں کہ سن لو اگر تم نے مذکورہ لوگوں کی خواہشات نفسانی کی پیروی کی یا ایمان کے بعد شرک کا ارتکاب کیا تو تمھارے لیے اس کے نتائج اچھے نہیں ہوں گے۔

اب امام احمد رضا کا ترجمہ ترتیب وار ملاحظہ کریں:

(۱) (اے سننے والے کسے باشد) اگر تو ان کی خواہشوں کا پیرو ہوا بعد اس کے کہ تجھے علم آچکا تو اللہ سے تیرا کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور نہ مددگار۔''

(۲) اور (اے سننے والے کسے باشد) اگر تو ان کی خواہشوں پر چلا بعد اس کے کہ تجھے علم آچکا تو اس وقت تو ضرور ستم گر ہوگا۔''

(۳) اور (اے سننے والے) اگر تو ان کی خواہشوں پر چلا بعد اس کے کہ تجھے علم آچکا تو اللہ کے آگے نہ تیرا کوئی حمایتی ہوگا نہ بچانے والا۔''

(۴) اور بے شک وحی کی گئی تمھاری طرف اور تم سے اگلوں کی طرف کہ اے سننے والے اگر تو نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور تیرا سب کیا دھرا اکارت ہو جائے گا اور ضرور تو ہار میں رہے گا۔''

التفسیر الوسیط میں ہے:

(ولئن اتبعت اھواءھم) قال ابن عباس: صليت إلى قبلتهم (بعد الذى جاءك من العلم) بأن دين الله الإسلام، والقبلة هى الكعبة، والخطاب للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم والمراد به أمته لأنه معصوم عن اتباع هوى الكافرين (مالك من الله من ولى ولا نصير). (ج:۱/ص:۲۰۰)

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اگر تم ان کی خواہشات کی پیروی کروگے سے مراد ہے ان کے قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھوگے اس کے بعد کہ تمھیں یہ معلوم ہوگیا ہے کہ اللہ کا دین، صرف اسلام اور قبلہ صرف کعبہ ہے تو تمھیں اللہ سے کوئی بچانے والا اور تمھارا کوئی مددگار نہ ہوگا۔'' یہاں خطاب اللہ کے نبی

صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے ہے لیکن اس سے مراد ان کی امت ہے کیوں کہ نبی کریم ﷺ تو کافروں کی خواہش کا اتباع کرنے سے معصوم ہیں۔

البحر الوسیط میں ہے:

(وَلَقَدْ أُوْحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الذين مِن قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الخاسرين.) ولما كان الإشراك مستحيلا على من عصمه الله ، وجب تأويل قوله: لَئِنْ أَشْرَكْتَ أيها السامع ، ومضى الخطاب على هذا التأويل.

چوں کہ اس ذات کا شرک کرنا محال ہے جسے اللہ نے معصوم بنایا اس لیے اللہ تعالی کے قول لئن اشرکت کی تاویل لئن اشرکت ایہا السامع ہوگی۔ یعنی اے سننے والے اگر تو شرک کرے گا تو تیرا عمل ضرور برباد ہو جائے گا اور تو ضرور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔ یہ خطاب اسی تاویل پر جاری ہوا۔" (ج:۱۸/۲۱۹)

اب یہاں کچھ آیات ذکر کر کے اعلیٰ حضرت کے ترجموں کا بعض دوسرے تراجم قرآن سے موازنہ پیش ہے۔

امام احمد رضا اور عاشق الہی کا ترجمہ

ارشاد باری ہے: "وَعَصَىٰ اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾"

یہ مسلّم ہے کہ انبیاے کرام، اللہ کی معصیت اور اس کی نافرمانی سے معصوم ہوتے ہیں۔ ہاں کبھی کبھار ان سے کوئی معمولی لغزش ہو جاتی ہے مگر وہ اس پر قائم نہیں رہتے بلکہ اس سے فوراً باز آجاتے ہیں اسی طرح ہر طرح کی گمراہی سے بھی وہ محفوظ ہوتے ہیں۔

مشہور مفسر قرآن حضرت ملا جیون علیہ الرحمہ اپنی کتاب "التفسیرات الاحمدیہ" میں لکھتے ہیں:

فالحق أنه لاخلاف لأحد فى أن نبينا عليه السلام لم يرتكب صغيرة ولاكبيرة طرفة عين قبل الوحى وبعده كماذكره أبو حنيفة -رحمه الله- فى الفقه الاكبر وفى أن الأنبياء كلهم ليسوا بمعصومين عن الزلة وهى مايقع من ابن آدم من غير قصده على ذلك وبعد الوقوع لم يكن مستقرا على ذلك كمثل من اختب فى طريق فخر فقام لم يكن من قصده أن يخر وبعد ماخر، استقر كماصرح به أهل الأصول وهذاباب طويل مذكور فى المطولات (ص ۲۸)

"حق یہ ہے کہ اس باب میں کسی کا اختلاف نہیں کہ ہمارے نبی کی زندگی کا کوئی ایسا لمحہ نہیں گذرا جس میں انھوں نے کسی چھوٹے یا بڑے گناہ کا ارتکاب وحی سے پہلے یا بعد میں کیا ہو۔ الفقہ الاکبر میں امام ابو حنیفہ

کا یہی موقف ہے۔اس میں بھی کسی کا اختلاف نہیں کہ تمام انبیازَلّۃ (لغزش) سے معصوم نہیں۔

زلۃ : اہل اصول کی تصریح کے مطابق وہ کام ہے جو انسان سے بے قصد وارادہ واقع ہو اور بعد وقوع وہ اس پر قائم نہ رہے جیسے کوئی شخص تیز چلتے ہوئے گر پڑے اور فوراً کھڑا ہو جائے تو اس کا یہ گرنا اس کے قصد وارادہ سے نہیں اور گرنے کے بعد وہ اس حالت پر باقی بھی نہیں رہا بلکہ فوراً کھڑا ہو گیا"۔

مندرجہ بالا آیت کریمہ میں اسی لغزش کو "معصیت" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسی کو گمراہی ٹھہرایا گیا ہے اس لیے ہر مترجم قرآن کی ذمہ داری ہے کہ وہ آیت کا ترجمہ کرتے وقت ایسے الفاظ کا انتخاب کرے جن سے ایک نبی کا دامن عصمت داغ دار ہونے سے محفوظ رہے اور عام لوگوں کے اذہان بھی پراگندگی اور بدگمانی کا شکار نہ ہوں مگر افسوس کہ عاشق الٰہی میرٹھی نے اس اہم پہلو کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ ترجمہ کیا۔"اور آدم نے نافرمانی کی اپنے رب کی پس گمراہ ہوئے۔"

لیکن امام احمد رضا نے ایک نبی کی عصمت اور عظمت کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے قرآن وسنت اور معتبر کتبِ تفاسیر کی روشنی میں یہ ترجمہ فرمایا:"اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔"

یہاں یہ سوال ضرور ذہن میں اٹھتا ہے کہ جب نبی معصوم ہے تو اس کی طرف "عصیان" کی نسبت کیوں کی گئی۔"

اس کا جواب دیتے ہوئے امام نسفی، ابوالبرکات، عبداللہ بن احمد بن محمود(م ۷۱۰ھ) لکھتے ہیں:

وَفِي التَّصْرِيحِ بِقوله (وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾) والعدول عن قوله و"زل اٰدم" مزجرة بليغة وموعظة كافة للمكلفين، كأنه قيل لهم: انظرو واعتبروا كيف نَعَيْتُ على النبي المعصومِ حبيبِ الله زلته بهذه الغلظة، فلا تتهاونوا بما يفرط منكم من الصغائر فضلا عن الكبائر. (مدارك التنزيل وحقائق التاويل، سورۂ طه، آیت: ۱۲۱، ص: ۱۴۵، مجلس البرکات)

صراحة (وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾) فرمایا، وزلّ آدم۔ آدم سے لغزش ہوئی نہ فرمایا۔ اس میں تمام مکلفین کے لیے سخت زجر اور روکنے والی نصیحت ہے کہ دیکھو اللہ کے پیارے معصوم بنی کی "لغزش" کو میں نے اس سختی کے بیان فرمایا تو تم سے جو چھوٹے گناہ سرزد ہوتے ہیں انھیں بھی تم ہلکا نہ جانو، بڑے گناہ تو بڑے ہی ہیں۔

غوی کے ترجمہ میں بھی امام احمد رضا نے اسی قول کو اختیار فرمایا جس سے گمراہی کا دھبا نبی کی ذات پر نہ لگے۔ ساتھ ہی اصل معنی لغوی کی رعایت بھی باقی رہے۔

بیضاوی میں ہے: فغوی فضل عن المطلوب وخاب حيث طلب الخلد بأكل الشجرة. (ج:۴/ص:۴۱)

"تو انھوں نے درخت کا پھل کھا کر جنت میں ہمیشہ رہنے کے مطلوب کی طرف راہ نہ پائی۔"

امام احمد رضا اور اشرف علی تھانوی

حضور سارے جہان کے لیے رحمت ہیں:

سورۂ انبیا میں ارشاد ربانی ہے: وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۷﴾. (انبیا۲۱/۱۰۷)

امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ مختصر مگر جامع ترجمہ کیا: اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔

مولوی اشرف علی تھانوی نے یوں ترجمہ کیا: اور ہم نے (ہدایت کے ایسے مضامین نافعہ دے کر) آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں (یعنی مکلفین) پر مہربانی کے لیے۔

میں نے بریکیٹ میں ہدایت کا اضافہ کیا ہے کیوں کہ اس سے پہلے کی آیت کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے۔ بلاشبہ اس قرآن میں (ہدایت کا) کافی مضمون ہے۔

آیت کی توضیح کرتے ہوئے لکھا: وہ مہربانی یہی ہے کہ لوگ رسول سے ان مضامین کو قبول کریں اور ہدایت کے ثمرات حاصل کریں اور جو قبول نہ کرے یہ اس کا قصور ہے۔ اس مضمون کی صحت میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔

تھانوی صاحب کی اس عبارت سے واضح ہوا کہ مکلفین پر حضور ﷺ کی مہربانی صرف حضور کا اللہ کے عطا فرمودہ مضامین نافعہ کو ان کے سامنے پیش کر دینا ہے۔ اب جو مکلفین انھیں قبول کریں وہ ہدایت کے ثمرات سے بہرہ ور ہوں اور جو قبول نہ کریں وہ اگر ان ثمرات سے محروم رہ جائیں تو اس میں ان کا قصور ہے۔ ان پر حضور کا اس حیثیت سے مہربان ہونا تو صحیح و ثابت ہو ہی گیا کہ حضور نے ان مضامین کو ان تک پہنچا دیا۔ یعنی تھانوی صاحب نے رحمۃ للعالمین کا مطلب بہت محدود کر دیا ہے۔ اس آیت کریمہ سے سرکار

کی عظیم فضیلت ثابت ہوتی تھی وہ یہ کہ حضور اقدس ﷺ سارے جہانوں کے لیے رحمت ہیں، تھانوی صاحب نے اسے گھٹاتے گھٹاتے ایک تنگ دائرے میں محدود کر دیا ہے۔

اس کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر مکلفین اور کفار پر حضور ﷺ کی مہربانی ثابت نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے میں مکلفین اور غیر مکلفین کی تقسیم کے بغیر حضور مومنوں اور کافروں سب کے لیے رحمت ہیں۔

علامہ بغوی لکھتے ہیں:

قال ابن عباس :هو عام فی حق من آمن ومن لم یؤ من فمن آمن فھو رحمۃ له فی الدنیا والآ خرۃ ومن لم یؤمن فھو رحمۃ له فی الدنیا بتاخیر العذاب عنھم ورفع المسخ والخسف والإستئصال عنھم .(تفسیر بغوی ج:۳/۳۲۰)

حضرت ابن عباس نے فرمایا: ارشاد باری تعالی مومن وکافر سب کو عام ہے۔ہاں ایمان والوں کے لیے حضور ﷺ دنیا وآخرت دونوں میں رحمت ہیں اور ایمان نہ لانے والوں کے لیے صرف دنیا میں رحمت ہیں کہ اللہ نے حضور کی رحمت کے صدقے میں ان سے عذاب کو قیامت تک موخر فرمادیا۔وہ چہرے مسخ کر دیے جانے، زمین میں دھنسا دیے جانے اور صفحۂ ہستی سے مٹا دیے جانے کی کارروائیوں سے محفوظ کر دیے گیے۔

دیکھیے حضرت عبداللہ بن عباس صاف صاف فرمارہے ہیں کہ آیت کریمہ کے عموم کے اعتبار سے حضور کی رحمت مومن وکافر سب کو شامل ہے۔

ایمان والے خواہ وہ مکلف ہوں کہ غیر مکلف دنیامیں ان کی رحمت عام سے فیض یاب ہوں گے، آخرت میں گنہ گاران امت ان کی شفاعت سے بخشے جائیں گے، شدت تشنگی میں حوض کوثر پر ان کے امتی ان کے دست اقدس سے جام کوثر پی کر شاد کام ہوں گے اور قیامت کی سخت ترین دھوپ میں ان کی رحمت بے پایاں ان پر لوائے کرم بن کر سایہ گستر ہوگی۔

کافروں کو بھی ان کی رحمت کا یہ حصہ ضرور ملا کہ وہ دنیا میں عذاب سے محفوظ رہیں گے، ان کے چہرے مسخ نہیں کیے جائیں گے، وہ زمین میں دھنسائے نہیں جائیں گے اور انھیں صفحۂ دہر سے فنا نہیں کیا جائے گا۔

ابن زید نے اگرچہ حضور کی رحمت کو ایمان والوں کے ساتھ خاص مانا ہے مگر وہ بھی اس رحمت کو مکلفین کے ساتھ مخصوص نہیں کر رہے ہیں بلکہ سارے مسلمانوں کو عام مان رہے ہیں۔

حضرت امام ابواللیث سمرقندی کے مطابق حضور ﷺ کی رحمت جنوں، انسانوں، مومنوں، منافقوں، کافروں اور فرشتوں کو عام ہے۔ان کے نزدیک بھی حضور کی رحمت مکلفین کے ساتھ خاص نہیں۔

اپنی تفسیر، بحرالعلوم میں لکھتے ہیں: قوله عزوجل: وما ارسلنك الا رحمة للعلمين يعنى ما بعثناك يا محمد إلارحمة للعالمين يعنى نعمة للجن والإ نس. ويقال للعلمين أى لجميع الخلق لأن الناس كانوا ثلاثة أصناف: مؤمن وكافرومنافق. وكان رحمة للمؤمنين حيث هداهم طريق الجنة، ورحمة للمنافقين حيث أمنوا القتل، ورحمة للكافرين بتاخير العذاب.

وذكر فى الخبر: أن النبى ﷺ قال لجبريل عليه السلام: يقول الله عزوجل: ومارسلنك الا رحمة للعلمين فهل أصابك من هذه الرحمة؟ قال: نعم أصابنى من هذه الرحمة. إنى كنت أخشى عاقبة الأمر فأمنت بك لثناء أثنى الله تعالى على بقوله عزوجل: ذى قوة عند ذى العرش مكين مطاع ثم امين. (ج:۲/ص:۴۴۵)

اللہ عزوجل کے فرمان وما ارسلنك الا رحمة للعلمين کے معنی ہیں: اے محمد! ہم نے تمھیں عالمین یعنی جن وانس کے لیے رحمت یعنی نعمت بنا کر بھیجا۔

یہ بھی کہا جائے گا کہ عالمین کے لیے رحمت ہونے سے مراد آپ کا جمیع خلق کے لیے رحمت ہونا ہے کیوں کہ لوگ تین طرح کے تھے۔(۱) مومن (۲) کافر (۳) منافق۔

آپ مومنوں کے لیے رحمت تھے کیوں کہ آپ نے انھیں جنت کا راستہ دکھایا، منافقوں کے لیے رحمت تھے کیوں کہ وہ قتل سے مامون رہے اور کافروں کے لیے رحمت تھے کیوں کہ ان سے قیامت تک عذاب موخر کر دیا گیا۔

حدیث میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ اللہ تعالی نے میرے بارے میں وما ارسلنك الا رحمة للعلمين فرمایا ہے تو کیا تمھیں اس رحمت کا کوئی حصہ ملا؟ حضرت جبریل نے جواب دیا۔ ہاں مجھے اس رحمت کا ایک حصہ ملا ہے۔ بات یہ ہے کہ مجھے اپنے انجام کا کھٹکا لگا رہتا تھا مگر آپ کے سبب اللہ کی جانب سے میری اس ثنا وتعریف کی وجہ سے مجھے اپنے انجام کے بارے میں اطمینان ہو گیا جو قرآن کریم میں فرمائی گئی ہے۔ ارشاد ہے: جو قوت والا ہے۔ مالک عرش کے حضور عزت والا۔ وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے۔ امانت دار ہے۔

میرے خیال میں اور دلائل کے ساتھ امام احمد رضا کے پیش نظر درج ذیل دلیلیں بھی تھیں۔

(۱) وما ارسلنك الا رحمة للعالمين میں العالمین جمع معرف بالف ولام ہے جو عموم وشمول پر دلالت کرتی ہے جیسے اللہ تعالی کے ارشاد: الحمد لله رب العالمين میں العالمین، عموم وشمول پر دال ہے۔

یوں معنی ہوں گے: ہم نے رسول کو اس کے زمانے اور اس سے پہلے اور بعد کے زمانوں کے تمام عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

روح البیان میں ہے: وما ارسلنك الا رحمة للعلمين أى من عالمى زمانه وما كان بعده وما كان قبله لأن العالمين جمع محلى بالألف واللام فيدل على العموم والشمول كما فى قوله تعالى: الحمد لله رب العلمين. (ج:۱۰، ص:۵۰۶)

جن مفسرین نے العالمین کی تفسیر جمیع الخلق یا الخلائق أجمعين کی ہے انھوں نے بھی یہی عموم وشمول مراد لیا ہے اگرچہ وہ غیر ذوی العقول کے ذوی العقول یعنی جن وانس اور فرشتوں کا تابع ہونے کی وجہ سے غیر ذوی العقول کا ذکر نہیں کرتے ہیں۔

(۲) حضور ﷺ کا ارشاد ہے: إن الله بعثنى رحمة للعالمين كافة فأدوا عنى رحمكم الله ولا تختلفوا كما اختلف الحواريون على عيسى فإنه دعاهم إلى الله كما أدعوكم إليه. (روح البیان:۴، ص:۲۰۲) بے شک اللہ نے مجھے سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا اس لیے میری جانب سے اللہ کے احکام لوگوں تک پہنچاؤ۔ اللہ تم پر رحم فرمائے۔ اور میرے اوپر اسی طرح آپس میں اختلاف مت کر بیٹھنا جیسے حضرت عیسی کے حواری ان کے اوپر آپس میں اختلاف کر بیٹھے تھے۔ حضرت عیسی نے انھیں اللہ کی طرف بلایا جیسے میں تم لوگوں کو اللہ کی طرف بلا رہا ہوں۔

اس حدیث میں تاکیدی لفظ کافہ لا کر العالمین کے عموم وشمول کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

(۳) مسند عبد الرزاق میں حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت کردہ وہ صحیح حدیث جس میں حضور کا نور سب سے پہلے پیدا کیے جانے پھر اس نور سے ساری کائنات کے وجود میں لائے جانے کا بیان ہے۔ (المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ ج:۱/ ص:۴۸)

اس حدیث کو بہت سے معتبر ومعتمد سیرت نگاروں مثلاً شیخ اکبر حضرت ابن عربی حاتمی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تلقیح الاذہان میں اور علامہ دیار بکری نے کتاب الخمیس فی انفس نفیس میں حضرت امام عبد الرزاق کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

یہ حدیث مصنف عبد الرزاق سے نکال دی گئی پھر بڑی ڈھٹائی سے کہا جانے لگا کہ مصنف میں یہ حدیث موجود نہیں۔ یہ کسی کی گڑھی ہوئی ہے۔اس طرح جن ائمۂ دین نے اس حدیث کو نقل کیا ان پر طعن وتشنیع کے تیر ونشتر چلائے گئے اور انھیں غیر معتمد ثابت کرنے کی سعی مذبوحی کی گئی مگر بھلا ہو علامہ عیسی بن عبد اللہ حمیری سابق مدیر عام محکمۂ اوقاف وامور اسلامیہ، دبئی کا کہ انھوں نے تلاش بسیار کے بعد اس حدیث کی بازیافت کی اور اسے الجزء المفقود من الجزء الأول من المصنف کے نام سے شائع کردیا اور ان تمام اعتراضات کے جوابات بھی دیے جو اس حدیث کے موضوع ہونے کے دعوے داروں نے وارد کیے تھے۔

اس حدیث کے تحت امام بقلی اپنی کتاب عرائس میں فرماتے ہیں: اے سمجھ دار انسان! بے شک اللہ نے ہمیں خبر دی ہے کہ اس نے سب سے پہلے نور محمدی کو پیدا کیا پھر عرش سے زمین کے طبقۂ زیریں تک کی تمام مخلوقات کو اسی نور کے بعض سے وجود بخشا اس لیے اللہ تعالی کا حضور کو وجود وشہود میں بھیجنا ہر موجود کے لیے رحمت ہے کیوں کہ تمام موجودات کو انھیں سے وجود نصیب ہوا لہٰذا ان کا وجود مخلوق کا وجود اور ان کا وجود وجود خلق کا سبب اور ان کا وجود تمام مخلوقات پر اللہ کی رحمت کا سبب ہے اس لیے حضور سب کے لیے رحمت کافی ہیں۔

عرائس کے اصل الفاظ یہ ہیں: قال فی عرائس البقلی : أیها الفهیم إن الله أخبرنا أن نور محمد علیه السلام أول ما خلقه ثم خلق جمیع الخلق من العرش إلی الثری من بعض نوره فإرساله إلی الوجود والشهود رحمة لکل موجود إذ الجمیع صدر منه فکونه کون الخلق وکونه سبب وجود الخلق وسبب رحمة الله علی جمیع الخلائق فهو رحمة کافیة .(روح البیان ج:۵ ص:۵۲۸)

(۴) صاحب روح البیان نے حضور کے سارے جہان کے لیے رحمت ہونے پر یوں استدلال کیا ہے۔

یقول الفقیر :دل کونه أفضل المخلوقات علی عموم بعثته لجمیع الموجودات ولذا بشر بمولده أهل الأرض والسماء وسلموا علیه حتی الجماد بفصیح الأداء فهو رحمة للعالمین ورسول الخلق أجمعین.(روح البیان ج:۷، ۲۹۵)

حضور ﷺ کا تمام مخلوقات سے افضل ہونا حضور کی بعثت کے تمام موجودات کو عام ہونے پر دلیل ہے اسی لیے اہل زمین وآسمان نے حضور کی ولادت کی خوش خبری دی اور فصیح انداز کلام سے انھوں نے ہی نہیں بلکہ جمادات نے بھی حضور پر سلام بھیجا لہٰذا وہ سارے عالم کی رحمت اور سب مخلوقات کے رسول ہیں۔

(۵) صاحب روح البیان علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ نے بعض کبار کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ انھوں نے فرمایا: وما ارسلنك الا رحمة مطلقة تامة كاملة شاملة جامعة محيطة بجميع المقيدات من الرحمة الغيبية والشهادة العلمية والعينية والوجودية والشهودية والسابقة واللاحقة وغير ذلك .للعالمين جميع عوالم ذوی العقول وغيرهم من عالم الأرواح والأجسادومن كان رحمة للعالمين لزم أن يكون أفضل من كل العالمين.
(روح البیان ج:۵،ص:۵۲۸) ہم نے تمھیں تو ایسی رحمت بنا کر بھیجا جو مطلق ، تام، کامل،عام،ہمہ گیر،جامع اور تمام مقیدات جیسے رحمت غیبیہ،شہادت علمیہ وعینیہ،وجودیہ وشہودیہ اور سابقہ ولاحقہ کو محیط ہے۔ہم نے تمھیں عاقلوں اور غیر عاقلوں کے تمام عالموں جیسے عالم ارواح واجسام سب کے لیے ایسی رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

لیبیا کے ایک شہری محمد ابراہیم حمید نے سعودی عرب کے ریڈیو پروگرام نور علی الدرب میں سعودی مفتی اعظم شیخ ابن باز سے وما ارسلنك الا رحمة للعلمين کی تفسیر دریافت کی تو انھوں نے جواب دیا کہ آیت اپنے ظاہر معنی پر ہے۔واقعی اللہ تعالی نے اپنے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔وہ جنوں اور انسانوں کے ساتھ جانوروں،چوپایوں اور درختوں کے لیے بھی رحمت ہیں۔

جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے اور دین پر قائم رہے ان کے حق میں آپ کی رحمت سب سے زیادہ اور کامل تر ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے اور آتش جہنم سے نجات پائیں گے اور جو اللہ کے دین میں داخل نہ ہوئے ان پر آپ کی ایک رحمت تو یہ ہے کہ آپ نے ان تک دین کا پیغام پہنچایا اور انھیں عذاب جہنم سے ڈرایا دوسری رحمت یہ ہے کہ اس رسالت کے اسباب کی وجہ سے انھیں بارش، امن اور رزق وافر جیسی بھلائیاں حاصل ہوئیں ۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان جو عہد وپیمان اور امن معاہدے طے پاتے ہیں وہ بھی دونوں کے لیے خیر اور رحمت ہوتے ہیں۔ان کے علاوہ بھی آپ کی رحمت کی انواع ہیں۔

کہتے ہیں:الآية على ظاهرها ،الله سبحانه أرسل نبيه محمدا صلى الله عليه وسلم رحمة للعالمين ،هو رسول الله الى الجن والانس ٠٠٠ إلى الجميع كما قال تعالى : (قل يا ايها الناس انى رسول الله اليكم جميعا . (اعراف ١٥٨)وقال سبحانه (وما ارسلنك الا كافة للناس بشيرا ونذيرا .سبأ ٢٨)فهو رسول الله إلى الجميع وهو رحمة الله إلى العالمين بأسباب رسالته وطاعة أوامره ،ينزل الغيث و ينتفع العالم كله

؛ الدواب والشجر والجن والانس والحيوانات ،وتقوم الحجة على الكافر و يبلغ الرسالة فهو رحمة للعالمين جميعا .فمن دخل فی رسالته صارت الرحمة كاملة فی حقه ودخل الجنة ونجا من النار ،ومن لم يدخل قامت عليه الحجة وانتفت المعذرة وصار بذلك قد رحم من جهة بلاغه ومن جهة إنذاره حتى لا يقول :ما جاءنی بشير ولانذير ،هذا نوع من الرحمة ،ثم ما يحصل من الخير من الغيث لينتفع به الكافر والمسلم وما يحصل من الأمن بالعهود والمواثيق يحصل به الرحمة والخير للمسلم والكافر الى اشباه ذلك من الخيرات التی تقع بأسباب هذه الرسالة حتى للكافر حتى للدواب فهو رسول الله صلى الله عليه وسلم رحمة للعالمين جميعا لكن من دخل فی الاسلام واستقام على الدين صارت الرحمة فی حقه أكثر وأكمل ،ومن لم يدخل فی دين الله ناله من الرحمة بقدر ما حصل له من الخير من غيث وأمن ورزق واسع بأسباب هذه الرسالة ،ومن أمره فی بلاده بالعهود والمواثيق التی بينه و بين المسلمين الى غير ذلك من أنواع الرحمة . نعم ،المقدم . جزاكم الله خيرا.

fatwashttps:llbinbaz.org.sa

دیکھیے سعودی مفتی اعظم بھی مولوی اشرف علی کی طرح حضور کی رحمت کو محدود نہیں مانتے۔

قوم لوط

ارشاد ربانی ہے:

قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ (ہود۱۱/۷۸)

قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ (حجر۱۵/۷۱)

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ (ہود۱۱/۷۹)

مذکورہ بالا تینوں آیتیں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے بارے میں ہیں۔پہلی دوآیتوں میں بتایا گیاہے کہ جب حضرت لوط کی قوم ان کے مہمانوں کے ساتھ بدفعلی کرنے کے ارادہ سے ہانپتی کانپتی ان کے پاس آئی اوران سے مطالبہ کیاکہ وہ انھیں اس کے حوالے کردیں توحضرت لوط علیہ السلام نے فرمایاکہ قوم کی عورتیں جومیری بیٹیاں ہیں ان سے نکاح کرکے جائزطریقے سے اپنی جنسی خواہش پوری کرواور حرام کاری سے گریزکرو۔

حضرت لوط نے اپنی قوم کی عورتوں کواپنی بیٹیاں اس لیے قرار دیاکہ قوم میں نبی کی حیثیت ایک باپ

کی ہوتی ہے اس لیے اس قوم کے مرد اور عورتیں اس نبی کے بیٹے بیٹیاں ہوتی ہیں۔

مولوی اشرف علی نے دونوں آیتوں کا ترجمہ اس طرح کیا:

(۱) لوط (علیہ السلام) فرمانے لگے کہ اے میری قوم یہ میری (بہو) بیٹیاں موجود ہیں۔ وہ تمھارے (نفس کی کامرانی کے) لیے (اچھی) خاصی ہیں۔

(۲) لوط (علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ میری بہو بیٹیاں موجود ہیں اگر تم میرا کہنا کرو۔

دونوں ترجموں کے ظاہر مفہوم سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لوط نے اپنے مہمانوں کی عزت وآبرو کی حفاظت کے لیے اپنے گھر میں موجود اپنی بہو بیٹیوں کو ان کی عزت وناموس تار تار کرنے کے لیے اپنی قوم کے حوالے کرنے کی پیش کش کردی تھی حالاں کہ ایسا کام تو کوئی عام باغیرت اور خوددار انسان بھی نہیں کرسکتا چہ جائے کہ ایک مقدس وپاک باز نبی ایسا کرے۔

امام احمد رضا نے ایسے ترجمہ سے گریز کیا اور مستند کتب تفاسیر کی روشنی میں وہ ترجمہ کیا جو ایک نبی کی عزت وحرمت کا پاسبان ہے۔ ملاحظہ کیجیے۔

(۱) کہا اے قوم یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں، یہ تمھارے لیے ستھری ہیں۔

(۲) کہا: یہ قوم کی عورتیں میری بیٹیاں ہیں اگر تمھیں کرنا ہے۔

تیسری آیت کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت لوط نے جب اپنی قوم سے اپنی ہم قوم عورتوں سے نکاح کرنے کی بات کہی تو جواب میں انھوں نے کہا کہ ہمیں تمھاری قوم کی بیٹیوں کی کوئی حاجت ورغبت اور ان سے کوئی سروکار نہیں۔

مولوی اشرف علی نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا:

”وہ کہنے لگے کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم کو آپ کی اِن (بہو) بیٹیوں کی کوئی ضرورت نہیں“۔

”آپ کی ان بہو بیٹیوں“ سے بھی یہی ظاہر ہے کہ آپ کے پاس آنے والے لوگوں نے آپ کی بہو بیٹیاں مراد لی ہیں۔

امام احمد رضا نے یہاں بھی حسب سابق یہ ترجمہ فرمایا:

”بولے تمھیں معلوم ہے کہ تمھاری قوم کی بیٹیوں میں ہمارا کوئی حق نہیں“۔

امام احمد رضا نے پہلی آیت کریمہ میں وارد اطہر اسم تفضیل کا ترجمہ ستھری کیا، زیادہ ستھری نہیں کیوں کہ یہاں یہ اپنے تفضیلی معنی میں نہیں ہے کہ عورتوں سے نکاح اور جنسی تسکین زیادہ ستھری ہو اور

مردوں سے نکاح اور جنسی تسکین اس سے کم ستھری کیوں کہ مردوں سے نکاح اور جنسی تسکین میں تو قطعاً کوئی ستھرائی ہی نہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ہم اللہ اکبر کہتے ہیں حالاں کہ بڑائی میں کوئی اللہ کا مقابل نہیں۔ اسی طرح احد کے دن جب ابو سفیان نے کہا: اعل ہبل: ہبل سب سے بڑا ہے تو جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ اعلی واجل: اللہ بلند اور بڑا ہے حالاں کہ اللہ اور ہبل بت کے درمیان عظمت اور بڑائی میں کوئی مقابلہ ہی نہیں اس لیے اعلی اور اجل اپنے معنیٔ تفضیل پر نہیں۔

التفسیر البسیط میں ہے: والالف فی قوله : (اطهر) لیس لتفضيل نكاح البنات على نكاح الرجال فی الطهارة لأنه لا طهارة فی نكاح الرجال البتة ولكن هذاكقولنا : الله اكبر ولم يكابر الله أحد وكقول النبي صلى الله عليه وسلم لما قال أبو سفيان يوم أحد: أعل هبل قال :الله أعلى وأجل ولا مقارنة بين الله و بين الصنم (ج:۱۱ص۴۹۹)

غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا جانے والا جانور

ارشاد ربانی ہے: ما جعل الله من بحيرة ولا سا ئبة ولا وصيلة ولا حام (مائدہ:۵/۱۰۳)

"اللہ نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی کو حرام نہیں کیا۔"

یہ آیت کریمہ مشرکین عرب کے بارے میں نازل ہوئی جو کہتے تھے کہ اللہ نے انھیں اِن جانوروں کو اپنے اوپر حرام کرنے کا حکم دیا ہے۔

چوں کہ اس آیت کریمہ کا ذیل میں مذکور آیات سے گہرا تعلق ہے اس لیے پہلے اس میں ذکر ہونے والے جانوروں کی تعریفیں ذیل میں درج کی جارہی ہیں تاکہ ان آیات کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

صحیح بخاری میں حضرت سعید بن مسیب کے حوالے سے ہے:

(۱) بحیرہ: وہ چوپایہ جس کا دودھ زمانۂ جاہلیت کے لوگ اپنے بتوں کے لیے خاص کر دیتے اس لیے کوئی انسان اس کا دودھ نہ دوہتا۔

(۲) سائبہ: وہ جانور جسے وہ اپنے معبودوں کے لیے چھوڑ دیتے اس لیے اس سے بار برداری کا کام نہ لیتے۔

(۳) وصیلہ: وہ کنواری اونٹنی جس سے لگاتار پہلی اور دوسری بار مادہ پیدا ہوتی تو اسے وہ اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے۔ یہ اسی وقت وصیلہ ہوتی جب دونوں مادائیں یکے بعد دیگرے پیدا ہوتیں، ان کے درمیان کوئی نر بچہ نہ ہوتا۔

(۴) حامی: وہ نر اونٹ جس کی صلب سے دس بچے پیدا ہو جاتے تو اسے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے اور اس سے

بار برداری کا کام نہ لیتے۔

صحیح بخاری کی اصل عبارت اس طرح ہے: عن سعید بن المسیب قال : البحیرة :التی یمنع درھا للطواغیت فلا یحلبھا أحد من الناس والسائبة :کانوا یسیبونھا لآلھتھم لا یحمل علیھا شیءوالوصیلة :الناقة البکر تبکر فی اول نتاج الابل بأنثی ثم تثنی بعد بأنثی وکانوا یسیبونھا لطواغیتھم إن وصلت إحداھما بالاخری لیس بینھما ذکر والحام :فحل الإبل یضرب الضراب المعدود فإذا قضی ضرابه ودعوه لطواغیتھم واعفوه من الحمل فلم یحمل علیه شیء وسموه الحامی .(صحیح البخاری بشرح فتح الباری، کتاب تفسیر القرآن، سورة المائدة، حدیث نمبر:۴۶۲۴، ص:۱۳۳)

اب مندرجہ ذیل آیات، امام احمد رضا اور مولوی اشرف علی تھانوی کے ترجموں کے ساتھ پڑھیے۔

(۱) سورۂ بقرہ میں ہے: انما حرم علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اھل به لغیر اللہ (بقرہ:۱۷۳،۲)

اس نے یہی تم پر حرام کیے ہیں مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا۔ (امام احمد رضا)

اللہ نے تم پر صرف حرام کیا ہے مردار کو اور خون کو (جو بہتا ہو) اور خنزیر کے گوشت کو (اسی طرح اس کے اجزا کو بھی) اور ایسے جانور کو جو (بقصد تقرب) غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا گیا ہو۔ (مولوی اشرف علی)

(۲) سورۂ انعام میں ہے: قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمه الا ان یکون میتة او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانه رجس او فسقا اھل لغیر اللہ به.(انعام۶،۱۴۵)

تم فرماؤ! میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی ہوئی ہے کسی کھانے والے پر کوئی کھانا حرام، مگر یہ کہ مردار ہو یا رگوں کا بہتا خون یا بد جانور کا گوشت وہ نجاست ہے یا وہ بے حکمی کا جانور جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا ہو۔ (امام احمد رضا)

آپ کہہ دیجیے کہ جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ہیں ان میں تو میں کوئی حرام غذا پاتا نہیں کسی کھانے والے کے لیے جو اس کو کھاوے مگر یہ کہ وہ مردار (جانور) ہو یا یہ کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیوں کہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو (جانور) شرک کا ذریعہ ہو کہ جو غیر اللہ کے نامزد کر دیا ہو۔ (مولوی اشرف علی)

آیات بالا میں واردما اھل به لغیر اللہ اور فسقا اھل لغیر اللہ به کے ترجمے امام احمد رضا

نے بالترتیب یہ کیے:

(۱)وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا(۲)وہ بے حکمی کا جانور جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا ہو۔

مولوی اشرف علی نے یوں ترجمہ کیا: (۱)ایسے جانور کو جو(بقصد تقرب)غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا گیا ہو۔(۲)جو(جانور)شرک کا ذریعہ ہو کہ جو غیر اللہ کے نامزد کر دیا ہو۔

اردو زبان میں نامزد کرنا کے معنی ہیں: کسی کام کے لیے مقرر کرنا، معین کرنا۔ منسوب کرنا۔(فیروز اللغات ص:۱۳۴۶ ایاسین بک ڈپو دہلی)

سورۂ مائدہ کی مذکورہ بالا آیت میں جن چار جانوروں کو اللہ نے حرام نہیں فرمایا وہ سب بقصد تقرب، غیر اللہ کے لیے نامزد، معین، غیر اللہ کے لیے چھوڑے ہوئے اور اس کی طرف منسوب تھے پھر بھی ان کا حرام نہ ہونا واضح کرتا ہے کہ حرمت کی علت نامزدگی اور چھوڑا جانا نہیں بلکہ کچھ اور ہے۔

اب آئیے معتبر کتب تفسیر و شروح حدیث اور مستند کتب لغت کی روشنی میں دیکھا جائے کہ ان کی حرمت کی علت کیا ہے اور کون ترجمہ قرآن کریم، مفسرین صحابہ و تابعین اور ائمۂ لغت کا سچا ترجمان ہے اور کون ترجمہ اپنے مترجم کے مخصوص ذہن و فکر کا نمائندہ۔

علامہ ابو نصر جوہری اور علامہ رازی لکھتے ہیں: استهل الصبي اى صاح عند الو لادةواهل المعتمر :اذا رفع صوته بالتلبية واهل بالتسمية على الذبيحة وقوله تعالى : (وما اهل به لغير الله) اى نودى عليه بغير اسم الله واصله رفع الصوت (الصحاح :ج ۵: ۱۸۵۲، مختار الصحاح ص:۳۲۷) استهل الصبي : بچہ ولادت کے وقت چلایا۔اهل المعتمر: عمرہ کرنے والے نے بلند آواز سے لبیک کہا۔اهل بالتسمية على الذبيحة:اس نے ذبح کیے جانے والے جانور پر بلند آواز سے اللہ کا نام لیا۔اللہ تعالی کے قول:(وما اهل به لغير الله)کے معنی ہیں:(اللہ نے)وہ جانور (حرام کیا)جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا۔اہلال کے اصل معنی ہیں:آواز بلند کرنا۔

علامہ فیومی لکھتے ہیں:اهل الرجل :رفع صوته بذكر الله تعالى عند نعمة أو رؤية شيء يعجبه وحرم ما اهل به لغير الله أى ما سمى غير الله عند ذبحه (المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر ج:۲، ص ۶۳۹) اهل الرجل عند نعمة الخ: مرد نے کوئی نعمت ملنے یا کوئی تعجب انگیز چیز دیکھنے کے وقت بلند آواز سے اللہ کا ذکر کیا۔حرم ما اهل به لغير الله کے معنی ہیں: وہ

جانور حرام ہوا جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا۔

عصر حاضر کے مشہور ماہر لغت احمد مختار عمر لکھتے ہیں: أهل الشخص بذكر الله : رفع صوته بذكر الله عند رؤية شيئ يعجبه. اهل المحرم أو المعتمر :رفع صوته بالتلبية. أهل الذابح بالضحية : رفع صوته ذاكرا اسم من تقدم الضحية قربانا له.(انما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل به لغير الله)(معجم اللغۃ العربیۃ المعاصرۃ ج:۳،ص:۲۳۶۰)

”فلاں شخص نے ایک تعجب خیز چیز دیکھنے کے وقت باآواز بلند اللہ کا نام لیا۔ أهل المحرم أو المعتمر :احرام باندھنے والے یا عمرہ کرنے والے نے باآواز بلند لبیک کہا۔أهل الذابح بالضحية:ذبح کرنے والے نے جس کے تقرب کے لیے جانور ذبح کیا جارہا ہے اس کا نام لیتے ہوئے اپنی آواز بلند کی۔(وما أهل به لغير الله)سے مراد ہے:(اللہ نے)وہ جانور (حرام کیا)جس کے ذبح کے وقت ذبح کرنے والے نے باآواز بلند اس کا نام لیا جس کے تقرب کے لیے اس نے جانور ذبح کیا۔“

علامہ ازہری لکھتے ہیں: قال الاصمعي وغيره : الاهلال :التلبية واصل الاهلال : رفع الصوت وكل شىء رافع صوته فهو مهل قال أبو عبيد : وكذلك قول الله جل وعز فى الذبيحة (وما اهل لغير الله به) هو ما ذبح للآلهة وذلك لأن الذابح كان يسميها عند الذبح فذلك هو الاهلال .(تہذیب اللغۃ ج:۵،ص :۲۴۰)”اصمعی وغیرہ نے کہا: اہلال:لبیک کہنا۔اس کے لغوی معنی ہیں:آواز بلند کرنا۔آواز بلند کرنے والی ہر چیز کو مہل کہا جاتا ہے۔ابو عبید نے کہا:اسی طرح ذبح کیے جانے والے جانور کے بارے میں اللہ تعالی کے ارشاد وما اہل لغیر اللہ بہ سے مراد ہے: وہ جانور جو معبودان باطل کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو۔ یہ اس لیے کہ ذبح کرنے والا ذبح کے وقت ان کے نام لیتا تھا۔یہاں یہی اہلال مراد ہے۔“

علامہ ابن منظور لکھتے ہیں: واصل الاهلال : رفع الصوت وكل رافع صوته فهو مهل وكذلك قوله عز وجل :وما اهل لغير الله به :هو ما ذبح للآلهة وذلك لأن الذابح كان يسميها عند الذبح فذلك هو الاهلال(لسان العرب ج:۱۱،۷۰۱)

”اہلال کے اصل معنی ہیں: آواز بلند کرنا۔آواز بلند کرنے والی ہر چیز مُہل کہی جائے گی۔اللہ تعالی کا یہ قول:وما اهل لغير الله به بھی اسی طرح ہے یعنی وہ جانور (حرام ہے) جو معبودان باطل کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو یہ اس لیے کہ ذبح کرنے والا ذبح کے وقت ان معبودوں کے نام لیتا تھا۔یہاں یہی

اھلال مراد ہے۔"

اوپر علامہ جوہری اور علامہ رازی نے بتایا کہ وما اهل به لغير الله سے مراد ہے: ما نودی علیه بغير اسم الله . امام احمد رضا نے اسی عبارت کا یوں ترجمہ فرمایا: وہ بے حکمی کا جانور (حرام ہے) جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا ہو۔

علامہ فیومی نے کہا: مراد ہے: ما سمی غیر الله عند ذبحه . امام احمد رضا نے اس کی ترجمانی یوں فرمائی: (اللہ نے) وہ جانور (حرام کیا) جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا۔

احمد مختار عمر کے یہ الفاظ: ذاکرا اسم من تقدم الضحية له بھی امام احمد رضا کے ترجمے کے مؤید ہیں۔

علامہ ازہری اور علامہ ابن منظور نے کہا: ما اہل لغیر اللہ بہ سے مراد وہ جانور ہے جو معبودان باطل کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو۔ اسی کا نچوڑ امام احمد رضا نے یوں پیش کیا: وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا۔

دیکھیے مندرجہ بالا ائمۂ لغت کی عبارتیں صاف اعلان کر رہی ہیں کہ وہی جانور حرام ہے جس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام پکارا جائے یا غیر خدا کا نام لے کر جسے ذبح کیا جائے خواہ تقرب کی نیت ہو یا نہ ہو۔

اور یہ بھی دیکھیے کہ ان عبارتوں سے کس طرح امام احمد رضا کے ترجمے کی تائید و تصدیق ہو رہی ہے۔

نیچے چند معتبر کتب تفسیر کے حوالے بھی پیش کیے جا رہے ہیں۔ ملاحظہ کریں۔

سورۂ بقرہ کی آیت مذکورہ بالا کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ ابن جریر لکھتے ہیں: يعني تعالى ذكره بذلك لا تحرموا على انفسكم ما لم أحرمه عليكم ايها المؤ منون بالله و برسوله من البحائر والسوائب ونحو ذلك بل كلوا ذلك فاني لم أحرم عليكم غير الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل به لغيري .

"اس آیت سے اللہ کی مراد یہ ہے کہ اے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والو! بحیرہ، سائبہ اور ان جیسے دوسرے جانوروں کو اپنے اوپر حرام نہ کرو بلکہ انھیں کھاؤ کیوں کہ میں نے تم پر صرف مردار، خون، سور کا گوشت اور وہ جانور حرام کیا ہے جو غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو۔"

آگے لکھتے ہیں: وأما قوله : وما أهل به لغير الله فانه يعني به وما ذبح للآلهة والاوثان يسمى عليه بغير اسمه ،أوقصد به غيره من الأصنام وانما قيل : وما أهل به لأ نهم كانوا اذا أرادوا ذبح ما قربوه لأ لهتهم سموا اسم آلهتهم التي قربوا ذلك لها

وجهروا بذلك أصواتهم فجرى ذلك من أمرهم على ذلك حتى قيل لكل ذابح سمى أولم يسم ،جهر بالتسمية أو لم يجهر مهل فرفعهم أصواتهم بذلك هو الاهلال الذى ذكره الله تعالى فقال : وما أهل به لغير الله .

”اللہ تعالی کے قول: وما أهل به لغير الله کے معنی ہیں: (اللہ نے) وہ جانور (حرام کیا) جو باطل خداؤں اور بتوں کے نام لے کر ذبح کیا گیا ہو یا وہ جانور (حرام کیا) جس سے ذبح کے وقت غیر اللہ یعنی ان خداؤں اور بتوں کی نیت اور ان کا قصد کیا گیا ہو۔ ما أهل به اسی لیے کہا گیا کہ مشرکین عرب جب اس جانور کو ذبح کرنے کا ارادہ کرتے جسے اپنے معبودوں کے لیے قربان کرتے تو ان معبودوں کے نام ذکر کرتے جن کے لیے وہ جانور قربان کرتے اور باآواز بلند ان کے نام لیتے۔ اس طریقے پر ان کا یہ عمل ایسا جاری ہوا کہ بعد میں ہر ذبح کرنے والے کو مھل کہا جانے لگا خواہ وہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لے یا نہ لے، جہر کے ساتھ لے یا نہ لے۔

مشرکین کا ذبح کے وقت اپنے معبودوں کے نام بلند آواز سے لینا ہی اہلال ہے جس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالی نے وما اُھل بہ لغیر اللہ فرمایا ہے۔“

مزید لکھتے ہیں: واختلف أهل التاويل فى ذلك فقال بعضهم : يعنى بقوله : (وما أهل به لغير الله) ما ذبح لغير الله . ذكر من قال ذلك : حدثنا بشر بن معاذ قال : ثنا سعيد عن قتادة (وما أهل به لغير الله) قال : ما ذبح لغير الله ، حدثنا الحسن بن يحي قال : أخبرنا عبد الرزاق قال :أخبرنا معمر عن قتادة فى قوله : (وما أهل به لغير الله) قال :و ماذبح لغير الله مما لم يسم عليه ، حدثنى المثنى قال : ثنا شبل عن بن أبى نجيح عن مجاهد (وما أهل به لغير الله) ما ذبح لغير الله ،حدثنا القاسم قال : ثنا الحسين قال :حدثنى حجاج قال : قال ابن جريج :قال ابن عباس فى قوله : (وما أهل به لغير الله) قال : ما أهل به للطواغيت، حدثنا سفيان بن وكيع قال : ثنا أبو خالد الأحمر عن جويبر عن الضحاك قال : (وما أهل به لغير الله) قال :ما أهل به للطواغيت حدثنى المثنى قال : ثنا عبد الله بن صالح قال : حدثنى معاوية عن على عن ابن عباس (وما أهل به لغير الله) يعنى ما أهل للطواغيت كلها يعنى ما ذبح لغير الله من أهل الكفر غير اليهودوالنصارى.

حدثنا ابن حميد قال : ثنا جرير عن عطاء فى قول الله : (وما أهل به لغير الله)

قال : هو ما ذبح لغير الله .

وقال آخرون معنى ذلك : ما ذكر عليه غير اسم الله . ذكر من قال ذلك حدثني المثنى قال : ثنا اسحاق قال : ثنا ابن أبي جعفر عن أبيه عن الربيع قوله : (وما أهل به لغير الله) يقول : ما ذكر عليه غير اسم الله ،حدثني يونس قال : أخبرنا ابن وهب قال : قال ابن جريج وسألته عن قول الله : (وما أهل به لغير الله)قال : ما يذبح لآلهتهم الأنصاب التي يعبدونها أو يسمون أسمائها عليها قال : يقولون باسم فلان كما تقول أنت باسم الله قال فذلك قوله : (وما أهل به لغير الله) (تفسیر طبری ج:۳ص:۵۳)

اس عبارت میں امام طبری نے بتایا ہے کہ مفسرین کے درمیان أهل کی مراد میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد ذبح ہے یعنی اللہ نے وہ جانور حرام کیا جو نقش ونگار والے بتوں اور سادہ نصب شدہ پتھروں کے نام لے کر ذبح کیا گیا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس کے نزدیک مااهل به لغير الله سے مراد وہ جانور ہیں جو اہل کفر کی جانب سے غیر اللہ یعنی اپنے ہر طرح کے بتوں اور مورتیوں کے نام لے کر ذبح کیے گئے ہوں۔اس سے یہود و نصاری کے ذبیحے مراد نہیں۔

بعض کہتے ہیں:اس سے مراد ذکر ہے یعنی اللہ نے وہ جانور حرام کیا جس پر ذبح کے وقت ان بتوں اور پتھروں کے نام لیے گئے۔

تفسیر علامہ ابواللیث سمرقندی میں ہے:(وما أهل به لغير الله) يعني ما ذبح بغير اسم الله تعالى والاهلال :هو رفع الصوت وكان أهل الجاهلية اذا ذبحوا رفعوا الصوت بذكر آلهتهم فحرم الله تعالى على المؤمنين أكل ما ذبح لغير اسم الله تعالى . وفى الآية دليل انه اذا ترك التسمية عمدا لا يؤكل لأنه قد ذبح بغير اسم الله تعالى (بحرالعلوم،ج:۱،ص:۱۱۴)

وما اهل به لغير الله کے معنی ہیں:وہ جانور(اللہ نے حرام کیا)جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا۔

اہلال لغت میں آواز بلند کرنے کو کہتے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت کے لوگ جب جانور ذبح کرتے تو اپنے معبودوں کا باآواز بلند ذکر کرتے اس لیے اللہ نے ایمان والوں پر غیر خدا کے نام لے کر ذبح کیے جانے والے جانوروں کا کھانا حرام کردیا۔اس آیت میں اس بات پر دلیل ہے کہ اگر کوئی قصداً بسم اللہ کہنا ترک کردے تو

وہ جانور نہیں کھایا جائے گا کیوں کہ وہ اللہ کے نام کے بغیر ذبح کیا گیا۔

تفسیر ابن عباس میں ہے:(وما أهل لغير الله به) وما ذبح بغير اسم الله عمدا أو الأ صنام .(تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس ص:۲۳۲)وہ جانور حرام کیا گیا جو قصدا اللہ کا نام لیے بغیر یا بتوں کا نام لے کر ذبح کیا گیا۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے:وأما ما أهل به لغير الله فمعناه : رفع به الصوت للصنم وذلك قول الجاهلية : باسم اللات والعزى (ج:۱ص:۱۷۴) ما اُہل بہ لغیر اللہ کا معنی ہے: جانور کے ذبح کے وقت بت کا نام بلند آواز سے لیا گیا ،دوسرے لفظوں میں ذبح کے وقت بت کا نام پکارا گیا۔ جیسے دور جاہلیت کے لوگوں کا ذبح کے وقت باسم اللات والعزی کہنا یعنی میں یہ جانور لات اور عزی کے نام سے ذبح کرتا ہوں۔

مراح لبید لکشف معنی القرآن المجید میں ہے:(وما أهل به لغير الله) فما موصول ، و به نائب الفاعل ،والباء بمعنى فى مع حذ ف مضاف والمعنى : وما صيح فى ذبحه لغير الله والكفار يرفعون الصوت لآ لهتهم عند الذبح . وقال الربيع بن أنس وابن زيد : والمعنى : وما ذكر عليه غير اسم الله . وعلى هذا فغير الله نائب الفاعل واللام صلة . قال العلما ء: لو أن مسلما ذبح ذبيحة وقصد بذبحها التقرب الى غير الله صار مرتدا وذبيحته ذبيحة مرتد(ج:۱ص:۵۷)

ما أهل به لغير الله میں ما اسم موصول، بہ نائب فاعل اور با حذف مضاف کے ساتھ فی کے معنی میں ہے: معنی ہوں گے:وہ جانور جس کے ذبح میں غیر اللہ کا نام بلند آواز سے لیا گیا یا ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا۔ کفار ذبح کے وقت اپنے معبودوں کے لیے آواز بلند کرتے یعنی باآواز بلند ان کے نام لیتے تھے۔ ربیع بن انس اور ابن زید نے کہا: معنی ہیں: وہ جانور جس پر غیر خدا کا نام لیا گیا۔ اس تقدیر پر غیر اللہ نائب فاعل اور لام صلہ (زائد) ہے۔

امام اہل سنت ابو منصور ماتریدی لکھتے ہیں : قولہ عز وجل :(وما أهل لغير الله به) قال الكسائى : (وما أهل لغير الله به) أى ذكر وسمى عليه غير اسم الله .(تاویلات اہل السنہ ج:۳ص:۷۴۴)کسائی نے کہا: (وما أهل لغير الله به) سے مراد ہے:وہ جانور جس پر غیر خدا کا نام ذکر کیا گیا یا غیر خدا کا نام لیا گیا۔

جلالین میں ہے:(ما أهل به لغير الله) أي ذبح على اسم غيره .

ما أهل به لغير الله کے معنی ہیں: جو جانور غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا۔

جامعہ ازہر مصر کے مجمع البحوث الاسلا میه کی نگرانی میں علما کی ایک جماعت نے التفسیر الوسیط کے نام سے جو تفسیر قرآن لکھی ہے اس میں ما أهل به کی تفسیر اس طرح کی گئی ہے:(ما أهل به لغير الله) أى ما ذبح وقد ذكر عليه اسم غير الله و اذاكانت المحر مات السابقة قد حر مت لخبث ذاتها فمما ذكر اسم غير الله عليه حرم لخبثه معنو يا فقد ذكر اسم غير خالقه المنعم به عند ذبحه ولو لا ذلك لكان حلالا والمراد بغير الله : ما يشمل الأ صنام وغيرها.(ج:۱،ص: ۲٦۳)

ما أهل به لغير الله کے معنی ہیں: وہ جانور جس پر ذبح کرنے کی حالت میں غیر اللہ کا نام ذکر کیا گیا۔

آیت کریمہ میں اس سے پہلے جو چیزیں حرام کی گئیں وہ اپنی ذاتی گندگی اور فساد کی وجہ سے حرام کی گئیں لیکن جس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو اس کی حرمت عارضی فساد اور گندگی کی وجہ سے ہے کیوں کہ ذبح کے وقت اس جانور پر اسے بطور انعام عطا کرنے والے خالق کا نام نہیں ذکر کیا گیا بلکہ غیر کا نام ذکر کیا گیا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی یعنی وقت ذبح غیر اللہ کا نام ذکر نہ کیا جاتا تو وہ جانور حلال ہوتا۔ غیر اللہ بتوں وغیرہ سب کو شامل ہے۔

ولو لا ذلك لكان حلالا : اگر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام نہ لیا گیا ہوتا تو جانور حلال ہوتا، قابل توجہ ہے۔

عصر حاضر کے ایک مشہور عرب مفسر ابن عاشور سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۷۳ کے تحت لکھتے ہیں: وما أهل به لغير الله أى ما أعلن به أو نودى عليه بغير اسم الله تعالى . وہ جانور اللہ نے حرام کیا جس پر بوقت ذبح غیر اللہ کے نام کا اعلان کیا گیا یا اس پر غیر خدا کا نام پکارا گیا۔

اور سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: وما أهل لغير الله به : هو ما سمى عليه عند الذبح اسم غير الله . ”وما أهل لغير الله به سے مراد وہ جانور ہے جس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا۔“(التحریر والتنویر لابن عاشور، الباحث القرآنی، برعایۃ جمعیۃ آیات الخیریۃ)

سعودی ہاؤس فرشین اور مکہ مکرمہ میں جماعۃ تحفیظ القرآن الکریم کے ممبر ڈاکٹر حسن عزالدین الجمل اپنی پانچ حصوں پر مشتمل کتاب: معجم وتفسیر لغوی لکلمات القرآن میں لکھتے ہیں: أهل بالذبيحة لمعظم

یعبده :ذکر اسمه عند الذبح ، و قصده بها . انما حرم علیکم المیتة و الدم و لحم الخنزیر وما أهل به لغیر الله .(ج:۵ص:۱۶۳) ”اھل بالذبیحة لمعظم یعبده کے معنی ہیں:اس نے جانور ذبح کرنے کے وقت اپنی اس معظم ہستی کا نام لیا اور اس سے اس کا قصد کیا جس کی وہ عبادت کرتا ہے لہذا ما اُہل بہ لغیر اللہ کے معنی ہوں گے: اللہ نے وہ جانور حرام کیا جس کو ذبح کرنے کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا اور اس سے اس کا قصد کیا گیا۔“

محمد بن محمد ابن عرفہ مالکی نویں صدی ہجری میں تونس کے ایک زبردست عالم گزرے ہیں۔ انھوں نے علم تفسیر میں ایک کتاب تفسیر ابن عرفہ کے نام سے تحریر فرمائی ہے۔

ذیل میں ہم زیر بحث جزو آیت کے تحت ان کی ایک عبارت نقل کر رہے ہیں جو اہل سنت کے بارے میں آج کل کے وہابی اور دیوبندی مولویوں کی طرح طرح کی خود ساختہ بدگمانیوں کا ابطال اور ان کو مشرک بنانے کے جنون کا رد اور ترجمۂ امام احمد رضا کی تائید ہے۔ آپ بھی ملاحظہ کریں۔

قال ابن عرفة : وما ذبح للجان و یتعمدون ترك التسمیة علیه . یقولون : انه لا یوکل . والظاهر عندی جواز أکله لأ نهم لا یقصدون به التقرب للجان و انما یقصدون به تکرمته وأنه ینال منه ولا یترکون الا النطق بالتسمیة وهم انما یسمون فی أ نفسهم (ج:۱،ص:۲۰۶) ” لوگ جن کے لیے ذبح کیے جانے والے جانور پر بوقت ذبح قصداً زبان سے بسم اللہ کہنا ترک کر دیتے ہیں۔ ایسے جانور کے بارے میں لوگوں کا کہنا ہے کہ اسے نہ کھایا جائے مگر میرے نزدیک ظاہر یہی ہے کہ اس کا کھانا جائز ہے کیوں کہ اس سے لوگوں کا مقصود جن سے تقرب نہیں ہوتا بلکہ صرف اس کی تکریم مقصود ہوتی ہے اور یہ مقصود ہوتا ہے کہ اس جانور میں سے کچھ اس کو ملتا ہے۔ وہ صرف زبان سے اللہ کا نام لینا ترک کرتے ہیں دل سے نہیں کیوں کہ وہ اپنے دلوں میں اللہ کا نام لے ہی لیتے ہیں۔“

ہم دور حاضر کے اہل حق کے یہاں تو بوقت ذبح جانور پر اللہ کا نام ضروری طور پر لیا جاتا ہے۔ کسی مسلم مردے یا اللہ کے کسی نیک بندے کی روح کو محض ایصال ثواب کرنا مقصود ہوتا ہے، اس سے تقرب کی نیت بالکل نہیں ہوتی نہ کسی کا یہ گمان ہی ہوتا ہے کہ جانور کا گوشت اس کو ملتا ہے پھر بھی شرک کے ٹھیکے داروں کے نزدیک یہ عمل سراسر شرک قرار پاتا ہے۔

پھر یہ بھی دیکھیے کہ امام ابن عرفہ ایک مومن کے قصد و نیت کا اعتبار کرتے ہوئے حکم جواز لگا رہے

ہیں جو اس بات کی صریح دلیل ہے کہ قصد مسلم کا شریعت نے بہت اعتبار کیا ہے۔

لگے ہاتھوں یہاں میں سعودی عرب کے فتاوی اللجنة الدائمہ کے دو جوابات بھی نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو ہم اہل سنت کے موقف اور امام احمد رضا کے ترجمے کی تائید وتصدیق کرتے ہیں:

جواب اول: أما الذبح للضيوف اكراما لهم أولأهل توسعة عليهم ،والذبح تقربا الى الله من أجل أن تجعل صدقة على الأموات يرجى ثوابها من الله للحی والميت فهذا جائز بل هو احسان يرجی ثوابه من الله وهكذاالضحايا يوم النحر عن الأموات والأحياء.

(الشيخ عبد العزيز بن عبد الله بن باز ، الشيخ عبد الرزاق عفيفی ، الشيخ عبد الله بن غديان ،الشيخ عبد الله بن قعود .فتاوی اللجنة الدائمه ۱۹۶، ۱)

لیکن مہمانوں کے لیے ان کے اعزاز میں یا بال بچوں کے لیے ان پر وسعت وفراخی کے مقصد سے وقت ذبح اللہ کا نام لے کر جانور ذبح کرنا ،اور اللہ سے تقرب کے لیے بوقت ذبح اس کا نام لے کر اس لیے جانور ذبح کرنا کہ میت پر وہ صدقہ ہو جائے اور اللہ سے زندہ ومردہ دونوں کے لیے اس کے ثواب کی امید رکھی جائے تو یہ اعمال صرف جائز ہی نہیں بلکہ احسان ہیں جن کے ثواب کی امید اللہ سے کی جائے گی۔ اسی طرح قربانی کے دن کی قربانیاں بھی جائز اور احسان ہیں جو مردوں اور زندوں کی جانب سے کی جاتی ہیں۔ (آخر میں مندرجہ بالا علما کے نام ہیں۔)

جواب دوم : يجوز ذبح الذبيحة للضيف ويذكر اسم الله عليها عند الذبح ، وليس ذلك داخلا فی عموم قوله تعالى : (وما أهل لغير الله به) بل المقصود فی الآية ما ذبح لغير الله ،كالذبح للأموات ونحوهم تقربا اليهم ، أما الذبح للضيف ، فالمقصود به اكرامه لا عبادته لأن الرسول صلى الله عليه وسلم أمر باكرام الضيف . وبالله التوفيق،فتاوی اللجنة الدائمه ۲۲۵ ،۱. (یہاں بھی مذکورہ بالا علما کے نام درج ہیں۔) پتہ:موقع الاسلام، سؤال وجواب. book https:llal-maktaba.org

مہمان کے لیے جانور ذبح کرنا جائز ہے اور ذبح کرنے کے وقت اللہ کا نام لیا جائے گا۔ یہ جانور اللہ تعالی کے قول: (وما أهل لغير الله به) کے عموم میں داخل نہیں ہے کیوں کہ آیت کریمہ میں مقصود وہ جانور ہے جو غیر اللہ جیسے مردوں اور ان کے امثال کے لیے ان کے تقرب کے طور پر ذبح کیا جائے اور

مہمان کے لیے ذبح کیے جانے والے جانور سے مقصود اس مہمان کا اکرام واعزاز ہوتا ہے نہ کہ اس کی عبادت۔ اس ذبیحہ کا جواز اس لیے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمان کے اکرام کا حکم دیا ہے۔

ان دونوں جوابات سے معلوم ہوا کہ تقرب الی اللہ کی نیت کے ساتھ مردوں یا اولیاے کرام کی روحوں کو ایصال ثواب کرنے کے لیے ذبح کے وقت اللہ کا نام لے کر جانور ذبح کرنا جائز واحسان ہے اور یہ ما أهل لغير الله به کے عموم میں داخل نہیں۔ یہ اس کے عموم میں صرف اس وقت داخل ہوگا جب ان کے تقرب وعبادت کی نیت سے یا ان کا نام لے کر جانور ذبح کیا جائے۔ اسی طرح مہمان کی آمد پر جانور ذبح کرنا اس کے اعزاز واکرام کی نیت سے اور اہل خانہ کے لیے جانور ذبح کرنا ان پر توسع کی نیت سے ہوتا ہے اس لیے ایسے جانور بھی حلال ہوں گے۔ بس حرام اس وقت ہوں گے جب تقرب وعبادت غیر اللہ کی نیت ہو یا ان پر وقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ جو تقرب، عبادت کے معنی میں ہو وہی حرمت کا سبب ہوگا۔ اور نیت کا اعتبار تو بالکل ظاہر ہے۔

الحمد للہ ہم اہل سنت ہر حلال جانور کے ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا ضروری اور لازمی قرار دیتے ہیں۔ بلکہ ہمارے نزدیک مستحب ہے کہ باسم اللہ کے ساتھ اللہ اکبر بھی بغیر واو کے لایا جائے اور باسم اللہ اللہ اکبر کہا جائے۔ ہم اپنے مردوں یا اللہ کے نیک بندوں کی روحوں کو ایصال ثواب کرنے کے لیے جو جانور ذبح کرتے ہیں اس پر بھی بوقت ذبح ضرور اللہ کا نام لیتے ہیں۔ اگر کوئی اللہ کا نام لیے بغیر جان بوجھ کر جانور ذبح کردے تو علم ہونے پر اس کو حرام قرار دیتے ہیں۔ کسی بھی مرحلے میں ہمارا مقصود ان کا تقرب اور ان کی عبادت نہیں ہوتی۔

ہمارے مخالفین اپنے موقف کی تائید میں صحیح مسلم میں حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ سے مروی حضرت علی کی حدیث کا یہ ٹکڑا: لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ کو بڑے شد ومد سے پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کرنے والے پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔

آئیے شارحین حدیث کی تشریحات کی روشنی میں اس کا صحیح مطلب جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

شارح مسلم علامہ نووی لکھتے ہیں: أما الذبح لغير الله فالمراد به أن يذبح باسم غير الله كمن ذبح للصنم أو الصليب أو لموسى أو لعيسى صلى الله عليهما أو للكعبة ونحو ذلك فكل هذا حرام ولا تحل هذه الذبيحة، سواء كان الذابح مسلما أو نصرانيا أو

یھودیانص علیه الشافعی واتفق علیه أصحابنا فان قصد مع ذلك تعظیم المذبوح له غیر الله تعالی والعبادة له کان ذلك کفرا فان کان الذابح مسلما قبل ذلك صار بالذبح مرتدا، وذکر الشیخ ابراهیم المروزی من أصحابنا أن ما یذبح عند استقبال السلطان تقربا الیه أفتی أهل بخاری بتحریمه لأنه مما أهل به لغیر الله تعالی ،قال الرافعی: هذا انما یذبحونه استبشارا لقدومه فهو کذبح العقیقة لولادة المولود ومثل هذا لایوجب التحریم .والله أعلم.(شرح النووی علی مسلم ص:۱۲۲) حدیث میں غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے سے مراد ہے: غیر اللہ کا نام لیتے ہوئے ذبح کرنا جیسے کوئی شخص بت یا صلیب یا حضرت موسی یا حضرت عیسی یا کعبہ اور ایسی ہی کسی چیز کا نام لے کر جانور ذبح کرے تو یہ سب حرام اور اس ذبیحہ کا کھانا جائز نہ ہوگا خواہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا یہودی یا عیسائی۔ امام شافعی نے اس کی تصریح فرمائی اور ہمارے اصحاب نے اس پر اتفاق کیا۔ پھر اس کے ساتھ اگر وقت ذبح اس غیر اللہ کی تعظیم وعبادت مقصود ہو جس کا نام لے کر وہ جانور ذبح کیا گیا تو یہ کفر ہوگا اور ذبح کرنے والا اگر پہلے مسلمان تھا تو اب مرتد ہو جائے گا۔

ہمارے اصحاب میں سے شیخ ابراہیم مروزی نے ذکر کیا کہ بادشاہ کے استقبال کے موقع پر اس کے تقرب کے لیے جو جانور ذبح کیا جاتا ہے اس کے بارے میں فقہاے بخاری نے فتوی دیا کہ وہ جانور حرام ہو جاتا ہے کیوں کہ وہ غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیے جانے والے جانور کے قبیل سے ہو جاتا ہے۔ رافعی نے کہا: لوگ اس موقع پر بادشاہ کی آمد کی خوشی میں جانور ذبح کرتے ہیں لہذا یہ بچے کی پیدائش کی خوشی میں عقیقہ کا جانور ذبح کرنے کی طرح ہے اور ایسا عمل موجب تحریم نہیں ہوتا۔

یہاں قابل توجہ بات یہ ہے کہ امام نووی اس مسلمان پر ارتداد کا حکم نہیں لگا رہے ہیں جو بوقت ذبح تعظیم وعبادت کے قصد کے بغیر حضرت موسی یا حضرت عیسی وغیرہ کا نام لے کر جانور ذبح کرے بلکہ اس عمل کو صرف حرام اور ذبیحہ کو محض ناجائز کہہ رہے ہیں۔ ہاں اس صورت میں مسلمان پر حکم ارتداد عائد کر رہے ہیں جب وہ غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے کے ساتھ اس غیر کی تعظیم وعبادت کا بھی قصد کرے۔ فقہاے بخاری نے بھی تقرب بادشاہ کے لیے ذبح کیے جانے والے جانور کے صرف حرام ہونے کا فتوی دیا کیوں کہ ایک مسلمان کسی انسان خواہ وہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو کے تقرب بمعنی عبادت کا قصد کر ہی نہیں سکتا۔ امام رافعی نے دیکھا کہ بادشاہ کی آمد پر مسلمانوں کا جانور ذبح کرنے کا مقصد محض خوشی کا اظہار ہوتا ہے، ان کا مقصد نہ تو تقرب ہوتا ہے نہ غیر کی تعظیم وعبادت اس لیے انھوں نے اسے جائز قرار دیا اور فقہاے بخاری کا

رد فرمایا۔امام نووی نے بھی اس رد کو برقرار رکھ کر اس کی تائید فرمائی۔

امام نووی کی اس عبارت میں تعظیم سے تعظیم عبادت مراد ہے کیوں کہ اللہ تعالی نے تو شعائر اللہ کی تعظیم کو دلوں کا تقوی قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب (حج:۲۲،۳)اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے۔

تفسیر رازی میں ہے: وقوله تعالى : امتحن الله قلوبهم للتقوى فيه وجوه : أحدها:امتحنهاليعلم منها التقوى فان من يعظم واحدا من أبناء جنسه لكونه رسول مرسل يكون تعظيمه للمرسل أعظم وخوفه منه أقوى وهذا كما فى قوله تعالى : (ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب) أى تعظيم أوامر الله من تقوى الله فكذلك تعظيم رسول الله من تقواه .(ج:۲۸،ص:۹۵) اللہ تعالی کے قول: امتحن الله قلوبهم للتقوى میں کئی وجوہ تفسیر ہیں۔ایک یہ ہے کہ اللہ تعالی نے رسول کے سامنے اپنی آوازیں پست کرنے والوں کے دلوں کا امتحان لیا تاکہ لوگوں کو ان کے دلوں کا تقوی معلوم ہو جائے کیوں کہ رسول گرامی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ابنائے جنس میں سے کسی رسول کی جو اس وجہ سے تعظیم کرے کہ وہ ایک بھیجنے والی ذات کا رسول اور فرستادہ ہے تو اس کی یہ تعظیم اس بھیجنے والی ہستی کی عظیم ترین تعظیم ہوگی اور اس ہستی سے اس کا خوف قوی ترین خوف ہوگا۔یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالی کے قول:(ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب) میں ہے یعنی اللہ کے اوامر و فرامین کی تعظیم اللہ کے تقوی سے ہے تو اسی طرح اللہ کے رسول کی تعظیم اللہ کے تقوی سے ہوگی۔

آیت کریمہ اور تفسیر رازی کی عبارت واشگاف انداز میں اعلان کر رہی ہے کہ ہر تعظیم شرک نہیں اس لیے وہی تعظیم شرک ہے جو عبادت کے مترادف وہم معنی ہو۔امام نووی نے اسی لیے واو تفسیر لا کر تعظیم کی تفسیر عبادت سے فرمائی ہے۔

امام سیوطی اپنی شرح مسلم میں لکھتے ہیں: ولعن الله من ذبح لغير الله أى باسم غيره . (الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج، ج:۵ص:۴۵)اللہ کی اس شخص پر لعنت ہے جس نے غیر اللہ کا نام لے کر جانور کو ذبح کیا۔

اب اخیر میں اپنی صدی کے مجدد شہنشاہ ہند حضرت اورنگ زیب عالم گیر رحمہ اللہ کے جلیل القدر استاذ حضرت علامہ احمد جیون رحمہ اللہ کی مشہور و معتمد تصنیف التفسیرات الاحمدیہ کی ایک عبارت

یہاں نقل کر رہا ہوں جس سے امام احمد رضا کے مذکورہ ترجموں کی تائید ہونے کے ساتھ خاص طور سے اس جانور کا حکم بھی معلوم ہوجائے گا جس کو اولیاے کرام سے عقیدت ومحبت رکھنے والے خوش عقیدہ مسلمان نذر عرفی کے طور پر ان کی روحوں کو ایصال ثواب کرنے کے لیے وقت ذبح اللہ کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں۔اس سے وہابیوں کے اس پروپگنڈے کی تردید بھی ہوگی کہ مولانا احمد رضا کسی نئے مسلک کے بانی تھے بلکہ یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ امام احمد رضا کا سلسلۂ اعتقاد وفکر قدیم ہے۔نئے فکر واعتقاد کی بنیاد رکھنے والے ان کے مخالفین ہیں۔

حضرت علامہ احمد جیون لکھتے ہیں: (وما اهل به لغير الله : معناه : ذبح به لاسم غير الله مثل اللات والعزى واسماء الأنبياء وغير ذلك فان أفرد باسم غير الله أو ذكر مع اسم الله عطفا بأن يقول باسم الله ومحمد رسول الله بالجر حرم الذبيحة وان ذكر معه موصولا لا معطوفا بأن يقول باسم الله محمد رسول الله كره ولا يحرم وان ذكر مفصولا بأن يقول قبل التسمية وقبل أن يضجع الذبيحة أو بعده لابأس به هكذا فى الهداية . ومن ههنا علم أن البقرة المنذورة للأولياء كما هو الرسم فى زماننا، حلال طيب لأنه لم يذكر اسم غير الله عليها وقت الذبح وان كانوا ينذرونها له.(ص:۳۵،۳۶)"ما اهل به لغير الله کے معنی ہیں: وہ جانور جو غیر خدا جیسے لات وعزیٰ اور انبیا وغیرہ کے نام لے کر ذبح کیے جائیں۔

اگر تنہا غیر اللہ کا نام لے یا اللہ کے نام کے ساتھ بطور عطف غیر اللہ کا نام لے جیسے لفظ محمد کے جر کے ساتھ کہے: باسم اللہ ومحمد رسول اللہ تو ذبیحہ حرام ہوجائے گا۔

اگر اللہ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کا ذکر بغیر عطف کے متصلاً کرے مثلاً یوں کہے: باسم اللہ محمد رسول اللہ تو ذبیحہ مکروہ ہوگا حرام نہیں ہوگا۔

اور اگر غیر اللہ کے نام کا ذکر اللہ کے نام سے الگ کرے جیسے باسم اللہ کہنے سے پہلے اور ذبح کیے جانے والے جانور کو کروٹ کے بل لٹانے سے پہلے یا اس کے بعد غیر اللہ کا نام لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔(ہدایہ)

یہیں سے معلوم ہوا کہ اولیا کے لیے نذر مانی جانے والی گائے جیسا کہ ہمارے زمانے میں یہی رسم ہے، حلال اور جائز ہے کیوں کہ وقت ذبح اس پر غیر خدا کا نام نہیں لیا جاتا اگرچہ لوگ غیر اللہ کے لیے نذر مانیں۔"

ہم نے کتب تفسیر وشروح حدیث اور کتب لغت سے ثابت کردیا کہ امام احمد رضا کا ترجمہ ان سب

کے مطابق اوران کا سچا ترجمان ہے جب کہ مولوی اشرف علی کے ترجمہ کی ان سے بالکل تائید نہیں ہوتی۔

مولوی اشرف علی نے فسقا کا ترجمہ: 'جو (جانور) شرک کا ذریعہ ہو' کیا اور امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ 'بے حکمی کا جانور' کیا۔

امام احمد رضا نے اس ترجمہ میں بھی لغت وتفسیر کی رعایت کی ہے۔ چناں چہ:

القاموس المحیط میں ہے :ا لفسق ،بالکسر :الترك لأمر الله تعالى ،والعصيان ، والخروج عن طريق الحق ،أو الفجور.(ج:۱ص:۹۱۸) با کے کسرہ کے ساتھ،فسق کے معنی ہیں:اللہ تعالی کا حکم بجانہ لانا۔ نافرمانی، بے حکمی۔ راہ حق سے ہٹ جانا یا حق سے عدول کرنا۔

لسان العرب میں ہے:الفسق :العصيان والترك لأمر الله عزوجل والخروج عن طريق الحق .(ج:۱۰ص:۳۰۸)فسق: نافرمانی، بے حکمی۔ اللہ عزوجل کے فرمان کو ترک کردینا۔ راہ حق سے ہٹ جانا۔

المعجم الوسیط میں ہے:فسق فلان : عصى وجاوز الحد ،ويقال : فسق عن أمر ربه: خرج عن طاعته .وفي التنزيل العزيز (فسجدوا الا ابليس كان من الجن ففسق عن امر ربه) " فسق فلان: نافرمانی کرنا، حد سے بڑھ جانا،کہا جاتا ہے: فسق عن امر ربه :اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔ قرآن کریم میں ہے: تمام فرشتے سجدے میں چلے گئے سوائے ابلیس کے،وہ جنوں میں سے تھا تو اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔

منجد میں ہے: فسق فسقا وفسوقا:خرج عن طريق الحق والصواب ؛ فجر. راہ حق ودرستی پر نہ ہونا؛حق سے عدول کرنا۔

اب کچھ تفسیری عبارتیں ملاحظہ ہوں۔

علامہ زمخشری نے لکھا ہے کہ: او فسقا اپنے ماقبل کے اسم منصوب پر معطوف ہے اور اهل ،فسقا کی صفت کاشفہ موضحہ ہے جو محلاً منصوب ہے اور اسی جانور کو فسق کا نام دے دیا گیا جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو اس لیے کہ ایسا جانور فسق اور بے حکمی کے باب میں مبالغہ کی حد تک پہنچا ہوا ہے۔ اس تقدیر پر معنی ہوں گے:وہ بے حکمی اور نافرمانی کا جانور حرام ہے جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا۔

اسی کے قبیل سے اللہ تعالی کا یہ قول ہے: ولا تاكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه وانه لفسق :اور اسے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا اور وہ بے شک حکم عدولی ہے۔

یہ بھی جائز ہے کہ فسقا، اھل کا مفعول لہ ہو۔اس صورت میں معنی ہوں گے: بے حکمی ونافرمانی کی وجہ سے غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جانے والا جانور حرام ہے۔

تفسیر زمخشری کی عبارت یہ ہے: أو فسقا عطف علی المنصوب قبله ،سمی ما أهل به لغیر الله فسقا لتوغله فی باب الفسق ،ومنه قوله تعالی : ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم الله علیه وانه لفسق ، وأهل صفة له منصوبة المحل ، ویجوز أن یکون مفعولا له من أهل .أی اهل لغیر الله به فسقا .(تفسیر الزمخشری ج:۲ص:۷۵)

تفسیر سمرقندی اور تفسیر ثعلبی میں ہے: او فسقا، یعنی معصیة .(تفسیر سمرقندی ج اص ۴۹۱، تفسیر ثعلبی ج:۴ص:۲۰۱) فسقا کے معنی معصیت، نافرمانی اور بے حکمی کے ہیں۔

تفسیر سمعانی میں ہے:

(أو فسقا اهل لغیر الله به) وهو المذبوح علی اسم الصنم ، سمی ذلك فسقا. (تفسیر السمعانی ج:۲،ص:۱۵۲)

فسقا سے مراد بت کے نام پر ذبح کیا جانے والا جانور ہے۔اسی کو فسق کا نام دے دیا گیا ہے۔

امام احمد رضا نے لغت وتفسیر دونوں کی رعایت کرتے ہوئے ترجمہ کیا: بے حکمی کا جانور جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا۔

ہاں لسان العرب اور تاج العروس میں ابوالہیثم کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ فسق کبھی شرک ہوتا ہے اور کبھی گناہ لیکن ان میں یہ صراحت بھی کردی گئی ہے کہ قرآن میں وارد فسقا سے مراد ذبح ہے۔

لسان العرب میں ہے:أبو الهیثم :و قدیکون الفسق شرکا و یکون اثما . والفسق فی قوله :او فسقا اهل لغیر الله به ،روی عن مالك أنه الذبح .(ج:۱۰،ص:۳۰۸)

تاج العروس میں ہے:وقال أبو الهیثم :وقد یکون الفسق شرکا و یکون اثما ، والفسق فی قوله تعالی : او فسقا اهل لغیر الله به ،روی عن مالك أنه الذبح .(ج:۲۶، ص:۳۰۳)

مولوی اشرف علی کا ترجمہ کتب لغت وتفسیر کی تائید سے محروم ہونے کے ساتھ مقصد قرآن کی ترجمانی میں بھی ناکام ہے کیوں کہ قرآن کا مقصد تو یہ بتانا ہے کہ ذبح کرتے وقت اللہ کے نام سے ذبح کرنے کے حکم ربانی سے سرتابی کرتے ہوئے غیر اللہ کا نام لے کر جو شخص بھی جانور ذبح کرے اس کا وہ ذبیحہ حرام ہے جب کہ مولوی اشرف علی کے ترجمہ کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ: جو جانور شرک کا ذریعہ ہو کہ جو غیر اللہ کے

نامزد کردیا گیا ہو وہ حرام ہے یعنی غیر اللہ کے نامزد کیا جانے والا جانور چوں کہ شرک کا ذریعہ ہے اس لیے وہ حرام ہے اسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو یا نہیں۔

امام احمد رضا نے دما مسفوحا کا ترجمہ: رگوں کا بہتا خون، کیا ہے کیوں کہ رگوں کا بہتا خون ہی حرام ہے۔ گوشت، جگر اور تلی کا خون خواہ وہ رواں ہی کیوں نہ ہو حرام نہیں۔

روح البیان میں ہے: (او دما مسفوحا) أی مصبوبا کالدماء التی فی العروق. (ج:۳،ص:۱۱۴)

تفسیر نسفی میں ہے: (او دما مسفوحا) مصبوبا سائلا فلا یحرم الدم الذی فی اللحم والکبدو الطحال. (ج:۱اص:۵۴۵)

سر سید احمد خان کا ترجمۂ قرآن

(۱) ''قُلْ اَرَءَیْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَیْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝''

عربی زبان میں جب '' اَرَءَیْتَكَ '' بولا جاتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں: ''اَخْبِرْنِیْ'' (مجھے بتا، مجھے خبر دے)'' اَرَءَیْتَكُمَا '' : تم دونوں مجھے بتاؤ۔ '' اَرَءَیْتَكُمْ '' تم سب مجھے بتاؤ۔

اس آیت میں '' اَرَءَیْتَكُمْ '' کا ہمزہ استفہام وتعجب کے لیے ہے اور قل سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اور ''اَرَءَیْتَكُمْ '' سے مشرکین کو خطاب کیا گیا ہے۔

اس طور پر آیت بالا کا وہی ترجمہ ہوگا جو امام احمد رضا نے کیا ہے۔ یعنی:

''تم فرماؤ! بھلا بتاؤ تو اگر تم پر اللہ کا عذاب آئے یا قیامت قائم ہو، کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر سچے ہو۔''

لیکن سر سید احمد خان عربوں کا اسلوب کلام سمجھنے سے قاصر رہے اور '' اَرَءَیْتَكُمْ '' کا ترجمہ ''کیا دیکھا ہے تم نے'' کر ڈالا جو سراسر غلط ہے۔

دیکھیے ان کا ترجمہ:

کہہ (اے پیغمبر) کیا دیکھا ہے تم نے اپنے لیے اگر تم پر اللہ کا عذاب آوے یا تم پر بری گھڑی آوے کیا خدا کے سوا اور کسی کو پکارو گے اگر سچے ہو۔''

جمہور مفسرین نے ''الساعة'' سے قیامت مراد لی ہے اور انھیں کا اتباع کرتے ہوئے امام احمد رضا

نے بھی اس کا ترجمہ ”قیامت“ کیا ہے مگر سر سید نے جمہور کی مخالفت کرتے ہوئے اس کا ترجمہ ”بری گھڑی“ کیا ہے کیوں کہ بعض مفسرین نے ”الساعة“ سے انسان کی موت کی گھڑی مراد لی ہے۔

علامہ ابوحیان لکھتے ہیں:

قَالَ الْكِرْمَانِيُّ: أَرَأَيْتَكُمْ كَلِمَةُ اسْتِفْهَامٍ وَتَعَجُّبٍ وَلَيْسَ لَهَا نَظِيرٌ...وَالْجُمْهُورُ عَلَى أَنَّ السَّاعَةَ هِيَ الْقِيَامَةُ ... وكون أرأيت وأ رأيتك بِمَعْنَى أَخْبِرْنِي نَصَّ عَلَيْهِ سِيبَوَيْهِ وَالْأَخْفَشُ وَالْفَرَّاءُ وَالْفَارِسِيُّ وَابْنُ كَيْسَانَ وَغَيْرُهُمْ.(البحر المحيط، ج: ٤/ ص: ٥٠٧، ٥٠٨)

”کرمانی نے کہا: ” اَرَءَيْتَكُمْ “ کلمۂ استفہام و تعجب ہے اور اس کی کوئی نظیر نہیں۔ جمہور اس پر ہیں کہ یہاں ”ساعة“ سے مراد قیامت ہے۔

سیبویہ، اخفش، فراء، فارسی اور ابن کیسان وغیرہم نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ”أرأيت“ اور ”أرأيتك“ بمعنی ”أخبرني“ ہیں۔

(۲) سر سید احمد خان نے قرآن کریم کے ترجمے میں اپنے مخصوص باطل نظریات بھی شامل کیے ہیں، مثلاً:

انھوں نے لفظ ”انس“ سے ”شہروں کے رہنے والے“ اور لفظ ”جن“ سے خالص عربی زبان جاننے والے بدو مراد لیا ہے۔ ذیل کی آیت کریمہ اور سر سید کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

” قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝۸۸ “(اسرا/۸۸)

”یعنی کہہ دے اے پیغمبر! اگر جمع ہو جاویں انس یعنی ”شہروں کے رہنے والے“ اور جن یعنی بدو جو خالص عربی زبان جاننے والے تھے، اس پر کہ کوئی چیز قرآن کی مانند لاویں تو اس کی مانند نہ لاسکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔“ (ج: ششم/ص: ۱۳۸)

حالاں کہ قرآن کریم میں درجن سے بھی زیادہ آیات ہیں جن سے جنوں کا غیر انسانی مخلوق ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مگر ان سب کو نظر انداز کرتے ہوئے سر سید نے اپنا مخصوص نظریہ انتہائی جرأت کے ساتھ ترجمہ میں شامل کر دیا۔ سر دست اس تعلق سے میں تین آیات پیش کرتا ہوں:

(۱) ” وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝۵۶ “ (ذاریات/۵۶)

”میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیا۔“

(۲) ”وَ خَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾“ (الرحمن/۱۵)

”اور جن کو پیدا فرمایا آگ کے لوکے سے۔“

(۳) ”وَ الْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾“ الحجر/۲۷)

اور جن کو اس سے پہلے بنایا بے دھوئیں کی آگ سے۔

دیکھیے! ان آیات سے صراحت کے ساتھ ثابت ہو رہا ہے کہ جن اللہ کی مخلوق اور ایک مستقل وجود کے مالک ہیں۔

امام احمد رضا پوری زندگی عقائد اہل سنت وجماعت پر قائم رہے اور اس کا دفاع کرتے رہے، اس لیے انھوں نے یہاں بھی عقیدۂ اہل سنت کی نمائندگی کرتے ہوئے یہ ترجمہ کیا۔“

”تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کا مثل نہ لاسکیں گے۔“

فتح محمد جالندھری کا ترجمہ

ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں کہ انبیاے کرام اظہار نبوت سے پہلے بھی اللہ اور اس کی صفات سے آگاہ ہوتے ہیں اور ان کی نشو و نما توحید و ایمان پر ہوتی ہے اس لیے ان کی جانب ایمان سے بے خبری کی نسبت صحیح نہیں ہوگی۔

اب ذیل کی آیت کریمہ ملاحظہ کیجیے:

ارشاد باری تعالی ہے:”مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ“

اس آیت کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو نہ قرآن کریم کی خبر تھی نہ ایمان کی اور ظاہر ہے کہ یہاں اس کا مفہوم ظاہر قطعاً مراد نہیں اس لیے علما نے اس کی مختلف تاویلات کی ہیں۔

چند تاویلات درج کی جاتی ہیں:

ثعلبی نے ذکر کیا کہ ”ایمان سے مراد ایمان کے احکام اور اس کی نشانیاں“ ہیں۔

امام قشیری نے ذکر کیا: ایمان سے مراد:”اس شریعت کی تفصیلات ہیں۔ اور لفظ ایمان کا تفصیلات شرع پر اطلاق جائز ہے۔

ابو العالیہ نے کہا: تم وحی سے پہلے قرآن پڑھنے اور لوگوں کو اسلام وغیرہ کی دعوت دینے کا طریقہ

نہیں جانتے تھے۔

قاضی ابوبکر نے کہا: ایمان سے مراد فرائض واحکام ہیں۔ مزید کہا: حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پہلے بھی اللہ کی توحید پر ایمان رکھتے تھے پھر ان فرائض کا نزول ہوا جنھیں پہلے نہیں جانتے تھے اس طرح مکلف بنائے جانے سے آپ کا ایمان زیادہ ہوا۔“

قرطبی میں ہے:

قَالَ جَمَاعَةٌ: مَعْنَى الْإِيمَانِ فِي هَذِهِ الْآيَةِ: شَرَائِعُ الْإِيمَانِ وَمَعَالِمُهُ، ذَكَرَهُ الثَّعْلَبِيُّ. وَقِيلَ: تَفَاصِيلُ هَذَا الشَّرْعِ، أَيْ كُنْتَ غَافِلًا عَنْ هَذِهِ التَّفَاصِيلِ. وَيَجُوزُ إِطْلَاقُ لَفْظِ الْإِيمَانِ عَلَى تَفَاصِيلِ الشَّرْعِ، ذَكَرَهُ الْقُشَيْرِيُّ. وَقِيلَ: مَا كُنْتَ تَدْرِي قَبْلَ الْوَحْيِ أَنْ تَقْرَأَ الْقُرْآنَ، وَلَا كَيْفَ تَدْعُو الْخَلْقَ إِلَى الْإِيمَانِ، وَنَحْوه عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ. وَقَالَ أبو بَكْر الْقَاضِي: وَلَا الْإِيمَانُ الَّذِي هُوَ الْفَرَائِضُ وَالْأَحْكَامُ. قَالَ: وَكَانَ قَبْلُ مُؤْمِنًا بِتَوْحِيدِهِ ثُمَّ نَزَلَتِ الْفَرَائِضُ الَّتِي لَمْ يَكُنْ يَدْرِيهَا قَبْلُ، فَزَادَ بِالتَّكْلِيفِ إِيمَانًا.(ج: ۱/ص: ۵۹)

امام عبدالکریم قشیری فرماتے ہیں: (ماکنت تدری ماالکتاب)ماکنت تدری قبل هذاما القرآن(ولاالایمان)أی تفصیل هذه الشرائع (لطائف الاشارات ج۳/ ۳۶۰)

تم اس سے پہلے نہ قرآن کو جانتے تھے اور نہ اس شرع الٰہی کے احکام کی تفصیل سے آگاہ تھے۔

فتح محمد جالندھری کی نظر اس پہلو کی طرف نہیں گئی اور انھوں نے ”ایمان سے بے خبری کی نسبت حضور کی طرف کردی۔

دیکھیے ان کا ترجمہ: تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو۔ (ص ۶۶۸)

امام احمد رضا نے امام قشیری کے قول کو اختیار فرماکر یہ صحیح اور درست ترجمہ فرمایا: ”اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل“۔

ذوالنون (یونس علیہ السلام)

ارشاد ربانی ہے: وذا النون اذذهب مغاضبا فظن ان لن نقدر علیه .(انبیا۲۱، ۸۷)

اور ذوالنون کو (یاد کرو) جب چلا غصے میں بھرا تو گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے۔ (امام احمد رضا)

اور ذوالنون (کو یاد کرو) جب وہ (اپنی قوم سے ناراض ہوکر) غصے کی حالت میں چل دیے اور خیال کیا کہ ہم ان پر قابو نہیں پاسکیں گے۔ (مولوی فتح محمد جالندھری)

امام احمد رضا نے نقدر کا ترجمہ ''ہم تنگی نہیں کریں گے۔'' کیا جب کہ مولوی فتح محمد نے ''ہم ان پر قابو نہیں پاسکیں گے۔'' کیا۔

ایک عام مسلمان بھی یہ خیال نہیں کرسکتا کہ اللہ تعالی اس پر قابو نہیں پاسکتا کیوں کہ ایسا خیال کرنا تو اسے دائرۂ اسلام ہی سے خارج کردے گا چہ جائے کہ حضرت یونس علیہ السلام اپنے دل میں ایسا خیال لائیں جو اللہ کے ایک مقدس نبی ہیں۔ اس لیے ایک مترجم قرآن کو ایسے مقامات پر معتبر کتب لغت و تفسیر کی طرف ضرور مراجعت کرکے ایسے قول اور معنی کا انتخاب کرنا چاہیے جو ایک نبی کی شانِ عظیم سے ہم آہنگ ہو۔

عربی زبان میں قدر کا لفظ صرف قدرت اور قابو کے معنی میں ہی نہیں آتا بلکہ اس کے اور معانی بھی ہیں۔ مثلاً: قدر الرزق: اس نے روزی تقسیم کی۔ قدر الله عليه الأمر: اللہ نے اس کا فیصلہ کیا۔ قضی علی عیالہ: اس نے اپنے اہل وعیال پر تنگی کی۔ (المنجد ص: ۶۱۲ سترہواں ایڈیشن)

تفسیر کی قدیم اور معتبر کتاب '' تفسیر طبری'' میں ہے: وقوله: فظن ان لن نقدر عليه. اختلف أهل التاويل فى تأويله فقال بعضهم: معناه: فظن أن لن نعاقبه بالتضييق عليه من قولهم: قدرتُ على فلان: إذا ضيقت عليه، كما قال الله جل ثناؤه: ومن قُدِر عليه رزقه فلينفق مما آتاه الله. (ج:۱۶، ص: ۳۷۸)

'' اللہ تعالی کے ارشاد: فظن ان لن نقدر عليه کی تاویل میں اہل تاویل میں اختلاف ہوا۔ بعض نے کہا اس کے معنی ہیں: تو اس نے گمان کیا کہ ہم اس کو تنگی میں ڈالنے کی سزا ہرگز نہیں دیں گے۔ یہ عربوں کے قول: قدرت على فلان سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: میں نے اس پر تنگی کی۔ اسی طرح اللہ کا یہ ارشاد بھی ہے: ومن قدر عليه رزقه فلينفق مما آتاه الله: جو روزی کی تنگی میں مبتلا ہو تو جو روزی اللہ نے اسے عطا کی ہے اسی میں سے خرچ کرے۔

آخر میں امام طبری اپنا فیصلہ سناتے ہوئے لکھتے ہیں: وأولى هذه الأقوال فى تأويل ذلك عندى بالصواب قول من قال: عنى به: فظن يونس أن لن نحبسه، ونضيق عليه، عقوبة له على مغاضبته ربه، وإنما قلنا ذلك أولى بتأويل الكلمة، لأنه لا يجوز أن ينسب إلى الكفر وقد اختاره لنبوته، ووصفه بأن ظن أن ربه يعجز عما أراد به، ولا يقدر عليه، وصف له بأنه جهل قدرة الله، وذلك وصف له بالكفر، وغير جائز لأحد وصفه بذلك (تفسیر الطبری ج:۱۶، ۳۸۱) ''میرے نزدیک اس کی سب سے صحیح تاویل ان

حضرات کی ہے جنھوں کہا کہ: حضرت یونس نے گمان کیا کہ ہم اس کے اپنے رب سے ناراض ہونے پر بطور سزا اسے ہرگز نہ محبوس کریں گے نہ اس پر کوئی تنگی ڈالیں گے۔

اس تاویل کو ہم نے اولی کہا کیوں کہ یہ جائز نہیں کہ حضرت یونس کی طرف کفر کی نسبت کی جائے جب کہ اللہ نے انھیں نبوت کے لیے منتخب فرمالیا تھا۔

ان کے بارے میں یہ کہنا کہ انھوں نے یہ گمان کیا کہ ان کا رب اپنے ارادے سے عاجز ہوجائے گا اور ان پر اس کا قابو نہ چل سکے گا، ان کو اللہ کی قدرت سے جاہل قرار دینا ہے اور یہ انھیں کفر سے موصوف کرنا ہے اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ انھیں کفر سے موصوف کرے۔

مندرجہ ذیل آیت اور اس کا ترجمہ دیکھیں:

”وَ اِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآىٕغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ۝۶۶“ (النحل/۶۶)

”اور تمھارے لیے چارپایوں میں بھی (مقام) عبرت (غور) ہے کہ ان کے پیٹوں میں جو گوبر اور لہو ہے اس سے ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے۔“

اس ترجمہ سے صاف ظاہر ہے کہ دودھ، گوبر اور خون سے بنتا ہے حالاں کہ یہ بات سراسر غلط ہے۔

اب امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے جو اس غلطی سے بالکل پاک ہے:

”اور بے شک تمھارے لیے چوپایوں میں نگاہ حاصل ہونے کی جگہ ہے۔ ہم تمھیں پلاتے ہیں اس چیز میں سے جو ان کے پیٹ میں گوبر اور خون کے بیچ میں ہے خالص دودھ سہل اترتا پینے والوں کے لیے۔“

پروفیسر مجید اللہ صاحب نے ذیل میں دودھ بننے کا جو عمل تحریر کیا ہے اس سے امام احمد رضا کے ترجمے کی تائید و تصدیق ہوتی ہے:

آیت کریمہ میں لفظ- بین -موجود ہے جو کہ درمیانی کیفیت بتارہا ہے کہ جب کوئی چوپایہ یا عورت غذا کھاتی ہے تو معدے میں جاکر اس کے ہاضمہ کا عمل شروع ہوجاتا ہے۔ اس دوران خون بنتا ہے جو دل کے ذریعہ نالیوں میں چلا جاتا ہے اور فضلہ اپنے راستے سے خارج ہوجاتا ہے۔ اللہ کی قدرت یہ ہے کہ جب غذا ہاضمہ کے درمیان ہوتی ہے تو اس کے خون اور گوبر بننے سے پہلے اس میں سے دودھ کو کھینچ کر نالیوں کے ذریعہ تھنوں / پستانوں میں پہنچا دیتا ہے اور پھر بنا ہوا خون بقیہ خون میں شامل ہوجاتا ہے نہ کہ گوبر اور خون سے دودھ بنا۔

کچھ آیات کے ترجموں پر وہابیوں اور دیوبندیوں کے اعتراضات کا علمی جائزہ:

ہمارے اعتقادی ونظریاتی مخالف دیوبندی اور وہابی مولوی امام احمد رضا پر ایک بے بنیاد الزام یہ بھی لگاتے ہیں کہ انھوں نے اپنے ترجمۂ قرآن میں اپنے ذاتی اعتقاد ونظریے کو اصل قرار دے کر ترجمہ کیا ہے۔

علماے اہل سنت نے اس من گھڑت اور جھوٹے بہتان کا دنداں شکن جواب دے دیا ہے۔

میں یہاں صرف چند آیات ترجمۂ امام احمد رضا کے ساتھ ذکر کرکے کچھ دلائل بیان کرنے پر اکتفا کروں گا۔ جن حضرات کو تفصیل درکار ہو وہ کم از کم جاء الحق کا مطالعہ ضرور کریں۔

حاضر وناظر کی بحث

(۱) ارشاد ربانی ہے: وکذلك جعلنٰکم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شهیدا (بقرہ۲/۱۴۳)" اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمھیں کیا سب امتوں میں افضل کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمھارے نگہ بان و گواہ۔"

(۲) فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید وجئنا بك علی هٰؤلاء شهیدا . (نساء:۴/۴۱)

"تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب! تمھیں ان سب پر گواہ اور نگہ بان بناکر لائیں۔"

(۳) یا یها النبی انا ارسلنٰك شاهدا ومبشرا ونذیرا (احزاب:۳۳/۴۵، فتح:۴۸/۸)

"اے غیب کی خبریں دینے والے (نبی) بے شک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر ناظر خوش خبری دیتا اور ڈر سناتا۔

پہلی دونوں آیتوں میں حضور ﷺ کو شہید اور تیسری آیت میں شاھد کہا گیا ہے۔ امام احمد رضا نے بالترتیب ان کے یہ معانی بتائے: گواہ و نگہ بان؛ حاضر ناظر۔

نگہ بان کے معنی ہیں: محافظ، پاسبان، نگراں، دیکھنے والا۔

یہ ترجمے دیکھ کر وہابی اور دیوبندی مولویوں نے شور مچانا شروع کردیا کہ مولانا احمد رضا نے نگہ بان اور حاضر ناظر کا اضافہ محض اپنے خود ساختہ عقیدہ کے اثبات کے لیے کیا ہے کیوں کہ ان بے چاروں کو اب تک شہید اور شاھد کا معنی گواہ ہی معلوم تھا اور اپنے بڑوں کے ترجموں میں بھی انھوں نے شاھد کا یہی معنی دیکھا تھا۔

اب آئیے دیکھتے ہیں کہ کیا امام احمد رضا پر مخالفین کے عائد کردہ اس الزام میں کوئی حقیقت بھی ہے۔

عربی کتب لغت میں مذکور شاھد اور شہید کے وہ معانی ذیل میں درج کیے جارہے ہیں جن کا ہماری بحث سے تعلق ہے:

الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیہ میں ہے : شهده شهودا:أي حضره فهو شاهد، والجمع: الشهدمثل صاحب وصحب وسافر وصفر وجمع الشهد ،شهود وأشهاد والشهيد: الشاهدوالجمع :الشهداء.(ج:۲/ص:۴۹۴)"شهده شهودا:وہ اس کے پاس حاضر ہوا۔ شاهد:حاضر،جمع:شهدجیسے صاحب کی جمع:صحب اور سافر کی جمع:سفر ہے۔شهدکی جمع:شهود اور أشهادہے۔شهيد:حاضر۔اس کی جمع شهداءہے۔

المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر میں ہے۔شهدت الشيء:اطلعت عليه وعاينته فأنا شاهد والجمع أشهاد وشهود، مثل شريف وأشراف وقاعد وقعود وشهيد أيضا والجمع الشهداء،شهدت المجلس:حضرته فأنا شاهد وشهيد أيضا.(ج:۱ص:۳۲۴) "شهدت الشيء:میں چیز پر مطلع ہوا اور میں نے اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھا۔یوں:میں شاهد ہوں یعنی اس چیز پر مطلع اور اس کا نگہ بان ونگراں یا اس کے پاس حاضر اور اس کا ناظر ہوں۔شاهد کی جمع:أشهاداور شهود ہے جیسے شریف کی جمع:أشراف اور قاعد کی جمع:قُعُود ہے۔"میں شهید بھی ہوں یعنی میں چیز پر مطلع اور اس کا نگہ بان ہوں یا دوسرے لفظوں میں اس کے پاس حاضر اور اس کا ناظر ہوں۔

لسان العرب میں ہے: وأصل الشهادة : الإخبار بما شاهده: شہادت کے اصل معنی ہیں: اپنی آنکھ سے دیکھی ہوئی بات کی خبر دینا۔(ج:۳/۲۴۰)

آنکھ سے دیکھ کر خبر دینے والا نگہ بان اور نگراں ہونے کے ساتھ واقعہ ہونے کے مقام پر حاضر بھی ہوگا۔دوسرے لفظوں میں وہ حاضر ناظر ہوگا۔

المغرب فی ترتیب المعرب میں ہے :(شهد المكان):حضره،شهودا؛(وقول عائشة رضي الله عنها)لأخيها عبد الرحمٰن لو شهدتك ما زرتك :أي لو شاهدتك حال الحياة لما زرتك بعد الوفاة. (والشهادة)الإخبار بصحة الشيء مشاهدة وعيانا يقال: شهد عند الحاكم لفلان على فلان بكذافهو شاهد وهم شهود وأشهادوهو شهيد وهم شهداء.(ص:۲۵۹)"شهد المكان: وہ جگہ پر حاضر ہوا۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن سے فرمایا:لو شهدتك ما زرتك :اگر میں تمھیں تمھاری حیات میں دیکھ لیتی تو وفات کے بعد تمھاری زیارت کو نہ آتی۔الشهادة:کسی چیز کے صحیح ہونے کی خبر مشاہدہ سے اور آنکھ سے دیکھ کر دینا۔کہا جاتا ہے: شهد عند الحاكم لفلان على فلان بكذا:اس نے حاکم کے سامنے فلاں

کے حق میں فلاں کے خلاف فلاں بات کی آنکھوں دیکھی گواہی دی۔ آنکھوں دیکھی گواہی دینے والا شاھد ہے۔ اس کی جمع: شھود اور أشهاد ہے۔ شھید بمعنی شاھد ہے۔ اس کی جمع: شهداء ہے۔"

ظاہر ہے کہ آنکھ سے دیکھ کر گواہی دینے والا: نگہ بان، نگراں اور حاضر ناظر ہے۔

معجم اللغۃ العربیۃ المعاصرہ میں ہے: شهد المكان :حضره ،كان متواجدا فيه ."شهد الحرب أوالمباراة. شهد حادثة: رآها وعاينها،"شهدموقع الجريمة. (ج:۲، ۱۲۴۰)

"شهد المكان: وہ جگہ پر حاضر ہوا، وہ مقام پر موجود تھا۔ شهد الحرب أو المباراة: وہ جنگ میں حاضر ہوا، وہ اس میں موجود تھا۔ وہ میچ میں موجود تھا۔ شهد حادثة: اس نے حادثے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ شهد موقع الجريمة: وہ جرم کی جگہ موجود تھا اور اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

حادثہ یا جرم کی جگہ پر جو موجود ہو اور اسے اپنی آنکھوں سے دیکھے وہ نگہ بان، نگراں اور حاضر و ناظر کے سوا اور کیا ہے۔

معجم معانی القرآن الکریم، آن لائن میں ہے: الشهود والشهادة : الحضور مع المشاهدة إما بالبصر ،أو البصيرة. "آنکھ یا بصیرت سے مشاہدہ کرنے اور دیکھنے کے ساتھ حاضر ہونا۔"

جو آنکھ یا بصیرت سے مشاہدہ کرتے ہوئے حاضر ہو وہ ظاہر ہے کہ حاضر ہونے کے ساتھ نگہ بان اور نگراں بھی ہے۔ یا یوں کہیے وہ نگہ بان اور حاضر ناظر ہے۔

مجمع بحار الانوار میں ہے: ك:أنا فرطكم وأنا شهيد أي أشهدعليكم بأعمالكم فكأني باق معكم. ط:أنا شهيد على هؤلاء أي أشفع وأشهد بأنهم بذلوا أرواحهم لله ، وفيه أن تعديته بعلى ينافيه فمعناه: حفيظ عليهم أراقب أحوالهم وأصونهم من المكاره . والشاهد من أسمائه صلى الله عليه وسلم لأنه يشهد يوم القيامة للأنبياء على الأمم بالتبليغ و يشهد على أمته و يزكيهم أو هو بمعنى المشاهد للحال كأنه الناظر إليها. (ج:۳/ ۲۶۹) " میں تم سے سابق اور آگے رہوں گا اور میں تمھاری گواہی دوں گا۔ یعنی میں تمھارے اعمال کی گواہی دوں گا یوں گویا میں تمھارے ساتھ باقی رہوں گا۔ ط: أنا شهيد على هؤلاء: میں ان کا گواہ بنوں گا یعنی میں ان کی شفاعت کروں گا اور گواہی دوں گا کہ انھوں نے اللہ کے لیے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے۔ یہاں اشهد متعدّی بعلیٰ ہے جو اس معنی کے منافی ہے اس لیے اس کے معنی ہوں گے: میں ان کا محافظ و نگہ بان ہوں۔ ان کے احوال کی نگہ بانی کرتا ہوں اور ناپسندیدہ امور اور

سختیوں سے ان کی حفاظت کرتا ہوں۔

شاھد: حضور ﷺ کا نام بھی ہے۔آپ کا یہ نام اس لیے ہے کہ آپ قیامت کے دن انبیاے کرام کے اپنی امتوں تک پیغام خداوندی پہنچانے کے حق میں اوران کی امتوں کی کذب بیانی کے خلاف گواہی دیں گے اور اپنی امت کی بھی گواہی دیں گے اور انھیں عادل اور گواہی دینے کے لائق بتائیں گے۔یا یہ شاھد" حال کواپنی آنکھوں سے دیکھنے والے" کے معنی میں ہے گویا حضور ﷺ حال امت کے ناظر اور اس کو دیکھ رہے ہیں۔"

اس عبارت سے بھی حضور ﷺ کا محافظ ،نگہ بان، نگراں اور حاضر ناظر ہوناواضح ہے۔

اب کتب تفسیر ملاحظہ کیجیے:

التفسیر البسیط میں شھیدا کے تحت ہے: والشهيد يجوز أن يكون بمعنى مشاهد كالجليس والشريب والأكيل والشريك . ويجوز أن يكون بمعنى شاهد كالعليم والعالم. والشهود :الحضور ومنه قوله تعالى: فمن شهدمنكم الشهر (البقرة ۱۸۵) أى يحضر، والمشاهد للشيء: الحاضر عنده. وسمى الشاهد ،شاهدا لأنه يخبر عما شاهد. (ج:۲/۲۴۳) "لفظ شہید جائز ہے کہ مُشاہِد (نگہبان اور اپنی آنکھ سے دیکھنے والے) کے معنی میں ہو۔جیسے جلیس،مجالِس،شریب،مُشارِب،اکیل،مُؤاکِل اورشریك،مُشارِك کے معنی میں ہے۔یہ بھی جائز ہے کہ شہید، شاھد کے معنی میں ہوجیسے علیم،عالم اور قدیر،قادر کے معنی میں ہے۔ شھود :حاضر ہونا۔اسی سے اللہ تعالی کا یہ قول ہے۔فمن شهد منكم الشهر فليصمه:تم میں جواس مہینے میں حاضر و مقیم ہو وہ اس کے روزے رکھے۔الشاھد للشیء کے معنی ہیں:شی کے پاس حاضر و موجود۔شاھد(گواہ) کو شاھد اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے مشاہدے اور اپنی آنکھوں دیکھا حال یاواقعہ بیان کرتا ہے۔"

اس عبارت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ شہید کو مشاھد یعنی نگہ بان، نگراں، ناظراور شاھد یعنی حاضر و ناظر کے معنی میں لینا بھی جائز ہے کیوں کہ علامہ واحدی صاف صاف فرمارہے ہیں کہ یہاں شاھد کے معنی کسی چیز کے پاس حاضر رہ کر اپنی آنکھوں دیکھی بات سے باخبر کرنے والے کے ہیں۔

ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم میں ہے:(یاایھاالنبی انا ارسلنٰك شاھدا)علی من بعثت إليهم تراقب أحوالهم وتشاهد اعمالهم وتتحمل منهم الشهادة بما صدر

عنهم من التصديق والتكذيب وسائر ما هم عليه من الهدى والضلال وتؤديها يوم القيمة أداء مقبولا فيما لهم وما عليهم. (ج:۷/ص:۱۰۷،۱۰۸)

"اے نبی ہم نے تمھیں ان لوگوں پر گواہ مقرر کر کے بھیجا ہے جن کی طرف تم مبعوث کیے گئے ہو۔ تم ان کے احوال کی نگہ بانی کرتے ہو، ان کے اعمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو اور ان سے جو تصدیق و تکذیب صادر ہوئی اور ہر طرح کی ہدایت و گمراہی جس پر وہ قائم ہیں ان سب کی گواہی کا بار اپنے کاندھوں پر لیتے ہو۔ تم یہ گواہی قیامت کے دن ادا کروگے اور اسے قبول کیا جائے گا خواہ ان کے حق میں ہو یا ان کے خلاف۔"

اس عبارت میں حضور ﷺ کو مراقب: نگہ بان، پاسبان اور مشاہد: اپنی بصیرت وبصارت کی آنکھوں سے احوال پر نظر رکھنے والا دوسرے لفظوں میں حاضر ناظر کہا گیا۔

تفسیر مظہری میں ہے: یاایها النبی انا ارسلنٰك شاهدا علی أمتك. أخرج ابن المبارك عن سعيد بن المسيب قال: ليس من يوم إلا ويعرض على النبي صلى الله عليه وسلم أمته غدوة وعشية فيعرفهم بسيماهم ولذلك يشهد عليهم. (ج:۷، ص:۳۵۳)

"اے نبی! ہم نے تمھیں تمھاری امت پر گواہ بنا کر بھیجا۔

امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبد اللہ بن مبارک نے حضرت سعید بن مسیب سے تخریج کی کہ انھوں نے کہا: ہر دن صبح وشام کو نبی کریم ﷺ کے سامنے ان کی امت پیش کی جاتی ہے اس لیے حضور اپنے امتیوں کو ان کی علامتوں سے پہچانتے ہیں اور اسی لیے وہ ان کے اوپر کل قیامت میں گواہ ہوں گے۔"

تفسیر مظہری کی یہ عبارت بھی حضور ﷺ کے حاضر و ناظر اور اپنی امت کے احوال سے آگاہ ہونے کا اعلان کر رہی ہے۔

کشاف میں لتکونو اشهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا کے تحت ہے: بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن امتیں اپنے انبیا کی تبلیغ کا انکار کر دیں گی۔ اللہ تعالی انبیا سے ان کی تبلیغ پر گواہ طلب فرمائے گا حالاں کہ وہ اس سے بخوبی آگاہ ہوگا۔ اب محمد رسول اللہ ﷺ کی امت کو پیش کیا جائے گا۔ وہ انبیا کے حق میں گواہی دے گی۔ اس پر وہ امتیں کہیں گی تمھیں یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی؟ حضور ﷺ کے امتی کہیں گے کہ اللہ تعالی نے اپنے سچے نبی کی زبانی اپنی روشن اور واضح کتاب میں اس کی خبر دی ہے۔ اس وقت حضور کو لایا جائے گا اور ان سے ان کی امت کے حال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ حضور ان کی تعدیل کریں گے اور ان کے عادل ہونے کی گواہی دیں گے۔ اسی کا بیان اللہ تعالی کے

اس قول میں ہے: فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید و جئنا بك علی هؤلاء شهیدا.

علامہ زمخشری یہاں ایک سوال قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ فإن قلت فهلا قیل: لکم شهیدا، وشهادته لهم لا علیهم؟ اگر تم سوال کرو کہ قرآن کریم میں علیکم شهیدا کیوں کہا گیا حالاں کہ حضور کی گواہی امت کے حق میں ہوگی نہ کہ ان کے خلاف۔

اس کا جواب یہ دیتے ہیں: قلتُ: لما کان الشهید کالرقیب والمهیمن علی المشهود له جیء بکلمة الإستعلاء، ومنه قوله تعالی: والله علی کل شیء شهید. کنت انت الرقیب علیهم وانت علی کل شیء شهید. (ج:۱، ص:۱۹۹) ”چوں کہ گواہی دینے والا جس شخص کے حق میں گواہی دیتا ہے اس کے لیے وہ نگہ بان و محافظ کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے کلمۂ استعلا ”علی“ لایا گیا۔ اسی سے اللہ تعالی کے یہ اقوال ہیں۔ والله علی کل شیء شهید: اللہ ہر چیز کا نگہ بان ہے۔ کنت انت الرقیب علیهم وانت علی کل شیء شهید: توہی ان کا نگہ بان تھا اور تو ہر چیز کا نگہ بان ہے۔“

کشاف کی یہ عبارت بھی واضح طور پر بتا رہی ہے کہ گواہ محافظ و نگہ بان اور حاضر ناظر بھی ہوتا ہے۔

تفسیر قرطبی میں ہے۔ فکیف اذا جئنا من کل امة بشهیدوجئنا بك علی هؤلاء شهیدا إلخ والإشارة بقوله (علی هؤلاء) إلی کفار قریش وغیرهم من الکفار وإنما خص کفار قریش بالذکر لأن وظیفة العذاب أشدعلیهم منها علی غیرهم، لعنادهم عندرؤیة المعجزات وماأظهره الله علی یدیه من خوارق العادات. والمعنی فکیف یکون حال هؤلاء الکفار یوم القیمة(اذ اجئنا من کل امة بشهید وجئنا بك علی هؤلاءشهیدا) أمعذبین أم منعمین؟ وهذا استفهام معناه: التوبیخ. وقیل: الإشارة إلی جمیع أمته. ذکر ابن المبارك أخبرنارجل من الأنصار عن المنهال بن عمرو حدثه أنه سمع سعید بن المسیب یقول: لیس من یوم إلاتعرض علی النبی صلی الله علیه وسلم أمته غدوة وعشیة فیعرفهم بسیماهم وأعمالهم فلذلك یشهد علیهم. (ج:۵، ۱۹۸) ”فکیف اذا جئنا إلخ میں اللہ تعالی کے قول: علی هؤلاء سے قریش وغیرہ تمام کفار کی طرف اشارہ ہے۔ کفار قریش کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا گیا کہ عذاب کا عمل دوسرے کافروں کے مقابلے میں ان پر زیادہ سخت ہوگا کیوں کہ انھوں نے حضور کے معجزات اور ان کے ہاتھوں اللہ کے ظاہر فرمودہ خارق عادت واقعات کو دیکھنے کے باوجود ضد اور دانستہ انکار کا راستہ اپنایا۔ آیت کریمہ کے معنی

ہیں: قیامت کے دن ان کافروں کا اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کو پیش کریں گے اور ان سب کافروں پر تمھیں اس بات کا گواہ بناکر پیش کریں گے کہ آیا انھیں عذاب دیا جائے یا ان پر انعام واحسان کیا جائے۔ آیت کریمہ میں استفہام توبیخ کے لیے ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ ھؤلاء سے حضور کی پوری امت کی طرف اشارہ ہے۔

ابن مبارک نے ذکر کیا کہ ہمیں ایک انصاری نے منہال بن عمرو کے حوالے سے خبر دی کہ انھوں نے اس انصاری سے بیان کیا کہ انھوں نے حضرت سعید بن مسیب کو کہتے ہوئے سنا: کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ صبح وشام کو حضور کی امت حضور کے سامنے پیش نہ کی جاتی ہو۔ حضور انھیں ان کی نشانیوں اور ان کے اعمال سے پہچانتے ہیں اسی لیے کل قیامت کے دن ان کی گواہی دیں گے۔

علامہ قرطبی کی یہ عبارت بھی حضور ﷺ کے حاضر ناظر یا نگہ بان ہونے کا پتہ دے رہی ہے۔

عربی زبان کی تمام کتب لغت میں شاہد اور شہید کے معنی ”حاضر“ کے ہیں اور جو حاضر ہو ظاہر ہے کہ وہ ناظر بھی ہوگا کیوں کہ شاہد کے معنی میں آنکھ سے دیکھنا شامل ہے۔ اس طرح بھی امام احمد رضا کے ترجمے نگہ بان اور حاضر ناظر کی اس سے تائید ہوئی۔

ہم نے عربی زبان کی مستند کتب لغت وتفسیر سے دکھا دیا کہ امام احمد رضا نے شاہد اور شہید کا جو معنی لکھا ہے وہ کتب تفسیر ولغت کے مطابق ہے۔

علم ماکان ومایکون کی بحث

حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم دانائے ماکان ومایکون ہیں۔

ارشاد ربانی ہے: الرحمن علم القرآن. خلق الانسان. علمه البیان. (رحمان: ۵۵: ۱، ۲، ۳، ۴) ”رحمان نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔ انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا۔ ماکان ومایکون کا بیان انھیں سکھایا۔“

امام احمد رضا نے اپنے اس ترجمے میں علّم کا مفعول بہ اول محمد رسول اللہ ﷺ کو قرار دیا۔ انسان اور علّمہ کی ضمیر منصوب سے حضور ﷺ کو اور بیان سے ماکان ومایکون کا بیان مراد لیا۔

ترجمہ کے اس حصے ”ماکان ومایکون کا بیان انھیں سکھایا“ پر ہمارے مخالفین کا کہنا ہے کہ مولانا احمد رضا کا بیان کا یہ معنی لینا حضور ﷺ کے بارے میں اپنے مخصوص ومن گھڑت ”عقیدۂ علم ماکان ومایکون“

کے اثبات کے لیے ہے ورنہ کتب تفسیر سے اس کی تائید نہیں ملتی۔

اس بے بنیاد الزام کی تردید کے لیے ذیل میں چند حوالے پیش کیے جاتے ہیں۔ ان میں یہ ذکر ہوگا کہ خلق کے مفعول بہ اول اور الانسان اور علمہ کی ضمیر منصوب سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اور بیان سے بیان ماکان ومایکون مراد لینا صحیح ودرست ہے۔

تاویلات اہل السنہ میں ہے: وقوله عز وجل :(علم القرآن) ذكر أن الرحمن علم القرآن ولم يذكر لمن علمه فجاز أن يكون المراد منه أنه تبارك وتعالى علم القرآن رسولنا صلى الله عليه وسلم. (ج:۹، ۴۶۱) ''اللہ نے ذکر فرمایا کہ رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی لیکن یہ نہیں بتایا کہ کس کو تعلیم دی اس لیے جائز ہے کہ اللہ کی مراد یہ ہو کہ اللہ نے ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن کی تعلیم دی۔''

غرائب التفسیر میں ہے: قوله تعالى (علم القرآن) المفعول الأول محذوف أي محمدا القرآن لا كما قالوا: (إنما يعلمه بشر) ''اللہ تعالیٰ کے قول علم القرآن میں مفعول اول محذوف ہے یعنی رحمٰن نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن سکھایا نہ کہ کسی انسان نے جیسا کہ کافروں نے کہا۔ (غرائب التفسیر وعجائب التاویل للعلامۃ برہان الدین الکرمانی ج:۲، ۱۱۶۴)

علامہ بغوی لکھتے ہیں: وقال ابن كيسان: خلق الانسان يعني محمدا صلى الله عليه وسلم علمه البيان يعني بيان ما كان وما يكون لأنه كان يبين عن الأولين والآخرين وعن يوم الدين . (تفسیر بغوی ج:۴/ ۳۳۱) ''ابن کیسان نے کہا: اللہ نے انسان یعنی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو پیدا کیا اور اسے بیان یعنی ماکان ومایکون کے بیان کا علم دیا اس لیے کہ وہ اولین وآخرین اور روز جزا کا بیان کرتے ہیں۔''

تفسیر قرطبی میں ہے: (الرحمن علم القرآن) أي علمه نبيه صلى الله عليه وسلم حتى أداه إلى جميع الناس (خلق الانسان)وعن ابن عباس ،أيضا وابن كيسان ، الإنسان ههنا يراد به محمد صلى الله عليه وسلم ،والبيان: بيان الحلال من الحرام والهدى من الضلال .وقيل :ما كان وما يكون لأنه بين عن الأولين والآخرين و يوم الدين. (ج:۱۷، ۱۵۲) ''رحمٰن نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن سکھایا یہاں تک کہ انھوں نے تمام لوگوں تک اسے پہنچادیا۔ انسان کو پیدا کیا۔ حضرت ابن عباس سے بھی اور ابن کیسان سے مروی ہے کہ یہاں انسان سے مراد محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور بیان سے مراد ہے: حلال وحرام اور ہدایت وگمراہی کا بیان۔ یہ بھی کہا گیا کہ مراد ہے: بیان ماکان ومایکون کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اولین وآخرین اور روز جزا کے

بارے میں خبریں دیں۔“

تفسیر نیشاپوری میں ہے:وقد نقل عن ابن عباس أن الانسان آدم علیه السلام علمه الأسماء كلها أو محمد صلی الله تعالى عليه وسلم. والبیان:القرآن فيه بيان ما كان وما سيكون إلى يوم القيامة .(ج:۶، ۲۲۸)”حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں کیوں کہ اللہ نے انھیں تمام اسما کا علم دیا یا حضرت محمد ﷺ ہیں اور بیان سے مراد قرآن ہے جس میں ان سب باتوں کا بیان ہے جو ہو چکیں اور جو قیامت تک مستقبل میں ہوں گی۔“

اللباب فی علوم الکتاب میں ہے:وعن ابن عباس أيضا وابن كيسان المراد بالإنسان هنا محمد عليه الصلاة والسلام ،والمرادمن البيان ،بيان الحلال من الحرام ،والهدى من الضلالة. وقيل:ماكان وما يكون لأنه ينبئ عن الأولين والآخرين ويوم الدين. (ج:۱۸، ۲۹۴) ”حضرت ابن عباس سے بھی اور ابن کیسان سے مروی ہے کہ یہاں انسان سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں اور بیان سے مراد بیان حلال و حرام اور ہدایت و گم راہی ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ مراد ماکان ومایکون کا بیان ہے کیوں کہ وہ اولین وآخرین اور روز جزا کی خبریں دیتے ہیں۔“

صاوی میں ہے:قیل :هو محمد صلى الله عليه وسلم لأنه الإنسان الكامل والمراد بالبيان :علم ماكان وما يكون وما هو كائن.(ج:۴، ۱۲۹)”ایک قول یہ ہے کہ انسان سے مراد محمد ﷺ ہیں اس لیے کہ وہی انسان کامل ہیں۔بیان سے مراد ہے”جو کچھ ہو چکا، ہوگا اور ہو رہا ہے“اس کا بیان۔“

تفسیر خازن میں ہے: قيل جواب لأهل مكة حين قالوا إنما يعلمه بشر فقال تعالى : الرحمن علم القرآن يعنى علم محمدا القرآن. قيل أراد بالإنسان محمدا صلى الله تعالى عليه وسلم،علمه البيان يعنى بيان ما يكون وما كان لأنه صلى الله عليه وسلم ينبئ عن خبر الأولين والآخرين وعن يوم الدين،وقيل علمه بيان الأحكام من الحلال والحرام والحدود والأحكام.(ج:۴، ۲۲۵)”کہا گیا کہ الرحمن علم القرآن اہل مکہ کو جواب ہے جب انھوں نے کہا: محمد (ﷺ) کو تو کوئی انسان سکھاتا ہے۔اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رحمٰن نے محمد (ﷺ) کو قرآن سکھایا۔ یہ بھی کہا گیا کہ انسان سے مراد محمد ﷺ ہیں اور بیان سے مراد ماکان ومایکون کا بیان ہے کیوں کہ محمد رسول اللہ ﷺ اولین وآخرین اور بدلہ کے دن یعنی روز قیامت کی خبریں بتاتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ علمہ البیان سے مراد ہے۔ اللہ نے حضور ﷺ کو احکام حلال و حرام اور

حدود واحکام کا بیان سکھایا۔"

تفسیر ابی السعود میں ہے: قوله :ولسوف يعطيك ربك عدة كريمة شاملة لما أعطاه الله تعالى فى الدنيا من كمال النفس وعلوم الأولين والآخرين وظهور الأمر وإعلاء الدين بالفتوح الواقعة فى عصره عليه الصلاة والسلام وفى أيام خلفائه الراشدين وغيرهم من الملوك الإسلامية وفشو الدعوة والإسلام فى مشارق الأرض ومغاربها ولما ادخر له من الكرامات التى لا يعلمها إلا الله تعالى.(ج:۹، ۳۷۷)"اللہ تعالیٰ کا قول: ولسوف يعطيك ربك (اور جلد ہی تمھارا رب تمھیں عطا کرے گا۔) ایک کریمانہ وعدہ ہے جو ان تمام چیزوں کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں حضور ﷺ کو عطا کیں جیسے کمال نفس، اولین وآخرین کے علوم، امر دین کا ظہور، خود حضور ﷺ کے زمانے میں اور آپ کے خلفاے راشدین اور دوسرے مسلم بادشاہوں کے ایام خلافت وبادشاہت میں فتوحات کے سبب دین کی سربلندی، چار دانگ عالم میں دعوت ودین کی نشر واشاعت۔ اسی طرح یہ وعدہ ان مخفی کرامات اور شرفوں کو بھی شامل ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

روح البیان میں ہے: ولما دعى النبى صلى الله عليه وسلم بالجذبة إلى علم الله الأزلى الأبدى قال (قدعلمت ماكان وما سيكون)وذلك لأنه صار عالما بعلم الله تعالى لا بعلم نفسه وهو سر قوله تعالى (وعلمك مالم تكن تعلم)."جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "جذبہ" کے ساتھ اللہ کے علم ازلی ابدی کی طرف بلایا گیا تو آپ نے فرمایا: قد علمتُ ما كان وماسيكون: میں نے وہ سب جان لیا جو ہو چکا اور جو قیامت تک ہوگا کیوں کہ وہ اب داناے علم الٰہی ہو چکے نہ کہ اپنے علم کے دانا۔ یہی اللہ تعالیٰ کے ارشاد علمك ما لم تكن تعلم کا راز ہے۔"

روح البیان ہی میں ہے: فمعنى تعظيم رسول الله وتوقيره حقيقة اتباع سنته فى الظاهر والباطن والعلم بأنه زبدة الموجودات وخلاصتها وهو المحبوب الأزلى وما سواه تبع له ولذا أرسله تعالى شاهدا فإنه لما كان أول مخلوق خلقه الله كان شاهدا بوحدانية الحق وربوبيته وشاهدا بما أخرج من العدم إلى الوجود من الأرواح والنفوس والأجرام والأركان والأجسام والأجساد والمعادن والنبات والحيوان والملك والجن والشيطان والإنسان وغير ذلك لئلا يشذ عنه ما يمكن للمخلوق دركه من أسرار أفعاله وعجائب صنعه وغرائب قدرته بحيث لا يشاركه فيه غيره

ولهذا قال عليه السلام : علمت ما كان وما سيكون لأنه شاهد الكل وما غاب لحظة وشاهد خلق آدم عليه السلام ولأجله قال :كنت نبيا وآدم بين الماء والطين أى كنت مخلوقا وعالما بأني نبي وحكم لي بالنبوة وآدم بين أن يخلق له جسد وروح ولم يخلق بعدُ واحد منهما فشاهدخلقه وما جرى عليه من الإكرام والإخراج من الجنة بسبب المخالفة وما تاب الله عليه إلى آخر ما جرى عليه ،وشاهد خلق إبليس وما جرى عليه من امتناع السجود لآدم والطرد واللعن بعد طول عبادته ووفور علمه بمخالفة أمرواحد فحصل له بكل حادث جرى على الأنبياء والرسل والأمم فهوم وعلوم ثم أنزل روحه في قالبه ليزداد له نور على نورفوجود كل موجود من وجوده وعلوم كل نبي وولى من علومه حتى صحف آدم وإبراهيم وموسى وغيرهم من أهل الكتب الإلهية." رسول اللہ ﷺ کی تعظیم وتوقیر کے معنی ہیں: ظاہر وباطن میں ان کی سنت کا حقیقی اتباع اور یہ یقین رکھنا کہ وہ زبدۂ موجودات اور خلاصہ کائنات ہیں۔ وہی محبوب ازلی ہیں اور ان کے سوا ہر چیز ان کی تابع ہے۔ اللہ نے اسی لیے انھیں شاہد بنا کر بھیجا تو چوں کہ اللہ نے سب سے پہلے آپ کو پیدا فرمایا اس لیے آپ حق تعالی کی وحدانیت اور اس کی ربوبیت کے اور ان تمام ارواح ونفوس واجرام وارکان و ابدان واجسام ومعدنیات ونباتات وحیوان وفرشتہ وجن وشیطان وانسان وغیرہ کے گواہ تھے جو عدم سے وجود میں لائے گئے تاکہ بے شرکت غیر اللہ کے افعال کے اسرار، اس کی بنائی ہوئی تعجب خیز اشیا اور اس کی قدرت کا اظہار واعلان کرنے والی حیرت انگیز چیزیں جن کا ادراک ایک مخلوق کے لیے ممکن ہے آپ کے علم وادراک سے خارج نہ رہیں اسی لیے آپ نے فرمایا: علمت ماكان وما سيكون: میں نے جانا جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا کیوں کہ وہ ہر مخلوق کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمانے والے ہیں اور کوئی مخلوق ایک لمحہ کے لیے بھی آپ کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہوئی۔ وہ حضرت آدم کی پیدائش کا مشاہدہ کرنے والے ہیں اسی لیے تو فرمایا: كنتُ نبيا وآدم بين الماء والطين : میں اس وقت نبی تھا جب آدم آب وگل کے درمیان تھے یعنی میں اس وقت پیدا ہو چکا تھا اور اس بات سے آگاہ ہو چکا تھا کہ میں نبی ہوں اور میری نبوت کا فیصلہ ہو چکا ہے جب آدم کا جسم اور روح پیدا کی جاتی تھی، ابھی ان میں سے کسی کی پیدائش نہیں ہوئی تھی یوں حضور ﷺ حضرت آدم کی پیدائش، ان کے ساتھ ہونے والے اکرام، حکم میں لغزش کے باعث جنت سے زمین پر لانا، اللہ کی طرف سے ان کی توبہ قبول کر لیے جانے اور جو کچھ انھیں پیش آیا اس کے آخری حال تک کا مشاہدہ فرمانے والے ہیں۔ وہ ابلیس کی پیدائش، اس

کے حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار، لمبے عرصے تک عبادت میں مصروف رہنے اور وفور علم کے بعد ایک فرمان کی مخالفت کی وجہ سے راندۂ بارگاہ الٰہی ہونے اور طوق لعنت گردن میں ڈالنے کا مشاہدہ کرنے والے ہیں۔اس طرح انبیا ورسل اور امتوں کے ساتھ پیش آنے والے ہر واقعہ سے آپ کو بہت سے فہم اور علم حاصل ہوئے پھر اللہ نے ان کی روح کو ان کے کالبد میں اتارا تاکہ وہ نور علی نور ہو جائے تو ہر موجود کا وجود ان کے وجود سے ہے اور ہر نبی وولی کے علوم ان کے علوم سے ہیں یہاں تک کہ آدم وابراہیم وموسیٰ وغیرہ کے صحیفوں کے علوم بھی۔"

اس ایمان افروز اور وہابیت سوز عبارت سے حضور ﷺ کا اول خلق ہونا، عالم ماکان ومایکون ہونا اور نگہ بان وحاضر وناظر ہونا ثابت ہو رہا ہے۔

بڑے بڑے مفسرین ومحدثین کے نزدیک معتبر ومستند کتاب تفسیر، تفسیر طبری میں وعلمك ما لم تكن تعلم کے تحت ہے: وعلمك ما لم تكن تعلم من خبر الأولين والآخرين ، وماكان، وما هو كائن ،ذلك من فضل الله يا محمد مذ خلقك ،فاشكره على ما أولاك من إحسانه إليك بالتمسك بطاعته ،والمسارعة إلى رضاه ومحبته، ولزوم العمل بما أنزل إليك فى كتابه وحكمته ،ومخالفةمن حاول إضلالك عن طريقه، ومنهاج دينه فإن الله هو الذى يتولاك بفضله و يكفيك غائلة من أرادك بسوء وحاول صدك عن سبيله.(ج:۷، ص:۴۸۰،۴۸۱)" اللہ نے تمھیں اگلوں اور پچھلوں کی تمام خبریں اور جو کچھ ہو چکا اور ہو رہا ہے یا ہوگا وہ سب تمھیں بتا دیا۔اے محمد ﷺ! تمھیں پیدا فرمانے کے وقت سے ہی تم پر اللہ تعالیٰ کا یہ ایک فضل ہے اس لیے اس کے اس احسان پر تم اس کا شکر ادا کرو اس طرح کہ اس کی فرماں برداری پر قائم رہو،اس کی رضا وخوش نودی اور اس کی محبت کی طرف سبقت کرتے رہو ،اس کی اس حکمت پر عمل کو لازم قرار دو جو اس نے اپنی کتاب میں اتاری ہے،اس کی ضرور مخالفت کرو جو تمھیں اس کے راستے اور اس کے دین کی شاہ راہ سے بہکانے کا ارادہ کرے کیوں کہ اللہ ہی اپنے فضل سے تمھاری مدد فرمائے گا اور ان لوگوں کے شر وفساد سے تمھاری حفاظت فرمائے گا جو تمھارے ساتھ برے ارادے رکھیں اور تمھیں راہ خدا سے باز رکھنے کا قصد کریں۔"

اب ذیل میں چند حدیثیں ذکر کی جا رہی ہیں جن سے حضور ﷺ کے لیے علم ماکان ومایکون کا ثبوت ہوتا ہے۔

بخاری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث ہے: قال: قام فينا النبي فأخبرنا عن بدء الخلق حتى دخل أهل الجنة منازلهم وأهل النار منازلهم حفظ ذلك من حفظ ونسيه من نسي. (بخاری: حدیث نمبر:۳۱۹۲)
”حضرت عمر کہتے ہیں: ایک دن نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ہمارے درمیان کھڑے ہوکر ہمیں مخلوق کی ابتدا سے اہل جنت کے اپنی منزلوں میں اور اہل جہنم کے اپنی منزلوں میں داخل ہونے تک کی خبر دی۔ یاد کرنے والوں نے اسے یاد رکھا اور بھول جانے والوں نے اسے بھلا دیا۔“
امام بخاری کی اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ ابن حجر لکھتے ہیں: دل ذلك على أنه أخبر فى المجلس الواحد بجميع أحوال المخلوقات منذ ابتدأت إلى أن تفنى إلى أن تبعث، فشمل ذلك الإخبار عن المبدأ والمعاش والمعاد، وفى تيسير إيراد ذلك كله فى مجلس واحد من خوارق العادة أمر عظيم و يقرب ذلك مع كون معجزاته لا مرية فى كثرتها أنه أعطى جوامع الكلم. (فتح الباری ج:۶، ص:۲۹۱) ”یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ حضور ﷺ نے مخلوقات کی ابتدا سے ان کے فنا ہونے بلکہ ان کے دوبارہ زندہ کیے جانے تک کے تمام احوال کی ایک ہی مجلس میں خبر دی اس طرح آپ کی یہ خبر مخلوقات کی ابتدا، ان کی دنیوی زندگی اور اخروی حیات کی خبر پر مشتمل ہے۔
ایک ہی مجلس میں بآسانی ان سب امور کی خبر دے دینا ایک عظیم خارق عادت بات ہے۔ حضور ﷺ سے بے شمار معجزات کے وقوع پذیر ہونے میں کوئی شک نہ ہونے کے ساتھ اس کو یہ چیز قریب فہم کر دیتی ہے کہ حضور ﷺ کو ”جامع کلام“ کی خوبی سے نوازا گیا۔“
بخاری و مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے: کہتے ہیں: قام فينا النبي مقاما ما ترك شيئا يكون فى مقامه ذلك إلى قيام الساعة إلا حدث به، حفظه من حفظه ونسيه من نسيه (بخاری، حدیث نمبر:۶۶۰۴، مسلم، حدیث نمبر:۲۸۹۱) ”اللہ کے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہم میں ایک مقام پر کھڑے ہوئے تو حضور نے اپنے اس مقام پر ہی قیامت تک کی ہر چیز بیان کر دی، کوئی چیز ترک نہ فرمائی۔ یاد کرنے والوں نے اسے یاد رکھا اور بھول جانے والوں نے بھلا دیا۔“
مسلم کی ایک روایت میں حضرت حذیفہ کے الفاظ اس طرح ہیں: أخبرني رسول الله بما هو كائن إلى أن تقوم الساعة فما من شيئ إلا قد سألته إلا أني لم أسأله ما يخرج أهل

المدينة من المدينة ؟"مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے ان سب باتوں کی خبر دی جو قیامت تک رونپذیر ہوں گی۔ میں نے بھی حضور سے ہر چیز کے بارے میں پوچھا سوائے اس کے کہ میں نے یہ نہیں پوچھا کہ اہل مدینہ کو کیا چیز مدینہ سے نکالے گی۔"

مسلم شریف میں ہے: حضرت ابوزید عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ نے کہا: صلی بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم الفجر وصعد المنبر فخطبنا حتى حضرت الظهر فنزل وصلى ثم صعد المنبر فخطبنا حتى حضرت العصر ثم نزل فصلى ثم صعد المنبر فخطبنا حتى غربت الشمس فأخبرنا بما كان وبما هو كائن فأعلمنا أحفظنا.(دار إحياءالكتب العربية،(حدیث نمبر:۲۸۹۲)"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر چڑھ کر ہمارے سامنے خطبہ دیا جو وقت ظہر آنے تک جاری رہا پھر نماز ظہر ادا فرمانے کے لیے منبر سے اترے اور نماز ظہر پڑھائی۔ اس کے بعد دوبارہ منبر پر چڑھ کر خطبہ دینے لگے یہاں تک کہ عصر کا وقت آپہنچا اس لیے پھر منبر سے اتر کر نماز عصر پڑھائی۔ اس کے بعد پھر منبر پر چڑھ کر غروب آفتاب تک خطبہ دیا۔ اس دوران حضور ﷺ نے ہمیں ان تمام باتوں کی خبر دی جو ہو چکیں، ہو رہی ہیں اور ہوں گی۔ یوں ہم میں سب سے زیادہ علم والا وہ ہے جو زیادہ یاد رکھنے والا ہے۔"

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک حدیث میں ایک بھیڑیے اور چرواہے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ایک بھیڑیا بکریوں کے ایک ریوڑ میں آیا۔ بکریوں کا چرواہا ان کے ساتھ تھا۔ بھیڑیا ایک بکری پکڑ کر بھاگا۔ چرواہے نے اس کا پیچھا کر کے بکری کو اس سے چھڑا لیا ۔ بھیڑیا ایک ٹیلے پر چڑھ کر اپنی اگلی ٹانگیں کھڑی کر کے سرین کے بل بیٹھ گیا اور اپنی دم دونوں سرینوں کے درمیان داخل کر لی اور بولا: میں نے اللہ کی عطا کردہ ایک روزی کا قصد کیا لیکن تم نے مجھ سے وہ روزی چھین لی ؟ یہ سن کر وہ شخص (حیرت زدہ ہوکر) بولا میں نے آج کے دن کی طرح کسی بھیڑیے کو بات کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ بھیڑیا بولا: أعجب من هذا رجل في النخلات بين الحرتين ، يخبركم بمامضى وبما هو كائن بعدكم یہ کیا اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز مدینہ کا ایک شخص ہے جو دو پہاڑوں کے درمیان نخلستانوں میں رہتا ہے۔ وہ تمھیں گزشتہ وآئندہ کے تمام واقعات وحالات کی خبریں دیتا ہے۔"

بھیڑیے کے قول کی تشریح کرتے ہوئے علامہ علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: (يخبركم بما مضى) أي بما سبق من خبر الأولين ممن قبلكم (وما هو كائن بعدكم) أي من نبإ الآخرين

فی الدنیاو من أحوال الأجمعین فی العقبی ."وہ تمھیں دنیا کے تمام اگلوں پچھلوں کی خبروں اورآخرت کے ان سب احوال سے باخبر کرتا ہے جو تمام لوگوں کو پیش آئیں گے۔"چرواہا یہودی تھا۔اس نے مدینہ آکر حضور ﷺ کو اس کی خبر دی اور دائرۂ اسلام میں داخل ہوگیا۔حضور نبی کریم ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی۔(کتاب الفضائل والشمائل ر باب فی المعجزات، حدیث نمبر:۵۹۲۷ ص:۷۰،۷۱)

امام احمد رضا نے الانسان کا ترجمہ "انسانیت کی جان" کیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی جان انسانیت بھی ہے اور جان ایمان ودین بھی۔آپ کے جان انسانیت ہونے کا ذکر اس مضمون کے کئی مقامات پر ہوچکا ہے۔لیکن میں چاہتا ہوں کہ یہاں علامہ محمد بن مہدی فاسی کا ایک ایمان افروز اقتباس نقل کردوں جو اس پہلو کا بڑی جامعیت کے ساتھ احاطہ کرتا ہے۔

امام فاسی حضور ﷺ کے ایک نام پاک روح الحق کے تحت لکھتے ہیں:

فیحتمل أن یکون المراد بالحق الدین والإیمان وهو صلی الله علیه وسلم روح الإیمان الذی قام بوجوده فلولاه لم یکن له وجود ولاظهور فی الخلق وهو أصله وعنصره وفیه قراره ومنه یتفرق و ینبعث إلی غیره ویمتد أصله وروحه هوإنسان عین الأرواح وأبوها وأس وجودها وأول صادر عن الله عزوجل وهو الروح الأعظم والخلیفة الأکبرصلی الله علیه وسلم .وأیضا هوصلی الله علیه وسلم روح الله الموضوع فی الوجود الذی به قوامه وثباته ولولاه لاضمحل وذهب.(مطالع المسرات، ص:۱۰۵)

"روح الحق میں یہ احتمال ہے کہ حق سے مراد دین وایمان ہو اور رسول اللہ علیہ وسلم ایمان کی روح ہیں کہ ان کے وجود سے وہ قائم ہوا چناں چہ اگر وہ نہ ہوتے تو مخلوق میں نہ اس کا وجود ہوتا نہ ظہور،وہ اس کی اصل اور اس کا عنصر ہیں۔اس کا انھیں میں قرار ہے اور انھیں سے وہ دوسروں کو تقسیم ہوتا ہے، ان تک پہنچتا ہے اور اس کی جڑ پھیلتی ہے۔

حضور ﷺ کی روح تمام روحوں کی آنکھ کی پتلی،ان کے وجود کا سبب اور بنیاد ہے۔وہ اللہ کے امر کُن سے وجود میں آنے والی سب سے پہلی مخلوق ہے۔وہی روح اعظم اور خلیفۂ اکبر ہے۔یہ روح،اللہ کی وہ روح ہے جو وجود میں رکھی گئی ہے۔اسی سے اس کی بقا اور اس کا ثبات ہے۔اگر یہ روح نہ ہو تو یہ وجود باقی نہ رہے،فنا ہوجائے۔"

حضور ﷺ نجم ہیں:

ارشاد ربانی ہے: والنجم اذا ھوی . ما ضل صاحبکم وما غوی (سورۂ نجم: ۵۳/۱،۲)
اس کا ترجمہ امام احمد رضا نے یہ کیا ''اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم! جب یہ معراج سے اترے، تمھارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے۔''

عربی زبان میں نجم کے معنی ہیں: الکوکب الطالع، ھذا ھو الأصل (ج: أنجُم، أنجام، ونجوم، ونُجُم. (تاج العروس ج ۳۳/ ۴۷۵) ''نکلا ہوا تارہ، روشن تارہ۔''

اس ترجمہ پر پوری وہابیت سراپا احتجاج ہے اس لیے آئیے کتب تفسیر کی روشنی میں اس کی اصل دیکھیں۔

امام بغوی اپنی تفسیر معالم التنزیل میں لکھتے ہیں: وقال جعفر الصادق: یعنی محمدا صلی اللہ علیہ وسلم إذ نزل من السماء إلی الأرض لیلة المعراج، والھوی: النزول، یقال: ھوی، یھوی، ھُو یاإذا نزل مثل مضی یمضی مضیا. وجواب القسم قولہ: (ماضل صاحبکم) یعنی محمدا صلی اللہ علیہ وسلم ما ضل عن طریق الھدی (وما غوی) (ج:۴، ص:۳۰۱)
''خانوادۂ رسالت کے فرد یگانہ استاذ امام ابو حنیفہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: اللہ نے نجم سے محمد رسول اللہ ﷺ کو مراد لیا ہے اس لیے معنی ہوں گے: چمکتے تارے محمد (ﷺ) کی قسم! جب وہ شب معراج آسمان سے دنیا پر اترے۔ عربی میں ھُوِیّ کے معنی: نزول یعنی اترنے کے ہیں۔ چناں چہ جب کوئی اوپر سے نیچے آئے تو عرب کہتے ہیں: ھوی: وہ اترا، یھوی: اترتا ہے یا اترے گا۔
اللہ تعالی کا قول: ''ماضل صاحبکم'' جواب قسم ہے یعنی محمد (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) نہ بہکے، نہ بے راہ چلے۔''

امام عبد الکریم بن ہوازن قشیری اپنی تفسیر لطائف الإشارات میں لکھتے ہیں: و یقال: أقسم بالنبی ﷺ عند منصرفہ من المعراج، وجواب القسم ''ما ضل صاحبکم وماغوی'' أی ما ضل عن التوحید قط وماغوی: الغی، نقیض الرشد. وفی ھذا تخصیص للنبی ﷺ حیث تولی سبحانہ الذّب عنہ فیما رمی بہ. (ج:۳، ص:۴۸۰) ''یہ کہا جائے کہ یہاں نجم سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔ اللہ نے ان کی قسم یاد فرمائی جب وہ معراج سے واپس ہوئے یوں معنی ہوں گے: چمکتے تارے محمد کی قسم! جب وہ معراج سے واپس ہوئے۔ جواب قسم ماضل صاحبکم وما غوی ہے۔ یعنی وہ نہ کبھی توحید سے بہکے اور نہ بے راہ چلے۔

اس میں نبی کریم ﷺ کی یہ تخصیص ہے کہ اللہ سبحانہ نے ان پر لگائی جانے والی تہمت میں بذات خود ان کا دفاع کیا ہے۔‘‘

امام ابو محمد سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ (متوفی ۲۸۳ھ) لکھتے ہیں: قوله تعالى :والنجم اذا هوى يعني محمدا صلى الله عليه وسلم إذا رجع من السماء (تفسیر التستری ص:۱۵۶) ’’چمکتے تارے محمد کی قسم جب وہ آسمان سے واپس ہوئے۔‘‘

تفسیر قرطبی میں ہے: وقال جعفر بن محمد بن علي بن الحسين رضي الله عنهم : (والنجم) يعني محمدا صلى الله عليه وسلم (اذا هوى) إذا نزل من السماء ليلة المعراج. (ج:۱۷، ص:۸۳) ’’حضرت جعفر بن محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم نے فرمایا: اللہ کی مراد ہے: روشن تارے محمد کی قسم! جب وہ شب معراج آسمان سے اترے۔‘‘

تفسیر روح البیان میں ہے: وقال الإمام جعفر الصادق رضي الله عنه :أراد بالنجم محمدا عليه السلام إذا نزل ليلة المعراج ،والهوى:النزول .(ج:۹/ ص:۲۱۱) ’’امام جعفر صادق رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: اللہ نے نجم سے محمد رسول اللہ کو مراد لیا ہے جب وہ معراج کی رات آسمان سے زمین پر اترے۔ ھُوِی کا معنی اترنا ہے۔‘‘

تفسیر مظہری میں ہے: وقال جعفر الصادق رضي الله عنه يعني محمدا صلى الله عليه وسلم إذا نزل من السماء ليلة المعراج . والهوى :النزول.(ج:۹، ص:۱۰۳) ترجمہ بالا دیکھیں۔

امام فاسی حضور ﷺ کے ایک اسم گرامی النجم الثاقب کے تحت لکھتے ہیں: وأما اسمه النجم الثاقب: فعن جعفر بن الصادق رضي الله عنه في تفسير قوله تعالى :والنجم اذا هوى ،أنه محمد صلى الله عليه وسلم ،وحكى أبو عبد الرحمن السلمي في قوله تعالى : النجم الثاقب أيضا أنه محمد صلى الله عليه وسلم وقيل :قلبه ،وهو بعيد،والصحيح أن المراد به النجم على ظاهره.

وعلى أن المراد به النبي صلى الله عليه وسلم فهو تشبيه بليغ ،واستعارة من مطلق النجم بجامع هدايته صلى الله عليه وسلم كما يهتدى بالنجم ،وانك لتهدى الى صراط مستقيم ،وقال في هداية النجم :وبالنجم هم يهتدون أولأنه استنارت به ظلمة الليل كما تستنير الأرض بالنجوم وإن كان استعارة من نجم مخصوص

وهو زحل فوجه الشبه الإضاءة مع الرفعة لأن زحل فى السماء السابعة .والثاقب: المضيء الوهاج كأنه يثقب الظلام بضوئه فينفذ فيه وهو المرتفع على النجوم وهو ترشيح للاستعارة. (مطالع المسرات، ص:۹۸،۹۹)"حضور ﷺ کا ایک نام النجم الثاقب ہے چناں چہ حضرت جعفر صادق سے اللہ تعالیٰ کے قول: والنجم اذا هوى کی تفسیر میں مروی ہے کہ نجم، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ابو عبد الرحمٰن سلمی نے اللہ تعالیٰ کے قول: النجم الثاقب کے متعلق بھی نقل کیا کہ یہاں نجم سے مراد حضور ﷺ ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ نجم ثاقب سے مراد قلب رسول ہے مگر یہ بعید بات ہے۔ صحیح یہ ہے کہ النجم الثاقب میں نجم اپنے ظاہر معنی پر ہے۔

اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہونے کی بنیاد پر یہ تشبیہ بلیغ اور مطلق نجم سے استعارہ ہے۔ وجہ جامع یہ ہے کہ جس طرح تارے سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے اسی طرح اللہ کے نبی سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: وانك لتهدى الى صراط مستقيم: اے محبوب تم لوگوں کو سیدھی راہ کی ہدایت دیتے ہو اور نجم کی ہدایت کے بارے میں ارشاد ہے: وبالنجم هم يهتدون: وہ تارے سے ہدایت پاتے ہیں۔ یا اس لیے یہ مطلق نجم سے استعارہ ہے کہ جس طرح زمین تاروں سے روشن ہو جاتی ہے ایسے ہی جہالت کی تاریکی حضور ﷺ کی وجہ سے روشنی میں بدل گئی۔

اگر یہ خاص تارے زحل سے استعارہ ہو تو وجہ شبہ روشنی اور بلندی ہے کیوں کہ زحل ساتویں آسمان پر ہے۔ ثاقب کے معنی ہیں: بہت روشن گویا وہ تارہ اتنا روشن ہے کہ اپنی روشنی سے تاریکی کا پردہ چاک کر کے اس میں نفوذ کر جاتا ہے پھر اور تاروں سے بلند بھی ہے۔ یہ استعارہ کی ترشیح ہے۔"

امام احمد رضا نے "اِس پیارے، چمکتے تارے" ترجمہ فرمایا۔ اس کی چند وجہیں ہیں۔(۱) لفظِ "اِس" یہ بتانے کے لیے ہے کہ النجم پر الف لام عہد خارجی کا ہے جو یہ بتاتا ہے کہ اس کے مدخول سے ایک معین و مشہور چیز مراد ہے کہ جب اس کا اطلاق کیا جاتا ہے تو سننے والوں کے ذہن اسی چیز کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ (۲) پیارے کا لفظ یہ بتانے کے لیے ہے کہ حضور ﷺ کے لیے نجم کا اطلاق اس محبوبیت ازلی کے اظہار کے لیے ہے جو حضور ﷺ کو اللہ کی بارگاہ میں حاصل ہے اور جس کی ناقابل انکار دلیل سفر معراج ہے جو اس محبوبیت کی وجہ سے ہی اللہ کے بے شمار انعامات واکرامات سے حضور ﷺ کے نوازے جانے کا عظیم واقعہ ہے۔

اہل دنیا کی بھی یہ ریت ہے کہ وہ اپنے پیارے کے لیے تارہ کا لفظ بولتے ہیں۔ (۳) چمکتے کا لفظ یہ بتانے کے لیے ہے کہ حضور ﷺ کی آمد کی برکت اور ان کی تابانی سے کفر وشرک اور جہالت کی تاریکیاں دور ہوگئیں جیسے تاروں کے چمکنے سے دنیا کی تاریکی دور ہوجاتی ہے۔

بشریت مصطفی:

ارشاد ربانی ہے: قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد (کہف:۱۸، ۱۱۰) "تم فرماؤ! ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔ مجھے وحی آتی ہے کہ تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے۔"

سورۂ فصلت کی آیت نمبر ۶ کا ترجمہ یہ فرمایا: "تم فرماؤ! آدمی ہونے میں تو میں تمھیں جیسا ہوں۔ مجھے وحی ہوتی ہے کہ تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے۔" (فصلت:۵۳، ۶)

دونوں آیتوں کے ترجموں میں امام احمد رضا نے بشر کا معنی بالترتیب "ظاہر صورت بشری" اور "آدمی ہونے میں" کیا۔

سب سے پہلے لفظ بشر کے لغوی معانی لکھے جائیں گے پھر کتب تفسیر سے حوالے پیش کیے جائیں گے۔

لسان العرب میں ہے: البشرة: أعلى جلدة الرأس والوجه ،والجسد من الإنسان وهى التي عليها الشعر، والجمع: بشر .ابن بزرج :والبشر جمع بشرة: وهو ظاهر الجلد .الليث :أعلى جلدة الوجه والجسدمن الإنسان ويعنى به اللون والرقة .والبشر والبشرة: ظاهر جلد الإنسان.(ج:ص:۶۰) "البشرۃ: انسان کے سر، چہرہ اور جسم کا بیرونی چمڑا یعنی وہ چمڑا جس پر بال ہوتا ہے۔ جمع: بشر۔ ابن بزرج کے نزدیک: بیرونی جلد، کھال کا ظاہری حصہ۔ لیث کے نزدیک: انسان کے چہرہ اور جسم کا چمڑا اور اس سے رنگ اور پتلا پن مراد ہوتا ہے۔"

مختار الصحاح میں ہے: (البشرة) و(البشر)ظاهر جلد الإنسان .والبشر :الخلق. (ص:۳۵) "البشرة اور البشر :انسان کی جلد کا ظاہر۔ بشر: مخلوق۔"

المصباح المنیر میں ہے: البشرة :ظاهر الجلدوالجمع : البشرمثل :قصبة وقصب.ثم أطلق على الإنسان واحده وجمعه لكن العرب ثنوه ولم يجمعوه وفى التنزيل قالوا (انؤمن لبشرين مثلنا) "بشرۃ: ظاہر جلد۔ جمع: بشر جیسے قصبة اور قصب. پھر اس کا اطلاق انسان پر کیا گیا واحد ہو یا جمع۔ لیکن عربوں نے اس کا تثنیہ استعمال کیا ہے جمع نہیں۔ قرآن کریم میں ہے: انؤمن لبشرين مثلنا: کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں۔"

روح البیان میں ہے۔ والبشر :ظاهر الجلد والأدمة باطنه.عبر عن الإنسان بالبشر اعتبارا بظهور جلده من الشعر بخلاف الحيوانات التي عليها الصوف والشعر والوبر.(ج:۵،ص:۴۵۳) ”البشر: جلد کا باہری حصہ،الأدمة: جلد کا اندرونی حصہ۔ انسان کو بشر اس اعتبار سے کہا گیا کہ اس کی جلد پر بال نہ ہونے کے سبب جلد ظاہر ہوتی ہے۔ بر خلاف ان جانوروں کے جن پر اون اور بال ہوتے ہیں۔“

المصباح اور روح البیان سے معلوم ہوا کہ بشرہ کا اصل معنی: بیرونی اور ظاہری جلد ہے اس کی جمع کا انسان پر اطلاق مجازی ہے۔ ترجمہ کرتے وقت امام احمد رضا کی نظر اس کے اصل معنی پر تھی اس لیے انھوں نے پہلی آیت کے ترجمہ میں ”ظاہر“ کا اضافہ فرمایا۔

کافروں کا انبیاے کرام کو اپنے جیسا کہنے کا مقصد ان کو اپنے مساوی قرار دینا اوران کی توہین کرنا تھا کہ جب یہ لوگ اپنی صورتوں اور ہیئتوں میں ہماری طرح ہیں اور کوئی ایسی فضیلت انھیں حاصل نہیں جو نبوت کے لیے ان کی اہلیت کو ثابت کرے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ نبی ہو جائیں اور ہم محروم رہیں۔

صاحب روح البیان اسی حقیقت کا بیان اس طرح فرماتے ہیں :(ان انتم) أي ما أنتم في الصورة والهيئات (الا بشر) آدميون مثلنا من غير فضل يؤهلكم لما تدعون من النبوة فلم تخصون بالنبوة دوننا.(ج:۴،۴۰۳)”تم لوگ تو اپنی صورتوں اور ہیئتوں میں ہماری ہی طرح آدمی ہو۔ تمھیں ہم پر کوئی ایسی فضیلت حاصل نہیں جس سے تمھارا نبوت کا اہل ہونا ثابت ہو رہا ہو اس لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ خاص تمھیں تو نبوت مل جائے ہمیں نہیں۔“

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے عوام سے ان کی قوم کے اشراف کفار نے کہا: قالوا لعوامهم (ما هذا الا بشر مثلكم)أي في الجنس والوصف من غير فرق بينكم و بينه .وصفوه عليه السلام بذلك مبالغة في وضع رتبته العالية وحطها عن منصب النبوة .(تفسير ابي السعود ج:۶، ص:۱۳۰)”انھوں نے کہا: یہ اپنی جنس اور وصف میں تمھارے ہی جیسا ایک آدمی ہے۔ تمھارے اور اس کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

اس سے ان کا مقصد حضرت نوح علیہ السلام کے بلند مرتبے کو حد سے زیادہ گھٹانا اور پورے طور پر اسے منصب نبوت کے لائق نہ ٹھہرانا تھا۔“

انبیاے کرام نے اپنے بشر ہونے کا اعتراف اس لیے کیا کہ ان کے رب نے انھیں تواضع کی تعلیم اور

اس کا حکم دیا تھا تاکہ اپنے عظیم منصب نبوت اور فضائل وکمالات واستعدادات کی وجہ سے ان سے اللہ کی مخلوق کے ساتھ غروراور تکبر کا برتاو نہ ہو۔

التفسیر الوسیط میں ہے: قوله تعالى :(قل انما انا بشر مثلكم) قال ابن عباس :علم الله رسوله التواضع لئلا يزهو على خلقه وهذا أمر من الله لرسوله بأن يقر على نفسه بأنه آدمى كغيره إلا أنه أكرم بالوحى وهو قوله :(يوحى الى انما الهكم اله واحد)لا شريك له .(ج:۱۴،ص:۱۷۵) ”آیت کریمہ:قل انما انا بشر مثلکم کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا: اللہ تعالی نے اس آیت میں اپنے رسول کو تواضع کی تعلیم دی ہے تاکہ ان سے اس کی مخلوق کے ساتھ تکبر کا برتاو نہ ہو۔

یہ اللہ کی طرف سے اپنے رسول کو یہ حکم ہے کہ وہ اپنے لیے اس بات کا اقرار کریں کہ وہ دوسروں کی طرح ایک آدمی ہیں۔ہاں اللہ نے انھیں وحی کی کرامت وعزت سے سرفراز فرمایا ہے چناں چہ ارشاد ہے :یوحی الی انما الھکم الہ واحد:مجھے وحی کی جاتی ہے کہ تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

اس میں سد باب فتنہ بھی ہے۔

علامہ ثناء اللہ مظہری اپنی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں: قلت :فيه سد باب الفتنة افتتن بها النصارى حين رأوا عيسى يبرئ الأكمه والأبرص ويحيي الموتى وقد أعطى الله لنبينا صلى الله عليه وسلم من المعجزات أضعاف ما أعطى عيسى عليه السلام فأمره بإقرار العبودية وتوحيد البارى لا شريك له.(ج:۶،۷۶)”اس سے الوہیت نبی کے فتنے کے دروازے کو بند کرنا بھی مقصود ہے جس میں نصاری مبتلا ہوئے جب انھوں نے حضرت عیسی کو دیکھا کہ وہ مادر زاد اندھے اور کوڑھ کے مریض کو شفادے دیتے ہیں اور مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں اور ہمارے نبی کی شان تو یہ ہے کہ انھیں حضرت عیسی سے کئی گنے زیادہ معجزات عطا کیے گئے اس لیے اللہ نے حضور ﷺ کو حکم دیا کہ وہ اپنی عبودیت کا اقرار اور شریک سے پاک باری تعالی کی وحدانیت کا اعتراف کریں۔“

اوپر روح البیان کی عبارت اور نیچے کی عبارتوں میں ”الصورة یاالصورة والھیئة “کاذکر ہے اسی طرح روح البیان کی اسی عبارت میں بشر کی تفسیر آدمیون کی گئی ہے جن سے امام احمد رضا کے ترجموں کی تائید ہوتی ہے۔

تفسیر قرطبی میں ہے:قوله تعالى :(قالت لهم رسلهم ان نحن الا بشر مثلكم)أى فى

الصورة والهيئة كما قلتم (ولكن الله يمن من يشاء من عباده) يتفضل عليه بالنبوة.
(تفسیر قرطبی ج:۹،۷ ۳۴) "اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ان سے ان کے رسولوں نے فرمایا: ہم تو تمھارے جیسے بشر ہیں۔یعنی صورت وہیئت میں ہم تمھاری طرح ہیں۔لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر نبوت عطا کرنے کا اپنا فضل واحسان کرنا چاہتا ہے کرتا ہے۔

تفسیر ابی السعود میں قالت لهم رسلهم ان نحن الا بشر مثلكم کے تحت ہے:أو ما نحن من الملا ئكة بل نحن بشر مثلكم فى الصورة أو فى الدخول تحت الجنس ولكن الله يمن بالفضائل والكمالات والاستعدادات على من يشاء المن وما يشاء ذلك لعلمه باستحقاقه لهاوتلك الفضائل والكمالات والإستعدادات هى التى يدور عليها فلك الإصطفاء للنبوة.

(ج:۵،۷ ۳) "یا مطلب ہے: ہم فرشتے نہیں ہیں بلکہ ہم صورت میں یا جنس بشر میں داخل ہونے میں تمھارے جیسے ہیں۔لیکن اللہ جس پر احسان کرنا چاہتا ہے اس پر فضائل وکمالات واستعدادات کے سبب احسان فرمادیتا ہے۔وہ یہ احسان اسی لیے کرنا چاہتا ہے کہ اس شخص کو وہ اِن کا مستحق جانتا ہے اور ان فضائل وکمالات واستعدادات پر ہی نبوت کے لیے منتخب ہونے کا دارومدار ہے۔"

روح البیان میں ہے: (قل انما انا بشر مثلكم)قل يا محمد ما أنا إلا آدمى مثلكم فى الصورة ومساو يكم فى بعض الصفات البشرية .(ج:۵، ۳۰۹)"قل انما انا بشر مثلکم کے معنی ہیں: اے محمد (ﷺ) تم کہہ دو میں صورت میں تم ہی جیسا ایک آدمی ہوں اور کچھ بشری صفات میں تمھارے مساوی ہوں۔"

دوسرے مقام پر ہے: (قل انما انا بشر)آدمى مثلكم مامور بما أمرتم به.(ج:۸،۲۲۸) "کہہ دو میں تمھارے ہی جیسا ایک بشر یعنی آدمی ہوں۔مجھے بھی ان باتوں کا حکم ہے جن کا تمھیں حکم دیا گیا۔"

آپ دیکھ رہے ہیں کہ تفسیر کی کسی کتاب میں نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاے کرام علیہم السلام اور غیرنبی کے درمیان بشری صورت وہیئت میں مماثلت کا ذکر ہے تو کسی کتاب میں آدمی ہونے میں مماثلت کا بیان ہے۔

یہ امام احمد رضا کے مطالعے کی وسعت اور ان کا استحضار ذہنی ہے کہ ایک آیت کے ترجمہ میں انھوں نے صورت بشری میں مماثلت والا قول اختیار کیا اور دوسری کے ترجمہ میں آدمی ہونے مماثل

ہونے کا قول اختیار کیا۔

"تم جیسا آدمی ہوں" کہا جائے یا "آدمی ہونے میں تم جیسا ہوں" کہا جائے دونوں کے مفہوم و مراد میں کوئی فرق نہیں۔

اہل سنت کو ہمیشہ یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ انبیاے کرام یقیناً انسان اور بشر ہیں مگر دیگر انسانوں سے بدرجہا افضل و برتر ہیں، ہماری غلامی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم انھیں ان کے اعلی القاب وآداب سے یاد کریں جو ان کے شایان شان ہوں، نہ یہ کہ ان کے لیے موقع بے موقع بشر، بشر کی رٹ لگائیں اور یہ تو نہایت اندھاپن ہے کہ ان کے اعلی وارفع کمالات سے آگاہ ہونے کے باوجود انھیں "اپنے جیسا بشر" کہیں، یہی تو ہر زمانے کے کفار کہتے رہ گئے اور اسی پر نظر رکھنے کی وجہ سے ایمان سے بھی محروم رہے، اب بھی جو تنقیص و تحقیر کے لیے انھیں "اپنے جیسا بشر" کہتے ہیں ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

یہ کیوں نہیں دیکھتے کہ صوم وصال کے موقع پر سرکار نے صحابۂ کرام سے صاف صاف فرمایا: "لست مثلکم"، "لست کھیئتکم" میں تمھارے مثل نہیں، میں تمھاری طرح نہیں۔ (بخاری)

یہ بھی یاد رکھیں کہ جو الفاظ بڑی شخصیات خاص طور سے انبیاے کرام تواضع وخاکساری کے طور پر اپنے لیے استعمال کریں ان کا ہمیں ان حضرات کے لیے بے موقع اور بے ضرورت استعمال کرنا جائز ودرست نہیں ہے۔

امام احمد رضا انکساری میں خود کو فقیر لکھتے ہیں تو کیا ہم بھی انھیں فقیر کہیں گے۔ اگر کوئی خود کو ننگ اسلاف کہے لکھے تو کیا اس کے عقیدت مند اسے ننگ اسلاف کہنے لکھنے پر راضی ہوں گے؟ ہرگز نہیں لہذا لفظ بشر بھی بے ضرورت انبیاے کرام کے حق میں بولنا لکھنا جائز نہیں بلکہ ان کی توہین ہے۔ اللہ تعالی ہمیں بارگاہ انبیا کا باادب غلام بنائے۔ آمین بجاہ حبیبك سیدنا محمد و آلہ و صحبہ اجمعین.

* * *

فتاویٰ رضویہ: ایک تعارف

مولانا محمد صادق مصباحی

استاذ مدرسہ عربیہ سعید العلوم، لچھمی پور، مہراج گنج، یوپی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اللہ رب العزت کی جانب سے ،امام اہل سنت، علامہ شاہ احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان [۱۰شوال ۱۲۷۲ھ - ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ] کو خداداد ذہن وحافظہ ملا تھا۔ ۱۳سال، ۱۰ماہ کی عمر میں مروجہ درسی کتابوں سے فراغت حاصل فرمائی۔ جس دن فارغ التحصیل ہوئے اسی دن سے فتویٰ لکھنا شروع کردیا تھا۔ پہلا فتویٰ جو لکھا، ایسا صحیح ودرست، مکمل ومدلل کہ والد ماجد علامہ نقی علی خاں عش عش کر اُٹھے۔ اور یہ سلسلہ ۱۳سال دس مہینے کی عمر سے سالِ وصال ۱۳۴۰ھ [پورے ۵۴سال] تک جاری رہا۔

علم فقہ میں اعلیٰ حضرت کا مقام

آپ کے علم وفضل اور خاص کر علم فقہ میں تبحر کا اعتراف تو ان اہل علم کو بھی ہے جنھیں مسلک ومشرب میں آپ سے اختلاف ہے۔ مثلاً: ملک غلام علی، جو ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے معاون ہیں، اپنے ایک بیان میں [جسے ہفت روزہ ’’شہاب‘‘ لاہور نے ۲۵ر نومبر ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں درج کیا ہے] لکھتے ہیں:

’’حقیقت یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے بارے میں اب تک ہم لوگ سخت غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں۔ ان کی بعض تصانیف اور فتاوے کے مطالعہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں نے ان کے یہاں پائی ہے وہ بہت کم علما میں پائی جاتی ہے۔ اور عشقِ خدا ورسول تو ان کی سطر سطر سے پھوٹا پڑتا ہے۔‘‘ (ارمغان حرم، ص ۴، مطبوعہ لکھنؤ)

مولانا عبد الحی رائے بریلوی، والد مولانا ابوالحسن علی ندوی کا بیان ہے:

’’بیش تر علوم وفنون خصوصاً علم فقہ واصول میں اپنے معاصرین پر فائق تھے‘‘۔

(نزہۃ الخواطر، ج ۸، ص ۴۰، بعنوان: المفتی احمد رضا البریلوی، نور محمد کراچی)

مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

”ان کے زمانے میں فقہِ حنفی اور اس کی جزئیات پر آگاہی میں شاید ہی کوئی ان کا ہمسر ہو، اس حقیقت پر ان کا مجموعۂ فتاوی اور ان کی کتاب ”کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم“ شاہد ہے، جو انھوں نے ۱۳۲۳ھ میں مکہ معظمہ میں لکھی۔“ (تکملۂ مصدر سابق، ص ۴۱)

یہ آرا ان لوگوں کی ہیں جن سے مسلکی اختلافات ہیں۔ اور جو مسلک میں متحد ہیں ان کی آرا کا تو شمار نہیں۔ تفصیل کے لیے” حسام الحرمین مع تصدیقات، الدولۃ المکیہ مع تقاریظ، مقدمہ کفل الفقیہ الفاہم، معارف رضا، فاضل بریلوی علماے حجاز کی نظر میں، سوانح اعلی حضرت، الاجازات المتینہ، تذکرۂ علماے ہند، الصوارم الہندیہ وغیرہ کی جانب مراجعت کی جائے۔

فتاویٰ رضویہ کا تعارف

”فتاویٰ رضویہ“ اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کی ذہانت وفطانت، تبحُّرِ علمی اور تَفَقُّہ فی الدین کا ایک عظیمُ الشان اور فقیدُ المثال شاہکار ہے۔ ایک صدی گزرنے کے باوجود اب تک فقہِ حنفی کے فتاویٰ کا ایسا جامع، مَبسوط، مُدَلَّل اور مُبرہَن کوئی دوسرا مجموعہ مُرَتَّب نہ ہوسکا۔ جہازی سائز کی ۱۲/ جِلدوں پر مشتمل فتاویٰ رضویہ شریف جو اَب تحقیق و تخریج اور عربی وفارسی عبارتوں کے ترجمہ کے بعد جدید طَرزِ طَبع سے مُزیّن ہوکر ۳۳ جلدوں تک پہنچ گیا ہے، جسے ہم بلا مبالغہ اردو زبان میں دنیا کا ضخیم ترین فتاویٰ کہہ سکتے ہیں۔

اس بے مثال علمی شاہکار کا نام امام اہلِ سنت علیہ رحمۃ ربِّ العزّت نے ” اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّہ فِی الْفَتَاوِی الرَّضَوِیَّہ “ رکھا ہے، جو جدید تحقیق وتخریج کے ساتھ شائع ہونے کے بعد ۲۱۶۵۶/ صفحات، ۶۸۴۷/ سوالات وجوابات اور ۲۰۶/ تحقیقی رسائل پر مشتمل ہے۔ جب کہ ہزاروں مسائل ضِمناً زیرِ بحث آئے ہیں۔ (ملخصًا پیش لفظ، از فتاویٰ رضویہ جلد:۳۰، ص: ۱۰، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ لاہور)

فتاویٰ رضویہ کا مقام

فتاویٰ رضویہ کے بلند علمی مقام کا اندازہ لگانے کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ اس میں احکامِ شریعت دریافت کرنے والے صرف عوامُ الناس ہی نہیں؛ بلکہ اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ ربِّ العزّت کے بحرِ علم سے پیاس بجھانے والوں میں ملک وبیرونِ ملک سے تعلق رکھنے والے وقت کے بڑے بڑے عُلَما و فُضَلا،

مُفتیانِ عِظام، مُحدّثینِ کرام، مشاہیر مُصنّفین و موّرخین، اصحابِ طریقت و معرفت، دانشور و وکلا حتیٰ کہ مخالفین بھی شامل ہیں۔ اُن تشنگانِ عِلم کی تعداد ایک تحقیق کے مطابق ۵۴۱ ر بنتی ہے جنھوں نے پیچیدہ مسائل میں غور و خوض کرنے کے بعد، ان مسائل کے کافی و شافی حل کے لیے امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ سے رابطہ کیا۔ اور اعلیٰ حضرت نے انھیں تحقیقی اور تسلّی بخش جوابات عنایت فرمائے۔

اگر فتاویٰ رضویہ غیر مخرجہ کی ۹ر جلدوں [پہلی سے ساتویں اور دسویں، گیارہویں جلد] میں دریافت کیے گئے اِستفتا کی تعداد کو دیکھا جائے تو وہ ۴۴۹۴ ر ہے، جس میں سے ۳۴۳۳ ر عوامُ الناس کے اِستفتا ہیں، جب کہ ۱۰۶۱ ر اِستفتا علماے کرام نے بھیجے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ ربِّ العزّت سے سوال کرنے والوں میں ایک چوتھائی تعداد صرف علما و دانشوروں کی ہے۔

(دیکھیے: فتاویٰ رضویہ کا اجمالی خاکہ، پیش لفظ، ج ۱، ص ۲۶ — ۲۸)

فتاویٰ رضویہ کی نمایاں خصوصیات

[۱] فتوی کی ترتیب میں سب سے پہلے قرآنی آیات اس کے بعد احادیث کا حوالہ آتا ہے۔

[۲] فقہاے احناف کی کتابوں کے حوالے کثرت سے دیتے ہیں، صرف حوالہ ہی نہیں دیتے بلکہ نئے نکات کا اضافہ بھی کرتے ہیں۔

[۳] فتوی دیتے وقت اپنے و بیگانے کی تمیز نہیں کرتے، بلکہ جو تحقیق سے حاصل ہو وہی بیان کرتے ہیں۔

[۴] علمِ کلام، علمِ حدیث، اصولِ حدیث اور فِقہ کے علاوہ طب، نُجوم، تاریخ، ہیئت، فلسفہ اور اس جیسے کئی علومِ جدیدہ وقدیمہ کے متعلق فتاویٰ اور مسائل بھی فتاویٰ رضویہ کا حصہ ہیں۔

[۵] فتاویٰ رضویہ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں موجود ہر رسالے کا نام تاریخی ہے جس سے اس رسالہ کا سنہ تحریر نکالا جاسکتا ہے۔

[۶] سوال کے ہر پہلو کی تنقیح بھی فتاویٰ رضویہ کا خاصّہ ہے۔ جیساکہ ایک سوال، طلاق واقع ہونے یا نہ ہونے کے متعلق پوچھا گیا۔ تو جواب میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا:

”جس طرح سوال کیا گیا ہے اور جو معاملہ کی نوعیت ہے، اس لحاظ سے تو اس سوال کے ۵۸ ر جواب ہوسکتے ہیں؛ کیوں کہ اس کی ۵۸ ر شکلیں بنتی ہیں۔“

نہ جانے سوال کرنے والے کو کون سی شکل درپیش ہو۔ لٰہذا تمام ممکنہ صورتوں کا جواب بھی مَرحمت

فرمایا۔ اور کہیں سائل ۵۸/ شکلوں کے اس جواب کو دیکھ کر پریشان نہ ہو جائے اور اسے فیصلہ کرنا دشوار نہ ہو جائے ان سب صورتوں کا حکم چار اصل کلّی سے نکال کر اس جواب کو آسان بھی فرما دیا۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۱۲، ص ۴۳۶، ملخصًا)

[۷] اس میں موجود فتاویٰ، قرآن و حدیث، نُصوصِ فقہیہ و اقوالِ سَلف و خَلف سے بھرپور نظر آتے ہیں۔ ایک ہی مسئلہ پر کثرت سے حوالے دیتے ہیں، جو بعض اوقات سو [۱۰۰] سے اوپر چلے جاتے ہیں۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

کثرت حوالہ کی مثالیں:

[۱] فتویٰ ''الھادی الحاجب عن جنازۃ الغائب'' میں ۸۶/ کتابوں کے ۲۳۰/ حوالے دیے ہیں۔ غائبانہ نمازِ جنازہ کے عدم جواز پر یہ رسالہ اپنی نظیر آپ ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:۹، ص:۳۱۷ ـ ۳۶۹)

[۲] سجدۂ تعظیمی کی حُرمت پر جب مصنفِ فتویٰ نے قلم کو جُنبش دی تو ۴۰/ احادیث اور ڈیڑھ سو نُصوص سے اپنے دعوے کو ثابت کیا۔ (فتاویٰ رضویہ، ج: ۲۲، ص: ۲۵۱، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ لاہور)

[۳] سماعِ موتی کے مسئلے پر تحقیقی رسالہ حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات ۱۶۰/ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں ۶۰/ احادیث اور ۳۰۰/ اقوال علما بطور حوالہ پیش کیے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:۹ص:۶۷۵ـ ۸۳۶)

[۴] جمع بین الصلاتین کے مسئلے پر ۱۵۵/ صفحات پر فتویٰ میں ۸۰/ احادیث اور سیکڑوں حوالے دیے ہیں۔ (رسالہ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج۵، ص ۱۵۹ ـــ ۳۱۳)

[۵] تیمم کی تعریف و ماہیتِ شرعیہ کا ایسا علمی و تحقیقی مسئلہ بھی اس فتاویٰ کی زینت ہے کہ دورِ حاضر کے بلند پایہ محققین بھی ورطۂ حیرت میں پڑ جاتے ہیں، پہلے تیمم کی ۷/ تعریفات ذکر کی گئیں، پھر پانی سے عجز کی ترتیب وار ۱۷۵/ صورتیں بیان فرمائیں، جو دیگر کُتُبِ فقہ میں ۴۰/ یا ۵۰/ سے زائد نہ ملیں گی۔ نیز جن چیزوں سے تیمم کیا جاسکتا ہے، پہلے کُتُبِ فقہ سے تقریبًا ۷۴/ اشیا کے نام باحوالہ ذکر کرنے کے بعد مصنف فتویٰ نے اپنی خُداداد فقاہت کی بدولت اس میں ۱۰۷/ کا خود سے اضافہ فرمایا۔ جن سے تیمم جائز نہیں، کُتُبِ فقہ سے ۵۸/ کا بحوالہ ذکر فرمانے کے بعد اپنے تَفَقُّہ سے اس میں ۷۲/ کا اضافہ فرمایا۔ جملہ اشیا کا شمار کسی قابلِ اعتماد فقہی کتاب میں ملنا تو در کنار ان کا نصف بھی ایک ساتھ نہ مل پائے گا۔

(رسالہ حسن التعمم، فتاویٰ رضویہ، ج ۳، ص ۳۱۱ ـــ ۶۵۷، و ج ۴، ص ۳۱ ـــ ۳۲۰)

[۶] دلائل و اِستشہادات کی کثرت کی جو بہار فتاویٰ رضویہ میں ہے کسی اور مجموعۂ فتاویٰ میں اس کا عُشرِ عَشیر بھی نہیں ملتا، جس کی ایک مثال "لَمعَةُ الضُّحی فِی اِعْفَآءِ اللُّحی" جیسا تحقیقی فتویٰ ہے۔ جو ایک مُٹھی داڑھی کے وجوب پر تحریر کیا گیا ہے۔ اس میں زوائد کے علاوہ اصلِ مقصد میں ۱۸/ آیتوں ۷۲/ حدیثوں، ۶۰/ ارشاداتِ علما وغیرہ کل ڈیڑھ سو نُصُوص کے ذریعے باطل کا اِبطال اور حق کا اِحقاق کیا گیا۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۲۲، ص ۶۰۷)

[۷] نبیِ کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلَّم کے افضلُ المُرسَلین ہونے پر ایک عالمِ دین (حضرت مرزا غلام قادر بیگ بریلوی قادری برکاتی) نے سوال کیا کہ نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلَّم کی افضلیت پر صراحتاً کوئی آیتِ قرآنی نہیں ملتی۔ تو آپ نے ۱۰/ آیاتِ کریمہ اور ۱۰۰/ احادیثِ عظیمہ سے حق کو اُجاگر فرمایا۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۳۰، ص ۱۲۹)

[۸] نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلَّم کے نام پاک پر انگوٹھے چومنے کے مسئلے پر "مُنِیْرُ الْعَیْن فِیْ حُکْمِ تَقْبِیْلِ الْاِبْهامَیْن" کے نام سے تقریباً ۲۰۰/ صفحات پر مشتمل فتویٰ بھی فتاویٰ رضویہ کا حصہ ہے جو ۳۰/ افادات اور ۱۲/ فائدوں پر مشتمل ہے اور ہر فائدے میں ایک اُصولِ حدیث ذکر کرنے کے بعد اس کے اِثبات میں دلائل کا انبار لگا دیا ہے۔ حدیثِ ضعیف کے قبول و رد پر علمِ اصولِ حدیث کے قواعد کی روشنی میں ایسا جامع اور مُفصّل کلام کیا کہ دیکھنے والے اَنگُشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ، ۵ج، ص ۴۲۹)

[۹] فتاویٰ رضویہ کا ۲۴/ صفحات پر مشتمل مختصر رسالہ بنام "اَلتَّحْبِیْر بِبَابِ التَّدْبِیْر" بھی ۲۱/ آیات قرآنی، ۴۰/ احادیث نبوی اور کثیر نصوص و جزئیات سے معمور ہے۔ اتنا تحریر کرنے کے بعد صاحبِ فتویٰ اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ ربِّ العزّت کی شان دیکھیے، آپ فرماتے ہیں:

"فقیر غَفَرَ اللہُ تعالیٰ لَہٗ دعویٰ کرتا ہے کہ اِنْ شَآءَ اللہ تعالیٰ اگر محنت کی جائے تو، دس ہزار سے زائد آیات و احادیث اس پر جمع ہو سکتی ہیں؛ مگر کیا حاجت۔۔۔"

(فتاویٰ رضویہ، ج ۲۹/ ص ۳۲۴)

یہ صرف فقہی فتاویٰ کی چند مثالیں ہیں۔ اب ایک سائنسی تحقیق کا جلوہ بھی ملاحظہ فرمائیے:

[۱۰] امریکی مُنجّم پروفیسر البرٹ نے ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۷/ دسمبر ۱۹۱۹ء کو ایک ہولناک پیش گوئی کی، جس میں سورج میں سوراخ ہونے اور زمین کی تباہی کے متعلق اِنکشافات تھے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ

تعالیٰ علیہ نے آیاتِ قرآنیہ اور ۱۷/ دلائلِ عقلیہ کے ذریعے اس کی پیش گوئی کو پارہ پارہ کرنے کے بعد آخر میں فرمایا: ''بیانِ منجم پر اور مواخذات بھی ہیں، مگر ۱۷/ دسمبر کے لیے ۱۷/ پر ہی اکتفا کریں۔''

(فتاویٰ رضویہ، ج ۲۷، ص ۲۴۱ تا ۲۴۲)

اور پھر سب نے دیکھا کہ اس منجم کی پیش گوئی جھوٹی اور امام اہلِ سنت کا کلام سچا ثابت ہوا۔

[۱۱] امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کا ایک محیر العقول خطبہ:

فتاویٰ رضویہ، علوم و فنون کے بے شمار جواہر پاروں سے مُزَیَّن ہے۔ اس کی ایک چھوٹی سی نظیر فتاویٰ رضویہ جلد اول کا خطبہ ہے جس سے آپ نے اس فقہی انسائیکلوپیڈیا کا آغاز فرمایا۔ اس میں مصنف نے ائمۂ مجتہدین و کُتُبِ فِقہ کے تقریباً ۹۰/ اسماے گرامی کو صَنْعَتِ بَراعتِ اِستہلال کے طور پر استعمال کرتے ہوئے اس انداز سے ایک لڑی میں پرودیا ہے کہ اللہ عَزّوَجَلّ کی حمد و ثنا اور اس کے پیارے حبیب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توصیف و ثنا بھی ہوگئی اور ان اسماے مقدّسہ سے تبرک بھی حاصل ہوگیا۔ اس خُطبے سے مصنف کی فقاہت، ذہانت، قادرُ الکلامی اور وُسعتِ علمی کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ جس امام کا خطبہ اس قدر محیر العقول ہے، اُس کے فتاویٰ کا عالَم کیا ہوگا۔ اور وہ بھی ایک دو جلدوں کا نہیں بلکہ اشاریہ فہارس ملا کر کل تینتیس [۳۳] جلدیں بنتی ہیں، فتاوی افریقہ الگ ہے۔ اور یہ بھی تمام فتاوی نہیں بلکہ چند فتاوی کا مجموعہ ہے۔

خطبہ ملاحظہ فرمائیں:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

نَحمده و نصَلی علیٰ رسوله الکریم

الحمد لله هو الفقه الاکبر[۱]، والجامع الکبیر[۲] لزیادات[۳] فیضه[۴] المبسوط[۵] الدرر[۶] والغرر[۷]. به الهدایة[۸]. ومنه البدایة[۹]. والیه النهایة[۱۰]. بحمده الوقایة[۱۱]. ونقایة[۱۲] الدرایة[۱۳]. وعین العنایة[۱۴]. وحسن الکفایة[۱۵].

والصّلاة والسلام علی الامام الاعظم للرسل الکرام. مالکی وشافعی احمد الکرام. یقول الحسن بلا توقف. محمد الحَسَنُ ابو یوسف. فانه الاصل المحیط. لکل فضل بسیط. ووجیز ووسیط. البحرالزخار. والدر المختار. وخزائن الاسرار. وتنویر الابصار. وردالمحتار. علیٰ منح الغفار. وفتح القدیر. وزاد الفقیر. وملتقی الابحر. ومجمع الانهر. وکنز الدقائق. وتبیین الحقائق. والبحرالرائق. منه یستمد کل

نهر فائق. فيه المنية. و به الغنية. و مراقى الفلاح. و امداد الفتاح. و ايضاح الاصلاح. ونور الايضاح. وكشف المضمرات. وحل المشكلات. والدرر المنتقى. و ينابيع المبتغى. وتنو ير البصائر. وزواهر الجواهر. البدائع النوادر. المنزه وجو با عن الا شباه والنظائر. مغنى السائلين. ونصاب المساكين. الحاوى القدسى. لكل كمال قدسى وانسى. الكافى، الوافى، الشافى. المصفى، المصطفى المستصفى، المجتبى، المنتقى، الصافى. عُدة النوازل. وانفع الوسائل. لاسعاف السائل. بعيون المسائل. عمدة الاواخر، وخلاصة الاوائل.

وعلٰى اٰله وصحبه. وحزبه. مصابيح الدّجى. ومفاتيح الهدى. لاسيما الشيخين الصاحبين. الاٰخذين من الشريعة والحقيقة بكلا الطرفين. والختنين الكريمين. كل منهما نورالعين. ومجمع البحر ين.

وعلٰى مجتهدى ملته. وائمة امته. خصوصا الاركان الاربعة. والانوار اللامعة. وابنه الاكرم. الغوث الاعظم. ذخيرة الاولياء. وتحفة الفقهاء. وجامع الفصولين. فصول الحقائق والشرع المهذب بكل زين. وعلينا معهم. وبهم ولهم. ياارحم الرحمين. اٰمين اٰمين. والحمد لله رب العٰلمين. (الفتاوى الرضو يه، ج: ۱، ص: ۸۳، ۸٤، خطبة الكتاب، برکات رضا، پور بندر، گجرات)

[ترجمه] بسم الله الرحمٰن الرحيم. نحمده ونصلى على رسوله الكر يم.

”ہم اس کی حمد کرتے اور اس کے کرم والے رسول پر درود بھیجتے ہیں۔ سب خوبیاں خدا کو ہیں، یہی سب سے بڑی فقہ و دانشمندی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فیض کشادہ کی افزائشیں کہ نہایت روشن موتی ہیں، اُن کے لیے بڑی جامع ہے، اللہ ہی سے آغاز ہے اور اسی کی طرف انتہا، اسی کی حمد سے حفظ ہے اور عقل کی پاکیزگی اور عنایت کی نگاہ اور کفایت کی خوبی۔

اور درود و سلام ان پر جو تمام معزز رسولوں کے امام اعظم ہیں، میرے مالک اور میرے شافع، احمد کمال کرم والے، حسن بے توقف کہتا ہے کہ حسن والے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یوسف علیہ الصّلاۃ والسلام کے والد ہیں؛ کیونکہ وہی اصل ہیں، جو ہر فضیلت کبیرہ و صغیرہ و متوسطہ کو محیط ہیں، نہایت چھلکتے دریا ہیں اور چُنے ہوئے موتی، اور رازوں کے خزانے، اور آنکھیں روشن کرنے والے، اور حیران کو اللہ

غفار کی عطاؤں کی طرف پلٹانے والے، قادر مطلق کی کشائش ہیں، اور محتاجوں کے توشے، تمام کمالات کے سمندر انھیں میں جاکر ملتے ہیں اور سب خوبیوں کی نہریں انھیں میں جمع ہیں، باریکیوں کے خزانے ہیں، اور تمام حقائق کے روشن بیان، اور خوش نما صاف شفاف سمندر کہ ہر فوقیت والی نہر انھیں سے مدد لیتی ہے، انھیں میں آرزو ہے اور انھیں کے سبب باقی سب سے بے نیازی، اور مراد پانے کے زینے اور تمام ابواب خیر کھولنے والے کی مدد، اور آراستگی کی روشنی، اور اس روشنی کے لیے نور، اور غیبوں کا کھلنا، اور مشکلوں کا حل ہونا، اور چُنا ہُوا موتی، اور مراد کے چشمے، اور دلوں کی روشنیاں، اور نہایت چمکتے جواہر، عجب ونادر، وہ مثل ونظیر سے ایسے پاک ہیں کہ ان کا مثل ممکن نہیں، سائلوں کو غنی فرمانے والے ہیں، اور مسکینوں کی تونگری۔ ہر کمال ملکوتی وانسانی کے پاک جامع ہیں، تمام مہمات میں کافی ہیں، بھرپور بخشنے والے، سب بیماریوں سے شفا دینے والے، مصفی، برگزیدہ، پاکیزہ چُنے ہوئے، ستھرے صاف، سب سختیوں کی دقت کے لیے سازوسامان ہیں، سائل کو نہایت عمدہ منہ مانگی مرادیں ملنے کے لیے سب سے زیادہ نفع بخش وسیلے ہیں، عجب پچھلوں کے تکیہ گاہ اور اگلوں کے خلاصے۔

اور ان کے آل واصحاب اور ازواج وگروہ پر درودوسلام جو ظلمتوں کے چراغ اور ہدایت کی کنجیاں ہیں، خصوصًا اسلام کے دونوں بزرگ، مصطفی کے دونوں یار کہ شریعت وحقیقت دونوں کناروں کے حاوی ہیں، اور دونوں کرم والے شادیوں کے سبب فرزندی اقدس سے مشرف کہ اُن میں ہر ایک آنکھ کی روشنی اور دونوں سمندروں کا مجمع ہے، اور ان کے دین کے مجتہد، امت کے اماموں پر خصوصًا شریعت کے چاروں رکن، چمکتے نور، اور ان کے نہایت کریم بیٹے غوثِ اعظم پر کہ اولیا کے لیے ذخیرہ ہیں، اور فقہا کے لیے تحفہ، اور حقیقت اور وہ شریعت کہ ہر زینت سے آراستہ ہے، دونوں کی فصول کے جامع، اور ہم سب پر اُن کے ساتھ ان کے صدقہ میں اُن کے طفیل، اے سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان، سن لے، قبول کر۔ ''

یہ تو اس عظیم وبے نظیر شاہکار کے بحرِ بے کَراں میں سے چند قیمتی موتی بطورِ نمونہ ذکر کیے گئے ہیں؛ ورنہ اس کی گہرائیوں میں سے گوہرِ نایاب نکالنے کے لیے محققین اب تک اس سمندر میں غوطہ زن ہیں اور یہ سلسلہ جاری وساری رہے گا۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہ تعَالٰی۔

شُماریات:

فتاوی کی نئی اشاعت جو لاہور سے ۱۹۹۰ء سے ۲۰۰۵ء تک عربی و فارسی عبارات مع رسائل و تخریجِ حوالہ جات کے ہوئی، اس کے مطابق مشمولات کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

جلد نمبر	عنوانات	جوابات اسئلہ	تعداد رسائل	سنین اشاعت	صفحات
۱	كتاب الطهارة	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ، مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	كتاب الطهارة	۳۳	۷	ربیع الآخر ۱۴۱۲ھ، نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	كتاب الطهارة	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ، فروری ۱۹۹۲ء	۷۵۶
۴	كتاب الطهارة	۱۲۵	۵	رجب ۱۴۱۳ھ، جنوری ۱۹۹۳ء	۷۶۰
۵	كتاب الصلوٰة	۱۴۰	۶	ربیع الاول ۱۴۱۴ھ، ستمبر ۱۹۹۳ء	۶۹۲
۶	كتاب الصلوٰة	۴۵۷	۴	ربیع الاول ۱۴۱۵ھ، اگست ۱۹۹۴ء	۷۳۶
۷	كتاب الصلوٰة	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ھ، دسمبر ۱۹۹۴ء	۷۲۰
۸	كتاب الصلوٰة	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ھ، جون ۱۹۹۵ء	۶۶۴
۹	كتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ھ، اپریل ۱۹۹۶ء	۹۴۶
۱۰	كتاب الجنائز، كتاب الصوم، كتاب الحج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاول ۱۴۱۷ھ، اپریل ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	كتاب النكاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ھ، اگست ۱۹۹۶ء	۷۳۶
۱۲	كتاب النكاح، كتاب الطلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ھ، مئی ۱۹۹۷ء	۶۵۶
۱۳	كتاب الطلاق، كتاب الايمان، كتاب الحدود و التعزير	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ، نومبر ۱۹۹۷ء	۶۸۸
۱۴	كتاب السير	۳۳۹	۷	جمادی الآخرۃ ۱۴۱۹ھ، ستمبر ۱۹۹۸ء	۷۱۲
۱۵	كتاب السير	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ھ، اپریل ۱۹۹۹ء	۷۴۴
۱۶	كتاب الشركة، كتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ، ستمبر ۱۹۹۹ء	۶۳۲
۱۷	كتاب البيوع، كتاب الحواله، كتاب الكفاله	۱۵۳	۲	ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ، فروری ۲۰۰۰ء	۷۱۶
۱۸	كتاب الشهادة، كتاب القضاء والدعاوى	۱۵۲	۲	ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ، جولائی ۲۰۰۰ء	۷۴۰

۱۹	كتاب الوكالة، كتاب الإقرا، كتاب الصلح، كتاب المضاربة، كتاب الأمانات، كتاب العارية، كتاب الهبة، كتاب الإجارة، كتاب الاكراه، كتاب الحجر.	۲۹۶	۳	ذی قعدہ ۱۴۲۱ھ، فروری ۲۰۰۱ء	۶۹۲
۲۰	كتاب الغصب، كتاب الشفعة، كتاب القسمة، كتاب المزارعة، كتاب الصيد والذبائح، كتاب الاضحية	۲۳۴	۳	صفر المظفر ۱۴۲۲ھ، مئی ۲۰۰۱ء	۶۳۲
۲۱	كتاب الحظر والاباحة	۲۹۱	۹	ربیع الاول ۱۴۲۳ھ، مئی ۲۰۰۲ء	۶۷۶
۲۲	كتاب الحظر والاباحة	۲۴۱	۶	جمادی الآخرہ ۱۴۲۳ھ، اگست ۲۰۰۲ء	۶۹۲
۲۳	كتاب الحظر والاباحة	۴۰۹	۷	ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ، فروری ۲۰۰۳ء	۷۶۸
۲۴	كتاب الحظر والاباحة	۲۸۴	۹	ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ، فروری ۲۰۰۳ء	۷۲۰
۲۵	كتاب المداينات، كتاب الاشربة، كتاب الرهن، كتاب القسم، كتاب الوصايا	۱۸۳	۳	رجب المرجب ۱۴۲۴ھ، ستمبر ۲۰۰۳ء	۶۵۸
۲۶	كتاب الفرائض، كتاب الشتى حصه اول	۳۲۵	۸	محرم الحرام ۱۴۲۵ھ، مارچ ۲۰۰۴ء	۶۱۶
۲۷	كتاب الشتى حصه دوم	۳۵	۱۰	جمادی الآخرہ ۱۴۲۵ھ، اگست ۲۰۰۴ء	۶۸۴
۲۸	كتاب الشتى حصه سوم	۲۲	۶	ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ، جنوری ۲۰۰۵ء	۶۸۴
۲۹	كتاب الشتى حصه چهارم	۲۱۵	۱۱	رجب ۱۴۲۶ھ، اگست ۲۰۰۵ء	۷۵۲
۳۰	كتاب الشتى حصه پنجم	۴۴	۱۰	رجب ۱۴۲۶ھ، اگست ۲۰۰۵ء	۷۷۲

امام احمد رضا اور فقہی ضوابط کی تدوین

از: حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی، برکاتی
صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ٥ والصلاۃ والسلام علی حبیبہٖ سید المرسلین ٥ وعلی اٰلہٖ وأصحابہٖ وفقہاء ملتہٖ أجمعین.

فقیہ فقید المثال اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی عظیم کتاب "**فتاوی رضویہ**" نبوی انعامات وعلوم کا بیش بہا مجموعہ ہے، جس میں تحقیقات کے بے شمار موتی بکھرے ہوئے ہیں اور وہ مختلف انواع کے ہیں۔ انھیں میں سے کچھ گوہر نایاب فقہ حنیف کے وہ ضابطے بھی ہیں جن کو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنی خداداد ذہانت سے وضع فرمایا ہے۔

فتاوی رضویہ میں تین طرح کے ضوابط[1] پائے جاتے ہیں:

(۱) وہ ضوابط جو ائمہ مذہب یا فقہائے حنفیہ نے بیان فرمائے۔ یہ ضابطے دو طرح کے ہیں:

☆ کچھ تو معروف ضوابط ہیں جنہیں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ جیسے: "إنما الأعمال بالنیات"۔

☆ اور کچھ وہ ہیں جنہیں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے بیان کی جدت وجودت کے ذریعہ ضابطے کی شکل دے دی ہے حالاں کہ وہ اجلہ فقہا کے ہی کلمات کی تعبیر ہیں۔ ہم باب سوم میں اس نوع کے کچھ ضابطے بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

(۲) وہ ضوابط جو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے نصوص سے ماخوذ ہیں ان کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔ ہم حصول برکت کے لیے، نمونے کے طور پر اس مقالے میں اس نوع کے دو ضابطے شامل کر رہے ہیں۔

(۳) وہ ضوابط جن کے وضع کرنے کا سہرا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے سر ہے۔ یہ آپ کی تحقیقات

---

(۱) اس مقالہ میں اسم جلالت "اللہ" کے عدد کے مطابق ۶۶ر فقہی ضابطے جمع کیے گئے ہیں اور بھی بہت ضابطے باقی ہیں۔ محمد نظام الدین رضوی، برکاتی

کا وہ نقش زریں ہے جس کی طرف شاید ابھی تک اہل علم کی توجہ نہ ہو سکی۔ میں ایک بے بضاعت طالبِ علم ہوں، ایسے عظیم کام کے لیے کیا ہمت کرتا مگر اللہ تعالی کا کرم شامل حال ہو تو ایک ذرۂ بے مقدار بھی کوئی کار اہم انجام دے سکتا ہے تو بس اسی کی ذات پر بھروسہ کر کے اور اسی کے ذکر کا توشہ لے کر ترتیبِ ضوابط کا سفر شروع کرتا ہوں۔

یہ اداس راہ منزل، یہ مری شکستہ پائی
میں تو تھک کے بیٹھ جاتا تری یاد کام آئی

میرا مقصود اس اہم گوشے کے کچھ نمونوں کے ذریعہ اعلی حضرت علیہ الرحمہ کی بے مثال فقاہت کا مشاہدہ کرانا ہے اور اس کی تکمیل کاملانِ فن کے حوالے ہے۔

فقہی ضابطے دو طرح کے ہیں:

(۱) کچھ تو وہ ہیں جن کو وضع کرنا مجتہد مطلق کی ہی شان ہے۔ یہ وہ ضابطے ہیں جو اصول فقہ کی کتابوں میں بیان کیے جاتے ہیں۔ مثلاً: ● خاص، عام مشترک، مؤول ● ظاہر، نص، مفسر، محکم ● خفی، مشکل، مجمل، متشابہ ● حقیقت، مجاز، صریح، کنایہ ● عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص، اقتضاء النص ● ادائے کامل، ادائے قاصر ● قضا بہ مثل معقول، قضا بہ مثل غیر معقول ● حسن لعینہ، حسن لغیرہ ● قبیح لعینہ، قبیح لغیرہ ● حقیقت متعذرہ، حقیقت مہجورہ، حقیقت مستعملہ ● مہجورہ شرعیہ، مہجورہ عادیہ ● عزیمت، رخصت وغیرہ۔

کتاب وسنت کے نصوص کو سامنے رکھ کر تدبر قرآن کے لیے یہ جداگانہ ضابطے مقرر کرنا اور ان کے احکام متعیّن کرنا، پھر اس امر کا اذعان وایقان کہ نصوص کتاب وسنت سے سمجھے جانے والے یہ احکام اللہ عز وجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی مراد ومنشا کے مطابق ہیں یہ ایسے نادر الوجود علمائے کاملین کے شایان شان ہے جنھیں اللہ تعالی نے فقاہت عظمٰی کے منصب پر فائز کیا ہے۔

یہ ضوابط در حقیقت قرآن فہمی ومراد رسی کے ضوابط ہیں جن کو شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے بیان نہیں فرمایا لیکن اللہ تعالی نے کچھ ایسے عبقری اور باکمال فقہا پیدا فرمائے جنھوں نے اپنی خداداد قوتِ فہم وتدبر سے ایسے قوانین وضوابط وضع فرما دیے جن سے کتاب وسنت کی استدلالی حیثیت متعیّن ہو کر سامنے آجاتی ہے اور سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس پر اجر کی بشارت بھی دی ہے۔

ایسے فقہا میں سر فہرست نام ہے سراج الامہ، کاشف الغُمہ، امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی

رضی اللہ تعالی عنہ کا، آپ نے سب سے پہلے ''وحیِ متلو'' کے فہم وتدبر اور مراد رسی کے ضابطے وضع فرماکر تمام مراحل حیات کے احکام مرتب فرمائے، ان احکام کو ''فقہ حنفی'' اور ضوابط ودلائل کو ''اصولِ فقہِ حنفی'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اب ایسے فقہانہیں پائے جاتے۔

وے صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

(۲) اور کچھ ایسے ضابطے ہیں جو مجتہد مطلق کے ساتھ خاص نہیں۔ یہ فقہاے ممیّزین و مُرجحین کی جولان گاہ ہیں۔ یہ فقہا مذہب کے کثیر جزئیات، فروع، تخریجات اور اطلاقات وقیود اور ان کے دلائلِ ترجیح وتصحیح کو سامنے رکھ کر ایسا ضابطہ وضع کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کے دامن میں وہ تمام جزئیات وفروع اور تخریجات واطلاقات وقیود سمٹ آئیں۔

اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے اسی نوع کے ضابطے وضع کیے ہیں مگر یہ ضابطے وضع کرنا بھی کوئی آسان کام نہیں، بلکہ یہ ایسے جلیل الشان، فقیہ عبقری کا کام ہے

- جس کی نظر فقہ کے اصول وفروع اور جزئیات وتخریجات اور اطلاقات وقیود پر بہت وسیع ہو،
- ساتھ ہی بہت دقیق اور گہری ہو۔
- ان جزئیات وفروع میں کون مطلق ہے اور کون مقید، کون مجمل ہے اور کون مبیّن۔ کون قول ہے اور کون روایت، کون اَحوط ہے اور کون اَوسع، سب سے باخبر ہو۔
- ایک مسئلے میں کئی قول ہوں، یا ایک ہی قول میں کئی احتمالات ہوں تو وہاں کون سا قول یا احتمال مذہب میں مقبول ہے اور کون سا قول یا احتمال نامقبول، اس سے پوری طرح واقف ہو۔
- کسی مسئلے میں ائمہ مذہب کے کتنے اقوال ہیں، کیا کیا روایتیں ہیں، پھر ان سے تخریجات کیا کیا ہوئی ہیں، پھر عرف وتعامل وغیرہ کے بدلنے سے ان پر اثرات کیا پڑے ہیں، حالات زمانہ کے پیش نظر ان میں تغیرات کیا آئے ہیں، جس وقت ائمہ مذہب یا مشائخ مذہب نے وہ حکم دیا اس وقت حالات زمانہ کیا تھے اور اب کیا ہیں ان سب پر نگاہ رکھتا ہو۔
- پھر یہ جتنے بھی اقوال، احتمالات اور بدلے ہوئے احکام ہیں سب کے موافق ومخالف دلائل سے آگاہ ہو۔ ساتھ ہی دلائل کے درمیان مختلف حیثیتوں سے محاکمہ کرکے کوئی صحیح فیصلہ کرنے پر قادر ہو، یا کم از

کم اسے اقوال و دلائل کے مابین یہ امتیاز حاصل ہو کہ کون قوی ہے اور کون ضعیف۔ جب فقیہ ایسے اوصاف کا جامع ہو تو وہ جزئیات کو سامنے رکھ کر ضابطہ وضع کرنے کی ہمت کرتا ہے۔ بلکہ ضابطے وضع بھی کرتا ہے۔

اب یہ فقہا بھی **کئی درجات** کے ہیں ● جن میں یہ اوصاف کچھ کمی کے ساتھ پائے جاتے ہیں ان کے ضابطے عموماً غیر جامع ہوتے ہیں، یا اعتراضات سے محفوظ نہیں رہ پاتے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنی اس کوشش پر بارگاہ الٰہی سے اجر کے حقدار ہوتے ہیں۔ ● اور جن فقہا میں یہ اوصاف پورے طور پر پائے جاتے ہیں ان کے ضابطے عموماً جامع اور نقد و نظر سے سالم و محفوظ ہوتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان فقہا کے اسی آخری طبقے سے ہیں۔ آپ نے فتاوی رضویہ میں خود اپنے پیش رو فقہا کے ضوابط نقل کر کے یہ عیاں کر دیا ہے کہ ان پر کئی طرح سے اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ پھر آپ وہ **ضابطہ جامعہ** بیان فرماتے ہیں جو ان تمام اعتراضات سے محفوظ اور بالکل بے غبار ہوتا ہے۔ وقت میں گنجائش ہوتی تو ہم ایسے تمام ضابطے نقل کرتے، پھر ان تمام امور پر روشنی ڈالتے۔ مگر اب صرف چند نمونے بلا تبصرہ نقل کرنے پر قناعت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے توفیقِ صواب کی امید رکھتے ہیں۔

منّت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی
منّت ازو شناس کہ بخدمت گزاشتت

یہ ضابطے دو نوع کے ہیں:

☆ دلائل فقہ کے زمرے کے ضابطے،
☆ جزئیات و فروع کو ایک لڑی میں پرونے والے ضابطے،
☆ اور ایک نوع: فقہا سے منقول ضابطے۔

اب ہم ان ضوابط کو اسی ترتیب سے تین ابواب میں بیان کرتے ہیں:

پہلا باب

دلائل فقہ کے زمرے کے ضابطے

فقہ کے دلائل چار ہیں:

(۱) کتابُ اللہ (۲) سنت رسول اللہ (۳) اجماع امت (۴) قیاس- اور (۵) عرف و (۶) تعامل و (۷) توارث بھی بعض احوال میں دلائل فقہ سے شمار ہوتے ہیں، آنے والے ضوابط کا تعلق انھی دلائل سے ہے۔

ضابطہ (۱): قرآن مجید نے مذہب اسلام کی بنیاد صرف انھیں احکام پر نہیں رکھی جن کا خاص بیان قرآن مجید میں آچکا، بلکہ خود قرآن مجید نے اپنے احکام اور نبی ﷺ کے ارشادات دونوں پر بنائے اسلام رکھی ہے۔

اللہ تعالی فرماتا ہے: وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ[۱]

جو کچھ رسول تمھیں دے وہ لو، اور جس سے روکے اس سے بچو۔

اور فرماتا ہے: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ[۲]

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اور فرماتا ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝[۳]

یہ نبی اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا وہ صرف خدا کا حکم ہے جو اسے بھیجا جاتا ہے۔[۴]

ضابطہ (۲): (الف) ایمان نہ ہو تو تعظیم رسول کار آمد نہیں، اور رسول کی سچی تعظیم نہ ہو تو ساری عبادت مردود ہے۔

(ب) حضور سید عالم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی تعظیم مدار ایمان، و مدارِ نجات و مدارِ قبولِ

(۱) القرآن الحکیم، الحشر:۵۹، آیت:۷۔

(۲) القرآن الحکیم، النساء:۴، آیت:۸۰۔

(۳) القرآن الحکیم، النجم:۵۳، آیت:۳،۴۔

(۴) رسالہ: أنفَس الفِکر فی قربان البقر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۱۱، ص:۶۱۵، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

اعمال ہے۔ (ضابطہ ایک ہے تعبیرات الگ الگ ہیں)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

رب عزوجل فرماتا ہے: اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيۡرًا ۙ‏ لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ تُعَزِّرُوۡهُ وَ تُوَقِّرُوۡهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّ اَصِيۡلًا ۝ [1]

اے نبی بے شک ہم نے تمہیں بھیجا گواہ اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا، تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو۔

مسلمانو! دیکھو دین اسلام بھیجنے، قرآن مجید اتارنے، کا مقصود ہی تمھارا مولی تبارک و تعالی تین باتیں بتاتا ہے:

اول یہ کہ اللہ و رسول پر ایمان لائیں۔

دوم یہ کہ رسول اللہ کی تعظیم کریں۔

سوم یہ کہ اللہ تبارک و تعالی کی عبادت میں رہیں۔

مسلمانو! ان تینوں جلیل باتوں کی جمیل ترتیب تو دیکھو، سب میں پہلے ایمان کو ذکر فرمایا اور سب میں پیچھے اپنی عبادت کو اور بیچ میں اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعظیم کو، اس لئے کہ بغیر ایمان، تعظیم بکارآمد نہیں۔ بہتیرے نصاری ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور حضور پر سے دفعِ اعتراضاتِ کافرانِ لئیم میں تصنیفیں کر چکے، لکچر دے چکے مگر جب کہ ایمان نہ لائے، کچھ مفید نہیں کہ ظاہری تعظیم ہوئی، دل میں حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی سچی عظمت ہوتی تو ضرور ایمان لاتے۔ پھر جب تک نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی سچی تعظیم نہ ہو، عمر بھر عبادت الٰہی میں گزرے، سب بے کار و مردود ہے۔

بہتیرے جوگی اور راہب ترک دنیا کر کے، اپنے طور پر ذکر و عبادت الٰہی میں عمر کاٹ دیتے ہیں بلکہ ان میں بہت وہ ہیں، کہ لا إله إلا الله کا ذکر سیکھتے اور ضربیں لگاتے ہیں مگر جب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعظیم نہیں، کیا فائدہ؟ اصلاً قابلِ قبولِ بارگاہ الٰہی نہیں، اللہ عزوجل ایسوں ہی کو فرماتا ہے:

”وَ قَدِمۡنَاۤ اِلٰى مَا عَمِلُوۡا مِنۡ عَمَلٍ فَجَعَلۡنٰهُ هَبَآءً مَّنۡثُوۡرًا ۝“ [2]

جو کچھ اعمال انہوں نے کیے تھے، ہم نے سب برباد کر دیے۔

---

(۱) القرآن الحکیم، الفتح:۴۸، آیت:۸و۹۔

(۲) القرآن الحکیم، الفرقان:۲۵، آیت:۲۳۔

ایسوں ہی کو فرماتا ہے:

"عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝"[۱]

عمل کریں، مشقتیں بھریں اور بدلہ کیا ہوگا؟ یہ کہ بھڑکتی آگ میں جائیں گے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

مسلمانو! کہو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم، مدارِ ایمان و مدارِ نجات و مدارِ قبولِ اعمال ہوئی یا نہیں؟۔ کہو ہوئی اور ضرور ہوئی![۲] ☆

ضابطہ (۳): جب دو فرائض وقتِ واحد میں شخصِ واحد پر شرعاً لازم ہوں اور ان میں سے ایک اعلیٰ ہو اور دوسرا ادنیٰ، تو پہلے اعلیٰ کو ادا کریں پھر ادنیٰ کو کہ اعلیٰ اَولیٰ و راجح ہے۔

یہ ضابطہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے درج ذیل اشعار نعت میں بیان کیا ہے، آپ گویا ہیں:

مولیٰ علی نے واری تری نیند پر نماز
اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے

صدیق بلکہ غار میں جاں اس پہ دے چکے
اور حفظِ جاں تو جان، فروض غرر کی ہے

ہاں تو نے اِن کو جان، اُنھیں پھیر دی نماز
پر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے[۳]

---

(۱) القرآن الحکیم، الغاشیہ: ۸۸، آیت: ۳و۴۔

(۲) رسالہ: تمہید ایمان بآیات قرآن، مشمولہ فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۸، ص: ۲۸۶، ۲۸۷، مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔ و ص: ۱۲، ۱۳، مطبوعہ: رضائے خواجہ پبلیکیشن، اجمیر شریف۔

☆ یہ دونوں (۱، ۲) ضابطے کتاب اللہ سے ماخوذ ہیں ہم نے حصول برکت کے لیے ان ضابطوں سے اپنے مقصود کا آغاز کیا ہے، ساتھ ہی اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اس نوع کے ضابطے اسی طرح کے ہیں۔ کوئی عالم ان ضابطوں کو جمع کرنا چاہیں تو یہ مثالیں ان کے لیے مشعل راہ ہوں گی۔ ۱۲ محمد نظام الدین رضوی

(۳) حدائق بخشش، ص: ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، مکتبۃ المدینہ۔

یہاں اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے پہلے دو طرح کے فرائض کا ذکر کیا ہے

ایک: جان کی حفاظت کا فرض، جو حقوق العباد سے ہے،

دوسرے: نماز عصر کی حفاظت کا فرض، جو حقوق اللہ سے ہے اور یہ نماز تمام نمازوں میں بہت ہی اہمیت کی حامل ہے۔

ارشاد باری ہے: ”حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى“[1]

نمازوں کی حفاظت کرو خاص کر نماز عصر کی۔

مگر ان دونوں سے بڑا فرض محبت رسول ﷺ ہے جس کا مرتبہ جان کی حفاظت سے بھی اعلی ہے اور عصر جیسی اہم ترین نماز سے بھی۔

غار ثور میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ پر ایک ساتھ دو فرائض لازم ہو گئے تھے ایک: جان کی حفاظت، دوسرے: تعظیم رسول۔ آپ نے تعظیم رسالت کے فرض کو ترجیح دی کیوں کہ وہ اپنی جان کی حفاظت کے فرض سے اعلی تھا اور مولائے کائنات علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہ کے ذمہ بھی مقام صہبا میں دو فرائض لازم ہو گئے تھے۔ ایک: نماز عصر کی حفاظت، اور دوسرے: تعظیم رسول۔ تعظیم رسول کا فریضہ اعلی و اولی تھا اس لیے آپ نے اسے ترجیح دی۔

عرف اور تعامل کے حجت ہونے کے سلسلے میں فقہی ضابطے

اس امر پر علمائے سلف وخلف کا اتفاق ہے کہ مسلمانوں کا عرف اور تعامل حجت ہے مگر ● کیا یہ حدیث نبوی کی طرح حجت ہے؟ ● یا اجماع امت کی طرح حجت ہے؟ ● یا اجماع کے قائم مقام ہے؟ ● یا اس کا درجہ ان تینوں سے فروتر ہے؟ اس بارے میں کوئی اطمینان بخش بات فقہا و علما کے کلام میں نہیں ملتی۔

اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں ”الأشباہ والنظائر“ اور ”رد المحتار علی الدر المختار“ کی بحثوں کا مطالعہ کرتا تھا لیکن اضطراب دور نہ ہو سکا اور ایسی جامع گفتگو نہیں مل سکی جو تمام ضروری گوشوں کا احاطہ کرتی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک زمانے سے علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی کتاب ”نشر العرف فی أحکام العرف“ کی دید کا مشتاق تھا۔ جب اس کے مطالعہ کا موقع ملا تو محسوس ہوا کہ یہ بھی کافی وشافی نہیں ہے۔ پھر خدائے ذو الجلال کے لطف خاص سے مجھے اس بارے میں شرح صدر حاصل ہوا اور

---

(۱) القرآن الحکیم، البقرۃ: ۲، آیت: ۲۳۸۔

میں نے عرف و تعامل کے مدارج متعیّن کرکے ہر ایک کے احکام تحریر کیے۔

آپ نے اپنی تحقیق کے اخیر میں یہ انکشاف فرمایا ہے جو آپ کے اصل کلمات میں اس طرح ہے۔

یہ ہے بحمد اللہ و مَنِّہ و کبیر لطفہ و کرمہ وہ تحریر مسئلہ جسے تمام کلمات علمائے کرام کا عطر محصل کہیے اور بفضلہ تعالیٰ کسی تقریر و تاصیل و تفریع کو اس کے مخالف نہ دیکھیے:

وقد كنت أرى في الباب مباحث "الأشباه" وكلمات "ردالمحتار" من مواضع عديدة فلا أجد فيها مايفيد الضبط ويزول به الاضطراب والخبط، وكان العلامة الشامي كثيرا مايحيل المسئلة على رسالته "نشر العَرف" فكنت تواقا إليها مثل جميل إلى بُثَيْنَة، فلما رأيتها وجدتها أيضالم يتحرر لها مايكفي ويشفي ولم يتخلص فيها ماترتبط به الفروع وتاخذ كلمات الأئمة بعضها حجز بعض ولكن ببركة مطالعتها في تلك الجلسة فتح -(۱)

(ترجمہ: میں اس مسئلہ میں "اشباہ" کی بحثوں اور متعدّد مقامات سے "ردالمحتار" کے کلمات دیکھتا تو ان میں کوئی ایسی جامع بات نہیں ملتی جو عرف کی تمام صورتوں کو سمیٹ سکے اور ان کے درمیان بظاہر جو اضطراب وانتشار ہے وہ دور ہو جائے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ زیادہ تر اپنے رسالہ "نشر العَرف" کے حوالے دیتے اس لیے میں اس کی زیارت کا شدید مشتاق تھا جیسے جمیل، بُثینہ کا۔ پھر میں نے جب وہ رسالہ دیکھا تو محسوس ہوا کہ اس میں بھی مسائل عرف کی تنقیح کافی وشافی طور پر نہیں ہے اور اس میں کوئی ایسا واضح ضابطہ نہیں ہے جس سے فروع اور کلماتِ ائمہ میں ربط و تطبیق پیدا ہو سکے۔ ہاں اس رسالے کے مطالعے کی برکت سے اسی نشست میں خدائے فتاح کی طرف سے قلب فقیر پر ایسے ضابطے عیاں ہو گئے جو مسائل عرف کے جامع اور کافی وشافی تھے۔ (نظام)

اب ہم آپ کی تحقیقات کا خلاصہ اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں، پھر آپ کے اصل کلمات بھی ہدیہ ناظرین کریں گے۔

عرف اور تعامل چار طرح کے ہیں اور چاروں الگ الگ بجائے خود ایک فقہی ضابطہ ہیں۔

ضابطہ (۴): وہ عرف جو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے موجود ہو۔ یہ حدیثِ مرفوع تقریری کے حکم میں ہے، جیسے: بیعِ سَلَم، بیع استصناع، عقدِ مضاربت۔

---

(۱) ● رسالہ: المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر، مشمولہ فتاویٰ رضویہ، ج:۸، ص:۲۱۴، مطبوعہ سنی دار الاشاعت، مبارک پور ● ایضاً، ج:۱۴، ص:۲۹۶، مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

ضابطہ (۵): وہ عرف جو ساری دنیا کے تمام مسلمانوں کا ہو۔ یہ اجماع امت ہے، جو حجت شرعی ہے۔

ضابطہ (۶): تمام بلاد عالم کے اکثر مسلمانوں کا عرف ہو۔ یہ اجماع کے قائم مقام ہے اور امت کے سوادِ اعظم کا مذہب، جس کے اتباع کا حکم احادیث کثیرہ میں دیا گیا ہے۔

ضابطہ (۷): کسی ملک یا صوبے کے اکثر مسلمانوں کا عرفِ حادث ہو جو عہد رسالت کے بعد کبھی وجود میں آیا ہو۔ یہ عرف بھی حجت ہے مگر پہلے کے تینوں عرف و تعامل کے مقابل کمزور درجہ کا ہے۔ یہ حدیث یا اجماع یا سوادِ اعظم کے مقابل ہو تو ترجیح حدیث، اجماع اور سوادِ اعظم کو ہوگی۔ اور اگر یہ قیاس کے مقابل ہو تو قیاس پر راجح ہوگا۔ اور حدیث کے لفظ عام میں اس کی وجہ سے تخصیص ہو جائے گی۔

فصول البدائع میں ہے:

لو ندر المخالف مع كثرة المتفقين كان قول الأكثر حجة وإن لم يكن إجماعا.

اکثر کا اتفاق ہو اور بعض کا خلاف تو اکثر کا قول حجت ہوگا، اگرچہ وہ اجماع نہ ہوگا۔

ارشادِ رسالت ہے:

* عليكم بالجماعة والعامّة.

تم پر جماعت اور عامۂ امت کا اتباع لازم ہے۔[1]

* اتّبعُوا السِّوادَ الأعظَمَ.

سوادِ اعظم یعنی بڑے گروہ کی پیروی کرو۔[2]

* يدُالله على الجماعة.

اللہ کا دستِ رحمت جماعت پر ہے۔[3]

پہلے والے تینوں عرف و تعامل دلائلِ مطلقہ ہیں جو ہر حال میں مضبوط دلائل کا درجہ رکھتے ہیں اور

---

(۱) یہ حدیث صحابیِ رسول حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی۔ مشکوۃ المصابیح، ص:۱۸۲، الترغیب والترہیب، ص:۱۷۶، ج:۱، مجمع الزوائد، ص:۲۲۲، ج:۵ و ص:۲۶، ج:۲۔

(۲، ۳) یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ حِلية الأولياء لأبي نعيم، ص:۴۲، ج:۳، اور صرف حدیث اخیر حضرت عُمر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں سے مروی ہے، مجمع الزوائد، ص:۲۲۸، ج:۵، و ص:۲۲۱، ج:۵، اور امام نسائی نے یہی حدیث حضرت عرفجہ بن شریح اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ ۱۲ محمد نظام الدین رضوی

نص شرعی کے مقابل بھی قابل عمل ہوتے ہیں کیوں کہ ان کے دلیل ہونے کا مدار یہ نہیں ہے کہ یہ مسلمانوں کے عرف یا تعامل ہیں، بلکہ یہ ہے کہ یہ فی الواقع حدیث رسول ہیں، یا اجماع امت ہیں، یا سواد اعظم کا قول ہے اور حدیث رسول و اجماعِ امت کا دلیل شرعی ہونا مسلّمات سے ہے، آخر بیع سلم، بیع استصناع، اور عقد مضاربت کے جواز میں کسی کو کیا کلام ہو سکتا ہے، جو اسی طرح کے تعامل یعنی حدیث و اجماع سے ثابت ہیں۔

اس کے برخلاف چوتھے درجے کا عرف صرف مخصوص حالات میں ہی حجت بنتا ہے اور نص شرعی کتاب و سنت کے مقابل مردود ہوتا ہے کیوں کہ یہ عرف صرف اس لیے حجت بنتا ہے کہ یہ طریق مسلمین ہے، مسلمان اس کے عادی ہو گئے ہیں اور اسے اچھا سمجھتے ہیں، خاص اس طریقے اور عادت کے پس پشت حدیث و اجماع کی قوت نہیں ہوتی، اس لیے یہ حدیث و اجماع کے مقابل مرجوح قرار پائیں گے اور جہاں صرف عرف یا تعامل مسلمین ہی پایا جائے، ان سے قوی تر کوئی دلیل کتاب و سنت سے وہاں موجود نہ ہو، نہ ہی اجماع پایا جائے وہاں ایک دلیل شرعی کی حیثیت سے ان پر عمل ہوگا کہ مسلمانوں کے طریقے اور استحسان کو عمومی طور پر کتاب و سنت میں سراہا گیا ہے اور ان پر چلنے کی تلقین کی گئی ہے۔ فقہاے کرام جہاں عرف و تعامل کا لفظ مطلق بولتے ہیں وہاں وہ یہی چوتھے درجے کا عرف و تعامل مراد لیتے ہیں جو صرف عرف و تعامل ہونے کی حیثیت سے ہی حجت ہے۔

اب فتاوی رضویہ کے اصل کلمات ملاحظہ کیجیے:

عرف عام سے ان کی مراد:

(۱) نہ ہرگز مستمر مِن زمنِ رسولِ اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے۔

(۲) نہ عرف محیط اجماعی۔

(۳) نہ عرفِ اکثر مسلمین جملہ بلادِ عالم کہ:

اول قطعاً مثلِ نصِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے، کہ یہ آپ کی تقریر ہے جس کا درجہ قولِ رسول کا ہے تو اگر نص اس کے خلاف پایا جائے یہ ضرور صالح تعارض ہوگا اور بحالِ تاخیر اسے نسخ کر دے گا۔

اور **دوم** عین اجماع، تو نصِ آحاد (خبر واحد) سے اقویٰ اور قطعاً مُظہِر ناسِخ۔ کہ نص غیر منسوخ کے خلاف اجماع محال۔

اور **سوم** کی حجیت مطلقہ، تامّہ، وافیہ پر نصوصِ صریحہ ناطقہ۔ تو اِس کا اضمحلال سواد اعظم کا وقوع فی

الضلال۔ اور وہ شرعاً محال ہے۔

بالجملہ مقابلہ ٔنص (حدیث) میں (عرف کی قسم) ثانی تو قطعاً مضمحل (وکمزور) نہیں۔ اور (عرف کی قسم) اوّل بھی مطلقاً مضمحل نہیں۔ اور (عرف کی قسم) ثالث عند التحقیق ملتحق بالثانی۔ غرض ایسے تعاملات ضرور حُجج مطلقہ ہیں، انھیں مطلقاً مقابل نص مردود نہیں کہہ سکتے۔

اور علما تصریح فرماتے ہیں کہ عرف و تعامل جس میں ان کا کلام ہے معارضہ ٔنص کی اصلاً طاقت نہیں رکھتا، جب خلاف کرے گا رد کر دیا جائے گا۔

بالجملہ بہ دلائل قاطعہ واضح ہوا کہ علمائے کرام جس عرفِ عام کو فرماتے ہیں کہ قیاس پر قاضی (راجح) ہے اور نص اس سے متروک نہ ہوگا، مخصوص ہو سکتا ہے، وہ یہی عرفِ حادث، شائع ہے۔"[1]

عبادات میں عرف و تعامل کے معتبر ہونے، نہ ہونے کے بارے میں فقہی ضابطے

افقہِ امت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس خصوص میں بڑی تحقیقی اور جامع گفتگو فرمائی ہے۔ چند صورتوں کے سوا باقی تمام عبادات میں عرف و تعامل کا اثر پایا جاتا ہے۔ آپ رقم طراز ہیں:

ضابطہ (۸): "عبادت میں وہ امور جن کی طرف عقل کو اِہتدا نہیں، مثل تعیُّن اوقات وعدد رکعات و ترتیبِ افعال و وحدتِ رکوع و تعددِ سجدات اور تحدید نصاب و مصرفِ زکاۃ اور وقت و مکانِ وقوف اور مطاف و عددِ اَشْوَاطِ سعی و طواف وغیرہا قطعاً توقیفی (شریعت کے بتانے پر موقوف) ہیں"۔ (لہذا یہاں عرف و تعامل بے اثر ہے۔ ن، ر)

ضابطہ (۹): یوں ہی وہ اوضاع وہیئات کہ شارع نے ایسے امور میں محدود و معین فرمائے اور مجملاتِ کتاب کے بیان واقع ہوئے، جن کی تعیین کی طرف اَمثالِ "صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِی اُصَلِّیْ." "(نماز پڑھو جیسا کہ مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ ن۔ ر۔) نے ارشاد فرمایا۔ (یہ بھی توقیفی ہیں، جو شریعت کے بتانے سے ہی معلوم ہو سکتے ہیں، اس لیے ان میں بھی عرف و تعامل کا کوئی دخل نہیں۔ ن، ر)

ضابطہ (۱۰): اسی طرح وہ اَذکار و افعالِ مخصوصہ کہ اوقات خاصّہ پر غایات و مقاصد معینہ کے لیے علیٰ وجہِ التعیین مقرر ہوئے اور مکلفین ان کی طرف مطلقات و عمومات سے دعوت نہ کیے گئے۔ جیسے

---

(۱) ● رسالہ: المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۱۴، ص:۲۹۱، ۲۹۳، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی (ملتقطا)
● ایضاً، ج:۸، ص:۲۱۱، ۲۱۳، ۲۱۴، سنی دار الاشاعت، مبارک پور)

تکبیر تحریمہ، وتحلیلِ نماز، وتشہد واذان واقامت وغیرہا۔

یہی وہ اشیا ہیں جنھیں ”توقیفی“ کہا جاتا ہے۔ (ان میں عرف وتعامل بے اثر ہوتے ہیں۔ ن، ر)

ضابطہ (۱۱): ان کے سوا باقی تمام امور جن میں نصًّا و دلالۃً شرع مطہر سے تحدید و حظر اور توقیف و حجر ثابت نہیں۔ اگرچہ وہ انھیں توقیفیات سے علاقہ رکھتے ہوں ان میں بھی توقیف (شارع کے بتانے) پر توقُّف نہیں، اگرچہ بوجہ تعلقِ توقیفی، وقوف اولیٰ ہو لہذا دعاے قعدۂ اخیرہ صرف الفاظِ واردہ پر مقصور نہیں، ہر شخص جو چاہے دعا کر سکتا ہے۔ بعد اس کے کہ کلامِ ناس سے مشابہ نہ ہو۔ اسی طرح عیدین وغیرہا کے خطبے خصوصًا خطبۂ جمعہ کہ شرطِ صحتِ نماز ہے ان میں الفاظ مرویہ پر اقتصار نہیں۔

یہ صورت چہارم اعنی ”متعلقات“ بلکہ بعض افرادِ صورتِ سوم بھی اَنظارِ مجتہدین کے جولانگاہ ہیں۔ بعض نے ان میں کسی کو قسم اول سے خیال فرمایا اور وقوف لازم ٹھہرایا، اور بعض نے قسم دوم سے سمجھا اور رخصت کا حکم بتایا، ورنہ، نہ قسم اول میں اِرسال واِطلاق معقول، نہ دوم میں، جہاں شرع نے اطلاق کو کام فرمایا تحدید وتقییدنا مقبول۔

ہاں کسی سنتِ ثابتہ کو اٹھا دینا، کوئی نیا امرِ مُزاحم ومُراغمِ سنت پیدا کرنا کسی حال روا نہیں۔ [1]

اس تفصیل سے یہ امر مستفاد ہوتا ہے کہ عبادات میں جو امور توقیفی نہیں ہیں ان میں عرف ناس معتبر ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ وہ عرف کسی سنت ثابتہ کے خلاف نہ ہو۔

حجۃ الخلف، تاج المحققین، علامہ مفتی محمد نقی علی خان قادری برکاتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کتاب مستطاب ”اصول الرشاد“ میں فرماتے ہیں:

”تعامل جس طرح معاملات میں حجت ہے اسی طرح عبادات میں معتبر ہے کہ لفظ ”ما“ اثرِ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سَبِيْلِ الْمُؤمِنِينَ کریمہ [2] اور اِتّبعوا السّوادَ الأعظم حدیث [3]

---

(۱) حاشیہ اذاقۃ الاثام لِما نعی عمل المولد والقیام۔ ص:۱۳۵۔

(۲) پوری آیت کریمہ یہ ہے: وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے، ہم اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اُسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔

(سورۃ النسآء:۴، آیت:۱۱۵)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ طریق مسلمین ہی صراط مستقیم ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہوا کہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ (خزائن العرفان)

(۳) حلیۃ الاولیاء لأبی نعیم، ص:۴۲، ج:۳ و مجمع الزوائد، ص:۲۲۸، ج:۵ و ص:۲۲۱ ج:۵ ونسائی۔

دونوں طرح کے احکام کو شامل۔ اور علما دونوں طرح کے احکام اس پر بنا کرتے ہیں کہ بعض ہم نے بھی ذکر کیے اور کوئی فارقِ عقلی و سمعی متحقق نہیں تو تخصیص اس کی معاملات کے ساتھ محض بے معنی ہے۔"(۱)

توارث کے تعلق سے فقہی ضابطے

توارث: وہ امر ہے جو عہد رسالت سے سلفاً عن خلفٍ معمول بہ ہوتا چلا آیا ہو۔

شمائم العنبر میں ہے: توارث تمام قرنوں کے تعامل کا نام ہے۔ محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

"رکعتین اولیین میں قراءت جہری اور اُخریین میں سرّی ہی متوارث ہے۔ یعنی ہم نے اس کو اپنے باپ دادا اور بزرگوں سے لیا، اور انھوں نے اس کو اپنے بزرگوں سے اخذ کیا، ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک، اور انھوں نے اس کو صاحبِ وحی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سیکھا، اس لیے اس کے واسطے کسی نص معین کی ضرورت نہیں۔"

یہی توارث کے وہ معنیٰ ہیں جس سے شرعًا دلیل پکڑنا درست ہے اور جس کی سند ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔

اقول۔ تحقیق مقام یہ ہے کہ احوال کی چار قسم ہے:

(۱) جس کا حادث نہ ہونا معلوم ہو۔

(۲) جس کے حدوث کا علم نہ ہو۔

(۳) حدوث کا علم تفصیلی ہو کہ کب، کس نے ایجاد کیا۔

(۴) حدوث کا علم اجمالی ہو۔ یعنی یہ تو معلوم ہو کہ نو ایجاد ہے، لیکن یہ نہ معلوم ہو کہ کب اور کیسے ایجاد ہوا۔

ضابطہ (۱۲): جو چیز عامۃ المسلمین میں عام طور سے معمول بہ ہو اور اس کا عمل شائع و ذائع ہو اور اس کے بارے میں یہ بھی معلوم ہو کہ حضور ﷺ کے عہدِ مبارک میں بھی ایسا ہوتا تھا، یہ "**قسم اول**" ہے اور اسی کو "متوارثِ اعلیٰ" بھی کہتے ہیں۔ (یہ ثابت بالسنۃ کے حکم میں ہے۔ نظام)

ضابطہ (۱۳): اور جب نہ یہ معلوم ہو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کا کیا حال

---

(۱) اصول الرشاد لقمعِ مبانی الفساد، ص:۱۷۷،۱۷۸، مبحث سوم، قاعدہ:۸، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف

تھا، نہ ہی یہ پتہ چلے کہ اس کی ایجاد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ہوئی ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ چیز شروع سے اسی طرح ہوتی آرہی ہے اور ہر بعد کے زمانہ والے نے اپنے سے پہلے زمانہ والوں سے اسے حاصل کیا تو ایسی چیز کو حال کی دلیل پر عمل اور اصل و ظاہر کا لحاظ کرتے ہوئے ''متوارثِ حکمی'' کہا جاتا ہے کہ امورِ شرعیہ میں سنت پر عمل کرنا ہی اصل ہے اور مسلمانوں کا ظاہر حال بھی یہی ہے کہ سنت پر عمل کریں، یہ متوارث کی قسم ثانی ہے، اس کے لیے کسی خاص سند کی ضرورت نہیں۔

ضابطہ (۱۴): اور جس چیز کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک کے بعد کی ایجاد ہے ایسی چیز کے بارے میں متوارث ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اس کے حدوث کے وقت کا علم ہو، یا نہ ہو۔ کیوں کہ کسی چیز کے حدوث کے وقت کا علم نہ ہونے کے لیے یہ لازم نہیں کہ ہم اس کے حدوث سے ہی بے خبر ہوں، یا یہ جانتے ہوں کہ وہ حادث نہیں ہے۔

کتنی چیزوں کے بارے میں ہمیں بالیقین معلوم ہوتا ہے کہ یہ حادث ہے، لیکن اس کے حدوث کے وقت کا پتہ نہیں ہوتا، جیسے اَہرامِ مصر، بلکہ حدوثِ مطلق میں آسمان و زمین بھی، اور حدوثِ مقید میں وہ جھاڑ فانوس اور قندیلیں جو حجرۂ نبوی شریف کے آس پاس لٹکائی ہوئی ہیں۔ حضرت علامہ سمہودی نے خلاصۂ وفاء الوفاء میں فرمایا کہ:

''ہمیں ان کے ابتداے حدوث کا وقت نہیں معلوم۔''

تو ایسے نو پید امور، جن کے حدوث کے وقت کا ہمیں علم نہ ہو حسب قواعدِ شرعیہ ان کے بارے میں یہ دیکھنا ہو گا کہ یہ کسی سنت ثابتہ کے مخالف تو نہیں۔ مخالف نہ ہو تو اس کا معاملہ استحباب سے وجوب تک میں دائر ہو گا اور زمانہ کی قدامت کے اعتبار سے کبھی کبھی اس کو بھی ''متوارث'' کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ خطبۂ جمعہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دونوں چچاؤں کے ذکر کا رواج، کہ حادث ہے، پر یہ نہیں معلوم کہ کب سے رائج ہے۔ البتہ یہ کسی سنت ثابتہ کے خلاف نہیں، تو یہ توارث کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے، اس کے بعد کی ایجاد کو متوارث بمعنی اصطلاحِ شرع نہیں کہا جائے گا، ہاں توارثِ لغوی ہو سکتا ہے۔ (۱)

ضابطہ (۱۵): اور اگر ایسی نو پید چیز ہو جو بعد عہدِ رسالت ہو اور اس کے حدوث کا وقت نہ معلوم ہو اور وہ خود قبیح اور قواعد قبح کے تحت داخل ہو تو قبیح ہے اور اس کا دائرہ بھی مکروہ سے لے کر حرام تک پھیلا ہوا ہے۔

---

(۱) رسالہ: شمائم العنبر فی أدب النداء أمام المنبر مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۶، ص:۵۱۷، ۵۱۸، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

اور اگر یہی حادث نہ سنتِ ثابتہ کے خلاف ہو، نہ قواعدِ قبح کے دائرے میں آتا ہو تو یہ صرف مباح ہے۔ نہ قبیح ہے، نہ مستحب۔ ہاں جب شہر و علاقہ کی عادت سے خارج ہو تو مکروہ ہوگا۔ چناں چہ علما نے فرمایا کہ لوگوں سے ان کے اخلاق کے موافق معاملہ کرو[۱]۔ اور حدیث شریف میں ہے:

"لوگوں کو بشارت دو، نفرت نہ دلاؤ۔"

سنت ثابتہ کی مخالفت کرنے والی بات بدعتِ مردودہ ہوگی، اور گو وہ لاکھ پھیل گئی ہو، اسے قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسے حادث امر پر پوری امت مسلمہ کا اجماع نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو گمرہی پر مجتمع ہونے سے محفوظ رکھا ہے۔

ایک استثنائی صورت البتہ ہے کہ وہ بات ہے تو عہدِ رسالت کے بعد کی، اور بظاہر مخالف سنت بھی ہے لیکن زمانہ کی تبدیلی کی وجہ سے اس کا حکم شرعی بدل گیا اور اس تبدیلی پر تمام مسلمانوں کا عمل در آمد جاری و ساری ہو گیا۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پُر نور میں عورتیں مسجد میں جاتی تھیں لیکن بعد میں ان کو عام طور سے مسجد میں حاضر ہونے سے روک دیا گیا۔ یہ حقیقت میں سنت ثابتہ کے مخالف نہیں، بلکہ موافق ہے۔[۲]

(۱) حدیث میں وارد ہے کہ لوگوں سے ان کی عادتوں کے موافق برتاؤ کرو۔ إقامة القيامة، ص: ۲۰، رواه مسنداً و قال: رواه الحاكم و قال: صحيح على شرط الشيخين۔ ۱۲ محمد نظام الدین رضوی

(۲) ● شمائم العنبر فی أدب النداء أمام المنبر، مترجم، شمامہ رابعہ، نفحہ ۱۰، ص: ۳۰۷ تا، ص: ۳۱۱، رضا اکیڈمی، ممبئی ● و مشمولہ: فتاوی رضویہ، ج: ۶، ص: ۵۱۹، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی

دوسرا باب

جزئیات وفروع کو ایک لڑی میں پرونے والے ضابطے

اس امر پر اجماع امت ہے کہ پانی کے سوا کسی بہتی چیز سے وضو اور غسل نہیں ہو سکتا، اس پر بھی اجماع ہے کہ وہ پانی ماے مطلق ہونا چاہیے، ماے مقید سے وضو صحیح نہیں، اور لغت وعرف وشرع کا اجماع ہے کہ دو چیزوں سے مرکب میں حکم غالب کے لیے ہے۔ اس لیے جب پانی میں اس کا غیر اس سے زیادہ مقدار میں مل جائے تو وہ قابلِ وضو نہ رہے گا اور اگر دوسری چیز غالب نہ ہو بلکہ مقدار میں پانی کے مساوی ہو تو بھی پانی قابل وضو نہ ہو گا کیوں کہ اجماع عقل ونقل ہے کہ حاظر اور مُبیح میں غلبہ حاظر کو ہوتا ہے۔

اور **مائے مطلق:** وہ پانی ہے جو اپنی رقتِ طبعی پر باقی ہو اور اس کے ساتھ کوئی ایسی شے مخلوط وممتزج[1] نہ ہو جو اُس سے مقدار میں زائد یا مساوی ہو، نہ ایسی جو اُس کے ساتھ مل کر مجموع ایک دوسری

---

(۱) **پانی میں کسی شے کے ملنے کی تین صورتیں اور ان کے احکام:**

ظاہر ہے (۱) کہ پانی فی نفسہٖ ایسا ہی ہے جسے بے جرم سے تعبیر کیا گیا، اب اُس میں دوسری شی جِرم دار ملنے کی تین صورتیں ہیں: (۱) استہلاک (۲) اختلاط (۳) امتزاج

استہلاک: یہ کہ وہ شی اس میں مل کر گم ہو جائے، پانی سے اُس کا جِرم ظاہر نہ ہو جیسے چھنا ہوا شربت کہ اُس میں شکر کے اجزاء ضرور ہیں مگر ان کا جرم اصلا محسوس نہ رہا، اُسے بہائیے تو خالص پانی کی طرح اُس کے سب اجزاء پھیل جائیں گے، کہیں دَل نہ رہے گا تو رقت بحال خود باقی ہے اگر چہ رقت اضافیہ میں ضرور فرق آئے گا کہ مخلوط ونا مخلوط یکساں نہیں ہو سکتے۔

اختلاط: یہ کہ اُس کا جرم کُلاً یا بعضاً باقی رہے مگر پانی کو جرم دار نہ کرے، بہانے میں اس کے اجزا الگ رہ جائیں اور پانی اُنہیں چھوڑ کر خود پھیل جائے جیسے بے چھنا شربت جس میں شکر یا بتاشوں کے کچھ ریزے رہ گئے ہوں۔ ان ریزوں کو اختلاط تھا اور جس قدر گھُل گئے اُن کا استہلاک، مگر ان میں کوئی پانی کے اجزا پھیلنے کو مانع نہ ہوا۔

امتزاج: یہ کہ پانی اور وہ شی مل کر ایک ذات ہو گئے ہوں، پانی اُسے چھوڑ کر نہ بہ سکے، بلکہ ہر جگہ وہ اس کے ساتھ گھال میل رہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مجموع مرکب تمام وکمال نہ پھیل سکے گا اور ضرور جرم دار شی کی طرح ختم سیلان پر بھی دَل رکھے گا۔

پہلی دو صورتوں میں پانی اپنی رقت پر ہے۔ اول پر تو ظاہر، کہ وہاں کوئی جرم محسوس ہی نہ ہوا اور دوم پر جرم جُدا ہے اور پانی جُدا تو پانی بدستور رقیق ہی رہا جیسے کنکریلی یا سنگلاخ زمین میں تالاب کا پانی یا جس لوٹے میں پتھّر لوہے کے ٹکڑے ڈال دیے جائیں کوئی عاقل نہ کہے گا کہ اس سے پانی ہی رقیق نہ رہا۔ بخلاف صورت سوم کہ بلا شُبہ رقت زائل اور طبیعت متبدل ہوئی۔ زوال طبع سے یہی مراد ہے وللہ الحمد۔ (رسالہ: الدقۃ والتبیان لعلم الرقۃ والسیلان، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۲، ص:۴۹۷، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی)

شے کسی جُدا مقصد کے لیے کہلائے۔

بہت چیزوں پر پانی کا نام کسی شے کی طرف مضاف کر کے بولا جاتا ہے اُن میں بعض تو جنسِ آب سے خارج ہیں اور اطلاقِ آب محض بطور تشبیہ، جیسے آبِ زر، آبِ کافور اور جو حقیقۃً پانی ہیں ان میں کچھ مائے مطلق ہیں جیسے آبِ باراں، آب دریا۔ اور کچھ مائے مقید جیسے ماءُ العسل ماءُ الشعیر۔ اول کو اضافتِ تعریف کہتے ہیں اور دوم کو اضافتِ تقیید۔ علما نے ان میں چند طرح فرق فرمایا:

اوّل: جو پانی کسی شے سے بذریعہ تدبیر نکالا جائے اُس کی طرف پانی کی اضافتِ تقیید ہوگی، ورنہ اضافتِ تعریف۔

دوم: جہاں ماہیتِ مضاف کامل ہو اضافت، تعریف کے لیے ہے، جیسے نمازِ فجر۔ اور قاصر ہو تو تقیید کے لیے، جیسے نمازِ جنازہ، کہ رکوع و سجود و قراءت و قعود نہیں رکھتی۔

سوم: جسے بے حاجتِ ذکرِ قید پانی کہہ سکیں، وہاں اضافت، تعریف کی ہے اور جہاں پانی کہنے میں ذکرِ قید ضروری ہو تقیید کی۔

چہارم: جس سے پانی کی نفی کر سکیں یعنی کہہ سکیں کہ یہ پانی نہیں، وہاں اضافت، تقیید کی ہے ورنہ تعریف کی۔

پنجم: جہاں ماہیت بے قید نہ پہچانی جائے اضافتِ تقیید ہے ولہذا اُس پر بلا قید لفظ آب کا اطلاق جائز نہ ہوگا اور جہاں بے ذکر قید، اطلاق لفظ صحیح ہو اضافتِ تعریف ہے۔

ششم: جس کی ماہیت بے اضافت پہچانی جائے اور مطلق نام آب لینے سے مفہوم ہو وہاں اضافت تعریف کی ہے ورنہ تقیید کی۔ (۱)

ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

☆ وضو اور غسل صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ پانی "مائے مطلق" ہو۔

☆ دوسری چیز کے مخلوط ہو جانے کی وجہ سے پانی کا نام و کام نہ بدلے۔

☆ پانی کثیر ہو تو نجاست گرنے کی وجہ سے اس کا رنگ، بو، مزہ متغیّر نہ ہو۔

یہ تینوں امور اس باب میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور ان کی وجہ سے کثیر مسائل —جو کئی طرح کے

---

(۱) رسالہ: عطاء النبی لافاضۃ أحکام ماء الصبی (ترتیب میں کچھ فرق کے ساتھ)، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۲،ص:۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

ہیں-حل طلب ہو جاتے ہیں۔ اس لیے فقہاے امت نے ان تمام مسائل کو منضبط کرنے کے لیے ضابطے وضع کیے۔ مگر ان میں کچھ ضوابط تمام جزئیات کو جامع نہیں۔ اور زیادہ تر ضوابط نقد و نظر سے محفوظ نہیں، اس لیے ضرورت تھی کہ کوئی وسیع النظر فقیہِ عبقری اس میدان میں قدم رکھے اور ان تمام فقہی ضوابط کو پیش نظر رکھ کر ایسا ضابطہ وضع کرے جو تمام جزئیات و فروع کو جامع ہو اور ہر طرح کے نقد و نظر سے سالم و محفوظ ہو۔ یہ کارِ اہم فقیہ اسلام امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی خداداد فقاہت و ذہانت اور وسعت مطالعہ سے انجام دیا۔

آپ نے اس بارے میں فقہاے مذہب کے حوالے سے پانچ ضابطے نقل کیے ہیں اور چھٹے نمبر پر ”ضابطہ رضویہ“ بیان کیا ہے جسے آپ نے وضع کیا ہے۔ یہ ضابطہ سولہ اجزا پر مشتمل ہے اور ہر جز بجاے خود ایک ضابطہ کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے ہم اسے سولہ ضابطے شمار کرتے ہیں اب آپ یہ حیرت انگیز ضابطہ خود فقیہ الاسلام امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے الفاظ میں پڑھیے، آپ رقم طراز ہیں:

ضابطہ رضویہ: سبحان اللہ فقیر بھی کوئی شے ہے کہ احکام میں زبان کھول سکے حاشا ضابطہ وہی ضابطۂ امام ابو یوسف رضی اللہ تعالی عنہ ہے۔ باتباع علماء اس کے اجمال کو مفصل کر دیا ہے۔ تفاصیل میں خدمت گاریِ کلام اکابر کے صدقہ سے جن تحقیقات کا افاضہ ہوا اُن پر ابتنائے شقوق کیا ہے جملہ ضوابط صحیحہ مذکورہ کو ایک دائرے کے احاطہ میں لیا ہے اس نے بیان کو اظہر واجمع وانور وانفع کر کے ضابطہ کے لئے خلعت جدت سیا ہے۔ فأقول: و باللہ التوفیق:

ضابطہ (۱۶): دریا، نہر، چشمے، چاہ، باران کا پانی حتی کہ شبنم اپنی حد ذات میں آب مطلق ہے-جو کچھ ان کی جنس سے نہیں اگرچہ ان کی شکل، ان کے اوصاف، ان کے نام پر ہو پانی نہیں اُس سے وضو و غسل نہیں ہو سکتا جیسے ماء الجبن (دہی کا پانی) درختوں پتھروں کا مد[۱] مٹی کا تیل، سیندھی، تاڑی، ناریل، کدو، تربوز کا پانی اگرچہ اس میں صرف پانی ہی ہو، یوہیں جو کچھ پتّوں، شاخوں، پھلوں، پھُولوں سے نکالا جائے یا کافور کے درخت، انگور کی بیل کی طرح کاٹے سے یا آپ ہی ٹپکے، یا نمک، نوشادر، کافور وغیرہا کے پگھلنے یا سونے، چاندی، رانگ وغیرہا کے گلنے سے حاصل ہو۔

ضابطہ (۱۷): جو کچھ حقیقۃً پانی ہے (اگرچہ بیچ میں پانی نہ رہا تھا جیسے اولے، یا آسمانی برف، یا گلّ کا (برف) جب پگھل جائے) • یا تو اُس میں کوئی اور چیز (اگرچہ اُسی کی جنس سے ہو) داخل ہو گی • یا نہیں-

---

(۱) مد: وہ پانی ہے جو درخت یا پتھر سے ٹپکے۔ ۱۲ محمد نظام الدین رضوی

اگر نہیں (داخل ہوگی۔ ن، ر) تو وہ مطلقاً آب مطلق ہے لیکن اگر مائے مستعمل ہے جس کا بیان "الطرس المعدل" میں مفصل گزرا تو اُس سے وضوو غسل جائز نہیں، ورنہ مطلقاً صحیح ہے اگرچہ بوجہ ملکِ غیر یا وقف یا کسی حاجت ضروریہ کی طرف مصروف ہونے یا اور عوارض کے سبب جن کا بیان فصل اول میں گزرا اس سے وضو حرام، یا مکروہ ہو، اگرچہ بچّوں کا ہاتھ پڑنے، یا کافر کے چھونے یا کسی مشکوک شے کے گرنے سے اس کی طہارت میں اوہام پیدا ہوں جب تک نجاست ثابت نہ ہوجائے اگرچہ دیر تک بند رہنے سے اُس کا رنگ، بُو، مزہ بدل جائے یا ابتدا ہی سے بدلا ہوا ہو، اگرچہ کسی تیز خوشبو یا بدبو شے کے قرب سے اس میں کتنی ہی بُوئے خوش یا ناخوش پیدا ہوجائے۔ ہاں اگر سردی سے جم جائے یا رقیق نہ رہے جیسے اولے، برف اس سے وضو ناجائز ہوگا جب تک پگھل کر پھر اصلی رقت پر نہ آجائے۔

ضابطہ (۱۸): اگر (اس میں کوئی اور چیز۔ ن، ر) داخل ہوگی تو دو صورتیں ہیں • یا تو پانی سے جُدا رہے گی یعنی اس میں سرایت نہ کرے گی • یا خلط ہوجائے گی- اگر جدا رہے (اور یہ نہ ہوگا مگر شیئے جامد میں جیسے کنکر وغیرہ پانی میں ڈال دیے جائیں) تو اگر وہ شے نجس نہیں یا پانی دہ در دہ ہے مطلقاً (مآء) مطلق و قابل وضو[1] ہے- اور اگر نجس ہے اور پانی کم، تو (مآء) مطلق ہے مگر لائقِ استعمال نہ رہے گا۔

ضابطہ (۱۹): اگر پانی میں (کوئی دوسری چیز۔ ن) خلط ہوگی تو دو صورتیں ہیں • وہ ملنے والی شے بھی اصل میں صرف پانی ہے • یا اس کا غیر- اگر صرف پانی ہے تو پھر دو صورتیں ہیں • اب بھی پانی ہی ہے • یا نہیں- اگر اب بھی پانی ہی ہے تو اس کے ملنے سے پانی مطلق تو مطلق رہے گا ہی اُس سے وضو بھی روا ہوگا مگر دو صورتوں میں۔ **ایک** یہ کہ آب مستعمل اس میں مل جائے اور یہ مقدار میں اس سے زائد نہ ہو، **دوسرے** یہ کہ نجس پانی پڑجائے اور یہ دہ در دہ نہ ہو۔ اور یہ وہیں ہوگا کہ وہ پانی بے کسی دوسری شے کے مختلط ہوجانے کے ناپاک ہوگیا جیسے آب قلیل میں خنزیر کا پاؤں یا بال پڑگیا اور نکل گیا کہ پانی خالص ہی رہا، خلط نہ ہوا اور ناپاک ہوگیا، ورنہ جو خلطِ نجس سے نجس ہو اُس کا ملنا اس قسم سے خارج ہوگا کہ یہ صرف پانی کا ملنا نہ ہوا۔

ضابطہ (۲۰): اگر وہ ملنے والی شے اب پانی نہیں (اور یہ نہ ہوگا مگر اولے، یا برف میں گل کا (برف) ہو خواہ آسمانی کہ یہی وہ صورت ہے کہ پانی بے خلط غیر پانی نہ رہے) تو اگر پانی کی رقت زائل کردے

---

(۱) آبِ کثیر نجاست کے پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک اُس کا کوئی وصف نہ بدلے اور ظاہر ہے کہ رنگ یا مزہ اُسی وقت بدلیں گے جب اُس نجس کے اجزاء پانی میں خلط ہوں اور یہاں وہ صورت مفروض ہے کہ خلط نہ ہو، ہاں اگر کوئی نجس چیز اس درجہ قوی الرائحہ ہو کہ صرف اس کی مجاورت بلا خلط سے آبِ کثیر کی بُو بدل جائے تو نجس ہونا چاہیے۔ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ

قابلِ وضو نہ رہے گا جب تک وہ شے پگھل کر پھر پانی نہ ہو جائے اور اگر رقت باقی ہے نہ یوں کہ اولے برف ابھی گھل کر پانی میں مخلوط نہ ہوئے پتھر کنکر کی طرح تہ میں پڑے ہیں کہ یہ تو تیسرا نمبر تھا بلکہ یوں کہ مقدار میں اتنے کم تھے جن کے خلط سے رقت آب میں فرق نہ آیا تو اُس سے وضو جائز ہے۔

ضابطہ (۲۱): اگر وہ شَے غیرِ آب ہے اور پانی میں اتنی خلط ہو گئی کہ پانی اُس سے مقدار میں زائد نہیں تو مطلقاً قابلِ وضو نہیں۔

ضابطہ (۲۲): اگر پانی مقدار میں زیادہ ہے تو وہ شَے نجس ہے یا طاہر، اگر نجس ہے اور پانی دہ در دہ نہیں، یا ہے تو نجاست سے اس کے رنگ یا مزے یا بُو میں فرق آگیا تو پانی اگرچہ مطلق رہے قابلِ وضو در کنار بدن میں جائز الاستعمال نہ رہا۔

ضابطہ (۲۳): اگر وہ دہ در دہ ہے اور کسی وصف میں تغیر نہ آیا تو نجاست کا حکم ساقط اور احکام بعض احکام آئندہ ہوں گے۔

ضابطہ (۲۴): اگر طاہر ہے تو پھر دو صورتیں ہیں ● اس کا خلط آگ پر ہوا ● یا الگ۔ اگر آگ سے الگ ہوا اور وہ شَے جامد ہے تو ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجماع سے (وہ پانی مطلقاً آبِ مطلق ولائقِ وضو رہے گا۔ ن) اور مائع ہے تو مذہب صحیح معتمد میں پانی مطلقاً آبِ مطلق ولائق وضو رہے گا اگرچہ رنگ، مزہ، بُو سب بدل جائیں گے مگر دو صورتوں میں، **ایک** یہ کہ پانی رقیق تر ہے، اور ہم تحقیق کر آئے ہیں کہ یہ کچھ جامد ہی سے خاص نہیں بہت مائعات بھی مانعاتِ رقّت آب ہوتے ہیں **دوسرے** یہ کہ شربتِ شہد یا شربتِ شکر یا نبیذ و رنگ کی طرح مقصد دیگر کے لیے شَے دیگر ہو جائے۔

ضابطہ (۲۵): اگر خلط آگ پر ہوا تو دو صُورتیں ہیں ● اگر ہنوز وہ چیز پکنے نہ پائی کہ مقصد دیگر کے لیے شے دیگر کر دے پانی سے امتزاج کامل نہ ہونے پایا کہ سرد ہونے پر گاڑھا کر دے اس حالت کے قبل اتار لی تو پانی مطلقاً آبِ مطلق و قابلِ وضو ہے۔

ضابطہ (۲۶): اگر وہ شے پک گئی تو تین صورتیں ہیں ● پکانے میں صرف پانی مقصود ہے ● یا صرف وہ شے ● یا دونوں۔ پہلی دو صورتوں میں آب مطلق رہے گا جب تک اس قابل نہ ہو جائے کہ سرد ہو کر زوالِ رقّت ہو، صورت دوم کی مثالیں بحث اول ''طبخ'' میں شنجرف و نشاستہ و آش جو سے گزریں اور صورت اول کا بیان فصل خامس میں آتا ہے اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

ضابطہ (۲۷): صورت سوم میں اگر پانی اس قدر کثرت سے ڈال دیا کہ نہ مقصود دیگر کے لیے ہو سکے گا، نہ اُس سے دَلدار ہو گا تو مطلقاً (آب۔ن) مطلق و لائق طہارت ہے۔

ضابطہ (۲۸): اگر اتنا کثیر نہ تھا مگر دَلدار نہ ہو سکے گا تو جب مقصود دیگر کے لیے ہو جائے گا قابلِ وضو نہ رہے گا۔

ضابطہ (۲۹): اگر پانی دَلدار ہو سکتا ہے تو اگر بالفعل گاڑھا ہو گیا کہ بہانے میں پُورا نہ پھیلے گا مطلقاً لائق وضو نہ رہا اگرچہ اس میں صابون ہی پکایا ہو جس سے زیادت نظافت مقصود ہوتی ہے۔

ضابطہ (۳۰): اگر بالفعل گاڑھا نہ ہوا مگر ٹھنڈا ہو کر (گاڑھا۔ن) ہو جائے گا تو دو صورتیں ہیں: اگر وہ شے مثل صابون وغیرہ زیادت نظافت کے لیے ہے فی الحال اُس سے وضو جائز، ٹھنڈا ہونے کے بعد صحیح نہیں۔

ضابطہ (۳۱): اگر زیادت نظافت کے لیے نہیں تو اس سے فی الحال بھی وضو جائز نہیں۔

یہ ہے وہ تحقیق انیق کہ جمیع نصوصِ صحاح کو متناول اور جملہ ارشادات متون کو حاوی و شامل اور تمام تحقیقاتِ سابقہ پر مشتمل اور سب فروعِ ممکنہ کے حکم صحیح کو بعونہٖ تعالی کافی و کافل۔ والحمدﷲ رب العٰلمین، وأفضل الصلوة وأکمل السلام علی خاتم النبیین، سید المرسلین، وعلیھم جمیعا وعلی اٰله وصحبه وابنه وحزبه أجمعین، اٰمین والحمدﷲ رب العٰلمین۔ (۱)

ضابطہ (۳۲): آب مقطّر یعنی قرع انبیق میں ٹپکایا ہوا پانی کہ اجزائے ارضیہ وغیرہا کثافتوں سے صاف کرنے کے لیے سادہ پانی رکھ کر آنچ کریں کہ بخارات اُٹھ کر اوپر کے پانی کی سردی پا کر پھر پانی ہو کر ٹپک جائیں یہ پانی کہ محض پانی کی بھاپ سے حاصل ہُوا اس کا صریح جزئیہ اپنی کتب میں نظر فقیر سے نہ گزرا۔

اقول: مگر بعونہ تعالی حکم ظاہر ہے کہ وہ مائے مطلق اور اس سے طہارت جائز ہے کہ سمندر کے سوا آسمان و زمین کے عام پانی بخارات ہی سے بنتے ہیں اور گلاب و عرق گاؤزبان وغیرہ وارد نہ ہوں گے کہ وہ بھی اگرچہ پانی ہی کے بخار ہیں مگر وہ سادہ پانی سے نہ اُٹھے بلکہ جس میں دوسری شے بھگوئی گئی ہے جس نے ان بخارات مستحیلہ کو مقصد دیگر کے لیے چیز دیگر کر دیا لہٰذا زوال اسم ہو گیا، انہیں پانی نہیں کہا جاتا، بلکہ گلاب و عرق۔ بخلاف آب تقطیر کہ پانی ہی ہے اور پانی ہی کہا جائے گا، نہ مقصود بدلا، نہ نام۔

---

(۱) رسالہ: الدقة والتبیان لعلم الرقة والسیلان، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج: ۲، ص: ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

اقول: البتہ ضابطہ امام زیلعی پر گلاب اور سب عرق وارد ہوں گے کہ جامد ہی چیزیں ملیں تو مدار بقائے رقّت پر ہُوا اور وہ باقی ہے تو یہ بخارات از روئے ضابطہ آب مطلق ہی سے اُٹھے اور پانی ہی ہو کر ٹپکے اس کے بعد کوئی بات انھیں وہ عارض نہ ہوئی جو بر بنائے ضابطہ انھیں آب مقید کر دے کہ مقصد دیگر کے لیے چیز دیگر ہو جانا ضابطہ میں نہیں تو بحکم ضابطہ گلاب و ہر عرق سے وضو ہو سکنا چاہئے حالانکہ بالاجماع جائز نہیں۔

ثم رأيت التصريح بهذا الفرع في كتب السادة الشافعية، قال العلامة زين المیلباری تلمیذ الإمام ابن حجر المكی في فتح المعين: الماء المطلق: مايقع عليه اسم الماء بلاقيد وإن رشح من بخار الماء الطهور المغلی اھ. وفي الفتاوٰی الكبری الفقهية لشيخه الإمام رحمهما الله تعالى: سئل عن شجر بأرض الحبشة يخرج منه عند انتشار الرياح بخار كالدخان ويرشح مائعا كالماء سواء بسواء فهل له حكم الماء فی الطهورية؟ فأجاب ليس حكمُهٗ حكمَهٗ، بل هو كالمائع جزما، وفارق بخار الطهور المغلی بأن ذلك من الماء، بخلاف هذا إذ هو كماء الشجر وهو ليس بطهور قطعا.[1]

"تیمم والا دوسرے کے پاس پانی پالے" اس کی تمام صورتوں کو حاوی ضابطے:

جس کو وضو یا غسل کی ضرورت ہو اور پانی نہ ملے تو اسے شریعت یہ اجازت دیتی ہے کہ وضو اور غسل کی جگہ تیمم کرے۔ چناں چہ قرآن حکیم میں ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ[2]

(اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی پاخانہ سے آیا یا عورتوں سے جماع کیا پھر پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔ اس کے لیے مٹی سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرو۔ ن، ر)

کوئی شخص کہیں سفر میں ہے اور اس کے پاس پانی نہیں مگر اس کے ساتھی یا کسی اور کے پاس پانی ہے تو کیا کرے؟ پانی مانگے یا بغیر مانگے نماز پڑھے، یا نماز پڑھتے وقت کسی کے پاس پانی دیکھا تو نماز توڑ کر پانی مانگے، یا نماز پوری کر کے مانگے، یا بغیر مانگے چلا جائے؟ ان مسائل کی بہت سی صورتیں ہیں اور ہر صورت کے

---

(۱) رسالہ: الدقۃ والتبیان لعلم الرقۃ والسیلان، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۲، ص:۵۷۰، ۵۷۱، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

(۲) القرآن الحکیم، النساء:۴، آیت:۴۳۔

مختلف یا مشترک احکام ہیں، ان صورتوں کو یکجا کرنے کے لیے کئی فقہانے قوانین وضع کیے ہیں مگر وہ قوانین اس مسئلہ کی تمام صورتوں کا احاطہ نہیں کرتے۔ اس لیے فقیہ فقید المثال اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے محض توفیق خداوندی سے ایک ''جامع قانون'' وضع فرمایا ہے جو اس مسئلہ کی تمام صورتوں اور اقسام کو شامل ہے۔ پھر اس قانون سے آپ نے انیس ضابطے وضع فرمائے۔ آپ لکھتے ہیں:

''متیمّم کہ دوسرے کے پاس پانی پائے، یہ مسئلہ بہت معرکۃ الآراء وطویلۃ الاذیال ہے اکثر کتب میں اُس کے بعض جزئیات مذکور ہیں امام صدر الشریعہ نے شرح وقایہ، پھر محقق ابراہیم حلبی نے غنیہ شرح منیہ میں، پھر محقق زین العابدین نے بحر الرائق میں رحمھم اللہ تعالی ورحمنا بھم اُس کے لیے قوانین کلیہ وضع فرمانا چاہے کہ جمیع شقوق کو حاوی ہوں۔ فقیر اوّلاً چند مسائل ذکر کرے جن کا لحاظ ہر ضابطہ میں ضروری ہے اور وہی اپنے اختلافات پر مادۂ ہر ضابطہ ہیں، پھر قوانین علماء اور مالہا وماعلیہا پھر وہ جو فیض قدیر سے قلبِ فقیر پر فائض ہُوا۔ وللہ الحمد واللہ المستعان وعلیہ التکلان''۔[1]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے وہ جامع قانون بڑے علمی انداز میں تحریر فرمایا ہے، جس سے استفادہ کبار علما ہی کر سکتے ہیں۔ اس لیے ہم وہ انیس قواعد ''ضابطہ'' کے عنوان سے ذکر کرتے ہیں جنھیں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے مسئلہ مذکورہ کے تمام اقسام کا احاطہ کرنے کے لیے وضع فرمایا ہے۔

آپ ارقام فرماتے ہیں:

والآن آنَ أن نذکر مافاض من فیض القدیر علی العاجز الفقیر، (اب وقت آگیا کہ اس عاجز فقیر پر فیض قدیر سے جو فیضان ہوا اسے ذکر کریں۔ ن، ر):

ضابطہ (۳۳): (۱) اگر اس نے اسے بے مانگے پانی دیا، اگرچہ وقت کے بعد۔ (۲) یا اس کے مانگے پر نہ وعدہ کیا، نہ منع، نہ سکوت، بلکہ فوراً پانی دے دیا، خواہ تیمم سے پہلے یا اس کے بعد، نماز سے پہلے یا عین نماز میں، یا نماز کے بعد (۳) خواہ قبل سوال اسے تیمم سے پڑھتے دیکھا اور خاموش رہا، (۴) یا نہ دیکھا اور بہر حال اسے گمان غالب اس کے دینے، یا نہ دینے کا تھا یا شک تھا، عام ازیں کہ یہ نماز میں اس کے پاس پانی ہونے پر مطلع ہوا یا پہلے، ان سب صورتوں میں وہ دینا مؤثر ہے، یعنی تیمم سے پہلے دیا تو تیمم جائز نہیں، اور تیمم کر چکا تھا تو ٹوٹ گیا، اور عین نماز میں دیا، یا بعد میں تو نماز و تیمم دونوں گئے، بہر کیف وضو کر کے اس نماز کو پڑھے۔

---

(۱) رسالہ: قوانین العلماء فی متیمم علم عند زید ماء، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۲۹۷، ۲۹۸، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

ضابطہ (۳۴): تیمم سے پہلے یا بعد، نماز سے پہلے یا عین نماز میں، اسی وقت میں پانی ملنے کا وعدہ کیا تو یہ بھی بمعنی مذکور مطلقاً موثر ہے، یعنی تیمم کا ناقض ومانع، اور نماز میں ہو تو اس کا قاطع، عام ازیں کہ اس نے پانی نماز میں دیکھا یا اس سے پہلے، اور اس نے خود وعدہ کیا یا اس کے مانگنے پر، اور بعد کو وقت میں دے یا بعد وقت، یا اصلا نہ دے خواہ کسی عذر سے، یا بالقصد وعدہ خلافی سے، اور عام ازیں کہ اس وعدے سے پہلے اسے دینے یا نہ دینے کا ظن ہو یا نہ ہو، بہر حال مؤثر ہے۔

ضابطہ (۳۵): یہ تیمم سے نماز پڑھ چکا، اس کے بعد اس نے وعدہ کیا کہ پانی وقت میں دے گا، اور پھر بلا عذر نہ دیا، یا دیا تو وقت گزر جانے پر دیا، اس صورت میں نماز ہو گئی، خواہ یہ وعدہ اس نے خود کیا ہو، یا بعد نماز اس کے سوال پر، اور اس پانی پر اطلاع اسے نماز میں ہوئی ہو یا پہلے، عام ازیں کہ اس نے اسے نماز مذکور تیمم سے پڑھتے دیکھا ہو یا نہیں، اور اسے پیش از وعدہ کوئی ظن ہو یا شک۔

ضابطہ (۳۶): اس کے نماز پڑھ لینے کے بعد وعدہ کیا، اور وقت میں دے دیا، یا نہ دینا کسی وجہ سے ہوا نہ وعدہ خلافی سے، اس میں مطلقاً نماز کا اعادہ کرنا ہو گا، صورِ مذکورۂ قاعدۂ سوم سے کوئی بھی صورت واقع ہو۔

ضابطہ (۳۷): اس نے مانگا، وہ چپ رہا مگر وقت میں پانی دے دیا، اور اسے تیمم سے نماز پڑھتے دیکھ کر خاموش نہ رہا تھا تو یہ دینا بھی مطلقاً مؤثر ہے، یعنی تیمم کا ناقض یا مانع یا نماز کا مبطل یا قاطع (ہو گا، ن)، خواہ اس کا مانگنا اور اس کا دینا تیمم سے پہلے ہو یا اس کے بعد، نماز سے پہلے یا عین نماز میں، یا نماز کے بھی بعد وقتِ نماز میں، عام ازیں کہ اسے نماز میں پانی پر اطلاع ہوئی ہو یا پہلے، اور دینے، نہ دینے کا ظن ہو یا شک۔

ضابطہ (۳۸): اس کے مانگنے پر چپ رہا اور پھر پانی اصلا نہ دیا، یا وقت کے بعد دیا، یا اسے تیمم سے نماز پڑھتے دیکھا اور بعد نماز وقت ہی میں دیا، عام ازیں کہ اسے نماز میں اطلاع ہوئی ہو یا پہلے، اور تیمم سے پہلے مانگا یا بعد، نماز سے پہلے یا نماز میں یا بعد، اور کوئی ظن تھا یا شک، بہر حال نماز پوری ہو گئی، اعادہ کی حاجت نہیں۔

ضابطہ (۳۹): مانگنے پر انکار کر دیا، مگر نماز ختم ہونے سے پہلے دے دیا، یہ دینا مطلقاً بمعنی مذکورۂ دوم مؤثر ہے، وضو کر کے یہ نماز پڑھنی یا پھیرنی ہو گی، خواہ یہ مانگنا اور دینا تیمم سے پہلے یا اس کے بعد، نماز سے پہلے یا عین نماز میں ہو، اور اطلاع نماز میں ہوئی ہو یا پہلے، اور دینے، نہ دینے کا ظن ہوا ہو یا شک۔

ضابطہ (۴۰): اس نے تیمم یا نماز سے پہلے یا نماز میں یا اس کے بعد مانگا، اور اس نے انکار کر کے اصلا نہ دیا، یا وقت گزرنے پر دیا، یا وقت ہی میں مگر نماز کے بعد دیا، خواہ تیمم سے نماز پڑھتے دیکھا یا نہیں، بہر

حال نماز ہو گئی، خواہ اطلاع کبھی ہوئی، اور ظن ہوا یا شک۔

ضابطہ (۴۱): نہ اس نے مانگا، نہ اس نے وقت میں دیا نہ (وقت گزرنے کے۔ ن، ر) بعد، مگر نماز میں خواہ اس سے پہلے، پانی پر مطلع ہو کر اسے ظن غالب ہوا تھا کہ مانگنے سے دے دے گا، نماز نہ ہوئی، پھر پڑھے۔

ضابطہ (۴۲): صورتِ مذکورہ میں اسے دینے کا گمان نہ ہوا، بلکہ نہ دینے کا ظنِ غالب یا شک تھا تو نماز ہو گئی۔

ضابطہ (۴۳): خود یا اس کے مانگنے پر کہا: "پانی ختم ہو چکا، پہلے کہتے تو دے دیتا" پھر نماز ختم ہونے سے پہلے دے دیا، یہ بدستور مؤثر ہے، وضو کر کے نماز پڑھے یا پھیرے، کبھی مطلع ہوا اور کوئی ظن یا شک کیا۔

ضابطہ (۴۴): یہی کہا اور پانی اصلا نہ دیا، یا بعد وقت خواہ وقت میں یا بعدِ نماز نماز پر مطلع ہو کر، یا بے اطلاع دیا، انھیں تعمیموں پر مطلقاً مؤثر نہیں، نماز ہو گئی، ہاں پانی دے دے تو آئندہ کے لیے وضو کرے۔

ضابطہ (۴۵): وعدہ وقت کے بعد دینے کا کیا، مگر وقت میں نماز ختم ہونے سے پہلے دے دیا، تو حکم مثل ضابطہ (۴۳) ہے۔ (یعنی یہ شخص پانی پر قادر کے حکم میں ہے، لہذا وضو کر کے نماز پڑھے، یا پھیرے۔ ن، ر)

ضابطہ (۴۶): اسی قسم کے وعدہ میں پانی ختمِ نماز سے پہلے نہ دیا، تو حکم و تفصیل مثل ضابطہ (۴۴) ہے۔ (یعنی یہ شخص پانی پر قادر کے حکم میں نہیں، بلکہ عاجز ہے، لہذا نماز ہو گئی، ہاں! پانی دے دے تو آئندہ کے لیے وضو کرے۔ ن، ر)

ضابطہ (۴۷): پانی ابھی خرچ نہ ہوا، اور دینے والے کی ملک پر باقی ہے، کہ اس نے منع کر دیا، اس میں صدہا صورتیں ہیں، بہر حال حکم یہی ہے کہ اب اس کا استعمال ناجائز ہو گیا، تیمم کرے۔

ضابطہ (۴۸): وعدہ کر کے انکار کر دیا، اگر وعدہ تیمم سے پہلے تھا، جس کے باعث تیمم ناجائز ہو گیا تھا، اب انکار کر دینے سے جائز ہو گیا- اور اگر تیمم کے بعد وعدہ تھا تو تیمم ٹوٹ گیا، انکار اسے جوڑ نہ دے گا، دوبارہ تیمم کرے- یوں ہی اگر عین نماز میں وعدہ کیا، نماز و تیمم دونوں گئے، انکار انہیں پھیر نہ لائے گا، پھر تیمم کر کے نماز پھیرے- اور اگر وعدہ بعد نماز تھا، نماز پوری ہو گئی، اور اس انکار نے اس کے پورا ہو جانے کو اور مضبوط کر دیا۔

ضابطہ (۴۹): پانی مانگنے پر انکار کر دیا تھا، اس کے بعد اب وعدہ کر لیا کہ وقت میں دے دے گا،

اگر یہ وعدہ تیمم سے پہلے ہے تو تیمم ناجائز ہو گیا اور تیمم کے بعد ہے تو ٹوٹ گیا، اور عین نماز میں ہے تو نماز و تیمم دونوں گئے، بہر حال آخر وقت تک انتظار کرے، اگر پانی مل جائے تو وضو کر کے نماز پڑھے، نہ ملے اور وقت جاتا دیکھے تو تیمم کر کے پڑھ لے، پھر پھیرے، اور اگر بعد انکار یہ وعدہ نماز پڑھ لینے کے بعد کیا تو نماز ہو گئی، اس پر اس کا کچھ اثر نہیں۔

ضابطہ (۵۰): مانگنے پر خاموش ہو رہا، پھر انکار کر دیا، نماز و تیمم سب جائز ہیں، انکار بعدِ نماز کیا ہو، خواہ پہلے۔

ضابطہ (۵۱): سوال پر سکوت کے بعد وقت میں دینے کا وعدہ کر لیا، اگر یہ وعدہ تیمم سے پہلے یا اس کے بعد، نماز سے پہلے یا عین نماز میں ہے، یا نماز کے بعد (وعدہ کیا۔ ن، ر) مگر اس حال میں کہ اسے تیمم سے نماز پڑھتے نہ دیکھا، تو ان صورتوں میں یہ وعدہ مؤثر ہے، تیمم کا ناقض، یا مانع، اور نماز کا مبطل ہے یا قاطع - اور اگر تیمم سے نماز پڑھنے پر مطلع ہوا جب بھی ساکت رہا، اس کے بعد وعدہ کیا، تو نماز ہو گئی۔ [1]

ضابطہ (۵۲): بندے پر کسی چیز کے بارے میں یہ تفتیش لازم نہیں ہے کہ وہ حرام ہے، یا حلال کہ اشیا میں اصل حلت ہے۔

ہاں! اس میں شک نہیں کہ شبہہ کی جگہ تفتیش و سوال بہتر ہے جب اس پر کوئی فائدہ مترتب ہوتا سمجھے۔

اور یہ بھی اسی وقت تک ہے جب اس احتیاط و ورع میں کسی امرِ اہم و آکد کا خلاف نہ لازم آئے کہ شرع مطہر میں مصلحت کی تحصیل سے مفسدہ کا ازالہ مقدم تر ہے مثلاً مسلمان نے دعوت کی، یہ اس کے مال و طعام کی تحقیقات کر رہے ہیں - • کہاں سے لایا، • کیونکر پیدا کیا، • حلال ہے یا حرام، • کوئی نجاست تو اس میں نہیں ملی ہے - کہ بیشک یہ باتیں وحشت دینے والی ہیں اور مسلمان پر بدگمانی کر کے ایسی تحقیقات میں اُسے ایذا دینا ہے خصوصاً اگر وہ شخص شرعاً معظم و محترم ہو، جیسے عالمِ دین، یا سچا مرشد، یا ماں باپ، یا استاذ، یا ذی عزت مسلمان، سردار قوم تو اس نے اور بے جا کیا — ◉ ایک تو بدگمانی ◉ دوسرے موحش باتیں ◉ تیسرے بزرگوں کا ترکِ ادب۔

اور یہ گمان نہ کرے کہ خفیہ تحقیقات کر لوں گا، حاشا و کلا اگر اسے خبر پہنچی۔ اور نہ پہنچنا تعجب ہے کہ آج کل بہت لوگ پرچہ نویس ہیں۔ تو اس میں تنہا خود پوچھنے سے زیادہ رنج کی صورت ہے۔ نہ یہ خیال

---

(۱) رسالہ: قوانين العلماء في متيمم علم عند زيد ماء، مشمولہ فتاویٰ رضویہ، ج:۳، ص:۳۶۸ تا ۳۷۶ کے منتخب حواشی، مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

کرے کہ احباب کے ساتھ ایسا برتاؤ برتوں گا "ہیہات" احباب کو رنج دینا کب روا ہے۔ اور "یہ گمان کہ شاید ایذا نہ پائے" ہم کہتے ہیں شاید ایذا پائے اگر ایسا ہی شاید پر عمل ہے تو اُس کے مال وطعام کی حلت وطہارت میں شاید پر کیوں نہیں عمل کرتا۔ معہذا اگر ایذا نہ بھی ہُوئی اور اُس نے براہِ بے تکلفی بتادیا تو ایک مسلمان کی پردہ دری ہوئی کہ شرعًا ناجائز۔

غرض ایسے مقامات میں ورع واحتیاط کی دو ہی صورتیں ہیں:

⊙ یا تو اس طور پر بچ جائے کہ اُسے اجتناب ودامن کشی پر اطلاع نہ ہو۔

⊙ یا سوال وتحقیق کرے تو اُن امور میں جن کی تفتیش موجبِ ایذا نہیں ہوتی مثلاً کسی کا جُوتا پہنے ہے وضو کر کے اُس میں پاؤں رکھنا چاہتا ہے دریافت کرلے کہ پاؤں تر ہیں یوں ہی پہن لوں۔

⊙ یا کوئی فاسق بیباک، مجاہر، معلن اس درجہ وقاحت وبے حیائی کو پہنچا ہوا ہو کہ اُسے نہ بتادینے میں باک ہو، نہ دریافت سے صدمہ گزرے، نہ اُس سے کوئی فتنہ متوقع ہو، نہ اظہارِ ظاہر میں پردہ دری ہو تو عندالتحقیق اُس سے تفتیش میں بھی حرج نہیں۔ ورنہ ہرگز بنام ورع واحتیاط مسلمانوں کی نفرت ووحشت یا اُن کی رُسوائی وفضیحت یا تجسّسِ عیوب ومعصیت کا باعث نہ ہو کہ یہ سب امور ناجائز ہیں اور شکوک وشبہات میں ورع نہ برتنا ناجائز نہیں، عجب کہ امر جائز سے بچنے کے لیے چند ناروا باتوں کا ارتکاب کرے یہ بھی شیطان کا ایک دھوکا ہے کہ اسے محتاط بننے کے پردے میں محض غیر محتاط کر دیا۔

مگر یہ اس وقت تک ہے جب تک نہ دین میں مداہنت ہو، نہ اُس کے لیے کسی گناہِ شرعی میں ابتلا ہو۔

قال تعالیٰ : ﴿وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝﴾

(ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اور اللہ اور اس کا رسول اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ وہ انہیں راضی کریں اگر وہ ایمان دار ہیں۔")

وقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: لاطاعة في معصية الله انما الطاعة في المعروف[1] الشيخان وأبوداود والنسائی عن عليّ كرم الله تعالیٰ وجهه.

---

(۱) صحیح البخاری، ج:۲، ص:۶۲۲، کتاب المغازی، باب سریۃ عبداللہ بن حذافہ، مجلس البرکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکفور
صحیح البخاری، ج:۲، ص:۱۰۵۷، کتاب الاحکام، باب السمع والطاعۃ للامام مالم تکن معصیۃ، مجلس البرکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکفور
صحیح البخاری، ج:۲، ص:۱۰۷۸، کتاب اخبار الآحاد، باب ماجاء فی اجازۃ خبر الواحد الصدوق فی الاذان، مجلس البرکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکفور
الصحیح لمسلم، ج:۲، ص:۱۲۵، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الاُمراء فی غیر معصیۃ، مجلس البرکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکفور

(نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں فرمانبرداری صرف نیک امور میں ہے" اس حدیث کو امام بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے۔)

پس ان امور میں **ضابطہ کلیہ** واجبۃ الحفظ یہ ہے کہ:

⊙ فعل فرائض و ترک محرمات کو اِرضائے خلق پر مقدم رکھے اور ان امور میں کسی کی مطلقاً پروانہ کرے۔

⊙ اور اتیان مستحب و ترکِ غیر اولی پر مُداراتِ خلق و مراعاتِ قلوب کو اہم جانے اور فتنہ و نفرت وایذا و وحشت کا باعث ہونے سے بہت بچے۔

⊙ اسی طرح جو عادات و رسوم خلق میں جاری ہوں اور شرع مطہر سے اُن کی حُرمت و شناعت نہ ثابت ہو اُن میں اپنے ترفع و تنزہ کے لیے خلاف و جُدائی نہ کرے کہ یہ سب امور ایتلاف و موانست کے معارض اور مراد و محبوب شارع کے مناقض ہیں۔

ہاں ہاں ہوشیار و گوش دار کہ یہ وہ نکتہ جمیلہ و حکمتِ جلیلہ و کُوچہ سلامت و جادۂ کرامت ہے جس سے بہت زاہدانِ خشک واہلِ تکشف غافل و جاہل ہوتے ہیں وہ اپنے زعم میں محتاط و دین پرور بنتے ہیں اور فی الواقع مغز حکمت و مقصودِ شریعت سے دور پڑتے ہیں خبردار و محکم گیر، یہ چند سطروں میں علم غزیر۔ و باللہ التوفیق و إلیہ المصیر.

پاک وناپاک اور حلال و حرام کے باہم مخلوط ہونے پر شے حلال رہے گی یا حرام، اس بارے میں ضابطۂ کلیہ (۵۳) کا بیان

واضح ہو کہ کسی شے حرام، خواہ نجس کے دوسری چیز میں خلط ہونے پر **یقین** دو قسم کا ہوتا ہے:

(۱) **شخصی** یعنی ایک فردِ خاص کی نسبت تیقن ہو، مثلاً آنکھوں سے دیکھا کہ اس کنویں میں نجاست گری ہے۔

(۲) اور نوعی یعنی مطلق نوع کی نسبت یقین ہو۔ اور اس کی پھر دو قسمیں ہیں:

سنن النسائی، ص:۸۰۶، کتاب البیعۃ، باب جزاء من أمر بمعصیۃ فأطاع، بیت الأفکار الدولیۃ، مجلس البرکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکفور
سنن أبی داوٗد، ص:۲۹۶، کتاب الجہاد، باب فی الطاعۃ، بیت الافکار الدولیہ، مجلس البرکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکفور

ایک **اجمالی** یعنی اس قدر ثابت کہ اس نوع میں اختلاط واقع ہوتا ہے نہ یہ کہ علی العموم اُس کے ہر فرد کی نسبت علم ہو جیسے کفار کے برتن، کپڑے، کنویں۔

دوسرا **کلی** یعنی نوع کی نسبت بروجہ شمول و عموم و دوام والتزام اس معنی کا ثبوت ہو مثلاً تحقیق پائے کہ فلاں نجس یا حرام چیز اس ترکیب کا جزو خاص ہے کہ جب بناتے ہیں اُسے شریک کرتے ہیں اور یہ وہیں ہوگا کہ بنانے والوں کو بالخصوص اس کے ڈالنے سے کوئی غرض خاص مقصود ہو، ورنہ بلا وجہ التزام متیقن نہیں ہوسکتا جیسے پانی وغیرہ کسی شے کو ہڈیوں سے صاف کریں کہ تصفیہ میں ناپاک یا حرام استخواں کی کوئی خصوصیت نہیں جو مقصود ان سے حاصل (ہوتا ہے وہ) پاک و حلال ہڈیوں سے بھی قطعاً حاصل ہوتا ہے۔

اور وہ اشیا بھی جن کا کسی ماکول و مشروب یا اور استعمالی چیزوں میں خلط سُنا جانا موجب تردّد و تشویش و باعثِ سوال و تفتیش ہو دو قسم ہیں:

ایک: ما مِنہ محذور یعنی وہ جن میں ہر قسم کے افراد موجود ہیں، بعض اُن میں حرام و نجس بھی ہیں اور بعض حلال و طاہر جیسے عِظام۔ یہاں منشاءِ توہم صرف اُن لوگوں کا بیباک و نامحتاط ہونا ہے جن کے اہتمام سے وہ چیز بنتی ہے کہ جب ان اشیا میں حرام و نجس بھی موجود اور اُن کو پرواہ و احتیاط مفقود تو کیا خبر کہ یہاں کس قسم کی چیز ڈالی گئی ہے اسی لیے جب وہ کارخانہ ثقہ مسلمانوں کے تعلق ہو تو خاطر پر اصلاً تردّد نہ آئے گا اور صدورِ محذور کی طرف ذہن سلیم نہ جائے گا۔

دوسرے: مَاہو محذور یعنی وہ کہ حرامِ مطلق یا نجسِ محض ہیں جن کا کوئی فرد، حلال و طاہر نہیں جیسے شراب بجمیع اَقسامِھا علیٰ مذہب محمدٍ المَاخوذ للفتوی۔

یہاں باعث احتراز و تنزہ خود اُس شے کی نفس حالت ہے، نہ بنانے والوں کی جرأت و جسارت، یہاں تک کہ ابتداءً اہل کارخانہ کی وثاقت و عدالت معلوم ہونا اس مقام پر علاجِ اندیشہ نہ ہوگی، بلکہ یہ سُن کر ان کی وثاقت واحتیاط میں شک آسکتا ہے۔ اسی وجہ سے ان دو صورتوں میں ہنگامِ نظر و تنقیح حکم بوجوہ فرق واقع ہوتا ہے۔

صُورت اولیٰ میں مجرد اُس شَے مثلاً استخواں (ہڈی) کے پڑنے پر تیقن ہے، عام ازاں کہ شخصی ہو یا نوعی، اجمالی ہو، یا کلی۔ خواہی نخواہی اس جزئی یا نوعی میں مخالطتِ حرام یا نجس کا یقین نہیں دلاتا۔ ممکن کہ صرف افراد طیبہ و مباحہ استعمال میں آئے ہوں۔ اسی طرح خاص افراد محرمہ و نجسہ کے استعمال پر یقین نوعی اجمالی بھی علی الاطلاق تحریم و تنجیس کا مورث نہیں کہ ہر جزئی خاص میں استعمالِ فرد طاہر و حلال کا احتمال

قائم ولہٰذا افراد قسمین کا بازار میں اختلاط مانع اشترا و تناول نہیں کہ کسی معین پر حکم بالجزم نہیں کر سکتے۔

بخلاف صورتِ ثانیہ کہ وہاں صرف اس کے پڑنے کا یقین شخصی خواہ نوعی کلی اُس جزئی خاص یا تمام نوع کی تنجیس و تحریم میں بس ہے جس کے بعد کچھ کلام باقی نہیں رہتا اور وہ احتمالات کہ بوجہ تنوع افراد صورتِ اولیٰ میں متحقق ہوتے تھے یہاں قطعاً منقطع۔ اسی طرح صورتِ اولیٰ میں اگر بالخصوص افراد حرام وناپاک ہی پڑنے کا ایسا ہی یقین یعنی شخصی، یا نوعی، کلی ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اس تقدیر پر صورتِ اولیٰ صورت ثانیہ کی طرف رجوع کر آئی۔

لانتفاء التنوع في الأفراد فان اليقين تعلق بخصوص الأفراد المحرّمة والنجسة وهي لاتتنوع الى محذور وغير محذور. اس لیے کہ افراد میں تنوّع نہیں ہوتا تو یقین خاص حرام وناپاک افراد سے متعلق ہوا اور افراد ممنوع اور غیر ممنوع کی طرف تقسیم نہیں ہوتے۔ (نظام)

البتہ یقین نوعی اجمالی یہاں بھی بکار آمد نہیں کہ جب علیٰ وجہ العموم والالتزام تیقن نہیں تو ہر فرد کی محفوظی محتمل ہے جب تک کسی جزئی خاص کا حال تحقیق نہ ہو کہ اس وقت یہ یقین، یقینِ شخصی کی طرف رجوع کر جائے گا وھو مانع کما ذکرنا.

بالجملہ خلاصۂ ضابطہ یہ ہے کہ مامنہ محذور میں کسی قسم کا یقین بکار آمد نہیں جب تک وہ ماہو محذور کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور ماہو محذور میں ہر قسم کا یقین کافی مگر صرف نوعی اجمالی کہ ساقط و غیر مثبتِ ممانعت ہے جب تک یقین شخصی کی طرف مائل نہ ہو۔

یہ **نفیس ضابطہ** قابلِ حفظ ہے کہ **شاید اس رسالہ عجالہ کے سوا دوسری جگہ نہ ملے** اگرچہ جو کچھ ہے کلمات علما سے مستنبط اور انہی کی کفش برداری کا تصدق ہے۔ والحمد للہ رب العلمین۔

مثالوں سے ضابطۂ کلیہ کی وضاحت

(۱) شراب کے ایک مسئلے سے وضاحت

کل کی برف میں شراب ملنے کی خبر قابل غور و واجب النظر ہے۔ اب ضابطہ ۵۶ و ۵۷ کی تقریر پیشِ نگاہ رکھ کر لحاظ در کار۔

⊙ اگر یہ اخبار افواہِ بازار یا منتہائے سند بعض مشرکین و کفار، تو بالکل مردود و محض بے اعتبار۔ ہاں صورت اخیرہ میں اگر ان کا صدق دل پر جمے تو احتیاط بہتر۔ تاہم گناہ نہیں۔ اور اتنا بھی نہ ہو تو اصلاً پرواہ نہیں۔

⊙ اور اگر فُساق بداعمال یا مستور نامعلوم الحال کی خبر، تو شہادت قلب کی طرف رجوع معتبر۔ اگر دل اس امر میں اُن کے کذب کی طرف جھکے تو کچھ باک نہیں، مگر احتراز افضل کہ آخر مسلمان ہیں۔ عجب کیا کہ سچ کہتے ہوں خصوصًا مستور کہ اُس کی عدالت معلوم نہیں تو فسق بھی تو ثابت نہیں۔

اور اگر قلب اُن کے صدق پر گواہی دے تو بیشک احتراز چاہئے کہ ایسے مقام پر تحری حجتِ شرعیہ ہے اگرچہ وہ خبر بنفسہ حجت نہ تھی مگر یہاں ممانعت کا درجہ حرمت قطعیہ تک تجاوز نہ کرے گا۔

اور وہ بھی اُسی کے حق میں جس کا دل اُن کے صدق کی طرف جائے۔

پس اگر دوسرے کے دل پر اُن کا کذب جمے اُس کے حق میں وہی پہلا حکم ہے کہ احتراز بہتر، ورنہ اجازت۔

⊙ ہاں اگر اس قدر جماعتِ کثیر کی خبر ہو جن کا کذب پر اتفاق عقل تجویز نہ کرے تو بیشک علی الاطلاق حرمتِ قطعی کا حکم دیا جائے گا اور اس کے سوا کسی امر پر لحاظ نہ کیا جائے گا اگرچہ وہ سب مخبر فُساق و فُجار، بلکہ مشرکین و کفار ہوں۔

فإن العدالة بل والاسلامَ أيضا لايشترط في التواتر عند الجمهور خلافا للامام فخرالاسلام علىٰ ماشتهر مع ان كلامه قدس سره، ايضا غير نص في الاشتراط كما أفاده المولى بحرالعلوم في الفواتح.[1] والله اعلم.

(کیوں کہ تواتر میں عدالت بلکہ اسلام کی شرط بھی جمہور کے نزدیک نہیں۔ امام فخر الاسلام کا موقف۔ جیساکہ مشہور ہے۔اس کے برخلاف ہے، تاہم ان کا کلام بھی اسلام و عدالت کے شرط ہونے میں نص نہیں جیساکہ حضرت بحرالعلوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فواتح الرحموت میں یہ افادہ کیا۔) (نظام)

اسی طرح اگر منتہائے سند مسلمان عادل اگرچہ ایک ہی ہو جب بھی احتراز واجب اور برف حرام و نجس۔

فإن في الديانات لايشترط العدد و يقبل خبر الواحد العدل بلاتردد. (کیوں کہ دیانات میں عدد شرط نہیں اور ایک عادل آدمی کی خبر کسی تردّد کے بغیر قبول کی جاتی ہے۔) (نظام)

مگر یہ ضرور ہے کہ وہ خود اپنے معاینہ سے خبر دے ورنہ سُنی سنائی کہنے میں اُس کا قول خود اُس کا قول نہیں یہاں تک کہ جب اکابر علما نے دیبائے فارسی کی نسبت لکھا اس میں پیشاب پڑتا ہے۔ امام ملک العلما ابوبکر بن مسعود کاشانی قدس سرہ الربانی وغیرہ ائمہ نے فرمایا: اگر یہ بات تحقیق ہو جائے تو اُس سے نماز ناجائز ہو گی تو کیا وجہ کہ اُن علما کا خود مشاہدہ نہ تھا لہذا ہنوز معاملہ تحقیق طلب رہا۔

---

(۱) فواتح الرحموت، مسالۃ: للتواتر شروط، المطبعۃ الامیریہ بولاق مصر ج:۲، ص:۱۱۸/ و ایضًا، ص:۱۴۹، ۱۵۰ ج:۲، دار النفائس، الریاض۔

اسی طرح تواتر کے بھی یہ معنی کہ اس قدر جماعتِ کثیر خاص اپنے معاینہ سے بیان کرے، نہ یہ کہ کہنے والے تو ہزاروں ہیں مگر جس سے پوچھیے سننا بیان کرتا ہے کہ اس صورت میں اگر اصل مخبر کا پتا نہیں تو وہی افواہ بازاری ہے ورنہ انتہائے خبر اُس مخبر پر رہے گی اور ناقلین درمیان سے ساقط ہو جائیں گے صرف نظر اُس اصل کے حال پر اقتصار کرے گی۔

یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کا ہے کہ اکثر اس قسم کی خبریں عوام یا کم علموں کے نزدیک متواترات سے ملتبس ہو جاتی ہیں حالانکہ عندالتحقیق تواتر کی بو نہیں۔

الحاصل جب خبرِ معتبرِ شرعی سے ثابت ہو جائے کہ شراب اس ترکیب کا جز ہے تو برف کی حرمت ونجاست میں کلام نہیں اور علی العموم اُس کے تمام افراد ممنوع و محذور۔ اور یہ احتمال کہ شاید اس فرد خاص میں نہ پڑی ہو محض مہمل و مہجور کہ یہ ماہو محذور میں یقین نوعی کلی ہے اور ایسی جگہ یہ احتمالات یک لخت مضمحل وغیر کافی (دیکھو ضابطہ کلیہ کی تحریر اور ضابطہ (۸) کی صدر تقریر) یہاں تک کہ ایسی شے کا دوا میں بھی استعمال ناروا۔ مگر جب اُس کے سوا دوا نہ ہو اور یقین کامل ہو کہ اس سے قطعاً شفا ہو جائے گی جیسے بحالتِ اضطرار پیاسے کو شراب پینا یا بھُوکے کو گوشتِ مردار کھانا شرع مطہر نے جائز فرمایا کہ اُس سے پیاس اور اِس سے بھُوک کا جانا یقینی ہے نہ مجرد قول اطبا کہ ہرگز موجبِ یقین نہیں، بارہا اطبّا نسخے تجویز کرتے اور اُن کے موافق آنے پر اعتماد کُلی رکھتے ہیں پھر ہزار دفعہ کا تجربہ ہے کہ ہرگز ٹھیک نہیں اُترتے بلکہ کبھی بجائے نفع مضرت کرتے ہیں اور قرابادین کی بالاخوانیاں کون نہیں جانتا یہاں تک کہ اکذب من قرابادین الاطباء (فلاں) اطبا کی قرابادین سے زیادہ جھُوٹا ہے۔) مثل ہوگئی، علی الخصوص اس بارے میں ڈاکٹروں کا قول تو بدرجہ اولیٰ قابل قبول نہیں کہ نہ انہیں دین اسلام کے حلال و حرام کا غم واہتمام، نہ اس ملک والوں کی معرفتِ مزاج وطرقِ علاج و تدقیقِ علل و تحقیقِ علامات میں حذاقتِ کامل و مہارتِ تام۔

اور اگر ایسی خبر سے ثبوت نہیں تو غایت درجہ اس قدر کہ بحکم تورُّع واجتنابِ شبہات احتراز کرے مگر تحریم و تنجیس کا حکم بے دلیل شرعی ہرگز روا نہیں۔

یہ تو اصل حکمِ فقہی ہے اور واقع پر نظر کیجئے تو اس خبر کی کچھ حقیقت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی، نہ اُس پانی میں جسے منجمد کرتے ہیں شراب ملانے کی کوئی وجہ معلوم ہوتی ہے تو برف پر حکمِ جواز ہی ہے۔ ہاں انگریزی دواؤں میں جتنی دوائیں رقیق ہوتی ہیں جنہیں ٹنکچر کہتے ہیں اُن سب میں یقیناً شراب ہوتی ہے وہ سب حرام بھی ہیں اور ناپاک بھی، نہ اُن کا کھانا حلال، نہ بدن پر لگانا جائز، نہ خریدنا حلال نہ بیچنا جائز۔

كما حققناه في فتاونا: ان اسبارتو۔وهی روح النبيذ۔خمر قطعا بل من أخبث الخمور فهی حرام ورجس نجس نجاسة غليظة كالبول.

(ترجمہ: ہم نے اپنے فتاویٰ میں یہ تحقیق کی ہے کہ اسپرٹ شراب ہے بلکہ یہ سب سے زیادہ خبیث شراب ہے تو یہ حرام بھی ہے اور پیشاب کی طرح نجاستِ غلیظہ بھی۔)(نظام)

مسلمان اسے خُوب سمجھ لیں اور ڈاکٹری علاج میں ان ناپاکیوں نجاستوں سے بچیں خصوصًا سخت آفت اس وقت ہے کہ ان علاجوں میں قضا آجائے اور مسلمان اس حالت میں مرے کہ معاذاللہ اس کے پیٹ میں شراب ہو، والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔ اسی طرح بے شک اس شکر کا ہڈیوں سے صاف کیا جانا ایسا یقینی امر ہے جس کے انکار کی گنجائش نہیں مگر:

اوّلاً غور واجب کہ اس تصفیہ میں ہڈیوں پر شکر کا صرف مرور وعبور ہوتا ہے بغیر اس کے کہ اُن کے کُچھ اجزا شکر میں رہ جاتے ہوں جس طرح پانی کو کوئلوں اور ہڈیوں سے متقاطر کر کے صاف کرتے ہیں کہ برتن میں نتھرا پانی شفاف آجاتا ہے اور استخواں کا کوئی جُز اس میں شریک نہیں ہونے پاتا جب تو اس شکّر کی حلّت کو صرف اُن ہڈیوں کی طہارت درکار ہے اگرچہ حلال وماکول نہ ہوں۔

(۲) ہڈیوں سے شکر کی صفائی اور ضابطہ کلیہ پر تطبیق:

اور درصورت مرور ظاہر یہی ہے کہ منافذ کو تنگ کرتے اور بطور تقاطر رس کو عبور دیتے ہوں کہ ازالۂ کثافت کی ظاہراً یہی صورت ہڈیوں پر صرف بہاؤ میں نکل جانا غالبًا باعثِ تصفیہ نہ ہوگا تو اس تقدیر پر درصورتِ نجاستِ استخوان نجاستِ عصیر وحرمتِ شکر میں شک نہیں ورنہ[1] بلاریب طیب وحلال۔

روسرکی جس شکر کا حال تحقیقًا معلوم ہو کہ یہ بالخصوص کیوں کر بنی ہے اُس کے تفاصیل احکام ہماری اس تقریر سے ظاہر اور استخواں کی طہارت، نجاست اور حلت وحرمت کا حکم پہلے معلوم ہو چکا (دیکھو ضابطہ:۵۵)۔

ثانیاً: کیف ماکان ان خیالات پر مطلق شکر روسر کو نجس وحرام کہہ دینا صحیح نہیں بلکہ مقامِ اطلاق میں طہارت وحلّت ہی پر فتویٰ دیا جائے گا تاوقتیکہ کسی صورت کا خاص حال تحقیق نہ ہو کہ اس قدر سے تمام افراد کی نجاست وحرمت پر یقین نہیں صرف ظنون وخیالات ہیں جنھیں شرع اعتبار نہیں فرماتی (دیکھو ضابطہ:۵۷) مانا کہ بنانے والے بے احتیاط ہیں، مانا کہ اُنھیں نجس وطاہر وحرام وحلال کی پرواہ نہیں، مانا کہ ہڈیوں

(۱) یعنی اگر ہڈیاں ناپاک نہ ہوں یا رس اپنے بہاؤ میں اُن پر گزر جاتا ہو ۱۲ منہ

میں وہ بھی پائی جاتی ہیں جن کے اختلاط سے شے حرام یا نجس ہو جائے مگر نہ سب ہڈیاں ایسی ہی ہیں بلکہ حلال و طاہر بھی بکثرت۔ نہ بنانے والوں کو خواہی نخواہی التزام کہ خاص ایسے ہی طریقہ سے صاف کریں جو موجب تحریم و تنجیس ہو، نہ کچھ ناپاک یا حرام ہڈیوں میں کوئی خصوصیت کہ انہیں تصفیہ میں زیادہ دخل ہو جس کے سبب وہ لوگ انھیں کو اختیار کریں اور جب ایسا نہیں تو صرف اس قدر پر یقین حاصل ہوا کہ ہڈیوں سے صاف کرتے ہیں کیا ممکن نہیں کہ وہ ہڈیاں طاہر و حلال ہوں۔

دیکھو: اگر آدمی کو جنگل میں ایک چھوٹا سا گڑھا پانی سے بھرا ملے اور اس کے کنارے پر اقدامِ وحوش کا پتا چلے اور پانی بھی جانور کے پینے سے کنارہ پر گرا دیکھے بلکہ فرض کیجئے کہ جانور بھی جاتا ہوا نظر پڑے مگر بوجہ بُعد یا ظلمتِ شب پہچان میں نہ آئے تو اس سے خواہی نخواہی یہ ٹھہرا لینا کہ کوئی درندہ یا خاص خنزیر ہی تھا اور پانی کو ناپاک جان کر اس سے احتراز کرنا ہر گز حکم شرع نہیں، بلکہ وسوسہ ہے۔ مانا کہ جنگل میں سباع و خنزیر بھی ہیں، مانا کہ وہ بھی انہیں پانیوں سے پیتے ہیں، مانا کہ یہ جانور جو جاتے دیکھا ممکن کہ سوئر ہو مگر کیا ممکن نہیں کہ کوئی ماکول اللحم جانور ہو۔

یا اتنا یقین ہوا کہ وہ بے پرواہ ہیں پھر نفس شکر میں سوا ظنون کے کیا حاصل اس سے بدر جہا زیادہ ہیں وہ بے احتیاطیاں اور خیالات جو بعض مسائل سابقۃ الذکر میں متحقق (دیکھو ضابطہ:۶۱) بلکہ جہاں بوجہ غلبہ وکثرت وفور وشدت بے احتیاطی غلبۂ ظن غیر ملتحق بالیقین حاصل ہو وہاں بھی علما تنجیس و تحریم کا حکم نہیں دیتے صرف کراہت تنزیہی فرماتے ہیں (دیکھو ضابطہ:۶۲) پھر ما نحن فیہ تو اس حالت کا وجود بھی محل نظر، کون کہہ سکتا ہے کہ اکثر ناپاک و حرام ہڈیاں ہی ڈالتے ہوں گے اور طیب و طاہر شاذ و نادر۔

یا اتنا یقین ہوا کہ وہ اپنی بے پرواہی کو وقوع میں لاتے اور ہر طرح کی ہڈیاں ڈالتے ہی ہیں پھر یہ تو نہیں کہ دائماً صرف وہی طریقہ برتتے ہیں جو نجس و حرام کر دے اور جب یوں بھی ہے اور یوں بھی تو ہر شکر میں احتمال محفوظی تو ہر گز حکم نجاست و حرمت نہیں دے سکتے۔ (دیکھو ضابطہ:۶۳)

بلکہ جب تک کسی جگہ کوئی وجہ وجیہ ریب وشبہہ کی نہ پائی جائے تحقیقات کی بھی حاجت نہیں، بلکہ جہاں تحقیق پر کوئی فتنہ یا ایذائے اہل ایمان یا ترکِ ادب بزرگان یا پردہ دریِ مسلمان یا اور کوئی محذور سمجھے وہاں تو ہر گز ان خیالات وظنون کی پابندی نہ کرے۔ (دیکھو ضابطہ:۶۶)

ہاں بے شک جو شخص اپنی آنکھ سے دیکھ لے کہ خاص مردار یا حرام ہڈیاں لی گئیں اور اس کے سامنے شکّر میں اس طور پر ملا دی گئیں کہ اب جُدا نہیں ہو سکتیں یا بچشم خود معاینہ کرے کہ بالخصوص ناپاک استخواں

لائے گئے اور اس کے رُوبرو رس میں بے حالت جریان شامل ہُوئے اور وہی رس منعقد ہوکر شکر بنا تو بالخصوص یہی شکر جو اس کے پیشِ نظر یوں بنی اس پر حرام جس کا نہ کھانا جائز، نہ کھلانا جائز۔ نہ لینا جائز، نہ دینا جائز۔ یوں ہی جس خاص شکر کی نسبت خبر معتبر شرعی سے جس کا بیان ضابطہ (٦٠) میں آئے گا ایسا برتاؤ درجہ ثبوت کو پہنچے اور معتمد بیان کرنے والا کہے میں پہچانتا ہوں یہ خاص وہی شکر ہے جس میں ایسا عمل کیا گیا تو اس کا استعمال بھی روا نہ رہے گا بغیر ان صورتوں کے ہرگز ممانعت نہیں۔

اور اگر اس نے خود دیکھا یا معتبر سے سنا مگر جب بازار میں شکر بِکنے آئی مخلوط ہوگئی اور کچھ تمیز نہ رہی تو پھر حکمِ جواز ہے اور خریداری و استعمال میں مضائقہ نہیں جب تک کسی خاص شکر پر پھر دلیل شرعی قائم نہ ہو (دیکھو ضابطہ: ٦٤)

یہ ہے حکمِ شرع۔ اور حکم نہیں مگر شرع کے لئے، صلی اللہ تعالیٰ علی صاحبہ وبارک وسلم آمین!

خاتمہ رزقنا اللہ حسنہا آمین

بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے اس شکر کے بارے میں ہر صورت پر وہ واضح وبَیّن کلام کیا کہ کسی پہلو پر حکمِ شرع مخفی نہ رہا اب اہلِ اسلام نظر کریں۔

● اگر یہاں اُن صورتوں میں سے کوئی شکل موجود ہو جن پر ہم نے حکمِ حرمت ونجاست دیا تو وہی حکم ہے۔ ● ورنہ مجرد ظنون واوہام کی پابندی محض تشدّد وناواقفی، نہ بے تحقیق کسی شے کو حرام وممنوع کہہ دینے میں کچھ احتیاط، بلکہ احتیاط اباحت ہی ماننے میں ہے جب تک دلیلِ خلاف واضح نہ ہو۔ (دیکھو ضابطہ: ۵۸)

ہم یقین کرتے ہیں کہ ان خیالات وتصوّرات کا دروازہ کھولا جائے گا تو ہندیوں (ساکنانِ ہند) پر دائرہ نہایت تنگ ہو جائے گا ایک روسر کی شکر کیا ہزار ہا چیزیں چھوڑنی پڑیں گی:

● گھوسیوں کا گھی ● تیلیوں کا تیل ● حلوائیوں کا دُودھ ● ہر قسم کی مٹھائی ● کافر عطاروں کا عرقِ شربت کیا بلا ہے اور اُن کی طہارت پر بے تمسّک باصل کونسا بینہ قاطعہ ملا ہے اس دائرہ کی توسیع میں امت پر تضییق اور ہزاروں مسلمانوں کی تاثیم وتفسیق ہے جسے شرع مطہر کہ کمال یسر وسماحت ہے ہرگز گوارا نہیں فرماتی صلی اللہ تعالیٰ علی صاحبہ وبارک وسلم۔

في الحاشية الشامية: فيه حرج عظيم لأنه يلزم منه تأثيم الأمّة[1] اھ.

(۱) ردالمختار مطلب فیمن وطئ من زفت الیه ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ج:٤، ص:٢٦/ایضًا ج:٦، ص:٧٣، کتاب الحدود، دار الکتب العلمیہ، بیروت

(در مختار کے حاشیہ شامی میں ہے کہ اس میں حرجِ عظیم ہے کیوں کہ اس میں اُمت کو گنہ گار بنانا لازم آتا ہے۔)(نظام)

فقیر غفرلہ اللہ تعالیٰ، نے آج تک نہ اس شکر کی صورت دیکھی، نہ کبھی اپنے یہاں منگائی، نہ آگے منگائے جانے کا قصد، مگر بایں ہمہ ہر گز ممانعت نہیں مانتا، نہ جو مسلمان استعمال کریں اُنہیں، آثم خواہ بیباک جانتا ہے، نہ تورع و احتیاط کا نام بدنام کر کے عوام مومنین پر طعن کرے، نہ اپنے نفس ذلیل مَہین، رذیل کے لیے اُن پر ترفّع و تعلّی روا رکھے۔

تنبیہ: فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے ان مقدمات میں جو مسائل و دلائل تقریر کیے جو انہیں اچھی طرح سمجھ لیا ہے اس قسم کے تمام جزئیات مثلاً بسکٹ، نان پاو، رنگت کی پُڑیوں، یورپ کے آئے ہوئے دودھ، مکھن، صابون، مٹھائیوں و غیرہا کا حکم خود جان سکتا ہے۔ غرض ہر جگہ کیفیتِ خبر و حالتِ مخبر و حاصل واقعہ و طریقۂ مداخلت حرام و نجس و تفرقۂ ظن و یقین و مدارجِ ظنون و ملاحظۂ ضابطۂ کلیہ و مسالکِ ورع و مدارات خلق و غیرہا امورِ مذکورہ کی تنقیح و مراعات کر لیں پھر ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی جزئیہ ایسا نہ نکلے گا جس کا حکم تقاریر سابقہ سے واضح نہ ہو جائے۔

[یقول العبد الضعیف: آج کل دوسرے ممالک سے جو مختلف قسم کے مطعومات اور مشروبات مثل پزّہ، میگی، تھمسپ، کوکا کولا، وغیرہ آتے ہیں یا اپنے ہی ملک میں تیار ہوتے ہیں اور ان کے اجزا کے بارے مَیں کچھ معلوم نہیں ہوتا انھیں ضوابط کلیہ سے سب کے احکام واضح ہو جاتے ہیں۔][1]

ضابطہ (۵۴): جس غیر اختیاری کے مبادی اس نے باختیار پیدا کیے اس میں معذور نہ ہوگا جیسے شراب کہ اس سے زوالِ عقل اس کا اختیاری نہیں مگر جبکہ اختیار سے پی تو زوالِ عقل اور اس پر جو کچھ مرتب ہو سب اسی کے اختیار سے ہوا۔[2]

یا جیسے نماز کا وقت آنے کے بعد سو گیا اور وقت گزرنے کے بعد آنکھ کھلی تو گنہ گار ہوگا کہ نیند سے بیدار ہونا اگرچہ اپنے اختیار میں نہیں، لیکن نیند و عدم بیداری کا سبب اس نے اپنے اختیار سے پیدا کیا۔ (نظام)

---

(۱) قوسین کی عبارات راقم الحروف کا اضافہ ہیں۔ ۱۲ محمد نظام الدین رضوی

(۲) رسالہ: المحجة المؤتمنة في آية الممتحنة، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۱۱، ص:۷۵۳، مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

تیسرا باب

فقہا سے منقول ضابطے

ضابطہ (۵۵): ہڈیاں ہر جانور یہاں تک کہ غیر ماکول و نامذبوح کی بھی مطلقاً پاک ہیں جب تک ان پر ناپاک دسومت (چکنائی) نہ ہو سوا خنزیر کے کہ نجس العین ہے اور اس کا ہر جزو بدن ایسا ناپاک ہے کہ اصلاً صلاحیتِ طہارت نہیں رکھتا۔

اور دسومت میں قیدِ ''ناپاکی'' اس غرض سے ہے کہ مثلاً جو جانور خونِ سائل نہیں رکھتے اُن کی ہڈیاں بہر حال پاک ہیں اگرچہ دسومت آمیز ہوں کہ ان کی دسومت بوجہ عدمِ اختلاطِ دم خود پاک ہے تو اس کی آمیزش سے استخواں کیوں کر ناپاک ہو سکتے ہیں۔

فی تنویر الابصار والدرالمختار و ردالمحتار: شعرُ المیتة غیر الخنزیر وعظمُها وعصبها وحافرها وقرنها الخالیة عن الدسومة (قیدٌ للجمیع کما فی القهستانی. فخرج الشعر المنتوف ومابعده إذا کان فیه دسومة) ودم سمك طاهر[1] انتهت ملخصة.[2]

تنویر الابصار، در مختار اور رد المحتار میں ہے '' خنزیر کے علاوہ ہر مردار کے بال، ہڈّی، پٹّھے، کُھر اور سینگ جو چکنائی سے خالی ہوں پاک ہیں۔ (''چکنائی سے خالی ہونے'' کی قید سب کے ساتھ ہے جیسا کہ قہستانی میں ہے تو اکھاڑے ہُوئے بال اور ہڈّی وغیرہ میں اگر چکنائی ہو تو وہ اس حکم سے خارج و ناپاک ہیں) نیز مچھلی کا خُون پاک ہے۔ (نظام)

ضابطہ (۵۶): مگر حلال و جائز الاکل صرف جانور ماکول اللحم، مذکّٰی یعنی مذبوح بذبحِ شرعی کی ہڈیاں ہیں حرام جانور اور ایسے ہی جو بے ذکاتِ شرعی[3] مرجائے، یا کاٹا جائے بجمیع اجزائہٖ حرام ہے اگرچہ طاہر ہو کہ طہارت مستلزمِ حلت نہیں جیسے سنکھیا بقدر مضرت اور انسان کا دودھ بعدِ عمرِ رضاعت اور مچھلی کے سوا جانورانِ دریائی کا گوشت وغیر ذلک، کہ سب پاک ہیں اور باوجود پاکی حرام۔

---

(۱) ردالمختار مع تنویر الابصار والدر المختار ج:۱، ص:۳۵۹ ـــــ ۳۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت

(۲) رسالہ: الأحلی من السکر لطلبة سکر روسر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۵۴۴، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

(۳) یعنی بشرطے کہ محتاجِ ذکاۃ ہو، نہ سمک وجراد کہ ان کا استثنا معلوم و معروف ۱۲ منہ

فی الحاشیة الشامیة: إذاکان جلد حیوان میت مأکول اللحم لایجوز أکلهٗ وهو الصحیح لقوله تعالیٰ: «حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ» [المائدة:۵، آیت:۳] وهذا جزء منها. وقال[۱] علیه الصلاة والسلام: "إنما یحرم من المیتة أکلها" أمّا إذا کان جلد ما لایؤکل فإنه لایجوز أکلهٗ إجماعا. بحر عن السراج[۲] اه ملخصا.[۳]

حاشیہ شامیہ میں ہے: جب کھال ایسے مردار جانور کی ہو جس کا گوشت کھایا جاتا ہے تو بھی اس کا کھانا جائز نہیں اور یہی صحیح ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "تم پر مردار حرام کیا گیا" اور یہ اس کا جز ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مردار سے صرف اس کا کھانا حرام ہوتا ہے۔" اور اگر کھال ایسے جانور کی ہو جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا تو بالاجماع اس کا کھانا جائز نہیں۔ بحر الرائق بحوالہ سراج۔ (نظام)

و فیها: تحت قوله: "والمسك طاهر حلال" زاد قوله "حلال" لأنه لایلزم من الطهارة الحل کما في التراب" منح[۴] اه.

نیز حاشیہ شامیہ میں ہے کہ در مختار میں مشک کو "طاہر و حلال" کہا کیوں کہ طاہر ہونے سے حلال ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ مٹی پاک ہے مگر حلال نہیں۔ مَنح۔ (نظام)

وفی الغنیة شرح المنیة عن القنیة: حیوان البحر طاهر و إن لم یؤکل حتی خنزیر البحر ولو کان میتة[۵] اه.[۶]

اور غنیہ شرح منیہ میں قنیہ سے نقل کیا ہے کہ دریائی جانور پاک ہیں اگرچہ انہیں کھایا نہ جاتا ہو۔ یہاں تک کہ دریائی خنزیر بھی، اگرچہ مردار ہو۔ (نظام)

ضابطہ (۵۷): شریعتِ مطہرہ میں طہارت و حلّت اصل ہیں[۷] اور ان کا ثبوت خود حاصل کہ اپنے اثبات میں کسی دلیل کے محتاج نہیں اور حرمت و نجاست عارضی ہیں کہ ان کے ثبوت کو دلیل خاص

---

(۱) اقول اخرجه احمد والبخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی والترمذی بالفاظ متقاربة کلهم عن ابن عباس وابن ماجة عن ام المومنین میمونة رضی الله تعالیٰ عنهم ۱۲ منه.

(۲) ردالمحتار مطلب في احکام الدباغة مطبوعہ مجتبائی دہلی ج:۱، ص:۱۳۶/ایضًا، ج:۱، ص:۳۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

(۳) رسالہ: الأحلی من السکر لطلبة سکر روسر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۵۴۴، ۵۴۵، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

(۴) ردالمحتار مطلب في احکام الدباغة مطبوعہ مجتبائی دہلی ج:۱، ص:۱۳۹/ایضًا ج:۱، ص:۳۶۴، مطلب في المسک والزباد والعنبر، دار الکتب العلمیہ

(۵) غنیة المستملی، قبیل ستر العورة، سہیل اکیڈمی لاہور ص: ۲۰۸/ایضًا ص:۲۰۸، المکتبة العربیة، بھنڈی بازار ممبئی۔

(۶) رسالہ: الأحلی من السکر لطلبة سکر روسر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۵۴۵، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

(۷) یعنی سوا بعض اشیاء کے جن میں حرمت اصل ہے جیسے دماء و فروج و مضار ۱۲ منہ

در کار اور محض شکوک وظنون سے اُن کا اثبات ناممکن کہ طہارت وحلت پر بوجہ اصالت جو یقین تھا اُس کا زوال بھی اس کے مثل یقین ہی سے متصور، نِرا ظنِ لاحق یقینِ سابق کے حکم کو رفع نہیں کرتا۔ یہ شرع شریف کا ضابطۂ عظیمہ ہے جس پر ہزارہا احکام متفرع (ہوتے ہیں۔ن) یہاں تک کہ کہتے ہیں تین چوتھائی فقہ سے زائد اس پر مُبتنی (ہیں) اور في الواقع جس نے اس قاعدہ کو سمجھ لیا وہ صدہا وساوسِ ہائلہ وفتنہ پردازیِ اوہامِ باطلہ ودست اندازیِ ظنونِ عاطلہ سے امان میں رہا۔

حدیث صحیح میں حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إیّاکم والظن فإن الظن أکذب الحدیث[1] رواہ الائمۃ مالك والبخاري ومسلم و أبو داؤد والترمذي عن أبي ھریرۃ رضي اللہ تعالیٰ عنہ.

بدگمانی سے بچو کیوں کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ اسے ائمہ حدیث امام مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (نظام)

اور یہ نفیس ضابطہ نہ صرف اسی قسم کے مسائل میں، بلکہ ہزارہا جگہ کام دیتا ہے جب کسی کو کسی شے پر منع وانکار کرتے اور اُسے حرام یا مکروہ یا ناجائز کہتے سنو جان لو کہ بارِ ثبوت اُس کے ذمّہ ہے جب تک دلیل واضح شرعی سے ثابت نہ کرے اُس کا دعویٰ اُسی پر مردود (ہوگا) اور جائز ومباح کہنے والا بالکل سبکدوش کہ اس کے لیے تمسک باصل موجود (ہے)، علما فرماتے ہیں یہ قاعدہ نصوص علیہ احادیث نبویہ علی صاحبہا افضل الصلاۃ والتحیۃ وتصریحات جلیہ حنفیہ وشافعیہ وغیرہم عامہ علما وائمہ سے ثابت (ہے) یہاں تک کہ کسی عالم کا اس میں خلاف نظر نہیں آتا۔

في الطریقۃ المحمدیۃ وشرحھا الحدیقۃ الندیۃ للعلامۃ عبدالغني النابلسي قدس سرہ القدسي: الأصل في الأشیاء الطھارۃ لقولہ سبحٰنہٗ وتعالیٰ: ﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾[2] والیقین لایزول بالشّكّ والظن، بل یزول بیقینٍ مثلہ- وھذا أصل مقرر في الشرع، منصوص علیہ في الأحادیث، مصرّح بہ في کتب الفقھاء من الحنفیۃ والشافعیۃ وغیرھم. ولم أر فیہ مخالفا من أحد من العلماء أصلا۔ فإذا شكّ أو ظنّ في طھارۃ ماء او طعام او غیر ذلك ممالیس بنجس العین فذلك الشيءُ طاھر في حق الوضوء

(۱) صحیح البخاری، باب ماینھی عن التحاسد والتدابر، ج:۲، ص:۸۹۶، مجلس البرکات، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک فور

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ:۲، آیت:۲۹۔

وحلّ الأكل وسائر التصرفات وكذا إذا غلب الظنُّ على نجاسته. اھ ملتقطا[1].

علّامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی کی ”حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ“ میں ہے کہ اشیا کی اصل طہارت ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اللہ نے زمین میں جو کچھ ہے تمھارے لیے پیدا فرمایا، اور یقین، شک و گمان سے زائل نہیں ہوتا بلکہ اپنے جیسے یقین سے زائل ہوتا ہے۔

یہ شریعت کا مسلّمہ قاعدہ ہے، نصوصِ احادیث اور حنفی و شافعی و دیگر فقہا کی کتابوں میں اس کی صراحت ہے، میں نے اس میں کسی عالم کا اختلاف نہ دیکھا، لہٰذا جب پانی، کھانے یا اس کے علاوہ کسی دوسری چیز کی طہارت میں جو نجس العین نہیں ہے شک پیدا ہو تو یہ حکم ہو گا کہ یہ چیز پاک ہے اور اس سے وضو کرنا جائز ہے، اسے کھانا حلال اور اس میں دوسرے تصرفات مثلاً کپڑے، چادر وغیرہ کو پہننا، اوڑھنا وغیرہ مباح ہو گا۔ یوں ہی جب اس کی نجاست کا ظنِّ غالب ہو تو بھی یہی حکم ہے۔ (نظام)

ضابطہ (۵۸): احتیاط اس میں نہیں کہ بے تحقیقِ بالغ و ثبوتِ کامل کسی شے کو حرام و مکروہ کہہ کر شریعتِ مطہرہ پر افترا کیجیے بلکہ احتیاط اباحت ماننے میں ہے کہ وہی اصل متیقن اور بے حاجت مُبیّن خود مُبیَّن۔ سیدی عبدالغنی بن سیدی اسمٰعیل قدّس سرہما الجلیل فرماتے ہیں:

ليس الاحتياط في الافتراء على الله تعالىٰ بإثبات الحرمة أو الكراهة اللذين لابدلهما من دليل، بل في القول بالإباحة التي هي الأصل وقد توقف النبي صلى الله تعالى عليه وسلم مع أنه هو الـمُشرِّع في تحريم الخمرِ أمّ الخبائث حتى نزل عليه النص القطعي[2] وآثره ابن عابدين في الأشربة مقررا.[3]

(احتیاط اس بات میں نہیں کہ حرمت یا کراہت ــ جن کے لیے دلیل ناگزیر ہے۔ کو ثابت کر کے اللہ تعالیٰ پر افترا باندھا جائے بلکہ احتیاط اباحت کے قول میں ہے کیوں کہ اباحت اصل ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شارع ہونے کے باوجود، تمام خبائث کی جڑ شراب کو حرام قرار دینے میں توقف فرمایا یہاں تک کہ آپ پر قرآن حکیم کی نص قطعی نازل ہو گئی۔ اھ

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مشروبات کے باب میں اسے برقرار رکھتے ہوئے

---

(۱) ● الحدیقۃ الندیۃ، بیان اختلاف الفقہافی امر الطہارۃ والنجاسۃ، مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ج:۲ص: ۱۰۷، ۱۱۷۔ ● رسالہ:الأحلی من السکر لطلبۃ سکر روسر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳،ص:۵۴۶، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

(۲) ردالمحتار، کتاب الاشربۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ج:۵، ص:۳۲۶/ایضاً ج:۱، ص:۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت

(۳) رسالہ:الأحلی من السکر لطلبۃ سکر روسر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳،ص:۵۴۷، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

اختیار فرمایا۔ (نظام)

ضابطہ (۵۹): بازاری افواہ قابل اعتبار اور احکامِ شرع کی مناط و مدار نہیں ہو سکتی بہت خبریں بے سروپا ایسی مشتہر ہو جاتی ہیں جن کی کچھ اصل نہیں، یا ہے تو بہ ہزار تفاوت۔ اکثر دیکھا ہے ایک خبر نے شہر میں شہرت پائی اور قائلوں سے تحقیق کیا تو یہی جواب ملا کہ سُنا ہے۔ نہ کوئی اپنا دیکھا بیان کرے، نہ اُس کی سند کا پتا چلے کہ اصل قائل کون تھا جس سے سُن کر شدہ شدہ اس اشتہار کی نوبت آئی، یا ثابت ہُوا تو یہ کہ فلاں کافر یا فاسق منتہائے اسناد تھا۔

پھر معلوم و مُشاہَد کہ جس قدر سلسلہ بڑھتا جاتا ہے خبر میں نئے نئے شگُوفے نکلتے آتے ہیں زید سے ایک واقعہ سُنیے کہ مجھ سے عمرو نے کہا تھا، عمرو سے پُوچھیے تو وہ کچھ اور بیان کرے گا، بکر سے دریافت ہوا تو اور تفاوت نکلا۔

مسلمٌ في مقدمة الصحيح: عن عامر بن عبدة قال: قال عبدالله: إن الشيطان ليتمثّل في صورة الرجل فيأتي القومَ فيحدثهم بالحديث من الكذب فيتفرقون فيقول الرجل منهم سمعت رجلا أعرف وجهه و لا أدري ما اسمه يحدث[1].

امام مسلم نے مقدمۂ صحیح مسلم میں حضرت عامر بن عبدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: شیطان آدمی کی شکل میں لوگوں کے پاس آکر ان سے جھُوٹی بات بیان کرتا ہے پھر وہ منتشر ہو جاتے ہیں تو ان میں سے کوئی کہتا ہے میں نے ایک آدمی سے یہ بات سنی، میں اس کو چہرے سے پہچانتا ہوں لیکن اس کا نام نہیں جانتا۔

علما فرماتے ہیں افواہی خبر اگرچہ تمام شہر بیان کرے، سننے کے قابل نہیں، نہ کہ اس سے کوئی حکم ثابت کیا جائے۔

الفاضل المصطفى الرحمتي في صوم حاشية الدر المختار: لامجردُ الشيوع من غير علمٍ بمن أشاعه كما قد تَشِيع اخبار يتحدث بها سائر أهل البلدة ولا يُعلم من أشاعَها كما ورد: "أن في اٰخر الزمان يجلس الشيطٰن بين الجماعة فيتكلم بالكلمة، فيتحدثون بها و يقولون لا ندري مَن قالها."

---

(۱) ● مقدمۃ الصحیح لمسلم، ج:۱، ص:۱۰، مجلس البرکات، مبارک پور۔ ● رسالہ: الأجلی من السکر لطلبة سکر روسر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۷۵۴، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف

فمثل هذا لا ينبغي أن يُسمع، فضلا عن أن يثبت به حكم[1] اه ملخصا.

دُر مختار کے حاشیہ ردالمحتار میں فاضل مصطفی رحمتی علیہ الرحمہ کا یہ قول منقول ہے کہ محض خبر پھیلنا کہ شائع کرنے والے کا علم نہ ہو استفاضہ نہیں ہے، جیسے کچھ بے بنیاد خبریں لوگوں کی زبان پر عام ہو جاتی ہیں لیکن شائع کرنے والے کا علم نہیں ہوتا جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ آخری زمانے میں شیطان ایک جماعت کے درمیان بیٹھ کر کچھ باتیں کرے گا تو وہ اسے بیان کریں گے اور کہیں گے کہ ہم اس کے قائل کو نہیں جانتے، تو اس قسم کی بات کو سُننا بھی مناسب نہیں، چہ جائیکہ اس سے کوئی حکم ثابت کیا جائے۔

ضابطہ (۶۰): حلت، حرمت، طہارت، نجاست احکامِ دینیہ ہیں، ان میں کافر کی خبر محض نامعتبر۔

قال الله تعالیٰ: «وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾»[2]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہرگز مسلمانوں پر کافروں کو راہ نہ دے گا۔

بلکہ مسلمان فاسق، بلکہ مستور الحال کی خبر بھی واجب القبول نہیں، چہ جائے کافر۔ قال الله تعالیٰ: «يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا»[3] الآية

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ایمان والو! اگر تمھارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی تحقیق کرو۔

دُر مختار میں ہے: شرط العدالة في الديانات كالخبر عن نجاسة الماء فيتيمم ولا يتوضأ ان اخبربها مسلم عدل منزجر عما يعتقد حرمته و يتحرّىٰ في خبر الفاسق و المستور اه ملخصا[4].

دیانات و عبادات کے باب میں خبر کے معتبر ہونے کے لیے عدالت شرط ہے جیسے پانی کے ناپاک ہونے کے بارے میں اگر کوئی مسلمان عادل جو حرام امور سے باز رہنے والا ہو، خبر دے تو تیمم کرے، وضو نہ کرے۔ اور فاسق و مستور الحال کی خبر کے بارے میں تحرّی کرے۔ (نظام)

وفی العالمگیریة عن الکافی: لا یقبل قول المستور في الديانات في ظاهر

---

(۱) ● ردالمحتار، کتاب الصوم، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ج:۲، ص:۱۰۲/ ایضًا ج:۳، ص:۳۵۹، مطلب ما قاله السبكي الخ، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔
● رسالہ: الأحلی من السکر لطلبة سکّر روسر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۵۴۸، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف

(۲) القرآن الحکیم، النساء:۴، آیت:۱۴۱۔

(۳) القرآن الحکیم، الحجرات:۴۹، آیت:۶۔

(۴) در مختار، کتاب الحظر والاباحۃ، مطبوعہ مجتبائی دہلی ج:۲، ص:۲۳۷/ تنویر الابصار و در مختار المطبوعان مع ردالمحتار، ج:۹، ص:۴۹۸ — ۴۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت

الروایات وهو الصحیح.[1] اھ

اور عالمگیریہ میں کافی سے نقل کیا کہ ظاہر روایات کے مطابق دیانات میں مستور الحال کا قول قبول نہ کیا جائے یہی صحیح ہے۔ (نظام)

ہاں فاسق و مستور میں اتنا ہے کہ اُن کی خبر سُن کر تحری واجب ہے، اگر دل پر اُن کا صدق جمے تو لحاظ کرے جب تک دلیلِ اقویٰ معارض نہ ہو اور کافر میں اس کی بھی حاجت نہیں مثلاً:

- پانی رکھا ہو، کافر کہے ناپاک ہے تو مسلمان کو روا کہ اُس سے وضو کر لے۔
- یا گوشت خریدا ہو، کافر کہے اس میں لحم خنزیر ملا ہے مسلمان کو اُس کا کھانا حلال اگرچہ اس کا صدق ہی غالب ہو اگرچہ اُس کی یہ بات دل پر کچھ جمتی ہوئی ہو کہ جو خُدا کو جھٹلاتا ہے اُس سے بڑھ کر جھُوٹا کون۔
- پھر ایسے کی بات محض واہیات، البتہ احتیاط کرے تو بہتر، وہ بھی وہاں جب کچھ حرج نہ ہو۔

وفي الهندية عن التاتارخانية: رجل اشترى لحما فلما قبضه فأخبره مسلم ثقة انه قدخالطه لحم الخنزير لم يسعه ان ياكله[2] اھ.

اور فتاوی ہندیہ میں تاتارخانیہ سے نقل کیا ہے کہ کسی شخص نے گوشت خرید کر اس پر قبضہ کر لیا، تب اسے کسی صالح مسلمان نے خبر دی کہ اس میں خنزیر کا گوشت ملا ہوا ہے تو اسے کھانا جائز نہیں۔ (نظام)

قلت: ومفهوم المخالفة معتبر في الكتب كما صرّح به الائمة والعلماء. و في ردالمحتار عن الذخيرة: أنّه في الفاسق يجب التحري وفي الذمي يستحب[3] اھ.

میں کہتا ہوں کتب علما میں مفہوم مخالف معتبر ہے جیسا کہ ائمہ وعلمانے اس کی تصریح کی، ردالمحتار میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ فاسق کی خبر میں تحرّی واجب ہے اور ذمی کے بارے میں مستحب ہے۔ (نظام)

وفي شرح التنوير عن شرح النقاية والخلاصة والخانية: أمّا الكافر اذاغلب صدقه على كذبه فإراقته أحبّ[4]

اور شرح تنویر میں شرح نقایہ، خلاصہ اور خانیہ سے ہے کہ کافر کے سچ بولنے کا گمان غالب ہو اور (وہ

---

(۱) الفتاوی الہندیہ، کتاب الکراھیۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ج:۵، ص:۳۰۹

(۲) الفتاوی الہندیۃ، کتاب الکراہیۃ، مطبوعہ نورانی کتب خانہ، پشاور ج:۵، ص:۳۰۹

(۳) ردالمحتار، کتاب الخطر والاباحۃ، مطبوعہ مصطفی البابي، مصر، ج:۵، ص:۲۴۴/ایضًا ردالمحتار، ج:۹، ص:۵۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت

(۴) ● در مختار کتاب الخطر والاباحۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ج:۲، ص:۲۳۷/ایضًا در مختار المطبوع مع ردالمحتار ج:۹، ص:۴۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔
● رسالہ:الأحلی من السکر لطلبة سکر روسر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۵۴۹، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف

پانی کو ناپاک بتائے) تو اسے بہا دینا زیادہ پسندیدہ ہے۔ (نظام)

ضابطہ (۶۱): کسی شے کا محل احتیاط سے دور، یا کسی قوم کا بے احتیاط و شعور اور پروائے نجاست و حرمت سے مہجور ہونا اسے مستلزم نہیں کہ وہ شے یا اُس قوم کی استعمالی خواہ بنائی ہوئی چیزیں مطلقًا ناپاک، یا حرام و ممنوع قرار پائیں کہ اس سے اگر یقین ہُوا تو اُن کی بے احتیاطی پر، اور بے احتیاطی مقتضیِ وقوعِ دائم نہیں، پھر نفس شے میں سوا ظنون و خیالات کے کیا باقی رہا جنہیں اَمثالِ مقام میں شرع مطہر لحاظ سے ساقط فرما چکی، کما ذکرنا في المقدمة الثانية.

(۱) دیکھو کیا کم ہے ان کنوؤں کی بے احتیاطی جن سے کفار فجار، جُہال گنوار، نادان بچّے، بے تمیز عورتیں سب طرح کے لوگ پانی بھرتے ہیں پھر شرع مطہر اُن کی طہارت کا حکم دیتی اور شرب و وضو روا فرماتی ہے جب تک نجاست معلوم نہ ہو۔

أقول: وهذا أمر مستمر من لدن الصدر الأول إلى زماننا هذا لايعيبه عائب ولاينكره منكر فكان إجماعاً.

أقول: یہ بات صدر اول یعنی عہد صحابہ سے ہمارے زمانے تک جاری ہے کوئی اس پر عیب نہیں لگاتا اور نہ کوئی اس کا انکار کرتا ہے تو اجماع ہوا۔ (نظام)

(۲) خیال کرو اس سے زیادہ ظنون و خیالات ہیں اُن جوتوں کے بارے میں جنہیں گلی کوچوں ہر قسم کی جگہوں میں پہنے پھرے پھر علما فرماتے ہیں کہ جُوتا کنویں سے نکلے اور اس پر کوئی نجاست ظاہر نہ ہو تو کنواں طاہر ہے، اگرچہ تطییباً للقلب دس، بیس ڈول تجویز کیے گئے۔

فی الطريقة والحديقة عن التاتر خانية: سئل الامام الخجندى عن ركية -وهى البئر- وجدفيها خف اى نعل تلبس ويمشي بها صاحبها في الطرقات لايدرى متى وقع فيها وليس عليه اثر النجاسة، هل يحكم بنجاسة الماء؟ قال: لا اھ ملخصا.[1]

طریقہ محمدیہ اور حدیقہ ندیہ میں تتار خانیہ سے منقول ہے کہ امام خجندی سے ایک کنویں کے بارے میں پُوچھا گیا کہ اس میں جُوتا پایا گیا جس کو پہن کر آدمی راہ چلتا ہے، یہ معلوم نہیں کہ جوتا اس میں کب گرا اور اس پر نجاست کا نشان بھی نہیں تو کیا پانی کے ناپاک ہونے کا حکم دیا جائے گا؟

انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا: نہیں۔ (نظام)

---

(۱) الحديقة الندیہ، ج:۲، ص:۶۷۴، الصنف الثانی من الصنفين، مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد/ ایضًا ج:۲، ص:۶۶۰، دار الحدیقہ۔

بلکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب جو جوتے پہن کر راستوں پر چلتے انھیں کو پہنے ہوئے نماز بھی پڑھ لیتے تھے، چناں چہ امام احمد بن حنبل[1] امام بخاری[2] امام مسلم[3] امام ترمذی[4] و امام نسائی[5] نے اس مضمون کی احادیث تخریج کی ہیں۔

(۳) غور کرو کیا کچھ گمان ہیں بچّوں کے جسم و جامہ میں کہ وہ احتیاط کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے، پھر فقہا حکم دیتے ہیں کہ جس پانی میں بچّہ ہاتھ یا پاؤں ڈال دے پاک ہے جب تک نجاست کی تحقیق نہ ہو۔

فی المتن والشرح المذکورین: کذلک حکم الماء الذی أدخل الصبی یدہ فیه لأن الصبیان لایتوقون النجاسة لکن لایحکم بھابالشك والظن حتی لوظھرت عین النجاسة أو أثرھا حکم بالنجاسة[6] اھ ملخصا.

طریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ میں ہے:

یہی حکم اس پانی کا ہے جس میں بچّے نے ہاتھ ڈال دیا کیوں کہ بچّے نجاست سے بچا نہیں کرتے لیکن شک اور گمان کی بنیاد پر پانی کے ناپاک ہونے کا حکم نہیں دیا جائے گا، ہاں اگر عینِ نجاست یا اس کا اثر ظاہر ہو جائے تو نجاست کا حکم دیا جائے گا۔ (نظام)

(۴) لحاظ کرو کس درجہ مجال وسیع ہے روغن کتان میں جس سے صابن بنتا ہے اس کی کلسیاں کھلی رکھی رہتی ہیں اور چوہا اُس کی بُو پر دوڑتا اور جیسے بن پڑے پیتا اور اکثر اُس میں گر بھی جاتا ہے پھر ائمہ ارشاد فرماتے ہیں ہم اس بنا پر روغن کو ناپاک نہیں کہہ سکتے کہ یہ فقط ظن ہیں کیا معلوم کہ خواہی نخواہی ایسا ہُوا ہی۔

فیھما عن التاتارخانیة عن المحیط البرھانی: قدوقع عند بعض الناس ان الصابون نجس لانه یتخذ من دھن الکتان و دھنُ الکتان نجس لأن أوعیته تکون مفتوحة الرأس عادة والفأرةُ تقصد شربھا وتقع فیھا غالبا ولکنا معشر الحنفیة لانفتی بنجاسة الصابون لأنا لا نفتی بنجاسة الدھن لأن وقوع الفأرة مظنون

---

(۱) مسند أحمد بن حنبل، عن أبي سعید الخذري، ج:۳، ص:۹۲، دار الفکر، بیروت

(۲) صحیح البخاري، کتاب الصلاة، باب الصلاة فی النعال، ج:۱، ص:۵۶، مجلس البرکات، مبارکفور

(۳) الصحیح لمسلم، کتاب المساجد، باب جواز الصلاة فی النعلین، ج:۱، ص:۲۰۸، مجلس البرکات، مبارکفور

(۴) جامع الترمذي، ج:۱، ص:۵۳، کتاب الصلاة، باب ماجاء في الصلاة فی النعال، مجلس البرکات، مبارکفور

(۵) سنن النسائی، کتاب القبلہ، الصلاة فی النعلین، ص:۹۹، حدیث:۷۷۵، بیت الأفکار الدولیة۔

(۶) الحدیقة الندیہ، النور الرابع في بیان اختلاف الفقہاء مطبوعہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد ج:۲، ص:۱۱۷/ ایضا، ج:۲، ص:۴۸۶، دار الحدیقہ۔

و لا نجاسة بالظن[1] اھ ملخصا.

طریقہ محمدیہ و حدیقۂ ندیہ میں تتارخانیہ و محیط برہانی کے حوالے سے ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک صابن ناپاک ہے کیوں کہ وہ کتان کے تیل سے بنایا جاتا ہے اور کتان کا تیل ناپاک ہے کیوں کہ اس کے برتن عام طور پر کھُلے ہوتے ہیں اور چُوہے اس کو پینے کے قصد سے جاتے اور اکثر اس میں گر پڑتے ہیں لیکن ہم گروہِ احناف صابن کے ناپاک ہونے کا فتویٰ نہیں دیتے کیوں کہ تیل کی نجاست پر ہمارا فتوی نہیں ہے اس لیے کہ چُوہے کا گرنا محض ایک گمان ہے اور گمان سے نجاست ثابت نہیں ہوتی۔ (نظام)

(۵) نظر کرو کتنی ردی حالت ہے اُن کھانوں اور مٹھائیوں کی جو کفار و ہنود بناتے ہیں کیا ہمیں اُن کی سخت بے احتیاطوں پر یقین نہیں، کیا ہم نہیں کہہ سکتے کہ اُن کی کوئی چیز گوبر وغیرہ نجاسات سے خالی نہیں، کیا ہمیں نہیں معلوم کہ اُن کے نزدیک گائے، بھینس کا گوبر اور بچھیا کا پیشاب نظیف طاہر، بلکہ طھور و مطہر، بلکہ نہایت مبارک و مقدس ہے کہ جب طہارت و نظافت میں اہتمام تمام منظور رکھتے ہیں تو ان سے زائد یہ فضیلت کسی شے سے حاصل نہیں جانتے پھر علما اُن چیزوں کا کھانا جائز رکھتے ہیں۔

فی ردالمحتار عن التتارخانية : طاهرٌ ما يتخذه أهل الشرك او الجَهَلة من المسلمين كالسمن والخبز والاطعمة والثياب[2] اھ ملخصا.

ردالمحتار میں تتارخانیہ سے منقول ہے کہ جو چیز مشرکین اور جاہل مسلمان بناتے ہیں مثلاً گھی، روٹی، کھانے اور کپڑے وغیرہ وہ سب پاک ہیں۔ (نظام)

بلکہ خود حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بکمال رافت و رحمت و تواضع و لینت و تالیف و استمالت کفار کی دعوت قبول فرمائی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

الإمام أحمد عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه ان يهوديا دعا النبى صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم الى خبز شعير و إهالة سَنخة فأجابه[3].

امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ

---

(۱) الحدیقۃ الندیہ، الصنف الثانی من الصنفین فیما ورد عن ائمتنا الحنفیۃ، مطبوعہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، ج:۲، ص:۶۷۵/ایضاً، ج:۲، ص:۴۶۰، دار الحدیقہ۔

(۲) ردالمحتار، کتاب الطہارۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ج:۱، ص:۱۱۱/ایضاً، ج:۱، ص:۲۸۳، ۲۸۴، مطلب فی ندب مراعات الخلاف۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت

(۳) مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مطبوعہ دار المعرفۃ، المکتب الاسلامی بیروت ج:۳، ص:۲۷۰/ایضاً، ص:۹۲۸، حدیث نمبر:۱۳۲۳۳، بیت الافکار الدولیہ۔

وآلہ وسلم کو جَو کی روٹی اور پرانے تیل کی دعوت دی آپ نے قبول فرمائی۔

(٦) نگاہ کرو مشرکوں کے برتن کون نہیں جانتا جیسے ہوتے ہیں وہ انہی ظروف میں شرابیں پئیں، سور چکھیں، جھٹکے کے ناپاک گوشت کھائیں، پھر شرع فرماتی ہے جب تک علم نجاست نہ ہو حکم طہارت ہے۔

فی الحديقة: اوعيةُ المشركين كاليهود والنصارى والمجوس فإنّها لا تخلوعن نجاسة لكن لايحكم بها بالاحتمال والشك[1] اھ ملخصا.

حدیقہ میں ہے کہ یہودیوں، عیسائیوں اور مجوسیوں کے برتن اکثر پاک نہیں ہوتے لیکن محض احتمال اور شک کی بنا پر اس کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ (نظام)

یہاں تک کہ خود صحابہ کرام حضور سید العلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے غنیمت کے برتن بے تکلف استعمال کرتے اور حضور منع نہ فرماتے۔

أحمدُ في المسند و ابوداود في السنن عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه، قال: كنا نغزو مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فنصيب من آنية المشركين وأسقيتهم ونستمتع بها فلا يعيب ذلك عليهم[2].

امام احمد نے مسند میں اور امام ابوداؤد نے سُنن میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی، وہ فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں جاتے تو ہمیں مشرکین کے برتن اور مشکیزے ملتے اور ان سے ہم فائدہ حاصل کرتے اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے ہمارے لیے معیوب نہ جانتے۔ (نظام)

قال المحقق النابلسی: أي ننتفع بالآنية والأسقية من غير غَسلها فلايعيب علينا فضلا عن نهيه. وهودليل الطهارة وجوازِ الاستعمال[3] اھ ملخصا.

محقق نابلسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ ہم ان برتنوں اور مشکیزوں کو بغیر دھوئے استعمال کرتے تو آپ ہمارے لیے معیوب نہ سمجھتے، روکنا تو الگ بات ہے۔ یہ طہارت اور جوازِ استعمال کی دلیل ہے۔ (نظام)

أقول: بل قد صحّ عن النّبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم التوضؤُ من مَزادةِ مشركةٍ

---

(۱) الحدیقۃ الندیۃ، بیان اختلاف الفقہاء فی امر الطہارۃ والنجاسۃ، مطبوعہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد ج:۲، ص:۱۱۷/ ایضاً ج:۲، ص:۴۸۶، دار الحدیقہ۔

(۲) سنن ابی داؤد، باب فی استعمال آنیۃ اھل الکتاب، مطبوعہ آفتاب عالم پریس، لاہور ج:۲، ص:۱۸۰/ ایضاً، ج:۲، ص:۵۳۶، دار الحدیقہ۔

(۳) الحدیقۃ الندیۃ بیان اختلاف الفقہاء فی امر الطہارۃ والنجاسۃ الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ج:۲، ص:۱۲۷/ ایضاً، ج:۲، ص:۴۸۶، دار الحدیقہ۔

-وعن امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه من جرّةِ نصرانيةٍ مع علمه بأن النصارى لايتوقون الانجاس بل لانجس عندهم إلا دم الحيض كما في مدخل الامام ابن الحاج.

الشیخان في حديث طويل عن عمران بن حصين رضی اللہ تعالیٰ عنه: ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم واصحابه توضَّؤا من مزادةِ امرأةٍ مشركة.

میں کہتا ہوں: بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے مشرکہ عورت کے بڑے مشک سے وضو فرمایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانی عورت کے گھڑے سے وضو کیا حالانکہ آپ کو معلوم تھا کہ عیسائی نجاست سے نہیں بچتے بلکہ ان کے نزدیک خونِ حیض کے علاوہ کوئی چیز ناپاک نہیں، جیسا کہ امام ابن الحاج کی مدخل میں ہے۔ امام بخاری و مسلم نے ایک طویل حدیث میں حضرت عمران بن حصین سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نے ایک مشرکہ عورت کے بڑے مشک سے وضو کیا۔ (نظام)

(۷) تامل کرو کس قدر معدنِ بے احتیاطی، بلکہ مخزنِ ہر گونہ گندگی ہیں، کفار، خصوصًا ان کے شراب نوش کے کپڑے، علی الخصوص پاجامے کہ وہ ہرگز استنجے کا لحاظ رکھیں، نہ شراب، پیشاب وغیرہما نجاسات سے احتراز کریں پھر علما حکم دیتے ہیں کہ وہ پاک ہیں اور مسلمان بے دھوئے پہن کر نماز پڑھ لے تو صحیح وجائز جب تک تلوُّث واضح نہ ہو۔

فی الدر المختار: ثياب الفَسَقَة واهل الذمة طاهرة[۱]- وفی الحديقة: سراويل الكَفَرَة من اليهود والنصارى والمجوس يغلب على الظن نجاسته لانهم لايستنجون من غير ان يأخذ القلب بذلك فتصح الصلاة فيه لان الاصل اليقين بالطهارة[۲] اھ ملخصا.

درمختار میں ہے: فاسقوں اور ذمی غیر مسلموں کے کپڑے پاک ہیں اور حدیقہ ندیہ میں ہے کہ یہودیوں، عیسائیوں اور مجوسیوں کے پاجامے کے ناپاک ہونے کا گمان غالب ہے کیوں کہ وہ استنجا نہیں کرتے لیکن جب اس پر یقین نہیں تو وہ پاجامے پہن کر نماز صحیح ہے کیوں کہ اصل طہارت کا یقین ہے۔ (نظام)

بلکہ عہدِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے آج تک مسلمین میں متوارث کہ لباسِ غنیمت میں نماز پڑھتے ہیں اور ظنون ووساوس کو دخل نہیں دیتے۔

---

(۱) درمختار، فصل الاستنجاء، مطبوعہ مجتبائی دہلی، ج:۱، ص:۵۷/ ایضًا درمختار، ج:۱، ص:۵۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت

(۲) الحدیقۃ الندیۃ، بیان اختلاف الفقہاء في امر الطهارة والنجاسة، مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ج:۲، ص:۶۱۷/ ایضًا ج:۲، ص:۴۸۶، دار الحدیقہ۔

فی الحلیة: التوارث جارفیما بین المسلمین في الصّلوة بالثیاب المغنومة من الکفَرَة قبل الغَسل.[1] اھ

حلیہ میں ہے کہ مسلمانوں میں یہ تعامل سلف وخلف سے چلا آرہا ہے کہ غیر مسلموں سے مال غنیمت میں حاصل ہونے والے کپڑوں کو دھونے سے پہلے ان میں نماز پڑھتے ہیں۔(نظام)

یہ سات نظیریں ہیں اور ان سب کی وجہ وہی ہے جو ہم اوپر ذکر کرآئے کہ طہارت وحلّت اصل و متیقّن۔اور ازالۂ یقین کو یقین ہی متعیّن۔

ولہٰذا اعادتِ علمائے دین یوں ہے کہ حکم بطہارت کے لیے ادنیٰ احتمال کافی سمجھتے ہیں اور اس کا عکس ہرگز معہود نہیں کہ محض خیالات پر حکمِ نجاست لگادیں۔دیکھو گائے بکری اور ان کی اَمثال اگر کنویں میں گر کر زندہ نکل آئیں قطعاً حکم طہارت ہے حالانکہ کون کہہ سکتا ہے کہ اُن کی رانیں پیشاب کی چھینٹوں سے پاک ہوتی ہیں مگر علما فرماتے ہیں کہ محتمل ہے کہ اس سے پہلے کسی آبِ کثیر میں اُتری ہوں اور اُن کا جسم دُھل کر صاف ہوگیا ہو۔

ضابطہ (۶۲): شدّتِ بے احتیاطی جس کے باعث اکثرِ احوال میں نجاست وآلودگی کا غلبۂ وقوع وکثرتِ شیوع ہو بیشک باعثِ غلبۂ ظن ہے اور ظنِ غالب شرعاً معتبر اور فقہ میں مبنائے احکام ہے۔مگر اس کی دو صورتیں ہیں:

ایک تو یہ کہ جانبِ راجح پر قلب کو اس درجہ وثوق واعتماد ہو کہ دوسری طرف کو بالکل نظر سے ساقط کردے اور محض ناقابلِ التفات سمجھے گویا اُس کا عدم ووجود یکساں ہو۔

ایسا ظنِ غالب فقہ میں ملحق بیقین ہے کہ ہر جگہ کار یقین دے گا اور اپنے خلاف، یقینِ سابق کا پُورا مزاحم ورافع ہوگا اور غالباً اصطلاحِ علما میں غالبِ ظن واکبر رای اسی پر اطلاق کرتے ہیں۔

فی غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر: الشکُّ لغةً: مطلق التردد، و فی اصطلاح الاصول: استواء طرفَي الشيء وهو الوقوف بین الشیئین بحیث لایمیل القلب إلی احدهما. فإن ترجّح أحدهما ولم یطرح الآخر فهو ظن. فان طرحهٗ فهو غالب الظن وهو بمنزلة الیقین وان لم یترجّح فهو وهم.[2]

(۱) ● حلیۃ المحلی ● رسالہ: الأحلی من السکر لطلبة سکر روسر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۵۵۴، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

(۲) غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر، القاعدۃ الثالثۃ من الفن الأول، ج:۱، ص:۸۴، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی

غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر میں ہے:

❖ شک، لغت میں مطلق ''تردّد'' کو کہتے ہیں اور اصولِ فقہ کی اصطلاح میں کسی چیز کے اثبات یا نفی دونوں طرفوں کا برابر ہونا۔ اور ''برابر ہونے'' سے مراد ہے دو چیزوں کے درمیان یوں پس و پیش میں پڑ جانا کہ دل، ان میں سے کسی کی طرف بھی نہ جھکے۔

❖ لیکن اگر ان میں سے ایک کی طرف دل جھک جائے اور وہ راجح ہو جائے مگر دوسری کو بھی نہ چھوڑے تو وہ ظن ہے۔

❖ اور اگر دوسری کو چھوڑ دے تو یہ ظنِ غالب ہے جو یقین کے درجہ میں ہے۔

❖ اور اگر کسی جانب ترجیح نہ ملے تو وہم ہے۔ (نظام)

دوسرے یہ کہ ہنوز جانب راجح پر دل ٹھیک ٹھیک نہ جمے اور جانب مرجوح کو محض مضمحل نہ سمجھے، بلکہ اُدھر بھی ذہن جائے اگرچہ بضعف و قلّت۔

یہ صورت نہ یقین کا کام دے، نہ یقینِ خلاف کا معارضہ کرے بلکہ ''مرتبۂ شک و تردّد'' ہی میں سمجھی جاتی ہے، کلماتِ علما میں کبھی اسے بھی ظنِ غالب کہتے ہیں اگرچہ حقیقۃً یہ مجرد ظن ہے، نہ غلبۂ ظن۔

فی الحديقة الندية: غالب الظن إذا لم يأخذ به القلب فهو بمنزلة الشك. واليقينُ لايزول بالشك[1] اھ

حدیقہ ندیہ میں ہے کہ جب ظن غالب پر دل نہ جمے تو وہ شک کے درجے میں ہوتا ہے۔ اور یقین، شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا۔ (نظام)

ہاں اس قسم کا اتنا لحاظ کرتے ہیں کہ احتیاط کو بہتر و افضل جانتے ہیں نہ کہ اُس پر عمل واجب ہو جائے۔ دیکھو کافروں کے پاجامے، مشرکوں کے برتن، اُن کے پکائے کھانے بچّوں کے ہاتھ پاؤں وغیر ذٰلک وہ مقامات جہاں اس قدر غلبہ و کثرت و وفور و شدّت سے نجاست کا جوش کہ اکثر اوقات و غالبِ احوال تلوّث و تنجّس ہے، جس کے سبب اگر طہارت کی طرف ایک بار ذہن جاتا ہے تو نجاست کی جانب دس، بیس دفعہ (جاتا ہے) مگر ازانجا کہ ہنوز ان میں کسی چیز کو بے دیکھے تحقیقی طور پر ناپاک نہیں کہہ سکتے اور قلب قبول کرتا ہے کہ شاید پاک ہوں لہذا علما نے تصریح کی کہ اس پانی سے وضو اور اُس کھانے کا تناول اور اُن برتنوں کا

---

(۱) الحديقة الندية،بيان اختلاف الفقهاء في امر الطهارة والنجاسة، مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ج:۲، ص:۱۱۷/ ایضاً، ج:۲، ص:۴۸۶، النوع الرابع فی بیان اختلاف الفقہاء، دار الحدیقہ۔

استعمال اور ان کپڑوں میں نماز صحیح وجائز ہے۔اور فاعل زنہار آثم و مستحق عقاب نہیں۔اور اُس غلبۂ ظن کا یہی جواب عطا فرمایا کہ اکثر احوال یوں سہی، پر تحقیق وتیقن تو نہیں پھر اصل طہارت کا حکم کیونکر مرتفع ہو، البتّہ باعتبار غلبہ وظہور، احتراز افضل و بہتر اور فعل، مکروہ تنزیہی یعنی مناسب نہیں کہ بے ضرورت ارتکاب کرے اور کیا تو کچھ حرج بھی نہیں۔

فی الطریقة المحمدیة و شرحها: لکن هنا — ای في حالِ غلبة الظن من غیر ان یأخذ به القلب — لَیُستحب الاحتراز عنه و یُکره تنزیها استعماله کسراو یل الکفرة وسؤر الدجاجة المخلاة والماء الذی أدخل الصبی یده فیه وأواني المشرکین.

وقال في الذخیرة: یُکره الأکل والشرب في أواني المشرکین قبل الغَسل لأن الغالب الظاهر من حال أوانیهم النجاسة فانهم یستحلون شرب الخمر و أکل المیتة ولحم الخنزیر و یشربون ذلك و یأکلون في قصاعهم و أوانیهم فیکره للمسلمین الأکل والشرب فیها قبل الغسل ثلاث مرات. اهـ ملخصًا[1]

طریقہ محمدیہ اور اس کی شرح حدیقہ ندیہ میں ہے: غلبۂ ظن ہو اور دل اس پر نہ جمے تو قابل اجتناب چیز سے احتراز مستحب ہے اور اس کا استعمال مکروہ تنزیہی ہے جیسے کفار کے پاجامے، آزاد گھومنے پھرنے والی مرغی کا جُوٹھا، وہ پانی جس میں بچّے نے ہاتھ ڈال دیا اور مشرکین کے برتن۔

ذخیرہ میں فرمایا: ”مشرکین کے برتنوں میں دھونے سے پہلے کھانا پینا مکروہ ہے کیوں کہ ان کے برتن غالباً نجس ہوتے ہیں ان کا ظاہر حال یہی ہے کیوں کہ وہ شراب پینے اور مُردار و خنزیر کا گوشت کھانے کو حلال جانتے، اسے کھاتے پیتے اور اپنے پیالوں اور دوسرے برتنوں میں استعمال کرتے ہیں لہٰذا ان کو تین بار دھونے سے پہلے مسلمانوں کو ان کا استعمال مکروہ ہے۔(نظام)

ضابطہ (۶۳): کسی شے کی نوع وصنف میں بوجہِ ملاقاتِ نجس یا اختلاطِ حرام، نجاست وحرمت کا تیقُّن اُس کے ہر فرد سے منع واحتراز کا موجب اُسی وقت ہوسکتا ہے جب معلوم ومحقق ہو کہ یہ ملاقات واختلاط بروجہِ عموم وشمول ہے۔

مثلاً جس شے کی نسبت ثابت ہو کہ اس میں شراب یا شحمِ خنزیر پڑتی ہے اور بنانے والوں کو اس کا

---

(۱) ● الحدیقة الندیة ، ج:۲، ص:۴۸۶ – ۴۸۷، النوع الرابع فی بیان اختلاف الفقہاء۔ ● رسالہ: الأحلی من السکر لطلبة سکر روسر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۵۵۶، ۵۵۵، ۵۵۷، ۵۵۸، ملتقطاً، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

التزام ہے تو اس کا استعمال کلیۃً ناجائز و حرام ہے اور وہاں اس احتمال کو گنجائش نہ دیں گے کہ ہم نے یہ فرد خاص مثلاً خود بنتے ہوئے نہ دیکھی، نہ خاص اس کی نسبت معتبر خبر پائی ممکن کہ اس میں نہ ڈالی گئی ہو کہ جب علی العموم التزام معلوم ہے تو یہ احتمال اُسی قبیل سے ہے جسے قلب قابلِ قبول والتفات نہیں جانتا اور بالکل متضائل و مضمحل مانتا ہے اور ہم پہلے کہہ چکے کہ ایسا احتمال کچھ کارآمد نہیں، نہ وہ ظنِّ غالب کو مساواتِ یقین سے نازل کرے۔ تو اصل طہارت کا یقین اس غلبۂ ظن سے ذاہب و زائل ہو گیا۔

مگر یہ کہ اس فرد خاص کی محفوظی کسی ایسے ہی یقین سے واضح ہو جائے تو البتہ اس کے جواز کا حکم دیا جائے گا و لہذا علما نے فرمایا: ”دیبائے فارسی ناپاک اور اُس سے نماز محض ناجائز کہ وہ اس کی چمک بھڑک زیادہ کرنے کو پیشاب کا خلط کرتے ہیں اور پھر دھوتے یوں نہیں کہ رنگ کٹ جائے گا۔“

فی الدر المختار: دیباج أهل فارس نجس لجعلهم فيه البولَ لبريقه[1] اھ

ترجمہ: دُرمختار میں ہے کہ اہل فارس کا دیباج (ریشمی کپڑا) ناپاک ہے کیوں کہ وہ اس میں چمک پیدا کرنے کے لیے پیشاب استعمال کرتے ہیں۔ (نظام)

وفی الحلیة عن البدائع: قالوا في الديباج الذى ينسجه أهل فارس: إنّه لا تجوز الصلاة فيه؛ لأنهم يستعملون فيه البول عند النسج و يزعمون أنه يزيد في تزيينه ثم لا يغسلونه، فإن الغَسل يُفسده.[2]

ترجمہ: اور حلیہ میں بدائع سے منقول ہے انہوں نے کہا اہل فارس جو دیباج بُنتے ہیں اُس میں نماز جائز نہیں کیوں کہ وہ بُنتے وقت اُس میں پیشاب استعمال کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اس سے اس کی زینت میں اضافہ ہوتا ہے پھر وہ اسے دھوتے نہیں کیوں کہ دھونے سے وہ خراب ہو جاتا ہے۔ (نظام)

اور اگر ایسا نہیں، بلکہ صرف اتنا محقق ہو کہ ایسا بھی ہوتا ہے نہ کہ خاص ناپاک و حرام میں کوئی خصوصیت ہے جس کے باعث قصداً اس کا التزام کرتے ہیں تو اس بنا پر ہرگز ہرگز حکم تحریم و تنجیس علی الاطلاق روا نہیں اور یہاں وہ احتمالات قطعاً مسموع ہوں گے کہ جب عموم نہیں تو جس فرد کا ہم استعمال چاہتے ہیں ممکن کہ افرادِ محفوظہ سے ہو اور اصل متیقن طہارت و حلّت، تو شکوک و ظنون ناقابلِ عبرت۔

---

(۱) الدر المختار المطبوع مع رد المحتار ج:۱، ص:۶۶۵، باب الانجاس، دار الکتب العلمیہ، بیروت

(۲) بدائع الصنائع فصل في بيان مقدار مايصير به المحل نجساً الخ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ج:۱، ص:۸۱/ایضاً، ج:۱، ص:۲۳۶ – ۲۳۷، دار الکتب العلمیہ بیروت

دیکھو کیا ہم کو مطعوم وملبوس وظروفِ کفار کی نسبت یقینِ کامل نہیں کہ بے شبہہ اُن میں ناپاک بھی ہیں، پھر اس یقین نے کیا کام دیا اور اُن اشیا کا استعمال مطلق حرام کیوں نہ ہُوا ____ وجہ وہی ہے کہ اُن کے طعام ولباس وظروف پر عمومِ نجاست معلوم نہیں اور جب اُن میں طاہر بھی ہیں اگرچہ کم ہوں تو کیا معلوم کہ جس فرد کا ہم استعمال چاہتے ہیں اُن میں سے نہیں۔

مجمع الفتاوی وغیرہ میں تصریح کی کہ "ہمارے ملک میں جو کھالیں پکائی جاتی ہیں نہ اُن کے گلوں سے خُون دھوئیں، نہ پکانے میں نجاستوں سے بچیں، پھر ویسے ہی ناپاک زمینوں پر ڈال دیتے ہیں اور بعد کو دھوتے بھی نہیں (دیکھو نوع کی نسبت کس درجہ وضاحت وصراحت کے ساتھ وقوعِ نجاست بیان فرمایا) با ایں ہمہ حکم ناطق دیا کہ وہ بے دغدغہ پاک ہیں ان کے خشک وتر سے موزے بناؤ، کتابوں کی جلدیں بناؤ، پانی پینے کو مشک، ڈول بناؤ کچھ مضائقہ نہیں۔"

فی الطریقة عنه: وفیها في الغنیة وغیرها عن القنیة: الجلودُ التی تدبغ في بلادنا ولایغسل مذبحها ولا تتوقّٰی النجاسات فی حال دبغها و یُلقونها علی الأرض النجسة، ولایغسلونها بعد تمام الدبغ فهی طاهرة، یجوز اتخاذ الخفاف منها و اتّخاذ غلاف الکتب والقراب والدلاء رطبا و یابسا[1]

طریقۂ محمدیہ میں مجمع الفتاوی سے نیز اسی میں غنیہ سے اور غنیہ میں قنیہ وغیرہ سے نقل کیا کہ ہمارے ملک میں جو کھالیں پکائی جاتی ہیں (آخر تک اوپر کی خط کشیدہ عبارات اس کا ترجمہ ہیں۔ نظام)۔

ایسی صورت میں ائمہ نے یہی حکم عطا فرمایا کہ ہر فرد خاص کو ملاحظہ کریں گے اور نوع کی نسبت جو اجمالی یقین ہو اُسے تمام افراد میں مساوی نہ مانیں گے مثلاً:

کفار، خصوصًا اہلِ حرب کو ہم یقینا جانتے ہیں کہ انہیں پروائے نجاسات نہیں اور بیشک وہ جیسی چیز پاتے ہیں استعمال میں لاتے ہیں۔

"پھر وہ پوستین کہ دار الحرب سے پک کر آئے علما فرماتے ہیں اسے دیکھا چاہیے کہ • اس کا پکنا نجس چیز سے تحقیق ہو تو بے دھوئے نماز ناجائز • اور طاہر سے ثابت ہو تو قطعًا جائز • اور شک رہے تو دھونا افضل، نہ کہ استعمال گناہ وممنوع ٹھہرے۔"

(۱) الطریقة المحمدیة مع الحدیقة الندیة، الصنف الثانی من الصنفین، مطبوعہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد ج:۲، ص:۶۸۲/ ایضًا، ج:۲، ص:۴۶۵، دار الحدیقہ۔

فی الدر المختار: مایخرج من دار الحرب کسنجاب ان علم دبغه بطاهر فطاهر او بنجس فنجس و ان شك فغسله افضل اھ ومثله في المنية وغيرها[۱].

(۲) یونہی خود منقح مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بچّہ جب پانی میں اپنا ہاتھ یا پاؤں ڈال دے تو خاص اُس بچّہ کے ہاتھ پاؤں دیکھیں• اگر ڈالتے وقت نجاست ثابت ہو تو ناپاک •اور پاکی ظاہر ہو تو طاہر •اور کچھ نہ کھلے تو صرف مستحب ہے کہ اور پانی استعمال کریں اور اگر اسی سے وضو کرلے نماز پڑھ لے تاہم بے شبہہ جائز۔[۲]

خاص ضابطہ کی تصریح لیجیے سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: به نأخذ مالم نعرف شيأ حراما بعينه. وهو قول ابی حنيفة واصحابه[۳] اھ. نقله الامام الاجل ظهير الدين فتاواه وغيرُه في غيرها.

ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں جب تک ہمیں عین کسی چیز کے حرام ہونے کا علم نہ ہو جائے۔ یہی قول امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ تعالی کا ہے۔ امام اجل ظہیر الدین نے اپنے فتاوی میں اور دوسرے فقہا نے اپنی اپنی کتابوں میں اسے نقل کیا ہے۔ (نظام)

بالجملہ ایسی صورت میں حکمِ کلی یہی ہے کہ نوع کی نسبت غیر کلی یقین، منع کلی کا موجب نہیں، بلکہ خصوص افراد کا لحاظ کریں گے۔

ضابطہ (۶۴): جب بازار میں حلال وحرام مطلقًا، یا کسی جنسِ خاص میں مختلط ہوں اور کوئی مُمیِّز وعلامتِ فارقہ نہ ملے تو شریعت مطہرہ خریداری سے اجتناب کا حکم نہیں دیتی کہ آخر ان میں حلال بھی ہے تو ہر شَے میں احتمال حلت قائم ہے اور رخصت واباحت کو اسی قدر کافی۔

یہ دعوٰی بھی ہماری تقریرات سابقہ سے واضح ہے اور خود مَلاذِ مذہب ابو عبد اللہ شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مبسوط میں -کہ کتب ظاہر الروایہ سے ہے- اُس پر نص فرمایا۔

في الأشباه عن الأصل: إذا اختلط الحلال بالحرام في البلد، فإنّه يجوز الشراء و الأخذ إلّا أن تقوم دلالة على أنه من الحرام[۴] اھ.

---

(۱) دُر مختار، کتاب الطہارۃ، مطبوعہ مجتبائی دہلی ج:۱، ص:۳۸/ایضًاج:۱، ص:۳۵۹، دار الکتب العلمیہ بیروت (ترجمہ او پر واوین کے درمیان۔ پھر وہ پوستین کہ دار الحرب سے الخ)

(۲) السیرۃ الاحمدیہ للعلامۃ محمد رومی احمدی بحوالہ تاتارخانیہ وکتاب الاصل للامام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۳) فتاوی ہندیۃ، باب في الہدایا والضیافات، مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور، ج:۵، ص:۳۴۲۔

(۴) الاشباہ والنظائر، القاعدۃ الثانیۃ من الفن الاول، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ، کراچی، ج:۱، ص:۱۴۸

اشباہ میں کتاب الاصل (مبسوط) سے ہے کہ جب شہر میں حلال و حرام مخلوط ہو جائیں تو بھی سامان کا خریدنا اور لینا جائز ہے مگر یہ کہ اس کے حرام ہونے پر کوئی دلیل قائم ہو جائے۔ (نظام)

وفی الحموية: كون الغالب في السُّوق الحرامَ لايستلزم كونَ المشترىٰ حراما لجواز كونه من الحلال المغلوب والأصلُ الحل[1] اھ.

اور حمویہ (غمز العیون) میں ہے کہ بازار میں مالِ حرام زیادہ ہو اور مال حلال کم، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خریدی ہوئی چیز حرام ہے کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ مالِ حلال سے ہو جو بازار میں کم پایا جاتا ہے اور اشیا میں اصل حلت ہے۔ (نظام)

ضابطہ (٦٥): یہ احتمال حل پر عمل کا قاعدہ نظر بہ فروع فقہیہ اُس صورت سے مخصوص ہے کہ وہ سب اشیا جن میں وجود حرام کا تیقن اور اُن میں سے ہر فرد کے تناول میں تناول حرام کا احتمال ہے اس تناول کرنے والے کی ملک میں نہ ہوں ورنہ اُن میں سے کسی کا استعمال جائز نہ ہوگا۔ مگر تین صورتوں سے:

ایک یہ کہ وجہ حرمت جب صالحِ ازالہ ہو تو اُن میں کسی سے اُسے زائل کر دیا جائے کہ اب بقائے مانع میں شک ہو گیا اور یقینِ مجہول المحل۔ جس کا محل خاص بالتعیُّن معلوم نہ ہو۔ ایسے شک سے زائل ہو جاتا ہے مثلاً چادر کا ایک گوشہ یقیناً ناپاک تھا اور تعیین یاد نہ رہے کوئی سا کونا دھولے پاکی کا حکم دیں گے۔

ضابطہ (٦٦): حضرت حق جل و علا نے ہمیں یہ تکلیف نہ دی کہ ایسی ہی چیز کو استعمال کریں جو واقع میں طاہر و حلال ہو کہ اس کا علم ہمارے حیطۂ قدرت سے ورا۔

قال الله تعالىٰ: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾[2] ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

نہ یہ تکلیف فرمائی کہ صرف وہی شے برتیں جسے ہم اپنے علم و یقین کی رُو سے طیب و طاہر جانتے ہیں کہ اس میں بھی حرجِ عظیم ہے اور حرج مدفوع بالنص۔

قال تعالىٰ: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾[3] وقال تعالىٰ: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾[4]. (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اللہ نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی“) نیز فرمایا: (”اللہ

(۱) حمویۃ المعروف بہ غمز العیون مع الاشباہ، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ کراچی ص: ۱۴۸

(۲) القرآن الحکیم، البقرۃ ۲، آیت: ۲۸۶

(۳) القرآن الحکیم، الحج ۲۲، آیت: ۷۸

(۴) القرآن الحکیم، البقرۃ ۲، آیت: ۱۸۵

تعالیٰ تمھارے لیے آسانی چاہتا ہے، تنگی نہیں چاہتا۔")

یہ دین بحمد اللہ آسانی وسماحت کے ساتھ آیا جو اسے اس کے طور پر لے گا اس کے لیے ہمیشہ رفق ونرمی ہے اور جو تعمق وتشدد کو راہ دے گا یہ دین اُس کے لیے سخت ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہی تھک رہے گا اور اپنی سخت گیری کی آپ ندامت اٹھائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إنّ الدين يسر ولن يُشادّ الدين أحد إلّا غلبه فسدِّدوا وقارِبوا وابشروا.(۱)

الحديث أخرجه البخاری والنسائی عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه وصدره عند البهيقي في شعب الإيمان بلفظ:

"الدين يسر ولن يغالب الدين أحد إلّا غلبه" (۲)

بے شک یہ دین آسان ہے اس دین میں جو بھی سختی کی راہ اپنائے گا دین اس پر غالب آجائے گا۔ لہٰذا میانہ روی اختیار کرو اور قریب رہو اور بشارت دو۔

اس حدیث کو امام بخاری اور امام نسائی نے حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، اور شعب الایمان میں بیہقی کے الفاظ یہ ہیں: "دین آسان ہے اور جو شخص بھی دین پر غالب آنے کی کوشش کرے گا دین اس پر غالب آجائے گا۔" (نظام)

و أخرج أحمد والنسائي وابن ماجة والحاكم باسناد صحيح عن ابن عباس – رضی الله تعالیٰ عنهما– عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: ايّاكم والغلوفی الدين فانما هلك من كان قبلكم بالغلوفی الدين(۳).

امام احمد، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دین میں غلو سے بچو کہ تم سے پہلے کے لوگ دین میں غلو کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔" (نظام)

بلکہ صرف اس قدر حکم ہے کہ وہ چیز تصرف میں لائیں جو اپنی اصل میں حلال وطیب ہو اور اُسے مانع ونجاست کا عارض ہونا ہمارے علم میں نہ ہو لہٰذا جب تک خاص اس شَے میں جسے استعمال کرنا چاہتا ہے کوئی مظنّۂ قویہ حظر وممانعت کا نہ پایا جائے تفتیش وتحقیقات کی بھی حاجت نہیں مسلمان کو روا کہ اصل حل

(۱) صحیح البخاری، باب الدین یسر، ج:۱، ص:۱۰، /ایضًاج:۱، ص:۱۰، مجلس البرکات الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور۔

(۲) شعب الایمان، القصد فی العبادۃ حدیث ۳۸۸۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ج:۳، ص:۴۰۱

(۳) سنن النسائی، باب التقاط الحصی، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ج:۲، ص:۴۸/ایضًا، ج:۲، ص:۴۰۔

وطہارت پر عمل کرے اور یمکن ویحتمل وشاید ولعل کو جگہ نہ دے۔

فی الحدیقة: لاحرمة إلا مع العلم، لأنّ الاصل الحلُّ ولایلزمه السؤال عن شيء حتی یطلع علی حرمته و یتحقق بها فیحرم علیه.اھ ملخصا.

وفیها عن جامع الفتاوی: لایلزم السؤال عن طهارة الحوض مالم یغلب علی ظنّه نجاسته وبمجرد الظن لایمنع من التوضیٔ لان الاصل في الاشیاء الطهارة.[1] اھ

حدیقہ ندیہ میں ہے کہ علم ہونے پر ہی حرمت کا حکم ہوگا کیوں کہ اشیا میں اصل حلت ہے اور بندے پر کسی چیز کے بارے میں یہ تفتیش لازم نہیں ہے کہ وہ حرام ہے یا حلال۔ یہاں تک کہ حرمت کی تحقیق کرکے اسے اپنے اوپر حرام کرلے۔

نیز اسی میں جامع الفتاوی سے ہے کہ جب تک حوض کی نجاست کا ظنّ غالب نہ ہو اس کی طہارت کے بارے میں پوچھ تاچھ لازم نہیں اور محض نجاست کے گمان پر حوض سے وضو کرنا ممنوع نہیں کیوں کہ اصل اشیا میں طہارت ہے۔ (نظام)

فی البحر (فروع) في الخلاصة معزیا الی الاصل: یتوضأ من الحوض الذی یخاف فیه قذرًا ولایتیقنه ولایجب ان یسأل اذا لحاجة الیه عند عدم الدلیل والاصل دلیل یطلق الاستعمال.[2]

بحرالرائق میں ”فروع“ کے عنوان کے تحت ہے کہ خلاصہ میں کتاب الاصل کے حوالے سے ہے کہ جس حوض کے ناپاک ہونے کا اندیشہ ہو مگر یقین نہ ہو اس سے وضو کرسکتا ہے، اور اس کے بارے میں تفتیش واجب نہیں کیوں کہ اس کی حاجت دلیل نہ ہونے کے وقت ہے۔ اور یہاں دلیل ”اصل طہارت“ موجود ہے جو استعمال کی اجازت دیتی ہے۔ (نظام)

واللہ سبحانه الموفق والمعین. وبه نستعین في کل حین. وصلی اللہ تعالیٰ علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد واٰله وصحبه أجمعین وعلینا معهم برحمتك یا أرحم الراحمین. اٰمین اٰمین إلٰه الحق اٰمین.

واللہ تعالیٰ أعلم. وعلمه أتم. وحکمه أحکم.

۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞

---

(۱) شعب الایمان، باب في المطاعم حدیث ۵۸۰۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ج:۵، ص:۶۷۔

(۲) البحر الرائق، کتاب الطهارة، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ج:۱، ص:۸۶/ایضًا ج:۱، ص:۱۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

فتاویٰ رضویہ میں اصلاح وموعظت کا عنصر

مولانا ساجد علی مصباحی
جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

خدائے وحدہٗ لاشریک نے اِس امت کو ”خیر امت“ کے لقب سے سرفراز فرمایا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو اس کا طغراے امتیاز قرار دیا، چنان چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔[1] ترجمہ: تم بہتر ہو ان سب اُمتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں، بھلائی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔[2]

ظاہر ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بے علم ممکن نہیں؛ اس لیے اللہ جل شانہٗ نے تمام لوگوں کو حکم دیا کہ تمھیں جو مسئلہ معلوم نہ ہو، اسے جاننے والوں (علماے کرام) سے دریافت کرو۔ —— قرآن کریم میں ہے: فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۴۳)[3] ترجمہ: تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو، اگر تمھیں علم نہیں۔[4]

اور مصطفیٰ جان رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ۔[5] —— یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔

اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: الْعِلْمُ خَزَائِنُ وَمِفْتَاحُهَا السُّؤَالُ، فَاسْأَلُوْا يَرْحَمْكُمُ الله.[6] —— ترجمہ: علم خزانہ ہے اور

(۱) پارہ:۴، آل عمران:۳، آیت:۱۱۰۔
(۲) کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ۔
(۳) پارہ:۱۴، النحل:۱۶، آیت:۴۳۔
(۴) کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ۔
(۵) سنن ابن ماجہ، ج:۱، ص:۱۵۱، حدیث:۲۲۴، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان۔
(۶) حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ج:۳، ص:۱۹۲، دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان۔

اس کی کنجی سوال ہے، لہٰذا تم سوال کرو، اللہ جل شانہٗ تم پر رحم فرمائے۔

اس قسم کی آیات واحادیث کے پیش نظر تقریری سوال وجواب کے ذریعہ علم دین حاصل کرنے کا طریقہ عہدِ رسالت ہی میں عام ہو چکا تھا، پھر عہدِ صحابہ میں تحریری سوال وجواب کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا جو اب تک جاری ہے۔ــــــ ہاں! مرورِ ایام کے ساتھ اس میں تھوڑی تبدیلی یہ رونما ہوئی کہ تحریری سوال کو "استفتا" اور اس کے جواب کو "فتویٰ" کا نام دے دیا گیا ــــــ اور بعد میں ان سوالات وجوابات کو یکجا کر کے "فتاویٰ" کے نام سے شائع بھی کیا جانے لگا؛ تاکہ سائل ومستفتی کے علاوہ دوسرے لوگ بھی ان سے استفادہ کر سکیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ (متوفیٰ: ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) نے ۱۴/ شعبان ۱۲۸۶ھ سے فتویٰ نویسی کا آغاز فرمایا اور پوری زندگی اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ یہ اہم کام بحسن وخوبی انجام دیتے رہے ــــــ آپ کے گراں قدر ومعلومات افزا فتاویٰ کا مجموعہ "العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرّضویۃ" کے نام سے شائع ہے، اسے عرف میں اختصار کے ساتھ "فتاویٰ رضویہ" کہا جاتا ہے۔ــــــ یہ مجموعہ پہلے رضا اکیڈمی، ممبئی سے ۱۲/ جلدوں میں شائع ہو رہا تھا، مگر اب حوالہ جات کی تخریج اور عربی وفارسی عبارات کے ترجمہ کے ساتھ ۳۲/ جلدوں میں بھی شائع ہو رہا ہے۔

ان فتاویٰ کا بنیادی مقصد سائل کو احکام شرعیہ سے باخبر کرنا تھا، لیکن اس کے ضمن میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اصلاح وموعظت کا جو مؤثر اور انوکھا اسلوب اختیار فرمایا ہے وہ اللہ جل شانہٗ کے ارشاد "اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔"[1] پر عمل کا ایک بہتر نمونہ ہے۔ــــــ ان فتاویٰ کے کلمات میں اگر اصولِ تحقیق وتدقیق اور آدابِ افتا کی روشنی ہے تو مشائخِ کرام کے اسلوب ارشاد وہدایت اور طرزِ وعظ ونصیحت کی خوش بو بھی ہے ــــــ مسائل کے جواب میں اگر عالمانہ وقار اور مفتیانہ شان جلوہ نما ہے تو اہل اللہ کی دعوت وتبلیغ کا طریقہ اور صوفیۂ کرام کے زجر وتوبیخ کا انداز بھی صاف نظر آتا ہے۔

یہ مجموعہ در حقیقت علوم ومعارف کا گراں مایہ خزانہ اور اصلاح وموعظت کا بیش بہا سرمایہ ہے ــــــ اس کا مطالعہ کرنے والے اپنے اپنے ذوق کے اعتبار سے علمی اسرار ورموز حاصل کرتے ہیں اور بہت سے گم گشتگان راہ اپنی منزل مقصود سے ہم کنار ہوتے ہیں ــــــ جن کے دلوں میں ایمانی حرارت

---

(۱) پارہ:۱۴، النحل:۱۶، آیت:۱۲۵۔ ترجمہ: اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے۔(کنزالایمان)

باقی ہو، ان کے لیے اس مجموعہ کے بعض فتاویٰ بہترین شیخ و مرشد کا کام دے سکتے ہیں اور ان سے بہت سے فکری و مسلکی مریضوں کا روحانی وایمانی علاج بھی ہوسکتا ہے۔

ہم سردست اس نادر المثال مجموعہ کے بعض فتاویٰ اور چند اقتباسات پیش کرتے ہیں، آپ بغور ان کا مطالعہ فرمائیں، سوال بھی پڑھیں اور اس کے جواب پر بھی غور کریں تو اِنْ شَاءَاللّٰہُ تَعَالٰی آپ کو بخوبی اندازہ ہوجائے گا کہ اصل جواب تو چند سطروں میں آسانی سے تحریر کیا جاسکتا تھا، لیکن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ سائل کے اعتبار سے جو کچھ بیان کرنا مناسب سمجھا، وہ سب بھی عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ قلم بند فرمادیا، تاکہ شیطانی وساوس اور نفسانی خواہشات کا قلع قمع ہوجائے اور انسان کے اندر نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کا جذبہ پیدا ہو اور وہ اپنی باقی ماندہ زندگی شرع کے موافق بسر کرے۔ وَاللّٰہُ ھُوَ الْمُوَفِّق.

اذان اور نیت خیر کے فوائد و برکات:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی بارگاہ میں ایک استفتا آیا کہ ”دفن کے وقت جو قبر پر اذان کہی جاتی ہے شرعا جائز ہے یا نہیں؟

آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: حق یہ ہے کہ اذان مذکور فی السوال کا جواز یقینی ہے —— ہرگز شرع مطہر سے اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں —— اور جس امر سے شرع منع نہ فرمائے، اصلاً ممنوع نہیں ہوسکتا—— قائلانِ جواز کے لیے اسی قدر کافی —— جو مدعیِ ممانعت ہو، دلائل شرعیہ سے اپنا دعویٰ ثابت کرے —— پھر بھی مقامِ تبرع میں آکر فقیر غفراللہ تعالیٰ لہٗ بدلائل کثیرہ اس کی اصل شرع مطہر سے نکال سکتا ہے جنھیں بقانونِ مناظرہ اسانیدِ سوال تصور کیجیے۔[1] ——(اس کے بعد کتبِ حدیث وفقہ سے پندرہ دلائل پیش کرنے کے بعد رقم طراز ہیں:) —— بحمد اللہ یہ پندرہ دلیلیں ہیں کہ چند ساعت میں فیضِ قدیر سے قلبِ فقیر پر فائض ہوئیں —— ناظر منصف جانے گا کہ ان میں اکثر تو محض استخراجِ فقیر ہیں اور باقی کے بعض مقدمات اگرچہ بعض اجلّہ اہل سنّت و جماعت رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے کلام میں مذکور ،مگر فقیر غَفَرَاللّٰہُ تَعَالٰی لَہٗ نے تکمیل ترتیب و تسحیل تقریب سے ہر مقدمۂ منفردہ کو دلیل کامل اور ہر مذکورِ

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، باب الاذان والاقامۃ، ج:۲، ص:۵۴۵، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/فتاویٰ رضویہ مترجم، باب الاذان والاقامۃ، ج:۵، ص:۶۵۴، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

ضمنی کو مقصودِ مستقل کردیا وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن بااں ہمہ ع لَاشَكَّ أَنَّ الْفَضْلَ لِلْمُتَقَدِّمِ —— ہم پر اُن اکابر کا شکر واجب جنھوں نے اپنی تلاش و کوشش سے بہت کچھ متفرق کو یکجا کیا اور اس دشوار کام کو ہم پر آسان کردیا جَزَاھُمُ اللّٰہُ عَنَّا وَعَنِ الْإِسْلَامِ وَالسُّنَّةِ خَیْرَ جَزَاءٍ وَشَکَرَ مَسَاعِیَھُمُ الْجَمِیْلَةَ فِيْ حِمَایَةِ الْمِلَّةِ الْغَرَّاءِ وَنِکَایَةِ الْفِتْنَةِ الْعَوْرَاءِ. اٰمِیْن.[1]

یہ جواب ایک رسالہ کی شکل اختیار کرگیا اور اس کا نام "إِیْذَانُ الْأَجْرِ فِيْ أَذَانِ الْقَبْرِ (۱۳۰۷ھ)" رکھا۔ —— اس رسالہ کے آخر میں امتِ مسلمہ کو چند تنبیہات بھی کی ہیں جسے ہم یہاں نقل کررہے ہیں:

تنبیہ اوّل:

ہمارے کلام پر مطلع ہونے والا عظمت رحمت الٰہی پر نظر کرے کہ اذان میں اِن شاء اللہ الرحمن اُس میت احیاکے لیے کتنے منافع ہیں۔ —— سات فائدہ میت کے لیے:

① بِحَوْلِہٖ تَعَالٰی شیطان رجیم کے شر سے پناہ۔ ② بدولت تکبیر عذاب نار سے امان۔ ③ جواب سوالات کا یاد آجانا۔ ④ ذکرِ اذان کے باعث عذابِ قبر سے نجات پانا۔ ⑤ بہ برکتِ ذکرِ مصطفیٰ ﷺ نزولِ رحمت۔ ⑥ بدولتِ اذان دفعِ وحشت۔ ⑦ زوالِ غم و حصولِ سرور وفرحت۔

اور پندرہ اَحیا کے لیے، سات تو یہی —— سات منافع اپنے بھائی مسلمان کو پہنچانا کہ ہر نفع رسانی جُدا حسنہ ہے اور ہر حسنہ کم سے کم دس نیکیاں —— پھر نفع رسانی مسلم کی منفعتیں خدا ہی جانتا ہے۔

⑧ میت کے لیے تدبیر دفع شیطان سے اتباعِ سنّت۔ ⑨ تدبیر آسانی جواب سے اتباعِ سنّت۔ ⑩ دعا عند القبر سے اتباعِ سنت۔ ⑪ بقصدِ نفعِ میت قبر کے پاس تکبیریں کہہ کر اتباعِ سنّت۔ ⑫ مطلق ذکر کے فوائد ملنا جن سے قرآن و حدیث مالامال۔ ⑬ ذکرِ مصطفیٰ ﷺ کے سبب رحمتیں پانا۔ ⑭ مطلق دعا کے فضائل ہاتھ آنا جسے حدیث میں مغزِ عبادت فرمایا۔ ⑮ مطلق اذان کے برکات ملنا جنھیں منتہاے آواز تک مغفرت اور ہر تر و خشک کی استغفار و شہادت اور دلوں کو صبر و سکون و راحت ہے۔

اور لُطف یہ کہ اذان میں اصل کلمے سات ہی ہیں: اَللّٰہُ أَکْبَرُ ● أَشْھَدُ أَنْ لَّآ إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ ●

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، باب الاذان والاقامۃ، ج:۲، ص:۵۵۵، ۵۵۶، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/فتاویٰ رضویہ مترجم، باب الاذان والاقامۃ، ج:۵، ص:۶۷۱، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ ● حَيَّ عَلَى الصَّلَاة ● حَيَّ عَلَى الْفَلَاح ● أَللّٰهُ أَكْبَر ● لَاإِلٰهَ إِلَّااللهُ۔

اور مکررات کو گنیے تو پندرہ ہوتے ہیں —— میت کے لیے وہ سات فائدے اور اَحیا کے لیے پندرہ، انھیں سات اور پندرہ کے برکات ہیں —— وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن۔

تعجب کرتا ہوں کہ حضرات مانعین نے میت واَحیا کو ان فوائدِ جلیلہ سے محروم رکھنے میں کیا نفع سمجھا ہے —— ہمیں تو مصطفی ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے: مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَّنْفَعَ أَخَاهُ فَلْيَنْفَعْهُ۔[1] —— تم میں سے جس سے ہو سکے کہ اپنے بھائی مسلمان کو نفع پہنچائے تو لازم و مناسب ہے کہ پہنچائے۔ —— پھر خدا جانے اس اجازتِ کلی کے بعد جب تک خاص جزئیہ کی شرع میں نہی نہ ہو، ممانعت کہاں سے کی جاتی ہے۔ وَاللهُ الْمُوَفِّق.

تنبیہ دوم:

حدیث میں ہے، نبی ﷺ فرماتے ہیں: نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهٖ.[2] —— مسلمان کی نیت اُس کے عمل سے بہتر ہے۔

اور بیشک جو علم نیت جانتا ہے، ایک ایک فعل کو اپنے لیے کئی کئی نیکیاں کر سکتا ہے، مثلاً جب نماز کے لیے مسجد کو چلا اور صرف یہی قصد ہے کہ نماز پڑھوں گا تو بیشک اُس کا یہ چلنا محمود، ہر قدم پر ایک نیکی لکھیں گے اور دُوسرے پر گناہ محو کریں گے —— مگر عالم نیت اس ایک ہی فعل میں اتنی نیتیں کر سکتا ہے۔

❶ اصل مقصود یعنی نماز کو جاتا ہوں۔ ❷ خانہ خدا کی زیارت کروں گا۔ ❸ شعارِ اسلام ظاہر کرتا ہوں۔ ❹ داعی اللہ کی اجابت کرتا ہوں۔ ❺ تحیۃ المسجد پڑھنے جاتا ہوں۔ ❻ مسجد سے خس وخاشاک وغیرہ دُور کروں گا۔ ❼ اعتکاف کرنے جاتا ہوں کہ مذہب مفتیٰ بہ پر اعتکاف کے لیے روزہ شرط نہیں اور ایک ساعت کا بھی ہو سکتا ہے —— جب سے داخل ہو باہر آنے تک اعتکاف کی نیت کر لے —— انتظارِ نماز و ادائے نماز کے ساتھ اعتکاف کا بھی ثواب پائے گا۔ ❽ امرِ الٰہی خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ

---

(۱) رواہ احمد و مسلم عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ الصحیح لمسلم، باب استحباب الرقیۃ من العین الخ، ج:۲، ص:۲۲۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان۔

(۲) رواہ البیہقی عن انس والطبرانی فی الکبیر عن سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ المعجم الکبیر، مرویات سہل الساعدی، ج:۶، ص:۱۸۵، حدیث: ۵۹۴۲، المکتبۃ الفیصلیۃ، بیروت، لبنان۔

كُلِّ مَسْجِدٍ .[1] کے امتثال کو جاتا ہوں۔ (۹) جو وہاں علم والا ملے گا اُس سے مسائل پُوچھوں گا، دین کی باتیں سیکھوں گا۔ (۱۰) جاہلوں کو مسئلہ بتاؤں گا، دین سکھاؤں گا۔ (۱۱) جو علم میں میرے برابر ہوگا اُس سے علم کی تکرار کروں گا۔ (۱۲) علما کی زیارت۔ (۱۳) نیک مسلمانوں کا دیدار۔ (۱۴) دوستوں سے ملاقات۔ (۱۵) مسلمانوں سے میل۔ (۱۶) جو رشتہ دار ملیں گے اُن سے بکشادہ پیشانی مل کر صلہ رحم۔ (۱۷) اہلِ اسلام کو سلام۔ (۱۸) مسلمانوں سے مصافحہ کروں گا۔ (۱۹) اُن کے سلام کا جواب دُوں گا۔ (۲۰) نماز جماعت میں مسلمانوں کی برکتیں حاصل کروں گا۔ (۲۱) و (۲۲) مسجد میں جاتے نکلتے حضور سید عالم ﷺ پر سلام عرض کروں گا، بِسْمِ اللهِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللهِ۔ (۲۳) و (۲۴) دخول و خروج میں حضور و آلِ حضور و ازواجِ حضور پر درود بھیجوں گا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی أَزْوَاجِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ۔ (۲۵) بیمار کی مزاج پُرسی کروں گا۔ (۲۶) اگر کوئی غمی والا ملا تعزیت کروں گا۔ (۲۷) جس مسلمان کو چھینک آئی اور اس نے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا اُسے یَرْحَمُكَ اللهُ کہوں گا۔ (۲۸) و (۲۹) امر بالمعروف و نہی عن المنکر کروں گا۔ (۳۰) نمازیوں کے وضو کو پانی دُوں گا۔ (۳۱) و (۳۲) خود مؤذن ہے یا مسجد میں کوئی مؤذن مقرر نہیں تو نیت کرے کہ اذان و اقامت کہوں گا، اب اگر یہ کہنے نہ پایا، دوسرے نے کہہ دی تاہم اپنی نیت پر اذان و اقامت کا ثواب پاچکا فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللهِ۔[2] (۳۳) جو راہ بھولا ہوگا، راستہ بتاؤں گا۔ (۳۴) اندھے کی دستگیری کروں گا۔ (۳۵) جنازہ ملا تو نماز پڑھوں گا۔ (۳۶) موقع پایا تو ساتھ دفن تک جاؤں گا۔ (۳۷) دو مسلمانوں میں نزاع ہوئی تو حتّی الوسع صلح کراؤں گا۔ (۳۸) و (۳۹) مسجد میں جاتے وقت دہنے اور نکلتے وقت بائیں پاؤں کی تقدیم سے اتباعِ سنّت کروں گا۔ (۴۰) راہ میں جو لکھا ہوا کاغذ پاؤں گا اُٹھا کر ادب سے رکھ دوں گا اِلٰی غَیْرِ ذٰلِكَ مِنْ نِیَّاتٍ كَثِیْرَةٍ.

تو دیکھیے کہ جو اِن ارادوں کے ساتھ گھر سے مسجد کو چلا، وہ صرف حسنہ نماز کے لیے نہیں جاتا، بلکہ ان چالیس حسنات کے لیے جاتا ہے، تو گویا اُس کا یہ چلنا چالیس طرف چلنا ہے اور ہر قدم چالیس قدم —— پہلے اگر ہر قدم ایک نیکی تھا، اب چالیس نیکیاں ہوگا۔

اسی طرح قبر پر اذان دینے والے کو چاہیے کہ ان پندرہ نیتوں کا تفصیلی قصد کرے تاکہ ہر نیت پر جداگانہ ثواب پائے —— اور ان کے ساتھ یہ بھی ارادہ ہو کہ مجھے میت کے لیے دعا کا حکم ہے، اس کی

---

(۱) پارہ:۸، الاعراف:۷، آیت:۳۱۔ ترجمہ: اپنی زینت لو جب مسجد میں جاؤ۔ (کنز الایمان)۔
(۲) پارہ:۵، النساء:۴، آیت:۱۰۰۔ ترجمہ: تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ پر ہوگیا۔ (کنز الایمان)۔

اجابت کا سبب حاصل کرتا ہوں اور نیز اُس سے پہلے عمل صالح کی تقدیم چاہیے، یہ ادب دعا بجالاتا ہوں، إلیٰ غَيْرِ ذٰلِكَ مِمَّا يَسْتَخْرِجُهُ الْعَارِفُ النَّبِيْلُ وَاللهُ الْهَادِيْ إِلىٰ سَوَاءِ السَّبِيْلِ۔

بہت لوگ اذان تو دیتے ہیں، مگر ان منافع و نیات سے غافل ہیں —— وہ جو کچھ نیت کرتے ہیں اُسی قدر پائیں گے۔ فَإِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَانَوىٰ.[1]

تنبیہ سوم:

جہال منکرین یہاں اعتراض کرتے ہیں کہ اذان تو اعلامِ نماز کے لیے ہے، یہاں کون سی نماز ہوگی جس کے لیے اذان کہی جاتی ہے، مگر یہ ان کی جہالت انھیں کو زیب دیتی ہے —— وہ نہیں جانتے کہ اذان میں کیا کیا اغراض و منافع ہیں اور شرع مطہر نے نماز کے سوا کن مواضع میں اذان مستحب فرمائی ہے —— ازاں جملہ گوش مغموم میں اور دفعِ وحشت کو کہنا تو یہیں گزرا اور بچّے کے کان[2] میں اذان دیتا سنا ہی ہوگا، ان کے سوا اور بہت مواقع ہیں جن کی تفصیل ہم نے اپنے رسالہ "نسیم الصبا" میں ذکر کی۔

تنبیہ چہارم:

شرع مطہر کی اصل کُلّی ہے کہ جو امر مقاصدِ شرع سے مطابق ہو محمود ہے اور جو مخالف ہو مردود، اور حکم مطلق اس کے تمام افراد میں جاری و ساری —— جب تک کسی خاص خصوصیت سے نہی شرعی وارد نہ ہو تو بعد ثبوت حسن مطلق حسن مقید پر کسی دلیل کی حاجت نہیں، بلکہ حسن مطلق ہی اُس پر دلیل قاطع، اور بقاعدۂ مناظرہ اثباتِ ممانعت ذمۂ مانع —— معہذا اصل اشیا میں اباحت تو قائل جواز متمسک باصل ہے کہ اصلاً دلیل کی حاجت نہیں رکھتا —— اجازت خصوصیت کو اجازت خاصہ وارد ہونے پر موقوف جاننا اور منع خصوصیت کے لیے منع خاص وارد ہونے کی ضرورت نہ ماننا صرف تحکم وزبردستی ہی نہیں، بلکہ دائرہ عقل ونقل سے خروج اور مطمورہ سفہ وجہل میں کامل ولوج ہے —— علماے سنّت شَكَرَ اللهُ تَعَالىٰ

---

(۱) مشکوۃ المصابیح، خطبۃ الکتاب، ص:۱۱، مطبوعہ مجتبائی، دہلی۔ ترجمہ: اعمال کا ثواب نیتوں سے ہی ہے اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔

(۲) بعض احمق جاہل گوش مولود کی اذان سے یہ جواب دیتے ہیں کہ اس اذان کی نماز تو بعد موتِ مولود ہوتی ہے یعنی نمازِ جنازہ، یہ اذان جو قبر پر کہوگے اس کی نماز کہاں ہے؟ اذان گوش مولود کو نماز جنازہ کی اذان بتانا جیسی جہالت فاحشہ ہے خود ظاہر ہے، مگر ان کا جواب ترکی بہ ترکی یہ ہے کہ نمازِ جنازہ جس طرح صرف قیام سے ہوتی ہے جو ادنیٰ افعال نماز ہے، ایک نماز روزِ محشر صرف سجود سے ہوگی جو اعلیٰ افعال نماز ہے جس دن کشف ساق ہوگا اور مسلمان سجدے میں گریں گے، منافق سجدہ نہ کرسکیں گے جس کا بیان قرآن عظیم سورہ ق شریف میں ہے، قبر کی اذان اس نماز کی اذان ہے۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

مَسَاعِیهُمُ الْجَمِیْلَة ان سب مباحث کو اعلیٰ درجہ پر طے فرما چکے"۔ [1]

رفع یدین کرنا چاہیے یا نہیں؟

محرم الحرام ۱۳۱۱ھ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ سے ایک سوال ہوا کہ رفع یدین حضرت رسول مقبول ﷺ نے کیا یا نہیں اور کب تک کیا؟ یہ بات ثابت ہے کہ ہمیشہ آپ نے فرمایا؟ اور مسلمانوں کو کرنا چاہیے یا نہیں؟ ـــــ مکمل ارشاد فرما کر مشکور و ممنون فرمائیے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: رسول اللہ ﷺ سے ہرگز کسی حدیث میں ثابت نہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ہمیشہ رفع یدین فرمایا ـــــ بلکہ رسول اللہ ﷺ سے اس کا خلاف ثابت ہے ـــــ نہ احادیث میں اس کی مدّت مذکور ـــــ ہاں! حدیثیں اس کے فعل و ترک دونوں میں وارد ہیں۔ (اس کے بعد دونوں قسم کی احادیث نقل کرتے ہیں، پھر فرماتے ہیں:)

"ہمارے ائمۂ کرام رِضْوَانُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْهِمْ أَجْمَعِیْن نے احادیث ترک پر عمل فرمایا ـــــ حنفیہ کو ان کی تقلید چاہیے ـــــ شافعیہ وغیرہم اپنے ائمہ رَحِمَهُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی پیروی کریں ـــــ کوئی محلِ نزاع نہیں ـــــ ہاں! وہ حضرات کہ تقلیدِ ائمۂ دین کو شرک و حرام جانتے ـــــ اور با آنکہ علمائے مقلدین کا کلام سمجھنے کی لیاقت نصیب اعداء ـــــ اپنے لیے منصبِ اجتہاد مانتے اور خواہی نخواہی تفریق کلمۂ مسلمین و اثارت فتنہ بین المومنین کرنا چاہتے، بلکہ اسی کو اپنا ذریعۂ شہرت و ناموری سمجھتے ہیں ـــــ اُن کے راستے سے مسلمانوں کو بہت دور رہنا چاہئے ـــــ مانا کہ احادیث رفع ہی مرجح ہوں، تاہم آخر رفع یدین کسی کے نزدیک واجب نہیں ـــــ غایت درجہ اگر ٹھہرے گا تو ایک امرِ مستحب ٹھہرے گا، کہ کیا تو اچھا، نہ کیا تو کچھ برائی نہیں ـــــ مگر مسلمانوں میں فتنہ اُٹھانا ـــــ دو گروہ کر دینا ـــــ نماز کے مقدمے انگریزی گورنمنٹ تک پہنچانا ـــــ شاید اہم واجبات سے ہو گا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔ [2] فتنہ قتل سے بھی سخت تر ہے۔

خود ان صاحبوں میں بہت لوگ صدہا گناہِ کبیرہ کرتے ہوں گے، انھیں نہ چھوڑنا، اور رفع یدین نہ کرنے پر ایسی شورشیں کرنا، کچھ بھلا معلوم ہوتا ہو گا۔ اَللّٰہ سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰی ہدایت فرمائے۔ آمِیْن، وَاللّٰہُ

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، کتاب الصلوٰۃ، باب الاذان والاقامۃ، ج:۲، ص:۵۵۶ تا ص:۵۵۹، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۵، ص:۶۷۲ تا ص:۶۷۶، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۲) پارہ:۲، البقرۃ:۲، آیت:۱۹۱۔

سُبْحٰنَہٗ وَتَعَالٰی أَعْلَم.[1]

بقدر ضرورت تجوید ہر مسلمان پر لازم ہے:

دربھنگہ سے مولوی محمد یٰسین صاحب نے قراءت قرآن کے تعلق سے یہ استفتا کیا:

”کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ ان اطراف بنگالہ وغیرہ میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوئے ہیں کہ ض معجمہ کو قصداً ظ یا ذ ، بلکہ ز معجمات پڑھتے ہیں اور اسی کا دوسروں کو امر کرتے ہیں اور عام عوام ہندوستان میں جس طرح یہ حرف ادا کیا جاتا ہے جس سے بوے دال مہملہ پیدا ہوتی ہے، اُس سے نماز مطلقاً فاسد و باطل بتاتے ہیں الخ۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس کا بہت تفصیلی جواب مرحمت فرمایا اور اس کا نام ”إلْجَامُ الصَّادِ عَنْ سُنَنِ الضَّادِ [۱۳۱۷ھ]“ رکھا، اس میں جواب تحریر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”یہ جوابِ امورِ مسئولہ ہے ـــــ اور اس مسئلۂ خاص میں حق تحقیق، حقیق بالقبول و عطر تنقیح اکابرِ فحول یہ ہے کہ مولیٰ عزوجل و تبارک و تعالیٰ نے قرآنِ عظیم اتارا ـــــ اور ہمیں بحمد اللہ تعالیٰ اس کے نظم و معنی دونوں سے متعبد کیا ـــــ ہر مسلمان پر حق ہے کہ اُسے جیسا اترا، ویسا ہی ادا کرے ـــــ حرف کی آواز بدلنے میں بے شمار جگہ الفاظ مہمل رہتے یا معنی کچھ سے کچھ ہوجاتے ہیں، یہاں تک کہ معاذ اللہ کفر و اسلام کا فرق ہوجاتا ہے ـــــ آواز صحیح سے جو معنی تھے، ایمان تھے اور بدلنے پر جو پیدا ہوئے، ان کا اعتقاد صریح کفر، تو معاذ اللہ وہ کلام اللہ کیوں کر ہوا ـــــ آج کل یہاں عوام، بلکہ کثیر، بلکہ اکثر خواص نے اس امرِ خطیر میں مداہنت و بے پروائی اپنا شعار کرلی ـــــ فقیر نے بگوشِ خود مولوی صاحبوں ، اصحابِ وعظ و درس و فتویٰ کو خاص پنچایت میں برملا پڑھتے سنا ـــــ قُلْ ھُوَ اللہُ اَھَد ـــــ حالاں کہ ہرگز نہ اللہ نے اَھَد فرمایا ـــــ نہ امینِ وحی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اَھَد پہنچایا ـــــ نہ صاحب قرآن ﷺ نے اَھَد پڑھایا ـــــ پھر یہ قرآن کیوں کر ہوا ـــــ اَحَد کے معنی ایک، اکیلا، شریک و نظیر سے پاک، نرالا ـــــ اور اَھَد کے معنی معاذ اللہ بزدل، کمزور۔ فِي الْقَامُوْسِ : اَلْأَھَدُ: اَلْجَبَانُ. زَادَ فِيْ تَاجِ الْعَرُوْسِ : اَلضَّعِیْفُ.[2] ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا۔ (ان دونوں میں بڑا فرق ہے، یہ

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، باب صفۃ الصلوٰۃ، ج:۳، ص:۴۹، ۵۰، مختصراً، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/ فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۶، ص:۱۵۳ تا ص:۱۵۵، مختصراً، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۲) ترجمہ: قاموس میں ہے: الأھد: بزدل۔ تاج العروس میں کمزور کا اضافہ کیا ہے۔ تاج العروس شرح قاموس ، فصل الھاء من باب الدال، ج:۲، ص:۵۴۴، داراحیاء التراث العربي، بیروت، لبنان۔

کہاں اور وہ کہاں)

لاجرم اس قدر تجوید کہ ہر حرف دوسرے سے ممتاز اور تبدیل و تلبیس سے احتراز ہو —— ہر مسلمان پر لازم ہے —— تصحیح مخارج و اقامت حروف کا اہتمام فرض متحتم —— علماے متاخرین کا فتویٰ معاذاللہ پروانۂ بے پروائی نہیں کہ قرآن کو کھیل بنائے اور خلاف مَاأَنْزَلَ الله جو جی میں آئے پڑھ لینا مناسب —— باوصف قدرتِ تعلّم، تعلّم نہ کرنا اور اس امر اہم کو ہلکا سمجھنا —— غلط خوانی قرآن پر جمے رہنا —— کون جائز کہے گا —— اس سہل انگاری کی ایک نظیر سُن چکے —— اللہ کو اَحَد ماننا عین اسلام اور معاذاللہ اَهَد کہنا صریح دشنام —— مانا کہ تمھیں قصدِ دشنام نہیں، پھر اس سے کیا ہُوا، کفر سے بچ گئے، بات کی شناعت کیا جاتی رہے گی —— تعریف کیجیے اور اسی کا قصد ہو، مگر لفظ وُہ نکلیں جو صریح ذم ہوں، کیا علماے متاخرین اسے حلال بتا گئے ہیں؟

كَلّا ، وَالله ، حَاشَالِله صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلْيَرْقُدْ حَتّٰى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَاصَلّٰى وَهُوَنَاعِسٌ لَايَدْرِيْ لَعَلَّهٗ يَذْهَبُ لِيَسْتَغْفِرَ فَيَسُبَّ نَفْسَهٗ.(۱)

جب تم میں کسی کو نماز میں اونگھ آئے تو سو جائے یہاں تک کہ نیند چلی جائے کہ اونگھتے میں پڑھے گا تو کیا معلوم شاید اپنے لیے دعاے مغفرت کرنے چلے اور بجاے دعا، بد دعا نکلے۔

جب اونگھتے میں نماز سے منع کیا، کہ احتمال ہے —— شاید اپنے لیے دعاے بد نکل جائے، اگرچہ قصدِ دعا ہے —— تو خود جاگتے میں، خود اللہ عزوجل کی شان میں سخت گستاخی کا کلمہ، نہ فقط احتمالاً، بلکہ تجربۃً بارہا منہ سے نکالنا کیوں کر گوارا ہو سکے، اگرچہ قصد ثنا ہے —— اتقان شریف میں ہے: مِنَ الْمُهِمَّاتِ تَجْوِيْدُ الْقُرْاٰنِ وَهُوَإِعْطَاءُ الْحُرُوْفِ حُقُوْقَهَا وَرَدُّ الْحَرْفِ إِلٰى مَخْرَجِهٖ وَأَصْلِهٖ وَلَا شَكَّ أَنَّ الْأُمَّةَ كَمَا هُمْ مُتَعَبَّدُوْنَ بِفَهْمِ مَعَانِي الْقُرْاٰنِ وَإِقَامَةِ حُدُوْدِهٖ ، هُمْ مُتَعَبَّدُوْنَ بِتَصْحِيْحِ أَلْفَاظِهٖ وَإِقَامَةِ حُرُوْفِهٖ عَلَى الصِّفَةِ الْمُتَلَقَّاةِ مِنْ أَئِمَّةِ الْقِرَاءَةِ الْمُتَّصِلَةِ

---

(۱) رواہ مالک والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ مؤطا الامام مالک، ماجاء فی صلوٰۃ الّلیل، ص:۱۰۰، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، کراچی، پاکستان۔ صحیح البخاری، باب الوضوء من النوم، ج:۱، ص:۳۴، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان۔

بِالْحَضْرَةِ النَّبَوِيَّةِ وَقَدْ عَدَّ الْعُلَمَاءُ الْقِرَاءَةَ بِغَيْرِ تَجْوِيْدٍ لَحْنًا.(۱)

دیکھو کیسی تصریح ہے کہ علماے کرام، قراءت بے تجوید کو لحن بتاتے ہیں اور احسن الفتاویٰ، فتاویٰ بزازیہ میں فرمایا:

إِنَّ اللَّحْنَ حَرَامٌ بِلَاخِلَافٍ ــــ لحن سب کے نزدیک حرام ہے ــــ ولہذا ائمۂ دین تصریح فرماتے ہیں کہ آدمی سے کوئی حرف غلط ادا ہوتا ہے تو اس کی تصحیح و تعلم میں اُس پر کوشش واجب ــــ اگر کوشش نہ کرے گا، معذور نہ رکھیں گے اور نماز نہ ہوگی ــــ بلکہ جمہور علما نے اس سعی کی کوئی حد مقرر نہ کی اور حکم دیا کہ تا عمر شبانہ روز ہمیشہ جہد کئے جائے کبھی اس کے ترک میں معذور نہ ہوگا۔(۲)

نماز میں غیر مقلد کی اقتدا کا حکم:

جامع مسجد، صدر بازار، فیروز پور، پنجاب کے امام محمد فضل الرحمٰن صاحب نے ایک غیر مقلد مولوی کے بعض مسائل کے تعلق سے استفتا کیا اور ساتھ ہی اس غیر مقلد کے پیچھے اقتدا کے جواز وعدم جواز کے بارے میں بھی دریافت کیا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ان تمام مسائل کے خوب واضح اور مدلل جوابات رقم فرمائے اور اس کا نام "اَلنَّهْيُ الْأَكِيْدُ عَنِ الصَّلٰوةِ وَرَاءَ عِدَى التَّقْلِيْد (۱۳۰۵ھ)" رکھا۔ ــــ اس میں سوال کے آخری جز سے متعلق اس طرح رقم فرمایا:

"بلا شبہہ غیر مقلد کے پیچھے نماز مکروہ وممنوع ولازم الاحتراز ــــ انھیں باختیارِ خود امام کرنا تو ہرگز کسی سنّی محبِ سنّت وکارہِ بدعت کا کام نہیں ــــ اور جہاں وہ امام ہوں اور منع پر قدرت نہ ہو ــــ سنّی کو چاہئے دوسری جگہ امام صحیح العقیدہ کی اقتدا کرے ــــ حتّٰی کہ جمعہ میں بھی جب کہ اور جگہ مل سکے ــــ امام محقق ابن الہمام فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں: يُكْرَهُ فِي الْجُمُعَةِ إِذَا تَعَدَّدَتْ

(۱) الاتقان فی علوم القرآن، الفصل الثانی من المہمات تجوید القرآن، ج:۱، ص:۱۰۰، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر۔ ترجمہ: تجوید قرآن اہم امور میں سے ہے، اور وہ حروف کو ان کے حقوق دینا اور ہر حرف کو اس کے مخرج اور اصل کی طرف لوٹانا ہے، بلا شبہ امت مسلمہ جس طرح معانی قرآن کے فہم اور حدود قرآنی کے نفاذ میں پابند ہے، اسی طرح وہ قرآن کے الفاظ کی تصحیح اور انھیں اسی طریقہ وصفت پر ادا کرنے کی بھی پابند ہے جس طرح ان کو قراءت کے ائمہ نے ادا کیا جس کا سلسلہ سند نبی اکرم ﷺ تک متّصل ہے اور علما نے بغیر تجوید کے قرآن پڑھنے کو لحن قرار دیا ہے۔

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۳، ص:۱۱۶، ۱۱۷، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/ فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۶، ص:۳۱۷ تا ۳۱۹، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

إقَامَتُهَا فِي الْمِصْرِ عَلىٰ قَوْلِ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْمُفْتَىٰ بِهٖ ؛ لِأَنَّهٗ بِسَبِيْلٍ مِّنَ التَّحَوُّلِ. (۱)

—— اور اگر بمجبوری اُن کے پیچھے پڑھ لی یا پڑھنے کے بعد حال کھلا تو نماز پھیر لے، اگرچہ وقت جاتا رہا ہو، اگرچہ مدّت گزر چکی ہو"۔ (۲)

(اس کے بعد متعدّد دلائل سے اس حکم کو خوب واضح اور روشن کیا، پھر بندگان خدا کی اصلاح و موعظت کے لیے فرمایا:)

"خیر تاہم اس قدر میں کلام نہیں کہ یہ حضرات غیر مقلدین و سائر اخلاف طوائف نجدیہ مسلمانوں کو ناحق کافر و مشرک ٹھہرا کر ہزار ہا اکابر ائمہ کے طور پر کافر ہو گئے —— اس قدر مصیبت ان پر کیا کم ہے —— وَالْعِيَاذُ بِاللهِ سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالىٰ.

علامہ ابن حجر مکی "اعلام بقواطع الاسلام" میں فرماتے ہیں: إِنَّهٗ يَصِيْرُ مُرْتَدًّا عَلىٰ قَوْلِ جَمَاعَةٍ وَكَفٰى بِهٰذَا خَسَارًا وَتَفْرِيْطًا. (۳) —— تو بحکم شرع ان پر توبہ فرض اور تجدید ایمان لازم، اس کے بعد اپنی عورتوں سے نکاح جدید کریں۔

فِي الدُّرِّ الْمُخْتَارِ عَنْ شَرْحِ الْوَهْبَانِيَةِ لِلْعَلَّامَةِ حَسَنِ الشُّرُنْبُلَالِيِّ: مَا يَكُوْنُ كُفْرًا اِتِّفَاقًا يُبْطِلُ الْعَمَلَ وَ النِّكَاحَ وَأَوْلَادُهٗ أَوْلَادُ زِنًا وَمَا فِيْهِ خِلَافٌ يُؤْمَرُ بِالْاِسْتِغْفَارِ وَالتَّوْبَةِ وَتَجْدِيْدِ النِّكَاحِ. (۴)

اہل سنت کو چاہیے ان سے بہت پرہیز رکھیں، ان کے معاملات میں شریک نہ ہوں، اپنے معاملات میں انھیں شریک نہ کریں —— ہم اوپر احادیث نقل کر آئے کہ اہل بدعت، بلکہ فساق کی صحبت و مخالطت سے ممانعت آئی ہے اور بیشک بدمذہب آگ ہیں اور صحبت مؤثر اور طبیعتیں سرّاقہ اور قلوب

---

(۱) فتح القدیر، باب الامامۃ، ج:۱، ص:۳۰۴، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر۔/ترجمہ: امام محمد کے مفتی بہ قول کے مطابق جمعہ میں فاسق و بدعتی کی اقتداء مکروہ ہے جب کہ شہر میں جمعہ متعدّد مقامات پر قائم ہوتا ہو؛ کیوں کہ اس صورت میں دوسرے مقام پر منتقل ہونا ممکن ہے۔

(۲) فتاویٰ رضویہ، باب الامامۃ، ج:۳، ص:۲۹۱، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۶، ص:۶۲۰، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۳) اعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ، ص:۳۶۲، مطبوعہ مکتبہ حقیقۃ، استنبول، ترکی۔ ترجمہ: ایک جماعت کے قول کے مطابق یہ مرتد ہو گیا اور یہ خسارے اور کمی میں کافی ہے۔

(۴) در مختار، باب المرتد، ج:۱، ص:۳۵۹، مطبوعہ مطبع مجتبائی، دہلی۔ ترجمہ: در مختار میں علامہ شرنبلالی کی شرح الوہبانیہ کے حوالے سے ہے: جس سے بالاتفاق کفر لازم آئے، اس کی وجہ سے ہر عمل باطل، اسی طرح نکاح باطل، اور اس کی اولاد زنا کی اولاد ہوگی۔ اور جس کے کافر ہونے میں اختلاف ہو، اس پر استغفار، توبہ اور تجدید نکاح کا حکم کیا جائے۔

منقلب ـــــ حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں:

انما مثل الجليس الصالح وجليس السوء كحامل المسك ونافخ الكير فحامل المسك اما ان يحذيك واما ان تبتاع منه واما ان تجدمنه ريحا طيبة ونافخ الكير اما ان يحرق ثيابك واما ان تجدمنه ريحا خبيثة.(۱)

نیک ہم نشین اور بد جلیس کی مثال یونہی ہے جیسے ایک کے پاس مشک ہے اور دوسرا دھونکنی دھونکتا ہے، مشک والا یا تو تجھے مشک ہبہ کرے گا یا تو اس سے خریدے گا، اور کچھ نہ ہو تو خوشبو تو آئے گی، اور وہ دوسرا یا تیرے کپڑے جلادے گا یا تو اس سے بدبو پائے گا۔

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں: مثل جليس السوءكمثل صاحب الكير ان لم يصبك من سواده اصابك من دخانه.(۲) ـــــ یعنی بد کی صحبت ایسی ہے جیسے لوہار کی بھٹّی کہ کپڑے کالے نہ ہوئے تو دھواں جب بھی پہنچے گا۔ ـــــ حاصل یہ کہ اشرار کے پاس بیٹھنے سے آدمی نقصان ہی اٹھاتا ہے والعیاذباللہ تعالیٰ۔ اور فرماتے ہیں ﷺ:

انما سمي القلب من تقلبه انما مثل القلب مثل ريشة بالفلاة تعلقت في اصل شجرة تقلبها الرياح ظهراً لبطن.(۳)

دل کو قلب اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ انقلاب کرتا ہے، دل کی کہاوت ایسی ہے جیسے جنگل میں کسی پیڑ کی جڑ سے ایک پَر لپٹا ہے کہ ہوائیں اسے پلٹا دے رہی ہیں، کبھی سیدھا کبھی الٹا۔ ـــــ اور فرماتے ہیں ﷺ: اعتبروا الارض باسمائها واعتبروا الصاحب بالصاحب.(۴) ـــــ زمین کو اس کے ناموں پر قیاس کرو اور آدمی کو اس کے ہمنشین پر۔ ـــــ اور مروی کہ فرماتے ہیں ﷺ: اياك

---

(۱) رواہ الشیخان عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ صحیح البخاری، کتاب الذبائح، باب المسک، ج:۲، ص:۸۳۰، مطبوعہ قدیمی، کتب خانہ، کراچی۔/صحیح مسلم، کتاب البر، باب استجاب الخ، ج:۲، ص:۳۳۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی۔

(۲) سنن ابوداؤد، باب من یومران یجالس مجالسۃ الصالحین، ج:۲، ص:۳۰۸، مطبوعہ آفتاب عالم پریس، لاہور۔

(۳) رواہ الطبرانی فی الکبیر بسند حسن عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولفظہ عند ابن ماجۃ: مثل القلب مثل الریشۃ تقلبہا الریاح بفلاۃ۔ اسنادہ جیّد۔ شعب الایمان، الحادی عشر من شعب الایمان، حدیث:۷۵۲، ج:۱، ص:۴۷۳، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔

(۴) اخرجہ ابن عدی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا و البیہقی فی الشعب عنہ موقوفا، ولہ شواہد بہا یرتقی الی درجۃ الحسن۔ شعب الایمان، فصل فی مجانبۃ الفسقۃ الخ، ج:۷، ص:۵۵، حدیث:۹۴۴۰، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔

وقرين السوء فانك به تعرف.[۱] ـــــ برے مصاحب سے بچ کہ تو اسی سے پہچانا جائے گا۔

یعنی جیسے لوگوں کے پاس آدمی کی نشست، برخاست ہوتی ہے، لوگ اسے ویسا ہی جانتے ہیں، اور بد مذہبوں سے محبت تو زہر قاتل ہے، اس کی نسبت احادیثِ کثیرہ صحیحہ معتبرہ میں جو خطر عظیم آیا سخت ہولناک ہے ـــــ ہم نے وہ حدیثیں اپنے رسالہ "المقالة المسفِرة عن أحكام البدعة المكفرة (۱۳۰۱ھ)" میں ذکر کیں۔

بالجملہ ہر طرح ان سے دُوری مناسب، خصوصًا ان کے پیچھے نماز سے تو احتراز واجب ـــــ اور ان کی امامت پسند نہ کرے گا مگر دین میں مداہن یا عقل سے مجانب۔ امام بخاری تاریخ میں اور ابن عساکر ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں: ان سركم ان تقبل صلاتكم فليؤمكم خياركم.[۲] ـــــ اگر تمہیں پسند آتا ہو کہ تمھاری نماز قبول ہو تو چاہیے کہ تمھارے نیک تمھاری امامت کریں۔ ـــــ حاکم مستدرک اور طبرانی معجم میں مرثد بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں: إن سركم أن تقبل صلاتكم فليؤمكم خياركم فانهم وفدكم فيما بينكم و بين ربكم.[۳] ـــــ اگر تمھیں اپنی نماز کا قبول ہونا خوش آتا ہو تو چاہیے کہ جو تم میں اچھے ہوں وہ تمھارے امام ہوں کہ وہ تمھارے سفیر ہیں تم میں اور تمھارے رب میں۔[۴]

فوتِ تہجد کے خوف سے جماعت کا ترک:

۱۶ر صفر ۱۳۱۲ھ میں مولوی شفیع الدین صاحب نگینوی نے کان پور سے چار سوالات بھیجے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ان کے جواب میں ایک رسالہ "القلادة المرصعة فی نحر الاجوبة الاربعة (۱۳۱۲ھ)" تحریر فرمایا۔ ـــــ اسی میں تیسرا سوال یہ تھا:

"ایک شخص ہمیشہ قیلولہ اس طرح کرتا ہے کہ اس کی ظہر کی جماعت اُولیٰ ترک ہو جاتی ہے اور عذر اس کا خوفِ فوتِ تہجد ہے، جائز ہے یا نہ؟"۔ ـــــ اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

---

(۱) رواہ ابن عساکر عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ تہذیب تاریخ ابن عساکر ترجمۃ حسین بن جعفر الغزی الجرجانی، ج:۴، ص:۲۹۲، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان۔

(۲) کنز العمال بحوالہ ابن عساکر، ج:۷، ص:۵۹۶، حدیث ۲۰۴۳۳، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان۔

(۳) المستدرک علی الصحیحین، ذکر مناقب ابو مرثد، ج:۳، ص:۲۲۲، دارالفکر، بیروت، لبنان۔

(۴) فتاویٰ رضویہ، باب الامامۃ، ج:۳، ص:۳۱۱، ۳۱۲، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۶، ص:۷۱۸ تا ص:۷۲۰، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

"اقول و باللہ التوفیق اس مسئلہ میں جواب حق و حق جواب یہ ہے کہ عذر مذکور فی السوال سرے سے بیہودہ و سراپا اہمال ہے ـــــ وہ زعم کرتا ہے کہ سنت تہجد کا حفظ و پاس اسے تفویت جماعت پر باعث ہوتا ہے ـــــ اگر تہجد بروجہ سنت ادا کرتا تو وہ خود فوت واجب سے اس کی محافظت کرتا، نہ کہ الٹا فوت کا سبب ہوتا۔ـــــ قال اللہ عز وجل: اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔ (۱) ـــــ بیشک نماز بے حیائی اور بُری باتوں سے روکتی ہے۔

سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں: علیکم بقیام اللیل فانه داب الصالحین قبلکم وقربة الی اللہ تعالیٰ ومنهاة عن الاثم وتکفیر للسیآت ومطردة للداء عن الجسد. (۲) ـــــ تہجد کی ملازمت کرو کہ وہ (رات کا قیام) اگلے نیکوں کی عادت ہے اور اللہ عزوجل سے نزدیک کرنے والا اور گناہ سے روکنے والا اور برائیوں کا کفارہ اور بدن سے بیماری دور کرنے والا۔

تو فوت جماعت کا الزام تہجد کے سر رکھنا قرآن و حدیث کے خلاف ہے ـــــ اگر میزان شرع مطہر لے کر اپنے احوال وافعال تولے تو کھل جائے کہ یہ الزام خود اسی کے سر تھا ـــــ بھلا یہ تہجد و قیلولہ وہ ہیں جو اس نے خود ایجاد کیے جب تو انھیں تفویت شعار عظیم اسلام کے لیے کیوں عذر بناتا ہے ـــــ اور اگر وہ ہیں جو حضور سید عالم ﷺ سے قولاً و فعلاً منقول ہوئے تو بتائیے کہ حضور اقدس ﷺ نے کب ایسے تہجد و قیلولہ کی طرف بلایا جن سے جماعت فریضہ فوت ہو ـــــ کیا قرآن و حدیث ایسے ہی تہجد کی ترغیب دیتے ہیں؟ ـــــ کیا سلف صالح نے ایسے ہی قیام لیل کیے ہیں؟ حاشا و کلّا۔ ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی ـــــ کیں رہ کہ تو میروی بترکستان است (۳)

یاھذا سنت ادا کیا چاہتا ہے تو بروجہ سنت ادا کر ـــــ یہ کیا کہ سنت لیجیے اور واجب فوت کیجیے ـــــ ذرا بگوش ہوش سن، اگرچہ حق تلخ گزرے ـــــ وسوسہ ڈالنے والے نے تجھے یہ جھوٹا بہانہ سکھایا

---

(۱) پارہ:۲۱، العنکبوت:۲۹، آیت :۴۵۔

(۲) رواہ الترمذی فی جامعه وابن ابی الدنیا فی التهجد و ابن خزیمة فی صحیحه والحاکم فی المستدرک وصححه والبیهقی فی سننه عن ابی امامة الباهلی واحمد والترمذی وحسنه والحاکم والبیهقی عن بلال والطبرانی فی الکبیر عن سلمان الفارسی وابن السنی عن جابر بن عبداللہ وابن عساکر عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنهم اجمعین. جامع الترمذی، ابواب الدعوات، ج:۲، ص:۱۹۴، مطبوعه امین کمپنی، دهلی.

(۳) ترجمہ: اے اعرابی! مجھے ڈر ہے کہ تو کعبہ کو نہیں پہنچے گا؛ کیوں کہ جس راستہ پر تو چل رہا ہے وہ ترکستان کو جاتا ہے۔

کہ اسے مفتیانِ زمانہ پر پیش کرے، جس کا خیال ترغیبات تہجد کی طرف جائے تجھے تفویت جماعت کی اجازت دے، جس کی نظر تاکیدات جماعت پر جائے تجھے ترک تہجد کی مشورت دے کہ من ابتلی ببلیتین اختار أھونھما۔ (۱)

بہر حال مفتیوں سے ایک نہ ایک کے ترک کی دستاویز نقد ہے —— مگر حاشا خدام فقہ و حدیث نہ تجھے تفویت واجب کا فتویٰ دیں گے، نہ عادی تہجد کو ترکِ تہجد کی ہدایت کر کے ارشاد حضور سید الاسیاد ﷺ: یاعبداللہ لاتکن مثل فلان کان یقوم اللیل فترک قیام اللیل. (۲) کا خلاف کریں گے —— یہ اس لیے کہ وہ بتوفیقہ عزوجل حقیقت امر سے آگاہ ہیں —— ان کے یہاں عقل سلیم و نظر قویم دو عادل گواہ شہادت دے چکے ہیں کہ تہجد و جماعت میں تعارض نہیں —— ان میں کوئی دوسرے کی تفویت کا داعی نہیں —— بلکہ یہ ہوائے نفس شریر و سوءِ طرز تدبیر سے ناشی ہوا۔

یا ھذا اگر تو وقت جماعت جاگتا ہوتا اور بطلب آرام پڑا رہتا ہے جب تو صراحۃً آثم و تارک واجب، اور اس عذر باطل میں مبطل و کاذب ہے —— سید عالم ﷺ فرماتے ہیں: الجفاء کل الجفاء والکفر والنفاق من سمع منادی اللہ ینادی الی الصلوٰۃ فلایجیبہ. حدیث حسن. (۳) —— ظلم پورا ظلم اور کفر اور نفاق ہے کہ آدمی اللہ کے منادی کو نماز کی طرف بلاتا سنے اور حاضر نہ ہو۔ یہ حدیث حسن ہے۔ (٤) —— اور اگر ایسا نہیں تو اپنی حالت جانچ، کہ یہ فتنۂ خواب کیوں کر جاگا اور یہ فساد عجاب کہاں سے پیدا ہوا، اس کی تدبیر کر۔

(الف) کیا تو قیلولہ ایسے تنگ وقت کرتا ہے کہ وقت جماعت نزدیک ہوتا ہے، ناچار ہوشیار نہیں ہونے پاتا —— یوں ہے تو اول وقت خواب کر —— اولیاے کرام قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارھم نے قیلولہ کے لیے خالی وقت رکھا ہے جس میں نماز و تلاوت نہیں، یعنی ضحوۂ کبریٰ سے نصف

---

(۱) ترجمہ: دو بلاؤں میں مبتلا شخص ان دو میں سے آسان کو اختیار کرے۔

(۲) رواہ الشیخان عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ ترجمہ: اے اللہ کے بندے! فلاں شخص کی طرح نہ ہو جو رات کا قیام کرتا تھا، مگر اب اس نے ترک کر دیا۔ صحیح البخاری، باب مایکرہ من ترک قیام اللیل الخ، ج:۱، ص:۱۵۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔

(۳) مسند احمد بن حنبل، حدیث معاذ بن انس رضی اللہ عنہ، ج:۳، ص:۴۳۹، دار الفکر، بیروت، لبنان۔

(۴) ولفظ الطبرانی: ینادی بالصلاۃ ویدعو الی الفلاح۔ طبرانی کے الفاظ یوں ہیں: نماز کی طرف بلانے والے اور فلاح کی دعوت دینے والے کو سنے (اور حاضر نہ ہو)۔ المعجم الکبیر، معاذ بن انس، ج:۲۰، ص:۱۸۳، حدیث ۳۹۴، مکتبہ فیصلیہ، بیروت، لبنان۔

النہار تک —— وہ فرماتے ہیں: چاشت وغیرہ سے فارغ ہوکر خواب خوب ہے کہ اس سے تہجد میں مدد ملتی ہے —— اور ٹھیک دوپہر ہونے سے کچھ پہلے جاگنا چاہیے کہ پیش از زوال وضو وغیرہ سے فارغ ہوکر وقت زوال کہ ابتداے ظہر ہے، ذکر و تلاوت میں مشغول ہو۔ —— امام اجل، شیخ الشیوخ، شہاب الحق والدین سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عوارف شریف میں فرماتے ہیں:

النوم بعد الفراغ من صلاة الضحىٰ وبعد الفراغ من اعداد اخر من الركعات حسن. قال سفيان: كان يعجبهم اذا فرغوا ان يناموا طلباللسلامة .وهذا النوم فيه فوائد، منها انه يعين علىٰ قيام الليل (الى قوله قدس سره) و ينبغي ان يكون انتباهه من نوم النهار قبل الزوال بساعة حتي يتمكن من الوضوء والطهارة قبل الاستواء بحيث يكون وقت الاستواء مستقبل قبلة ذاكرا أومسبحا أوتاليا.الخ.[1]

——ظاہر ہے کہ جو پیش از زوال بیدار ہولیا، اس سے فوت جماعت کے کوئی معنی ہی نہیں۔

(ب) کیا اس وقت سونے میں تجھے کچھ عذر ہے، اچھا ٹھیک دوپہر کو سو، مگر نہ اتنا کہ وقت جماعت آجائے، ایک ساعت قلیلہ قیلولہ بس ہے، اگر طول خواب سے خوف کرتا ہے (تو یہ چند کام کر) —— ❶ تکیہ نہ رکھ، بچھونا نہ بچھا، کہ بے تکیہ و بے بستر سونا بھی مسنون ہے —— ❷ سوتے وقت دل کو خیال جماعت سے خوب متعلق رکھ کہ فکر کی نیند غافل نہیں ہوتی —— ❸ کھانا حتی الامکان علی الصباح کھا کہ وقت نوم تک بخارات طعام فرو ہولیں اور طول منام کے باعث نہ ہوں —— ❹ سب سے بہتر علاج تقلیل غذا ہے، سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں: ماملأَ اٰدمیٌ وعاء شرًا من بطنه بحسب ابن اٰدم اكلاتٌ يقمن صلبه فان كان لامحاله فثُلث لطعامه وثلث لشرابه وثلث لنفسه.[2] ——آدمی نے کوئی برتن پیٹ سے بدتر نہ بھرا، آدمی کو بہت ہیں چند لقمے جو اس کی

(۱) عوارف المعارف، ملحق احیاء العلوم، الباب الخمسون فی ذکر العمل فی جمیع النہار، ص:۱۹۵، مطبع المشہد الحسینی، قاہرہ، مصر۔ ترجمہ: نماز چاشت اور دوسری مقررہ رکعتوں کی ادائگی سے فراغت کے بعد سونا اچھا ہے۔ سفیان ثوری نے فرمایا کہ صوفیۂ کرام جب نماز واوراد سے فارغ ہوجاتے تو سلامتی اور عافیت کے لیے سونا پسند کرتے تھے اور اس (دوپہر سے قبل) سونے میں متعدد فوائد ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے رات کے قیام (شب بیداری) میں مدد ملتی ہے۔ (آگے چل کر شیخ قدس سرہ، نے) فرمایا: طالب حقیقت کو چاہیے کہ زوال سے کچھ وقت پہلے نیند سے بیدار ہوجائے تاکہ استواء سے پہلے وضو اور طہارت سے فارغ ہوکر استواء کے وقت (جو ابتدائے ظہر ہے) قبلہ رخ ہوکر ذکر یا تسبیح یا تلاوت میں مصروف ہوجائے الخ۔

(۲) رواہ الترمذی وحسنہ وابن ماجۃ وابن حبان عن المقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ جامع الترمذی، باب ماجاء فی کراہیۃ کثرۃ الاکل، ج:۲، ص:۶۰، مطبوعہ امین کمپنی، دہلی۔

پیٹھ سیدھی رکھیں اور اگر یوں نہ گزرے تو تہائی پیٹ کھانے کے لیے، تہائی پانی، تہائی سانس کو۔

پیٹ بھر کر قیامِ لیل کا شوق رکھنا، بانجھ سے بچہ مانگنا ہے —— جو بہت کھائے گا، بہت پئے گا —— جو بہت پئے گا، بہت سوئے گا —— جو بہت سوئے گا، آپ ہی یہ خیرات وبرکات کھوئے گا ——

استغفر اللہ من قول بلا عمل لقد نسبت بہ نسلا لذی عقم [1]

ولہذا احدیث میں آیا حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: ان کثرۃ الاکل شؤم. [2] —— بیشک بہت کھانا منحوس ہے۔ —— ۵ یوں بھی نہ گزرے تو قیامِ لیل میں تخفیف کر —— دو رکعتیں خفیف وتام بعد نمازِ عشا ذرا سونے کے بعد شب میں کسی وقت پڑھنی اگرچہ آدھی رات سے پہلے ادائے تہجد کو بس ہیں۔ مثلاً نو بجے عشا پڑھ کر سو رہا، دس بجے اٹھ کر دو رکعتیں پڑھ لیں، تہجد ہو گیا۔ —— حدیث میں ہے حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: یحسب احدکم اذاقام من اللیل یصلی حتی یصبح انہ تہجد. انما التہجد المرء یصلی الصلوٰۃ بعد رقدۃ. رواہ الطبرانی عن الحجاج بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسند حسن ان شاء اللہ تعالیٰ. [3] —— تم میں کسی کا یہ گمان ہے کہ رات کو اٹھ کر صبح تک نماز پڑھے جبھی تہجد ہو، تہجد صرف اس کا نام ہے کہ آدمی ذرا سو کر نماز پڑھے۔ —— ۶ سوتے وقت اللہ عزوجل سے توفیق جماعت کی دعا اور اس پر سچا توکل، مولیٰ تبارک وتعالیٰ جب تیرا حسن نیت وصدق عزیمت دیکھے گا، ضرور تیری مدد فرمائے گا —— وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔ [4] —— ۷ اپنے اہل خانہ وغیرہم سے کسی معتمد کو متعین کر، کہ وقت جماعت سے پہلے جگا دے۔ کما وکل رسول اللہ ﷺ بلالا رضی اللہ تعالیٰ عنہ لیلۃ التعریس. [5]

---

(۱) ترجمہ: میں اللہ جل شانہ سے مغفرت کا طالب ہوں اس گفتار سے جو کردار سے خالی ہو، کہ ایسی بات کرنا جس پر اپنا عمل نہ ہو، گویا بانجھ کے لیے اولاد بتانا ہے۔

(۲) رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ شعب الایمان، الفصل الثانی فی کثرۃ الاکل، ج:۵، ص:۳۲، حدیث:۵۶۶۱، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔

(۳) المعجم الکبیر مروی از حجاج بن عمرو، حدیث:۳۲۱۶، ج:۳، ص:۲۲۵، مکتبہ فیصلیہ، بیروت، لبنان۔ (علق بالمشیۃ لان فیہ ابن لہیعۃ والکلام فیہ معروف والصواب فیہ عندی ان حدیثہ حسن ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ۱۲ منہ۔)

(۴) پارہ:۲۸، الطلاق:۶۵، آیت:۳۔ ترجمہ: اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔ (کنز الایمان)۔

(۵) ترجمہ: جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے لیلۃ التعریس میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیدار کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی۔

ان ساتوں تدبیروں کے بعد کسی وقت سوئے، ان شاء اللہ تعالیٰ فوت جماعت سے محفوظ ہوگا ——— اور اگر شاید اتفاق سے کسی دن آنکھ نہ بھی کھلی اور جگانے والا بھی بھول گیا ——— یا سورہا کما وقع لسیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ.(۱) ——— تو یہ اتفاقی عذر مسموع ہوگا اور امید ہے کہ صدق نیت وحسن تدبیر پر ثواب جماعت پائے گا۔ و باللہ التوفیق.

(ج) کیا تیری مسجد میں بہت اول وقت جماعت کرتے ہیں کہ دوپہر سے اس تک سونے کا وقفہ نہیں جب تو سب وقتوں سے چھوٹ گیا ——— سوکر پڑھی، یا پڑھ کر سوئے، بات تو ایک ہی ہے ——— جماعت پڑھ ہی کر نہ سوئے کہ خوف فوت اصلاً نہ رہے جیسے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم روز جمعہ کیا کرتے تھے۔

غرض یہ تین صورتیں ہیں: ① پیش از زوال سو اٹھنا۔ ② بعد جماعت سونا۔ ان میں کوئی خدشہ ہی نہیں۔ ③ اور تیسری صورت میں وہ سات تدبیریں ہیں ——— رب عزوجل سے ڈرے اور بصدق عزیمت ان پر عمل کرے ——— پھر دیکھیں، کیوں کر تہجد، تفویت جماعت کا موجب ہوتا ہے۔

بالجملہ نہ ماہ نیم ماہ، بلکہ مہر نیمروز کی طرح روشن ہوا کہ عذرِ مذکور یکسر مدفوع و محض نامسموع ——— جماعت و تہجد میں اصلاً تعارض نہیں، کہ ایک کا حفظ دوسرے کے ترک کی دستاویز کیجیے اور بوجہ تعذرِ جمع، راہ ترجیح لیجیے ——— ھذا ھو حق الجواب واللہ الھادی الی سبیل الصواب.(۲) ——— با این ہمہ اگر اس تقدیرِ ضائع و فرض خلافِ واقع کا مان لینا ہی ضرور، تو جماعت اولیٰ پر تہجد کی ترجیح محض باطل و مہجور۔

اگر حسب تصریح عامۂ کتب تہجد مستحب و حسب اختیار جمہور مشائخ جماعت واجب مانیے، جب تو ظاہر کہ واجب و مستحب کی کیا برابری؟ نہ کہ اس کو اس پر تفضیل و برتری۔

اور اگر تہجد میں اعلیٰ الاقوال کی طرف ترقی اور جماعت میں ادنیٰ الاحوال کی جانب تنزل کرکے دونوں کو سنت ہی مانیے، تاہم تہجد کو جماعت سے کچھ نسبت نہیں۔

جماعت بر تقدیرِ سنیت بھی تمام سنن حتی کہ سنت فجر سے بھی اہم وآکد واعظم ہے ——— ولہٰذا اگر امام کو نماز فجر میں پائے اور سمجھے کہ سنتیں پڑھے گا تو تشہد بھی نہ ملے گا، تو بالاجماع سنتیں ترک کرکے جماعت میں مل جائے۔ والمسئلۃ منصوص علیھا فی کتب المذھب کافۃ. ——— اور سنت فجر بالاتفاق بقیہ تمام سنن سے افضل ——— پھر مذہب اصح پر سنت قبلیۂ ظہر بقیہ سنن سے آکد ہیں ———

---

(۱) ترجمہ: جیسا کہ سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ واقع ہوا۔
(۲) ترجمہ: اور یہی حق جواب ہے اور اللہ تعالیٰ ہی راہ صواب کی طرف ہادی ہے۔

اور امام شمس الائمہ حلوانی کے نزدیک سنت فجر کے بعد افضل و آکد رکعتین مغرب ہیں ــــــ پھر رکعتین ظہر ــــــ پھر رکعتین عشا ــــــ پھر قبلیۂ ظہر۔

پھر شک نہیں کہ ہمارے ائمۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک سب سنن رواتب، تہجد سے اہم وآکد ہیں ــــــ ولہٰذا ہمارے علما سنن رواتب کی نسبت فرماتے ہیں: انها لتاكدها اشبهت الفريضة.(۱) ــــــ اور یہی مذہب جمہور و مشرب منصور ہے۔

تو تہجد، جماعت کے کمتراز کمتر سے کمتر ــــــ پانچویں درجہ میں واقع ہے ــــــ سب سے آکد جماعت ــــــ پھر سنت فجر ــــــ پھر قبلیۂ ظہر ــــــ پھر باقی رواتب ــــــ پھر تہجد و غیرہ سنن و نوافل۔

اور دوسرے قول پر تو کہیں ساتویں درجے میں جاکر پڑے گا کہ سب سے اقوی جماعت ــــــ پھر سنت فجر ــــــ پھر سنت مغرب ــــــ پھر بعدیۂ ظہر ــــــ پھر بعدیۂ عشا ــــــ پھر قبلیۂ ظہر ــــــ پھر تہجد و غیرہا۔

پس تہجد کو سنت ٹھہراکر بھی جماعت سے افضل کیا، برابر کہنے کی بھی اصلاً کوئی راہ نہیں ــــــ نہ کہ مستحب مان کر ــــــ اگر کہیے: یہاں کلام جماعت اولیٰ میں ہے، کہ سوال میں اس کی تصریح موجود ــــــ اور واجب یا اس اعلیٰ درجہ کی مؤکد، مطلق جماعت ہے، نہ خاص جماعت اولیٰ ــــــ بلکہ وہ صرف افضل واولیٰ ــــــ اور فضل تہجد، اس سے اعظم و اعلیٰ ــــــ تو حفظ تہجد کے لیے ترک اُولیٰ جائز و روا ــــــ اگرچہ افضل اتیان و ادا۔

اقول و باللہ التوفیق: قطع نظر اس سے کہ جب تعارض مسلّم اور فضل تہجد آکد و اعظم تو حفظ تہجد کو ترکِ اُولیٰ، نہ ترکِ اَولیٰ، بلکہ ترک ہی اَولیٰ کما لا یخفی.

یہ تاصیل و تفریع سراسر بے اصل و احداث شنیع، کہ نہ احادیث حضور پرنور سید الانام علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام اس کے مساعد ــــــ نہ کلمات و روایات علمائے کرام و فقہائے عظام مؤید و شاہد ــــــ اگر ایسا ہو تو بے عذر فوت تہجد و غیرہ، بھلے چنگے، بیٹھے بٹھائے بھی جماعت اولیٰ قصداً فوت کردینا جائز و روا ہو، جب کہ ایک آدمی اپنے ساتھ جماعت کے لیے حاضر و مہیا ہو، کہ آخر کچھ گناہ نہ کیا ــــــ صرف ایک اولویت ترک کی، جس میں حکم کراہت بھی نہیں ــــــ معاذ اللہ! مسلمان اگر اس پر عمل کریں تو امر جماعت میں کس قدر تفرقہ شنیعہ واقع ہوتا ہے ــــــ وجوب جان کر، ترک پر سخت سخت وعیدیں سن کر تو بہت

(۱) در مختار، باب الوتر والنوافل، ج:۱، ص:۹۵، مطبع مجتبائی، دہلی۔ ترجمہ: یہ سنن رواتب مؤکد ہونے کے باعث فرض کے مشابہ ہیں۔

لوگ کسل و کاہلی کر جاتے ہیں ـــــ کاش یہ سن پائیں کہ جماعت اولیٰ کی حاضری شرعاً کچھ ضرور نہیں، ایک بہتر بات ہے، کی کی، نہ کی نہ کی ـــــ تو ابھی جو رہا سہا انتظام ہے، سب درہم برہم ہوا جاتا ہے ـــــ لوگ مزے سے اذان سنیں اور اپنے لہو و لعب میں مشغول رہیں، کہ جلدی کیا ہے، اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ بنالیں گے ـــــ کیا ایسی ہی متفرق، بے نظم جماعتوں کی طرف حضور سید المرسلین ﷺ نے بلایا؟ ـــــ کیا انھیں کے ترک پر سخت سخت، جگر شگاف وعیدوں کا حکم سنایا؟ ـــــ حاش للہ، ثم حاش للہ! ذرا نگاہ انصاف درکار، کہ یہ قصداً تفریق جماعت و تقلیل حضار کس قدر مقاصد شرع سے دور اور نورانیت حق و صواب سے بعید و مہجور ہے ـــــ نہیں نہیں، بلکہ یقیناً وجوب و تاکد مذکور، خاص جماعت اولیٰ کے لیے منظور اور وہی صدر اول سے معہود، اور وہی احادیث وعید علی الترک میں مقصود ـــــ اور زنہار زنہار ہرگز جائز نہیں کہ بے عذر مقبول شرعی جماعت ثانیہ کے بھروسے پر جماعت اولیٰ قصداً چھوڑ دیجیے اور داعی الٰہی کی اجابت نہ کیجیے ـــــ جماعت ثانیہ کی تشریع اس غرض سے ہے کہ احیاناً بعض مسلمین کسی عذر صحیح، مثل مدافعت اخبثین یا حاجت طعام وغیرہا کے باعث جماعت اولیٰ سے رہ جائیں، وہ برکت جماعت سے مطلقاً محرومی نہ پائیں ـــــ بے اعلان و تداعی محراب سے جدا ایک گوشے میں جماعت کرلیں ـــــ نہ کہ اذان ہوتی رہے ـــــ داعی الٰہی پکارا کرے ـــــ جماعت اولیٰ ہوا کرے (یہ) مزے سے گھر میں بیٹھے باتیں بنائیں، یا پاؤں پھیلا کر آرام فرمائیں، کہ عجلت کیا ہے، ہم اور کرلیں گے ـــــ یہ قطعاً یقیناً بدعت سیئہ شنیعہ ہے۔(۱)

زکات بتدریج دی جائے یا یک مشت ؟:

گونڈہ بہرائچ سے ۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۷ھ میں ایک استفتا کیا گیا کہ ”زکات بتدریج دی جائے یا یکمشت دینے میں کیا نقصان ہے؟

اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے فرمایا: ”اگر زکات پیشگی ادا کرتا ہے ـــــ یعنی ہنوز حولانِ حول نہ ہوا کہ وجوبِ ادا ہوجاتا ـــــ خواہ یوں کہ ابھی نصاب نامی فارغ عن الحوائج کا مالک ہوئے سال تمام نہ ہوا ـــــ یا یوں کہ سالِ گزشتہ کی دے چکا ہے اور سالِ رواں ہنوز ختم پر نہ آیا

(۱) فتاویٰ رضویہ، باب الجماعت، ج:۳، ص:۳۳۰ تا ۳۳۵، مختصراً، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۷، ص:۸۵ تا ص:۱۰۰، مختصراً، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

——تو جب تک انتہاے سال نہ ہو، بلاشبہ تفریق و تدریج کا اختیارِ کامل رکھتا ہے جس میں اصلاً کوئی نقصان نہیں، کہ حولانِ حول سے پہلے زکات واجب الادا نہیں ہوتی —— در مختار میں ہے: شرط افتراض أدا ئها حولان الحول وهو فی ملكه.(۱)—— تو ابھی شرع اس سے تقاضا ہی نہیں فرماتی، یکمشت دینے کا مطالبہ کہاں سے ہوگا —— یہ پیشگی دینا تبرع ہے ولا جبر علی المتبرع وهذا ظاهر جدًّا —— اور اگر سال گزر گیا اور زکات واجب الادا ہو چکی تو اب تفریق و تدریج ممنوع ہوگی —— بلکہ فوراً تمام و کمال زرِ واجب الادا، ادا کرے کہ مذہبِ صحیح و معتمد و مفتیٰ پر ادائے زکات کا وجوب فوری ہے جس میں تاخیر باعثِ گناہ —— ہمارے ائمۂ ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس کی تصریح ثابت۔(۲) —— (اس کے بعد مختلف کتب کے حوالے اور دلائل نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:)

"پھر بعد وجوبِ ادا تدریج کی مضرّت اظہر من الشمس کہ مذہبِ صحیح پر ترکِ فور کرتے ہی گنہ گار ہوگا —— اور مذہب تراخی پر بھی تدریج نامناسب کہ تاخیر میں آفات ہیں —— وقال تعالیٰ: وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔(۳) —— وقال تعالیٰ: فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ۔(۴) —— ظاہر ہے کہ وقتِ موت معلوم نہیں، ممکن ہے کہ پیش از ادا آجائے تو بالاجماع گنہ گار ہوگا۔

اسی طرح تدریج میں اور دقتیں بھی محتمل، کما لا یخفی علی خادم الفقه ——اور مالی و جانی حوادث سے محفوظ بھی رہا تو نفس پر اعتماد کسے ہے فان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم.(۵) ——ممکن کہ بہکا دے اور آج جو قصدِ ادا ہے، کل یہ بھی نہ رہے ——سیّدنا و ابن سیدنا، امام ابن الامام، کریم ابن الکرام حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک قباے نفیس بنوائی، طہارت خانے میں تشریف لے گئے، وہاں خیال آیا کہ اسے راہِ خدا میں دیجیے ——فوراً خادم کو آواز دی، قریب

---

(۱) ترجمہ: ادائگیِ زکات کے فرض ہونے کے لیے شرط ہے کہ مال کی ملکیت پر سال گزرے۔ در مختار، کتاب الزکوٰۃ، ج:۱، ص:۱۳۰، مطبع مجتبائی، دہلی۔

(۲) فتاویٰ رضویہ، کتاب الزکوٰۃ، رسالہ "تجلی المشکوٰۃ لإنارۃ أسئلۃ الزکوٰۃ(۱۳۰۷ھ)"، ج:۴، ص:۳۸۲، ۳۸۳، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۰، ص:۷۵، ۷۶، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۳) پارہ:۴، آل عمران:۳، آیت:۱۳۳۔ ترجمہ: اور دوڑو اپنے رب کی بخشش کی طرف۔ (کنز الایمان)۔

(۴) پارہ:۲، البقرہ:۲، آیت:۱۴۸۔ ترجمہ: تو نیکیوں میں اوروں سے آگے نکلنے کی کوشش کرو۔

(۵) مشکوٰۃ المصابیح، باب فی الوسوسۃ، ج:۱، ص:۱۸، مطبع مجتبائی، دہلی۔ ترجمہ: کیوں کہ شیطان، انسان میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔

دیوار حاضر ہوا ـــــ حضور نے قبائے معلّی اتار کر دی کہ فلاں محتاج کو دے آ ـــــ جب باہر رونق افروز ہوئے ـــــ خادم نے عرض کی: اس درجہ تعجیل کی وجہ کیا تھی؟ ـــــ فرمایا: کیا معلوم تھا، باہر آتے آتے نیت میں فرق آجاتا ـــــ سبحان الله! ـــــ یہ اُن کی احتیاط ہے جو اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ۔ [۱] کی آغوش میں پلے ـــ اور اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ۚ﴿۳۳﴾ [۲] کے دریا میں نہائے دُھلے صلی اللہ تعالیٰ علیٰ أبیهم الکریم الأکرم و علیهم أجمعین و بارك و سلّم. ـــ پھر ہم کہ سخرۂ دست شیطان ہیں ـــــ کس امید پر بے خوف و مطلق العنان ہیں ـــــ و حسبنا الله و نعم الوکیل و لا حول و لا قوّة الّا بالله العلی العظیم.

میرے نزدیک چند باتیں لوگوں کو تدریج پر حامل ہوتی ہیں: ❶ کبھی یہ خیال کہ أهم فالأهم میں صرف کریں یعنی جس وقت جس حاجت مند کو دینا زیادہ مناسب سمجھیں اُسے دیں۔ ❷ کبھی یہ کہ سائل بکثرت آتے ہیں، یہ چاہتا ہے مالِ زکات ان کے لیے رکھ چھوڑے کہ وقتاً فوقتاً دیا کرے۔ ❸ کبھی یک مشت دینا ذرا نفس پر بار ہے اور تھوڑا تھوڑا نکلتا جائے گا تو معلوم نہ ہو گا۔

جنھیں یہ خیال ہوں ان کے لیے راہ یہی ہے کہ زکات پیشگی دیا کریں ـــــ مثلاً ماہِ مبارک رمضان میں ان پر حولان حول ہوتا ہے تو رمضان ۸ھ کے لیے شوال ۷ھ سے دینا شروع کریں اور ختمِ سال تک بتدریج حسبِ رائے و مصلحت دیتے رہیں کہ اس میں ان کے مقاصد بھی حاصل ہوں گے اور تدریج مذموم و ممنوع سے بھی بچیں گے۔ و الله سبحانه و تعالیٰ أعلم و علمه جل مجده أتم و أحکم. [۳]

زکات نہ دینا اور کارِ خیر میں مال صرف کرنا:

پیلی بھیت سے عبدالرزاق خاں صاحب نے ذیقعدہ ۱۳۰۹ھ میں ایک سوال کیا کہ: "ایک شخص اپنے روپیہ کی زکات تو نہیں دیتا ہے، مگر روپیہ مصرفِ خیر میں صرف کرتا ہے یعنی ہر روز فقرا کو زرِ نقد و غلّہ تقسیم کرتا ہے، اور ایک مسجد بنوائی ہے، اور ایک گاؤں اس روپیہ سے خرید کر واسطے خیرات کے ہبہ کر دیا ہے اور

---

(۱) پارہ:۱۴، الحجر:۱۵، آیت:۴۲۔ ترجمہ: بیشک میرے بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں۔ (کنز الایمان)۔

(۲) پارہ:۲۲، الاحزاب:۳۳، آیت:۳۳۔ ترجمہ: اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمھیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔ (کنز الایمان)۔

(۳) فتاویٰ رضویہ، کتاب الزکوٰۃ، رسالہ "تجلی المشکوٰۃ لإنارۃ أسئلۃ الزکوٰۃ" باختصار، ج:۴، ص:۳۸۵، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۰، ص:۸۳ تا ص:۸۵، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

تاحیات خود زر توفیر اس کا صرف کرتا رہے مصرف خیر میں —— اب ایک اور شخص یہ کہتا ہے کہ جس روپیہ کی زکات نہیں دی گئی ہے، اس روپیہ سے کسی قسم کی خیرات جائز نہیں ہے، ہر روز کی خیرات اور بنوانا مسجد کا اور گاؤں کا ہبہ کرنا سب اکارت ہے —— فلہذا فتویٰ طلب کیا جاتا ہے کہ جس روپیہ کی زکات نہیں دی گئی ہے، اس روپیہ کو مصرفِ خیر میں صَرف کرنا جیسا کہ بالا مذکور ہے درست ہے یا نہیں؟ ——اور اگر درست نہیں ہے تو اس موضع کو ہبہ سے واپس لے کر دوبارہ اس قصد سے ہبہ کرے کہ اس موضع کی توفیر جو ہر سال وصول ہوا کرے گی بالعوض اس زرِ زکات کے جو اس کے ذمّہ زمانۂ ماضیہ کی دَین ہے، صرف ہوا کرے"۔[۱]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ اس کے جواب میں ضروری دلائل کے ساتھ، اصلاح امت کے لیے بڑے معلومات افزا و نصیحت آمیز کلمات اور ایمان افروز احادیث بھی رقم فرماتے ہیں جن کے مطالعہ سے ایمان کو تازگی اور روح کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے۔ لیجیے آپ بھی اس کا مطالعہ کیجیے——فرماتے ہیں:

الجواب: زکات اعظم فروضِ دین و اہم ارکانِ اسلام سے ہے ولہذا قرآن عظیم میں بتیس (۳۲) جگہ نماز کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا اور طرح طرح سے بندوں کو اس فرضِ اہم کی طرف بُلایا —— صاف فرمادیا کہ زنہار نہ سمجھنا کہ زکات دی تو مال میں سے اتنا کم ہوگیا —— بلکہ اس سے مال بڑھتا ہے —— یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ۔[۲]

بعض درختوں میں کچھ اجزاے فاسدہ اس قسم کے پیدا ہوجاتے ہیں کہ پیڑ کی اُٹھان کو روک دیتے ہیں —— احمق نادان انھیں نہ تراشے گا کہ میرے پیڑ سے اتنا کم ہوجائے گا ——پر عاقل ہوشمند تو جانتا ہے کہ ان کے چھانٹنے سے یہ نونہال لہلہا کر درخت بنے گا——ورنہ یوں ہی مرجھا کر رہ جائے گا —— یہی حساب زکاتی مال کا ہے۔

حدیث میں ہے حضور پُر نور سیّد عالم ﷺ فرماتے ہیں: ماخالطت الصدقة أو مال الزكوٰة مالا إلا أفسدته.[۳] ——زکات کا مال جس مال میں ملا ہوگا اسے تباہ و برباد کردے گا۔

——رواه البزار و البيهقي عن ام المومنين الصديقه رضي الله تعالىٰ عنها.

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، کتاب الزکوٰۃ، رسالہ " اعز الاکتناہ فی ردّ صدقۃ مانع الزکوٰۃ(۱۳۰۹ھ)" ج:۴، ص:۴۳۳، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۰، ص:۱۷۱، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۲) پارہ:۳، البقرۃ:۲، آیت:۲۷۶۔ ترجمہ: اللہ ہلاک کرتا ہے سُود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو۔(کنزالایمان)۔

(۳) شعب الایمان للبیہقی، حدیث:۳۵۲۲، فصل الاستعفاف عن المسئلۃ، ج:۳، ص:۲۷۳، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔

دوسری حدیث میں ہے حضورِ والا ﷺ فرماتے ہیں: ماتلف مال فی بر و لا بحر الّا بحبس الزکوٰۃ.(۱) ـــــ خشکی و تری میں جو مال تلف ہوتا ہے، وہ زکات نہ دینے ہی سے تلف ہوتا ہے۔ ـــــ اخرجه الطبرانی فی الاوسط عن ابی هریرة عن امیرالمومنین عمر الفاروق الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنهما.

تیسری حدیث میں ہے حضورِ اقدس ﷺ فرماتے ہیں: من ادی زکوٰۃ ماله فقد اذهب اللہ شره.(۲) ـــــ جس نے اپنے مال کی زکات ادا کردی، بیشک اللہ تعالیٰ نے اس مال کا شر اس سے دُور فرمادیا۔ ـــــ اخرجه ابن خزیمة فی صحیحه والطبرانی فی الاوسط والحاکم فی المستدرك عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنهما.

چوتھی حدیث میں ہے حضورِ اعلیٰ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ فرماتے ہیں: حصّنوا أموالکم بالزکوٰۃ وداووا مرضاکم بالصدقة.(۳) ـــــ اپنے مالوں کو مضبوط قلعوں میں کرلو زکات دے کر، اور اپنے بیماروں کا علاج کرو خیرات سے۔ ـــــ رواه ابوداؤد فی مراسیله عن الحسن والطبرانی والبیهقی وغیرهما عن جماعة من الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنهم.

اے عزیز! ایک بے عقل گنوار کو دیکھ کہ تخمِ گندم اگر پاس نہیں ہوتا، بہزار دقت قرض دام سے حاصل کرتا اور اسے زمین میں ڈال دیتا ہے ـــــ اس وقت تو وہ اپنے ہاتھوں سے خاک میں ملا دیا، مگر امید لگی ہے کہ خدا چاہے تو یہ کھونا بہت کچھ پانا ہوجائے گا۔ ـــــ تجھے اس گنوار کسان کے برابر بھی عقل نہیں؟ ـــــ یا جس قدر ظاہری اسباب پر بھروسا ہے، اپنے مالک جل وعلا کے ارشاد پر اتنا اطمینان بھی نہیں کہ اپنے مال بڑھانے اور ایک ایک دانہ کا ایک ایک پیڑ بنانے کو زکات کا بیج نہیں ڈالتا۔ ـــــ وہ فرماتا ہے: زکات دو، تمھارا مال بڑھے گا۔ ـــــ اگر دل میں اس فرمان پر یقین نہیں جب تو کھلا کفر ہے ـــــ ورنہ تجھ سے بڑھ کر احمق کون کہ اپنے یقینی نفع دین و دنیا کی ایسی بھاری تجارت چھوڑ کر دونوں جہانوں کا زیاں مول لیتا ہے۔ (اس کے بعد درج ذیل احادیث رقم فرماتے ہیں)

حدیث ①: میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ان تمام اسلامکم ان تؤدوا زکوٰۃ

---

(۱) مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط، باب فرض الزکوٰۃ، ج:۳، ص:۶۳، دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان۔

(۲) صحیح ابن خزیمۃ، ج:۴، ص:۱۳، حدیث:۲۲۵۸، المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان۔

(۳) کتاب المرسیل، باب الصائم یصیب اہلہ، ص:۶۲، مکتبہ علمیہ، لاہور، پاکستان۔

اموالکم.[1] ــــ تمھارے اسلام کا پورا ہونا یہ ہے کہ اپنے مالوں کی زکات ادا کرو۔ ــــ رواہ البزار عن علقمة.

حدیث ۲ : حضور ﷺ فرتے ہیں : من کان یؤمن باللہ ورسولہ فلیؤد زکوٰۃ مالہ.[2] ــــ جو اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لاتا ہوا سے لازم ہے کہ اپنے مال کی زکات دے یعنی ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ زکات ادا کی جائے۔ ــــ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما.

حدیث ۳ : حضور پُر نور ﷺ فرماتے ہیں: جس کے پاس سونا یا چاندی ہو اور اس کی زکات نہ دے، قیامت کے دن اس زر وسیم کی تختیاں بنا کر جہنم کی آگ میں تپائیں گے ــــ پھر ان سے اس شخص کی پیشانی اور کروٹ اور پیٹھ پر داغ دیں گے ــــ جب وہ تختیاں ٹھنڈی ہو جائیں گی، پھر انھیں تپا کر داغیں گے ــــ قیامت کے دن کہ پچاس ہزار برس کا ہے، یونہی کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ تمام مخلوق کا حساب ہو چکے۔ ــــ اخرجہ الشیخان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ.[3]

مولیٰ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳۴﴾ یَّوْمَ یُحْمٰى عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾[4] ــــ اور جو لوگ جوڑتے ہیں سونا چاندی اور اسے خدا کی راہ میں نہیں اٹھاتے یعنی زکات ادا نہیں کرتے، انھیں بشارت دے دُکھ کی مار کی، جس دن تپایا جائے گا وہ سونا چاندی جہنم کی آگ سے، پس داغی جائیں گی اس سے ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں، یہ ہے جو تم نے اپنے لیے جوڑ کر رکھا تھا، اب چکھو مزا اس جوڑنے کا۔

پھر اس داغ دینے کو بھی نہ سمجھیے کہ کوئی چھکا لگا دیا جائے گا، یا پیشانی و پشت و پہلو کی چربی نکل کر بس ہو گی، بلکہ اس کا حال بھی حدیث سے سُن لیجئے :

حدیث ۴ : سیّدنا ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ان کے سر پستان پر وُہ جہنم کا گرم پتّھر رکھیں گے کہ سینہ توڑ کر شانہ سے نکل جائے گا، اور شانہ کی ہڈی پر رکھیں گے کہ ہڈیاں توڑتا سینہ سے

---

(۱) کشف الاستار عن زوائد البزار، ج:۱، ص:۴۱۶، باب وجوب الزکوٰۃ، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان۔
(۲) المعجم الکبیر، ج:۱۲، ص:۴۲۴، حدیث:۱۳۵۶۱، عن عبد اللہ ابن عمر، مکتبہ فیصلیہ، بیروت، لبنان۔
(۳) صحیح مسلم، باب اثم مانع الزکوٰۃ، ج:۱، ص:۳۱۸، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان۔
(۴) پارہ:۱۰، التوبۃ:۹، آیت :۳۴، ۳۵۔

نکلے گا۔ــــ اخرجه الشيخان عن الاحنف بن قيس۔[1] ــــاور فرمایا: میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو فرماتے سنا کہ پیٹھ توڑ کر کروٹ سے نکلے گا اور گُدّی توڑ کر پیشانی سے۔ ــــ رواہ مسلم۔[2] ــــاور اس کے ساتھ اور بھی ایک کیفیت سن رکھیے:

حدیث ۵ : حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کوئی روپیہ دوسرے روپے پر نہ رکھا جائے گا ــــ نہ کوئی اشرفی دوسری اشرفی سے چُھوجائے گی ــــ بلکہ زکات نہ دینے والے کا جسم اتنا بڑھا دیا جائے گا کہ لاکھوں کروڑوں جوڑے ہوں تو ہر روپیہ جُدا داغ دے گا۔ــــ رواہ الطبرانی فی الکبیر۔[3]

اے عزیز! کیا خدا اور رسول کے فرمان کو یونہی ہنسی ٹھٹھا سمجھتا ہے ــــ یا پچاس ہزار برس کی مدّت میں یہ جانکاہ مصیبتیں جھیلنی سہل جانتا ہے ــــ ذرا یہیں کی آگ میں ایک آدھ روپیہ گرم کرکے بدن پر رکھ دیکھ ــــ پھر کہاں یہ خفیف گرمی، کہاں وہ قہر آگ ــــ کہاں یہ ایک ہی روپیہ، کہاں وہ ساری عمر کا جوڑا ہوا مال ــــ کہاں یہ منٹ بھر کی دیر، کہاں وہ ہزار دن برس کی آفت ــــ کہاں یہ ہلکا سا چہکا، کہاں وُہ ہڈیاں توڑ کر پار ہونے والا غضب۔ ــــ اللہ تعالیٰ مسلمان کو ہدایت بخشے، آمین۔

حدیث ۶ : مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں: جو شخص اپنے مال کی زکات نہ دے گا، وہ مال روزِ قیامت گنجے اژدہے کی شکل بنے گا اور اس کے گلے میں طوق ہو کر پڑے گا۔ ــــ پھر سیّد عالم ﷺ نے کتاب اللہ سے اس کی تصدیق پڑھی کہ رب عزوجل فرماتا ہے:

سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔[4] ــــ جس چیز میں بخل کر رہے ہیں قریب ہے کہ طوق بنا کر ان کے گلے میں ڈالی جائے قیامت کے دن۔ ــــ رواه ابن ماجة والنسائی وابن خزيمة عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه۔[5]

حدیث ۷ : فرماتے ہیں حضور ﷺ: وہ اژدہا منہ کھول کر اس کے پیچھے دوڑے گا، یہ بھاگے گا ــــ اس سے فرمایا جائے گا: لے اپنا وہ خزانہ کہ چھپا کر رکھا تھا، کہ میں اس سے غنی ہوں۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب ما ادی زکوٰتہ فلیس بکنز، ج:۱، ص:۱۸۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان۔
(۲) صحیح مسلم، باب اثم مانع الزکوٰۃ، ج:۱، ص:۳۲۱، نور محمد اصح المطابع، کراچی، پاکستان۔
(۳) مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الکبیر، باب فرض الزکوٰۃ، ج:۳، ص:۶۵، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان۔
(۴) پارہ:۴، آل عمران:۳، آیت:۱۸۰۔
(۵) سنن النسائی، باب التغلیظ فی حبس الزکوٰۃ، ج:۱، ص:۲۷۲، مکتبہ سلفیہ، لاہور، پاکستان۔

—— جب دیکھے گا کہ اس اژدہا سے کہیں مفر نہیں، ناچار اپنا ہاتھ اس کے منہ میں دے دے گا —— وہ ایسا چبائے گا جیسے نر اونٹ چباتا ہے۔ —— رواہ مسلم عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ .(۱)

حدیث ۸ : فرماتے ہیں ﷺ :جب وُہ اژدہا اس پر دوڑے گا، یہ پُوچھے گا: تُو کون ہے ؟—— کہے گا: میں تیرا وہ بے زکاتی مال ہوں جو چھوڑ مرا تھا —— جب یہ دیکھے گا کہ وہ پیچھا کیے ہی جارہا ہے، ہاتھ اس کے منہ میں دے دے گا —— وہ چبائے گا، پھر اس کا سارا بدن چبا ڈالے گا۔ —— اخرجہ البزار والطبرانی وابنا خزیمۃ وحبان عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ.(۲)

حدیث ۹ : فرماتے ہیں ﷺ: وہ اژدہا اُس کا منہ اپنے پھن میں لے کر کہے گا: میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ —— رواہ البخاری والنسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ .(۳)

حدیث ۱۰ : فرماتے ہیں ﷺ :فقیر ہرگز ننگے بھوکے ہونے کی تکلیف نہ اُٹھائیں گے، مگر اغنیا کے ہاتھوں —— سُن لو! ایسے تونگروں سے اللہ تعالیٰ سخت حساب لے گا اور انھیں دردناک عذاب دے گا۔—— رواہ الطبرانی عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجھہ.(٤)

حدیث ۱۱ : عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: زکات نہ دینے والا ملعون ہے زبان پاک محمد رسول اللہ ﷺ پر۔ —— رواہ ابن خزیمۃ واحمد وابو یعلیٰ وابن حبان.(٥)

حدیث ۱۲ : مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے سُود کھانے والے اور کھلانے والے اور اس پر گواہی کرنے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے، زکات نہ دینے والے، ان سب کو قیامت کے دن ملعون بتایا۔ —— رواہ الاصبھانی۔(٦)

حدیث ۱۳ : کہ فرماتے ہیں ﷺ: قیامت کے دن تونگروں کے لیے محتاجوں کے ہاتھ

---

(۱) صحیح مسلم، باب اثم مانع الزکوٰۃ، ج:۱، ص:۳۲۱، نور محمد اصح المطابع، کراچی، پاکستان۔
(۲) کشف الاستار عن زوائد البزار، باب فیمن منع الزکوٰۃ، ج:۱، ص:۴۱۸، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان۔
(۳) صحیح البخاری، باب اثم مانع الزکوٰۃ، ج:۱ص:۱۸۸، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان۔
(۴) مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط، باب فرض الزکوٰۃ، ج:۳ص:۶۲، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان۔
(۵) صحیح ابن خزیمہ، ج:۴، ص:۹، المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان۔
(۶) کنز العمال، ج:۴، ص:۱۰۹، حدیث:۹۷۸۳، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان۔

سے خرابی ہے۔ محتاج عرض کریں گے: اے رب ہمارے! انھوں نے ہمارے وہ حقوق جو تو نے ہمارے لیے ان پر فرض کیے تھے ظلماً نہ دیے —— اللہ عزوجل فرمائے گا: مجھے قسم ہے اپنے عزّت و جلال کی کہ تمھیں اپنا قُرب عطا کروں گا اور انھیں دُور رکھوں گا۔ —— رواہ الطبرانی وابو الشیخ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔(۱)

حدیث ⑭ : کہ حضور اقدس ﷺ نے کچھ لوگ دیکھے جن کے آگے پیچھے غرقی لنگوٹیوں کی طرح کچھ چیتھڑے تھے اور جہنّم کی گرم آگ پتّھر اور تھوہر اور سخت کڑوی جلتی بدبو گھانس چوپایوں کی طرح چرتے پھرتے تھے۔ —— جبریل امین علیہ الصّلاۃ والسلام سے پُوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ —— عرض کی: یہ زکات نہ دینے والے ہیں —— اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا، اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں فرماتا۔ —— رواہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔(۲)

حدیث ⑮ : دو عورتیں خدمتِ والا میں سونے کے کنگن پہنے حاضر ہوئیں، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ان کی زکات دوگی؟ عرض کی: نہ۔ —— فرمایا: کیا چاہتی ہو کہ اللہ تعالیٰ تمھیں آگ کے کنگن پہنائے؟۔ —— عرض کی: نہ۔ فرمایا: تو زکات دو۔ —— رواہ الترمذی والدارقطنی واحمد وابو داؤد والنسائی عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔(۳)

حدیث ⑯ : ایک بی بی چاندی کے چھلّے پہنے تھیں، فرمایا: ان کی زکات دوگی؟۔ —— انھوں نے کچھ انکار سا کیا۔ —— فرمایا: تو یہ ہی تجھے جہنّم میں لے جانے کو بہت ہیں۔ —— رواہ ابو داود والدار قطنی عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔(۴)

حدیث ⑰ : کہ حضورِ اقدس ﷺ فرماتے ہیں: زکات نہ دینے والا قیامت کے دن دوزخ میں ہوگا۔ —— رواہ الطبرانی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔(۵)

حدیث ⑱ : فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ: دوزخ میں سب سے پہلے تین شخص جائیں گے

---

(۱) مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الاوسط، باب فرض الزکوۃ، ج:۳، ص:۶۲، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان۔

(۲) کشف الاستار عن زوائد البزار، باب منہ فی الاسراء، ج:۱ ص:۳۸، حدیث: ۵۵، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان۔

(۳) جامع الترمذی، باب ماجاء فی زکوۃ الحلی، ج:۱، ص:۸۱، آفتاب عالم پریس، لاہور، پاکستان۔

(۴) سنن ابی داؤد، باب الکنز ماھو وزکوۃ الحلی، ج:۱، ص:۲۱۸، آفتاب عالم پریس، لاہور، پاکستان۔

(۵) مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الصغیر، باب فرض الزکوۃ، ج:۳، ص:۶۴، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان۔

—— ان میں ایک وہ تونگر کہ اپنے مال میں (اللہ) عزوجل کا حق ادا نہیں کرتا۔ —— رواہ ابن خزیمہ وابن حبان فی صحیحیھما عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (۱)

غرض زکات نہ دینے کی جانکاہ آفتیں وہ نہیں جن کی تاب آسکے —— نہ دینے والے کو ہزارہا سال ان سخت عذابوں میں گرفتاری کی امید رکھنی چاہیے کہ ضعیف البنیان انسان کی کیا جان، اگر پہاڑوں پر ڈالی جائیں، سُرمہ ہوکر خاک میں مل جائیں —— پھر اس سے بڑھ کر احمق کون کہ اپنا مال جھوٹے سچے نام کی خیرات میں صرف کرے اور اللہ عزوجل کا فرض اور اس بادشاہ قہار کا وہ بھاری قرض گردن پر رہنے دے —— یہ شیطان کا بڑا دھوکا ہے کہ آدمی کو نیکی کے پردے میں ہلاک کرتا ہے —— نادان سمجھتا ہے، نیک کام کر رہا ہوں، اور نہ جانا کہ نفل بے فرض نرے دھوکے کی ٹٹی ہے —— اس کے قبول کی امید تو مفقود اور اس کے ترک کا عذاب گردن پر موجود۔

اے عزیز! فرض، خاص سلطانی قرض ہے اور نفل گویا تحفہ و نذرانہ۔ —— قرض نہ دیجیے اور بالائی بیکار تحفے بھیجیے، وہ قابلِ قبول ہوں گے؟ خصوصًا اس شہنشاہ غنی کی بارگاہ میں جو تمام جہان و جہانیاں سے بے نیاز ہے۔ —— یوں یقین نہ آئے تو دنیا کے جھوٹے حاکموں ہی کو آزمالے —— کوئی زمین دار مال گزاری تو بند کرلے اور تحفے میں ڈالیاں بھیجا کرے —— دیکھو تو سرکاری مجرم ٹھہرتا ہے یا اس کی ڈالیاں کچھ بہبود کا پھل لاتی ہیں۔

ذرا آدمی اپنے ہی گریبان میں منہ ڈالے، فرض کیجیے آسامیوں سے کسی کھنڈ ساری کا رس بندھا ہوا ہے، جب دینے کا وقت آئے وہ رس تو ہرگز نہ دیں، مگر تحفے میں آم، خربوزے بھیجیں —— کیا یہ شخص ان آسامیوں سے راضی ہوگا یا آتے ہوئے اس کی نادہندگی پر جو آزار انھیں پہنچا سکتا ہے، ان آم خربوزے کے بدلے اس سے باز آئے گا۔

سبحان اللہ! جب ایک کھنڈ ساری کے مطالبہ کا یہ حال ہے تو ملک الملوک، احکم الحاکمین جل وعلا کے قرض کا کیا پوچھنا! —— لاجرم محمد بن المبارک بن الصباح اپنے "جزءِ املا" اور عثمان بن ابی شیبہ اپنی "سنن" اور ابو نعیم "حلیۃ الاولیاء" اور ہنّاد "فوائد" اور ابن جریر "تہذیب الآثار" میں عبد الرحمٰن بن سابط و زید و زبید پسرانِ حارث و مجاہد سے راوی:

لما حضر ابابکر الموتُ دعا عمر فقال اتق اللہ یا عمر واعلم ان لہ عملا

---

(۱) صحیح ابن خزیمہ، باب ذکر ادخال مانع الزکوٰۃ النار مع اوائل من یدخلہا، ج:۴، ص:۸، المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان۔

بالنهار لا يقبله بالليل و عملا بالليل لا يقبله بالنهار واعلم انه لايقبل نافلة حتى تؤدى الفريضة.الحديث.(۱)

یعنی جب خلیفہ رسول اللہ ﷺ سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نزع کا وقت ہوا، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلاکر فرمایا: اے عمر! اللہ سے ڈرنا اور جان لو کہ اللہ کے کچھ کام دن میں ہیں کہ انھیں رات میں کرو تو قبول نہ فرمائے گا اور کچھ کام رات میں کہ انھیں دن میں کرو تو مقبول نہ ہوں گے ـــــ اور خبر دار ہو کہ کوئی نفل قبول نہیں ہوتا جب تک فرض ادا نہ کرلیا جائے۔الحدیث

حضور پُر نور سیّدنا غوث اعظم مولائے اکرم حضرت شیخ محی الملّۃ والدّین ابو محمد عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب مستطاب فتوح الغیب شریف میں کیا کیا جگر شگاف مثالیں ایسے شخص کے لیے ارشاد فرمائی ہیں جو فرض چھوڑ کر نفل بجالائے۔ ـــــ فرماتے ہیں: اس کی کہاوت ایسی ہے جیسے کسی شخص کو بادشاہ اپنی خدمت کے لیے بلائے، یہ وہاں تو حاضر نہ ہو اور اس کے غلام کی خدمت گاری میں موجود رہے۔ ـــــ پھر حضرت امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا مولیٰ علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ سے اس کی مثال نقل فرمائی کہ جناب ارشاد فرماتے ہیں: ایسے شخص کا حال اس عورت کی طرح ہے جسے حمل رہا، جب بچّہ ہونے کے دن قریب آئے، اسقاط ہوگیا ـــــ اب وہ نہ حاملہ ہے، نہ بچّہ والی۔ ـــــ یعنی جب پورے دنوں پر اگر اسقاط ہو تو محنت تو پوری اٹھائی اور نتیجہ خاک نہیں، کہ اگر بچہ ہوتا تو ثمرہ خود موجود تھا، حمل باقی رہتا تو آگے امید لگی تھی ـــــ اب نہ حمل، نہ بچّہ ـــــ نہ اُمید، نہ ثمرہ ـــــ اور تکلیف وہی جھیلی جو بچّہ والی کو ہوتی۔ ـــــ ایسے ہی اس نفل خیرات دینے والے کے پاس سے روپیہ تو اٹھا، مگر جب کہ فرض چھوڑا، یہ نفل بھی قبول نہ ہوا، تو خرچ کا خرچ ہوا اور حاصل کچھ نہیں۔

اسی کتاب مبارک میں حضور مولیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ: فان اشتغل بالسنن والنوافل قبل الفرائض لم يقبل منه واهين.(۲) ـــــ یعنی فرض چھوڑ کر سنّت و نفل میں مشغول ہوگا، یہ قبول نہ ہوں گے اور خوار کیا جائے گا۔

یوں ہی شیخِ محقق مولانا عبد الحق محدّث دہلوی قدس سرہٗ نے اس کی شرح میں فرمایا کہ: ترک آں چہ لازم و ضروری ست واہتمام بآں چہ نہ ضروری است از فائدۂ عقل و خرد دوراست، چہ دفع ضرر اہم ست

(۱) حلیۃ الاولیاء، ذکر المہاجرین، ابوبکر الصدیق، ج:۱ص:۳۶، دار لکتاب العربی، بیروت، لبنان۔
(۲) فتوح الغیب مع شرح عبد الحق الدہلوی، المقالۃ الثامنۃ والاربعون، ص:۲۷۳، منشی نول کشور، لکھنؤ۔

برعاقل از جلب نفع، بلکہ بحقیقت نفع دریں صورت منتفی است۔ [1]

حضرت شیخ الشیوخ امام شہاب الملّۃ والدّین سُہروردی قدس سرہ العزیز عوارف شریف کے باب الثامن والثلاثین میں حضرت خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں: بلغنا ان اللہ لا یقبل نافلۃ حتی یؤدی فریضۃ یقول اللہ تعالیٰ: مثلکم کمثل العبد السوء بدأ بالھدیۃ قبل قضاء الدین. [2]

ہمیں خبر پہنچی کہ اللہ عزّوجل کوئی نفل قبول نہیں فرماتا یہاں تک کہ فرض ادا کیا جائے، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے فرماتا ہے: کہاوت تمھاری اس بد بندہ کی مانند ہے جو قرض ادا کرنے سے پہلے تحفہ پیش کرے۔

خود حدیث میں ہے: حضور پُر نور سیّد عالم ﷺ فرماتے ہیں: اربع فرضھن اللہ فی الإسلام فمن جاء بثلاث لم یغنین عنہ شیئًا حتی یاتی بھن جمیعاً الصّلوۃ والزکوٰۃ وصیام رمضان وحج البیت. [3] ـــــ چار چیزیں اللہ تعالیٰ نے اسلام میں فرض کی ہیں کہ جو ان میں سے تین ادا کرے وہ اسے کچھ کام نہ دیں جب تک پوری چاروں نہ بجا لائے، نماز، زکات، روزۂ رمضان، حجِ کعبہ۔ ـــــ رواہ الامام احمد فی مسندہ بسند حسن عن عمارۃ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ.

سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: امرنا باقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ ومن لم یزك فلا صلوٰۃ لہ. [4] ـــــ ہمیں حکم دیا گیا کہ نماز پڑھیں اور زکات دیں اور جو زکات نہ دے اس کی نماز قبول نہیں۔ ـــــ رواہ الطبرانی فی الکبیر بسند صحیح.

سبحان اللہ! جب زکات نہ دینے والے کی نماز، روزے، حج تک مقبول نہیں، تو اس نفل خیرات نام کی کائنات سے کیا امید ہے ـــــ بلکہ انھیں سے اصبہانی کی روایت میں آیا کہ فرماتے ہیں: من

---

(۱) فتوح الغیب مع شرح الشیخ عبد الحق الدہلوی، المقالۃ الثامنۃ والا ربعون، ص:۲۷۳، منشی نول کشور، لکھنؤ۔ ترجمہ: لازم اور ضروری چیز کا ترک اور جو ضروری نہیں اس کا اہتمام عقل و خرد میں فائدہ سے دُور ہے؛ کیوں کہ عاقل کے نزدیک حصولِ نفع سے دفعِ ضرر اہم ہے، بلکہ اس صورت میں نفع منتفی ہے۔

(۲) عوارف المعارف ملحق باحیاء العلوم، باب ۳۸ فی ذکر آداب الصلوٰۃ الخ، ص:۱۶۸، المشہد الحسینی، قاہرہ، مصر۔

(۳) مسند احمد بن حنبل، ج:۴، ص:۲۰۱، حدیث زیاد بن نعیم، دار الفکر، بیروت، لبنان۔

(۴) مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الکبیر، باب فرض الزکوٰۃ، ج:۳، ص:۶۲، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان۔

اقام الصلوٰۃ ولم یؤت الزکوٰۃ فلیس بمسلم ینفعه عمله.[1] ـــــ جو نماز ادا کرے اور زکات نہ دے، وہ مسلمان نہیں کہ اسے اس کا عمل کام آئے۔ ـــــ الٰہی! مسلمانوں کو ہدایت فرما، آمین۔

بالجملہ اس شخص نے آج تک جس قدر خیرات کی، مسجد بنائی، گاوں وقف کیا ـــــ یہ سب امور صحیح ولازم تو ہوگئے کہ اب نہ دی ہوئی خیرات فقیر سے واپس کر سکتا ہے ـــــ نہ کیے ہوئے وقف کو پھیر لینے کا اختیار رکھتا ہے ـــــ نہ اس گاوں کی توفیر ادائے زکات، خواہ اپنے اور کسی کام میں صرف کر سکتا ہے کہ وقف بعد تمامی لازم وحتمی ہو جاتا ہے جس کے ابطال کا ہرگز اختیار نہیں رہتا۔ ـــــ فی الدرالمختار: الوقف عند هما هو حبسها علی ملك الله تعالیٰ فیلزم فلا یجوز له ابطاله ولا یورث عنه وعلیه الفتوی .ملخصا.[2]

مگر بااں ہمہ جب تک زکات پوری پوری نہ ادا کرے، ان افعال پر امیدِ ثواب وقبول نہیں، کہ کسی فعل کا صحیح ہوجانا اور بات ہے، اور اس پر ثواب ملنا، مقبول بارگاہ ہونا اور بات ہے، مثلاً اگر کوئی شخص دکھاوے کے لیے نماز پڑھے، نماز صحیح تو ہوگئی، فرض اُتر گیا، پر نہ قبول ہوگی، نہ ثواب پائے گا، بلکہ الٹا گنہ گار ہوگا، یہی حال اس شخص کا ہے۔

اے عزیز! اب شیطان لعین کہ انسان کا عدو مبین ہے، بالکل ہلاک کر دینے اور یہ ذرا سا ڈورا جو قصد خیرات کا لگا رہ گیا ہے جس سے فقرا کو تو نفع ہے، اسے بھی کاٹ دینے کے لیے یوں فقرہ سوجھائے گا کہ جو خیرات قبول نہیں تو کرنے سے کیا فائدہ، چلو اسے بھی دور کرو، اور شیطان کی پوری بندگی بجا لاؤ ـــــ مگر اللہ عزوجل کو تیری بھلائی اور عذاب شدید سے رہائی منظور ہے ـــــ تو وہ تیرے دل میں ڈالے گا کہ اس حکم شرعی کا جواب یہ نہ تھا جو اس دشمنِ ایمان نے تجھے سکھایا اور رہا سہا بالکل ہی متمرد وسرکش بنایا ـــــ بلکہ تجھے تو وہ فکر کرنی تھی جس کے باعث عذابِ سلطانی سے بھی نجات ملتی اور آج تک کے یہ وقف ومسجد وخیرات بھی سب مقبول ہوجانے کی امید پڑتی۔

بھلا غور کرو ـــــ وہ بات بہتر کہ بگڑتے ہوئے کام پھر بن جائیں، اکارت جاتی محنتیں از سرِ نو ثمرہ

---

(۱) الترغیب والترھیب بحوالہ اصبہانی، الترھیب من منع الزکوٰۃ، ج:۱، ص:۵۴۰، مصطفیٰ البابی، مصر۔

(۲) در مختار، کتاب الوقف، ج:۱، ص:۳۷۷، مطبع مجتبائی، دہلی۔ ترجمہ: در مختار میں ہے کہ وقف صاحبین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں چلے جانے کی وجہ سے لازم ہوجاتا ہے؛ لہذا اس کا ابطال جائز نہیں، اور نہ ہی اس کا کوئی وارث ہو سکتا ہے، اسی پر فتویٰ ہے۔

لائیں ——— یا معاذاللہ یہ بہتر، کہ رہی سہی نام کو جو صورتِ بندگی باقی ہے، اسے بھی سلام کیجیے اور کھلے ہوئے سرکشوں، اشتہاری باغیوں میں نام لکھا لیجیے۔ ——— وہ نیک تدبیر یہی ہے کہ زکات نہ دینے سے صدق دل سے توبہ کیجیے ——— آج تک کی جتنی زکات گردن پر ہے، فوراً دل کی خوشی کے ساتھ اپنے رب کا حکم ماننے اور اسے راضی کرنے کو ادا کر دیجیے کہ شہنشاہِ بے نیاز کی درگاہ میں باغی غلاموں کی فہرست سے نام کٹ کر فرماں بردار بندوں کے دفتر میں چہرہ لکھا جائے۔

مہربان مولا جس نے جان عطا کی، اعضا دیے، مال دیا، کروڑوں نعمتیں بخشیں، اس کے حضور منہ اُجالا ہونے کی صورت نظر آئے اور مژدہ ہو، بشارت ہو، نوید ہو، تہنیت ہو کہ ایسا کرتے ہی اب تک جس قدر خیرات دی ہے، وقف کیا ہے، مسجد بنائی ہے، ان سب کی بھی مقبولی کی اُمید ہوگی کہ جس جرم کے باعث یہ قابلِ قبول نہ تھے جب وہ زائل ہوگیا، انھیں بھی باذن اللہ تعالیٰ شرفِ قبول حاصل ہوگیا۔——— چارۂ کار تو یہ ہے، آگے ہر شخص اپنی بھلائی بُرائی کا اختیار رکھتا ہے۔

مدّتِ دراز گزرنے کے باعث اگر زکات کا تحقیقی حساب نہ معلوم ہوسکے تو عاقبت پاک کرنے کے لیے بڑی سے بڑی رقم جہاں تک خیال میں آسکے فرض کرلے کہ زیادہ جائے گا تو ضائع نہ جائے گا——— بلکہ تیرے رب مہربان کے پاس تیری بڑی حاجت کے وقت کے لیے جمع رہے گا ——— وہ اس کا کامل اجر جو تیرے حوصلہ وگمان سے باہر ہے عطا فرمائے گا——— اور کم کیا تو بادشاہ قہار کا مطالبہ جیسا ہزار روپیہ کا، ویسا ہی ایک پیسے کا۔

اگر بدیں وجہ کہ مال کثیر اور قرنوں کی زکات ہے ——— یہ رقم وافر دیتے ہوئے نفس کو درد پہنچے گا ——— تو اول تو یہ ہی خیال کرلیجیے کہ قصور اپنا ہے ——— سال بہ سال دیتے رہتے تو یہ گٹھری کیوں بندھ جاتی۔

پھر خدائے کریم عزّوجل کی مہربانی دیکھیے ——— اس نے یہ حکم نہ دیا کہ غیروں ہی کو دیجیے ——— بلکہ اپنوں کو دینے میں دُونا ثواب رکھا ہے ——— ایک تصدّق کا ——— ایک صلہ رحم کا ——— تو جو اپنے گھر سے پیارے، دل کے عزیز ہوں جیسے بھائی، بھتیجے، بھانجے، انھیں دے دیجیے کہ ان کا دینا چنداں ناگوار نہ ہوگا ——— بس اتنا لحاظ کرلیجیے کہ نہ وہ غنی ہوں ——— نہ غنی باپ زندہ کے نابالغ بچّے ——— نہ اُن سے علاقہ زوجیت یا ولادت ہو یعنی نہ وہ اپنی اولاد میں، نہ آپ ان کی اولاد میں۔

پھر اگر رقم ایسی ہی فراواں ہے کہ گویا ہاتھ بالکل خالی ہوا جاتا ہے، تو دیے بغیر تو چھٹکارا نہیں ——— خدا کے وہ سخت عذاب ہزاروں برس تک جھیلنے بہت دشوار ہیں ——— دنیا کی یہ چند سانسیں تو جیسے بنے،

گزر ہی جائیں گی ـــــ تاہم اگر یہ شخص اپنے ان عزیزوں کو بہ نیّتِ زکات دے کر قبضہ دلائے، پھر وہ ترس کھاکر بغیر اس کے جبر و اکراہ کے اپنی خوشی سے بطور ہبہ جس قدر چاہیں واپس کر دیں، تو سب کے لیے سراسر فائدہ ہے ـــــ اس کے لیے یہ کہ خدا کے عذاب سے چھوٹا ـــــ اللہ تعالیٰ کا قرض و فرض ادا ہوا ـــــ اور مال بھی حلال و پاکیزہ ہوکر واپس ملا ـــــ جو رہا، وہ اپنے جگر پاروں کے پاس رہا۔

ان کے لیے یہ فائدے ہیں کہ دنیا میں مال ملا ـــــ عقبیٰ میں اپنے عزیز مسلمان بھائی پر ترس کھانے اور اسے ہبہ کرنے اور اس کے اداے زکات میں مدد دینے سے ثواب پایا۔

پھر اگر ان پر پورا اطمینان ہو تو زکاتِ سالہاسال کا حساب لگانے کی بھی حاجت نہ رہے گی ـــــ اپنا کل مال بطور تصدّق انھیں دے کر قبضہ دلا دے ـــــ پھر وہ جس قدر چاہیں اسے اپنی طرف سے ہبہ کر دیں ـــــ کتنی ہی زکات اس پر تھی سب ادا ہو گئی، اور سب مطلب بر آئے اور فریقین نے ہر قسم کے دینی و دنیوی نفع پائے ـــــ مولیٰ عزوجل اپنے کرم سے توفیق عطا فرمائے۔ آمین آمین یا رب العالمین. واللہ تعالیٰ أعلم وعلمه أتم.(۱)

کیا حافظ کے لیے روزۂ رمضان معاف ہے؟

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک سوال آیا کہ " حافظ کو اداے تراویح کے لیے دَورۂ قرآن کرنا پڑتا ہے۔ اس سخت محنت کے پیش نظر روزۂ فرض اس سے معاف ہے یا نہیں؟ ـــــ سوال فارسی میں ہے؛ اس لیے جواب بھی فارسی ہے، اس کا خلاصہ اردو میں یہاں لکھا جاتا ہے۔(۲)

ـــــ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

" یہ جھوٹا بہانہ سمجھ میں نہیں آتا کہ قراءت قرآن روزہ سے مانع ہے ـــــ اطراف عالم اور اکناف زمین میں بوڑھے، بچے، کم طاقت والے ہزارہا ہزار حفاظ قرآن دن میں روزہ بھی رکھتے ہیں اور رات کو قرآن بھی پڑھتے ہیں، اس سے ان کو کوئی ضرر نہیں لاحق ہوتا۔ ـــــ اور ہو بھی کیسے؟ ـــــ جب کہ روزہ

(۱) فتاویٰ رضویہ، کتاب الزکوٰۃ، رسالہ "اعز الاکتناہ فی ردّ صدقة مانع الزکوٰۃ"، ج:۴، ص:۴۳۳ تا ص:۴۳۹، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۰، ص:۱۷۲ تا ص:۱۸۳، رضا اکیڈمی۔

(۲) یہ خلاصہ استاذ گرامی حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، دام ظلہ علینا، ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ نے کیا ہے جو ماہر رضویات حضرت علامہ یسین اختر مصباحی صاحب کی کتاب "امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات" مطبوعہ اسلامک پبلشر، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی میں ص:۵۴ تا ص:۵۷ شائع ہوا ہے۔ ہم نے تبرکاً اسے من و عن یہاں نقل کر دیا ہے۔

صحت ہے —— اور قرآن شفا—— ہاں! اعتقاد صحیح چاہیے تاکہ ان عطیات کا فائدہ رونما ہو —— ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ [۱] —— اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور اس سے ظالموں کو نقصان ہی بڑھتا ہے۔ [۲] —— ارشاد نبوی ہے: اغزوا تغنموا وصوموا تصحوا وسافروا تستغنوا. [۳] —— غزوہ کرو غنیمت یاب ہوگے، روزہ رکھو صحت پاؤگے، سفر کرو مال دار ہوگے۔

ذرا بھی باور نہیں ہوتا کہ اس شخص کو قراءتِ قرآن روزہ رکھنے سے روکتی ہے؛ لہٰذا در حقیقت یہ صرف عذرِ باطل ہے ——اور پست ہمتی و نفس پروری ہے۔ والعیاذ باللہ.

اگر بالفرض ایسا ہی ہے کہ قرآن پڑھنے سے اس کو اس قدر کمزوری لاحق ہو جاتی ہے کہ روزہ کی طاقت نہیں رہ جاتی تو اس صورت میں یہ قرآن پڑھنا، اس کے حق میں نہ سنت ہوگا —— نہ باعثِ ثواب ——بلکہ حرام و موجبِ عذاب۔

علمانے مطلقا فرمایا ہے کہ ہر وہ عمل جو باعثِ ضعف اور مانعِ روزہ ہو، جائز نہیں——اور اگر کسی شخص کی ایسی حالت ہو کہ روزہ رکھے تو نماز میں قیام نہ کر سکے، اس کے لیے روزۂ رمضان چھوڑنا جائز نہیں—— بلکہ روزہ رکھے اور نماز بیٹھ کر ادا کرے۔

سبحان اللہ! علما کے نزدیک قیام نماز——جو خود فرض ہے—— روزہ کی رعایت سے ساقط ہو جاتا ہے——یہاں روزہ ایک سنت کی خاطر——بلکہ حصول امامت سے ملنے والے "تفاخر" کی خاطر ——بلکہ ایک ایسے فعل ناجائز و گناہ و حرام (یعنی تفاخر) کی خاطر ——معاف ہو جائے، یہ تو نہیں مگر صریح جہالت ——یا قبیح مخالفت۔

اس عزیز سے کہیں کہ——حق سبحانہ تعالیٰ نے روزۂ رمضان تجھ پر اور تجھ جیسے سب پر فرض عین فرمایا ہے ——اور قرآن، تراویح میں ختم کرنا نہ فرض ہے، نہ سنت عین ——اگر وقتِ دَور کثرتِ تلاوت کے باعث ——جو اکثر حافظوں کے لیے ناگزیر ہے ——تجھے اتنی کمزوری آجاتی ہے تو یہ تیرے ذمہ لازم

---

(۱) پارہ:۱۵، بنی اسرائیل:۱۷، آیت:۸۲۔
(۲) کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ۔
(۳) مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الاوسط، باب اغزوا تغنموا الخ، ج:۵، ص:۳۲۴، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان۔

نہیں فرمایا گیا ـــــ کسی دوسرے حافظ کی اقتدا میں تراویح ادا کر ـــــ روزہ رکھ ـــــ فرض بھی حاصل کر ـــــ سنت بھی تھام ـــــ اور اگر اتنا نہیں ہو سکتا تو تراویح میں پورا قرآن نہ پڑھ ـــــ نہ سن ـــــ یہی بیس رکعات تجھ سے جس طرح ادا ہو سکیں ادا کر ـــــ اور روزہ چھوڑ کر نارِ جحیم وعذابِ الیم کا مستحق نہ بن۔

اے بھائی! روزہ فرض عین ہے ـــــ اور فرضِ عین، فرض کفایہ پر مقدم ـــــ تراویح میں ختم قرآن تو سنتِ کفایہ ہے اور یہ سنتِ کفایہ سنت عین سے مؤخر ـــــ یہ کیا بے وقوفی ہے کہ سنتِ کفایہ کو فرض عین پر مقدم کریں۔

اس کلام کے بعد سیدنا غوث الثقلین، پیر دست گیر، محی الدین، ابو محمد، عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتابِ مبارک " فتوح الغیب " شریف سے کچھ عبارت تحریر فرمائی ہے جو ایسے تمام لوگوں کے لیے درس عبرت ہے جو نوافل و مستحبات میں تو کوشاں ہیں اور فرائض وواجبات سے غافل ـــــ فرماتے ہیں:

ینبغی للمؤمن ان یشتغل اولا بالفرائض، فاذا فرغ منها اشتغل بالسنن، ثم یشتغل بالنوافل والفضائل، فمالم یفرغ من الفرائض فاشتغال بالسنن حمق ورعونة، فان اشتغل بالسنن والنوافل قبل الفرائض لم تقبل منه واهین، فمثله کمثل رجل یدعوه الملك الیٰ خدمته فلا یأتی الیه و یقف بخدمة الامیر الذی هو غلام الملك وخادمه و تحت یده وولایته. عن علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجهه قال قال رسول اللہ ﷺ ان مثل مصلی النوافل وعلیه فریضة کمثل حبلی حملت فلما دنی نفاسها اسقطت فلا هی ذات حمل ولا هی ذات ولاد وکذلك المصلی لا یقبل اللہ له نافلته حتی یؤدی الفریضة ومثل المصلی کمثل التاجر لایحصل له ربحه حتی یاخذ راس ماله فکذٰلك المصلی بالنوافل لایقبل له نافلته حتی یؤدی الفریضة.(۱)

اس کا فارسی تشریحی ترجمہ بھی شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شرح فتوح الغیب سے مختصراً نقل فرمایا ہے۔ ـــــ یہاں اس کا اردو خلاصہ تحریر کیا جاتا ہے۔

مسلمان کو یہ چاہیے کہ پہلے ان چیزوں پر کاربند ہو جو فرض وواجب ہیں ـــــ جب ان سے عہدہ برآ ہو جائے تو مؤکد سنتوں میں مشغول ہو ـــــ پھر نوافل وفضائل میں مشغول ہو ـــــ فرائض چھوڑتے

---

(۱) فتوح الغیب مع شرح فارسی، مقالہ ۴۸، ص: ۲۷۳ تا ص: ۲۷۵، ملخصاً، منشی نول کشور، لکھنؤ۔

ہوئے سنتوں میں مشغولی جہالت وبے وقوفی کی نشانی ہے ـــــ اگر فرائض ترک کرتے ہوئے سنن ونوافل میں مشغول ہو، تو یہ نوافل وسنن قبول نہ ہوں گے ـــــ بلکہ وہ ذلیل وخوار کر دیا جائے گا ـــــ اس کا حال اس کی طرح ہے جسے بادشاہ اپنی خدمت میں یاد فرمائے تو وہ اس کے پاس حاضر نہ ہو اور کسی امیر کی خدمت میں کھڑا ہو جو بادشاہ کا خادم وغلام اور اس کے زیر قدرت وتصرف ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی مثال جس کے ذمہ فرض ہے اور وہ نوافل پڑھ رہا ہے ـــــ اس حاملہ عورت کی ہے جس کا زمانۂ حمل پورا ہو گیا ہو، جب وقتِ ولادت قریب آیا تو ناتمام بچہ جنا ـــــ (جیسے اس نے مشقتیں جھیلیں اور ثمرہ کچھ نہ ملا ـــــ یوں ہی فرض چھوڑ کر نوافل پڑھنے والا سختیاں اٹھاتا ہے اور نتیجہ کچھ حاصل ہونے والا نہیں) تو وہ عورت نہ تو حمل والی ہوئی کیوں کہ مقصودِ حمل بچہ ہی نہیں ـــــ نہ ہی بچہ والی ہے کہ حمل ہی ساقط ہو گیا ـــــ اسی طرح نمازی کا نفل اللہ تعالیٰ قبول نہ کرے گا جب تک کہ فرض ادا نہ کرے ـــــ ایسے نمازی کی مثال تاجر کی ہے جسے نفع حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اپنی پونجی نہ رکھے ـــــ اسی طرح (فرض، نمازی کی پونجی ہے) اس کا نفل قبول نہ ہو گا جب تک فرض ادا نہ کرے۔ (۱)

پھر چند احادیث وعبارات مزید لکھ کر حق اصلاح وارشاد ادا کر دیا ہے۔ واللہ الھادی ـــــ یہ فتویٰ نہ صرف ایک شخص کے لیے، بلکہ بے شمار ایسے افراد کے لیے باعثِ ہدایت ہے جو طاعات وعبادات میں تو منہمک ہیں، مگر ترتیبِ طاعات سے بے پرواہ اور رعایتِ واجبات وفرائض سے غافل ہیں۔

قرآن شریف پڑھنے کے لیے نابالغ کا روزہ نہ رکھنا:

مرزا غلام قادر بیگ قادری برکاتی نے ۱۲؍ رمضان ۱۳۰۷ھ میں میرٹھ سے ایک سوال بھیجا کہ ”نابالغ لڑکا، کہ نوافل میں قرآن شریف پڑھتا ہے، اگر بوجہ کثرتِ ضعف ومحنت دَور، روزہ افطار کرے تو جائز ہے یا نہیں؟“۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس کے جواب میں اصل حکم بیان کرنے کے بعد جو وعظ ونصیحت فرمائی ہے وہ دیدۂ عبرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔ ـــــ فرماتے ہیں:

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، کتاب الصوم، ج:۴، ص:۵۱۱ تا ص:۵۱۴، ملخصاً، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۰، ص:۳۳۲ تا ص:۳۴۰، ملخصاً، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

الجواب: نابالغ پر تو قلمِ شرع جاری ہی نہیں —— وہ اگر بے عذر بھی افطار کرے، اسے گنہ گار نہ کہیں گے۔ لقولہ ﷺ: رفع القلم عن ثلاثة إلى قوله ﷺ وعن الصبي حتى يحتلم.(۱)

مگر بیان کرنا اس کا ہے کہ بچّہ جیسے آٹھویں سال میں قدم رکھے —— اس کے ولی پر لازم ہے کہ اسے نماز روزے کا حکم دے ——اور جب اُسے گیارہواں شروع ہو تو ولی پر واجب ہے کہ صوم و صلوٰۃ پر مارے بشرطیکہ روزے کی طاقت ہو اور روزہ ضرر نہ کرے ——حدیثِ صحیح میں ہے کہ حضور پُرنور سیّد عالم ﷺ فرماتے ہیں: مروا اولادكم بالصلوٰة وهم أبناء سبع سنين واضربوهم عليها وهم أبناء عشر.(۲) —— تنویر الابصار میں ہے: وجب ضرب ابن عشر عليها.(۳) —— ردالمحتار میں ہے: ظاهر الحديث ان الامر لابن سبع واجب كالضرب والظاهر ايضاان الوجوب بالمعنى المصطلح عليه لا بمعنى الافتراض لان الحديث ظني فافهم.(٤) —— درمختار میں ہے: والصوم كالصّلوٰة على الصحيح۔(٥)—— عالمگیری میں ہے: قال الرازي يؤمر الصبي اذااطاقه۔(٦) —— اسی میں ہے: هذا اذالم يضرالصوم ببدنه فان اضر لا يؤمر به.(٧)

اور پُرظاہر کہ یہ احکام حدیث و فقہ میں مطلق و عام ——تو ولی، نابالغ ہفت سالہ یا اس سے بڑے کو

---

(۱) المستدرک للحاکم، رفع القلم عن الثلاث، ج:۱، ص:۲۵۸، دارالفکر، بیروت، لبنان۔ ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا: تین افراد سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔ ان میں حضور ﷺ نے اس بچّے کا بھی ذکر فرمایا ہے جو ابھی بالغ نہیں ہوا۔

(۲) سنن ابی داؤد، باب متی یؤمر الغلام الخ، ج:۱، ص:۷۱، آفتاب عالم پریس، لاہور۔ ترجمہ: جب بچّے سات سال کے ہوجائیں تو انھیں نماز کو کہو، اور دس سال کے ہوجائیں تو انھیں ترکِ نماز پر سزا دو۔

(۳) تنویر الابصار مع در مختار، کتاب الصلوٰۃ، ج:۱، ص:۵۸، مطبع مجتبائی، دہلی۔ ترجمہ: ترکِ نماز پر دس سال کے بچّے کو سزا دینا واجب ہے۔

(۴) ردالمحتار، کتاب الصّلوٰۃ، ج:۱، ص:۲۳۵، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان۔ ترجمہ: ظاہر حدیث یہ ہے کہ سات سال کے بچے کو نماز کے لیے کہنا اسی طرح واجب ہے، جیسے دس سال کے بچے کو سزا دینا واجب ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ یہاں وجوب سے اصطلاحی وجوب مراد ہے، نہ کہ بمعنیٰ فرض، کیونکہ حدیث ظنی ہے۔ پس غور کیجئے۔

(۵) در مختار، کتاب الصّلوٰۃ، ج:۱، ص:۵۸، مطبع مجتبائی، دہلی۔ ترجمہ: صحیح قول کے مطابق روزہ کا حکم نماز ہی کی طرح ہے۔

(۶) فتاوی ہندیۃ، المتفرقات من باب الاعتکاف، ج:۱، ص:۲۱۴، نورانی کتب خانہ، پشاور۔ ترجمہ: امام رازی نے فرمایا: جب بچہ توانا ہوجائے تو اسے (نماز و روزہ کا) حکم دیا جائے۔

(۷) فتاوی ہندیہ، المتفرقات من باب الاعتکاف، ج:۱، ص:۲۱۴، نورانی کتب خانہ، پشاور۔ ترجمہ: یہ اس وقت ہے جب روزہ جسمانی تکلیف کا سبب نہ بن رہا ہو، اگر بن رہا ہو تو پھر اسے نہ کہا جائے۔

اسی وقت ترکِ صوم کی اجازت دے سکتا ہے جب کہ فی نفسہٖ روزہ اسے ضرر پہنچائے —— ورنہ بلا عذر شرعی اگر روزہ چھڑائے گا یا چھوڑنے پر سکوت کرے گا، گنہ گار ہوگا، کہ اس پر امر یا ضرب شرعًا لازم، اور تارکِ واجب بزہ کار و آثم —— اور دَورِ کلام اللہ کی محنت عذرِ افطار نہیں۔ —— اوّلاً اکثر ہوتا ہے کہ بچّے، بہت جوان، قوی، تندرست لوگ ایسے امور میں کم ہمتی کو بے قدرتی سمجھ لیتے ہیں، حالاں کہ کمرِ ہمّت چست باندھیں تو کھل جائے کہ عجز سمجھنا صرف وسوسہ تھا —— اور واقع میں عجز ہو بھی یعنی روزہ رکھ کر کلام اللہ شریف پر محنتِ شاقہ نہیں ہو سکتی —— تو راہ یہ ہے کہ روزہ رکھوائیں اور قرآن مجید کا جتنا شغل بے کلفت ہو سکے لیں —— اور جس قدر کی طاقت نہ دیکھیں، بعدِ رمضان دَورِ آئندہ پر ملتوی رکھیں، کہ شرعًا صیام کے لیے ایام معین ہیں جن کے فوت سے ادا فوت ہوگی، اور دَور کے لیے کوئی دن مقرر نہیں، ہمیشہ و ہر وقت کر سکتے ہیں۔

فرض کیجیے اگر مرد نوجوان تندرست مقیم کی یہی حالت ہوتی ہے کہ روزے کے ساتھ محنت دَور نہ کر سکتا، تو کیا شرع اسے اجازت دیتی کہ دَور کے لیے روزہ ترک کرے —— حاشا و کلّا —— بلکہ لازم فرماتی کہ روزہ رکھ اور دَور دَورِ دیگر پر موقوف رکھ —— تو معلوم ہوا کہ اسی میں خیر ہے، اور اس کے عکس میں شر —— اور ولی کو چاہیے، بچّے کو ہر خیر کا حکم دے اور ہر شر سے باز رکھے —— محشیانِ دُر سادا تُنا حلبی و طحطاوی و شامی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مراده من هذين النقلين بيان ان الصبي ينبغي ان يومر لجميع المأمورات و ينهى عن جميع المنهيات.[1] —— علامہ طحطاوی نے فرمایا: فلاخصوصية للصلوٰة والصوم والخمر كما يرشد إليه التعليل.[2] —— هٰذا ماعندي والعلم بالحق عند ربي انه سبحانه و تعالىٰ اعلم.[3]

تحقیق ہلال کے لیے تار کی خبر کا مسئلہ:

تحقیق ہلال کے سلسلے میں ایک سوال ہوا کہ ”دربارۂ رویت ہلال تار کی خبر شرعًا معتبر ہے یا نہیں؟ —— اور اگر کچھ لوگ یہ انتظام مقرر کریں کہ درباب رویت ہلال رمضان و شوال و ذی الحجہ و محرم کے پیشتر

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الصّلوٰۃ، ج:۱، ص:۲۵۹، مصطفی البابی، مصر۔ ترجمہ: ان دونوں تصریحات کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ بچّے کو تمام اوامر کی بجا آوری اور تمام منہیات سے باز رہنے کا حکم دیا جانا چاہیے۔

(۲) حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار، ج:۱، ص:۱۷۰، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان۔ ترجمہ: یہ حکم نماز، روزہ اور شراب ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے جیسا کہ علت کا بیان اسے واضح کر رہا ہے۔

(۳) فتاویٰ رضویہ، کتاب الصوم، ج:۴، ص:۵۱۶، ۵۱۷، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/ فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۰، ص:۳۴۵ تا ص:۳۴۷، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

سے مراسلات مقام دیگر کو جہاں جہاں مناسب خیال کیا جائے، اس مضمون سے بھیجے جائیں کہ اگر ان مقاموں میں ۲۹ کی رویت ہو تو خبر رویت کی بذریعہ تار کے پہنچ جائے اور بعد پہنچنے خبر شہادت کافی کے مشتہر کر دیا جائے تو یہ طریقہ شرعاً مقبول یا محض باطل ـــــ اور اس کی بنا پر اعلان ہو تو مسلمانوں کو اس پر عمل جائز یا حرام؟ ـــــ اور اعلان کرنے والوں کے حق میں کیا حکم ہے؟

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے پہلے اختصار کے ساتھ اس کا جواب رقم فرمایا، پھر اس کے بعد جو تنبیہات تحریر فرمائی ہیں، وہ ایک دینی مسئلہ کو امت مسلمہ کے ذہن و فکر میں اتارنے اور انھیں غلط طریقہ اپنانے سے باز رکھنے کے لیے بہت ہی کامیاب کوشش ہے۔ فرماتے ہیں:

"امورِ شرعیہ میں تار کی خبر محض نامعتبر ـــــ اور یہ طریقہ کہ تحقیق ہلال کے لیے تراشا گیا باطل و بے اثر ـــــ مسلمانوں کو ایسے اعلان پر عمل حرام ـــــ اور جو اس کی بنا پر مرتکب اعلان ہو سب سے زیادہ مبتلائے آثام ـــــ اس طریقے میں جو غلطیاں اور احکامِ شرع سے سخت بیگانگیاں ہیں، اُن کی تفصیل کو دفتر درکار ـــــ لہٰذا یہاں بقدر ضرورت و فہم مخاطب چند آسان تنبیہوں پر اقتصار۔

تنبیہ اول:

شریعتِ مطہرہ نے دربارہ ہلال دوسرے شہر کی خبر کو شہادت کافیہ یا تواتر شرعی پر بنا فرمایا ـــــ اور ان میں بھی کافی و شرعی ہونے کے لیے بہت قیود و شرائط لگائیں جس کے بغیر ہرگز گواہی و شہرت بکار آمد نہیں ـــــ اور پُر ظاہر کہ تار نہ کوئی شہادتِ شرعیہ ہے، نہ خبر متواتر ـــــ پھر اس پر اعتماد کیوں کر حلال ہو سکتا ہے۔

جو یہاں تار کی خبر پر عمل چاہے، اس پر لازم کہ شرعاً اس کا موجب و ملزم ہونا ثابت کرے ـــــ مگر حاشا نہ ثابت ہوگا جب تک ہلال مشرق اور بدر مغرب سے نہ چمکے ـــــ پھر شرع مطہر پر بے اصل زیادت اور منصب رفیع فتویٰ پر جرأت کس لیے ـــــ والعیاذ باللہ سبحانہ و تعالیٰ۔ ـــــ اور یہ خیال کہ تار میں خبر تو شہادت کافیہ کی آئی ـــــ محض نادانی، کہ ہم تک تو نامعتبر طریقے سے پہنچی ـــــ نبی ﷺ سے زیادہ معتبر کس کی خبر ـــــ پھر جو حدیث نامعتبر راویوں کے ذریعہ سے آتی ہے، کیوں پایۂ اعتبار سے ساقط ہو جاتی ہے؟۔

تنبیہ دوم:

تار کی حالت خط سے زیادہ ردی و سقیم، کہ اس میں کاتب کا خط تو پہچانا جاتا ہے ـــــ طرز عبارت شناخت میں آتا ہے ـــــ واقف کار دیگر قرائن سے اعانت پاتا ہے ـــــ بایں ہمہ ہمارے علمانے تصریح

فرمائی کہ امورِ شرعیہ میں ان خطوط و مراسلات کا کچھ اعتبار نہیں کہ خط خط کے مشابہ ہوتا ہے اور بن بھی سکتا ہے تو یقین شرعی نہیں ہو سکتا کہ یہ اسی شخص کا لکھا ہوا ہے ـــــ (اس کے بعد ائمۂ دین کی متعدّد عبارات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں)

پھر یہ تار جس میں خبر بھیجنے والے کے دست و زبان کی کوئی علامت تک نام کو بھی نہیں ـــــ اور اس میں خط کی بہ نسبت کذب و تزویر نہایت آسان، کیوں کر امورِ دینیہ کی بنا، اس پر حرام قطعی نہ ہوگی ـــــ سبحان اللہ! ائمۂ دین کی وہ احتیاط کہ مُہر خط کو صرف گنجائش تزویر کے سبب لغو ٹھہرایا، حالاں کہ مُہر بنالینا اور خط میں خط ملا دینا سہل نہیں ـــــ شاید ہزار میں دو ایک ایسا کر سکتے ہوں ـــــ اور یہاں تو اصلاً دشواری نہیں، جو چاہے تار گھر میں جائے اور جس کے نام سے چاہے تار دے آئے ـــــ وہاں نام و نسب کی کوئی تحقیقات نہیں ہوتی ـــــ نہ رجسٹری کی طرح شناخت کے گواہ لیے جاتے ہیں ـــــ علاوہ بریں تار والوں کے وجوبِ صدق پر کون سی وحی نازل ہے کہ اُن کی بات خواہی نخواہی واجب القبول ہوگی اور اس پر احکام شرعیہ کی بنا ہونے لگی ـــــ ہزار افسوس ذلّتِ علم و قلّتِ علما پر ـــــ انّا للہ و انّا الیہ راجعون.

تنبیہ سوم:

قطع نظر اس سے کہ خبر شہادت منگانے کے لیے جنھیں مراسلات بھیجے جائیں گے، غالباً ان کا بیان حکایت و اخبار محض سے کتنا جُدا ہوگا جس کی بے اعتباری تمام کتبِ مذہب میں مصرح ـــــ بالفرض اگر اصل خبر میں کوئی خلل شرعی نہ ہو، تاہم اس کا جامۂ اعتبار، تار میں آکر یکسر تار تار، کہ وہ بیان ہم تک اصالتاً نہ پہنچا، بلکہ نقل در نقل ہو کر آیا ـــــ صاحبِ خبر تو وہاں کے تار والے سے کہہ کر الگ ہو گیا ـــــ اس نے تار کو جنبش دی اور اس کے کھٹکوں سے جن کے اطوارِ مختلفہ کو اپنی اصطلاحوں میں علامتِ حروف قرار دے رکھا ہے، اشاروں اشاروں میں عبارت بتائی ـــــ اب وہ بھی جُدا ہو گیا ـــــ یہاں کے تار والے نے اُن کھٹکوں پر نظر کی، اور ضرباتِ معلومہ سے جو فہم میں آیا نقوش معروفہ میں لایا ـــــ اب یہ بھی الگ رہا ـــــ وہ کاغذ کا پرچہ کسی ہرکارے کے سپرد ہوا کہ یہاں پہنچا کر چلتا بنا۔

سبحان اللہ اس نفیس روایت کا سلسلہ سند تو دیکھیے ـــــ مجہول عن مجہول عن مجہول ـــــ نامقبول از نامقبول ـــــ اس قدر وسائط تو لابدی ہیں ـــــ پھر شاید کبھی نہ ہوتا ہو کہ معزز لوگ بذاتِ خود جا کر تار دیں ـــــ اب جس کے ہاتھ کہلا بھیجا، مانیے وہ جدا واسطہ ـــــ اس پر فارم کی حاجت ہوئی تو تحریر کا قدم درمیان ـــــ آپ نہ آئے تو کسی انگریزی دان کی وساطت ـــــ اُدھر تار کا بابو،

اردو نہ لکھے تو یہاں مترجم کی جُدا ضرورت —— ایں ہمہ فصل زائد ہوا —— اور تار وصل نہیں، جب تو نقل در نقل کی گنتی ہی کیا ہے —— وائے بے انصافی —— اس طریقۂ تراشیدہ پر عمل کرنے والوں سے پوچھا جائے —— ان سب وسائط کی عدالت و ثقاہت سے کہاں تک آگاہ ہیں —— حاش للہ نام بھی نہیں معلوم ہوتا —— نام در کنار —— اصل شمار وسائط بتانا دشوار —— سب جانے دیجیے، اسلام پر بھی علم نہیں —— اکثر ہنود و غیرہم کفار، ان خدمات پر معیّن —— غرض کوئی موضوع سی حدیث اس نفیس سلسلے سے نہ آتی ہوگی —— پھر ایسی خبر پر امورِ شرعیہ کی بنا کرنا —— استغفر اللہ —— علما تو علما، میں نہیں جانتا کہ کسی عاقل کا کام ہو۔

تنبیہ چہارم:

علما تصریح فرماتے ہیں کہ دوسرے شہر سے بذریعہ خط خبر شہادت دینا صرف قاضیِ شرع سے خاص جسے سلطان نے فصلِ مقدمات پر والی فرمایا ہو، یہاں تک کہ حَکَم کا خط مقبول نہیں —— غیر قضاۃ تو یہیں سے الگ ہوئے —— رہے قاضی، ان کی نسبت صریح ارشاد کہ اس بارے میں نامۂ قاضی کا قبول بھی اس وجہ سے ہے کہ صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بر خلاف قیاس اس کی اجازت پر اجماع فرمالیا —— ورنہ قاعدہ یہی چاہتا تھا کہ اس کا خط بھی ان ہی وجوہ سے جو اوپر گزریں مقبول نہ ہو —— اور پُر ظاہر کہ جو حکم خلافِ قیاس مانا جاتا ہے مورد سے آگے تجاوز نہیں کر سکتا، اور دوسری جگہ اس کا اجرا محض باطل و فاحش خطا —— پھر حکم قبول، خط سے گزر کر تار تک پہنچنا کیوں کر روا —— ائمۂ دین تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر قاضی اپنا آدمی بھیجے —— بلکہ بذاتِ خود ہی آکر بیان کرے کہ میرے سامنے گواہیاں گزریں —— ہرگز نہ سُنیں گے کہ اجماع تو صرف دربارہ خط منعقد ہوا ہے —— پیامِ ایلچی و خود بیانِ قاضی اس سے جُدا ہے۔

سبحان اللہ! پھر تار بیچارے کی کیا حقیقت کہ اسے کتاب القاضی پر قیاس کریں اور جہاں خود بیانِ قاضی شرعًا بے اثر، وہاں اس کے سر، بنائے احکام دھریں۔ —— ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

اور جب شرعًا قاضی کا تاریوں بے اعتبار —— تو اوروں کے تار کی جو ہستی ہے وہ ہماری تقریر صدر سے آشکار کہ مقبول الکتاب کا تار، ناچیز، تو مردود الکتاب کا تار کیا چیز —— ولا حول ولا قوۃ الا باللہ الملك العزیز.

تنبیہ پنجم:

قاضیِ شرع کا نامہ بھی صرف اسی وقت مقبول، جب دو مرد ثقہ یا ایک مرد، دو عورتیں عادل دارالقضاء سے یہاں آکر شہادت شرعیہ دیں کہ یہ خط بالیقین اُسی قاضی کا ہے اور اس نے ہمارے سامنے لکھا ہے ـــــ ورنہ ہرگز قبول نہیں ـــــ اگرچہ ہم اس قاضی کا خط پہچانتے ہوں اور اس کی مُہر بھی لگی ہو اور اُس نے خاص اپنے آدمی کے ہاتھ بھیجا بھی ہو۔

سبحان اللہ! یہ خطوط یا تار جو یہاں آتے ہیں ـــــ ان کے ساتھ کون سے دو گواہ عادل آکر گواہی دیتے ہیں کہ کہ فلاں نے ہمارے سامنے لکھا، یا تار دیا ـــــ مگر ہے یہ کہ ناواقفی کے ساتھ امورِ شرع میں بے جا مداخلت سب کچھ کراتی ہے۔ ـــــ نسأل اللہ توفیق الصواب و بہ نستعین فی کل باب .

اے عزیز! اس زمانۂ فتن میں لوگوں کو احکامِ شرع پر سخت جرأت ہے ـــــ خصوصًا ان مسائل میں جنھیں حوادثِ جدیدہ سے تعلق و نسبت ہے، جیسے تار برقی وغیرہ ـــــ سمجھتے ہیں کہ کتبِ ائمۂ دین میں ان کا حکم نہ نکلے گا جو مخالفت شرع کا ہم پر الزام چلے گا ـــــ مگر نہ جانا کہ علمائے دین شکر اللہ تعالیٰ مساعیھم الجمیلۃ نے کوئی حرف ان عزیزوں کے اجتہاد کو اٹھا نہیں رکھا ہے، تصریحًا، تلویحًا، تفریعًا، تاصیلاً، سب کچھ فرما دیا ہے ـــــ زیادہ علم اسے ہے جسے زیادہ فہم ہے ـــــ اور ان شاء اللہ العزیز، زمانہ ان بندگانِ خدا سے خالی نہ ہوگا جو مشکل کی تسہیل، معضل کی تحصیل، صعب کی تذلیل، مجمل کی تفصیل سے ماہر ہوں ـــــ بحر سے صدف، صدف سے گہر، بذر سے درخت، درخت سے ثمر نکالنے پر باذن اللہ تعالیٰ قادر ہوں۔ (۱)

عوام میں اثبات ہلال کے رائج غلط طریقے:

نواب سیّد معین الدین حسن خاں بہادر نے بڑودہ، گجرات سے ۲۵ر محرم الحرام ۱۳۲۰ھ میں یہ استفتا کیا کہ "رویتِ ہلال شریعت میں کس طرح ثابت ہوتی ہے؟ بحوالۂ کتب مع ترجمہ اردو جواب عطا ہو۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے فرمایا: ثبوتِ رویتِ ہلال کے لیے شرع میں سات طریقے ہیں: **طریق اول:** خود شہادت رویت یعنی چاند دیکھنے والے کی گواہی۔ **طریق دوم:** شہادۃ علی

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، کتاب الصوم، رسالہ "ازکی الاہلال فیما احدث الناس فی امر الہلال (۱۳۰۵ھ)، ج:۴، ص:۵۲۳ تا ص:۵۲۷، بحذف واختصار، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۰، ص:۳۵۹ تا ص:۳۶۷، بحذف واختصار، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

الشہادۃ۔[۱] — **طریق سوم:** شہادۃ علی القضاء۔[۲] — **طریق چہارم:** کتاب القاضی الی القاضی۔[۳] — **طریق پنجم:** استفاضہ۔[۴] — **طریق ششم:** اکمالِ عدّت۔[۵] — **طریق ہفتم:** علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے توپیں سُننے کو بھی حوالی شہر کے دیہات والوں کے واسطے دلائل ثبوت ہلال سے گنا۔[۶]

(ان مذکورہ سات طریقوں کو دلائل وبراہین کی روشنی میں پورے شرح وبسط کے ساتھ بیان

---

(۱) یعنی گواہوں نے چاند خود نہ دیکھا، بلکہ دیکھنے والوں نے ان کے سامنے گواہی دی اور اپنی گواہی پر انھیں گواہ کیا، انھوں نے اُس گواہی کی گواہی دی۔

(۲) یعنی دوسرے کسی اسلامی شہر میں حاکم اسلام قاضیِ شرع کے حضور رویت ہلال پر شہادتیں گزریں اور اُس نے ثبوتِ ہلال کا حکم دیا، دو شاہدانِ عادل اس گواہی وحکم کے وقت حاضر دار القضاء تھے، انھوں نے یہاں حاکم اسلام قاضیِ شرع یا وہ نہ ہو تو مفتی کے حضور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں: ہمارے سامنے فلاں شہر کے فلاں حاکم کے حضور فلاں ہلال کی نسبت فلاں دن کی شام کو ہونے کی گواہیاں گزریں اور حاکم موصوف نے اُن گواہیوں پر ثبوت ہلال مذکور شام فلاں روز کا حکم دیا۔

(۳) یعنی قاضیِ شرع جسے سلطانِ اسلام نے فصلِ مقدمات کے لیے مقرر کیا ہو، اس کے سامنے شرعی گواہی گزری، اس نے دوسرے شہر کے قاضیِ شرع کے نام خط لکھا کہ میرے سامنے اس مضمون پر شہادتِ شرعیہ قائم ہوئی اور اس خط میں اپنا اور مکتوب الیہ کا نام ونشان پورا لکھا جس سے امتیاز کافی واقع ہو، اور وہ خط دو گواہانِ عادل کے سپرد کیا کہ یہ میرا خط قاضی فلاں شہر کے نام ہے، وہ باحتیاط اس قاضی کے پاس لائے اور شہادت ادا کی، آپ کے نام یہ خط فلاں قاضی فلاں شہر نے ہم کو دیا اور ہمیں گواہ کیا کہ یہ خط اس کا ہے، اب یہ قاضی اگر اس شہادت کو اپنے مذہب کے مطابق ثبوت کے لیے کافی سمجھے تو اس پر عمل کر سکتا ہے۔

(۴) یعنی جس اسلامی شہر میں حاکم شرع قاضیِ اسلام ہو کہ احکامِ ہلال اُسی کے یہاں سے صادر ہوتے ہیں اور خود عالم اور ان احکام میں علم پر عامل وقائم یا کسی عالمِ دین محقق معتمد پر اعتماد کا ملتزم وملازم ہے یا جہاں قاضیِ شرع نہیں تو مفتیِ اسلام مرجع عوام ومتبع الاحکام ہو کہ احکامِ روزہ وعیدین اُسی کے فتوے سے نفاذ پاتے ہیں عوام کالانعام بطور خود عید ورمضان نہیں ٹھہرا لیتے، وہاں سے متعدّد جماعتیں آئیں اور سب یک زبان اپنے علم سے خبر دیں کہ وہاں فلاں دن بربنائے رویت روزہ ہوا یا عید کی گئی۔

(۵) یعنی جب ایک مہینہ کے تیس دن کامل ہو جائیں تو ماہِ متّصل کا ہلال آپ ہی ثابت ہو جائے گا، اگرچہ اس کے لیے رویت، شہادت، حکمِ استفاضہ وغیرہ کچھ نہ ہو کہ مہینہ تیس سے زائد کا نہ ہونا یقینی ہے۔

(۶) ظاہر ہے کہ یہاں بھی وہی شرائط مشروط ہوں گے کہ اسلامی شہر میں حاکمِ شرعِ معتمد کے حکم سے انتیس کی شام کو توپوں کے فائر صرف بحالت ثبوت شرعی رویت ہلال ہوا کرتے ہوں، کسی کے آنے جانے کی سلامی وغیرہ کا اصلاً احتمال نہ ہو، ورنہ شہر اگرچہ اسلامی ہو، مگر وہاں احکام شرعیہ کی قدر نہیں، احکام جہالِ بے خرد یا نیچری، رافضی وغیرہم بدمذہبوں کے حوالے ہیں جنھیں نہ قواعد شرعیہ معلوم، نہ ان کے اتباع کی پروا، اپنی رائے ناقص میں جو آیا اس پر حکم لگا دیا، توپیں چل گئیں، تو ایسی بے سروپا باتیں کیا قابل لحاظ ہو سکتی ہیں کما لایخفی، پھر جہاں کی توپیں شرعاً قابلِ اعتماد ہوں، اُن پر عمل اہلِ دیہات ہی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ عند التحقیق خاص اس شہر والوں کو بھی اُن پر اعتماد سے مفر نہیں کہ حاکمِ شرع کے حضور شہادتیں گزرنا، اُس کا اُن پر حکم نافذ کرنا، ہر شخص کہاں دیکھتا سنتا ہے، بحکم حاکم اسلام اعلان عام کے لیے ایسی ہی کوئی علامتِ معہودہ معروفہ قائم کی جاتی ہے جیسے توپوں کے فائر یا ڈھنڈورا وغیرہ۔[فتاویٰ رضویہ، ج:۴، ص:۵۴۶ تا ص: ۵۵۴، ملتقطاً، رسالہ ''طرق اثبات الھلال (۱۳۲۰ھ)، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۰، ص:۴۰۵ تا ص:۴۲۰، ملتقطاً، رضا اکیڈمی، ممبئی۔]

وثابت فرمایا، اس کے بعد قوم مسلم کی اصلاح و موعظت کے لیے مزید فرمایا:)

"غرض ثبوت ہلال کے شرعی طریقے یہ ہیں —— ان کے سوا جس قدر طُرق لوگوں نے ایجاد کیے، محض باطل و مخذول و ناقابلِ قبول ہیں —— خیالاتِ عوام کا حصر کیا ہو، مگر آج کل جہّال میں غلط طریقے جو زیادہ رائج ہیں، وہ بھی سات ہیں:

یکم حکایتِ رویت :

یعنی کچھ لوگ کہیں سے آئے اور خبر دی کہ وہاں فلاں دن چاند دیکھا گیا —— وہاں کے حساب سے آج تاریخ یہ ہے —— ظاہر ہے کہ یہ نہ شہادت رؤیت ہے کہ انھوں نے خود نہ دیکھا —— نہ شہادت علی الشہادت کہ دیکھنے والے ان کے سامنے گواہی دیتے اور انھیں اپنی گواہیوں کا حامل بناتے اور یہ حسبِ قواعدِ شرعیہ یہاں شہادت دیتے —— بلکہ مجرد حکایت جس کا شرع میں اصلاً اعتبار نہیں، اگرچہ یہ لوگ بھی ثقہ معتمد ہوں اور جن کا دیکھنا بیان کریں وہ بھی ثقہ مستند ہوں، نہ کہ جہال —— جہال میں تو یہ رائج ہے کہ کوئی آئے، کیسا ہی آئے، کسی کے دیکھنے کی خبر لائے —— اگرچہ خود اُس کا نام بھی نہ بتائے، بلکہ سِرے سے اُس سے واقف ہی نہ ہو —— ایسی مہمل خبروں پر اعتماد کر لیتے ہیں۔

فتح القدیر و بحرالرائق و عالمگیریہ وغیرہا میں ہے: لو شهد جماعة ان اهل بلدة كذا رأوا هلال رمضان قبلكم بيوم فصاموا وهذا اليوم ثلثون بحسابهم ولم يرهؤلاء الهلال لايباح فطر غد ولا ترك التراويح فى هذه الليلة لانهم لم يشهدوا بالرؤية ولا على شهادة غيرهم وانما حكوا رؤية غيرهم.(۱)

دوم افواہ:

شہر میں خبر اُڑ جاتی ہے کہ فلاں جگہ چاند ہوا —— جاہل اسے تواتر و استفاضہ سمجھ لیتے ہیں، حالاں کہ جس سے پوچھیے، سُنی ہوئی کہتا ہے، ٹھیک پتا کوئی نہیں دیتا —— یا منتہائے سند صرف دو ایک شخص ہوتے ہیں —— اسے استفاضہ سمجھ لینا محض جہالت ہے —— اُس کی صورتیں وہ ہیں جو ہم نے طریق پنجم میں ذکر کیں۔

---

(۱) فتاوی ہندیۃ، الباب الثانی فی رؤیۃ الہلال، ج:۱، ص:۱۹۹، نورانی کتب خانہ، پشاور۔ ترجمہ: اگر کسی جماعت نے گواہی دی کہ فلاں شہر کے لوگوں نے تم سے ایک دن پہلے چاند دیکھا اور انھوں نے روزہ رکھا ہے اور یہ دن اُن کے حساب سے تیسواں بنتا ہو اور ان لوگوں نے چاند نہیں دیکھا تھا تو ان کے لیے آئندہ دن افطار کی اجازت نہیں اور نہ یہ اس رات تراویح چھوڑ سکتے ہیں؛ کیوں کہ گواہوں نے نہ تو رؤیت پر گواہی دی اور نہ غیر کی رؤیت پر شہادت دی، بلکہ انھوں نے رؤیت غیر کی حکایت کی ہے۔

فقیر کو بارہا تجربہ ہوا کہ ایسی شہرتیں محض بے سروپا نکلتی ہیں ـــــ اسی ذی الحجہ میں خبر شائع ہوئی کہ آنولے میں چاند ہوا ہے ـــــ وہاں عام لوگوں نے دیکھا اور فقیر کے ایک دوست کا خاص نام بھی لیا گیا، وہ آئے اور خود اپنی رؤیت اور وہاں سب کا دیکھنا بیان کرتے تھے ـــــ فقیر نے اُن کے پاس ایک معتمد کو بھیجا ـــــ وہاں سے جواب ملا کہ یہاں ابر غلیظ تھا ـــــ نہ میں نے دیکھا، نہ کسی اور نے دیکھا۔

پھر خبر اُڑی کہ شاہجہاں پور میں تو ایک ایک شخص نے دیکھا ـــــ فقیر نے وہاں بھی ایک معتمد ثقہ کو اپنے ایک دوست عالم کے پاس بھیجا ـــــ انھوں نے فرمایا: اس کا حال میں آپ کو مشاہدہ کرائے دیتا ہوں ـــــ اُن کا ہاتھ پکڑ کر شہر میں گشت کیا ـــــ دروازہ، دروازہ دریافت کرتے پھرتے، عید کب ہے؟ ـــــ کہا: جمعہ کی۔ ـــــ کہا: کیا چاند دیکھا؟۔ ـــــ کہا کہ دیکھا تو نہیں۔ ـــــ کہا: پھر کیوں؟ ـــــ اس کا جواب کچھ نہ تھا۔

شہر بھر سے یہی جواب ملا ـــــ صرف ایک شخص نے کہا: میں نے منگل کو چاند دیکھا تھا اور میرے ساتھ فلاں، فلاں صاحب نے بھی۔ اب یہ عالم مع اُن معتمد کے دوسرے صاحب کے پاس گئے ، اُن سے دریافت کیا ـــــ کہا: وہ غلط کہتا تھا، اور خود ان دونوں صاحبوں کے ساتھ ان گواہ صاحب کے پاس آئے ـــــ اب یہ بھی پلٹ گئے کہ ہاں کچھ یاد نہیں۔

پھر خبر گرم ہوئی کہ رامپور میں چاند دیکھا گیا اور جمعہ کی عید قرار پائی ـــــ فقیر نے دو ثقہ شخصوں کو وہاں کے دو علماے کرام اپنے احباب کے پاس بھیجا ـــــ معلوم ہوا، وہاں بھی ابر تھا ـــــ کسی نے بھی نہ دیکھا ـــــ اس بارے میں اتنا معلوم ہوا کہ وہاں دو شخص دہلی سے دیکھ کر آئے ہیں ـــــ ان علما نے ان دو شاہدوں کو بلا کر ان دو ثقات کے سامنے شہادت دلوائی اور جو الفاظ فقیر نے انھیں لکھوا دیے تھے، وہ ان سے کہلوا کر ان کو تحمیلِ شہادت کرائی اور دونوں عالم صاحبوں نے خود ان دونوں شہود اصل کا تزکیہ کیا ـــــ اب ان دونوں فرع نے یہاں آکر شہادت علی الشهادت حسبِ قاعدہ شرعیہ دی ـــــ اُس وقت فقیر نے عیدِ جمعہ کا فتویٰ دیا ـــــ دیکھیے! افواہِ اخبار کی یہ حالت ہوتی ہے ـــــ ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔

سوم خطوط و اخبار:

بڑی دوڑ یہ ہوتی ہے کہ فلاں جگہ سے خط آیا ـــــ فلاں اخبار میں یہ لکھا پایا ـــــ حالاں کہ ہم طریقِ چہارم میں بیان کر چکے کہ حاکم شرع کا خاص مُہری دستخطی خط جس پر خود اس کی اور محکمہ دار القضا کی مُہر

لگی اور اُس کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہو —— اور یہاں بھی حاکمِ شرع کے نام آئے —— ہر گز بغیر دو شاہدان عادل کے جنھیں لکھ کر اپنی کتاب کا گواہ بنا کر خط سپرد کیا اور یہاں انھوں نے حاکمِ شرع کو دے کر شہادت ادا کی ہو، مقبول نہیں —— پھر یہ ڈاک کے پرچے کیا قابل التفات ہو سکتے ہیں —— اور اخباری گپیں تو اصلاً نام لینے کے بھی قابل نہیں۔ در مختار میں ہے: لا یعمل بالخط.[۱] —— ہدایہ میں ہے: الخط یشبه الخط فلم یحصل العلم.[۲]

چہارم تار:

یہ خط سے بھی زیادہ بے اعتبار —— خط میں کاتب کے ہاتھ کی علامت تو ہوتی ہے، یہاں اُس قدر بھی نہیں —— تو اس پر عمل کو کون کہے گا، مگر اجہل سا اجہل جسے علم کے نام سے بھی مَس نہیں —— فقیر نے اس کے رَد میں ایک مفصل فتویٰ لکھا اور بحمد اللہ تعالیٰ اس پر ہندوستان کے بکثرت علماء نے مُہریں کیں —— کلکتے میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔

گنگوہی مُلّا نے اپنے ایک فتویٰ میں تار کی خبر اس باب میں معتبر ٹھہرائی اور اُسے تحریر خط پر قیاس کیا تھا کہ تار کی خبر مثل تحریر خط کی خبر کے ہے؛ کیوں کہ تحریر میں حروف اصطلاحی ہیں جس سے مطلب معلوم ہو جاتا ہے خواہ بحرکتِ قلم پیدا ہوں خواہ کسی لاٹھی یا بانس طویل کی حرکت سے (الیٰ قولہ) بہر حال خبر تار کی مثل خط ہے اور معتبر ہے —— یعنی خط میں قلم سے لکھتے ہیں —— تار دینا ایسا ہے کہ کسی بڑے بانس سے جو ہزاروں کوس تک لمبا ہے لکھ دیا —— تو جیسے وہ معتبر ہے ویسے ہی یہ —— بلکہ یہ تو زیادہ معتبر ہونا چاہیے کہ وہاں چھوٹا سا قلم ہے اور یہاں اتنا بڑا بانس، تو اعتبار بھی اسی نسبت پر بڑھنا چاہئے، شملہ بہ مقدار قلم —— قیاس تو اچھا دوڑا تھا، مگر افسوس کہ شرعاً محض مردود و ناکام رہا۔ —— اوّلاً: خط و تار میں جو فرق ہیں ہم نے اپنے فتویٰ مفصلہ میں ذکر کیے جو اس قیاس کو از بیخ برکندہ کرتے ہیں —— اور ان سے قطع نظر بھی کیجیے تو بحکم شرع خط ہی پر عمل حرام، پھر اس بانس کے قیاس کا کیا کام —— حکم مقیس علیہ میں باطل ہے تو مقیس آپ ہی عاری و عاطل ہے۔

مولوی صاحب لکھنوی نے اپنے فتاویٰ میں خط و تار کو بے اعتبار ہی ٹھہرایا اور اس حکم میں حق کی

---

(۱) در مختار، باب کتاب القاضی الی القاضی، ج:۲، ص:۸۳، مطبع مجتبائی، دہلی۔ ترجمہ: خط پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

(۲) ہدایہ، باب کتاب القاضی الی القاضی، ج:۳، ص:۱۳۹، مطبع یوسفی، لکھنؤ۔ ترجمہ: تحریر، دوسری تحریر کے مشابہ ہو جاتی ہے تو علم قطعی حاصل نہ ہوا۔

موافقت کی —— مگر یہ کہنا ہر گز صحیح نہیں کہ خبر تار یا خط بدرجہ کثرت پہنچ جائے تو اس پر عمل ہو سکتا ہے —— اسے استفاضہ میں داخل سمجھنا، صریح غلط —— استفاضے کے معنٰی جو علمانے بیان فرمائے، وہ تھے کہ طریق پنجم میں مذکور ہوئے —— متعدّد جماعتوں کا آنا اور یک زبان بیان کرنا چاہیے —— یہاں اگر متعدّد جگہ سے خط یا تار آئے بھی تو اوّلاً وہ ان وجوہ ناجوازی سے جنھیں ہم نے اس فتویٰ میں مفصلاً ذکر کیا —— ہر گز بیان مقبول کے سلسلے میں نہیں آسکتے۔

ڈاک کے منشی، تار کے بابو، چٹھی رساں اکثر کفار یا عموماً مجاہیل یا فساق فجار ہوتے ہیں —— اور بفرض باطل آئیں بھی تو یہ تعدد مخبر عنہ میں ہوا، نہ کہ مخبرین میں، کہ یہاں تار لینے والے بابو، اگر مسلمان ثقہ ہوں بھی تو ہر گز اتنی جماعاتِ متعدّدہ نہ ہوں گی جن کی اخبار پر یقینِ شرعی حاصل ہو —— بلکہ عامۂ بلاد میں صرف دو ایک ہی تار گھر ہوتے اور صدر ڈاک خانہ تو ایک ہی ہوتا ہے —— اگرچہ بڑے شہر میں تقسیم کے لیے دو چار برانچ اور بھی ہوں —— بہر حال یہ خط یا تار ہم کو تو معدود ہی شخصوں کے ذریعہ سے ملیں گے، پھر استفاضے سے کیا علاقہ ہوا —— کیا اگر زید آکر کہہ دے کہ فلاں جگہ لاکھ آدمیوں نے چاند دیکھا تو یہ خبر مستفیض کہلائے گی —— ولا حول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم.

پنجم جنتریوں کا بیان :

کہ فلاں دن پہلی ہے —— اول بعض علماے شافعیہ و بعض معتزلہ وغیرہم کا خیال اس طرف گیا تھا کہ مسلمان عادل منجموں کا قول اس بارے میں معتبر ہو سکتا ہے —— اور بعض نے قید لگائی تھی کہ جب ان کی ایک جماعت کثیر یک زبان بیان کرے کہ فلاں مہینے کی یکم فلاں روز ہے تو مقبول ہونے کے قابل ہے، اگرچہ واجب العمل کسی کے نزدیک نہیں —— مگر ہمارے ائمۂ کرام اور جمہور محققین اعلام اسے اصلاً تسلیم نہیں فرماتے اور اس پر عمل جائز ہی نہیں رکھتے —— اور یہی حق ہے کہ حضور پُر نور سیّد عالم ﷺ صحیح حدیث میں یہاں قولِ منجمین سے قطع نظر وعدمِ لحاظ کی تصریح فرما چکے —— پھر اب اُس پر عمل کا کیا محل۔ در مختار میں ہے: لاعبرۃ بقول الموقتین ولو عدولا علی المذھب.[1]

ردالمحتار میں ہے: بل فی المعراج لایعتبر قولھم بالاجماع ولا یجوز للمنجم ان

(۱) در مختار، کتاب الصّوم، ج:۱، ص:۱۴۸، مطبع مجتبائی، دہلی۔
ترجمہ: صحیح مذہب کے مطابق اہلِ توقیت کا قول معتبر نہیں، اگرچہ وُہ عادل ہو۔

یعمل بحساب نفسه.[1]

جب منجمین مسلمین ثقات عدول کے بیان کا یہ حال ـــــ تو آج کل کی جنتریاں جو عموماً ہنود وغیرہم کفار شائع کرتے ہیں ـــــ یا بعض نیچری نام کے مسلمان ـــــ یا بعض مسلمان بھی، تو وہ بھی ان ہی ہندوانی جنتریوں کی پیروی سے ـــــ کیا قابلِ التفات ہو سکتی ہیں؟ ـــــ فقیر نے بیس برس سے بڑی بڑی نامی جنتریاں دیکھیں ـــــ اول مصرانی ہیئت ہی ناقص و مختل ہے ـــــ پھر ان جنتری سازوں کو اس کی بھی پوری تمیز نہیں ـــــ تقویماتِ کواکب میں وہ وہ سخت فاحش غلطیاں دیکھنے میں آئیں جن میں کوئی سمجھ دار بچّہ بھی نہ پڑتا ـــــ پھر یہ کیا اور ان کی جنتری کیا، اور ان کی دوج اور پروا کی کسے پروا۔

ششم قیاسات وقرائن:

مثلاً چاند بڑا تھا، روشن تھا، دیر تک رہا، تو ضرور کل کا تھا ـــــ آج بیٹھ کر نکلا تو ضرور پندرھویں ہے ـــــ اٹھائیسویں کو نظر آیا تھا، مہینہ تیس کا ہوگا ـــــ اٹھائیسویں کو بہت دیکھا نظر نہ آیا، مہینہ انتیس کا ہوگا ـــــ یہ قیاسات تو حسابات کی وقعت بھی نہیں رکھتے، پھر ان پر عمل محض جہل و زلل ـــــ حدیث میں ہے حضور پر نور سیّد عالم ﷺ فرماتے ہیں: من اقتراب الساعة انتفاخ الاهلة.[2] ـــــ قُربِ قیامت کی علامات سے ہے کہ ہلال پھولے ہوئے نکلیں گے۔ یعنی دیکھنے میں بڑے معلوم ہوں گے ـــــ رواه الطبرانی فی الکبیر عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه.

دوسری حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: من اقتراب الساعة ان یری الهلال قبلا و یقال هو للیلتین.[3] ـــــ علاماتِ قیامت سے ہے کہ چاند بے تکلف نظر آئے گا، کہا جائے گا: دو رات کا ہے ـــــ رواه فی الاوسط عن انس رضی الله تعالیٰ عنه.

صحیح مسلم شریف میں ابو البختری سعید بن فیروز سے ہے: قال خرجنا للعمرة فلما نزلنا ببطن نخلة قال تراء ینا الهلا ل فقال بعض القوم هو ابن ثلاث وقال بعض القوم هو ابن لیلتین. قال فلقینا ابن عباس فقلنا : انا رأینا الهلال فقال بعض القوم هو ابن

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الصوم، ج:۲، ص:۱۰۰، مصطفی البابی، مصر۔ ترجمہ: بلکہ معراج میں ہے کہ اہلِ توقیت کا قول بالاجماع معتبر نہیں اور منجمین کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے حساب پر عمل پیرا ہوں۔

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی، ج:۱۰، ص:۲۴۴، حدیث:۱۰۴۵۱، المکتبۃ الفیصلیہ، بیروت، لبنان۔

(۳) کنز العمال بحوالہ طبرانی اوسط، ج:۱۴، ص:۲۲۰، حدیث:۳۸۴۷۰، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان۔

ثلاث وقال بعض القوم هو ابن ليلتين. فقال ایّ ليلة رأيتموه قال قلنا ليلة كذا وكذا، فقال ان رسول الله ﷺ مده للرؤ ية فهو لليلة رأيتموه. (۱)

ہم عمرے کو چلے، جب بطنِ نخلہ میں اُترے، ہلال دیکھا، کوئی بولا تین رات کا ہے، کسی نے کہا دو رات کا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ملے، اُن سے عرض کی کہ ہم نے ہلال دیکھا، کوئی کہتا ہے تین شب کا ہے کوئی دو شب کا۔ فرمایا: تم نے کس رات دیکھا؟ ہم نے کہا: فلاں شب۔ کہا: رسول اللہ ﷺ نے اس کا مدار رؤیت پر رکھا ہے تو وہ اسی رات کا ہے جس رات نظر آیا۔

ہفتم: کچھ استقرائی، کچھ اختراعی قاعدے:

مثلاً رجب کی چوتھی، رمضان کی پہلی ہوگی —— رمضان کی پہلی، ذی الحجہ کی دسویں ہوگی —— اگلے رمضان کی پانچویں، اس رمضان کی پہلی ہوگی —— چار مہینے برابر تیس تیس کے ہو چکے ہیں، یہ ضرور انتیس کا ہوگا —— تین پے درپے انتیس کے ہوئے ہیں، یہ ضرور تیس کا ہوگا۔

ان کا جواب اسی قدر میں ہے: مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ۔ (۲) —— حق سبحانہ نے ان باتوں پر کوئی دلیل نہ اتاری۔ —— یہ کلام اجمالی بقدر کفایت ہے اور ان احکام کی تفصیل تام رسائل و مسائلِ فقیر میں ہے و باللہ التوفیق، واللہ تعالیٰ اعلم. (۳)

ناجائز پیشہ وروں کے یہاں مزدوری کرنے کا حکم:

پنجاب سے ایک سوال ہوا کہ ”رنڈیوں اور ڈومنیوں کے یہاں مزدوری کر کے رزق کمانا جائز ہے یا نہیں؟ —— اگر نہیں جائز تو نصاریٰ کی نوکری کیوں جائز ہے؟ —— اگر نہیں جائز تو لوگ اس روپیہ سے مساجد و مدارس میں چندہ کیوں دیتے ہیں؟“۔

اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

”اصل مزدوری اگر کسی فعل ناجائز پر ہو، سب کے یہاں ناجائز —— اور جائز پر ہو تو سب کے یہاں جائز —— اس امر میں رنڈیاں اور غیر رنڈیاں، نصاریٰ و ہنود و غیرہم سب برابر ہیں —— کلام

(۱) صحیح مسلم، باب بیان انہ لا اعتبار بکبر الہلال وصغرہ، ج:۱، ص:۳۴۸، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان۔

(۲) پارہ:۱۲، یوسف:۱۲، آیت:۴۰۔

(۳) فتاویٰ رضویہ، کتاب الصوم، رسالہ ”طرق اثبات الہلال (۱۳۲۰ھ) بحذف واختصار، ج:۴، ص:۵۵۶ تا ص:۵۵۹، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۰، ص:۴۲۴ تا ص:۴۳۰، بحذف واختصار، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

اس میں ہے کہ اگر اُن کے یہاں کسی فعل جائز پر مزدوری کی تو آیا زرِ اُجرت ان کے مال سے لینا روا، اور وہ اکل حلال ہو گا یا نہیں ـــــ اس کا حکم یہ ہے کہ رنڈیوں کو جو مال گانے، ناچنے، یا معاذاللہ زنا کی اُجرت میں ملتا ہے، ان کے لیے حرام ہے، وہ ہرگز اس کی مالک نہیں ہوتیں ـــــ وہ ان کے ہاتھ میں مال مغصوب کا حکم رکھتا ہے ـــــ نہ انھیں خود اس کا اپنے صرف میں لانا جائز ـــــ نہ دوسرے کو وہ مال بعینہٖ اپنے قرض، خواہ کسی چیز کی قیمت، خواہ مزدوری کی اجرت میں، خواہ ویسے ہی بلا معاوضہ بطور ہدیہ، خواہ صدقہ، خواہ کسی طرح لینا روا ہو سکے ـــــ بلکہ فرض ہے کہ جن جن سے لیا ہے، انھیں کو پھیر دیں۔

اسی طرح اُن کے آشنا جو مال بطورِ تحفہ و ہدیہ ان کے راضی رکھنے، یا ان کا دل اپنی طرف مائل کرنے کو دے آتے ہیں، اگرچہ اس وقت خالی ملاقات کو جائیں اور زنا یا غنا کچھ مقصود نہ رکھیں ـــــ اس کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ رشوت ہے اور نڈیاں اس کی مالک نہیں ہو جاتیں ـــــ اس کا واپس دینا بھی واجب ہے۔

اگر لینے والے کو معلوم ہو کہ یہ مال بعینہٖ وہی ہے جو انھوں نے گانے، ناچنے، زنا کی اجرت یا آشناؤں سے تحفہ، ہدیہ، رشوت میں پایا ہے تو اسے لینا ہرگز روا نہیں ـــــ اور وہ مال جو انھیں گانے ناچ مجلے میں انعام بلا شرط یعنی اُجرت مقررہ سے زیادہ ملتا ہے، ان کے حق میں حکم ہبہ کا رکھتا ہے کہ وہ عقد اجارہ باطلہ جو ان افعال محرمہ پر ہوا، یہ مال اس کے تحت میں داخل نہیں ـــــ بلکہ بہت لوگ بطور خوشنودی ـــــ کچھ اپنی ناموری کے خیال سے ـــــ بعض جاہل یہ سمجھ کر کہ ایسے مقامات پر انعام دینا شان ریاست ہے، دیا کرتے ہیں تو وہ اس مال کی مالک ہو گئیں ـــــ اسی طرح ڈومنیوں کو جو بیل ملتی ہے، اس کا بھی یہی حکم ہے۔

اور اگر رنڈی مال حرام بعینہٖ نہ دے، بلکہ اس مال سے کوئی شے مثلاً غلہ یا کپڑا خرید کر دینا چاہے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

اول یہ کہ خریدنے میں نقد و عقد دونوں اس مال حرام پر جمع ہوئے، یعنی رنڈی نے اپنا حرام روپیہ بائع کے سامنے ڈال دیا کہ فلاں چیز دے دے، اس نے دے دی ـــــ یا حرام روپیہ دکھا کر کہا: اس کے عوض دے دے، اس نے دے دی۔ اس نے یہی زرِ حرام قیمت میں دیا ـــــ اس صورت میں جو کچھ رنڈی نے خریدا، وہ بھی مثل اس روپے کے حرام رہا۔

دوم یہ کہ نقد و عقد کا زرِ حرام پر اجتماع نہ ہو، کسی رنڈی نے نہ روپیہ پہلے سے دیا، نہ دکھایا، بلکہ یونہی کہا کہ ایک روپیہ کی یہ چیز دے دے، اس نے دے دی، اس نے قیمت میں زر حرام دیا ـــــ یا حلال

روپیہ دکھا کر مانگی، پھر دیا حرام —— یا حرام دکھا کر طلب کی، پھر دیا حلال —— کہ وجہین اولین میں حرام پر عقد، اور ثالث میں اس کا نقد نہ ہوا —— اس صورت دوم پر جو چیز رنڈی نے خریدی، بہتر تو اس کا بھی نہ لینا ہے —— پھر بھی اگر لے لے گا تو رنڈی اپنے افعال پر ماخوذ ہے، یہ خریدی ہوئی چیز، نہ اس کے حق میں حرام کہی جائے گی، نہ اس لینے والے کے حق میں۔

اور اگر معلوم ہو کہ یہ مال جو وہ مثلاً اُجرت میں دیتی ہے، اگرچہ عین حرام نہیں، مگر اس میں مال حلال و حرام اس طرح سے ملے ہوئے ہیں کہ تمیز نہیں ہو سکتی، یا ہو تو بدقّت تمام ہو مثلاً رنڈی کے پاس دس روپیہ ناپاک کمائی کے تھے اور پانچ انعام یا قرض یا زراعت وغیرہ یا کسی وجہ حلال کے اور اس نے وہ سب ملا دیئے اور شناخت نہیں کہ وہ دس کون سے تھے اور یہ پانچ کون سے —— تو اس صورت میں جس قدر مال وجہ حلال سے تھا —— مثلا مثال مذکور میں پانچ روپیہ —— اس قدر لینا تو بلاشبہ جائز ہے —— اور اس سے زائد مثلاً صورت مفروضہ میں چھٹا روپیہ لینے سے احتراز کرے کہ مذہب صاحبین پر حرام محض ہے، اور عامۂ محققین نے اسی پر فتویٰ دیا —— اور بربنائے مذہب امام مکروہ ہونا چاہیے —— تو ایسے امر میں کیوں پڑے جس کا ادنیٰ درجہ کراہت، اور اکثر اکابر کے طور پر حرام۔

اور اگر رنڈی نے ایک مال حرام کو دوسرے حرام سے خلط کیا مثلاً ناچ کی اجرت میں اس نے دس روپیہ زید سے پائے تھے اور دس عمرو سے، یہ سب ملا دیئے تو اس میں سے ایک روپیہ بھی لینا نہ چاہئے کہ وہ سب وجہ حرام سے ہے جو کچھ لے گا صاحبین حرام بتائیں گے اور امام کے قول پر مکروہ ہونا چاہیے۔

ہاں! اگر اس قسم کے روپیہ سے کوئی چیز مثلاً اناج یا کپڑا خرید کر دے تو اس مزدور کو اس شَے کا لینا امام کے طور پر بالاتفاق حرام نہیں، اور بربنائے مذہب صاحبین اسی تفصیل پر رہے گا جو خریدی ہوئی چیز کے بارے میں اوپر گزری۔

یہ سب صورتیں اس وقت تھیں جب اسے اس مال کا حال معلوم ہو جو اس کی مزدوری میں دیا جاتا ہے کہ خاص مال رنڈی کے پاس کہاں سے آیا ہے اور اس تک کیوں کر پہنچتا ہے —— آیا عین حرام میں سے ہے یا خالص حلال سے؟ یا دونوں مخلوط ہیں؟ یا مال حرام سے خریدا ہوا ہے؟ یا کیا حال ہے؟ —— اور اگر یہ کچھ نہیں کہہ سکتا، نہ اسے کچھ خبر کہ خاص مال جو اسے دیا جاتا ہے کس قسم کا ہے، تو اس صورت میں فتویٰ جواز ہے کہ اصل حلت ہے، جب تک خاص اس مال کی حرمت نہ ظاہر ہو، لینے سے منع نہ کریں گے —— علما فرماتے ہیں: ہمارا زمانہ شبہات سے بچنے کا نہیں —— یقینی اکل حلال خالص آج کل

حکم عنقا کا رکھتا ہے ـــــ غنیمت ہے کہ آدمی آنکھوں دیکھے حرام سے بچ جائے۔

مگر تاہم یہ حکم ظاہر کا ہے ـــ دیانۃً اگر معلوم ہو کہ اس کا مال اکثر وجہ حرام سے ہے تو متقی کا کام اس سے بچنا ہے جب تک ظاہر نہ ہو کہ یہ خاص مال جو اس کے صرف میں آئے گا وجہ حلال سے ہے ـــــ آدمی کو حظوظ نفس کی وسعتیں خراب کرتی ہیں ـــــ حق سبحانہ وتعالیٰ نے جب انسان کو بحکم الدنیا خضرۃ حلوۃ. ـــــ اس سبزہ زار، شہد نما، زہر فروش یعنی دنیا میں بھیجا بمحض رحمت ازلی اس کے قاتل زہر کو الگ چُن کر حد مقرر فرمادی اور نواہی شرعیہ عام منادی سنادی کہ ـــــ او غافل بکریو! اس احاطہ کے اندر نہ چرنا ـــــ تمھارا دشمن بھیڑیا کہ عبارت شیطان سے ہے اسی جنگل میں رہتا ہے ـــــ یہاں کی گھاس اس وقت کی نظر میں تمھیں ہری ہری، دوب لہکتی لہلہاتی نظر آتی ہے، مگر خبردار اس میں بالکل زہر بھرا ہے ـــــ اب اس مرغزار کی گھاس تین قسم کی ہوگئی ـــــ کچھ سب کو معلوم ہے کہ اسی قطعہ کی ہے جس میں زہر ہے ـــــ اور کچھ اس ٹکڑے سے بہت دور ہے جسے ہم یقینی اپنے حق میں نافع یا ضرر سے خالی جانتے ہیں ـــــ اور جو کچھ اس پہلے خطہ کے آس پاس رہ گئی اس میں شبہہ ہے، کیا جانیے، شاید اس میں کی ہو ـــــ وذٰلك قوله ﷺ: الحلال بین والحرام بین ومابینهما مشتبهات لا یعلمهن کثیر من الناس.(۱)

تو ہم میں جن کو اپنی جان پیاری اور ہوش و خرد کی پاسداری تھی انھوں نے تو اس قطعہ کی اور کوسوں کا طرارا بھرا ـــــ اور بھولی بھیڑیں اپنی نادانی سے یہی کہتی رہیں کہ ابھی تو وہ ٹکڑا نہیں آیا ہے ـــــ ابھی تو دور معلوم ہوتا ہے، یہاں تک کہ خاص اس خطہ میں جا پڑیں اور زہر کی گھاس نے کام تمام کیا ـــــ آدمی کو اگر پلاؤ کی رکابی دی جائے اور کہہ دیں کہ اس کے خاص وسط میں روپیہ بھر جگہ کے قریب سنکھیا پسی ہوئی ملی ہے ـــــ ڈرتے ڈرتے کناروں سے کھائے گا اور بجائے ایک روپیہ کے چار روپیہ کی جگہ چھوڑ دے گا ـــــ کاش ایسی احتیاط جو اپنے بدن کی محافظت میں کرتا ہے قلب کی نگاہداشت میں بجالاتا۔

اے عزیز! بادشاہوں کا قاعدہ ہے، ایک چراگاہ محصور کر لیتے ہیں کہ رعایا اس میں نہ چرانے پائے، عربی میں اسے حِمٰی کہتے ہیں، خدا و رسول کی سچی سلطنت، قاہر بادشاہت میں حِمٰی محرمات شرعیہ ہیں ـــــ جسے اپنے دین و آبرو کا خیال ہے، شبہات سے بچے گا کہ مبادا آس پاس چراتے چراتے خاص

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینہ، ج:۱، ص:۱۳، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان۔ ترجمہ: حضور اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے، البتہ ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہات ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

جھی میں جا پڑے ـــــ اور جو نہیں مانتے تو قریب ہے کہ انھیں ایک دن یہ واقعہ پیش آجائے ـــــ یہ مثال جو میں نے بیان کی، کچھ میری ایجاد نہیں، بلکہ خود حضور اقدس ﷺ نے صحیح حدیث میں ارشاد فرمائی ـــــ کما اخرجه البخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجة عن النعمان بن بشیر والطبرانی عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعین۔(۱)

بلکہ بعض علمانے تو در صورت غلبۂ حرام رخصت ہی نہ دی اور عدم جواز کی تصریح فرمائی ـــــ یعنی جب دینے والے کا اکثر مال وجہ حرام سے ہے تو اس کے مال سے کچھ لینا جائز نہیں جب تک اس خاص چیز کا وجہ حلال سے آنا ظاہر نہ ہو جائے ـــــ ہاں! ازالۂ شبہہ کے لیے اتنا بھی کافی ہے کہ جب صاحبِ مال رنڈی یا ڈومن خود بیان کریں کہ یہ مال ہمارے پاس وجہ حلال سے ہے، ہمیں انعام ملا، یا ہم نے قرض لیا، یا مثلاً بذریعہ زراعت وغیرہا وجوہِ حلال سے حاصل کیا ـــــ اگر اس شخص کو ان کے بیان میں فرق ظاہر نہ ہو تو اب لے لینے میں کسی طرح حرج نہیں۔

بالجملہ جسے اپنے دین و تقویٰ کا کامل پاس ہو ـــــ وہ غلبۂ حرام کی صورت میں احتراز ہی کرے، جب تک خاص اس شے کی حلت کا پتہ نہ چلے ـــــ ورنہ فتویٰ تو جواز ہی ہے تاوقتیکہ بالخصوص اس چیز کی حرمت پر دلیل کافی نہ ملے ـــــ اور یہ ساری تفصیل جو ابتدا سے اب تک ہم نے بیان کی، کچھ رنڈیوں یا ڈومنیوں ہی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ یہ ہوں یا ان کا غیر، حامد ہو یا محمود، مسلمان ہوں یا ہنود، نصاریٰ ہوں یا یہود، سب کو عام ہے ـــــ جو اس قدر سمجھ سکتا ہے کہ نوکریوں اور پیشوں میں کون کون جائز ہے اور کیا ناجائز، اور کس کس طریقہ کا مال حلال ہوتا ہے، کس کس کا ـــــ پھر ہمارے اس فتویٰ کو پیش نگاہ رکھے گا، وہ ہر جگہ حکم شرع نکال سکتا ہے کہ کس کے مال کا کیا حکم ہے اور اس سے معاملہ کہاں تک روا ہے ـــــ باقی رہا یہ امر کہ بہت لوگ جن کا مال وجہ حرام سے ہے مثلاً ایک ان میں رنڈیاں ہیں، مساجد و مدارس وغیرہا امورِ خیر میں اپنا مال کیوں صرف کرتی ہیں۔ یہ ان کا فعل ہے، شرع پر کیا الزام ـــــ ہاں! ان میں جن کا مال حلال اور نیت صحیح ہے، قابل قبول انھیں کا عمل ہے ـــــ ورنہ اللہ جل جلالہ، پاک بے نیاز ہے۔(۲)

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان، ج:۱، ص:۱۳، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان۔

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۹، نصف اول، ص:۷ تا ص:۱۰، ملتقطاً و مختصراً، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۲۳، ص: ۵۰۷ تا ص:۵۲۲، ملتقطاً و مختصراً، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

سماع بے مزامیر کس کے لیے جائز ہے؟

رجب ۱۳۳۲ھ میں بعض انجمن کے اراکین نے سوال کیا کہ ”جب سماع میں یہ بات مقرر ہے کہ اہل کے لیے جائز، نااہل کے لیے ناجائز، چنان چہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

نگویم سماع ای برادر کہ چیست مگر مستمع رابدانم کہ کیست (۱)

تو آج کل جو مشائخ مزامیر سنتے ہیں، ان کے لیے کیوں ناجائز ہوا، جب کہ وہ اس کے اہل ہیں، نااہل سنے تو اس پر اعتراض چاہیے۔ یہ تو اسے غذاے روح سمجھتے اور اپنے لیے عبادت جانتے ہیں“۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اصلاح و موعظت سے لب ریز جو جواب تحریر فرمایا ہے وہ منصف مزاج مشائخ زمانہ کے لیے مشعل راہ ـــــ اور عوام و خواص کے لیے معلومات افزا و بصیرت افروز درس ہے ـــــ وہ فرماتے ہیں:

”اہل، نااہل کا تفرقہ سماع مجرد میں ہے ـــــ شعر حضرت شیخ سعدی قدس سرہ میں اسی کا ذکر ہے ـــــ مزامیر میں اہل کی اہلیت نہیں ـــــ نہ ان کا کوئی اہل ـــــ نہ وہ کسی کے لیے جائز ـــــ مگر مجاذیب از خود رفتہ، کہ عقل تکلیفی نہ رکھتے ہوں ـــــ ان پر ایک مزامیر کیا، کسی بات کا مواخذہ نہیں کہ ع سلطان نگیرد خراج از خراب ـــــ (یعنی بنجر اور ویران زمین سے بادشاہ (لوگوں سے) ٹیکس وصول نہیں کرتا۔)

ایسی جگہ اہل عقل میں اہل و نااہل کا فرق کرنا ـــــ ہر کس و ناکس کو گناہ پر جری کرنا اور امت مرحومہ پر مکر شیطان لعین کا دروازہ کھولنا ہے ـــــ ہر فاسق اسی کا مدعی ہوگا کہ ہم اہل ہیں ـــــ ہم کو حلال ہے ـــــ علانیہ ارتکاب معصیت کرے گا اور حرامِ خدا کو حلال بتائے گا اور اپنے امثال عوام جہال کو گمراہ بنائے گا ـــــ کیا شریعت محمدیہ ﷺ ایسا حکم لاتی ہے ـــــ حاشا اللہ۔

شریعت مطہرہ فتنہ کا دروازہ بند فرماتی ہے اور یہ حکم فتنہ کے روزن کو عظیم پھاٹک کرتا ہے ـــــ تو کس قدر مبائن شریعت غرا ہے ـــــ اب دیکھ نہ لیجیے کہ آج کل کتنے ناشخص، کتنے بے تمیز، کتنے کندہ ناتراشیدہ، جن کو استنجا کرنے کی بھی تمیز نہیں ـــــ یہ بھی نہیں جانتے کہ استنجا کرنے میں کیا کیا فرض، واجب، سنت، مکروہ، حرام ہیں ـــــ وہ گیروا کپڑے رنگ کر، یا عورتوں کے سے کاکل بڑھا کر رات دن اسی آواز

(۱) بوستان سعدی، باب سوم، ص: ۱۸۴، دانش سعدی، تہران، ایران۔ ترجمہ: اے بھائی! میں نہیں کہتا کہ سماع کیسا ہے، جب تک یہ نہ جان لوں کہ سننے والا کون ہے۔

شیطانی میں منہمک ہیں —— نمازیں قضا ہوں بلا سے، مگر ڈھولک ٹھنکنا ناغہ نہ ہو —— اور پھر وہ پیر و مرشد ہیں ——ان کے پاوں پر سجدے ہوتے ہیں —— اور علانیہ کہتے ہیں کہ ہم کو روا ہے —— ہماری روح کی پاکیزہ غذا ہے —— یہ ناپاک نتیجہ اسی اہل و نااہل کے فرق پُر جہل کا ہے۔

اور ان کا کذب صریح یوں آشکار کہ سماع بے مزامیر جس میں اہل و نااہل کا فرق ہے —— اس کے جواز میں اس کے اہل نے یہ شرط رکھی ہے کہ جلسۂ سماع میں کوئی نااہل نہ ہو —— یہاں تک کہ قوال بھی اہل باطن ہو —— جیسے بار گاہ حضور سیدنا محبوب الٰہی، سلطان الاولیاء، نظام الحق والدّین محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حضرت سیدنا امیر خسرو، حضرت سیدی میر حسن علی سجزی قدس سرہما۔

بفرض باطل اگر مزامیر میں بھی اہل و نااہل کا فرق ہوتا تو اہل وہ تھا کہ کسی نااہل کے سامنے نہ سنتا —— یہ جہل کے اہل، عام مجمع کرتے ہیں جس میں فسّاق، فجّار، شرابی، زناکار سب کا شیطانی بازار لگتا ہے اور مزامیر کھڑکتے ہیں ——یہ اہلیت کی شکل ہے؟ —— ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔

ان سب کی گمراہی اور عوام کی بربادی، تباہی کا وبال، انھیں مولویوں کے سر ہے جو اہل و نااہل کا فرق بتاتے اور حرامِ خدا کو حلال کرنے کی کوشش کرتے اور امت کی بھیڑوں کو ابلیس بھیڑیے کے پنجے میں دیتے ہیں —— پھر مزامیر کی حالت بالکل شراب کی مثل ہے قلیلھا یدعوا الی کثیرھا ——تھوڑی سے بہت کی خواہش پیدا ہوتی ہے —— الذنب یجر الی الذنب ——گناہ، گناہ کی طرف کھینچتا ہے۔

ع تخم فاسد، بارِ فاسد آورد (یعنی ناقص اور ناکارہ بیج، بیکار پھل لاتا ہے۔)

شدہ شدہ رنڈی کے مجرے تک نوبت پہنچتی ہے، پھر حیا یکسر کنارہ کرتی ہے —— بھری مجلس میں فاحشہ ناچ رہی ہے اور پیر جی صاحب شیخ المشائخ و پیر مغاں و قطب دوراں بنے ہوئے بیٹھے ہیں اور مریدین ھُو حق مچا رہے ہیں —— تف بریں اہلیت —— یہ سب نتائج ملعونہ اسی مداہنت و تحلیل حرام کے فرق اہل و نااہل کے ہیں —— والعیاذ باللہ رب العالمین۔

درباره شطرنج تو خود روایات وجوہ عدیدہ پر ہیں ——مگر ناصحان امت نے نظر بعصر یہی فرمایا کہ اس کی اباحت میں امت مرحومہ اور خود دین اسلام پر شیطان کو مدد دینا ہے؛ لہٰذا مطلقاً حرام و گناہ کبیرہ ہے —— تو مزامیر کہ نفس امارہ، شیطان لعین کی ان کی طرف رغبت بہ نسبت شطرنج ہزارہا درجہ زائد ہے، کیوں کر مطلقاً حرام و سخت کبیرہ نہ ہوں گے ——سو میں پچانوے وہ ہوں گے جنھیں شطرنج کی طرف التفات بھی نہیں ——اور سو میں پانچ بھی نہ نکلیں گے جن کے نفس امارہ کو مزامیر کی شیطانی آواز خوش نہ آتی ہو —— اہل

تقویٰ بھی اپنے نفس کو بالجبر اس سے باز رکھتے ہیں ـــــ ع حُسن بلائے چشم ہے، نغمہ وبالِ گوش ہے۔

کافی شرح وافی للامام حافظ الدین النسفی، پھر جامع الرموز، پھر ردالمحتار میں ہے: هو حرام وكبيرة عندنا وفي اباحته اعانة الشيطان على الاسلام و المسلمين.(۱)

مسلمانو! زبان اختیار میں ہے ـــــ شعریات باطلہ میں العسل مرة والخمر ياقوتية (شہد کڑوا ہے اور شراب یاقوتی ہے) کہ دینے کا ہر شخص کو اختیار ہے ـــــ شرابی شراب کو بھی غذائے روح وجانفزا وجان پرور کہا کرتے ہیں ـــــ کہنے سے کیا ہوتا ہے ـــــ محمد رّسول اللہ ﷺ نے جو فرق بتایا ہے، ذرا انصاف وایمان کے ساتھ اُسے سنیے تو خود کھل جائے گا کہ ـــــ ع باکہ باختہ ای عشق در شب دیجور (اندھیری رات میں تو نے کس کے ساتھ عشق لڑایا۔)

ہاں! سنیے اور گوش ایمان سے سنیے کہ ارشاد اقدس رسول اکرم ﷺ سے کیا ثابت ہے ـــــ غذائے روح وہ ہے جس کی طرف شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا وآلہ افضل الصلوٰة والتحیۃ بلاتی ہے ـــــ اور جس کی طرف شریعت مطہرہ بلاتی ہے، اس پر وعدۂ جنت ہے ـــــ اور جنت ان چیزوں پر موعود ہے جو نفس کو مکروہ ہیں ـــــ اور غذائے نفس وہ ہے جس سے شریعت محمدیہ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ منع فرماتی ہے ـــــ اور جس سے شریعت کریمہ منع فرماتی ہے، اس پر وعید نار ہے ـــــ اور نار کی وعید ان چیزوں پر ہے جو نفس کو مرغوب ہیں ـــــ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: حفت الجنة بالمكاره وحفت النار بالشهوات.(۲) ـــــ جنت ان چیزوں سے گھیر دی گئی جو نفس کو ناگوار ہیں اور دوزخ ان چیزوں سے ڈھانپ دی ہے جو نفس کو پسند ہیں۔

یہ حدیث تو صحیحین کی تھی اور اس کی تفصیل اس حدیث جلیل میں ہے کہ ابو داؤد ونسائی نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لما خلق الله تعالى الجنة قال لجبرئيل: اذهب فانظر اليها فذهب فنظر اليها والى ما اعد الله لاهلها فيها ثم جاء فقال: أي رب! وعزتك لايسمع بها احد إلّا دخلها ثم حفها بالمكاره ثم قال:

(۱) ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع، ج:۵، ص:۲۵۳، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان۔ ترجمہ: ہمارے نزدیک وہ حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور اسے مباح قرار دینے میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شیطان لعین کی مدد کرنا ہے۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب حجبت النار بالشہوات، ج:۲، ص:۹۶۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان۔ رواہ البخاری فی کتاب الرقاق بلفظ حجبت وتقدیم الجملۃ الاخیرۃ، ومسلم باللفظ عن ابی ھریرۃ واحمد ومسلم والترمذی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فی صحیحہ۔

یاجبرئیل ! اذهب فانظر الیها.قال: فذهب فنظر الیها ثم جاء فقال ای رب وعزتك لقد خشیت ان لایدخلها احد قال فلما خلق الله النار قال: یاجبرئیل اذهب فانظر الیها.قال:فذهب فنظر الیها ثم جاء فقال ای رب وعزتك لایسمع بها احد فیدخلها فحفها بالشهوات ثم قال:یاجبرئیل اذهب فانظر الیها.قال:فذهب فنظر الیها.فقال:أی رب! وعزتك لقد خشیت ان لایبقی احد الادخلها.(۱)

جب اللہ عزوجل نے جنت بنائی، جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم فرمایا کہ اسے جاکر دیکھ —— جبریل نے اسے اور جو کچھ مولیٰ تعالیٰ نے اس میں اہل جنت کے لیے تیار فرمایا ہے دیکھا، پھر حاضر ہوکر عرض کی: اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! اسے تو جو کوئی سنے گا، بے اس میں جائے نہ رہے گا —— پھر رب عزوجل نے اسے ان باتوں سے گھیر دیا جو نفس کو ناگوار ہیں، پھر جبرئیل کو حکم فرمایا کہ اب جاکر دیکھ۔ —— جبرئیل نے دیکھا، پھر حاضر ہوکر عرض کی: اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! مجھے ڈر ہے کہ اب تو شاید اس میں کوئی بھی نہ جاسکے —— پھر جب مولیٰ تبارک و تعالیٰ نے دوزخ پیدا کی، جبرئیل سے فرمایا: اسے جاکر دیکھ —— جبرئیل نے دیکھا، پھر آکر عرض کی: اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! اس کا حال سن کر کوئی بھی اس میں نہ جائے گا —— مولیٰ تعالیٰ نے اسے نفس کی خواہشوں سے ڈھانپ دیا، پھر جبرئیل کو اس کے دیکھنے کا حکم فرمایا —— جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اسے دیکھ کر عرض کی: اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! مجھے ڈر ہے کہ اب تو شاید ہی کوئی اس میں جانے سے بچے۔

یہ ہے وہ فرق کہ مصطفی ﷺ نے بتایا اور خود رب العزۃ جل جلالہ قرآن عظیم میں نماز کو فرماتا ہے: وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ ——(۲)

بیشک نماز گراں ہے، مگر ان خشوع والوں پر جن کو یقین ہے کہ وہ اپنے رب سے ملیں گے اور انھیں اس کی طرف پھر کر جانا ہے۔

غذاے روح کی یہ پہچان ہے —— اب مزامیر کو دیکھیے، کفّار، فسّاق، فجّار رات دن ان میں منہمک ہیں —— تو واضح ہوا کہ وہ شہواتِ نفس ہیں جب تو بندگان نفس امارہ ان پر مٹے ہوئے ہیں —— غذاے روح ہوتے تو وہ ان کا نام نہ لیتے کہ بندگان نفس، غذاے روح کا نام لیے تھراتے ہیں۔

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی خلق الجنۃ والنار، ج:۲، ص:۲۹۶، آفتاب عالم پریس، لاہور، پاکستان۔
(۲) پارہ:۱، البقرۃ:۲، آیت:۴۵، ۴۶۔

ہاں! وہ عبادت ضرور ہیں، مگر کہاں؟ ـــــ مندروں اور گرجاؤں میں کہ ان کی عبادت مزامیر ہی کے ساتھ ہوتی ہے ـــــ مگر حاشا وہ مسجد والوں کی عبادت نہیں ـــــ مسجد کا رب اس سے پاک ہے کہ شیطانی لذتوں سے جن میں کافروں کا حصہ غالب ہو، اس کی عبادت کی جائے ـــــ یہ عجب عبادت ہے کہ مندروں، گرجاؤں میں ہوتی ہے اور مسجدیں اس سے محروم ـــــ ہندوؤں، نصرانیوں میں دھڑلے سے رائج، اور رسول اللہ ﷺ وصحابہ وائمہ اس سے محفوظ ـــــ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم.

یہ اگر عبادت ہے تو ڈوم، ڈومنیاں، رنڈیاں، پیرجی سے بڑھ کر عابد ہیں کہ یہ گھنٹہ بھر اس عبادت سے مشرف ہوں تو وہ چوبیس گھنٹے اسی میں ہیں ـــــ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم.

ـــــ جاہلوں کی شکایت نہیں، اگرچہ وہ مشائخ بن بیٹھیں ـــــ اگرچہ اولیاے کرام کا ارشاد ہے کہ: صوفی بے علم مسخرۂ شیطان ست۔ (بے علم صوفی، شیطان کا مسخرہ ہے۔) مااتخذاللہ جاھلا ولیا قط. ـــــ اللہ نے کبھی کسی جاہل کو اپنا ولی نہ کیا۔ ع کہ بے علم نتواں خدا را شناخت (بغیر علم کے خداے تعالیٰ کی شناخت نہیں ہوسکتی۔)

غضب تو ان مولوی کہلانے والے مشائخ نے ڈھایا ہے کہ اپنے ساتھ عوام کو بھی شریعت پر جری وبیباک کر دیا ـــــ اہل، نااہل کا جھوٹا تفرقہ زبانی کہیں اور جلسے میں دنیا بھر کے نااہل بھریں ـــــ ائمۂ دین فرماتے ہیں: اے گروہ علما! اگر تم مستحبات چھوڑ کر مباحات کی طرف جھکوگے، عوام مکروہات پر گریں گے ـــــ اگر تم مکروہ کروگے، عوام حرام میں پڑیں گے ـــــ اگر تم حرام کے مرتکب ہوگے، عوام کفر میں مبتلا ہوں گے۔

بھائیو! للہ اپنے اوپر رحم کرو ـــــ اپنے اوپر رحم نہ کرو، اُمت مصطفی ﷺ پر رحم کرو ـــــ چرواہے کہلاتے ہو، بھیڑیے نہ بنو ـــــ اللہ تعالیٰ ہدایت دے ـــــ آمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین، آمین. واللہ تعالیٰ اعلم.(1)

مسجد میں کبوتربازی وغیرہ کا مسئلہ:

ریاست رامپور سے شاہ مفتاح الاسلام صاحب، پانی پتی نے ۹ر شوال المکرم ۱۳۲۴ھ میں ایک مسئلہ دریافت کیا کہ ”کبوتربازی، بٹیربازی وغیرہا حرکات نامشروعہ مسجد میں کرنا اور کسی غیر کا کبوتر مینار یا دیوار مسجد پر بیٹھ جائے، اس کے پکڑنے کے لیے اپنے کبوتر چھوڑ کر اور دانہ پانی صحن مسجد میں ڈال کر پکڑنا جائز ہے یا نہیں؟

(۱) فتاویٰ رضویہ، کتاب الحظر والاباحۃ، ج:۹، نصف اخیر، ص:۹۳ تا ص:۹۵، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/فتاویٰ رضویہ مترجم، کتاب الحظر والاباحۃ، ج:۲۴، ص:۱۲۸ تا ص:۱۳۳، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

اس میں سائل نے کبوتر بازی وغیرہ کے سبب مسجد کی بے حرمتی اور دوسرے کے کبوتر پکڑنے کے بارے میں شرعی احکام دریافت کیے ہیں ـــــ لیکن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ اصلاح و موعظت سے بھرپور ایسا جواب تحریر فرمایا کہ اگر کوئی شخص سنجیدگی سے اس کا مطالعہ کرے تو مسجد کی ایسی بے حرمتی کرنے کے بجائے مطلقا کبوتر بازی ہی سے باز آجائے اور ایسے بے ہودہ کاموں سے ہمیشہ کے لیے توبہ کرلے۔ ـــــ فرماتے ہیں:

”پرایا کبوتر پکڑنا حرام ہے اور اس کا فاعل فاسق و غاصب و ظالم ہے ـــــ بلکہ خالی کبوتر اڑانے والا کہ اوروں کے کبوتر نہیں پکڑتا، مگر اپنے کبوتر اڑانے کو ایسی بلند چھتوں پر چڑھتا ہے جس سے مسلمانوں کی بے پردگی ہوتی ہے ـــــ یا ان کے اڑانے کو کنکریاں پھینکتا ہے جن سے لوگوں کو مالی یا جسمانی ضرر پہنچتا ہے ـــــ اس کے لیے بھی شرع مطہر میں حکم ہے کہ اسے نہایت سختی سے منع کیا جائے ـــــ تعزیر دی جائے ـــــ اس پر بھی نہ مانے تو احتساب شرعی کا عہدہ دار اس کے کبوتر ذبح کرکے اس کے سامنے پھینک دے ـــــ

در مختار میں ہے: یکرہ امساك الحمامات ولو فی برجها ان کان یضرّ بالناس بنظر اوجلب، فان کان یطیرها فوق السطح مطلعا علی عورات المسلمین و یکسر زجاجات الناس برمیه تلك الحمامات عزر ومنع اشد المنع، فان لم یمتنع ذبحها المحتسب،وصرح فی الوهبانیة بوجوب التعزیر وذبح الحمامات ولم یقیده بما مرو لعله اعتمد عادتهم.[1]

اقول: بلکہ ان کا خالی اڑانا کہ نہ کسی کی بے پردگی ہو ـــــ نہ کنکریوں سے نقصان ـــــ خود کب ظلم شدید سے خالی ہے، جب کہ رواج زمانہ کے طور پر ہو، کہ کبوتروں کو اڑاتے ہیں اور ان کا دم بڑھانے کے لیے (جس میں اصلاً کوئی دینی یا دنیوی نفع نہیں، فی صدی کا خیال کہ اگلے زمانہ میں تھا، اب خواب و خیال وافسانہ ہوگیا ہے ـــــ نہ ہرگز یہ ان جہال کا مقصود ـــــ نہ کبھی ان سے یہ کام کوئی لیتا ہے) محض بے

(۱) در مختار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع، ج:۲، ص:۲۴۹، مطبع مجتبائی، دہلی۔ ترجمہ: کبوتر رکھنا، اگرچہ اپنے برجوں میں ہوں مکروہ ہے جب کہ کبوتر باز کے لوگوں کے گھروں میں نظر کرنے یا دوسروں کے کبوتر اپنے کبوتروں میں ملانے کے سبب سے لوگوں کو ضرر پہنچے، اور اگر چھت پر چڑھ کر کبوتر اڑاتا ہے جس سے مسلمانوں کی بے پردگی ہوتی ہے، یا کنکریاں پھینکتا ہے جس سے لوگوں کے برتن اور شیشے ٹوٹ جاتے ہیں، تو اسے تعزیر کی جائے اور سختی سے منع کیا جائے، اگر باز نہ آئے تو حاکم محتسب اس کے کبوتروں کو ذبح کردے۔ صاحب وہبانیہ نے مطلقاً وجوب تعزیر اور کبوتر کو ذبح کردینے کی تصریح کی ہے، لوگوں کی بے پردگی کی قید کا ذکر نہیں کیا، شاید انھوں نے لوگوں کی عادت پر اعتماد کرتے ہوئے اس قید کو ترک کیا ہے۔

فائدہ، اپنے بیہودہ، بے معنی شوق کے واسطے انھیں اترنے نہیں دیتے —— وہ تھک تھک کے نیچے گرتے، یہ مار مار کر پھر اڑا دیتے ہیں —— صبح کا دانہ دیر تک کی محنت شاقہ پرواز سے ہضم ہو گیا —— بھوک سے بیتاب ہیں اور یہ غل مچا کر، بانس دکھا کر، آنے نہیں دیتے —— خالی معدے، شہپر تھکے اور کسی طرح نیچے اترنے، دم لینے، دانہ پانی سے اوسان ٹھکانے کرنے کا حکم نہیں —— یہاں تک کہ گھنٹوں اور گھنٹوں سے پہروں، انھیں اسی عذاب شدید میں رکھتے ہیں ——یہ خود کیا کم ظلم ہے ——اور ظلم بھی بے زبان، بے گناہ جانور پر، کہ آدمیوں کی ضرر رسانی سے کہیں سخت تر ہے، کما سیأتی و کأن ھذا إن شاء اللہ تعالیٰ ملحظ إطلاق العلامۃ ابن وھبان و اللہ المستعان۔[۱] —— بے درد کو پرائی مصیبت نہیں معلوم ہوتی —— اپنے اوپر قیاس کر کے دیکھیں —— اگر کسی ظالم کے پالے پڑیں کہ وہ میدان میں ایک دائرہ کھینچ کر گھنٹوں ان سے کاوا کاٹنے کو کہے ——یہ جب تھکیں، پست ہو کر رکیں، کوڑے سے خبر لے ——ان کا دم چڑھ جائے، جان تھک جائے، بھوک پیاس بیحد ستائے، مگر وہ کوڑا لیے تیار ہے کہ رکنے نہیں دیتا —— اس وقت ان کو خبر ہو کہ ہم بے زبان جانور پر کیسا ظلم کرتے تھے —— دنیا گزشتنی ہے، یہاں احکام شرع جاری نہ ہونے سے خوش نہ ہوں ——ایک دن انصاف کا آنے والا ہے جس میں شاخدار بکری سے منڈی بکری کا حساب لیا جائے گا، حالاں کہ جانور غیر مکلف ہے —— تو تم مکلفین کہ تمھارے ہی لیے ثواب و عذاب، جنت و جہنم تیار ہوئے ہیں، کس گھمنڈ میں ہو —— وہاں اگر نار سقر میں کاوا کاٹنا پڑا کہ وہاں جزاء وفاقا۔ (پوری پوری جزا۔) ہے تو اس وقت کے لیے طاقت مہیا کر رکھو۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: دخلت امرأۃ النار فی ھرۃ ربطتھا فلم تطعمھا ولم تدعھا تأکل من خشاش الارض فوجبت لھا النار بذلك.[۲] —— ایک عورت جہنم میں گئی ایک بلی کے سبب، کہ اسے باندھ رکھا تھا، نہ خود کھانا دیا، نہ چھوڑا کہ زمین کا گرا پڑا، یا جو جانور ملتا کھاتی، اس وجہ سے اس عورت کے لیے جہنم واجب ہو گئی۔

---

(۱) جیسا کہ عنقریب آئے گا، اور گویا کہ یہ ان شاء اللہ تعالیٰ علامہ ابن وھبان کے اطلاق میں ملحوظ ہے اور اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کی جاتی ہے۔

(۲) رواہ البخاری عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما، وجملۃ "فوجبت" من روایۃ الامام احمد عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنھما۔ صحیح البخاری، کتاب بدأ الخلق، باب خیر مال المسلم غنم الخ، ج:۱، ص: ۴۶۷، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان۔

اور جب کبوتر بازی بیرون مسجد اپنے گھر میں بھی حرام ہے تو مسجد میں کس درجہ اشد، سخت تر حرام ہوگی —— بادشاہ جبار قہار کی ایک نافرمانی اپنے گھر میں بیٹھ کر کیجیے اور ایک نافرمانی خاص اس کے دربار میں، کہ یہ نافرمانی کے علاوہ دربار کی توہین اور بادشاہ کو معاذاللہ بے قدر سمجھنے پر دال ہے —— اگر واقعی دل میں یہی ہو کہ مسجد کیا محل ادب ہے جس میں گناہ سے رکیے، جب تو خالص کفر ہے —— ورنہ جرم پہلے سے اضعافاً مُّضَاعَفه ہو جانے میں شک نہیں —— وہ مسجد جس میں دنیا کی مباح باتیں کرنے کو بیٹھنا نیکیوں کو کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو —— فتح القدیر میں ہے: الكلام المباح فيه مكروه ياكل الحسنات. [۱] —— اشباہ میں ہے: انه ياكل الحسنات كما تاكل النار الحطب. [۲] —— امام ابو عبداللہ نسفی نے مدارک شریف میں حدیث نقل کی کہ: الحديث فى المسجد يأكل الحسنات كما تأكل البهيمة الحشيش. [۳] —— مسجد میں دنیا کی بات نیکیوں کو اس طرح کھاتی ہے جیسے چوپایہ گھاس کو۔ —— غمز العیون میں خزانۃ الفقہ سے ہے: من تكلم فى المساجد بكلام الدنيا احبط الله تعالىٰ عنه عمل اربعين سنة. [۴] —— جو مسجد میں دنیا کی بات کرے اللہ تعالیٰ اس کے چالیس برس کے عمل اکارت فرمادے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: آخر زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے کہ مسجد میں دنیا کی باتیں کریں گے، اللہ عزوجل کو ان لوگوں سے کچھ کام نہیں۔ رواه ابن حبان فى صحيحه عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ [۵]

حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے: دنیا کی بات جب کہ فی نفسہٖ مباح اور سچی ہو، مسجد میں بلا ضرورت کرنی حرام ہے —— ضرورت ایسی جیسے معتکف اپنے حوائج ضروریہ کے لیے بات کرے —— پھر حدیث مذکور ذکر کر کے فرمایا: معنی حدیث یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ نہ کرے گا اور وہ نامراد، محروم و زیاں کار اور اہانت و ذلت کے سزاوار ہیں۔

---

(۱) فتح القدیر، کتاب الصلوۃ، فصل ویکرہ استقبال القبلۃ بالفرج فی الخلاء، ج:۱، ص:۳۳۳، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر۔ ترجمہ: مسجد میں کلام مباح بھی مکروہ ہے اور نیکیوں کو کھاجاتا ہے۔

(۲) الاشباہ والنظائر، الفن الثالث، القول فی احکام المساجد، ج:۲، ص:۲۳۳، ادارۃ القرآن، کراچی۔ ترجمہ: بیشک وہ نیکیوں کو یوں کھاجاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھاجاتی ہے۔

(۳) المدارک (تفسیر النسفی) سورۃ لقمان، آیۃ و من الناس من یشتری، ج:۳، ص:۲۷۹، دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان۔

(۴) غمز العیون مع الاشباہ والنظائر، الفن الثالث فی احکام المسجد، ج:۲، ص:۲۳۳، ادارۃ القرآن، کراچی، پاکستان۔

(۵) موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان، کتاب المواقیت، حدیث:۳۱۱، ص:۹۹، المطبعۃ السلفیہ، مدینہ منورہ۔

اسی میں ہے: مروی ہوا کہ ایک مسجد اپنے رب کے حضور شکایت کرنے چلی کہ لوگ مجھ میں دنیا کی باتیں کرتے ہیں —— ملائکہ اسے آتے ملے اور بولے: ہم ان کے ہلاک کرنے کو بھیجے گئے ہیں۔

اسی میں ہے: روایت کیا گیا کہ جو لوگ غیبت کرتے ہیں (جو سخت حرام اور زنا سے بھی اشد ہے) اور جو لوگ مسجد میں دنیا کی باتیں کرتے ہیں، ان کے منہ سے وہ گندی بدبو نکلتی ہے جس سے فرشتے اللہ عزوجل کے حضور ان کی شکایت کرتے ہیں۔ [1]

سبحان اللہ! جب مباح و جائز بات بلا ضرورت شرعیہ کرنے کو مسجد میں بیٹھنے پر یہ آفتیں ہیں، تو حرام و ناجائز کام کرنے کا کیا حال ہوگا —— مسجد میں کسی چیز کا مول لینا، بیچنا، خرید و فروخت کی گفتگو کرنا ناجائز ہے —— مگر معتکف کو اپنی ضرورت کی چیز مول لینی، وہ بھی جب کہ مبیع مسجد سے باہر ہی رہے، مگر ایسی خفیف و نظیف و قلیل شے جس کے سبب نہ مسجد میں جگہ رکے، نہ اس کے ادب کے خلاف ہو، اور اسی وقت اسے اپنے افطار یا سحری کے لیے درکار ہو۔ —— اور تجارت کے لیے بیع و شرا کی معتکف کو بھی اجازت نہیں۔

حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اپنی مسجدوں کو بچاؤ اپنے نا سمجھ بچوں اور مجنونوں کے جانے اور خرید و فروخت اور جھگڑوں اور آواز بلند کرنے سے۔ —— رواہ ابن ماجۃ عن مکحول عن واثلۃ و عبدالرزاق فی مصنفہ عن مکحول عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما. [2]

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: جب تم کسی کو مسجد میں کچھ بیچتے یا مول لیتے دیکھو تو اس سے کہو: اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے —— اور جب کسی کو دیکھو کہ اپنی کوئی گم شدہ چیز مسجد میں لوگوں سے پوچھتا ہے تو اس سے کہو: اللہ تجھے تیری چیز نہ ملائے —— رواہ الترمذی وقال حسن صحیح والنسائی وابن خزیمۃ والحاکم بسند صحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ. [3]

دوسری صحیح روایت میں ہے، ارشاد فرمایا: اس سے کہو: اللہ تیری گمشدہ چیز تجھے نہ ملائے —— مسجدیں اس لیے نہیں بنی ہیں کہ ان میں آکر گمشدہ چیزوں کی تفتیش کرو۔ —— رواہ مسلم عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ. [4]

---

(۱) الحدیقۃ الندیۃ، نوع ۴۰، کلام الدنیا فی المساجد بلا عذر، ج:۲، ص:۳۱۶/۳۱۷، مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، پاکستان۔

(۲) سنن ابن ماجہ، ابواب المساجد، ص:۵۵، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، پاکستان۔

(۳) جامع الترمذی، کتاب البیوع، باب النہی عن البیع فی المسجد، ج:۱، ص:۱۵۸، امین کمپنی، دہلی۔

(۴) صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب عن نشد الضالۃ فی المسجد، ج:۱، ص:۲۱۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان۔

سبحان اللہ! جب دوسرے کا مال بخوشی، برضا و رغبت، دام دے کر مول لینے کی بات چیت کرنے پر یہ احکام ہیں ——تو پرایا مال بلا رضا، بلا اجازت، غصباً پکڑ لینے کے لیے مسجد میں اپنے کبوتر چھوڑنا، دانہ پانی ڈالنا، قابو چلے تو پکڑ لینا، کس درجہ اشد عظیم وبالوں کا موجب ہوگا —— اور بٹیر بازی کہ ان کے لڑانے سے عبارت ہے، اس سے بھی سخت تر ہے، کہ وہ بلا فائدہ، بلا وجہ اپنے ناپاک شوق کے لیے جانوروں کو ایذا دینی ہے —— حدیث صحیح میں ہے: نھی رسول اللہ ﷺ عن التحریش بین البھائم.(۱) —— رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا جانوروں کو باہم لڑانے سے۔ —— رواہ ابو داؤد والترمذی وقال حسن صحیح عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما.

علما فرماتے ہیں: مسلمان پر ظلم کرنے سے ذمی کافر پر جو پناہ سلطنت اسلام میں رہتا ہو ظلم کرنا سخت تر ہے —— اور ذمی کافر پر ظلم کرنے سے بھی جانور پر ظلم کرنا سخت تر ہے ——جو لوگ ان افعال شنیعہ میں شریک ہوں، وہ تو ظاہر شریک ہیں —— اور جو شریک نہ ہوں، راضی ہوں، وہ بھی شریک ہیں، اور گناہ وعذاب میں حصہ دار —— بلکہ اگر راضی بایں معنی ہوں کہ ان افعال کو خوب و پسندیدہ جانتے ہوں تو ان کا حکم سخت تر ہے کہ گناہ، گناہ ہے اور اسے اچھا جاننا کفر —— اور جو لوگ باوصف قدرت منع نہ کریں، انسداد نہ کریں، متولی مسجد ہو، خواہ اہل محلہ، خواہ غیر، وہ سب بھی گنہ گار و ماخوذ و گرفتار ہیں۔

اس کی مثال رسول اللہ ﷺ نے یہ بیان فرمائی کہ ایک جہاز میں کچھ لوگ سوار ہیں، تتق والے چھتری پر پانی بھرنے آتے، چھتری والے تکلیف پاتے —— تتق والوں نے کہا: ہم نیچے جہاز میں سوراخ کر لیں، کہ یہیں سے پانی بھر لیا کریں، کہ اوپر جانے میں چھتری والوں کو ایذا نہ ہو —— اب اگر چھتری والے انھیں نہ روکیں اور سکوت کریں، تو نرے وہی نہ ڈوبیں گے، بلکہ یہ اور وہ، سب ڈوبیں گے —— اور روک دیں تو یہ اور وہ، سب نجات پائیں گے۔ ——یہی حال گناہ کرنے والوں اور باوصف قدرت انھیں نہ روکنے والوں کا ہے۔ —— رواہ البخاری والترمذی عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنھما.(۲)

اور فرماتے ہیں ﷺ: پہلا نقص بنی اسرائیل میں یہ آیا کہ ان میں ایک گناہ کرتا، دوسرا اسے منع تو کرتا، مگر اس کے نہ ماننے پر اس کے پاس اٹھنا بیٹھنا، اس کے ساتھ کھانا پینا نہ چھوڑتا ——اس کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان سب کے دل یکساں کر دیے اور ان سب پر لعنت اتاری اور فرمایا: كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ

(۱) جامع الترمذی، کتاب الجہاد، باب ماجاء فی التحریش بین البہائم، ج:۱، ص:۲۰۲، امین کمپنی، دہلی۔
(۲) صحیح البخاری، باب الشرکۃ، کتاب الشہادات، ج:۱، ص:۳۶۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان۔

مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾ [۱] ـــــ یعنی ان پر لعنت اس لیے ہوئی کہ آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے روکتے نہ تھے، بیشک یہ ان کا بہت ہی برا کام تھا۔ ـــــ رواہ ابو داؤد والترمذی وحسنه عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه . [۲] ـــــ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق توبہ نصیب فرمائے، آمین ! و اللہ تعالیٰ اعلم. [۳]

محتاج کا سودی قرض لینا اور اس کی ضمانت کرنا:

ماہِ رجب ۱۳۰۶ھ میں ایک سوال کیا گیا کہ ”زید مقروض ہے اور اس قدر محتاج ہے کہ قوت روزمرہ بھی بدشواری میسر آتا ہے ـــــ اب چاہتا ہے کہ کچھ روپیہ سودی قرض لے کر کچھ روزگار کرے تا کہ صورت ادائے قرض کی ظہور میں آئے اور کچھ قوت بسری میں لائے ـــــ پس یہ امر مباح ہے یا نہیں ؟ ـــــ اور جو شخص ایسے اصل روپیہ کی ضمانت کرے، گنہ گار ہوگا یا نہیں ؟“۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس کے جواب میں فرمایا: ”سود جس طرح لینا حرام ہے، دینا بھی حرام ہے۔ ـــــ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں : لعن اللہ اٰکل الربا وموکله وکاتبه و شاهده. [۴] ـــــ اللہ کی لعنت سود کھانے والے اور کھلانے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے اور اس کی گواہی کرنیوالے پر۔

رواه احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجة والطبرانی فی الکبیر وزاد "وهم یعلمون" کلهم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه ـــــ ونحوه عند احمد والنسائی عن علی کرم اللہ تعالیٰ وجهه سند اهما صحیحان ـــــ وبمعناه عند مسلم فی صحیحه وزاد "و هم سواء"

مگر شریعت مطہرہ کا قاعدہ مقرر ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات (ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں ۔) اسی لیے علما فرماتے ہیں: محتاج کو سودی قرض لینا جائز ہے۔ فی الاشباه

---

(۱) پارہ:۶، المائدۃ:۵، آیت:۷۹۔

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، ج:۲، ص:۲۴۰، آفتاب عالم پریس، لاہور، پاکستان۔

(۳) فتاویٰ رضویہ ، باب المسجد ، ج:۶، ص:۴۰۱ تا ص:۴۰۴، بحذف واختصار، رضا اکیڈمی ، ممبئی۔/فتاویٰ رضویہ مترجم ، ج:۱۶، ص:۳۰۹ تا ص:۳۱۶، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۴) سنن ابوداؤد، کتاب البیوع، ج:۲، ص:۱۱۷، آفتاب عالم پریس، لاہور۔

والنظائر وفی القنیة و البغیة: یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح اھ.[1] قال فی الغمز و ذلك نحو ان یقترض عشرة دنانیر مثلا و یجعل لربها شیئا معلوما فی کل یوم ربحا. اھ.[2]

اقول: محتاج کے یہ معنی جو واقعی حقیقی ضرورت قابل قبول شرع رکھتا ہو ــــ کہ نہ اس کے بغیر چارہ ہو، نہ کسی طرح بے سودی روپیہ ملنے کا یارا ــــ ورنہ ہرگز جائز نہ ہوگا، جیسے لوگوں میں رائج ہے کہ اولاد کی شادی کرنی چاہی، سو روپے پاس ہیں، ہزار روپے لگانے کو جی چاہا، نو سو سودی نکلوائے ــــ یا مکان رہنے کو موجود ہے، دل پکے محل کو ہوا، سودی قرض لے کر بنایا ــــ یا سو دو سو کی تجارت کرتے ہیں، قوت اہل و عیال بقدر کفایت ملتا ہے، نفس نے بڑا سوداگر بننا چاہا، پانچ چھ سو سودی نکلوا کر لگا دیے ــــ یا گھر میں زیور وغیرہ موجود ہے جسے بیچ کر روپیہ حاصل کر سکتے ہیں، نہ بیچا، بلکہ سودی قرض لیا ــــ وعلی ھذا القیاس صدہا صورتیں ہیں کہ یہ ضرورتیں نہیں، تو ان میں حکم جواز نہیں ہو سکتا، اگرچہ لوگ اپنے زعم میں ضرورت سمجھیں ــــ ولہٰذا قوت اہل و عیال کے لیے سودی قرض لینے کی اجازت اسی وقت ہو سکتی ہے جب اس کے بغیر کوئی طریقہ بسر اوقات کا نہ ہو ــــ نہ کوئی پیشہ جانتا ہو ــــ نہ نوکری ملتی ہے جس کے ذریعہ سے دال روٹی اور موٹا کپڑا محتاج آدمی کی بسر کے لائق مل سکے ــــ ورنہ اس قدر پا سکتا ہے تو سودی روپے سے تجارت، پھر وہی تونگری کی ہوس ہوگی، نہ ضرورت قوت ــــ رہا ادائے قرض کی نیت سے سودی قرض لینا ــــ اگر جانتا ہے کہ اب ادا نہ ہوا تو قرض خواہ قید کرائے گا جس کے باعث بال بچوں کو نفقہ نہ پہنچ سکے گا اور ذلت و خواری علاوہ، اور فی الحال اس کے سوا کوئی شکل ادا نہیں تو رخصت دی جائے گی کہ ضرورت متحقق ہولی ــــ حفظ نفس و تحصیل قوت کی ضرورت تو خود ظاہر، اور ذلت[3] و مطعونی سے بچنا بھی ایسا امر ہے جسے شرع نے بہت مہم سمجھا اور اس کے لیے بعض محظورات کو جائز فرمایا ــــ مثلاً شریر شاعر جو امرا کے پاس قصائد مدح لکھ کر لے جاتے ہیں کہ خاطر خواہ انعام نہ پائیں تو ہجو سنائیں ــــ انھیں اگرچہ وہ انعام لینا حرام ہے اور جس چیز کا لینا جائز نہیں دینا بھی روا نہیں، پھر یہ لوگ کہ

---

(۱) الاشباہ والنظائر، الفن الاول، القاعدة الخامسة، ج:۱، ص:۱۲۶، ادارة القرآن، کراچی۔ ترجمہ: الاشباہ والنظائر، قنیہ اور بغیہ میں ہے کہ محتاج کے لیے سود پر قرض لینا جائز ہے۔

(۲) غمز عیون البصائر، الفن الاول، القاعدة الخامسة، ج:۱، ص:۱۲۶، ادارة القرآن، کراچی۔ ترجمہ: غمز میں فرمایا: اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً وہ دس دینار قرض لے اور قرض دہندہ کے لیے یومیہ کچھ نفع مقرر کرے۔

(۳) ظاہر ہے کہ یہ ذلت ظلماً پہنچے گی، کہ مفلس کو مہلت دینی شرع نے واجب کی ۱۲ منہ۔

اپنی آبرو بچانے کو دیتے ہیں خاص رشوت دیتے ہیں اور رشوت دینا صریح حرام —— بایں ہمہ شرع نے حفظ آبرو کے لیے انھیں دینا، دینے والے کے حق میں روا فرمایا، اگر چہ لینے والے کو بدستور حرام محض ہے۔

اور اگر اس مفلس قرض دار کو قرض خواہ کی طرف سے اس قسم کے اندیشے نہیں، بلکہ صرف حساب آخرت پاک کرنا چاہتا ہے، تو ایسی حالت میں سودی قرض لینے کی اجازت مقاصد شرع سے سخت بعید ہے —— قرض دار جب مفلس ہو تو شرع قرض خواہ پر واجب کرتی ہے کہ انتظار کرے اور جب تک اسے استطاعت نہ ہو، مہلت دے —— قال اللہ تعالیٰ: وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ۔ (۱)

اور قرض دار کو حکم دیتی ہے کہ حتی الامکان ادا میں کوشش کرے اور ہر وقت سچے دل سے ادا کی نیت رکھے، مفلسی کو پروانۂ معافی نہ ٹھہرا لے، کہ اب ہم سے کوئی کیا لے گا —— جب ایسی سچی نیت رکھے گا اور اپنی چلتی فکر ادا میں جو بروجہ شرعی ہو، گئی نہ کرے گا تو اس سے زیادہ شرع اسے تکلیف نہیں دیتی —— قال اللہ تعالیٰ: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ (۲)

پھر اگر اسی حال پر مر گیا اور ادا نہ ہو سکا تو امید قوی ہے کہ ارحم الراحمین جل جلالہ درگزر فرما کر قرض خواہ کے مطالبہ سے نجات بخشے گا۔ حضور سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں : من أخذ اموال الناس یرید أداء ھا أدی اللہ عنہ، ومن أخذھا یرید إتلافھا أتلفہ اللہ. —— جو لوگوں کے مال بہ نیت ادا لے اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا فرما دے اور جو تلف کر دینے کے ارادے سے لے اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کر دے۔ اخرجہ احمد والبخاری وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ. (۳)

اور فرماتے ہیں ﷺ : من ادّان دینا ینوی قضائہ اداہ اللہ یوم القیمۃ. —— جو کوئی دین لے کہ اس کے ادا کی نیت رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کی طرف سے ادا فرما دے گا۔ اخرجہ الطبرانی فی الکبیر عن میمونۃ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا باسناد صحیح. (۴)

اور فرماتے ہیں ﷺ: میرا جو امتی کسی دَین کا بار اٹھائے، پھر اس کے ادا میں کوشش کرے، پھر بے

---

(۱) پارہ:۳، البقرۃ:۲، آیت :۲۸۰۔ ترجمہ: اور اگر قرض دار تنگی والا ہے تو اسے مہلت دو آسانی تک۔ (کنزالایمان)

(۲) پارہ:۳، البقرۃ:۲، آیت :۲۸۶۔ ترجمہ: اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا، مگر اس کی طاقت بھر۔ (کنزالایمان)

(۳) صحیح البخاری، کتاب فی الاستقراض الخ، باب من اخذ اموال الناس الخ، ج:۱، ص:۳۲۱، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔

(۴) المعجم الکبیر، حدیث:۱۰۴۹، ج:۲۳، ص:۴۳۲، المکتبۃ الفیصلیۃ، بیروت، لبنان۔

ادا کیے مرجائے تو میں اس کا ولی و کفیل کار ہوں۔ ـــــ رواہ احمد باسناد جید وابو یعلی والطبرانی فی الاوسط عن ام المؤمنین الصدیقة رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ (۱)

اور ایک حدیث میں ہے، حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: جو کسی دَین کا معاملہ کرے اور دل میں اس کے ادا کا ارادہ رکھے، پھر مرجائے تو اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے اور اس کے قرض خواہ کو جیسے چاہے راضی کردے۔ الحدیث. ـــــ رواہ الحاکم و بنحوہ الطبرانی فی الکبیر عن ابی امامة رضی اللہ تعالیٰ عنہ. (۲)

غرض بعد نیک نیتی کے پاکی حساب کی ویسے ہی امید ہے، باقی شرع مطہر سے اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ ادائے قرض کے لیے کسی ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنے کو جائز فرمایا ہو ـــــ اور بیشک سودی قرض لینا ناجائز طریقہ ہے ـــــ بلکہ علما تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ عورت اگر مارے سے بھی نماز نہ پڑھے، طلاق دے دے، اگرچہ اس کا مہر دینے پر قادر نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ سے اس حال پر ملنا کہ اس کا مطالبۂ مہر اس کی گردن پر ہو، اس سے بہتر ہے کہ ایک بے نمازی عورت سے صحبت کرے۔

دیکھو عورت کا نماز نہ پڑھنا اس کا کوئی گناہ نہیں جب کہ وہ اس کی ہدایت و تنبیہ کسی طرح نہیں مانتی، بایں ہمہ اسے گوارا نہ کیا گیا اور قرض دار مرنے کو اس سے آسان سمجھا، تو سودی قرض لینا کہ جو خود اس کا گناہ ہے کیوں کر گوارا کیا جائے گا اور قرض دار مرنا اس کی نسبت آسان نہ ہو گا۔ ـــــ ھذا کلہ ماظھرلی وارجوان یکون صوابا ان شاء اللہ.

رہی ضمانت وہ در حقیقت قرض ملنے پر اعانت ہے، اگر اس محتاج کو سودی قرض لینا شرعاً جائز تھا تو اصل روپے کی ضمانت میں کوئی حرج نہیں کہ جائز بات میں ایک مسلمان بھائی کی مدد کرتا ہے ـــــ اور ناجائز تھا تو ہرگز اصل کی بھی ضمانت نہ کرے کہ یہ معصیت پر اعانت ہوگی۔ قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوٰنِ۔ (۳) واللہ سبحنہ وتعالیٰ أعلم. (۴)

---

(۱) مسند احمد بن حنبل، ج:۶، ص:۷۴، دار الفکر، بیروت، لبنان۔

(۲) المستدرک للحاکم، کتاب البیوع، باب من تداین بدین الخ، ج:۲، ص:۳۲، دار الفکر، بیروت، لبنان۔

(۳) پارہ:۶، المائدۃ:۵، آیت:۲۔ ترجمہ: اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ (کنز الایمان)

(۴) فتاویٰ رضویہ، باب الربا، ج:۷، ص:۸۲ تا ص:۸۴، بحذف واختصار، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۷، ص:۲۹۸ تا ص:۳۰۴، بحذف واختصار، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

ہندوستان میں غیر مسلم سے سود کا لین دین:

ذی القعدہ ۱۳۲۹ھ میں ایک استفتا کیا گیا کہ: آیا سرزمین ہندوستان میں بحالت موجودہ مسلمانوں کو اپنی دینی اور قومی حالت سنوارنے کی غرض سے سود کا لین دین غیر مسلم سے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: "سود لینا دینا مطلقاً حرام ہیں ــــ قال اللہ تعالیٰ: وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔ [1] حدیث صحیح میں ہے: لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربٰو ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدہ وقال ھم سواء. [2]

رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود دینے والے اور سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہی دینے والوں پر۔ اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔ ــــ اللہ کی لعنت کے ساتھ دینی حالت سنورے گی یا اور بدتر ہوگی ــــ اور قومی دنیوی حالت سنبھلنا بھی معلوم ــــ اللہ عزوجل فرماتا ہے: یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ۔ [3] ــــ اللہ مٹاتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے زکات کو۔ جسے اللہ تباہ و برباد کرے وہ کیوں کر بڑھ سکتا ہے ــــ اور بالفرض کچھ دن کو ظاہری نگاہ میں بڑھے بھی تو جتنا بڑھے گا اللہ کی لعنت بڑھے گی ؎

مبادا دل آن فرومایہ شاد ‌‌ ‌ که از بهر دنیا دهد دین بباد [4]

اگر قرآن عظیم پر ایمان ہے تو سود کا انجام یقیناً تباہی و خسران ہے۔ ــــ سائل لین دین پوچھتا ہے، مسلمانوں کے پاس مال کہاں اور کفار بڑے بڑے مال دار، انھیں آپ سے سودی قرض لینے کی کیا ضرورت ہوگی ــــ اور اگر ہو بھی تو ان کی قوم کے ہزاروں لینے دینے کو موجود ہیں ــــ اور سود دینے میں قوم کا نفع ہے یا کفار کا ــــ سود دینے سے قومی حالت سنورتی تو لاکھوں مسلمان بنیوں کو سود دیتے اور اپنی جائدادوں کو تباہ کرتے ہیں، ہزار کا مال دو ڈھائی سو میں بہ جاتا ہے، کیا اسی کو حالت سنورنا کہتے ہیں ــــ نفع لینے کی بعض جائز صورتیں نکل سکتی ہیں جن میں کچھ کا ذکر ہمارے فتاویٰ اور بہت کا ہمارے رسالہ نوٹ میں ہے کہ مع ترجمہ چھپ رہا ہے ــــ مگر کسی کوٹھی کا کام فقط نفع لینے سے نہیں چلتا، اسے دینا

---

(۱) پارہ:۳، البقرۃ:۲، آیت:۲۷۵۔ ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا۔

(۲) صحیح مسلم، باب الربا، ج:۲، ص:۲۷، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان۔

(۳) پارہ:۳، البقرۃ:۲، آیت:۲۷۶۔

(۴) ترجمہ: اس کمینے کا دل خوش نہ ہو جو دنیا کی خاطر دین برباد کرتا ہے۔

بھی ضرور پڑتا ہے، اور معاملہ جب کفار سے ہو تو ان تینوں صورتوں کی پابندی دشوار ہے جن پر جواز کا مدار ہے ـــــ اور یوں سود دینا اگرچہ کافر کو ہو، قطعاً حرام واستحقاق نار ہے ـــــ ہاں! اگر نوٹ کا طریقہ جو ہم نے اس رسالہ میں لکھا، تجار میں رائج ہو جائے تو بلا شبہہ سود لینے دینے کی آفت اٹھ جائے اور لین دین کا عام بازار شرعی جواز کے ساتھ کھل جائے، و باللہ التوفیق ، واللہ تعالیٰ أعلم.(۱)

شکار کھیلنا کیسا ہے؟

ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ میں ایک سوال آیا کہ ”ایک شخص روز شکار بندوق کا شوقیہ کھیلتا ہے۔ ـــــ پس بحکم شرع شریف کے کس قدر شکار کھیلنا جائز ہے اور کس وقت میں؟ ـــــ اور وہ شکاری ہر روز شکار کھیلنے سے گنہ گار ہوتا ہے یا نہیں؟

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس کا جواب ان الفاظ میں رقم فرمایا: ”شکار کہ محض شوقیہ بغرض تفریح ہو، جسے ایک قسم کا کھیل سمجھا جاتا ہے، ولہذا شکار کھیلنا کہتے ہیں ـــــ بندوق کا ہو، خواہ مچھلی کا ـــــ روزانہ ہو، خواہ گاہ گاہ۔ مطلقا بالاتفاق حرام ہے۔ ـــــ حلال وہ ہے جو بغرض کھانے یا دوا یا کسی اور نفع یا کسی ضرر کے دفع کو ہو ـــــ آج کل بڑے بڑے شکاری جو اتنی ناک والے ہیں کہ بازار سے اپنی خاص ضرورت کے کھانے یا پہننے کی چیزیں لانے کو جانا اپنی کسر شان سمجھیں ـــــ یا نرم ایسے کہ دس قدم دھوپ میں چل کر مسجد میں نماز کے لیے حاضر ہونا مصیبت جانیں ـــــ وہ گرم دوپہر، گرم لو میں، گرم ریت پر چلنا اور ٹھہرنا، اور گرم ہوا کے تھپیڑے کھانا گوارا کرتے اور دو دو پہر، بلکہ دو دو دن شکار کے لیے گھر بار چھوڑے پڑے رہتے ہیں ـــــ کیا یہ کھانے کی غرض سے جاتے ہیں، حاشا و کلا بلکہ وہی لہو ولعب ہے اور بالاتفاق حرام ـــــ ایک بڑی پہچان یہ ہے کہ ان شکاریوں سے اگر کہیے مثلاً مچھلی بازار میں بھی ملے گی، وہاں سے لے لیجیے، ہرگز قبول نہ کرسکیں گے ـــــ یا کہیے کہ اپنے پاس سے لائے دیتے ہیں، کبھی نہ مانیں گے ـــــ بلکہ شکار کے بعد خود اس کے کھانے سے بھی چنداں غرض نہیں رکھتے، بانٹ دیتے ہیں، تو یہ جانا یقیناً وہی تفریح و حرام ہے۔ ـــــ درمختار میں ہے: الصيد مباح الا للتلهي كما هو ظاهر.(۲)

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، باب الربا، ج:۷، ص:۹۷، ۹۸، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۷، ص:۳۳۵، ۳۳۶، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۲) درمختار شرح تنویر الابصار، کتاب الصید، ج:۲، ص:۲۶۱، مطبع مجتبائی، دہلی۔ ترجمہ: شکار مباح ہے، مگر لعب کے طور پر مباح نہیں، جیسا کہ ظاہر ہے۔

ـــــ اسی طرح اشباہ وبزازیہ ومجمع الفتاوی وغنیہ ذوی الاحکام وتاتارخانیہ وردالمحتار وغیرہا عامہ اسفار میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم.(۱)

اولاد پر باپ کا حق زیادہ ہے یا ماں کا؟

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ سے ایک مسئلہ یہ دریافت کیا گیا ہے کہ: اولاد پر حق پدر زیادہ ہے یا حق مادر؟"۔ــــ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: اولاد پر باپ کا حق نہایت عظیم ہے ــــ اور ماں کا حق اس سے اعظم ــــ قال اللہ تعالی: وَوَصَّیْنَا الْاِنْسٰنَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا۔(۲) ــــ اور ہم نے تاکید کی آدمی کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کی ــــ اسے پیٹ میں رکھے رہی اس کی ماں تکلیف سے ــــ اور اسے جنا تکلیف سے ــــ اور اس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھٹنا تیس مہینے میں ہے۔

اس آیت کریمہ میں رب العزت نے ماں باپ دونوں کے حق میں تاکید فرماکر، ماں کو پھر خاص الگ کرکے گنا ــــ اور اس کی ان سختیوں اور تکلیفوں کو جو اسے حمل وولادت اور دو برس تک اپنے خون کا عطر پلانے میں پیش آئیں جن کے باعث اس کا حق بہت اشد واعظم ہوگیا، شمار فرمایا ــــ اسی طرح دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: وَوَصَّیْنَا الْاِنْسٰنَ بِوَالِدَیْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ۔(۳) ــــ اور تاکید کی ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے حق میں ــــ کہ پیٹ میں رکھا اسے اس کی ماں نے سختی پر سختی اٹھاکر ــــ اور اس کا دودھ چھٹنا دو برس میں ہے ــــ یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔

یہاں ماں باپ کے حق کی کوئی نہایت نہ رکھی کہ انھیں اپنے حق جلیل کے ساتھ شمار کیا ــــ فرماتا ہے: شکر بجالا میرا اور اپنے ماں باپ کا ــــ اللہ اکبر، اللہ اکبر وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم.

یہ دونوں آیتیں اوراسی طرح بہت حدیثیں دلیل ہیں کہ ماں کا حق باپ کے حق سے زائد ہے

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، کتاب الصید، ج:۸، ص:۳۷۹، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/فتاویٰ رضویہ مترجم، کتاب الصید، ج:۲۰، ص:۳۴۱، ۳۴۲، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۲) پارہ:۲۶، الاحقاف:۴۶، آیت:۱۵۔

(۳) پارہ:۲۱، لقمان:۳۱، آیت:۱۴۔

—— ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں :سألت رسول الله ﷺ ای الناس اعظم حقا علی المرأة ؟ قال زوجها. قلت: فای الناس اعظم حقا علی الرجل؟قال:امه.[1]
—— یعنی میں نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کی: عورت پر سب سے بڑا حق کس کا ہے؟ —— فرمایا: شوہر کا۔ —— میں نے عرض کی :اور مرد پر سب سے بڑا حق کس کا ہے؟ —— فرمایا: اس کی ماں کا —— رواہ البزار بسند حسن والحاکم.

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جاء رجل الیٰ رسول الله ﷺ فقال یارسول الله ﷺ!من احق الناس بحسن صحابتی ؟.قال:امك.قال:ثم من ؟قال: امك.قال:ثم من؟ قال: امك.قال: ثم من؟ قال:ابوك.[2]

ایک شخص نے خدمت اقدس حضور پر نور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ میں حاضر ہوکر عرض کی: یارسول اللہ !سب سے زیادہ کون اس کا مستحق ہے کہ میں اس کے ساتھ نیک رفاقت کروں؟ فرمایا :تیری ماں ——عرض کی: پھر ——فرمایا:تیری ماں ——عرض کی: پھر ——فرمایا :تیری ماں —— عرض کی:پھر ——فرمایا: تیرا باپ—— رواہ الشیخان فی صحیحهما.

تیسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: أوصى الرجلَ بامه أوصى الرجل بامه أوصى الرجل بامه أوصى الرجل بابيه.[3] —— میں ایک آدمی کو وصیت کرتا ہوں، اس کی ماں کے حق میں —— وصیت کرتا ہوں، اس کی ماں کے حق میں —— وصیت کرتا ہوں، اس کی ماں کے حق میں ——وصیت کرتا ہوں، اس کے باپ کے حق میں —— رواہ الامام احمد وابن ماجة والحاکم والبیهقی فی السنن عن ابی سلامة.

مگر اس زیادت کے یہ معنی ہیں کہ خدمت میں، دینے میں، باپ پر ماں کو ترجیح دے ——مثلاً سو روپے ہیں اور کوئی وجہ خاص مانع تفضیل مادر نہیں تو باپ کو پچیس دے، ماں کو پچھتر —— یا ماں باپ دونوں نے ایک ساتھ پانی مانگا تو پہلے ماں کو پلائے، پھر باپ کو ——یا دونوں سفر سے آئے ہیں، پہلے ماں کے پاؤں دبائے، پھر باپ کے —— وعلیٰ هذا القیاس —— نہ یہ کہ اگر والدین میں باہم

---

(۱) المستدرک للحاکم، کتاب البر والصلۃ، اعظم الناس حقا علی الرجل امہ، ج:۴، ص:۱۷۵، دار الفکر، بیروت، لبنان۔
(۲) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب من احق الناس بحسن الصحبۃ، ج:۲، ص:۸۸۳، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔
(۳) مسند احمد بن حنبل، ج:۴، ص:۳۱۱، المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان۔

تنازع ہو تو ماں کا ساتھ دے کر معاذ اللہ باپ کے درپے ایذا ہو —— یا اس پر کسی طرح درشتی کرے —— یا اسے جواب دے —— یا بے ادبانہ آنکھ ملا کر بات کرے —— یہ سب باتیں حرام اور اللہ عزوجل کی معصیت ہیں —— اور اللہ تعالیٰ کی معصیت میں نہ ماں کی اطاعت ہے، نہ باپ کی —— تو اسے ماں باپ میں سے کسی کا ایسا ساتھ دینا ہرگز جائز نہیں —— وہ دونوں اس کی جنت و نار ہیں —— جسے ایذا دے گا، دوزخ کا مستحق ہوگا والعیاذ باللہ —— معصیت خالق میں کسی کی اطاعت نہیں —— اگر مثلاً ماں چاہتی ہے کہ یہ باپ کو کسی طرح کا آزار پہنچائے اور یہ نہیں مانتا تو وہ ناراض ہوتی ہے، ہونے دے اور ہرگز نہ مانے —— ایسے ہی باپ کی طرف سے ماں کے معاملہ میں —— ان کی ایسی ناراضیاں کچھ قابل لحاظ نہ ہوں گی کہ یہ ان کی نری زیادتی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی چاہتے ہیں —— بلکہ ہمارے علمائے کرام نے یوں تقسیم فرمائی ہے کہ خدمت میں ماں کو ترجیح ہے جس کی مثالیں ہم لکھ آئے ہیں، اور تعظیم باپ کی زائد ہے کہ وہ اس کی ماں کا بھی حاکم و آقا ہے۔ (۱)

سائل کو باادب ہونا چاہیے:

ماہ شعبان ۱۳۲۲ھ میں ایک سوال ہوا کہ "**کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین** اس مسئلہ میں کہ ایک سائل کوچہ و بازار میں پھرتا ہے اور ہر ایک سے سوال کرتا ہے کہ مجھے اللہ کے واسطے روٹی یا کپڑا یا پیسہ دو۔ بعض دیتے ہیں اور اکثر نہیں دیتے —— نیز ایک شخص کسی دوسرے شخص سے کہتا ہے کہ تو اپنی بیٹی کا اللہ کے واسطے میرے ساتھ نکاح کر دے، لیکن وہ نہیں کرتا —— نیز ایک شخص کسی صاحب ریاست و امارت سے کہتا ہے کہ ایک ہزار روپیہ مجھے اللہ کے واسطے دے دے، مگر وہ نہیں دیتا —— ان میں ہر شخص کے واسطے ازروے شرع شریف کیا حکم ہے؟ یہ سوالات خالصاً لوجہ اللہ ہیں —— **اس میں رو رعایت کسی کی نہ پائی جائے** —— جو شرع شریف کا حکم ہو، وہ بیان فرمائیے۔ (مختصراً)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اس کے جواب میں چند احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: " علمائے کرام نے بعد توفیق و تطبیق احادیث یہ حکم منقح فرمایا کہ اللہ عزوجل کا واسطہ دے کر سوا اخروی، دینی شے کے کچھ نہ مانگا جائے —— اور مانگنے والا اگر خدا کا واسطہ دے کر مانگے اور دینے والے کا اس شے کے دینے میں کوئی حرج دینی یا دنیوی نہ ہو، تو مستحب و موکد دینا ہے، ورنہ نہ دے —— بلکہ امام عبداللہ بن

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۹، نصف اول، کتاب الحظر والاباحۃ، رسالہ " الحقوق لطرح العقوق (۱۳۰۷ھ) " ص:۵۹، ۶۰، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/ فتاویٰ رضویہ مترجم، کتاب الحظر والاباحۃ، ج:۲۴، ص:۳۸۷ تا ص:۳۹۰، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو خدا کا واسطہ دے کر مانگے، مجھے یہ خوش آتا ہے کہ اسے کچھ نہ دیا جائے یعنی تاکہ یہ عادت چھوڑ دے۔ —— اس تفصیل سے سب سوالات کا جواب واضح ہو گیا —— جو خدا کا واسطہ دے کر بیٹی مانگے اور اس سے مناکحت کسی دینی یا دنیوی مصلحت کے خلاف ہے —— یا دوسرا اس سے بہتر ہے تو ہرگز نہ مانا جائے؛ کہ دختر کے لیے صلاح واصلح کا لحاظ اس بیباک سے اہم واعظم ہے —— اور روپیہ پیسہ دینے میں اپنی وسعت وحالت اور سائل کی کیفیت وحاجت پر نظر درکار ہے —— اگر یہ سائل قوی، تندرست، گدائی کا پیشہ ور، جوگیوں کی طرح ہے تو ہرگز ایک پیسہ نہ دے —— کہ اسے سوال حرام اور اسے دینا حرام پر اعانت کرنا ہے —— دینے والا گنہ گار ہو گا —— اور اگر صاحب حاجت ہے اور جس سے مانگا، اس کا عزیز وقریب بھی حاجت مند ہے اور اس کے پاس اتنا نہیں کہ دونوں کی مواسات کرے تو اقربا کی تقدیم لازم ہے —— ورنہ بقدر طاقت ووسعت ضرور دے اور روگردانی نہ کرے —— یہ سوالات کا جواب تھا —— **اور اتنی بات اور گزارش ہے** کہ بے ادب سائل ہونا نہ چاہئے —— سوال کیا جائے علمائے کرام سے کہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین —— اور آخر میں یہ ہدایت کی جائے کہ رورعایت کسی کی نہ پائی جائے —— یہ کھلی دَریدہ دہنی ہے —— علمائے دین ومفتیان شرع متین کو کسی کی رُورعایت سے کیا تعلق —— جو احکام الٰہیہ ہیں بتاتے ہیں —— جو کسی کی رُورعایت سے معاذاللہ قصداً غلط حکم بتائیں، وہ علمائے دین کب ہوئے، نائبان شیاطین ہوئے —— عوام پر علمائے دین کا ادب، باپ سے زیادہ فرض ہے —— رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ثلٰثة لا یستخف بحقھم الا المنافق بین النفاق ذو الشیبة فی الاسلام والامام المقسط ومعلم الخیر.(۱)

تین شخص ہیں جن کے حق کو ہلکا نہ جانے گا، مگر منافق، کھلا منافق، ازان جملہ ایک بوڑھا مسلمان، دوسرا عالم کہ مسلمان کو نیک بات بتائے، تیسرا بادشاہ مسلمان عادل۔ رواہ ابو الشیخ فی التوبیخ عن جابر والطبرانی فی الکبیر بسند حسن عن ابی امامة رضی اللہ تعالیٰ عنھما.

پہلے بھی ایک سوال میں یہ تنبیہ وتوبیخ کے کلمات اس سائل نے لکھے تھے، اس پر چشم پوشی کی گئی —— اب یہ دوسری بار ہے؛ لہٰذا اطلاع دی گئی —— سائل کو اگر ان الفاظ کے لکھنے کی ضرورت ہے ہی تو شروع سوال میں کیا فرماتے ہیں علمائے دین، مطلق نہ لکھا کرے، جس سے توہین علما پیدا ہو —— بلکہ

(۱) المعجم الکبیر، ج:۸، ص:۲۳۸، حدیث:۷۸۱۹، المکتبۃ الفیصلیۃ، بیروت، لبنان۔

خاص اس فقیر کا نام لکھ کر، اخیر میں جیسے الفاظ چاہے لکھے —— واللہ الھادی ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔[1]

محفل میلاد اور قیام:

مولانا ابونصر حکیم محمد یعقوب حنفی قادری، رام پوری کا ایک فتویٰ بنام "شمس السالکین" اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے پاس آیا، آپ نے اس کا مطالعہ کیا اور اس پر مجلس میلاد اور قیام کے تعلق سے جو رقم فرمایا، وہ بجاے خود ایک بہترین وعظ اور موثر نصیحت ہے؛ اس لیے ہم اسے یہاں نقل کرتے ہیں:

"مجلس مبارک وقیام اہلِ محبت کے نزدیک تو اصلاً محتاجِ دلیل نہیں۔ اہلِ حجت میں جو انصاف پر آئیں قرآن عظیم قولِ فیصل و حاکم عدل ہے —— اللہ عزوجل فرماتا ہے: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔[2] —— اور فرماتا ہے: وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ۔[3] —— اور فرماتا ہے: وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾[4] —— اور فرماتا ہے: اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۸﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ۔[5] —— اور فرماتا ہے: فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾[6] —— اور فرماتا ہے: لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾[7]

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۰، ص:۹۱، ۹۲، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۲۵، ص:۲۱۳۰ تا ص:۲۱۶، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۲) پارہ:۱۱، یونس:۱۰، آیت:۵۸۔ ترجمہ: تم فرماؤ: اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہئے کہ خوشی کریں۔ (کنزالایمان)۔

(۳) پارہ:۱۳، ابراہیم:۱۴، آیت:۵۔ ترجمہ: اور انھیں اللہ کے دن یاد دلا۔ (کنزالایمان)۔

(۴) پارہ:۳۰، الضحیٰ:۹۳، آیت:۱۱۔ ترجمہ: اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ (کنزالایمان)۔

(۵) پارہ:۲۶، الفتح:۴۸، آیت:۸، ۹۔ ترجمہ: بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر وناظر اور خوشی اور ڈر سناتا؛ تاکہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو۔ (کنزالایمان)۔

(۶) پارہ:۹، الاعراف:۷، آیت:۱۵۷۔ ترجمہ: تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اُترا وہی بامراد ہوئے۔ (کنزالایمان)۔

(۷) پارہ:۶، المائدۃ:۵، آیت:۱۲۔ ترجمہ: ضرور اگر تم نماز قائم رکھو اور زکوۃ دو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو اور اللہ کو قرض حسن دو، تو بے شک میں تمھارے گناہ اُتار دوں گا اور ضرور تمہیں باغوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں رواں پھر اس کے بعد جو تم میں سے کفر کرے وہ ضرور سیدھی راہ سے بہکا۔ (کنزالایمان)

پہلی تینوں آیتوں میں حکم فرماتا ہے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر شادیاں مناؤ —— لوگوں کو اللہ کے دن یاد دلاؤ —— اللہ کی نعمت کا خُوب چرچا کرو۔ —— اللہ کا کون سا فضل و رحمت، کون سی نعمت اس حبیب کریم علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوۃ والتسلیم کی ولادت سے زائد ہے کہ تمام نعمتیں، تمام رحمتیں، تمام برکتیں، اسی کے صدقے میں عطا ہوئیں —— اللہ کا کون سا دن اس نبی اکرم ﷺ کے ظہور پر نور کے دن سے بڑا ہے —— تو بلا شبہہ قرآن کریم ہمیں حکم دیتا ہے کہ ولادتِ اقدس پر خوشی کرو —— مسلمانوں کے سامنے اُسی کا چرچا خوب زور شور سے کرو —— اسی کا نام مجلس میلاد ہے۔

بعد کی تین آیتوں میں اپنے رسولوں خصوصا سید الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم کی تعظیم کا حکم مطلق فرماتا ہے، اور قاعدہ شرعیہ المطلق یجری علیٰ اِطلاقہ۔[1] —— جو بات اللہ عزوجل نے مطلق ارشاد فرمائی، وہ مطلق حکم عطا کرے گی —— جو جو کچھ اس مطلق کے تحت میں داخل ہے سب کو وہ حکم شامل ہے —— بلا تخصیص شرع جو اپنی طرف سے کتاب اللہ تعالیٰ کے مطلق کو مقید کرے گا تو وہ کتاب اللہ کو منسوخ کرتا ہے —— جب ہمیں تعظیم حضور اقدس ﷺ کا حکم مطلق فرمایا، تو جمیع طرق تعظیم کی اجازت ہوئی، جب تک کسی خاص طریقے سے شریعت منع نہ فرمائے۔

یوں ہی رحمت پر فرحت —— ایامِ الٰہی کا تذکرہ —— نعمتِ ربانی کا چرچا —— یہ بھی مطلق ہیں، جس جس طریقہ سے کیے جائیں سب امتثال امر الٰہی ہیں، جب تک شرع مطہر کسی خاص طریقہ پر انکار نہ فرمائے۔

تو روشن ہوا کہ مجلس و قیام پر خاص دلیل، نام لے کر چاہنا —— یا بعینہ اُن کا قرون ثلثہ میں وجود تلاش کرنا —— نِری اوندھی مت ہی نہیں، بلکہ قرآن مجید کو اپنی رائے سے منسوخ کرنا ہے —— اللہ عزوجل تو مطلق حکم فرمائے اور منکرین کہیں کہ وہ مطلق کہا کرے، ہم تو خاص وہ صورت جائز مانیں گے جسے بالتخصیص نام لے کر جائز کیا ہو —— یا جس کا بہیئت کذائی قرون ثلثہ میں وجود ہوا ہو۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ۔

عقل و دین رکھتے تو جو طریقہ اظہارِ فرحت و تذکرۂ نعمت و تعظیم سرکار رسالت دیکھتے، اس میں یہ تلاش کرتے کہ کہیں خاص اس صورت کو اللہ و رسول نے منع تو نہیں فرمایا —— اگر اُس کی خاص ممانعت نہ پاتے، یقین جانتے کہ یہ انھیں احکام کی بجا آوری ہے جو اُن آیات کریمہ میں گزرے —— مگر آدمی دل سے مجبور ہے —— محبوب کا چرچا، محب کا چین —— اور اس کی تعظیم، آنکھوں کی ٹھنڈک —— اور جس دل

(۱) التوضیح والتلویح، ج:۱، ص:۱۲۹، فصل: حکم المطلق، مطبع میر محمد، کراچی۔ ترجمہ: مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے۔

میں غیظ بھرا ہے، وہ آپ ہی ذکر سے بھی جلے گا—— تعظیم سے بھی بگڑے گا—— دوست، دشمن کی یہ بڑی پہچان ہے—— آخر نہ دیکھا کہ دل کی دبی نے بھڑک کر کہاں تک پھونکا—— جانتے ہو کہ اب یہ منکران مجلس وقیام کون ہیں؟

ہاں ہاں! وہی ہیں جو اول تو اتنا کہتے تھے کہ وہ بڑے بھائی، ہم چھوٹے بھائی—— ان کی سروری ایسی ہی ہے جیسے گاؤں کا پدھان یا قوم کا چودھری —— اُن کی تعریف ایسی ہی کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کی کرتے ہو—— بلکہ اس سے بھی کم—— باتوں، مثالوں میں چوڑھے چمار سے تشبیہ بھی دے بھاگتے تھے کہ یہ سب اور ان سے بہت زائد، ان کی دھرم پوتھی "تقویۃ الایمان" میں مصرح ہیں—— اور اب تو اور بھی کھیل کھیلے کہ ان کے علم سے شیطان کا علم زیادہ ہے —— جیسا علم غیب ان کو ہے ایسا تو ہر پاگل ہر چوپائے کو ہوتا ہے—— وغیرہ وغیرہ کلماتِ ملعونہ۔

مسلمانو! یہ ہیں جو آج تمھارے سامنے مجلس مبارک وقیام سے منکر ہیں—— اب تو سمجھو کہ علتِ انکار کیا ہے—— واللہ، واللہ! لبغضِ محمد رسول اللہ ﷺ—— دیکھو! خبر دار! ہوشیار! یہ ہیں وہ جن کی خبر حدیث میں دی تھی کہ ذیاب فی ثیاب.—— بھیڑیئے ہوں گے کپڑے پہنے، یعنی ظاہر میں انسانی لباس اور باطن میں گرگ خنّاس۔

اے مصطفیٰ ﷺ کی بھولی بھیڑو! اپنے دشمن کو پہچانو—— نہیں نہیں، تمھارے دشمن نہیں —— تمھارے پیارے مالک ﷺ کے دشمن جنھوں نے وہ ملعون گالیاں محمد رسول اللہ ﷺ کی شانِ اقدس میں لکھیں—— چھاپیں اور آج تک اُن پر مصر ہیں—— ان کی عداوتِ شدیدہ تو ظاہر ہو گئی اور وہ جو اُن کے دلوں میں چھپی ہے، بہت زائد ہے —— قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ۔ (۱)

جو بظاہر اُن خبیث گالیوں کے خود مرتکب نہیں ان سے پوچھ دیکھیے کہ جن خبثا نے مصطفیٰ ﷺ کو یوں منہ بھر کر گالیاں دیں وہ مسلمان رہے یا کافر ہو گئے—— دیکھو! ہر گز ہر گز انھیں کافر نہ کہیں گے، بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کے مقابل اُلٹے اُن کی حمایت کو تیار ہو جائیں گے—— تاویلیں گھڑیں گے—— بات بنائیں گے—— حالاں کہ علمائے کرام حرمین شریفین بالاتفاق اُن تمام دشنامیوں کو ایک ایک کا نام

---

(۱) پارہ :۴، آل عمران :۳، آیت :۱۱۸۔ ترجمہ: بیران کی باتوں سے جھلک اُٹھا اور وہ جو سینے میں چھپائے ہیں اور بڑا ہے۔ (کنز الایمان)۔

لے کر فرما چکے کہ من شک فی عذابہ وکفرہ فقد کفر۔ [۱] ــــــ جو ان کے عذاب اور کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

مسلمانو! جب نوبت یہاں تک پہنچ چکی، پھر اُسے مجلس یا قیام یا کسی مسئلۂ اسلام میں بحث کا کیا موقع رہا ــــــ کافروں، مرتدوں کو اسلامی مسائل میں دخل دینے کا کیا حق ــــــ مگر یہ ساری دقت اس کی ہے کہ بھائیو تم نے محمد رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کو ابھی نہ پہچانا ــــــ ان کے پاس بیٹھتے ہو ــــــ ان کی بات سنتے ہو ــــــ ان کی تحریریں دیکھتے ہو ــــــ دیکھو! یہ تمھارے حق میں زہر ہے ــــــ دیکھو! تمھارے پیارے مولیٰ ﷺ کہ واللہ تم سے بڑھ کر تم پر مہربان ہیں، تمھیں ارشاد فرما رہے ہیں کہ:

فایّاکم وایّاھم لایضلونکم ولایفتنونکم۔ [۲] ــــــ اُن سے دور بھاگو، انھیں اپنے سے دُور کرو، کہیں وہ تمھیں گمراہ نہ کر دیں، کہیں وہ تمھیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ.

بھائیو! مصطفی ﷺ کے دامن سے لپٹا رہنا اچھا ہے یا معاذ اللہ، ان کے دشمن کے پھندے میں پڑنا ــــــ اللہ تعالیٰ اُن کا دامن نہ چھڑائے دنیا میں نہ آخرت میں ــــــ آمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومولٰینا محمد والہ وصحبہ اجمعین آمین. [۳]

فلسفہ اور اسلام:

ایک فلسفی کے تعلق سے نواب مولوی سلطان احمد صاحب نے یکم رجب ۱۳۰۴ھ میں اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں درج ذیل استفتا کیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رائے بیضا ضیائے حضرات علمائے دین اَدام اللہ برکاتھم اِلیٰ یوم الدین پر واضح ہو کہ ان روزوں (دنوں) زید فلسفی نے کہ اپنے آپ کو سنی کہتا، بلکہ اعلم علمائے اہل سنت جانتا اور اپنے سوا اور علما کو بہ نگاہِ تحقیر واہانت دیکھتا ہے۔ ایک کتاب منطق میں [بنام: المنطق الجدید لناطق الکنّا لہ الحدید] تالیف کی اور اسے جابجا ذکر ہیولیٰ وقدم اشیا وعقولِ عشرہ ومزعومۂ فلاسفہ وغیر ذلک مسائل فلسفیہ سے مملو ومشحون کیا۔ یہ خادم سنت، بہ نظر حمایتِ ملت اس سے چند اقوال التقاط کر کے مَشہد انظار عالیہ علمائے دین میں حاضر کرتا ہے (اس

(۱) حسام الحرمین، ص:۹۴، مکتبہ اہل سنت، بریلی۔
(۲) صحیح مسلم، باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء، ج:۱، ص:۱۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔
(۳) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۱، ص:۶۷تا ص:۶۹، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۲۹، ص:۲۴۹تا ص:۲۵۲، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

کے بعد قریب دو صفحات میں اس کے اقوال نقل کر کے لکھتے ہیں:) آیا یہ اقوال شرعاً صحیح یا باطل؟ —— اور یہ مدح حِلیۂ صواب سے مُتحلّی یا عاطل؟ —— اور اس نام میں کوئی محذورِ شرعی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا.

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس فلسفی کے اقوال باطلہ کا رد اور اس کے بارے میں حکم شرعی واضح کرتے ہوئے بڑی تفصیل سے جواب رقم فرمایا اور "مقامع الحدید علیٰ خد المنطق الجدید[۱۳۱٤ھ]" اس کا تاریخی نام رکھا، پھر آخر میں تحریر فرمایا:

بالجملہ حکمِ اخیر یہ ہے: کہ زید کے اقوال مذکورہ بعض حرام وگناہ —— اور بعض بدعت و ضلالت —— اور اکثر خاص کلماتِ کفر والعیاذ باللہ تعالیٰ —— اور زید بہ حکم شرع فاسق، فاجر، مرتکب کبائر، بدعتی خاسر، گمراہ غادر —— اس قدر پر تو اعلیٰ درجہ کا یقین —— اس کے سوا اس پر حکم کفر وارتداد سے بھی کوئی مانع نظر نہیں آتا —— حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ سب کے کلمات —— بلکہ صحابہ و تابعین سے لے کر اِس زمانہ تک کے افتاء وقضیات، بالاتفاق یہی افادہ کرتے ہیں کما بیّنا فی "الْبَارِقَة اللَّمْعَا"

بالفرض اگر بہ ہزار دِقت کوئی بچتی ہوئی صورت نکل بھی سکی تو یہ بالجزم بیّن ومبین وصریح وظاہر کہ وہ اپنے ان اقوال کے سبب عامہ علمائے دین وجماہیر ائمۂ کاملین کے نزدیک کافر، اور اس پر احکامِ ارتداد جاری اور بے توبہ مرے تو جہنمی ناری۔ والعیاذ باللہ القدیر الباری۔

العظمۃ للہ! اس قدر کیا کم ہے۔ اعلام میں فرماتے ہیں:

لو تشبّہ بالمعلمین فأخذ خشبة وجلس القوم حوله کالصبیان فضحکوا واستھزؤا کفر. زاد فی الروضة: الصواب لا، ولا یغترّ بذٰلك فإنه یصیر مرتدًا علیٰ قولِ جماعة، وکفٰی بھذا خسارًا وتفریطا اھ ملتقطاً.(۱)

مع ہذا، شِفا شریف سے، اوپر منقول ہوا کہ: بعض اقوال اگرچہ فی نفسہ کفر نہیں مگر بار بار، بہ تکرار اُن کا صدور دلیل ہوتا ہے کہ قائل کے قلب میں اسلام کی عظمت نہیں۔ اُس وقت اس کے کفر میں زنہار

---

(۱) اعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ، ص:۳۶۲، الفصل الاوّل، مکتبۃ الحقیقۃ، دارالشفقۃ، ترکی۔ ترجمہ: اگر کوئی معلمین کی مشابہت اختیار کرتے ہوئے تخت پر بیٹھا اور لوگ بچوں کے مثل اس کے ارد گرد بیٹھ گئے اور ہنسی مذاق کرنے لگے تو وہ کافر ہوجائے گا۔ روضہ میں یہ اضافہ کیا کہ درست بات یہ ہے کہ کافر نہ ہوگا۔ اور تجھے یہ بات دھوکے میں نہ ڈالے؛ اس لیے کہ ایک بڑی جماعت کے قول پر وہ مرتد ہوجائے گا، اور اُسے یہ خسارہ ونقصان کافی ہے اھ۔

شک نہ ہوگا۔[1]

سُبحٰن اللہ ! پھر کفریاتِ خالصہ کا بہ ایں زور و شور، صُدور کیوں کر کفرِ قائل پر بُرہان کامل نہ ہوگا؟

—— لاحول و لاقوۃ الا باللہ العلی العظیم.

زید پر ہر فرض سے بڑھ کر فرض کہ از سرِ نو مسلمان ہو اور ان کفریات و ضلالات سے علی الاعلان توبہ کرے —— اور صرف بہ طورِ عادت کلمہ شہادت زبان پر لانا ہرگز کافی نہ ہوگا کہ اس قدر تو وہ قبل از توبہ بھی بجالاتا تھا، بلکہ اس کے ساتھ تصریح کرے کہ وہ کلمات کفریہ تھے اور میں نے ان سے توبہ کی —— اُس وقت اہل اسلام کے نزدیک اُس کی توبہ صحیح ہوگی —— اور ایمان لائے کہ اللہ جل جلالہٗ کے سوا کوئی خالق نہیں، نہ اس کا غیر قدم کے لائق —— اور ایمان لائے کہ وہ تمام عالم کا مدبّر اور ہر چیز پر قادر ہے اور عقول مخترعہ فلاسفہ باطل، الیٰ غیر ذلک ممّا یظهر بالمر اجعة الیٰ ما قدمنا من المسائل.

بحر الرائق میں ہے : أتیٰ بالشهادتین علیٰ وجهِ العادة لم ینفعه مالم یرجع عمّا قال إذلا یرتفع بهما کفره، کذا فی البزازیة و جامع الفصولین اھ-[2]

اور ضرور ہے کہ جس طرح کتاب چھاپ کر اِن کفریات و ضلالات کی اشاعت کی، یوں ہی اِن سے تبرّی اور اپنی توبہ کا اعلان کرے کہ آشکارا گناہ کی توبہ بھی آشکارا ہوتی ہے۔ امام احمد کتاب الزہد، اور طبرانی معجم کبیر میں سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں: اذا عملت سیّئة فأحدث عندها توبة، السّر بالسّر والعلانية بالعلانية۔[3] —— جب تو کوئی گناہ کرے تو فوراً توبہ بجالا، پوشیدہ کی پوشیدہ اور ظاہر کی ظاہر۔ قلتُ : وإسناده حسن علیٰ أصول الحنیفة .

اور اِس کتاب تباہ خراب کی نسبت، میں وہ نہیں کہتا جو بعض علمائے حنیفہ و شافعیہ کتب منطقیہ کی نسبت فرماتے ہیں کہ ان کے جو ورق نامِ خدا اور رسول اللہ سے خالی ہوں ان سے استنجا روا۔ شرح فقہ اکبر میں ہے:

لوکان الکتاب فی المنطق ونحوه، تجوز إهانته فی الشریعة ، حتّٰی أفتی بعض الحنفیة وکذا بعض الشافعیة بجواز الاستنجاء به إذا کان خالیا عن ذکر اللہ تعالیٰ مع

---

(۱) الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، ج:۲، ص:۲۸۳، فصل واما من تکلم من سقط الخ، المکتبۃ الشرکۃ الصحافیۃ۔

(۲) البحر الرائق ،کتاب السیر، باب احکام المرتدین، ج:۵، ص:۱۲۸، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی۔

(۳) کتاب الزہد للامام احمد بن حنبل ،رقم الحدیث: ۱۴۱، ص:۴۹، دار الکتاب العربی، بیروت۔/ المعجم الکبیر عن معاذ بن جبل، رقم الحدیث: ۲۳۱، ج:۲۰، ص:۱۵۹، المکتبۃ الفیصلیۃ، بیروت۔

الاتفاق علیٰ عدم جواز الاستنجاء بالورق الابیض الخالی عن الکتابة اھ مُلَخَّصًا.[1]

ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ اب اس کی اِشاعت سے باز رہے۔ اور جس قدر جلدیں باقی ہوں، جلادے اور حتی الوسع اُس کے اِخمادِ نار و اِماتتِ اذکار میں سعی کرے کہ منکر باطل اسی کے قابل، قال اللہ تعالیٰ : اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾[2] ——— بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ بے حیائی پھیلے مسلمانوں میں، اُن کے لیے دکھ کی مار ہے دنیا و آخرت میں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

سُبحٰن اللہ ! اشاعتِ فاحشہ پر یہ ہائل وعید ——— پھر اشاعتِ کفر کس قدر شدید ——— والعیاذ باللہ العلی الحمید.

خاتمہ رزقنا اللہ حُسنها چند تنبیہات زاکیات میں:

تنبیہ اوّل:

اے عزیز! آدمی کو اس کی اَنانیت نے ہلاک کیا، گناہ کرتا ہے، اور جب اس سے کہا جائے توبہ کر، تو اپنی کسرِ شان سمجھتا ہے ——— عقل رکھتا تو اصرار میں زیادہ ذلّت و خواری جانتا ——— یا ھٰذا۔ ہرگز منصبِ علم کے منافی نہیں کہ حق کی طرف رجوع کیجیے۔ بلکہ یہ عین مقتضائے علم ہے اور سخن پروری ہر جہل سے بدتر جہل ——— وہ بھی کاہے میں؟ کفریات میں۔ والعیاذ باللہ.

یا ھٰذا صغیرہ پر اصرار اُسے کبیرہ کر دیتا ہے ——— کفریات پر اِصرار کس قعرِ نار میں پہنچائے گا ——— یا ھٰذا تیرا رب ایک شخص کی مذمت کرتا ہے : وَ اِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾[3] ——— یعنی جب اس سے کہا جائے: خدا سے ڈر، تو اُسے غرور کے مارے گناہ کی ضد چڑھتی ہے۔ سو کافی ہے اُسے جہنم اور بے شک کیا بُرا ٹھکانا ہے۔

للہ! اپنی جان پر رحم کر، اور اس شخص کا شریکِ حال نہ ہو ——— یا ھٰذا تیرا مالک ایک قوم پر رد

---

(۱) منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر، فصل فی العلم والعلماء، ص:۱۷۴، مصطفی البابی، مصر۔ ترجمہ: اگر منطق وغیرہ میں کوئی کتاب ہو تو شریعت میں اس کی توہین کرنا جائز ہے یہاں تک کہ بعض حنفیوں نے یوں ہی بعض شافعیوں نے اس سے استنجا کے جواز کا فتویٰ دیا ہے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی ہو، باوجودے کہ کتابت سے خالی، سفید کاغذ سے استنجا کے عدمِ جواز پر اتفاق ہے۔ اھ۔

(۲) پارہ:۱۸، النور:۲۴، آیت:۱۹۔

(۳) پارہ:۲، البقرة:۲، آیت :۲۰۶۔

فرماتا ہے: وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَ رَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۵ (۱) ـــــ جب اُن سے کہا جائے: آؤ، تمھارے لیے بخشش چاہے خدا کا رسول، تو اپنے سر پھیر لیتے ہیں تو انھیں دیکھے کہ باز رہتے ہیں تکبُّر کرتے ہوئے۔

ہاں! میں بھی تجھے رسول اللہ ﷺ کی طرف بلاتا ہوں، خدا کو مان، اور منہ نہ پھیر ـــــ یا ھٰذا تو سمجھتا ہے، اگر میں تسلیم کرلوں گا تو لوگوں کی نگاہ میں میری قدر گھٹ جائے گی اور میرے علم فلسفی میں بٹا لگے گا ـــ حالاں کہ یہ محض وسوسۂ شیطان ہے ـــ لاحول پڑھ، اور خدا کی طرف جھک، کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے یہاں تیری عزت ہوگی۔ اور خلق میں بے قدری بھی غلط، بلکہ وہ تجھے منصف و حق پسند جانیں گے اور نہ مانے گا تو متکبر و شریر ولوند۔

یا ھٰذا کیا یہ ڈرتا ہے کہ مان جاؤں گا تو اِس مجیب کا علم مجھ سے زیادہ ٹھہرے گا؟ ـــــ حاش للہ! واللہ کہ اگر کوئی بندۂ خدا میرے ذریعہ سے ہدایت پائے تو اس میں میری آنکھ کی ٹھنڈک اُس سے ہزار درجہ زائد ہے کہ میرا علم کسی سے زیادہ ٹھہرے ـــــ ہاں! ہاں!! اگر تو اعلان توبہ کرے تو میں اپنے جہل اور تیرے فضل کا نوشتہ لکھ دوں۔

یا ھٰذا اِک ذرا تعصب سے الگ اور تنہائی میں بیٹھ کر سوچ کہ کفریات پر اصرار کی شامت تیرے حق میں بہتر ہے یا بعدِ رجوع و توبہ بعض جُہّال کی تحقیر و ملامت؟ ـــــ ھیھات، ھیھات، اللہ کا عذاب بہت سخت ہے ـــــ وَ اِنَّه، لَآت ـــــ میں تیرے بھلے کی کہتا ہوں، عار پر نار کو اختیار نہ کرنا۔

الٰہی! میرے بیان میں اثر بخش! اور اپنے اس بندہ کو ہدایت دے اور ہمارے قلوب دین حق پر قائم رکھ۔ ـــــ یا واجد، یا ماجد! لا تزل عنی نعمة أنعمتها عليّ بجاه من أرسلته رحمة للعٰلمين، و أقمته شفيعا للمذنبين المتلوثين الخطّائين الهالكين، صلى الله تعالىٰ عليه و علىٰ اٰله و صحبه أجمعين، آمين.

تنبیہ دوم:

مبادا اگر رگِ تعصب جوش میں آئے۔ اور خدا ایسا نہ کرے، تو اِس قدر یاد رہے کہ عقائد اسلام و سنت کے مقابل ہم پر فلاں ہندی و بہمانِ سِندی کسی کا قول سند نہیں ـــــ نہ احکامِ شرعیہ شخص دون

---

(۱) پارہ:۲۸، المنافقون:۶۳، آیت:۵۔

شخص سے خاص ـــــ اَلعِزَّۃُ للہ ـــــ شرع سب پر حجت ہے ـــــ وہ کون ہے جو شرع پر حجت ہو سکے ؟ ـــــ اس قسم کی حرکت جس سے صادر ہوگئی، وہ بقدر اپنے سیّیہ کے حکم کا مستحق ہوگا، کسے باشد، کائناً مَّنۡ کانَ ـــــ اِین وآں، سے ہمیں موافقت اُسی وقت تک ہے جب تک وہ دینِ حق سے جدا نہیں۔ اور اس کے بعد، عیاذاباللہ ع۔سایہ اش دور باد ازما دُور۔

جس کا قول ہم اسلام وسنّت کے موافق پائیں گے تسلیم کریں گے۔ نہ اس لیے کہ اُس کا قول ہے، بلکہ اس لیے کہ صراطِ مستقیم سے مطابق ہے ـــــ اور جس کی بات خلاف پائیں گے۔ زید ہو یا عمرو، خالد ہو یا بکر، دیوار سے مار کر رسول اللہ ﷺ کی رِکاب سے لپٹ جائیں گے ـــــ اللہ ان کا دامن ہم سے نہ چھڑائے دنیا میں نہ عقبیٰ میں ـــــ آمین ! الٰہی امین۔

محمد عربی کہ آبروے ہر دوسرا ست — کسے کہ خاکِ درش نیست خاک بر سرِ اُو

تنبیہہ سوم:

واجبُ الملاحظۃ نافِعُ الطّلبہ ـــــ اِن اعصار و امصار کے طلبۂ علم چشم عبرت کھولیں اور توغل فلسفہ کی آفت جان گزا غور سے دیکھیں ـــــ زید کہ جس کے اقوال سے سوال ہے، آخر اس حال کو کاہے کی بدولت پہنچا؟ اور فلسفہ کی دبی آگ نے بی خبری میں بہ تدریج سُلگ کر دفعۃً بھڑکی تو کہاں تک پھونکا؟

اے عزیز! شیطان اول دھوکا دیتا ہے کہ مقصود بالذات تو علم دین ہے ـــــ اور علوم عقلیہ وسیلہ وآلہ ـــــ پھر ان میں اشتغال کس لیے بے جا؟

ھیہات! اگر یہ امر اپنے اطلاق پر مسلم بھی ہو تو اب اپنے حالات پر غور کرو کہ آلہ و مقصود کی شان ہوتی ہے ؟ ـــــ شب وروز آلہ میں غرق ہوگئے، مقصود کا نام تک زبان پر نہ آیا۔ اچھا توسُّل ہے اور اچھا قصد!

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت — کہ باکہ باختہٖ عشق در شب دیجور

عزیزو! اگر علم آخرت کے لیے سیکھتے ہو تو واللہ کہ فلسفہ آخرت میں مضر ـــــ اور دنیا کے لیے؟ تو وہ بھی بخیر ـــــ اس سے تو بہتر کہ مڈل پاس کرو کہ دس روپیہ کی نوکری پا سکو۔

عزیزو! للہ انصاف! مصطفیٰ ﷺ کی حدیث میں علم کو ترکۂ انبیا اور علما کو ان کا وارث قرار دیا ـــــ ذرا دیکھو تو وہ علم یہی ہے جس میں تم سراپا منہمک، یا وہ جسے تم بایں بے پرواہی، واستغنا تارک؟ ـــــ بھلا ایمان کے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھو کہ مصطفیٰ ﷺ کا وارث بننا اچھا، یا ابن سینا و فارابی کا فُضلہ خوار؟ ع ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا۔

عزیزو! شیطان اس قوم کے کان میں پھونک دیتا ہے کہ: عمر صرف کرنے کے قابل یہی علوم فلسفیہ ہیں، کہ ان کے مدارِک عمیق اور مسالک دقیق، جب یہ آگئے تو علومِ دینیہ کیا ہیں۔ ادنیٰ توجہ میں پانی ہو جائیں گے۔

حالاں کہ واللہ محض غلط ــــــ تمھیں ان علومِ ربانی کا مزہ ہی نہیں پڑا ــــــ ورنہ جانتے کہ علم یہی ہیں اور جو غموض و دِقت و لطف و نزاکت ان میں ہے، ان کا ہزاروں حصہ وہاں نہیں ــــــ مگر کیا کیجئے کہ۔ ع اَلنَّاسُ اَعْدَاءٌ لِمَا جَهِلُوْا

اچھا نہ سہی ــــــ مگر کیا نفیس تدقیق، عمدہ تحقیق ہے کہ ہزاراں برس گزرے، آج تک کوئی بات منقح نہ ہوئی ــــــ لوگ کہتے ہیں تلاحق آراء سے علوم نضج پاتے ہیں ــــــ وہاں اس کے خلاف ــــــ ع:

شد پریشاں، خواب شاں از کثرت تعبیرہا

سَلف خَلف میں جسے دیکھیے کیا چہک چہک کر تقریریں کرتا ہے گویا حق ناصح اس کی بغل سے نکل کر کہیں گیا ہی نہیں ــــــ جب دوسرا آیا اُس نے نئی ہانک سنائی، اگلے کی عقل اوندھی بتائی ــــــ یوں ہی یہ سلسلۂ بے تمیزی لاتقفُ عندحدٍّ قبل یوم القیٰمۃ چلا جاتا ہے اور چلا جائے گا۔ کچھ محقق ہو سکا نہ ہرگز ہو۔

ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت رفت و منزل بہ دیگرے پرداخت

کہیے پھر اس "کاو، کاو" کا کیا محصَّل نکلا؟ اور کون سا نتیجہ دامن میں آیا؟ ــــــ دمِ مرگ جب دیکھیے تو ہاتھ خالی۔

ع جہل تھا جو کچھ کہ سیکھا، جو پڑھا افسانہ تھا

ایک فلسفی نزع میں ہاتھ ملتا اور کہتا تھا، عمر کھوئی کچھ تحقیق نہ ہو پایا، سوا اس کے کہ، ہر ممکن محتاج ہے اور امکان امرِ عدمی ــــــ دُنیا سے چلا اور کچھ نہ ملا۔

اور دوسرا امر، یعنی علومِ دینیہ اس کے ذریعہ سے خود آجانا ــــــ ایسا باطل فضیح ہے جس کی واقعیت تمھارے اذہان کے سوا کہیں نہ ملے گی ــــــ حاش للہ! کام پڑے دام کھلتے ہیں ــــــ دس مسائل دینی پوچھے جائیں، اور کوئی فلسفی صاحب اپنے تفلسُف کے زور سے ٹھیک جواب دے دیں تو جانیں ــــــ یوں تو زبان کے آگے بارہ ہَل چلتے ہیں۔ ع کس نگوید کہ دُوغِ من تُرش است۔ (کوئی نہیں کہتا ہے کہ میری لسی کھٹی ہے۔)

عزیزو! یہ درس کہ اِن بلاد میں رائج، احمق اسے منتہائے علم سمجھتے ہیں۔ حاشا کہ وہ ابتدائی علم بھی

نہیں۔ اس سے استعداد آنا منظور ہے —— رہا علم! —— ہیہات ہیہات! ہنوز دلی دور ہے۔ ع
بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے (بہت سفر چاہیے تاکہ کچا پکا ہو جائے۔)

طالب علم بے چارہ شِفا، اشارات سب لپیٹ گیا اور یہ بھی نہ جانا کہ "اصولِ دین" کو کیوں کر سمجھوں! اور خدا اور سول کی جناب میں کیا اعتقاد رکھوں! —— اگر کچھ معلوم ہے بھی تو سُنی سنائی تقلیدی —— پھر حلال و حرام کا تو دوسرا درجہ ہے۔

افسوس! واضع درس نے کتب دینیہ گنتی کی رکھیں کہ طلبہ خوض و غور کے عادی ہو جائیں اور ازاں جا کہ ابھی عقل پختہ نہیں، لہذا ایسی چیز میں مشق ہو جس کی اُلٹ پلٹ نقصان نہ دے —— مگر وہ ہو رہی اُلٹی —— کہ انھیں لِمَ و لا نسلم کی آفت چڑ گئی —— اور جزء تسلیمی پر کہ مدار ایمان ہے قیامت گزر گئی۔

عزیزو! احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حِبان، حاکم بیہقی، عبد بن حمید، بغوی باسانید صحیحہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، سید عالم ﷺ فرماتے ہیں:

ان العبداذا اخطاخطیئۃً نکتت فی قلبہ نکتۃ سوداء فان ھونزع واستغفر وتاب صقل قلبہ، وان عاد زید فیھا حتّٰی تعلو علی قلبہ، وھو الرّأن الذی ذکر اللہ تعالیٰ کلا بل ران علی قلوبھم ماکانوایکسبون.(۱)

جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ دھبّا پڑ جاتا ہے، پس اگر وہ اس سے جُدا ہو گیا اور توبہ استغفار کی تو اس کے دل پر صیقل ہو جاتی ہے۔ اور اگر دوبارہ کیا تو اور سیاہی بڑھتی ہے یہاں تک کہ اُس کے دل پر چڑھ جاتی ہے۔ اور یہی ہے وہ زنگ جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ: یوں نہیں، بلکہ زنگ چڑھادی ہے اُن کے دلوں پر ان گناہوں نے کہ وہ کرتے تھے۔

دیکھو ایسا نہ ہو کہ یہ فلسفۂ مزخرفہ تمھارے دلوں پر زنگ جمادے کہ پھر علوم حقّہ صادقہ ربّانیہ کی گنجائش نہ رہے گی —— کہتے یہ ہو کہ: اس کے آنے سے وہ خود آجائیں گے۔ حاشا! جب یہ دل میں پیر گیا، وہ ہرگز سایہ تک نہ ڈالیں گے؛ کہ وہ محض نور ہیں اور نور نہیں چمکتا، مگر صاف آئینہ میں۔

عزیزو! اسی زنگ کا ثمرہ ہے کہ منہمکانِ تفلسف علوم دینیہ کو حقیر جانتے، اور علمائے دین سے استہزاء کرتے، بلکہ انہیں جاہل اور لقب علم اپنے ہی لیے خاص سمجھتے ہیں۔

---

(۱) کنزالعمال، عن ابی ہریرہ، ج:۴، ص:۲۱۰، رقم الحدیث:۱۰۱۸۹، موسسۃ الرسالہ، بیروت۔/جامع الترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ ویل للمطففین، ج:۲، ص:۱۶۸، ۱۶۹، امین کمپنی، دہلی۔

اگر آئینہ دل روشن ہوتا تو جانتے کہ وہ مصطفیٰ ﷺ کے وارث و نائب ہیں ـــــ وہ کیسی نفیس دولت کے حامل وصاحبِ ہیں جس کے لیے خدا نے کتابیں اتاریں، انبیا نے تفہیم میں عمریں گزاریں ـــــ وہ اسلام کے رکن ہیں ـــــ وہ جنت کے عماد ہیں ـــــ وہ خدا کے محبوب ہیں ـــــ وہ جانِ رشاد ہیں ـــــ رہا اُن کے ساتھ استہزا، اُس کا مزہ آج نہ کھلا تو کل قریب ہے ـــــ وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ [۱]

عزیزو! نفسِ خودی پسند، آزادانہ اَقُولُ کا مزہ پا کر پھول گیا ـــــ اور قال رسول اللہ ﷺ میں جو دل کا سرور اور آنکھوں کا نُور ہے اُسے بھول گیا ـــــ ہیہات! کہاں وہ فن جس میں کہا جائے "میں کہتا ہوں" یا نقل بھی ہو تو "ابن سینا گفت"۔ اور کہاں وہ فن جس میں کہا جائے "خدا فرماتا ہے، مصطفیٰ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں"۔ ـــــ جتنا میں اور مصطفیٰ میں فرق ہے اُتنا ہی اس اقول و قال اور دونوں علموں میں۔ کیا خوب فرمایا عالم قریش سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے۔

کل العلوم سوی القرآن مشغلة　　إلا الحدیث و الّا الفقه فی الدین

العلمُ ما کان فیه قال حدثنا　　وماسوٰی ذٰلك وسواس الشیاطین

آن چہ قال اللہ و نے قال الرسول　　فُضلہ باشد، فضلہ می خواں اے فضول!

عزیزو! خدارا غور کرو، قبر میں حشر میں تم سے یہ سوال ہوگا کہ عقائد کیا تھے اور اعمال کیسے؟ یا یہ کہ کلی طبعی خارج میں موجود ہے یا معدوم؟ اور زمانہ غیر قار و حرکۃ بمعنی القطع کائن فی الاعیان ہیں یا آنِ سیّال و حرکت بمعنی التوسط سے موہوم۔

عزیزو! میں نہیں کہتا کہ منطقِ اسلامیاں ـــــ ریاضی، ہندسہ وغیرہا اجزاے جائزہ فلسفہ ـــــ نہ پڑھو۔ پڑھو، مگر بقدر ضرورت ـــــ پھر ان میں انہماک ہرگز نہ کرو ـــــ بلکہ اصل کار علوم دینیہ سے رکھو۔ راہ یہ ہے ـــــ اور آئندہ کسی پر جبر نہیں۔ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۱۳﴾ [۲] ـــــ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾ [۳]

صلوات اللہ تعالیٰ وسلامه علیه وعلیٰ آله وصحبه وکل مشتاق إلیه برحمتك یا أرحم

---

(۱) پارہ:۱۹، الشعراء:۲۶، آیت:۲۲۷۔ ترجمہ: اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ (کنزالایمان)

(۲) پارہ:۲، البقرۃ:۲، آیت:۲۱۳۔ ترجمہ: اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھائے۔ (کنزالایمان)

(۳) پارہ:۳، آل عمران:۳، آیت:۸۔ ترجمہ: اے رب ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر بے شک تو ہے بڑا دینے والا۔ (کنزالایمان)۔

الراحمین والحمد للہ رب العٰلمین.[۱]

مسلمانوں کے لیے راہِ فلاح و نجات:

۱۹؍ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ میں کلکتہ سے حاجی منشی لعل خان صاحب نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی خدمت میں برائے ملاحظہ "المؤید" کے چھ پرچے ارسال کیے اور دریافت کیا کہ "آج کل مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے اور امداد ترک کا کیا طریقہ ہو؟

اس کے جواب میں آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ دیدۂ عبرت سے پڑھنے کے قابل ہے، بلکہ مسلمانوں کو اسے اپنی عملی زندگی میں اتارنے کی ضرورت ہے۔ اس رسالہ میں فرماتے ہیں:

"آپ پوچھتے ہیں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟ —— اس کا جواب میں کیا دے سکتا ہوں —— اللہ عزوجل نے تو مسلمانوں کی جان ومال جنت کے عوض خریدی ہیں —— اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ۔[۲]

مگر ہم مسلمان ہیں کہ مبیع دینے سے انکار اور ثمن کے خواستگار —— ہندی مسلمانوں میں یہ طاقت کہاں کہ وطن ومال واہل و عیال چھوڑ کر ہزاروں کوس دور جائیں اور میدان جنگ میں مسلمانوں کا ساتھ دیں —— مگر مال تو دے سکتے ہیں —— اس کی حالت بھی سب آنکھوں دیکھ رہے ہیں —— وہاں مسلمانوں پر یہ کچھ گزر رہی ہے —— اور یہاں وہی جلسے ہیں، وہی رنگ —— وہی تھیٹر، وہی امنگ —— وہی تماشے، وہی بازیاں —— وہی غفلتیں، وہی فضول خرچیاں —— ایک بات کی بھی کمی نہیں —— ابھی ایک شخص نے ایک دنیاوی خوشی کے نام سے پچاس ہزار دیے —— ایک عورت نے ایک چنین وچنان جرگہ کو پچاس ہزار دیے —— --- اور مظلوم اسلام کی مدد کے لیے جو کچھ جوش دکھائے جارہے ہیں، آسمان سے بھی اونچے ہیں —— اور جو عملی کارروائی ہورہی ہے، زمین کی تہ میں ہے —— پھر کس بات کی امید کی جائے —— بڑی ہمدردی یہ نکالی ہے کہ یورپ کے مال کا بائیکاٹ ہو —— میں اسے پسند نہیں کرتا —— نہ ہرگز مسلمانوں کے حق میں کچھ نافع پاتا ہوں —— **اول** تو یہ بھی کہنے ہی

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، رسالہ "مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید (۱۳۰۴ھ)، ج:۱۱، ص:۳۰۳ تا ص:۳۱۰، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/ فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۲۷، ص:۱۸۳ تا ص:۱۹۳، رضا اکیڈمی۔

(۲) پارہ:۱۱، التوبۃ:۹، آیت :۱۱۱۔ ترجمہ: بیشک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لیے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔ (کنزالایمان)

کے الفاظ ہیں ـــــ نہ اس پر اتفاق کریں گے ـــــ نہ ہرگز اس کو نباہیں گے ـــــ اس عہد کے پہلے توڑنے والے جنٹل مین حضرات ہی ہوں گے جن کی گزر بغیر یورپین اشیا کے نہیں۔

یہ تو سارا یورپ ہے ـــــ پہلے صرف اٹلی کا بائیکاٹ ہوا تھا ـــــ اس پر کتنوں نے عمل کیا اور کتنے دن نباہا ـــــ پھر اس سے یورپ کو ضرر بھی کتنا ـــــ اور ہو بھی تو کیا فائدہ، کہ وہ سو ترکیوں سے اس سے دہ گنا ضرر پہنچا سکتے ہیں ـــــ لہٰذا ضرر رسانی کا ارادہ صرف وہی مثل ہے کہ کمزور اور پٹنے کی نشانی۔

بہتر ہے کہ مسلمان اپنی سلامت روی پر قائم رہیں ـــــ کسی شریر قوم کی چال نہ سیکھیں ـــــ اپنے اوپر مفت کی بدگمانی کا موقع نہ دیں ـــــ ہاں! اپنی حالت سنبھالنا چاہیے، تو ان لڑائیوں پر کیا موقوف تھا ـــــ ویسے ہی چاہیے تھا کہ:

اولاً: باستثنا ان معدود باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو، اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے ـــــ اپنے سب مقدمات اپنے آپ فیصل کرتے ـــــ یہ کروڑوں روپے جو اسٹامپ و وکالت میں گھسے جاتے ہیں ـــــ اور گھر کے گھر تباہ ہو گئے اور ہوئے جاتے ہیں، محفوظ رہتے۔

ثانیاً: اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے، کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہتا ـــــ اپنی حرفت و تجارت کو ترقی دیتے، کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے ـــــ تو یہ نہ ہوتا کہ یورپ و امریکہ والے چھٹانک بھر تانبا، صناعی کی گھڑنت کر کے، گھڑی وغیرہ نام رکھ کر آپ کو دے جائیں اور اس کے بدلے پاؤ بھر چاندی آپ سے لے جائیں۔

ثالثاً: بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولتے ـــــ سود شرع نے قطعی حرام فرمایا ہے ـــــ مگر اور سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں، جن کا بیان کتب فقہ میں مفصل ہے ـــــ اور اس کا ایک نہایت آسان طریقہ کتاب "کفل الفقیہ الفاہم" میں چھپ چکا ہے ـــــ ان جائز طریقوں پر نفع بھی لیتے، کہ انھیں بھی فائدہ پہنچتا اور ان کے بھائیوں کی بھی حاجت برآتی ـــــ اور آئے دن جو مسلمانوں کی جائدادیں بنیوں کی نذر ہوئی چلی جاتی ہیں، ان سے بھی محفوظ رہتے ـــــ اگر مدیون کی جائداد ہی لی جاتی تو مسلمان ہی کے پاس رہتی ـــــ یہ تو نہ ہوتا کہ مسلمان ننگے اور بنئے چنگے۔

رابعاً: سب سے زیادہ اہم، سب کی جان، سب کی اصل اعظم، وہ دین متین تھا جس کی رسی مضبوط تھامنے نے اگلوں کو ان مدارج عالیہ پر پہنچایا ـــــ چار دانگ عالم میں ان کی ہیبت کا سکہ بٹھایا ـــــ

نان شبینہ کے محتاجوں کو بلند تاجوں کا مالک بنایا ـــــ اور اسی کے چھوڑنے نے پچھلوں کو یوں چاہ ذلت میں گرایا ـــــ فإنا لله وإنا إليه راجعون، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلی العظیم.

دین متین، علم دین کے دامن سے وابستہ ہے ـــــ علم دین سیکھنا، پھر اس پر عمل کرنا اپنی دونوں جہاں کی زندگی جانتے ـــــ وہ انھیں بتادیتا کہ اندھو! جسے ترقی سمجھ رہے ہو، سخت تنزل ہے ـــــ جسے عزت جانتے ہو، اشد ذلت ہے۔

مسلمان اگر یہ چار باتیں اختیار کرلیں تو ان شاء اللہ العزیز آج ان کی حالت سنبھلی جاتی ہے ـــــ آپ کے سوال کا جواب تو یہ ہے ـــــ مگر یہ تو فرمائیے کہ سوال وجواب سے حاصل کیا، جب کوئی اس پر عمل کرنے والا نہ ہو ـــــ **عمل کی حالت ملاحظہ ہو:**

اول پر یہ عمل ہے کہ گھر کے فیصلہ میں اپنے دعوے سے کچھ بھی کمی ہو تو منظور نہیں ـــــ اور کچہری جاکر اگرچہ گھر کی بھی جائے ٹھنڈے دل سے پسند ـــــ گرہ، گرہ بھر زمین پر طرفین سے دو دو ہزار بگڑ جاتے ہیں ـــــ کیا آپ یہ حالتیں بدل سکتے ہیں؟ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ (۱)

دوم کی یہ کیفیت کہ اول تو خاندانی لوگ حرفت وتجارت کو عیب سمجھتے ہیں اور ذلت کی نوکریاں کرنے، ٹھوکریں کھانے، حرام کام کرنے، حرام مال کھانے کو فخر وعزت ـــــ اور جو تجارت کریں بھی تو خریداروں کو اتنا حس نہیں کہ اپنی ہی قوم سے خریدیں، اگرچہ ایک پیسہ زائد سہی، کہ نفع ہے تو اپنے ہی بھائی کا ہے ـــــ اہل یورپ کو دیکھا ہے کہ دیسی مال اگرچہ ولایتی کی مثل اور اس سے ارزاں بھی ہو، ہرگز نہ لیں گے اور ولایتی گراں خریدیں گے ـــــ ادھر بیچنے والوں کی یہ حالت کہ ہندو، آنہ، روپیہ نفع لے، تو مسلمان صاحب چونی سے کم پر راضی نہیں ـــــ پھر لطف یہ کہ مال بھی اس سے ہلکا، بلکہ خراب ـــــ ہندو تجارت کے اصول جانتا ہے کہ جتنا تھوڑا نفع رکھیے اتنا ہی زیادہ ملتا ہے اور مسلمان صاحب چاہتے ہیں کہ سارا نفع ایک ہی خریدار سے وصول کرلیں ـــــ ناچار خریدنے والے مجبور ہوکر ہندو سے خریدتے ہیں ـــــ کیا تم یہ عادتیں چھوڑ سکتے ہو؟ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ (۲)

سوم کی یہ حالت کہ اکثر امرا کو اپنے ناجائز عیش سے کام ہے ـــــ ناچ رنگ وغیرہ بے حیائی یا بیہودگی کے کاموں میں ہزاروں، لاکھوں اڑادیں ـــــ وہ ناموری ہے، ریاست ہے ـــــ اور مرتے

(۱) پارہ:۷، المائدۃ:۵، آیت :۹۱۔ ترجمہ: توکیا تم باز آئے۔ (کنزالایمان)

(۲) پارہ:۷، المائدۃ:۵، آیت :۹۱۔ ترجمہ: توکیا تم باز آئے۔ (کنزالایمان)

بھائی کی جان بچانے کو ایک خفیف رقم دینا ناگوار ——— اور جنھوں نے بنیوں سے سیکھ کر لین دین شروع کیا، وہ جائز نفع کی طرف توجہ کیوں کریں ——— دین سے کیا کام ——— اللہ ورسول کے احکام سے کیا غرض ——— ختنہ نے انھیں مسلمان کیا اور گائے کے گوشت نے مسلمانی قائم رکھی، اس سے زائد کیا ضرورت ہے ——— نہ انھیں مرنا ہے، نہ اللہ واحد قہار کے حضور جانا، نہ اعمال کا حساب دینا ——— انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ——— پھر سود بھی لیں تو بنیا اگر بارہ آنے مانگے، یہ ڈیڑھ دو سے کم پر راضی نہ ہوں ——— ناچار حاجت مند، بنیوں کے ہتھے چڑھتے اور جائدادیں ان کی نذر کر بیٹھتے ہیں ——— کیا تم ان خصلتوں سے باز آؤ گے؟ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ (۹۱) (۱)

چہارم کا حال ناگفتہ بہ ہے کہ انٹر پاس کو رزاق مطلق سمجھا ہے ——— وہاں نوکری میں عمر کی شرط، پاس کی شرط ——— پھر پڑھائی وہ مفید کہ عمر بھر کام نہ آئے، نہ اس نوکری میں اس کی حاجت پڑے ——— اپنی ابتدائی عمر کہ وہی تعلیم کا زمانہ ہے یوں گنوائی ——— اب پاس ہونے میں جھگڑا ہے ——— تین تین بار فیل ہوتے ہیں اور پھر لپٹے چلے جاتے ہیں ——— اور قسمت کی خوبی کہ مسلمان ہی اکثر فیل کیے جاتے ہیں ——— پھر تقدیر سے پاس بھی مل گیا تو اب نوکری کا پتا نہیں اور ملی بھی تو صریح ذلت کی ——— اور رفتہ رفتہ دنیوی عزت کی بھی پالی تو وہ کہ عند الشرع ہزار ذلت ——— کہیے! پھر علم دین سیکھنے اور دین حاصل کرنے اور نیک وبد میں تمیز آنے کا وقت کون سا آئے گا ——— لاجرم نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین کو مضحکہ سمجھتے ہیں ——— اپنے باپ دادا کو جنگلی، وحشی، بے تمیز، گنوار، نالائق، بیہودہ، احمق، وغیرہ جاننے لگتے ہیں ——— بفرض غلط، اگر یہ ترقی بھی ہوئی تو نہ ہونے سے کروڑ درجے بدتر ہوئی ——— کیا تم علم دین سے غفلتیں ترک کرو گے؟ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ (۹۱) (۲)

یہ وجوہ ہیں، یہ اسباب ہیں، مرض کا علاج چاہنا اور سبب کا قائم رکھنا، حماقت نہیں تو کیا ہے ——— اس نے تمھیں ذلیل کر دیا ——— اس نے غیر قوموں کو تم پر ہنسوایا ——— اس نے، اس نے، اس نے، جو کچھ کیا، وہ اس نے ——— اور آنکھوں کے اندھے ابھی تک اس اوندھی ترقی کا رونا روئے جاتے ہیں ——— ہائے قوم! وائے قوم! یعنی ہم تو اسلام کی رسی گردن سے نکال کر آزاد ہو گئے، تم کیوں قلی بنے ہوئے ہو ——— حالاں کہ حقیقتہً یہ آزادی ہی سخت ذلت کی قید ہے جس کی زندہ مثال یہ ترکوں کا موجودہ واقعہ۔ ولا حول

---

(۱) پارہ:۷، المائدۃ:۵، آیت :۹۱۔ ترجمہ: تو کیا تم باز آئے۔ (کنز الایمان)

(۲) پارہ:۷، المائدۃ:۵، آیت :۹۱۔ ترجمہ: تو کیا تم باز آئے۔ (کنز الایمان)

ولا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم.

اہل الرائے ان وجوہ پر نظر فرمائیں ـــــ اگر میرا خیال صحیح ہو تو ہر شہر و قصبہ میں جلسے کریں اور مسلمانوں کو ان چار باتوں پر قائم کر دیں، پھر آپ کی حالت خوبی کی طرف نہ بدلے تو شکایت کیجیے ـــــ یہ خیال نہ کیجیے کہ ایک ہمارے کیے کیا ہوتا ہے ـــــ ہر ایک نے یوہی سمجھا تو کوئی کچھ نہ کرے گا ـــــ بلکہ ہر شخص یہ تصور کرے کہ مجھی کو کرنا ہے ـــــ یوں ان شاء اللہ تعالیٰ سب کریں گے ـــــ چند جگہ جاری تو کیجئے، پھر خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے ـــــ خدا نے چاہا تو عام بھی ہو جائے گا ـــــ اس وقت آپ کو اس کی برکات نظر آئیں گی۔

وہی آیت کریمہ کہ ابتدائے سخن میں تلاوت ہوئی [اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ـ الآیۃ] (۱) ـــــ جس طرح برے رویہ کی طرف اپنی حالت بدلنے پر تازیانہ ہے، یوں ہی نیک روش کی طرف تبدیلی پر بشارت ہے کہ اپنے یہ کوتک چھوڑو گے تو ہم تمھاری اس ردی حالت کو بدل دیں گے ـــــ ذلت کے بدلے عزت دیں گے ـــــ اے رب ہمارے! ہماری آنکھیں کھول اور اپنے پسندیدہ راستہ پر چلا، صدقہ رسولوں کے سورج، مدینہ کے چاند کا، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارك وكرم آمین۔ (۲)

شبہہ کی جگہ تفتیش و سوال؟

ذی قعدہ ۱۳۰۳ھ میں نواب گنج، بارہ بنکی سے شیخ عبد الجلیل پنجابی نے ایک استفتا کیا کہ: روسر کی شکر جو ہڈیوں سے صاف کی جاتی ہے اور صاف کرنے والوں کو کچھ احتیاط اس کی نہیں کہ وہ ہڈیاں پاک ہوں یا ناپاک ـــــ حلال جانور کی ہوں یا مردار کی ـــــ اور سُنا گیا کہ اُس میں شراب بھی پڑتی ہے ـــــ اس شکر کا کیا حکم ہے؟

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس نوپید مسئلہ کے بارے میں ایک رسالہ بنام "الاحلی من السکر لطلبة سكر روسر [۱۳۰۳ھ]" تحریر فرمایا ـــــ اس میں جو دلائل و مسائل بیان کیے گئے ہیں، ان سے صدہا نئے مسائل کے احکام بھی بآسانی سمجھے جا سکتے ہیں ـــــ ساتھ ہی درمیان میں جو نصیحت آمیز

---

(۱) پارہ: ۱۳، الرعد: ۱۳، آیت: ۱۱۔ ترجمہ: بیشک اللہ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔ (کنز الایمان)

(۲) فتاویٰ رضویہ، رسالہ تدبیر وفلاح ونجات واصلاح (۱۳۳۱ھ)، ج: ۱۲، ص: ۱۷۷ تا ص: ۱۷۹، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/فتاویٰ رضویہ مترجم، ج: ۱۵، ص: ۱۴۳ تا ص: ۱۴۷، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

اقوال اور بصیرت افروز ارشادات شامل ہیں، وہ بہت سے گم گشتگان راہ کو منزل مقصود کی طرف لانے کے لیے کافی ہیں، بشرطے کہ حرارات ایمانی باقی ہو ــــ اثباتِ مدعا کے طور پر اس رسالہ کی چند سطریں ملاحظہ ہوں:

اس رسالہ کے مقدمۂ عاشرہ میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ شبہہ کی جگہ تفتیش وسوال بہتر ہے، جب اس پر کوئی فائدہ مترتب ہوتا سمجھے ـ ـ ـ اور یہ بھی اسی وقت تک ہے جب اس احتیاط وورع میں کسی امر اہم وآکد کا خلاف نہ لازم آئے؛ کہ شرع مطہر میں مصلحت کی تحصیل سے مفسدہ کا ازالہ مقدم تر ہے۔ مثلاً:

مسلمان نے دعوت کی ــــ یہ اس کے مال وطعام کی تحقیقات کررہے ہیں ــــ کہاں سے لایا ــــ کیوں کر پیدا کیا ــــ حلال ہے یا حرام ــــ کوئی نجاست تو اس میں نہیں ملی ہے ــــ کہ بیشک یہ باتیں وحشت دینے والی ہیں اور مسلمان پر بدگمانی کرکے ایسی تحقیقات میں اُسے ایذا دینا ہے ــــ خصوصاً اگر وہ شخص شرعاً معظم ومحترم ہو، جیسے عالمِ دین، یا سچّا مرشد، یا ماں باپ، یا استاذ، یا ذی عزت مسلمان، سردار قوم، تو اس نے اور بے جا کیا ــــ ایک تو بدگمانی ــــ دوسرے موحش باتیں ــــ تیسرے بزرگوں کا ترکِ ادب ــــ اور یہ گمان نہ کرے کہ خفیہ تحقیقات کرلوں گا ــــ حاشا وکلّا اگر اسے خبر پہنچی ــــ اور نہ پہنچنا تعجب ہے؛ کہ آج کل بہت لوگ پرچہ نویس ہیں ــــ تو اس میں تنہا، بررو پوچھنے سے زیادہ رنج کی صورت ہے کما ھو مجرب معلوم ــــ نہ یہ خیال کرے کہ احباب کے ساتھ ایسا برتاؤ برتوں گا ــــ ہیہات! احبا کو رنج دینا کب روا ہے ــــ اور یہ گمان کہ شاید ایذا نہ پائے ــــ ہم کہتے ہیں: شاید ایذا پائے ــــ اگر ایسا ہی شاید پر عمل ہے تو اُس کے مال وطعام کی حلت وطہارت میں شاید پر کیوں نہیں عمل کرتا ــــ مع ہٰذا اگر ایذا نہ بھی ہُوئی اور اُس نے براہِ بے تکلفی بتادیا تو ایک مسلمان کی پردہ دری ہوئی کہ شرعاً ناجائز۔

غرض ایسے مقامات میں ورع واحتیاط کی دو ہی صورتیں ہیں ــــ یا تو اس طور پر بچ جائے کہ اُسے اجتناب ودامن کشی پر اطلاع نہ ہو ــــ یا سوال وتحقیق کرے ــــ تو اُن امور میں جن کی تفتیش موجب ایذا نہیں ہوتی مثلاً:

کسی کا جُوتا پہنے ہے، وضو کرکے اُس میں پاؤں رکھنا چاہتا ہے، دریافت کرلے کہ پاؤں تر ہیں، یوں ہی پہن لوں؟ وعلیٰ ہذا القیاس۔ ــــ یا کوئی فاسق، بے باک، مجاہر، معلن اس درجہ وقاحت وبے حیائی کو پہنچا ہوا ہو کہ اُسے، نہ بتادینے میں باک ہو ــــ نہ دریافت سے صدمہ گزرے ــــ نہ اُس سے کوئی فتنہ متوقع ہو ــــ نہ اظہار ظاہر میں پردہ دری ہو ــــ تو عند التحقیق اُس سے تفتیش میں بھی حرج

نہیں ـــــ ورنہ ہرگز بنام ورع واحتیاط مسلمانوں کی نفرت ووحشت ـــــ یا اُن کی رُسوائی وفضیحت ـــــ یا تجسّس عیوب ومعصیت کا باعث نہ ہو؛ کہ یہ سب امور ناجائز ہیں ـــــ اور شکوک وشبہات میں ورع نہ برتنا ناجائز نہیں ـــــ عجب کہ امر جائز سے بچنے کے لیے چند ناروا باتوں کا ارتکاب کرے ـــــ یہ بھی شیطان کا ایک دھوکا ہے کہ اسے محتاط بننے کے پردے میں محض غیر محتاط کر دیا۔

اے عزیز! مدارات خلق والفت وموانست اہم امور سے ہے ـــــ عن النبی ﷺ بعثت بمدارۃ الناس. الطبرانی فی الکبیر عن جابر.[۱] ـــــ وقال ﷺ : رأس العقل بعد الایمان باللہ التحبب الی الناس.[۲] ـــــ مگر جب تک نہ دین میں مداہنت ـــــ نہ اُس کے لیے کسی گناہِ شرعی میں ابتلا ہو ـــــ قال اللہ تعالیٰ: لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ.[۳] ـــــ وقال تعالیٰ: لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ.[۴] ـــــ وقال تعالیٰ: وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۲﴾[۵] ـــــ وقال ﷺ: لاطاعة لاحد فی معصیة اللہ ، انما الطاعة فی المعروف.[۶] ـــــ وقال ﷺ: لاطاعة لمخلوق فی

(۱) شعب الایمان، فصل فی الحلم ،ج:۶،ص:۳۵۱،حدیث: ۸۴۷۵،دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔ ترجمہ: نبی کریم ﷺ سے مروی ہے، فرمایا: مجھے لوگوں سے خاطر مدارات کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اسے طبرانی نے کبیر میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا۔

(۲) الطبرانی فی الاوسط عن علی والبزار فی المسند عن ابی ھریرۃ والشیرازی فی الالقاب عن انس والبیہقی فی الشعب عنھم جمیعا رضی اللہ تعالیٰ عنھم. ـــــ شعب الایمان ،فصل فی الحلم الخ،ج:۶،ص:۳۴۴، حدیث ۸۴۴۷، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔ ترجمہ: اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد کمالِ عقل انسانوں سے محبت کرنا ہے۔ اس کو طبرانی نے اوسط میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ اور بزار نے مسند میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور شیرازی نے القاب میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور بیہقی نے شعب الایمان میں ان تمام سے روایت کیا رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔

(۳) پارہ:۶،المائدۃ:۵،آیت :۵۴۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: (وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں) کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے۔ (کنز الایمان)۔

(۴) پارہ:۱۸،النور:۲۴،آیت :۲۔ ترجمہ: اور ارشادِ خداوندی ہے: تمھیں ان پر ترس نہ آئے اللہ کے دین میں۔ (کنز الایمان)۔

(۵) پارہ:۱۰،التوبۃ:۹،آیت :۶۲۔ ترجمہ: اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: اور اللہ ورسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے اگر ایمان رکھتے تھے۔ (کنز الایمان)۔

(۶) الشیخان وابوداود والنسائی عن علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ۔ صحیح البخاری، کتاب اخبار الآحاد ،ج:۲،ص:۱۰۷۷، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان۔ ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں، فرمانبرداری صرف نیک امور میں ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے۔

معصیة الخالق.(۱)

پس ان امور میں **ضابطہ کلیہ واجبۃ الحفظ** یہ ہے کہ فعل فرائض وترک محرمات کو ارضاے خلق پر مقدم رکھے اور ان امور میں کسی کی مطلقاً پروانہ کرے ـــــــ اور اتیان مستحب وترک غیر اولیٰ پر مدارات خلق ومراعات قلوب کو اہم جانے اور فتنہ ونفرت وایذا وو حشت کا باعث ہونے سے بہت بچے۔

اسی طرح جو عادات ورسوم خلق میں جاری ہوں اور شرع مطہر سے اُن کی حرمت وشناعت نہ ثابت ہو ـــــــ اُن میں اپنے ترفع وتنزہ کے لیے خلاف وجدائی نہ کرے؛ کہ یہ سب امور ایتلاف وموانست کے معارض اور مراد ومحبوب شارع کے مناقض ہیں۔

ہاں وہاں! ہوشیار وگوش دار! کہ یہ وہ نکتہ جمیلہ وحکمتِ جلیلہ وکوچہ سلامت وجادہ کرامت ہے جس سے بہت زاہدان خشک واہلِ تکشف غافل وجاہل ہوتے ہیں ـــــــ وہ اپنے زعم میں محتاط ودین پرور بنتے ہیں اور فی الواقع مغز حکمت ومقصود شریعت سے دور پڑتے ہیں ـــــــ خبر دار ومحکم گیر، یہ چند سطروں میں علم غزیر، و باللہ التوفیق و الیہ المصیر.(۲)

مدارِ ایمان ضروریاتِ دین ہیں:

سیتا پور سے حکیم سید محمد مہدی صاحب نے ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ میں ایک استفتا کیا کہ ایک بی بی سیّدہ سنی المذہب نے انتقال کیا، ان کے بعض بنی عم رافضی تبرائی ہیں، وہ عصبہ بن کر ورثہ سے ترکہ لینا چاہتے ہیں، حالاں کہ روافض کے یہاں عصوبت اصلاً نہیں، اس صورت میں وہ مستحق ارث ہوسکتے ہیں یا نہیں ؟۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں: صورتِ مستفسرہ میں یہ رافضی ان مرحومہ سیدہ سنّیہ کے ترکہ سے کچھ نہیں پاسکتے، اصلاً کسی قسم کا استحقاق نہیں رکھتے، اگرچہ بنی عم نہیں، خاص حقیقی بھائی، بلکہ اس سے بھی قریب رشتے کے کہلاتے، اگرچہ وہ عصوبت کے منکر نہ بھی ہوتے کہ ان کی محرومی دینی اختلاف کے باعث ہے۔ سراجیہ میں ہے: موانع الارث اربعة (الی قولہ) و اختلاف الدینین.(۳)

---

(۱) احمد الامام ومحمد الحاکم عن عمران والحکم بن عمرو الغفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ مسند امام احمد بن حنبل عن علی، ج:۱، ص:۱۲۹، دار الکتب الاسلامی، بیروت، لبنان۔ ترجمہ: اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ اسے امام احمد اور محمد حاکم نے حضرت عمران اور حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا۔

(۲) فتاویٰ رضویہ، کتاب الطہارۃ، باب الانجاس، ج:۲، ص:۱۱۱ تا ص:۱۱۳، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/ فتاویٰ رضویہ مترجم، کتاب الطہارۃ، ج:۴، ص:۵۲۶ تا:۵۲۸، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۳) سراجی فی المیراث، فصل فی الموانع، ص:۴، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی۔ ترجمہ: وراثت کے موانع چار ہیں، ان ہی میں سے دین کا اختلاف بھی ہے۔

(اس کے بعد مختلف دلائل بیان فرماتے ہیں، پھر مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:)

تنبیہ جلیل:

مسلمانو! اصل مدارِ ایمان ضروریاتِ دین ہیں اور ضروریات اپنے ذاتی روشن بدیہی ثبوت کے سبب مطلقاً ہر ثبوت سے غنی ہوتے ہیں، یہاں تک کہ اگر بالخصوص ان پر کوئی نص قطعی اصلاً نہ ہو جب بھی ان کا وہی حکم رہے گا کہ منکر یقیناً کافر، مثلاً عالم بجمیع اجزائہ حادث ہونے کی تصریح کسی نص قطعی میں نہ ملے گی ـــــ غایت یہ کہ آسمان وزمین کا حدوث ارشاد ہوا ہے، مگر باجماعِ مسلمین کسی غیر خدا کو قدیم ماننے والا قطعاً کافر ہے جس کی اسانید کثیرہ فقیر کے رسالہ "مقامع الحدید علی خدا لمنطق الجدید ـــــ ۱۳۰۴ھ" میں مذکور ـــــ تو وجہ وہی ہے کہ حدوث جمیع ماسوی اللہ ضروریات دین سے ہے، کہ اسے کسی ثبوت خاص کی حاجت نہیں۔

اعلام امام ابن حجر ص ۱۷ میں ہے: زاد النووی فی الروضة ان الصواب تقییده بما اذا جحد مجمعاً علیه یعلم من دین الاسلام ضرورة سواء کان فیه نص ام لا.[1]

یہی سبب ہے کہ ضروریات دین میں تاویل مسموع نہیں ہوتی اور شک نہیں کہ قرآن عظیم جو بحمد اللہ تعالیٰ شرقاً، غرباً، عجماً، عرباً، قرناً، فقرناً تیرہ سو برس سے آج تک مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ومحفوظ ہے ـــــ باجماعِ مسلمین بلاکم وکاست وہی "تنزیل رب العالمین" ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو پہنچائی اوران کے ہاتھوں میں ان کے ایمان، ان کے اعتقاد، ان کے اعمال کے لیے چھوڑی ـــــ اسی کا ہر نقص وزیادت وتغییر وتحریف سے مصون ومحفوظ، اور اسی کا وعدۂ حقہ صادقہ "انا له لحافظون" میں مراد وملحوظ ہونا ہی یقیناً ضروریات دین سے ہے ـــــ نہ یہ کہ قرآن جو تمام جہان کے مسلمانوں کے ہاتھ میں تیرہ سو برس سے آج تک ہے، یہ تو نقص وتحریف سے محفوظ نہیں ـــــ ہاں! ایک وہم تراشیدہ، صورت ناکشیدہ، دندان غول کی خواہر پوشیدہ، غار سامرہ میں اصلی قرآن بغل کتمان میں دبائے بیٹھی ہے ـــــ "انا له لحافظون" کا مطلب یہی ہے، یعنی مسلمانوں سے عمل تواسی محرّف، مبدّل، ناقص، ناکمل پر کرائیں گے اور اس اصلی جعلی کو ع

برائے نہادن چہ سنگ وچہ زر ـــــ کی کھوہ میں چھپائیں گے، گویا "حافظون" کے معنیٰ یہ ہیں کہ

---

(۱) الاعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ، ص: ۳۵۳، مکتبۃ استنبول، ترکی۔ ترجمہ: علامہ نووی نے "روضہ" میں مزید فرمایا کہ درست یہ ہے کہ اسے اس چیز سے مقید کیا جائے جس کا ضروریات اسلام سے ہونا بالاجماع معلوم ہو، اس میں کوئی نص ہو یا نہ ہو۔

قرآن کو مسلمانوں سے محفوظ رکھیں گے ـــــ انھیں اس کی پرچھائیں نہ دکھائیں گے۔

بعض ناپاکوں نے اس سے بڑھ کر تاویل نکالی ہے کہ قرآن اگرچہ کتنا ہی بدل جائے، مگر علم الٰہی ولوح محفوظ میں تو بدستور باقی ہے، حالاں کہ علم الٰہی میں کوئی شے نہیں بدل سکتی، پھر قرآن کی کیا خوبی نکلی ـــــ توریت وانجیل در کنار، مہمل سے مہمل، ردی سے ردی کوئی تحریر جس میں مصنف کا ایک لفظ ٹھکانے سے نہ رہا، بلکہ دنیا سے سراسر معدوم ہوگئی ہو، علم الٰہی ولوح محفوظ میں یقیناً بدستور باقی ہے۔

ایسی ناپاک تاویلات ضروریات دین کے مقابل نہ مسموع ہوں، نہ ان سے کفر وارتداد اصلا مدفوع ہوں ـــــ ان کی حالت وہی ہے جیسے نیچریہ نے آسمان کو بلندی، جبرئیل وملائکہ کو قوت خیر، ابلیس وشیاطین کو قوت بدی، حشر ونشر وجنت ونار کو محض روحانی نہ جسدی بنا لیا ـــــ قادیانی مرتد نے خاتم النبیین کو افضل المرسلین ـــــ ایک دوسرے شقی نے نبی بالذات سے بدل دیا ـــــ ایسی تاویلیں سن لی جائیں تو اسلام وایمان قطعاً درہم برہم ہوجائیں ـــــ بت پرست لا الٰہ الا اللہ کی تاویل کرلیں گے کہ یہ افضل واعلیٰ میں حصر ہے، یعنی خدا کے برابر دوسرا خدا نہیں، وہ سب خداؤں سے بڑھ کر خدا ہے، نہ یہ کہ دوسرا خدا ہی نہیں جیسے لافتی الا علی لاسیف الا ذوالفقار (حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے علاوہ کوئی بہادر جوان نہیں اور ذوالفقار کے علاوہ کوئی تلوار نہیں) وغیرہ محاوراتِ عرب سے روشن ہے ـــــ یہ نکتہ ہمیشہ یاد رکھنے کا ہے کہ ایسے مرتدانِ لیام، مدعیان اسلام کے مکرو اوہام سے نجات وشفا ہے۔ و باللہ التوفیق و الحمد للہ رب العٰلمین.

بالجملہ ان رافضیوں، تبرائیوں کے باب میں حکم یقینی قطعی اجماعی یہ ہے کہ وہ علی العموم کفار مرتدین ہیں ـــــ اُن کے ہاتھ کا ذبیحہ مردار ہے ـــــ ان کے ساتھ مناکحت نہ صرف حرام، بلکہ خالص زنا ہے ـــــ معاذ اللہ مرد رافضی اور عورت مسلمان ہو، تو یہ سخت قہر الٰہی ہے ـــــ اگر مرد سُنی اور عورت ان خبیثوں میں کی ہو جب بھی ہرگز نکاح نہ ہوگا، محض زنا ہوگا ـــــ اولاد، ولد الزنا ہوگی ـــــ باپ کا ترکہ نہ پائے گی، اگرچہ اولاد بھی سُنی ہی ہو، کہ شرعاً ولد الزنا کا باپ کوئی نہیں ـــــ عورت نہ ترکہ کی مستحق ہوگی، نہ مہر کی، کہ زانیہ کے لیے مہر نہیں ـــــ رافضی اپنے کسی قریب حتیٰ کہ باپ، بیٹے، ماں، بیٹی کا بھی ترکہ نہیں پاسکتا ـــــ سُنی تو سنی، کسی مسلمان، بلکہ کسی کافر کے بھی یہاں تک کہ خود اپنے ہم مذہب رافضی کے ترکہ میں اس کا اصلاً کچھ حق نہیں ـــــ ان کے مرد، عورت، عالم، جاہل کسی سے میل جول، سلام کلام، سب سخت کبیرہ، اشد حرام ـــــ جو ان کے ان ملعون عقیدوں پر آگاہ ہو، پھر بھی انھیں مسلمان جانے، یا ان کے کافر ہونے میں شک کرے، باجماع تمام ائمۂ دین خود کافر بے دین ہے ـــــ اور اُس کے لیے بھی

یہی سب احکام ہیں جو اُن کے لیے مذکور ہُوئے ـــــ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس فتویٰ کو بگوش ہوش سنیں اور اس پر عمل کر کے سچے پکے مسلمان سنی بنیں ـــــ و با للہ التوفیق واللہ سبحنہ و تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم.[1]

مسلمانو! اپنے دوست و دشمن کو پہچانو:

ایک سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ وہابیہ، دیابنہ، نیچریہ، قادیانیہ اور چکڑالویہ کے مکر و فریب اور ان کے باطل عقائد و نظریات سے سادہ لوح مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لیے ان فرقوں کی حقیقت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"یقیناً وہ سب بدعتی اور ربہ استحقاق ناری جہنمی اور جہنم کے کتے ہیں ـــــ مگر انھیں خوارج و روافض کے مثل کہنا، روافض و خوارج پر ظلم اور ان وہابیہ کی کسر شان خباثت ہے ـــــ رافضیوں، خارجیوں کی قصدی گستاخیاں صحابۂ کرام و اہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر مقصور ہیں ـــــ اور اِن کی گستاخیوں کی اصل مطمح نظر حضرات انبیاے کرام اور خود حضور پر نور شافع یوم النشور ہیں ﷺ ۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ان کے پیچھے اقتدا باطل محض ہے ـــــ ان سب کی کتب کا مطالعہ حرام ہے، مگر عالم کو بغرض رد ـــــ ان سے میل جول قطعی حرام ـــــ ان سے سلام و کلام حرام ـــــ انھیں پاس بٹھانا حرام ـــــ ان کے پاس بیٹھنا حرام ـــــ بیمار پڑیں تو ان کی عیادت حرام ـــــ مرجائیں تو مسلمانوں کا سا انھیں غسل و کفن دینا حرام ـــــ ان کا جنازہ اٹھانا حرام ـــــ ان پر نماز پڑھنا حرام ـــــ انھیں مقابر مسلمین میں دفن کرنا حرام ـــــ ان کی قبر پر جانا حرام ـــــ انھیں ایصال ثواب کرنا حرام، مثل نماز جنازہ کفر ـــــ قال اللہ تعالیٰ: وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾[2] ـــــ اگر شیطان تجھے بھلادے تو یاد آئے پر ان ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ ـــــ اور فرماتا ہے: وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔[3] ـــــ اور نہ میل کرو ظالموں کی طرف کہ تمھیں

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، رسالہ "ردّ الرفضۃ (۱۳۲۰ھ)" ج:۱۰، ص:۵۲۶، ۵۲۷، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۴، ص:۲۶۶ تا ص:۲۶۸، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۲) پارہ:۷، الانعام:۶، آیت:۶۸۔

(۳) پارہ:۱۲، ہود:۱۱، آیت:۱۱۳۔

دوزخ کی آگ چھوئے گی۔

نبی ﷺ فرماتے ہیں: فایاکم وایاھم لایضلو نکم ولایفتنونکم.(۱) —— ان سے دور بھاگو اور انھیں اپنے سے دور کرو، کہیں وہ تمھیں گمراہ نہ کردیں، وہ تمھیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔

—— دوسری حدیث میں ہے کہ فرمایا: لاتجالسوھم ولاتؤاکلوھم ولاتشاربوھم واذامرضوالاتعودوھم واذا ماتوا فلاتشھدوھم ولاتصلواعلیھم ولاتصلوا معھم.(۲) —— نہ ان کے پاس بیٹھو —— نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ —— نہ ان کے ساتھ پانی —— بیمار پڑیں تو ان کی عیادت نہ کرو —— مرجائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ —— نہ ان پر نماز پڑھو —— نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔

رب عزوجل فرماتا ہے: وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْھُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ۔(۳) —— ان میں کبھی کسی کے جنازہ کی نماز نہ پڑھنا، نہ اس کی قبر پر کھڑا ہونا۔ —— جو ان کے اقوال پر مطلع ہو کر ان سے محبت رکھے، وہ انھیں کی طرح کافر ہے —— قال اللہ تعالیٰ: وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ۔(۴) —— تم میں سے جو ان سے دوستی رکھے، وہ بیشک انھیں میں سے ہے۔ —— اور اس کا حشر انھیں کافروں کے ساتھ ہوگا —— رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: من احب قوما حشرہ اللہ معھم.(۵) —— جو کسی قوم سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ اسی قوم کے ساتھ اس کا حشر کرے گا۔

اللہ عزوجل سب خبثا کے شر سے پناہ دے اور مسلمان بھائیوں کی آنکھیں کھولے اور دوست، دشمن پہچاننے کی تمیز دے —— ارے کس کے دوست دشمن —— محمد رسول اللہ ﷺ کے دوست ودشمن —— افسوس، افسوس، ہزار افسوس کہ آدمی اپنے دوست دشمن کو پہچانے —— اپنے دشمن کے سایہ سے بھاگے —— اس کی صورت دیکھ کر آنکھوں میں خون اترے —— اور محمد رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں، ان کے بدگویوں، انھیں گالیاں لکھ کر شائع کرنے والوں اور ان خبیثوں کے ہم

---

(۱) صحیح مسلم، باب نہی عن الروایہ، ج:۱، ص:۱۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان۔

(۲) کنزالعمال، باب فضائل الصحابہ، ج:۱۱، ص:۵۴۰و۵۴۲و۵۲۹، موسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان۔

(۳) پارہ:۱۰، التوبۃ:۹، آیت:۸۴۔

(۴) پارہ:۶، المائدۃ:۵، آیت:۵۱۔

(۵) المعجم الکبیر للطبرانی، ج:۳، ص:۱۹، حدیث:۲۵۱۹، المکتبۃ الفیصلیہ، بیروت، لبنان۔

مذہبوں، ہم پیالوں سے میل جول رکھے —— کیا قیامت نہ آئے گی —— کیا حشر نہ ہو گا —— کیا رسول اللہ ﷺ کو منہ دکھانا نہیں —— کیا ان کے آگے شفاعت کے لیے ہاتھ پھیلانا نہیں —— مسلمانو! اللہ سے ڈرو —— رسول اللہ ﷺ سے حیا کرو —— اللہ عزوجل توفیق دے۔ آمین. و اللہ تعالیٰ اعلم.[۱]

التماس ہدایت اساس:

جب علماے گنگوہ و دیوبند نے امکان کذب باری تعالیٰ کا مسئلہ گڑھا اور تحریر و تقریر میں یہ کہنا شروع کیا کہ " امکان کذب کا مسئلہ اب جدید کسی نے نہیں نکالا، بلکہ قدما میں اختلاف ہوا ہے کہ خلف وعید آیا جائز ہے یا نہیں —— ہمارا تو اعتقاد یہ ہے کہ خدا نے کبھی جھوٹ بولا، نہ بولے، مگر بول سکتا ہے ——بہشتیوں کو دوزخ اور دوزخیوں کو بہشت میں بھیج دے تو کسی کا اجارہ نہیں، اور یہی امکان کذب ہے، انتہی۔ ——
اس پر میرٹھ سے ابو محمد صادق علی صاحب نے دریافت کیا کہ " ایسا اعتقاد کیسا ہے اور اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں جس کا عقیدہ ایسا ہے؟

اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ایک مبسوط فتویٰ رقم فرمایا[۲] اور دلائل کثیرہ وافرہ سے ان کے عقیدۂ امکان کذب باری تعالیٰ کا رد و ابطال فرمایا ——پھر آخر میں ان کے ضمیر کو بیدار کرنے کی آخری کوشش کرتے ہوئے ایک التماس کی اور فرمایا:

"میں جانتا ہوں کہ فقیر کے اس رسالے پر حسبِ معمول سخن پروری و بحکم دستور تعصب و خود سری اگر بعض سلیم خاطریں شرمائیں گی ——قبول و انصاف کو کام فرمائیں گی ——تو بہت عنادی طبیعتیں گرمائیں گی ——جبلی نزاکتیں غصہ لائیں گی —— جاہلی حمیتیں جوش دکھائیں گی ——تعصبی حمایتیں ہمت پر آئیں گی —— وحسبنا اللہ ونعم الوکیل، نعم المولیٰ ونعم الکفیل. ——یہ سب کچھ قبول، کھسیانا عاجزوں کا قدیمی معمول ——مگر اِنَّمَآ اَعِظُکُمۡ بِوَاحِدَةٍ۔[۳] ——حق

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۶، ص:۹۰، ۹۱، کتاب السیر، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/فتاویٰ رضویہ مترجم، کتاب السیر، ج:۱۴، ص:۴۰۲ تا ص:۴۰۵، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۲) اس فتویٰ کا تاریخی نام ہے " سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح (۱۳۰۷ھ)"۔ یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ میں شامل ہے اور الگ سے بھی چھپا ہوا ہے۔

(۳) پارہ:۲۲، سبا:۳۴، آیت :۴۶۔ ترجمہ: میں تمھیں ایک نصیحت کرتا ہوں۔ (کنز الایمان)

اسلام یاد لاکر اتنا مامول کہ چند ساعت کے لیے تعصب و نفسانیت کو راہ بتائیں ـــــ مثنیٰ و فرادیٰ، تنہا یا دو دو صاحب بیٹھ کر غور فرمائیں ـــــ اگر کلام خصم حق و صواب ہو تو للہ! حق سے کیوں اجتناب ہو ـــــ کیا قرآن نے نہ سنایا کہ تمھارے رب نے کیا فرمایا: سَیَذَّکَّرُ مَنۡ یَّخۡشٰی ﴿۱۰﴾ وَ یَتَجَنَّبُہَا الۡاَشۡقَی ﴿۱۱﴾۔ (۱)

اے میرے پیارے بھائیو! کلمۂ اسلام کے ہمراہیو! اگرچہ نفس امّارہ، رہزن عیّارہ اور شیطان لعین اس کا معین، ولہذا خطا کا اقرار آدمی کو ناگوار، مگر واللہ! وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتۡہُ الۡعِزَّۃُ بِالۡاِثۡمِ۔ (۲) کی آفت سخت شدید، اَلَیۡسَ مِنۡکُمۡ رَجُلٌ رَّشِیۡدٌ ﴿۷۸﴾۔ (۳)

خدارا ذرا انصاف کو کام فرماؤ ـــــ خلق کا کیا پاس، خالق سے شرماؤ ـــــ کچھ دیکھا بھی کس پر امکانِ کذب کی تہمت دھرتے ہو ـــــ کس پاک بے عیب میں عیب آنے کا احتمال کرتے ہو ـــــ العظمۃ للہ! ارے وہ خدا ہے سب خوبیوں والا ـــــ ہر عیب و نقصان سے پاک نرالا ـــــ ذرا تو گریبان میں منہ ڈالو ـــــ جس نے زبان عطا فرمائی اس کے بارے میں تو زبان سنبھالو ـــــ وائے بے انصافی! تمھیں کوئی جھُوٹا کہے تو آپے میں نہ رہو ـــــ اور ملک جبار واحد قہار کا جھُوٹا ہونا یوں ممکن کہو ـــــ یہ کون سی دیانت ہے ـــــ کیا انصاف ہے ـــــ اس پر یہ قہر اصرار، یہ بلا اعتساف ہے۔

اے طائفہ حائفہ! اے قوم مفتون! مانو تو ایک تدبیر تمھیں بتاؤں ـــــ میرا رسالہ تنہائی میں بیٹھ کر بغور دیکھو ـــــ ان دو سو دلائل و اعتراضات کو ایک ایک کر کے انصاف سے پرکھو ـــــ فرض کردم کہ دو سو میں استحالۂ کذبِ الٰہی پر صرف ایک دلیل اور تمھارے خیال اور تمھارے امام کے ہذیانی اقوال پر فقط ایک ایک اعتراضَ قاطع ہر قال و قیل، باقی رہ گیا ـــــ باقی سب تم نے جواب دے لیا ـــــ تو جان برادر! احقاقِ حق کو ایک دلیل کافی ـــــ ابطال باطل کو ایک اعتراض وافی ـــــ نہ کہ دلائل باہرہ، اعتراضات قاہرہ ـــــ صدہا سنو اور ایک نہ گنو۔ ـــــ دل میں جانتے جاؤ کہ دلائل باصواب اور اعتراض لاجواب ـــــ مگر ماننے کی قسم، توبہ کی آن ـــــ بلکہ اُلٹے تایید باطل کی فکر سامان ـــــ یہ تو حق پرستی نہ ہوئی ـــــ بادبدستی ہوئی ـــــ نشۂ تعصب میں سیاہ مستی ہوئی ـــــ پھر قیامت تو نہ آئے گی

---

(۱) پارہ:۳۰، الاعلیٰ :۸۷، آیت :۱۰، ۱۱۔ ترجمہ: عنقریب نصیحت مانے گا جو ڈرتا ہے اور اس سے وہ بڑا بدبخت دور رہے گا۔ (کنزالایمان)

(۲) پارہ:۲، البقرۃ:۲، آیت :۲۰۶۔ ترجمہ: اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو اسے اور ضد چڑھے گناہ کی۔ (کنزالایمان)

(۳) پارہ:۱۲، ہود:۱۱، آیت :۷۸۔ ترجمہ: کیا تم میں ایک آدمی بھی نیک چلن نہیں۔ (کنزالایمان)

——حساب تو نہ ہو گا ——خدا کے حضور سوال و جواب تو نہ ہو گا —— اے رب میرے! ہدایت فرما اور ان لجیلی آنکھوں کو کچھ تو شرما۔

می توانی کہ دہی اشک مرا حسن قبول اے کہ دُر ساختۂ قطرہ بارانی را[۱]

اور یہیں سے ظاہر کہ جو صاحب قصد جواب کی ہمت رکھیں ——ایک ایک دلیل، ایک ایک اعتراض کا تفصیلی جواب سمجھ کر لکھیں ——یہ نہ ہو کہ ابقائے مشیخت، رفع ندامت، فریب عوام، جواب کے نام کو کہیں —— کچھ اعتراض، باقی سے اعراض—— یہ کلامِ خصم کا رَد نہ کرے گا —— الٹا تمھیں پر صاعقہ بن کر گرے گا، کہ جب حجت خصم مٹا نہ سکے ——مذہب سے اعتراض ہٹا نہ سکے —— تو ناحق تکلیف خامہ اٹھائی —— مصیبت سیاہی نامہ اٹھائی —— اپنے ہی عجز کا اظہار کیا —— بطلان مذہب کا اقرار کیا —— للہ کچھ دیر تو حق و انصاف کی قدر سمجھو ——زنجیر تعصب کی قید سے سلجھو ——خار زار تکبّر میں اتنا نہ اُلجھو —— افسوس کہ حق کا چاند جلوہ نما اور تمھارے نصیب کی وہی کالی گھٹا ——ہمارے ہمایوں سایہ فگن اور تمھارا تاج وہی بالِ زغن ——اے سچّے خدا! سچ سے موصوف، جھوٹ سے نرالے، سچے رسول پر سچی کتاب اتارنے والے! اپنے سچے حبیب کی سچی وجاہت کا صدقہ ——امت مصطفٰی کو سچّی ہدایت عنایت فرما۔[۲]

ساجد علی مصباحی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

۹ر ربیع الاول ۱۴۴۰ھ/۱۸ر نومبر ۲۰۱۸ء۔ یک شنبہ

---

(۱) ترجمہ: اے اللہ! تو میرے آنسوؤں کو حسنِ قبول دے سکتا ہے جیسا کہ تو بارش کے قطرہ کو موتی بنا دیتا ہے۔

(۲) فتاوٰی رضویہ، کتاب السیر، رسالہ "سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح" ج:۶، ص:۲۷۳، رضا اکیڈمی، ممبئی۔/فتاوٰی رضویہ مترجم، کتاب السیر، ج:۱۵، ص:۴۴۷، ۴۴۸، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

فتاویٰ رضویہ اور سیرت رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

محترمہ سائرہ بانو سبطینی
مرکز السنیہ جامعہ ایوب نسواں، پیراکنک، ضلع کشی نگر

امام اہلِ سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی زندگی کا ہر لحہ ذکر سیرتِ رسول میں گذرتا، رسول کے فرمودات و معمولات کے مطابق زندگی گزارنا ان کا ترجیحی عمل تھا، ان کی تصنیف کردہ کتابوں میں سب سے مشہور و معروف کتاب " العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ ہے، جو اہلِ سنت وجماعت کے لیے انمول تحفہ ہے۔ اسی گنجینۂ لعل وگہر سے کچھ آب دار موتی حاضرِ خدمت ہیں۔

حضور کے آباواجداد کا مسلمان ہونا:

اللہ عزوجل فرماتا ہے: "وَ لَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكٍ"، بیشک مسلمان غلام بہتر ہے مشرک سے۔
(القرآن الکریم ۲/ ۲۲۱)

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: بعثت من خير قرون بنی أدم قرناً فقرناً حتی كنت من القرن الذی كنت منه . رواه البخاری فی صحيحه عن ابی هريرة رضی الله تعالى عنه . میں ہر قرن وطبقہ میں تمام قرون بنی آدم کے بہتر سے بھیجا گیا یہاں تک کہ اس قرن میں ہوا جس میں پیدا ہوا، اس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔
(صحیح البخاری کتاب المناقب باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۰۳)

حضرت امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا علی مرتضی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کی حدیث صحیح میں ہے:
لم يزل على وجه الدهر (الارض) سبعة مسلمون فصاعداً فلولاذلك هلكت الارض ومن عليها. اخرجه عبدالرزاق وابن المنذر بسند صحيح على شرط الشيخين.
روے زمین پر ہر زمانے میں کم سے کم سات مسلمان ضرور رہے ہیں، ایسا نہ ہوتا تو زمین واہل زمین سب ہلاک ہوجاتے۔ اس کو عبدالرزاق اور ابن المنذر نے شیخین کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔
(شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بحوالہ عبدالرزاق وابن المنذر المقصد الاول دارالمعرفۃ بیروت، ۱/ ۱۷۴)

حضرت عالم القرآن حبرالامۃ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے : ماخلت

الارض من بعد نوح من سبعة يدفع الله بهم عن اهل الارض .
نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد زمین کبھی سات بندگان خدا سے خالی نہ ہوئی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اہل زمین سے عذاب دفع فرماتا ہے ۔ (شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بحوالہ احمد فی الزہد الخ المقصد الاول دارالمعرفۃ بیروت،۱/۱۷۴)

جب صحیح حدیثوں سے ثابت کہ ہر قرن و طبقے میں روے زمین پر لااقل سات مسلمان بندگانِ مقبول ضرور رہے ہیں، اور خود صحیح بخاری شریف کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ جن سے پیدا ہوئے وہ لوگ ہر زمانے میں، ہر قرن میں خیار قرن سے، اور آیت قرآنیہ ناطق کہ کوئی کافر اگرچہ کیسا ہی شریف القوم بالانسب ہو، کسی غلام مسلمان سے بھی خیر و بہتر نہیں ہوسکتا تو واجب ہوا کہ مصطفیٰ ﷺ کے آبا و امہات ہر قرن اور طبقہ میں انھیں بندگان صالح و مقبول سے ہوں ورنہ معاذاللہ صحیح بخاری میں ارشاد مصطفیٰ ﷺ و قرآن عظیم میں ارشاد حق جل وعلا کے مخالف ہوگا۔

آگے امام اہلِ سنت اس کے متعلق فرماتے ہیں: قال الله تبارك و تعالى :

"وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾".

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: بھروسا کر زبردست مہربان پر جو تجھے دیکھتا ہے جب تو کھڑا ہو اور تیرا کروٹیں بدلنا سجدہ کرنے والوں میں ۔ (القرآن الکریم، سورۃ الشعرا، ۲۱۷ تا ۲۱۹)

امام رازی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: معنی آیت یہ ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا نور پاک ساجدوں سے ساجدوں کی طرف منتقل ہوتا رہا، اور آیت اس پر دلیل ہے کہ سب آبائے کرام مسلمین تھے ۔ (مفاتیح الغیب تحت آیۃ ۲۶ / ۲۱۹ ۔ ۲۴/ ۱۴۹) [فتاویٰ رضویہ، رسالہ شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام، ج:۱۹، ص:۳۱۴، رضا اکیڈمی]

نطفۂ زکیہ کا استقرار:

کسی نے امام اہلِ سنت سے سوال کیا کہ حضور اکرم ﷺ کا استقرار نطفۂ زکیہ کس ماہ و تاریخ میں ہوا؟

امام احمد رضا محدث بریلوی نے اس کا جواب اپنے فتویٰ میں اس طرح تحریر فرمایا:

۱۲ رجمادی الآخرہ ہوگا مگر جاہلیت کا دورِ نسی اگر منتظم مانا جائے یعنی علی التوالی ایک ایک مہینہ ہٹاتے ہوں تو سال استقرار حمل اقدس ذی الحجہ، شعبان میں پڑتا ہے نہ کہ جمادی الآخرہ میں کہ ذی الحجہ حجۃ الوداع شریف جب عمر اقدس حضور پر نور ﷺ سے تریسٹھواں سال تھا ذی الحجہ میں آیا تو ۱۲، ۱۲ کے اسقاط سے جب عمر اقدس سے تیسرا سال تھا ذی الحجہ میں ہوا اور دوسرا سال ذی القعدہ، اور پہلا سال شوال،

ولادت شریفہ رمضان اور سال استقرار حمل مبارک شعبان میں لیکن ان نا منتظموں کی کوئی بات منتظم نہ تھی جب جیسی چاہتے کرلیتے، لٹیرے لوگ جب لوٹ مار چاہتے اور مہینہ ان کے حسابوں اشہر حرم سے ہوتا، اپنے سردار کے پاس آتے اور کہتے اس سال یہ مہینہ حلال کردے، وہ حلال کردیتا، اور دوسرے سال گنتی پوری کرنے کو حرام ٹھہرادیتا۔ کمارواہ ابناء جریر والمنذر ومردویہ وابی حاتم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما. (الدرالمنثور تحت الآیۃ ۹/ ۳۷ ۴/ ۱۷۳)

سائل نے یہاں تاریخ سے سوال نہ کیا اس میں اقوال بہت مختلف ہیں، دو، آٹھ، دس، بارہ، سترہ، اٹھارہ، بائیس، سات قول ہیں مگر اشہر واکثر وماخوذ ومعتبر بارہویں ہے۔ مکہ معظمہ میں ہمیشہ اسی تاریخ مکان مولد اقدس کی زیارت کرتے ہیں کما فی المواھب. (المواھب اللدنیہ، المقصد الاول، ۱/ ۱۴۲)

اور خاص اس مکان جنت نشان میں اسی تاریخ مجلس میلاد مقدس ہوتی ہے۔

علامہ قسطلانی وفاضل زرقانی فرماتے ہیں: المشھور انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولد یوم الاثنین ثانی عشر ربیع الاول وھو قول محمد بن اسحاق امام المغازی وغیرہ...

اور حضور ﷺ فرماتے ہیں:

فطرکم یوم تفطرون واضحاکم یوم تضحون.(سنن ابوداؤد کتاب الصیام، باب اذا اخطا القوم الھلال،، ج:۱ص:۳۱۸)

والبیھقی فی السنن عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح ورواہ الترمذی وحسنہ فزاد فی اولہ "الصوم یوم تصومون والفطر"

(جامع الترمذی، ابواب الصیام، باب ماجاء ان الفطر یوم تفطرون، ۱/ ۸۸)

الحدیث وارسلہ الشافعی فی مسندہ والبیھقی فی سننہ عن عطاء فزاد فی أخرہ "وعرفۃ یوم تعرفون. " (السنن الکبرٰی، کتاب الحج، باب خطأ الناس یوم عرفہ، ۵/ ۱۷۶)

یعنی مسلمانوں کا روزِ عید الفطر وعید الاضحی روزِ عرفہ سب اس دن ہے جس دن جمہور مسلمین خیال کریں اسے۔ وان لم یصادف الواقع ونظیرہ قبلۃ التحری۔ لاجرم عید میلاد والا بھی کہ عید اکبر ہے قول وعمل جمہور مسلمین ہی کے مطابق بہتر ہے فلا وفق العمل ماعلیہ العمل.

(فتاوٰی رضویہ، رسالہ: نطق الھلال بارخ ولاد الحبیب والوصال، ج:۲۰، ص:۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸)

حضور ﷺ کی تاریخِ ولادت

حضور پرنور سرکارِ دوعالم ﷺ کی تاریخِ ولادت کے بارے میں امام احمد رضا محدث بریلوی سے

کسی نے سوال کیا کہ حضور ﷺ کس ماہ میں پیدا ہوئے؟

توامام اہلِ سنت سیرت رسول کو نگاہوں کے سامنے رکھتے ہوئے اس کا جواب اپنے فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

رجب، صفر، ربیع الاول، محرم، رمضان سب کچھ کہا گیا اور صحیح و مشہور و قول جمہور ربیع الاول ہے۔

مدارج میں ہے: مشہور آنست کہ در ربیع الاول بود۔ (مدارج النبوۃ، باب اول ولادت آنحضرت ﷺ، ۲/ ۱۴)

شرح الہمزیہ میں ہے: الاصح فی شهر ربیع الاول. (الفتوحات الاحمدیۃ بالمنح المحمدیۃ شرح الہمزیۃ قولہ لیلۃ المولد، ص۱۰)

مواہب میں ہے: وھو قول جمهور العلماء. (المواہب اللدنیۃ، المقصد الاول یوم، ۱/ ۱۴۰)

پھر کہا: فی شهر ربیع الاول علی الصحیح. (المواہب اللدنیۃ، المقصد الاول، شہر الولادۃ، ۱/ ۱۴۲)

شرح زرقانی میں ہے: قال ابن کثیر ھو المشہور عند الجمهور. (شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ، المقصد الاول، ۱/ ۱۳۲)

اسی میں ہے: وعلیه العمل. علما نے بآنکہ اقوال مذکرہ سے آگاہ تھے محرم ورمضان ورجب کی نفی فرمائی،

مواہب میں ہے: لم یکن فی المحرم ولافی رجب ولافی رمضان۔ (شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ، المقصد الاول، ۱/ ۱۳۲)

شرح ام القریٰ میں ہے: لم یکن فی الاشهر الحرم اور مضان.

یہاں تک کہ علامہ ابن الجوزی وابن جزار نے اسی پر اجماع نقل کیا۔

نسیم الریاض میں تلقیح سے ہے: اتفقوا علی انه ولد یوم الاثنین فی شهر ربیع الاول.

(نسیم الریاض، فصل و من ذٰلک ماظہر من الآیات عند مولدہ، ۳/ ۲۷۵)

اسی طرح ان کی صفوہ میں ہے: کما للزرقانی ثم عزاہ ایضا لابن الجزار

پس اس کا انکار اگر ترجیحات علماواختیار جمہور کی ناواقفی سے ہو تو جہل ورنہ مرکب کہ اس سے بدتر۔

امام احمد رضا محدث بریلوی فرماتے ہیں:

مگراس تقدیر پر استقرار حمل ماہ ذی الحجہ میں صریح اشکال کہ دربارہ حمل چھ مہینے سے کمی عادۃً محال، اور خود اوپر گزرا کہ مدت حمل شریف نہ ماہ ہونا اصح الاقوال، تو یہ تینوں تصحیحیں کیونکر مطابق ہوں۔

لیکن امام احمد رضا محدث بریلوی فرماتے ہیں:

و باللہ التوفیق مہینے زمانہ جاہلیت میں معین نہ تھے اہل عرب ہمیشہ شہر حرم کی تقدیم تاخیر کر لیتے جس کے سبب ذی الحجہ ہر ماہ میں دورہ کر جاتا، قال اللہ تعالیٰ:

"اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ بِہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَہٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَہٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّۃَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ"۔ (القرآن الکریم، سورۃ التوبہ، آیت:۳۷)

یہاں تک کہ صدیق اکبر و مولیٰ علی کرم اللہ وجھہما نے جو ہجرت سے نویں سال حج کیا وہ مہینا واقع میں ذیقعدہ تھا[1]۔ سال دہم میں ذی الحجہ اپنے ٹھکانے سے آیا سید عالم ﷺ نے حج فرمایا اور ارشاد کیا:

ان الزمان قد استدار کھیأته یوم خلق اللہ السمٰوٰت والارض الحدیث.

رواہ الشیخان. (صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ براۃ باب قولہ ان عدۃ الشھور الخ، ۲/ ۶۷۲)

اس دن سے نسی نسیًا منسیا ہوا اور یہی دورہ دوازدہ ماہہ قیامت تک رہا تو کچھ بعید نہیں کہ اس ذی الحجہ سے ربیع الاول تک نو مہینے ہوں شاید شیخ محقق اسی نکتہ کی طرف مشیر ہیں کہ زمانہ استقرار مبارک کو ایام حج سے تعبیر کیا نہ کہ ذی الحجہ سے، اگرچہ اس وقت کے عرف میں اسے ذی الحجہ بھی کہنا ممکن تھا۔

(فتاویٰ رضویہ، رسالہ: نطق الھلال بارخ ولاد الحبیب والوصال، ج:۲۰، ص:۵۰۵)

کسی نے کہا ولادت شریف کا دن کیا تھا؟

امام احمد رضا نے اس کے بارے میں تحریر فرمایا کہ

بالاتفاق دوشنبہ صرح بہ العلامۃ ابن حجر فی افضل القریٰ.

سید عالم ﷺ پیر کے دن کو فرماتے ہیں: ذٰلك یوم ولدت فیه، رواہ مسلم

(صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثہ، ۱/ ۳۶۸)

حضور ﷺ کے معجزات

رویت الٰہی:

امامِ اہلِ سنت امام احمد رضا محدث بریلوی سے کسی نے یہ سوال کیا کہ شبِ معراج نبی ﷺ کا اپنے رب کو دیکھنا کس حدیث سے ثابت ہے؟

---

(۱) اس پر اعتراض ہے کہ بروز عرفہ صدیق و مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اعلان احکام الٰہیہ فرمایا جسے رب عزوجل نے واذان من اللہ ورسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر انّ اللہ بریئ من المشرکین ورسولہ، اقول: وفیہ نظر بوجوہ فتامل منہ غفر لہ

امام اہلِ سنت اس کا جواب اپنے فتاویٰ میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

امام احمد اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی: قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رأیت ربی عزوجل. (مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، ۱/۲۸۵)

امام جلال الدین سیوطی خصائص کبریٰ اور علامہ عبدالرؤف مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

یہ حدیث بسند صحیح ہے (التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث رأیت ربی، ۲/۲۵)

(الخصائص الکبریٰ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما، ۱/۱۶۱)

ابن عساکر حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لان اللہ اعطی موسی الکلام واعطانی الرؤیۃ لوجھہ وفضلنی بالمقام المحمود والحوض المورود. (کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن جابر حدیث ۳۹۲۰۶، ۱۴/۴۴۷)

بے شک اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو دولتِ کلام بخشی اور مجھے اپنا دیدار عطا فرمایا، مجھ کو شفاعتِ کبریٰ اور حوضِ کوثر سے فضیلت بخشی۔

وہی محدث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لی ربی نحلت ابرٰھیم خلتی وکلمت موسٰی تکلیما واعطیتك یا محمد کفاحا. (تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر عروجہ الی السماء واجتماعہ بجماعۃ من الانبیاء، ۳/۲۹۶)

یعنی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے میرے رب عزوجل نے فرمایا میں نے ابراہیم کو اپنی دوستی دی اور موسیٰ سے کلام فرمایا اور تمہیں اے محمد! مواجہہ بخشا کہ بے پردہ وحجاب تم نے میرا جمال پاک دیکھا۔

(فتاویٰ رضویہ، منبہ المنیۃ بوصول الحبیب الی العرش والرویۃ، کتاب العقائد والکلام، ج:۱۸، ص:۳۰، ۴۰۰)

اور اس بات پر صحابۂ کرام، تابعین اور ائمۂ دین کا یقین ہے، اور امام اہلِ سنت نے بھی سیرت رسول کے مطابق کیا ہی شاندار فتویٰ پیش کیا ہے۔

عرش پر:

ایک مرتبہ کسی نے امام احمد رضا محدث بریلوی سے سوال کیا کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شبِ معراج عرشِ اعظم تک تشریف لے جانا علما وائمہ نے تحریر فرمایا، ہے یا نہیں، مثلاً زید کہتا ہے کہ یہ محض جھوٹ ہے، اس کا یہ کہنا کیسا ہے۔

امام اہلِ سنت اس کا جواب اپنے فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

بے شک علمائے کرام ائمہ دین عدول ثقات معتمدین نے اپنی تصانیف جلیلہ میں اس کی اور اس سے زائد کی تصریحات جلیلہ فرمائی ہیں، اور یہ سب احادیث ہیں، اگرچہ احادیث مرسل یا ایک اصطلاح پر معضل ہیں، اور حدیث مرسل و معضل باب فضائل میں بالاجماع مقبول ہے خصوصًا جبکہ ناقلین ثقات عدول ہیں اور یہ امر ایسا نہیں جس میں رائے کو دخل ہو تو ضرور ثبوت سند پر محمول، اور مثبت نافی پر مقدم، اور عدم اطلاع اطلاع عدم نہیں تو جھوٹ کہنے والا محض جھوٹا مجازف فی الدین ہے۔

امام اجل سیدی محمد بوصیری قدس سرہ، قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

سریت من حرم لیلا الی حرم کما سری البدر فی داج من الظلم

و بت ترقی الی ان نلت منزلة من قاب قوسین لم تدرك ولم ترم

خفضت کل مقام بالاضافة اذ نودیت بالرفع مثل المفرد العلم

فحزت کل فخار غیر مشترك وجزت کل مقام غیر مزدحم

(الکواکب الدریۃ فی مدح خیر البریۃ (قصیدہ بردہ) الفصل السابع، ص ۴۴ تا ۴۶)

یعنی یا رسول اللہ! حضور رات کے ایک تھوڑے سے حصے میں حرم مکہ معظمہ سے بیت الاقصیٰ کی طرف تشریف فرما ہوئے جیسے اندھیری رات میں چودھویں کا چاند چلے، اور حضور اس شب میں ترقی فرماتے رہے، یہاں تک کہ قاب قوسین کی منزل کو پہنچے جو نہ کسی نے پائی نہ کسی کو اس کی ہمت ہوئی۔ حضور نے اپنی نسبت سے تمام مقامات کو پست فرما دیا، جب حضور رفع کے لئے مفرد علم کی طرح ندا فرمائے گئے حضور نے ہر ایسا فخر جمع فرما لیا جو قابل شرکت نہ تھا اور حضور ہر اس مقام سے گزر گئے جس میں اوروں کا ہجوم نہ تھا یا یہ کہ حضور نے سب فخر بلاشرکت جمع فرما لیے، اور حضور تمام مقامات سے بے مزاحم گزر گئے۔

یعنی عالم امکان میں جتنے مقام ہیں حضور سب سے تنہا گزر گئے کہ دوسرے کو یہ امر نصیب نہ ہوا۔

امام ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی اس کی شرح افضل القریٰ میں فرماتے ہیں: قال بعض الائمة والمعاریج لیلة الاسراء عشرة ، سبعة فی السمٰوٰت والثامن الی سدرة المنتھی والتاسع الی المستوی والعاشر الی العرش.

(افضل القریٰ لقراء ام القری تحت شعر ۷۳، المجمع الثقافی ابو ظبی، ۱/ ٤٠٤)

بعض ائمہ نے فرمایا شب اسرا دس معراجیں تھیں، سات ساتوں آسمانوں میں، اور آٹھویں سدرۃ المنتہیٰ، نویں مستویٰ، دسویں عرش تک۔

نیز شرح ہمزیہ امام مکی میں ہے: لما اعطی سلیمٰن علیه الصلوٰة والسلام الریح التی غدوها شهر ورواحها شهر اعطی نبینا صلی الله تعالٰی علیه وسلم البراق فحمله من الفرش الی العرش فی لحظة واحدة واقل مسافة فی ذٰلك سبعة اٰلاف سنة . وما فوق العرش الی المستوی والرفرف لایعلمه الا الله تعالٰی. (افضل القریٰ لقراء ام القریٰ، ج: ۱)

جب سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہوا دی گئی کہ صبح شام ایک ایک مہینے کی راہ پر لے جاتی۔ ہمارے نبی ﷺ کو براق عطا ہوا کہ حضور کو فرش سے عرش تک ایک لمحہ میں لے گیا اور اس مین ادنی مسافت سات ہزار برس کی راہ ہے۔ اور وہ جو فوق العرش سے مستویٰ اور رفرف تک رہی اسے تو خدا ہی جانے۔

اس بحث میں اقوال بہت زیادہ امام اہل سنت نے تحریر فرمائے ہیں، لیکن یہاں پر اختصار کیا گیا ہے۔

اب امامِ اہلِ سنت فرماتے ہیں۔

شیخ سلیمٰن نے عرش سے اوپر تجاوز نہ فرمانے کو ترجیح دی، اور امام ابن حجر مکی وغیرہ کی عبارت ماضیہ وآتیہ وغیرہا میں فوق العرش ولامکان کی تصریح ہے، لامکان یقینا فوق العرش ہے، اور حقیقۃً دونوں قولوں میں کچھ اختلاف نہیں، عرش تک منتہائے مکان ہے، اس سے آگے لامکان ہے، اور جسم نہ ہوگا مگر مکان میں، تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جسم مبارک سے منتہائے عرش تک تشریف لے گئے اور روح اقدس نے وراء الوراء تک ترقی فرمائی جسے ان کا رب جانے جو لے گیا، پھر وہ جانیں جو تشریف لے گئے، اسی طرف کلام امام شیخ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں اشارہ عنقریب آتا ہے کہ ان پاؤں سے سیر کا منتہی عرش ہے، تو سیر قدم عرش پر ختم ہوئی، نہ اس لیے کہ سیر اقدس میں معاذ اللہ کوئی کمی رہی، بلکہ اس لیے کہ تمام اماکن کا احاطہ فرمالیا، اوپر کوئی مکان ہی نہیں، جسے کہیے کہ قدم پاک وہاں نہ پہنچا اور سیر قلب انور کی انتہا قاب قوسین، اگر وسوسہ گزرے کہ عرش سے ورا کیا ہوگا کہ حضور نے اس سے تجاوز فرمایا تو امام اجل سید علی وفا رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد سنیے جسے امام عبدالوہاب شعرانی نے کتاب الیواقیت والجواهر فی عقائد الاکابر میں نقل فرمایا کہ فرماتے ہیں:

لیس الرجل من یقیده العرش وما حواه من الافلاك والجنة والنار وانما الرجل من نفذ بصره الی خارج هٰذا الوجود کله وهناك یعرف قدرعظمة موجده سبحٰنه وتعالٰی . (الیواقیت والجواہر، المبحث الرابع والثلاثون، ۲/ ۳۷۰)

مَردوہ نہیں جسے عرش اور جو کچھ اس کے احاطہ میں ہے افلاک وجنت ونار یہی چیزیں محدود و مقید کرلیں،

مردود ہے، جس کی نگاہ اس تمام عالم کے پار گزر جائے وہاں اسے موجد عالم جل جلالہ کی عظمت کی قدر کھلے گی۔

صحیح بخاری شریف میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میرے ساتھ جبریل نے سدرۃ المنتہٰی تک عروج کیا اور جبار رب العزۃ جل وعلا نے دنو و تدلّی فرمائی، تو فاصلہ دو کمانوں بلکہ ان سے کم کا رہا، یہ تدلی بالائے عرش تھی، جیسا کہ حدیث شریف ہے۔

علامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض میں فرماتے ہیں: وردفی المعراج انه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لما بلغ سدرة المنتهی جاء ه بالرفرف جبریل علیه الصلٰوة والسلام فتناوله فطار به الی العرش.

(نسیم الریاض شرح شفاء القاضی عیاض، فصل: واماماوردفی حدیث الاسراء، ۲/۳۱۰)

حدیث معراج میں وارد ہوا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سدرۃ المنتہٰی پہنچے جبریل امین علیہ الصلٰوۃ والتسلیم رفرف حاضر لائے وہ حضو کو لے کر عرش تک اڑ گیا۔

اسی میں ہے: علیه یدل صحیح الاحادیث الاحاد الدالة علی دخوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الجنة ووصوله الی العرش اوطرف العالم کما سیأتی کل ذٰلک بجسده یقظه. (نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض فصل ثم اختلف السلف والعلماء، ۲/۲۷۰، ۲۶۹)

صحیح احادیثیں دلالت کرتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شب اسرا جنت میں تشریف لے گئے اور عرش تک پہنچے یا عالم کے اس کنارے تک کہ آگے لامکان ہے اور یہ سب بیداری میں مع جسم مبارک تھا۔

معراج جسمانی:

کسی نے امام اہلِ سنت سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خدا سے معراج میں روحانی ملاقات کی یا اسی جسمِ لطیف کے ساتھ؟

حضرت سیدی امام احمد رضا محدث بریلوی اس کا جواب یوں اپنے فتووں میں تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت سیدی شیخ اکبر امام محی الدین ابنِ عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحاتِ مکیہ شریف باب ۳۱۶ میں فرماتے ہیں:

اعلم ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لما کان خلقه القرأن وتخلق بالاسماء وکان الله سبحنه وتعالیٰ ذکر فی کتابه العزیز انه تعالیٰ استوی علی العرش علی طریق التمدح والثناء علی نفسه اذ کان العرش اعظم الاجسام فجعل لنبیه علیه الصلٰوة والسلام من هذا الاستواء نسبة علی طریق التمدح والثناء علیه به حیث کان اعلی

مقام ینتھی الیه من اسری به من الرسل علیهم الصلٰوة والسلام وذٰلك یدل علی انه اسری به صلی الله تعالٰی علیه وسلم بجسمه ولو کان الاسراء به رؤیا لما کان الاسراء ولا الوصل الی هذا المقام تمدحا ولا وقع من الأعراب حقه انکار علی ذٰلك.

توجان لے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا خلق عظیم قرآن تھا اور حضور اسماء الٰہیہ کی خو وخصلت رکھتے تھے اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی نے قرآن کریم میں اپنی صفات مدح سے عرش پر استوا بیان فرمایا تو اس نے اپنے نبی ﷺ کو بھی اس صفت استواعلی العرش کے پرتو سے مدح ومنقبت بخشی کہ عرش وہ اعلی مقام ہے، جس تک رسولوں میں سے سیر والے رسول کا اسرا منتہی ہو، اوراس سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا اسرا مع جسم مبارک تھا کہ اگر خواب ہوتا تو اسرا اوراس مقام استواعلی العرش تک پہنچنا مدح نہ ہوتا نہ گنوار اس پر انکار کرتے۔

اس کو امام اہلِ سنت نے بہت تحقیق تفصیل سے تحریر فرمایا ہے، لیکن یہاں پر اس میں اختصار کیا گیا ہے۔ تفصیل کے لیے فتاویٰ رضویہ منبه المنیة بوصول الحبیب الیٰ العرش والرویة، کتاب العقائد والکلام کا مطالعہ کریں۔

جسم بے سایہ:

کسی نے امام احمد رضا محدث بریلوی سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے سایہ تھا یا نہیں؟

امام احمد رضا محدث بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

بیشک حضور ﷺ کے لیے سایہ نہ تھا، اور یہ امر احادیث واقوال علمائے کرام سے ثابت ہے۔

فقد اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لم یکن یرٰی له ظل فی شمس ولا قمر.

حکیم ترمذی نے ذکوان سے روایت کی کہ سرور عالم ﷺ کا سایہ نظر نہ آتا تھا دھوپ میں نہ چاندنی میں۔ (الخصائص الکبریٰ بحوالہ الحکیم الترمذی باب الآیۃ فی انہ ﷺ لم یکن یرٰی لہ ظل، ہندا ۶۸/۱)

سیدنا عبداللہ بن مبارک اور حافظ علامہ ابن جوزی محدث رحمہااللہ تعالٰی حضرت سیدنا وابن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرتے ہیں:

قال لم یکن لرسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ظل، ولم یقم مع شمس قط الاغلب ضوؤه ضوء الشمس، ولم یقم مع سراج قط الاغلب ضوؤه علی ضوء

السراج. (الوفا باحوال المصطفٰی الباب التاسع والعشرون، ۲ /۴۰۷)

امام علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالٰی شفاء شریف میں فرماتے ہیں:

وما ذکر من انه کان لاظل لشخصه فی شمس ولا قمر لانه کان نوراً.

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی، فصل: ومن ذلک ماظہر من الآیات، ۱ /۲۲۵)

علامہ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ تعالٰی اس کی شرح نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

"دھوپ اور چاندنی اور جو روشنیاں کہ ان میں بسبب اس کے کہ اجسام، انوار کے حاجب ہوتے ہیں، لہذا ان کا سایہ نہیں پڑتا، جیسا کہ انوار حقیقت میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ پھر حدیث کتاب الوفاء ذکر کر کے اپنی ایک رباعی انشاد کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سایہ احمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دامن بسبب حضور کی کرامت و فضیلت کے زمین پر نہ کھینچا گیا اور تعجب ہے کہ باوجود اس کے تمام آدمی ان کے سایہ میں آرام کرتے ہیں۔"

پھر فرماتے ہیں: یہ تحقیق قرآن عظیم ناطق ہے کہ آپ نور روشن ہیں اور آپ کا بشر ہونا اس کے منافی نہیں جیسا کہ وہم کیا گیا، اگر تو سمجھے تو وہ نور علی نور ہیں۔

اب امام اہلِ سنت فرماتے ہیں

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما تشریف لیے جاتے تھے، ایک یہودی حضرت کے گرد عجب حرکات اپنے پاؤں سے کرتا جاتا تھا اس سے دریافت فرمایا، بولا: بات یہ ہے کہ اور تو کچھ قابو ہم تم پر نہیں پاتے جہاں جہاں تمھارا سایہ پڑتا ہے اسے اپنے پاؤں سے روندتا چلتا ہوں۔ ایسے خبیثوں کی شرارتوں سے حضرت حق عزجلالہ، نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو محفوظ فرمایا۔

محمد زرقانی رحمۃ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں:

حضور کے لئے سایہ نہ تھا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حضور نور ہیں، جیسا کہ ابن سبع نے کہا: اور حافظ رزین محدث فرماتے ہیں:

سبب اس کا یہ تھا کہ حضور کا نور ساطع تمام انوار عالم پر غالب تھا، اور بعض علما نے کہا کہ حکمت اس کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بچانا ہے اس سے کہ کسی کافر کا پاؤں ان کے سایہ پر نہ پڑے۔

علامہ سلیمان جمل فتوحات احمدیہ شرح ہمزیہ میں فرماتے ہیں: لم یکن له صلی الله تعالٰی علیه وسلم ظل یظهر فی شمس ولا قمر. (الفتوحات الاحمدیۃ علی متن الہمزیۃ سلیمان جم، ص ۵)

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سایہ نہ دھوپ میں ظاہر ہوتا نہ چاندنی میں۔

حضور کا ایک نام مبارک ''نور'' ہے، حضور کے خصائص سے شمار کیا گیا کہ دھوپ اور چاندنی میں چلتے تو سایہ نہ پیدا ہوتا۔

علما فرماتے ہیں: نور سے مراد محمد مصطفی ﷺ ہیں۔

اسی طرح آیہ کریمہ و النجم اذا هوٰى۔ (سورۃ النجم، آیت:۱)

اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے۔ میں امام جعفر صادق اور آیہ کریمہ وما ادرٰك ما الطارق النجم الثاقب. اور کچھ تم نے جانا وہ رات کو آنے والا کیا ہے، چمکتا تارا۔ میں بعض مفسرین نجم اور نجم الثاقب سے ذات پاک سید لولاک مراد لیتے ہیں۔

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ الفصل الرابع، ۱/۳۰)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: كأن الشمس تجري في وجهه.

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ الباب الثانی فصل ان قلت اکرمک اللہ، ۱/۴۶)

گویا آفتاب ان کے چہرے میں رواں تھا۔

علامہ فاسی ''مطالع المسرات'' میں ابن سبع سے نقل کرتے ہیں: كان النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم يضيء البيت المظلم من نوره. (مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات، ص ۳۹۳)

نبی ﷺ کے نور سے خانہ تاریک روشن ہو جاتا۔

اب نہیں معلوم کہ حضور کے لیے سایہ ثابت نہ ہونے میں کلام کرنے والا آپ کے نور ہونے سے انکار کرے گا یا انوار کے لیے بھی سایہ مانے گا یا مختصر طور پر یوں کہیے کہ یہ تو بالیقین معلوم کہ سایہ جسم کثیف کا پڑتا ہے نہ جسم لطیف کا، اب مخالف سے پوچھنا چاہئے تیرا ایمان گواہی دیتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا جسم اقدس لطیف نہ تھا یا ذاً باللہ، کثیف تھا اور جو اس سے تحاشی کرے تو پھر عدم سایہ کا کیوں انکار کرتا ہے؟ (فتاویٰ رضویہ، رسالہ: نفی الفی.... ج:۱۹ ص:۳۶۶ تا ۳۷۲)

حضور ﷺ کی تاریخ وفات

امام اہل سنت سے کسی نے سوال کیا کہ حضور ﷺ کی تاریخ وفات شریف کیا ہے؟

امام احمد رضا محدث بریلوی نے اس کا جواب اپنے فتویٰ میں یوں تحریر فرمایا:

امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت کی: قال مات رسول الله صلى

اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم یوم الاثنین لاثنتی عشرۃ مضت من ربیع الاول.

(الطبقات الکبریٰ ابن سعد، ذکر کم مرض رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم الخ،۲/ ۲۷۲)

یعنی: حضوراقدس ﷺ کی وفات شریف روزدوشنبہ بارہویں تاریخ ربیع الاول شریف کو ہوئی۔

امامِ اہلِ سنت احمد رضا محدث بریلوی سے کسی نے سوال کیا کہ مشہور ہے کہ ﷺ کی ولادت باسعادت بارہویں ربیع الاول کو ہوئی، چنانچہ تواریخ حبیب الٰہ میں یہی لکھا ہے۔ اور اذاقۃ الاثام کے صفحہ ۱۰۱ پر لکھا ہے کہ

"مولانا رفیع الدین خان مراد آبادی اپنے سفر کے حالات تحریر کرتے ہیں کہ بارہویں تاریخ ربیع الاول کو حرمین شریفین میں یہ محفل منعقد ہوتی ہے۔" (اذاقۃ الاثام)

مگر کوئی کہتا ہے کہ دراصل پیدائش کی تاریخ ۹/ ربیع الاول ہے، اور سالِ فیل کے حساب کرنے سے ۹/ تاریخ ربیع الاول کی آتی ہے۔ اس لیے ۱۲/ ربیع الاول جو روزِ وفات ہے، عید میلاد کرنی ممنوع ہے، اور دیگر کتبِ مختلفہ میں مختلف باتیں بیان کی گئی ہیں تو ان میں صحیح اور معتبر کون سی تاریخ ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی اس کا جواب اپنے فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں۔

شرع مطہر میں مشہور بین الجمہور ہونے کے لیے وقعت عظیم ہے، اور مشہور عند الجمہور یہی ۱۲/ ربیع الاول ہے اور علم ہیأت وزیجات کے حساب سے روز ولادت شریف ۸/ ربیع الاول ہے۔

یہ جو شبلی وغیرہ نے ۹/ ربیع الاول لکھی کسی حساب سے صحیح نہیں۔ تعامل مسلمین حرمین شریفین ومصر وشام بلاد اسلام وہندوستان میں ۱۲ ہی پر ہے اس پر عمل کیا جائے، اور روز ولادت شریف اگر آٹھ یا بفرض غلط نو یا کوئی تاریخ ہو جب بھی بارہ کو عید میلاد کرنے سے کون سی ممانعت ہے وہ وجہ کہ اس شخص نے بیان کی خود جہالت ہے، اگر مشہور کا اعتبار کرتا ہے تو ولادت شریف اور وفات شریف دونوں کی تاریخ بارہ ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، رسالہ نطق الہلال الخ، ج:۲۰، ص:۵۱۵، ۵۱۶)

اس بارے میں کافی تفصیل ہے۔ لیکن یہاں اختصار کیا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

امام احمد رضا اور احیاے دین

مولانا محمد داؤد کمال عزیزؔ مصباحی

رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان اللہ عز و جل یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مأۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا.
(مشکاۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثانی، حدیث نمبر :۲۴۷، ص:۸۲)

ترجمہ: بے شک اللہ عزوجل اس امت کے لیے ہر صدی کے اختتام پر ایسے کو بھیجے گا جو اس امت کے لیے اس کا دین زندہ کرے گا۔

اس کی سند و رجال کے سلسلے میں حضرت ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں:

اس کی سند صحیح ہے اس کے تمام رجال ثقات ہیں اور حاکم نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔(مرقات شرح مشکات ج اول ص۲۴۸)

نیز”علی راس کل مأۃ سنۃ“ کی شرح میں فرماتے ہیں:

”یعنی صدی کے اختتام پر یا اس کے آغاز میں جب کہ علم و سنت کم ہونے لگیں اور جہل و بدعت کی زیادتی ہو جائے۔“ (مرقات ج اول ص ۲۴۷)

مذکورہ بالا حدیث پاک کے تعلق سے حضرت ملا علی قاری اور علامہ جلال الدین سیوطی علیہما الرحمہ کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) تجدید عموم پر محمول ہے یعنی ایک وقت میں چند مجدد ہو سکتے ہے۔

(۲) تجدید کا دائرہ محدود اور کسی ایک میدان میں منحصر نہیں بلکہ دین و قوانین سیاست کی حفاظت، عدل و انصاف کا قیام، حفظ قرآن، ضبط احادیث، وعظ و نصیحت، تقوی و پرہیزگاری وغیرہ سب کو شامل ہے۔

(۳) مجدد کی خصوصیات و شرائط میں سے یہ ہے کہ وہ انتہاے صدی ہجری میں مشہور و معروف اور مشار الیہ ہو یعنی صدی گزرے اور وہ بقید حیات رہ کر شہرت یافتہ و مرجع خلائق عالم دین ہو۔

(۴) مجدد وہ ہے جو سنت و بدعت کے مابین تمیز پیدا کرے اور بکثرت علوم کا جامع ہو ارباب علم کا

اعزاز اور بدعت واہل بدعت کی بیخ کنی کرے۔

(۵) مجدد کی شناخت غلبۂ ظن کے ذریعہ ہوتی ہے یعنی اس کے قرائن واحوال اور اس کے علم سے انتفاع کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے۔(ملخصا از: امام احمد رضا اور جدید افکار ونظریات ص ۶۸ تا ۷۰).

چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سے آج تک ہر صدی میں ایسی عظیم شخصیتوں کا ظہور ہوتا رہا جن کی کوششوں سے دین کو تقویت اور زندگی ملتی رہی۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالی عنہ کا نام آتا ہے جو پہلی صدی کے مجدد تھے اور چودھویں صدی میں مجدد کے طور پر امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا نام نامی آتا ہے۔

ماہر رضویات پروفیسر مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں:

مجدد بریلوی نے پوری شدت اور قوت کے ساتھ بدعات کا استیصال کیا اور احیاے دین متین اور احیاے سنت کا اہم فریضہ ادا کیا اسی لیے علماے عرب وعجم نے ان کو مجدد کے لقب سے یاد کیا۔(ایضاص ۱۸۵)

آپ کے کارناموں کی فہرست اتنی طویل ہے کہ انھیں احاطہ کرنا مشکل ہے۔ آسانی کے لیے ہم آپ کے ان کارناموں کو جوایک مجدد کی خصوصیات ہوتی ہیں اجمالا تین حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں:

(۱) رد بدعات ومنکرات اور احیاے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) ابطال مذاہب باطلہ اور احقاق حق۔

(۳) اصلاح معاشرہ۔

حالات وزمانہ کے بدلنے کے ساتھ لوگوں کے ذہنی افکار ورجحانات میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ ایک صدی یعنی سو سال کا عرصہ بھی عادات وروایات میں بنیاد کی حد تک تبدیلی پیدا کردینے کے لیے کافی ہے لہذا جب اعلی حضرت کا زمانہ آیا اس وقت تک مسلمانوں کے اندر جو تغیرات اور تبدیلیاں ہو چکی تھیں انھوں نے بہت سے اسلامی امور کی اصل شکل مسخ کر کے رکھ دی تھیں۔ عوام تو عوام خواص بھی اس کے شکار نظر آتے تھے۔ رہبر ہی رہزنی کرتے دکھائی دیتے تھے۔ لوگ شریعت سے طریقت کو الگ سمجھنے لگے تھے۔ اعلی حضرت امام احمد رضا بریلوی نے اس زعم باطل اور الحاد صریح کا بھرپور رد کیا اور یہ بتادیا کہ شریعت کی پیروی ہی طریقت ہے۔

شریعت پر لوگ افترا کرنے لگے تھے اور ایسی ایسی باتیں بتانے لگے تھے کہ جو نہ صحابہ سے منقول نہ تابعین سے ماثور۔ آپ نے ان سب پر قدغن لگا کر سلف صالحین کی عادات وروایات لوگوں تک

پہنچائیں ۔ مبتدعین کی امامت میں لوگ کوئی قباحت نہیں سمجھتے تھے انھیں اپنا مقتدا اور پیشوا بنا لیتے تھے۔ ایسے لوگوں کی آپ نے سخت تہدید و تنبیہ فرمائی اور آپ نے لوگوں کو بتایا کہ بدعتی کی امامت مکروہ اور اس کی تعظیم ممنوع ہے ۔ بدمذہبوں سے میل جول عام تھا۔ آپ نے اس کی شناعت پر روشنی ڈالی۔ غیر مسلموں سے خلط ملط کے سبب بعض مسلمان بھی معاشرتی تعلقات کے پیش نظر ہندوؤں کے میلوں اور ان کے مذہبی پروگراموں میں جانے لگے تھے۔ آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے اس کے خلاف شدید نکیر فرمائی اور کہا کہ ان کا میلہ دیکھنے کے لیے جانا مطلقا ناجائز ہے۔

کچھ عقیدت کے اندھے مریدوں نے اپنے پیروں کو سجدہ گاہ بنا ڈالا تھا اور جاہل پیر اس کو اپنی معراج سمجھتے تھے۔ آپ نے اس کا سخت رد فرمایا اور بتایا کہ سجدہ خواہ کیسا بھی ہو کسی بھی مخلوق کے لیے جائز نہیں ہے۔

تعزیہ داری کو لوگوں نے سنت کا درجہ دے ڈالا تھا اور قرآن و احادیث سے سند پکڑتے تھے۔ یقیناً یہ ان کی جسارت کی انتہا تھی۔ آپ نے ان کی جسارت کی شناعت ظاہر کی اور اسلامی احکام کا صحیح رخ ان کے سامنے کیا۔ مراسم محرم میں اتنی خرافات سنیوں میں پیدا ہو گئی تھیں کہ روافض اور سنیوں میں امتیاز ہی نہ رہا تھا۔ سب ایک ہی صف میں کھڑے معلوم ہوتے تھے۔ آپ نے اپنے قرطاس و قلم کے ذریعہ حق و باطل کے درمیان خط امتیاز کھینچا اور محرم کے تعلق سے جتنی بھی خرافات رائج تھیں سب پر روک ٹوک کیا اور ان کے صحیح احکام سے لوگوں کو روشناس کرایا۔ اسی طرح مزامیر، عورتوں کے لیے زیارت قبور، ان کے اختلاط، اوہام باطلہ یعنی لوگوں کا یہ کہنا کہ فلاں درخت پر شہید مرد ہیں وغیرہ، بے اصل روایات، قبر کی طرف نماز پڑھنا، فرضی قبریں، طواف و بوسہ قبر وغیرہا بے شمار منکرات جو لوگوں میں رائج تھے آپ سب کے خلاف کمر کس کر سینہ سپر ہو گئے اور ان تمام منکرات و بدعات کے خاتمہ میں لگ گئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات ص ۲۰۴ تا آخر)

اب تک تو مسلمانوں میں پائی جانے والی برائیوں کا ذکر تھا اور اب ان فتنوں کا ذکر ہے جن کی خبر مخبر صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی ان میں سے کچھ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے زمانے سے قبل ہی جڑ پکڑ چکی تھیں اور بعض خاص ان کے زمانہ میں وجود میں آئیں۔

انھیں فتنوں میں سے ایک فتنۂ قادیانیت ہے۔ اس کا بانی مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ اس نے پہلے چودہویں صدی کا مجدد ہونے کا، پھر مسیح موعود ہونے کا، پھر ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۱ء میں نبوت کا دعویٰ کر بیٹھا۔ اس نے طرح طرح کے فتنے پھیلائے انبیا علیہم السلام کی توہین کا مرتکب ہوا۔

اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس کی تردید میں "السوء و العقاب علی المسیح الکذاب" اور "الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی" لکھا اور خاص اس کی تردید میں ایک مجلہ بنام "قہر الدیان علی مرتد بقادیان" جاری کیا۔ (فتنوں کا ظہور اور اہل حق کا جہاد، ص ۷۳،۷۱)

انھیں میں سے ایک فتنۂ روافض ہے۔

المستند المعتمد میں اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اس کے تعلق سے فرماتے ہیں:

"ان کے مجتہدین نے اور جاہلوں اور عورتوں نے قرآن عزیز کے ناقص ہونے کی تصریح کی اور کھل کر یہ کہا کہ صحابہ نے قرآن میں سے کچھ آیات اور سورتیں حذف کر دیں اور صاف صاف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اور تمام ائمہ اطہار کو انبیاے سابقین سے افضل بتایا، صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیہم یہ دو کفر ایسے ہیں کہ ہرگز ان میں سے کسی کو اس زمانے میں خالی نہ پاؤ گے اور اللہ ہی سے مدد طلب ہے۔ (المستند المعتمد مترجم ص ۴۰۰،۴۰۱)

انھیں میں سے ایک فتنۂ نیچریت ہے۔ یہ فتنہ سید احمد خان بن محمد تقی خان کی جانب منسوب ہے۔ اس نے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی جس میں فرشتوں، جنوں، جنت، دوزخ، نبوت اور معجزہ کا انکار کر بیٹھا اور ان چیزوں کے ثبوت میں وارد آیات قرآنیہ کی ایسی تاویل کی جس نے ان کو ان معانی سے خارج کر دیا جو دور صحابہ سے آج تک ملت اسلامیہ میں مشہور و معروف تھے اور زمانہ کی ہر چیز کو نیچر Nature یعنی فطرت کی جانب پھیر دیا۔ (فتنوں کا ظہور اور اہل حق کا جہاد، ص ۷۴)

اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس فتنہ کا بھی سدباب فرمایا لہذا لکھتے ہیں:

تو یہ نیچری اکثر ضروریاتِ دین کے منکر ہیں اسے اپنے من چاہے معنی کی طرف پھیرتے ہیں۔ (المستند المعتمد مترجم ص ۳۲۹)

نیز فرماتے ہیں:

اور یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چھوٹی بڑی تمام احادیث کو رد کرتے ہیں اور اپنے زعم میں قرآن کے سوا کچھ نہیں مانتے اور قرآن کو بھی نہیں مانتے مگر اسی صورت میں جب وہ ان کی بے ہودہ رائے کے موافق ہو۔ (ایضًا)

نیز لکھتے ہیں:

اللہ تبارک و تعالیٰ کی آیتوں کو تحریف معنوی کے ذریعے رد کرنا واجب مانتے ہیں۔ (ایضًا)

آخر میں رقم طراز ہیں:

یہاں تک کہ مردار مرغی (جو دم گھٹ کے مرجائے) کو حلال ٹھہرایا اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنا اور نصرانی ساخت کے ناپاک موزوں میں نماز پڑھنا سنت ٹھہرایا یہ سب نصرانیوں کی محبت میں ہے اور اللہ اور اس کے رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابلے کے لیے ہے۔ (ایضًا)

ان سب فتنوں میں سب سے شدید وہابیت کا فتنہ ہے۔ وہابیت دو ٹولیوں میں بٹ گئی، ایک غیر مقلد وہابی جو خود کو "اہل حدیث" کہتے ہیں اور دوسری مقلد وہابی جو دیوبندی کے نام سے مشہور ہے۔ اعلیٰ حضرت نے ان دونوں ٹولیوں کے باطل نظریات اور قبیح عقاید سے عوام کو آگاہ کیا۔

وہابیوں کے نئے دین اور ان کے عقائد فاسدہ نے مسلمانوں میں جو انتشار اور پھوٹ پیدا کی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، لیکن ان کے خلاف کسی بھی جوابی کارروائی کے لیے صرف علمی حیثیت سے مضبوط ہونا کافی نہ تھا بلکہ علمی حیثیت کے ساتھ ساتھ مالی وسائل کا بھی پختہ ہونا ضروری تھا کیوں کہ ان گمراہوں کی پشت پناہ پوری برطانوی حکومت تھی۔ ان کے خلاف آواز بلند کرنا یہ بہت بڑے چیلنج کا کام تھا مگر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی شان بے نیازی نے اس کی ذرا بھی پروانہ کی اور برملا ان وہابیوں اور نجدیوں کی گمراہیوں کی نشان دہی کرنا شروع کر دیا جس سے مخالفین کے ایوان میں سخت افراتفری مچ گئی اور آپ کو نیچا دکھانے اور آپ کی ہمت گھٹانے کے لیے طرح طرح کے حربے اپنائے گئے مگر جسے خدا رکھے اسے کون چکھے۔

آپ نے ان فتنوں کی ایک ایک کر کے خبر لی اور سب کے چہروں سے نقاب ہٹا کر اصل روپ عوام کے سامنے کیا، اسماعیل دہلوی، نذیر حسین دہلوی، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی اور اشرفعلی تھانوی وغیرہ جو اس نئے دین کے پیشواؤں میں سے تھے ان سب پر سخت نکیر فرمائی جیسا کہ آپ نے المستند المعتمد میں سات گروہوں کا ذکر کیا جن میں نیچریہ، مرزائیہ یا قادیانیہ، روافض، وہابیہ امثالیہ اور خواتمیہ، وہابیہ کذابیہ وہابیہ شیطانیہ اور جھوٹے صوفی ڈینگیں مارنے والے شامل ہیں، ان کے تعلق سے فیصلہ کن بات جو آپ نے کہی وہ یہ ہے:

مختصر یہ کہ یہ ساتوں گروہ سب کے سب باتفاق مسلمین کافر مرتد اسلام سے خارج ہیں۔ بزازیہ، درر، غرر، فتاویٰ خیریہ، مجمع الانھر، درمختار وغیرہ معتمد کتابوں میں ان جیسے کفار کے بارے میں فرمایا: جو ان کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ بلا شبہ کافر ہے (المستند المعتمد مترجم ص ۴۰۸)

انکار ختم نبوت کے رد میں آپ نے پانچ کتابیں تصنیف فرمائیں، فتنۂ امکان کذب کے خلاف تین رسالے امت کو عنایت فرمائے۔

مسلمانوں میں پیدا شدہ بدعات و منکرات کے رد، ابطال مذاہب باطلہ اور احقاق حق کے بعد جو آپ کا کارنامہ قابل ذکر ہے وہ اصلاح معاشرہ ہے۔

معاشرے کی اصلاح کا کام بھی مجدد کے فرائض میں سے شمار ہوتا ہے لہذا اس تعلق سے بھی اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا دامن خالی نہ رہا بلکہ آپ نے اپنی علمی اور عملی دونوں کاوشوں کے ذریعے معاشرے میں پھیلی ہوئی بہت سی خرابیوں کی اصلاح فرمائی، ان میں سے کچھ کا ذکر اختصار کے ساتھ پیش ہے۔

بہت سے مقامات پر غازی میاں کا بیاہ نامی رسم منائی جاتی تھی اس کے بارے میں تحریر فرمایا:

غازی میاں کا بیاہ کوئی چیز نہیں محض جاہلانہ رسم ہے نہ ان کے نشان کی کوئی اصل ہے۔ (فتاوی رضویہ ج ۱۰، ص ۱۸۹)

لڑکوں کے سر پر چوٹی رکھنے کا بھی رواج ہو چلا تھا تو اس کے خلاف تحریر فرماتے ہیں:

لڑکوں کے سر پر چوٹی رکھنا ناجائز اور فعل مذکور رسوم ملعونہ کفار سے تشبہ ہے جس سے احتراز لازم ہے۔ (فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص ۵۴)

نوشہ کے سہرے کے تعلق سے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

خالی پھولوں کا سہرا جائز ہے اور یہ باجے جو شادی میں رائج و معمول ہیں، سب ناجائز و حرام ہیں۔ (الملفوظ ۳۸/۱)

''قبروں کو بوسہ دینا اور جھکنا'' اس تعلق سے پوچھے گئے سوال کے جواب میں فرمایا: قبر کو بوسہ دینا مذہب راجح میں ممنوع ہے اور یوں ہی جھک کر سلام کرنا بھی لیکن ان میں کوئی کفر و شرک نہیں ان کو کفر و شرک کہنا وہابیہ کا غلو ہے۔ (فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص ٦٦)

ان کے علاوہ آپ نے جدید مسائل میں بھی کافی تحقیق فرمائی ہے اور امت مسلمہ کی راہ آسان فرمائی۔ آپ کے ذریعے جدید مسائل پر کی گئی تحقیقات میں سوتی یا اونی موزوں پر مسح، بوٹ پر مسح، حقہ کے پانی کا حکم، اسپرٹ الکوحل وغیرہ کے استعمال کا حکم، کرنسی نوٹوں کا حکم، ہنڈی کے عدم جواز کا حکم وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

یہ قصۂ لطیف ابھی ناتمام ہے ۔۔۔ جو کچھ بیاں ہوا وہ آغاز باب تھا

امام احمد رضا اور اشاعتِ حنفیّت

مولانا محمد رضاء المصطفیٰ برکاتی مصباحی
خادم الافتاوالتدریس: دارالعلوم انجمن اسلامیہ، پڈرونہ، کشی نگر

حامداً و مصلیاً و مسلماً

فقہِ حنفی ان چار مشہور و متداول مذاہب میں سے ایک ہے، جن کا اتباع اس دور کے ہر مسلمان پر لازم ہے، اس مذہبِ حنیف کے مدون سراج الامّہ، کاشف الغُمّہ، امام الائمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ولادت: ۸۰ھ، وصال: ۱۵۰ء) ہیں۔ آپ کی مدون کردہ فقہ کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ شہرت و مقبولیت عطا فرمائی ہے، آپ بے شمار فضائل و مناقب کے جامع ہیں، اللہ رب العزت نے آپ کو ایسے اوصاف و اعزازات سے سرفراز فرمایا تھا جن سے بعد کے ائمہ محروم رہے، ان میں سب سے بڑھ کر اعزاز یہ ہے کہ آپ نے اپنے ماتھے کی نگاہوں سے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا دیدار فرمایا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک موقع پر آپ ہی کے متعلق یہ عظیم پیشین گوئی فرمائی تھی: ”لو کان الدین عند الثریا لذھب به رجل من ابناءِ فارس حتیٰ یتناوله (۱) یعنی اگر دین ثریا کی بلندی پر ہوتا تو فارس کا ایک شخص اسے ضرور حاصل کرلیتا۔ اجلۂ محدثین اور معتمد علماے کرام نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ اس حدیثِ پاک کے مصداق حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ مشہور محقق حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی مشہورِ زمانہ کتاب ”تبییض الصحیفہ“ میں یوں رقم طراز ہیں:

”قد بشّر صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم في الحديث الذي أخرجه أبو نعيم فی الحلية عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه ... فهٰذا اصل صحيح يعتمد عليه فی البشارة والفضيلة .اھ (۲)

یہاں سب سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فقہِ حنفی اور اس کے مدون سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات کا مختصر جائزہ پیش کر دیا جائے۔

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فقہ حنفی:

آپ ہجرت نبوی کے اسّی سال کے بعد علم و فضل کی آبادی کوفہ میں پیدا ہوئے، وقت کے عظیم اور نامور اساتذہ سے مروجہ علوم و فنون کی تحصیل کے بعد تجارت اور کسبِ معاش میں مشغول ہو گئے، پھر حضرت امام شعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحریک و ترغیب پر علمِ فقہ کی جانب توجہ فرمائی اور اس میں غیر معمولی درک و کمال حاصل کیا۔

قادرِ مطلق نے آپ کو بے مثال ذہانت و فطانت، گہرائی و گیرائی اور عقل و دانائی عطا فرمائی تھی، فقہی بصیرت اور مسائلِ شرعیہ کے استنباط و استخراج میں آپ کو بے پناہ کمال حاصل تھا جبھی تو اس دور کے ائمۂ فقہ و حدیث نے نہایت ہی کشادہ ظرفی کے ساتھ آپ کے فضل و کمال اور علمی شان و شوکت کا اعتراف فرمایا ہے۔

اشاعتِ حنفیت کے اسباب:

کسی بھی مذہب کے قبولِ عام کا سبب اس کی جامعیت، راویوں کی کثرت، ناقلین کی وثاقت اور اس کا بارگاہِ خدا اور رسول میں مقبول ہونا ہے، ان صفات کے ضمن میں جب مذہب حنفی کے پھیلاؤ اور اس کے اسباب پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہیں تو یہ بات واضح اور آشکار ہوتی ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تلامذہ کثیر تعداد میں متعدّد ممالک میں موجود تھے اور فقہ حنفی کی تعلیم و ترویج میں مصروف تھے، آپ کے شاگردانِ گرامی بالخصوص امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے آپ کے اقوال، اجتہادات اور مستنبط مسائل کی جمع و ترتیب میں بہت ہی نمایاں کردار ادا کیا۔ علامہ عبد الحی فرنگی محلی کے بقول سیدنا امام محمد تنہا آپ کے ایسے شاگرد ہیں، جنھوں تقریباً ہزار کتابیں تصنیف فرمائیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مذہبِ حنفی کے مقبول انام ہونے کے اسباب و عوامل کچھ اس انداز میں بیان فرماتے ہیں:

"آپ (سیدنا امام اعظم) اپنے دین کے سلسلے میں بہت حریص تھے، اور آپ نے لوگوں کے درمیان اپنا مذہب اس وقت پھیلایا جب کہ خواب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو اس کا اشارہ فرمایا: اے ابو حنیفہ! اپنے مذہب کی طرف لوگوں کو دعوت دو، اپنی خلوت، شرم اور تواضع و انکساری کو چھوڑ دو، جب آپ کو اس ذاتِ مقدس سے اجازت ملی جو اللہ رب العزت کے خزانوں کی مالک اور اس کو بانٹنے والی ہے، تو آپ نے اپنا مذہب پھیلایا، اور وہ خوب پھلا پھولا، اور شرقاً، غرباً، عجماً، عرباً پھیلا اور آپ کو ایسے اصحاب ملے جنھوں نے آپ کے مذہب کے اصول و فروع کو مدون کیا۔ (۱۴۳)

عالمِ ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فقہِ حنفی کی آفاقی مقبولیت کے

اسباب کا جائزہ مشہورِ زمانہ کتاب "مکتوبات امام ربانی" میں یوں پیش فرماتے ہیں:

"بلا تعصب و تکلف یہ کہا جا سکتا ہے کہ بطور کشف اس مذہب کی نورانیت دریائے عظیم کی طرح نظر آتی ہے، اور باقی دوسرے تمام مذاہب اس کے مقابل حوض اور چھوٹی نہروں کی طرح معلوم ہوتے ہیں، اور ظاہر میں جو کچھ نظر آ رہا ہے، وہ یہ ہے کہ اہلِ اسلام کی اکثریت ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کی پیرو ہے، اور یہ مذہب کثرتِ متبعین کے باوجود اصل و فرع میں دوسرے تمام مذاہب سے ممیز و ممتاز ہے اور استنباط میں اپنا ایک الگ طریقہ رکھتا ہے اور یہ بات اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔" (۱۴)

امام احمد رضا کا اشاعتِ حنفیت میں کردار:

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی حنفی قدس سرہ العزیز برِ صغیر ہندو پاک میں فقہِ حنفی اور حنفیت کے سب سے بڑے داعی اور مبلغ تھے، پوری دنیا سے آئے ہوئے فتاوی کے حنفی مذہب کے موافق جوابات تحریر فرماتے، مخالفینِ فقہِ حنفی کا پُر زور ردِ بلیغ فرماتے، پیش آمدہ مسائل کی ایسی تحقیقِ انیق فرماتے کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ رہ جاتیں، فقہِ حنفی کو فروغ دینے میں حتی المقدور اپنی کوششیں صرف فرمائیں اور اس کے اصول و قواعد کی روشنی میں اتنے کثیر جزئیات کی فراہمی فرمادی کہ رہتی دنیا تک علما، مفتیانِ کرام اور اربابِ علم و دانش اس سے مستفید و مستنیر ہوتے رہیں گے۔

آپ کے مستند فتاویٰ، تحقیقات انیقہ، تعلیقاتِ باہرہ اور مذہبِ حنفی کی تائید و توثیق میں تگ و دو کو دیکھ کر اپنے تو اپنے ہیں غیر بھی آپ کو غیر منقسم ہندو پاک میں حنفیت کا سب سے عظیم داعی اور مبلغ مانتے ہیں، مولوی سید محمد یوسف بنوری، دیوبندی کے والد سید زکریا شاہ، غیر منقسم ہندو پاک میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بے لوث خدمات کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

" اگر اللہ تبارک و تعالیٰ ہندوستان میں احمد رضا بریلوی کو پیدا نہ کرتا، تو ہندوستان سے حنفیت ختم ہو جاتی" (۱۵)

مفتی اعظم حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً علامہ سید اسمٰعیل خلیل مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کے فتاویٰ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا:

"واللہ أقول ، والحق أقول ، إنه لو رآها أبوحنيفة النعمان لأقرت عينه ، ولجعل مؤلفها من جملة الأصحاب " (۱۷)

یعنی: میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان

فتاویٰ کو دیکھتے، تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں، اور مؤلف کو اپنے تلامذہ میں شامل کر لیتے۔

ماضی قریب کے مشہور و معروف مؤرخ مولانا کوثر نیازی صاحب نے اپنی ایک تقریر میں سیدنا امام احمد رضا قدس سرہ کو سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سچا جانشین، ان کی روایتوں کا حقیقی امین، بلکہ ابو حنیفہ ثانی قرار دیتے ہوئے آپ کو اس طرح یاد فرمایا:

"فقہِ حنفی کی ہندوستان میں دو کتابیں مستند ترین ہیں، ان میں ایک " فتاویٰ عالم گیریہ " ہے، جو دراصل چالیس علما کی مشترکہ خدمت ہے، جنھوں نے فقہِ حنفیہ کا ایک جامع مجموعہ ترتیب دیا ہے۔ اور دوسرا " فتاویٰ رضویہ " ہے، جس کی انفرادیت یہ ہے کہ جو کام چالیس علما نے مل کر انجام دیا وہ اس مردِ مجاہد نے تنہا کر کے دکھایا، اور یہ مجموعہ فتاویٰ عالم گیریہ سے بھی زیادہ جامع ہے۔ اور میں نے جو آپ کو " ابو حنیفہ ثانی " کہا ہے وہ صرف محبت یا عقیدت میں نہیں بلکہ فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات کہ رہا ہوں کہ آپ اس دور کے ابو حنیفہ ہیں۔ آپ کے فتاویٰ میں مختلف علوم و فنون پر جو بحث کی گئی ہے اس کو پڑھ کر بڑے بڑے علما کی عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں، کاش کہ اعلیٰ حضرت کی حیات اس دور کو میسر آجاتی، تاکہ آج کل کے پیچیدہ مسائل حل ہو سکتے کیوں کہ آپ کی تحقیق حتمی ہوتی، اس کے بعد مزید گنجائش نہیں ہوتی۔" (۱۸)

اور آگے امام احمد رضا قدس سرہ کی علمی و فقہی گہرائی و گیرائی کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

" قرطاس و قلم سے میرا تعلق دو چار سال ہی کی بات نہیں، نصف صدی کی بات ہے، اس دوران مجھے وقت کے بڑے بڑے اہلِ علم و قلم علما و مشایخ کی صحبت میں بیٹھ کر استفادہ کرنے کا موقع ملا، ان کے درس میں شریک رہا اور اپنی بساط کے مطابق فیض حاصل کرتا رہا۔ زندگی میں میں نے اتنی روٹیاں نہیں کھائی ہوں گی، جتنی کتابیں میں نے پڑھی ہیں۔ میری اپنی ذاتی لائبریری میں دس ہزار سے زیادہ کتابیں ہیں، وہ سب مطالعہ سے گزری ہیں، ان کے مطالعہ کے دوران امام احمد رضا کی کتابیں نظر سے نہیں گزری تھیں۔ اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں نے علم کا خزانہ پالیا، علم کا سمندر پار کر لیا اور علم کی ہر جہت تک رسائی حاصل کر لی، مگر جب امام اہلِ سنت کی کتابیں مطالعہ کیں اور ان کے علم کے دروازے پر دستک دی اور فیض یاب ہوا، تو اپنے جہل کا اعتراف و احساس یوں ہوا کہ میں ابھی علم کے سمندر کے کنارے کھڑا سیپیاں چن رہا تھا، علم کا سمندر تو امام احمد رضا کی ذات ہے، امام کی کتابوں کا جتنا مطالعہ کرتا جاتا ہوں، عقل اتنی ہی حیران ہوتی چلی جاتی ہے، اور یہ کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ امام احمد رضا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اتنا وسیع علم دے کر دنیا میں بھیجا ہے کہ علم کی کوئی جہت ایسی نہیں جس میں امام کو

دسترس نہ حاصل ہو اور اس پر کوئی تصنیف نہ ہو، یقیناً آپ سرکارِ دوعالم ﷺ کے علوم کے صحیح جانشین تھے جس سے ایک عالم فیض یاب ہوا۔"(۱۹)

جن حضرات نے آپ کی تصنیفات بالخصوص فتاویٰ رضویہ کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا انھیں اس بات کا بخوبی اندازہ ہوگا کہ آپ کے فتوؤں میں درج ذیل خصوصیتیں بدرجۂ اتم موجود تھیں:

● احتمالِ شقوق کا استیعاب کرتے۔ ● غیر معتدل اقوال و شقوق پر کلامِ وافر فرماتے۔ ● کلامِ سلف کی توجیہات فرماتے ● اقوالِ متبائنہ و دلائلِ مختلفہ میں تطبیق فرماتے۔ ● تطبیق و توجیہ ناممکن ہوتی تو ترجیح دیتے۔ ● توجیہ و توفیق اور ترجیح کے اسباب و علل پر مفصل کلام فرماتے ● ضوابطِ کلیہ وضع فرماتے۔ ● اصلاح و اضافہ فرماتے۔ ● دلائل و مسائلِ کی بھرپور تنقیح فرماتے۔ ● مسائلِ جدیدہ کا استنباط فرماتے ● علومِ عصریہ سے دینی مسائل کی تائید فرماتے۔

خلاصہ یہ کہ سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ العزیز نے اپنی پوری زندگی فقہِ حنفی کی ترویج و اشاعت میں صرف فرمائی، آپ خود سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ کے سچے شیدائی اور اپنے دور میں ان کے سچے اور حقیقی جانشین تھے، آپ کی تصانیف کی فہرست میں زیادہ تر وہ کتابیں ہیں جو فقہِ حنفی کی تائید و توثیق میں ہیں۔

اب ذیل میں فقہِ اسلامی کے عظیم انسائیکلوپیڈیا" العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویہ " سے کچھ نظیریں ملاحظہ ہوں۔

(۱):- یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ شریعتِ اسلامیہ نے ہر فرض نماز کا ایک خاص وقت مقرر فرمایا ہے، وقت داخل ہونے سے پہلے اور وقت نکل جانے کے بعد کوئی نماز پڑھنا، یا دو نمازوں کو ایک ہی وقت میں ادا کرنا صحیح نہیں ۔ اس سلسلے میں سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ جمع بین الصلاتین : یعنی دو نمازوں کو ایک ہی وقت میں جمع کر کے پڑھنا- سوائے یومِ عرفہ- جائز و درست نہیں، سفر کی حالت ہو یا حضر کی۔ جب کہ حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حالتِ سفر میں ظہر اور عصر کو ایک ہی وقت میں اور مغرب و عشا کو ایک ساتھ ایک ہی وقت میں ادا کرنا جائز ہے۔

اس مسئلے سے متعلق سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے سوال ہوا کہ

"سفر کے عذر سے، جس میں قصر لازم آتا ہے، دو نمازوں کا جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں آپ نے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہبِ مفتیٰ بہ کو نہایت ہی عمدہ اور نفیس انداز میں بیان فرمانے کے بعد، مذہبِ حنفی کو کس طریقے سے صحابہ، تابعین، ائمۂ مجتہدین اور

سلفِ صالحین کی تائید و توثیق سے آراستہ و پیراستہ فرمایا ہے، ملاحظہ ہو:

''اللہ عزوجل نے اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کے ارشادات سے ہر نمازِ فرض کا ایک خاص وقت جداگانہ مقرر فرمایا ہے، کہ نہ اس سے پہلے نماز کی صحت، نہ اس کے بعد تاخیر کی اجازت۔ ظہرینِ عرفہ اور عشائینِ مزدلفہ کے سوا دو نمازوں کا قصداً ایک وقت میں جمع کرنا، سفراً حضراً ہرگز کسی طرح جائز نہیں۔ قرآنِ عظیم و احادیثِ صحاح سید المرسلین ﷺ اس کی ممانعت پر شاہد عدل ہیں۔ یہی مذہب ہے ناطق بالحق والصواب، موافق الرأی بالوحیِ والکتاب امیر المومنین عمر فاروق اعظم، و حضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص احد العشرۃ المبشرہ، و حضرت سیدنا عبد اللہ ابن مسعود من اجل فقہاء الصحابۃ البررۃ، و حضرت سیدنا و ابنِ سیدنا عبد اللہ ابن عمر بن فاروق، و حضرت سیدتنا ام المومنین صدیقہ بنت الصدیق اعاظم صحابۂ کرام۔ خلیفۂ راشد امیر المومنین عمر بن عبد العزیز، و امام سالم بن عبد اللہ بن عمر، و علقمہ بن قیس، و امام اسود بن یزید نخعی، و امام حسن بصری، و امام ابن سیرین، و امام لیث بن سعد، و امام قاضی الشرق والغرب ابو یوسف، و امام ابو عبد اللہ محمد الشیبانی، و امام زفر بن زہیل، و امام حسن بن زیاد، و امام دار الہجرۃ عالم المدینۃ مالک بن انس فی روایۃ ابن قاسم اکابرِ تبع تابعین، و امام عبد الرحمٰن قاسم عتقی تلمیذ امام مالک و امام عیسیٰ بن ابان و امام ابو جعفر احمد بن سلامہ مصری وغیرہم ائمۂ دین کا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ اھ (۲۰)

اس کے بعد آپ نے دلائل و براہین سے حنفی مذہب کی تائید و توثیق میں درج ذیل باتیں ثابت فرمائیں:

- ہر نماز کا الگ اور خاص وقت متعیّن ہے، لہٰذا انھیں خاص وقتوں میں اس کے پڑھنے کی اجازت ہوگی۔
- جن احادیث سے جمع بین الصلاتین کا شبہ ہوتا ہے، ان سے جمعِ حقیقی نہیں بلکہ جمعِ صُوری مراد ہے، کہ ایک نماز کو اس کے آخری وقت میں پڑھا جائے اور دوسری نماز کو اس کے اولِ وقت میں۔
- کسی حدیث پاک میں نہ تو کہیں جمعِ تقدیم کا پتا، اور نہ ہی کہیں جمعِ تاخیر کی وضاحت۔
- جمعِ صوری کے ثبوت پر دلائل مضبوط و مستحکم اور ناقابلِ تاویل ہیں۔
- نمازوں کے لیے تعیین و تخصیصِ اوقات قرآنِ عظیم اور احادیث سید المرسلین سے قطعی الثبوت ہیں، لہٰذا اس کے خلاف ماننے کے لیے ویسا ہی قطعی چاہیے، جیسے عصرِ عرفہ اور مغربِ مزدلفہ کا اجماعی مسئلہ۔

اس جوابِ نایاب کو آپ نے ''حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین'' کے تاریخی نام سے موسوم فرمایا، یقینی طور پر اس رسالۂ نافعہ، محققہ کے مطالعہ سے مذہبِ حنفی کی حقانیت روزِ روشن کی طرح واضح اور ظاہر و باہر ہو کر خوب آشکارا ہو جاتی ہے۔

(۲):- اہلِ علم پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ جب زیارتِ حرمین شریفین کے لیے گئے تو علمائے حرمین شریفین نے آپ کی بارگاہ میں مروجہ کرنسیوں کے متعلق ایک بہت ہی اہم استفتا پیش کیا اور اس میں کرنسیوں کے متعلق کئی اہم سوالات قائم کیے، آپ نے کچھ ہی گھنٹوں میں اس کے جواب میں ایک معرکۃ الآراء رسالہ "کفل الفقیه الفاهم فی أحکام قرطاس الدراهم" تحریر فرمادیا۔

واضح رہے اس مسئلہ کے متعلق صاحبِ تصانیفِ کثیرہ مولانا عبدالحی لکھنوی اور دیوبندیوں کے مشہور پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی کا موقف اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے موقف کے خلاف تھا، اس کے جواب میں آپ نے "کاسر السفیه الواهم فی إبدال قرطاس الدراهم" تحریر فرما کر مذہبِ حنفی کی بہت ہی اچھے انداز میں وضاحت فرمائی اور مخالفین کا بڑا سنجیدہ جواب عنایت فرمایا، ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

"یہ امام الائمہ، سراج الامہ، کاشف الغمہ، مالک الازمہ، نائل العلم من الثریا ابو حنیفہ اور ان کے چھوٹے بیٹے امام ربانی محرر المذہب محمد بن الحسن شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی کرامت نہیں تو اور کیا ہے۔ حاشا! میں اس مولوی کی کسرِ شان نہیں چاہتا، وہ ایک وسیع البال، طویل الذراع، فاضلِ طباع ہیں۔ اور فقیر حقیر ایک غریب طالب علم، قاصر القدرۃ، قلیل المقدار، اپنے مولائے کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کی بشارت عظیم "فطوبیٰ للغرباء" کا بلا استحقاقِ محض، ان کے فضل سے امیدوار، بلکہ مقصود اپنے ائمۂ کرام کی کراماتِ عالیہ کا اظہار ہے اور بس۔

الٰہی! تیری بے شمار رضا ابو حنیفہ پر اور ان سب پر جو عقائد میں ان کے موافق ہو کر اعمال میں ان کے مقلد ہیں، یوں ہی بقیہ ائمۂ مجتہدینِ کرام اور ان کے مقلدین پر، تا روزِ قیام، وعلیٰ حبیبنا و شفیعنا افضل الصلاۃ والسلام۔"(۲۱)

ان کے علاوہ اور بھی شہادتیں پیش کی جا سکتی تھیں مگر اختصار کے باعث ان سے صرفِ نظر کیا جاتا ہے، خلاصہ یہ کہ امام احمد رضا فقہ حنفی اور حنفیت کے اتنے عظیم داعی تھے کہ غیر منقسم ہند و پاک میں جس کی مثال نہ تو ماضی میں کہیں نظر آتی ہے اور نہ حال میں۔ آپ نے فقہِ حنفی کے اصولوں کی روشنی میں کثیر جزئیات کی فراہمی فرمادی اور فتاویٰ رضویہ کی شکل میں فقہِ حنفی کا ایسا عظیم الشان دائرۃ المعارف قوم کو عطا فرمایا جس کے سنہرے اصول و ضوابط سے علما و فقہا رہتی دنیا تک فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔

حوالہ جات:-----------------------------

(۱)-صحیح لمسلم ، باب فضل فارس ، ج : ۲ ، ص: ۳۱۲.
(۲)-تبييض الصحيفة في مناقب الإمام أبي حنيفة، ص :۳.
(۳)-الخيرات الحسان ، ص : ٦١.
(٤)-المرجع السابق ، ص : ٤٨.
(٥)-مناقب الإمام الأعظم ، ج : ١ ، ص : ٤١.
(٦)-ميزان الشريعة الكبرىٰ ، ص : ٧٧.
(٧)-قلائد عقود العقيان بحواله سيرة النعمان ، ص : ١٨٠ ، ١٨١ .
(٨)-المرجع السابق ، ج : ١ ، ص : ٨٢.
(٩)-المرجع السابق ، ج : ٢ ، ص : ١٢٥ .
(١٠)-المرجع السابق ، ج : ٢ ، ص : ١٥٠ .
(١١)-الخيرات الحسان ، ص : ٨٩.
(١٢)-تاريخ التشريع الاسلامی ، ص: ١٩٦ .
(١٣)-سوانح بے بہائے امام اعظم ، ص: ٧٩.
(١٤)-مكتوبات امام رباني مترجم ، حصه دوم ، ص : ٥٥ .
(١٥)-امام احمد رضا کی فقهی بصيرت ، ص : ٣٢.
(١٦)-الإجازات المتينة لعلماء مكة والمدينة ، ص :٢٢ .
(١٧)-خطاب ، بموقع امام احمد رضا كانفرنس ، اسلام آباد ، پاكستان، ص :٤٧ .
(١٨)-المرجع السابق : ص :٤٩ .
(١٩)-فتاوىٰ رضويه مترجم ، ج : ٦، ص : ١٦٠ .
(٢٠)-فتاوىٰ رضويه ، رساله كاسر السفيه الواهم فی ابدالِ قرطاس الدراهم ، ج : ٧ ، ص :٢١٦.
(٢١)-مقالات يوم رضا ، ص : ١٠ .

☆☆☆☆☆

امام احمد رضا بریلوی اور ردِّ قادیانیت

مولانا عبدالحکیم شرف قادری

سابق استاذ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

نحمده ونصلي ونسلم على رسوله الكريم وآله وأصحابه أجمعين

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز (متوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) چودھویں صدی کے وہ عظیم عالم اور دنیاے اسلام کے نام ور مفتی اور محدث ہیں جنھوں نے اپنی تمام تر زندگی عقائد اسلامیہ کا پہرہ دیتے ہوئے گزاری، ان کا قلم اس دور کے تمام اعتقادی فتنوں کا محاسبہ کرتا ہوا نظر آتا ہے، وہ اسلام کی عزت و حرمت اور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام و ناموس کے مقابل کسی بڑے سے بڑے صاحبِ جبہ و دستار کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ان کے بے لاگ فتووں اور غیرتِ ایمانی میں ڈوبی ہوئی تنقیدوں کو بعض طبقے شدت سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن انصاف پسند حضرات جب معاملے کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو انھیں ان کے فیصلوں کی تصدیق کے بغیر چارہ نہیں رہتا۔

مرزائیت موجودہ صدی میں اسلام کے خلاف وہ خوف ناک سازش ہے جو ملتِ اسلامیہ کے لیے کینسر کی حیثیت رکھتی ہے۔ امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف مرزائیت کے خلاف علمی اور قلمی جہاد کیا، بلکہ مرزائیت نوازوں کے خلاف بھی شمشیر بے نیام ثابت ہوئے۔

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کفار اور گم راہ فرقے سچے خدا کو نہیں مانتے، اور جس خدا کا ذکر کرتے ہیں، وہ ان کا خود ساختہ خدا ہے، مرزائیوں کے خود ساختہ خدا کے کیا اوصاف ہیں؟ اس حوالے سے فرماتے ہیں:

”قادیانی ایسے کو خدا کہتا ہے:

☆ جس نے چار سو جھوٹوں کو اپنا نبی کہا، ان سے جھوٹی پیشین گوئیاں کہلوائیں۔

☆ جس نے ایسے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو عظیم الشان رسول بنایا جس کی نبوت پر اصلاً دلیل نہیں، بلکہ اس کی نفی نبوت پر دلیل قائم، جو (خاک بدہن ملعون) ولد الزنا تھا، جس کی تین دادیاں نانیاں

زنا کار کسبیاں تھیں۔

ایسے کو (خدا مانتا ہے)

☆ جس نے ایک بڑھئی کے بیٹے کو محض جھوٹ کہہ دیا کہ ہم نے بن باپ کے بنایا اور اس پر فخر کی ڈینگ ماری کہ یہ ہماری قدرت کی کیسی کھلی نشانی ہے؟

ایسے کو (خدا مانتا ہے)

☆ جس نے ایک بدچلن عیاش کو اپنا نبی کہا۔

☆ جس نے ایک یہودی فتنہ گر کو اپنا رسول کر کے بھیجا جس کے پہلے فتنہ نے دنیا کو تباہ کر دیا۔

☆ ایسے کو (خدا مانتا ہے) جو اس (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو ایک بار دنیا میں لا کر دوبارہ لانے سے عاجز ہے۔

☆ وہ جس نے ایک شعبدہ باز کی مسمریزم والی مکروہ حرکات، قابلِ نفرت حرکات، جھوٹی بے ثبات کو اپنی آیات بیّنات بتایا۔" [۱]

☆ ایسے کو (خدا مانتا ہے) جس نے اپنا سب سے پیارا بروزی خاتم النبیین دوبارہ قادیان میں بھیجا، مگر اپنی جھوٹ، فریب، تمسخر، ٹھٹول کی چالوں سے اس کے ساتھ بھی نہ چوکا، اس سے کہہ دیا:

تیری جورو کے اس حمل سے بیٹا ہوگا جو انبیا کا چاند ہوگا، بادشاہ اس کے کپڑوں سے برکت لیں گے، بروزی بے چارہ اس کے دھوکے میں آکر اسے اشتہاروں میں چھاپ بیٹھا، اسے تو یوں ملک بھر میں جھوٹا بننے کی ذلت و رسوائی اوڑھنے کے لیے یہ جُل دیا اور جھٹ پٹ میں اُلٹی یہ کل پھرا دی، بیٹی بنا دی، بروزی بے چارہ کو اپنی غلط فہمی کا اقرار چھاپنا پڑا اور اب دوسرے پیٹ کا منتظر رہا۔

اب کی یہ مسخرگی کی کہ بیٹا دے کر امید دلائی اور ڈھائی برس کے بچے ہی کا دم نکال دیا، نہ نبیوں کا چاند بننے دیا، نہ بادشاہوں کو اس کے کپڑوں سے برکت لینے دی۔

غرض کہ اپنے چہیتے بروزی کا کذاب ہونا خوب اُچھالا اور اس پر مزید یہ کہ عرش پر بیٹھا اس کی تعریفیں گا رہا ہے۔ [۲]

مرزائے قادیانی کی جھوٹی نبوت کو محمدی بیگم کی وجہ سے سخت دھچکا لگا، بقول مرزائے قادیانی:

اسے الہام ہوا کہ اپنی رشتے کی بہن احمدی بیگم کی بیٹی محمدی بیگم سے نکاح کا پیغام بھیجو، مرزا نے جھٹ پیغام بھیج دیا اور تشہیر بھی کر دی کہ میرا نکاح محمدی بیگم سے ہو کر رہے گا، اس کی بدقسمتی کہ پیغامِ نکاح رد

کر دیا گیا، منت سماجت بھی کی مگر نتیجہ وہی ''ڈھاک کے تین پات'' مرزا صاحب دھمکیوں پر اتر آئے کہ اگر محمدی بیگم کا نکاح دوسری جگہ کر دیا گیا تو اڑھائی سال میں اس کا باپ مرجائے گا اور تین سال میں اس کا شوہر ہلاک ہوجائے گا یا اس کے برعکس ہوگا۔

ان سب کوششوں کا نتیجہ کیا نکلا؟ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ سے سنیے:

''اب قادیانی کے ساختہ خدا کو اور شرارت سوجھی، جھٹ بروزی (مرزا) کو وحی پھنٹا دی کہ زَوَّجْنَاکَھَا محمدی (بیگم) سے ہم نے تیرا نکاح کر دیا، اب کیا تھا بروزی جی ایمان لے آئے کہ اب محمدی (بیگم) کہاں جا سکتی ہے؟ یوں جل دے کر بروزی مرزا کے منہ سے اسے اپنی منکوحہ چھپوا دیا، تاکہ وہ حد بھر ذلت جو ایک چمار بھی گوارا نہ کرے کہ اس کی جورو اس کے جیتے جی دوسرے کی بغل میں، یہ مرتے وقت بروزی کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہوا اور رہتی دنیا تک بے چارے کی فضیحت و خواری و بے عزتی و کذابی کا ملک میں ڈنکا ہوا۔''

ادھر تو عابد و معبود کی یہ وحی بازی ہوئی، ادھر سلطان محمد آیا اور نہ عابد کی چلنے دی اور نہ معبود کی، بروزی جی کی آسمانی جورو سے بیاہ کر، ساتھ لے، یہ جا وہ جا، چلتا بنا، ڈھائی تین برس پر موت کا وعدہ تھا، وہ بھی جھوٹا گیا، الٹے بروزی جی زمین کے نیچے چل بسے وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ۔

یہ ہے قادیانی اور اس کا ساختہ خدا، کیا وہ جانتا تھا یا اب اس کے پیرو جانتے ہیں؟ حَاشَ لِلّٰہِ سُبْحٰنَ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ [۳]

مرزائیوں کے احکام:

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ:

☆ قادیانی مرتد منافق ہیں... مرتد منافق وہ شخص ہے جو کلمۂ اسلام پڑھتا ہے، اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا کسی نبی کی توہین کرتا ہے یا ضروریاتِ دین میں سے کسی شے کا منکر ہے۔ [۴]

☆ قادیانی کے پیچھے نماز باطل محض ہے۔ [۵]

☆ قادیانی کو زکات دینا حرام ہے اور اگر ان کو دے زکات ادا نہ ہوگی۔ [۶]

☆ قادیانی مرتد ہے، اس کا ذبیحہ محض نجس و مردار، حرامِ قطعی ہے۔ [۷]

☆ مسلمانوں کے بائی کاٹ کے سبب قادیانی کو مظلوم سمجھنے والا اور اس سے میل جول چھوڑنے کو ظلم و ناحق سمجھنے والا اسلام سے خارج ہے۔ [۸]

۱۳۳۶ھ میں ایک استفتا آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح مرزائی سے کر دیا ہے، حالاں کہ اسے علم ہے کہ تمام علمائے اسلام فتویٰ دے چکے ہیں کہ مرزائی کافر و ملحد ہے، اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

''اگر ثابت ہو کہ وہ (لڑکی کا باپ) مرزائیوں کو مسلمان جانتا ہے اس بنا پر یہ تقریب کی تو خود کافر و مرتد ہے، علمائے حرمین شریفین نے قادیانی کی نسبت بالاتفاق فرمایا:

مَنْ شَكَّ فِي عَذَابِهٖ وَكُفْرِهٖ فَقَدْ كَفَرَ

''جو اس کے عذاب اور اس کے کافر ہونے میں شک کرے، وہ بھی کافر ہے۔''

اس صورت میں فرضِ قطعی ہے کہ تمام مسلمان موت و حیات کے سب علاقے اس سے قطع کر دیں۔

...بیمار پڑے پوچھنے کو جانا حرام، مر جائے تو اس کے جنازے پر جانا حرام، اسے مسلمانوں کے گورستان میں دفن کرنا حرام، اس کی قبر پر جانا حرام۔ [۹]

۱۳۳۵ھ میں محمد عبدالواحد خاں مسلم ممبئ اسلام پورہ نے سوال کیا کہ قادیانیوں سے کس پیرایے میں بحث کی جائے؟ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

''سب سے بھاری ذریعہ اس کے رد کا اول اول کلماتِ کفر پر گرفت ہے، جو اس کی تصانیف میں برساتی حشرات الارض کی طرح اُبلے کھلے پھر رہے ہیں، انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی توہینیں، عیسیٰ علیہ السلام کو گالیاں، ان کی ماں طیبہ طاہرہ پر طعن اور یہ کہنا کہ یہودیوں کے جو اعتراض عیسیٰ اور ان کی ماں پر ہیں ان کا جواب نہیں''۔ (اس کے علاوہ متعدّد کفر گنوائے)

دوسرا بھاری ذریعہ ان خبیث پیشین گوئیوں کا جھوٹا پڑنا جن میں بہت چمکتے روشن حرفوں سے لکھنے کے قابل دو واقعے ہیں:

(۱) لڑکے کی پیدائش کی خبر نشر کی، لیکن لڑکی پیدا ہوئی۔

(۲) محمدی بیگم سے نکاح کی پیشین گوئی کی، لیکن وہ بھی جھوٹی ہوئی۔

غرض اس کے کفر حد و شمار سے باہر ہیں، کہاں تک گنے جائیں؟ اور اس کے ہوا خواہ ان باتوں کو ٹالتے ہیں اور بحث کریں گے تو کاہے میں؟ کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انتقال فرمایا، مع جسم اٹھائے گئے یا صرف روح؟ مہدی و عیسیٰ ایک ہیں یا متعدّد؟ یہ ان کی عیاری ہوتی ہے، ان کفروں کے سامنے ان مباحث کا کیا ذکر؟'' [۱۰]

۱۳۳۹ھ میں ڈیرہ غازی خاں سے عبدالغفور صاحب نے استفتا بھیجا کہ ایک قادیانی کہتا ہے کہ ابن ماجہ شریف کی حدیث کے مطابق ہر صدی کے بعد مجدد ضرور آئے گا، لاہوری پارٹی کا موقف یہ ہے کہ مرزا وقت کا مجدد ہے، اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی نے تحریر فرمایا:

مجدد کا کم از کم مسلمان ہونا تو ضروری ہے، اور قادیانی کافر و مرتد تھا، ایسا کہ تمام علماے حرمین شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا کہ جو اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر، لیڈر بننے والوں کی ایک ناپاک پارٹی قائم ہوئی جو گاندھی مشرک کو رہبر، دین کا امام و پیشوا مانتے ہیں، گاندھی پیشوا ہو سکتا ہے نہ مجدد۔ [۱۱]

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۱۳۲۰ھ میں مولانا شاہ فضل رسول بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف لطیف ''المعتقد المنتقد'' پر قلم برداشتہ حاشیہ لکھا، اپنے دور کے مبتدعین، نو پیدا فرقوں کا ذکر کرتے ہوئے مرزاے قادیانی کے متعدّد کفر گنوائے اور آخر میں فرمایا:

''اس کے علاوہ اس کے بہت سے ملعون کفر ہیں، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس کے اور دوسرے تمام دجالوں کے شر سے محفوظ رکھے۔'' [۱۲]

۱۳۲۴ھ میں امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حرمین شریفین کے علماے اہلِ سُنّت کی خدمت میں ایک استفتا بھیجا، جس میں چند فرقوں اور ان کے عقائد کا تذکرہ تھا، ان میں سرفہرست مرزائیوں کا ذکر تھا۔ [۱۳] اس کے جواب میں حرمین شریفین کے علما نے مرزائیوں اور مرزا کو کافر قرار دیا۔

اس کے علاوہ انھوں نے عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور ردّ مرزائیت میں مستقل رسائل بھی لکھے:

(۱) جزاء اللہ عدوہ بإبائه ختم النبوة

اس رسالۂ مبارکہ میں عقیدۂ ختم نبوت پر ایک سو بیس حدیثیں اور منکرین کی تکفیر پر جلیل القدر ائمہ کی تیس تصریحات پیش کیں۔

(۲) المبین ختم النبیین

اس رسالہ میں بیان فرمایا کہ خاتم النبیین میں الف لام استغراق کے لیے ہے، یعنی ہمارے آقا و مولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انبیاے کرام کے خاتم ہیں، جو شخص اس استغراق کو نہیں مانتا اسے کافر کہنے کی ممانعت نہیں ہے، اس نے نصِ قرآنی کو جھٹلایا ہے، جس کے بارے میں اُمت کا اجماع ہے کہ اس میں نہ کوئی تاویل ہے نہ تخصیص۔ [۱۴]

(۳) قهر الدیان علیٰ مرتد بقادیان

اس میں جھوٹے مسیح، مرزائے قادیانی کے شیطانی الہاموں کا رد کرکے عظمتِ اسلام کو اجاگر کیا ہے۔

(۴) السوء والعقاب علی المسیح الکذاب

۱۳۲۰ھ میں امرتسر سے ایک سوال آیا کہ ایک مسلمان اگر مرزائی ہو جائے تو کیا اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی؟ اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس رسالہ میں دس وجہ سے مرزائے قادیانی کا کفر بیان کرکے متعدّد فتاویٰ کے حوالے سے یہ حکم تحریر فرمایا:

''یہ لوگ دین اسلام سے خارج ہیں اور ان کے احکام بعینہ مرتدین کے احکام ہیں اور شوہر کے کفر کرتے ہی عورت فوراً نکاح سے نکل جاتی ہے۔'' ۱۵ے

(۵) الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی

یہ امام احمد رضا بریلوی کی آخری تصنیف ہے جو آپ نے وصال سے چند دن پہلے تحریر فرمائی۔

آپ کے صاحب زادے حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''**الصارم الربانی علی اسراف القادیانی**'' تحریر فرمائی، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا مسئلہ تفصیل سے بیان کیا اور مرزا کے مثیل مسیح ہونے کا زبردست ردّ کیا۔ یہ رسالہ سہارن پور سے آنے والے سوال کے جواب میں لکھا گیا۔

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس رسالے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بحمد اللہ! اس شہر (سہارن پور) میں مرزا کا فتنہ نہ آیا، اور اللہ عزوجل قادر ہے کہ کبھی نہ لائے۔ ۱۶ے

ردِ مرزائیت میں امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتووں کو ہر موافق و مخالف نے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ پروفیسر خالد شبیر احمد، فیصل آباد، دیوبندی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں، اس کے باوجود انھوں نے اپنی تالیف ''تاریخ محاسبۂ قادیانیت'' میں ردِ مرزائیت سے متعلق امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ بڑے اہتمام سے نقل کیا اور فتوے سے پہلے اپنے تاثرات یوں قلم بند کیے:

''اس فتویٰ سے جہاں مولانا کے کمالِ علم کا احساس ہوتا ہے وہیں مرزا غلام احمد کے کفر کے بارے میں ایسے دلائل بھی سامنے آتے ہیں کہ جس کے بعد کوئی ذی شعور مرزا صاحب کے اسلام اور اس کے مسلمان ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔'' ۱۷ے

مزید لکھتے ہیں:

''ذیل کا فتویٰ بھی آپ کی علمی استطاعت، فقہی دانش و بصیرت کا ایک تاریخی شاہ کار ہے، جس میں

آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی کے کفر کو خود ان کے دعاوی کی روشنی میں نہایت مدلل طریقے سے ثابت کیا ہے، یہ فتویٰ مسلمانوں کا وہ علمی و تحقیقی خزینہ ہے جس پر مسلمان جتنا بھی ناز کریں کم ہے۔" ۱۸

بعض غیر ذمہ دار افراد نے محض مخالفت برائے مخالفت کے نقطۂ نظر سے امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بے سروپا باتیں منسوب کر کے غیر حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کیا اور یہاں تک لکھ دیا:

مرزا غلام قادر بیگ جو انھیں (امام احمد رضا بریلوی کو) پڑھایا کرتے تھے، نبوت کے جھوٹے دعوے دار مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی تھے۔ ۱۹

امام احمد رضا بریلوی کے ابتدائی استاذ اور مرزائے قادیانی کے بھائی کا نام ایک ہے، جس کی بنا پر یہ مغالطہ دیا گیا، حالاں کہ یہ دونوں الگ الگ شخص ہیں۔

حضرت مولانا مرزا غلام قادر بیگ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بڑے بھائی مرزا مطیع بیگ کے پوتے مرزا عبدالوحید بیگ (بریلی) نے اپنے ایک مقالہ میں اس الزام تراشی کا جواب دیا ہے، ان کا بیان ہے کہ مرزا غلام قادر بیگ لکھنؤ کے محلہ جھوائی ٹولہ میں یکم محرم، ۲۵ر جولائی ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۷ء کو پیدا ہوئے، ان کے والد لکھنؤ سے بریلی منتقل ہو گئے تھے، ہمارا خاندان نسلاً ایرانی یا ترکستانی مغل نہیں ہے، مرزا اور بیگ کے خطابات اعزاز شاہانِ مغلیہ کے عطا کردہ ہیں۔ مرزا غلام قادر بیگ طبابت کرتے تھے اور دینی تعلیم بلا معاوضہ دیا کرتے تھے، دوسرے طالب علم آپ کے مطب پر پڑھنے آتے، لیکن آپ امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو ان کے مکان پر ہی درس دیتے تھے، پھر ایک وقت آیا کہ انھوں نے اصرار کر کے امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہدایہ کا درس لیا اور فخر سے فرمایا کرتے تھے کہ:

"میں علم و فضل کے شہنشاہ کا شاگرد ہوں، ان شاء اللہ روزِ قیامت بھی اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگردوں کی مبارک صف میں شامل ہوں گا۔"

حضرت مرزا غلام قادر بیگ کا انتقال بریلی شریف میں یکم محرم، ۱۸ر اکتوبر ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۷ء کو نوے سال کی عمر میں ہوا۔ محلہ باقر گنج میں واقع حسین باغ میں دفن کیے گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

جناب مرزا عبدالوحید بیگ (بریلی) لکھتے ہیں:

"ہمارے خاندان کا کبھی بھی کسی قسم کا کوئی واسطہ و تعلق مرزا غلام احمد قادیانی کذاب سے نہیں رہا، اس لیے یہ کہنا کہ حضرت مولانا غلام قادر بیگ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرزا غلام احمد قادیانی کذاب کے بھائی تھے، انتہائی لغو، بے بنیاد اور کذبِ صریح ہے۔" ۲۰

حوالہ جات:

(۱) احمد رضا بریلوی، امام، فتاویٰ رضویہ (شیخ غلام علی لاہور) ج: ۱، ص ۴۴۲

(۲) ایضاً

(۳) ایضاً، ۴۴۳

(۴) احمد رضا بریلوی، امام، احکام شریعت (طبع کراچی) ج: ۱، ص ۱۱۲

(۵) ایضاً، ص ۱۲۸

(۶) ایضاً، ص ۱۳۹

(۷) ایضاً، ص ۱۲۲

(۸) ایضاً، ص ۱۷۷

(۹) احمد رضا بریلوی، امام، فتاویٰ رضویہ (طبع مبارک پور) ج: ۶، ص ۵۱

(۱۰) ایضاً، ص ۳۱۔۳۲

(۱۱) ایضاً، ص ۸۱

(۱۲) احمد رضا بریلوی، امام، المعتقد المنتقد (مطبوعہ مکتبۂ حامدیہ لاہور) ص ۲۳۹

(۱۳) احمد رضا بریلوی، امام، حسام الحرمین (مطبوعہ مکتبۂ نبویہ لاہور) ص ۷۔۱۵

(۱۴) احمد رضا بریلوی، امام، فتاویٰ رضویہ (طبع مبارک پور) ج:۶، ص ۵۸

(۱۵) احمد رضا بریلوی، امام، مجموعہ رسائل ردِ مرزائیت (مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور) ص ۴۴

(۱۶) ایضاً، ص ۲۶

(۱۷) خالد شبیر احمد، پروفیسر، تاریخ محاسبۂ قادیانیت (مطبوعہ فیصل آباد) ص ۴۵۵

(۱۸) ایضاً، ص ۴۶۰

(۱۹) احسان الٰہی ظہیر، البریلویہ عربی (طبع لاہور) ص ۱۹۔۲۰

(۲۰) عبدالوحید بیگ، مرزا، ماہ نامہ سنی دنیا بریلی شریف، شمارہ جون ۱۹۸۸ء

[یہ مقالہ ۲۹/ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی/اسلام آباد کی طرف سے 'ہالی ڈے ان' اسلام آباد میں منعقد ''امام احمد رضا کانفرنس'' میں پڑھا گیا۔]

☆☆☆

امام احمد رضا اور ردّ آریہ

مولانا خالد ایوب مصباحی

صوفیہ محلہ، شیرانی آباد، ناگور، راجستھان

آریہ کون اور کیا؟:

کتاب ''ہندو مت'' کے مصنف اختر احسن ہندوؤں کے معروف فرقہ آریہ کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں: دیانند سرسوتی اس کے بانی ہوئے ہیں۔ انھوں نے دیوی، دیوتاؤں، بتوں اور مورتی پوجا کی سخت سے مخالفت کی ہے اور ایک خدا کی پوجا پر زور دیا ہے۔ لیکن انھوں نے یہ پاٹھ (سبق) دیتے دیتے ایشور (خدا)، پرمانو (مادہ) اور جیو (روح) کو ایک سطح پر لا کھڑا کر دیا اور بتلایا کہ تینوں ازلی اور ابدی ہیں۔ اس طرح سے تینوں کو برابر کر کے شلیث قائم کر دی۔ وہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ عبادت صرف خدا کی ہونی چاہیے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی اعلان کرتے ہیں کہ وہ محض عادل ہے وہ انسانوں کو ان کے اعمال کی جزا و سزا دے سکتا ہے۔ نہ ان پر رحم کر سکتا ہے، نہ انھیں معاف کر سکتا ہے۔ ان کے قول کے مطابق اگر خدا ایسا کرے یعنی کسی کے گناہ کو معاف کر دے تو انصاف میں فرق آتا ہے''۔ (ہندو مت، ص ۹ و ۱۰، مطبوعہ: اسلامی مشن سنت نگر، لاہور)

مؤخر الذکر عبارت کی ایک سوال اور جواب کے روپ میں آریوں کی مذہبی کتاب اور پنڈت دیانند سرسوتی کی مشہور تصنیف ''ستیہ رتھ پرکاش'' کے حوالے سے یوں تشریح کی گئی ہے:

''سوال:۔ پرمیشور رحم اور انصاف کرنے والا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جس طرح کہ تم نے رحم اور انصاف کے معنی کیے ہیں وہ ٹھیک نہیں ہیں، کیوں کہ جیسا اور جتنا برا کام کیا اس کو ویسی اور اتنی ہی کڑی سزا دینی چاہیے۔ اسی کا نام انصاف ہے اور اگر قصوروار کو سزا نہ دی جائے تو رحم صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔ کیوں کہ ایک مجرم کو چھوڑ دینا گویا ہزاروں دھرماتما لوگوں کو دکھ دینا ہے۔ جب ایک کے چھوڑنے سے ہزاروں لوگوں کو دکھ پہنچتا ہے تو پھر وہ رحم کیسے ٹھہرا؟ رحم یہی ہے کہ اس ڈاکو کو قید خانے میں رکھ کر پاپ کرنے سے بچایا جائے۔ اس قسم کا عمل درآمد اس پر رحم ہے اور اس کو مار

ڈالنے سے دوسرے ہزاروں لوگوں پر رحم ظاہر ہوگا"۔ (ایضا، ص ۱۰)

"دیانند جی سے ایک سوال کیا گیا تھا: ستتی (خدا کی حمد و ثنا) کرنے سے ایشور (خدا) اپنا قانون توڑ کر پرارتھنا (دعا) کرنے والے کا پاپ (گناہ) دور کر دے گا؟۔۔ دیانند جی اس کا جواب نفی میں دیتے ہیں یعنی نہیں"۔ (ایضا، ص ۱۱)

"پرمیشور کاموں کا پھل بے انتہا نہیں دے سکتا۔ اگر وہ ایسا کرے تو پرمیشور کا انصاف نہ رہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ پشچاتاپ (توبہ) اور پرارتھنا (دعا) سے گناہ چھوٹ جائیں گے تو دھرم کی تنزلی اور بداعمالی کی ترقی ہوتی ہے"۔ (ایضا، ص ۳۵)

"ایک اور مقام پر دیانند لکھتے ہیں: آگ گرم، پانی ٹھنڈا اور مٹی وغیرہ تمام غیر ذی شعور ہیں۔ ان کی طبعی صفت کو پرمیشور (خدا) بھی نہیں بدل سکتا۔ ان میں تبدیلی نہیں کر سکتا"۔ (ایضا، ص ۱۱)

لیکن چوں کہ کہنے اور اعتقاد رکھنے کی حد تک آریہ فرقے کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا قادر مطلق ہے اور سب کچھ کر سکتا ہے اس لیے اس کی گول مال تشریح یوں کرتے ہیں: سروشکتی مان (قادر مطلق) کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ پرمیشور (خدا) کسی کی مدد کے بغیر اپنا کام پورا کر سکتا ہے"۔ (ایضا، ص ۳۴و۳۵)

خدا کے ساتھ دوسروں کو ازلی ابدی ماننے کی توجیہ و تاویل کرتے ہوئے پنڈت دیانند کا کہنا ہے: جیو (جان) اور پرمانو (ذرات) خدا کے ساتھ ہمیشہ سے موجود تھے۔ خدا نے ان کے ذریعہ تمام مخلوق کو بنایا۔ جیسے کہ کمہار (علت فاعلی) نے مٹی اور پانی (مادی علت) سے بذریعہ ڈنڈا اور چاک (علت آلی) برتن (معلول) بنا دیا۔ اسی طرح خدا نے روح اور مادہ کے ذریعہ سے کائنات و مافیہا کو بنا دیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ قرار دیا کہ جیو اپنے کام میں خود مختار ہے"۔ (ایضا، ص: ۳۳و۳۴)

اس مفروضہ عقیدے کی مزید تشریح اس انداز سے کی گئی ہے: علت فاعلی کی دو قسمیں ہیں: ایک تمام کائنات کو حالت علت سے معلول بنانے والا، قائم رکھنے والا، نیز فنا کرنے والا اور سب کا انتظام کرنے والا۔ اس طرح اول علت فاعلی پرماتما (خدا) ہے۔ دوسری پرمیشور (خدا) کی کائنات سے اشیا لے کر کئی طریقے سے مختلف اشیا بنانے والا جیو ہے۔ لیکن ان کا باقاعدہ بننا اور بگڑنا پرمیشور اور جیو کے اختیار میں ہے۔

جیو سے ایشور (خدا) اور ایشور سے جیو اور ان دونوں سے پرکرتی (مادی حالت) اپنی ذات سے جدا ہیں اور تینوں ازلی ہیں"۔ (ایضا، ص: ۳۴)

آریہ فرقہ آسمان کو بھی قدیم مانتا ہے چنانچہ لکھا ہے: پیدائش عالم سے پیشتر پرمیشور (خدا)، پرکرتی

(مادہ اور زمانہ)، آکاش (آسمان)، جیو (روح) جو ازل میں موجود تھے، ان سے دنیا کی پیدائش ہوئی۔ اگر ان میں سے ایک بھی نہ ہو تو دنیا بھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ پرمیشور، روح اور مادی علت ازلی ابدی ہیں۔ (ایضا، ص ۳۵۔ بحوالہ: ستیہ پرکاش، آٹھواں باب، ص ۳۱۰)

یہ ہیں آریہ کے مذہبی عقائد و نظریات جن کی حقیقت، ضعف اور بے بنیادی اہل اسلام پر مخفی نہیں لیکن چوں کہ ہندوؤں کا فرقہ ہونے کے باوجود ہندو مذہب کی بہ نسبت اس فرقے کے مذہبی نظریات میں کچھ قوت تھی، کچھ اصول تھے اور کچھ مذہبی پختگی تھی، جبکہ ہندو مذہب میں صرف رسم و رواج ہیں، اصولوں سے اس کا کوئی علاقہ نہیں۔ اس لیے آریہ فرقے کو ہمیشہ ہندو مذہب کی طرف نظر کرتے ہوئے دیکھا گیا اور اس تناظر میں دیکھنے کا نتیجہ ہے کہ اسے کہیں توحیدی تو کہیں اصلاحی فرقہ تسلیم کیا گیا اور ہندو مذہب کی بے کسی کے آگے اسے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوتی چلی گئی اور یہ پھیلتا چلا گیا۔ جبکہ اسلام جیسے پختہ اور سرتا سر اصولوں پر مبنی مذہب کے آگے اس کی حقیقت کچھ نہیں۔

اسی غلط فہمی اور جانب دارانہ نظر کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ آن لائن انٹرنیشنل لائبریری وکی پیڈیا میں اس فرقے کا تعارف یوں پیش کیا گیا ہے:

”ہندو مذہب کا ایک فرقہ، جس کی بنیاد سوامی دیانند نے ۱۸۷۵ء میں رکھی۔ اس کے پیروکار عام ہندوؤں کی طرح بت پرستی کے قائل نہیں۔ اس فرقے نے ہندوؤں میں بہت سی مذہبی اور سماجی اصلاحات کیں۔ نکاح بیوگان کا حامی اور کم سنی کی شادیوں کا مخالف ہے“۔ (وکی پیڈیا، آریہ سماج)

سکے کا دوسرا رخ:

ابھی سطور بالا میں ہم نے اپنے طور پر ہندوؤں کے خاص فرقہ آریہ کی حقیقت کیا ہے اور اسلام سے متصادم اس کے عقائد و نظریات کیا کچھ ہیں؟ یہ جاننے کی کوشش کی۔ اب آیئے یہ جانتے ہیں کہ اس فرقے کے متعلق عالم اسلام کے عظیم فقیہ، عظیم محقق اور فرقۂ ناجیہ اہل سنت و جماعت کے نام ور پیشوا امام سیدنا احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے خیالات کیا تھے؟ یہ جاننا اس لیے بھی ضروری ہے کہ جب تک کسی کے نظریات کو ایک فقیہ کی نگاہ سے نہ دیکھ لیا جائے، تب تک ان نظریات کے متعلق حق و باطل کا آخری فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ یہاں امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے ایک فتوے کا اقتباس پیش ہے جس سے اس فرقے کے تعارف کی تکمیل بھی ہو جاتی ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے حق میں یہ کس درجہ مضر ہو سکتا ہے، اس کا اندازہ بھی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ حضرت امام اس کی ہلاکت خیزی کے متعلق کس قدر حساس تھے۔

شعبان ۱۳۱۵ہجری میں لکھنؤ کے محلہ رام گنج متّصل حسین آباد سے اسد اللہ خاں نے فاتحہ کی مٹھائی کے بارے میں فارسی زبان میں درج ذیل سوال کیا تھا:

”چہ می فرمایند علماے دین و مفتیان شرع متین دریں باب کہ شیرینی از دکان حلوائی ہندو خرید کردہ اگر فاتحہ خواند و ثواب آں بروح رسول مقبول ﷺ یا دیگر بزرگان دین رساند جائز ست یا نہ؟ و جمہور ایں طریق فاتحہ راجواز گفتہ اندیانہ؟ واحتراز از ایشاں بایآت قرآنی واحادیث نبوی جائز ست یانہ؟ وایشاں کافراندیا مشرک؟ وبصورت دیگر اگر کسے ایشاں را کافر و مشرک نہ گوید درباره او چہ حکم است؟ بینوا توجروا“۔

ترجمہ:۔ علماے دین اور مفتیان شرع متین اس بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ ہندو حلوائی کی دکان سے مٹھائی خرید کر فاتحہ پڑھی جائے اور اس کا ثواب رسول مقبول ﷺ کی روح مبارک یا دیگر بزرگان دین کی ارواح کو ایصال کیا جائے تو کیا یہ جائز ہے؟ جمہور اہل علم اس کے جواز کے قائل ہیں یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی رو سے یہ لوگ کافر و مشرک قرار پاتے ہیں یا نہیں؟ اور ان سے پرہیز کرنا چاہیے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص انھیں کافر و مشرک نہ خیال کرے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

قارئین دیکھ رہے ہیں کہ سوال کی عبارت مطلق ہے جس کا ہندوؤں کے کسی مخصوص فرقے سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اس سوال کا جواب پڑھ کر شاید ہی کوئی دیدہ ور حضرت امام کی حکمت و مصلحت اور گہری نظر کی داد دیے بغیر رہ سکے۔ کیوں کہ آپ نے اس کے جواب میں نفس مسئلہ تو واضح تو کیا ہی ہے لیکن اس سے کئی گنا زیادہ زور اس مردود فرقے کے تعارف پر دیا ہے اور تعارف بھی کچھ ایسا کروایا ہے کہ اس کی مکمل حقیقت واضح کر کے رکھ دی ہے۔ یہ انداز بیان آپ نے اس لیے اختیار فرمایا ہے کہ آریہ نامی فرقہ ایسا منافق صفت اور دل فریب فرقہ ہے جس کی تہ تک پہنچنا ہر کہ و مہ کے بس کی بات نہیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ اسے اپنے زمانے میں جاہلوں کے درمیان کچھ ایسی غیر معمولی پذیرائی حاصل ہوئی کہ اسلام جیسے باکمال مذہب کے ماننے والوں پر بھی یہ ظالم فرقہ ہاتھ صاف کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ حضرت امام علیہ الرحمہ اس بات کو بخوبی محسوس کرتے تھے اور اسی وجہ سے آپ نے اس کی تردید میں مستقل رسائل لکھنے کے علاوہ موقع بموقع اپنے فتاویٰ میں ہندوؤں کے اس خاص فرقے کا بڑا زبردست تعاقب فرمایا ہے اور علمی اور تحقیقی طور پر جابجا اس کی بددیانتی کا پردہ چاک کیا ہے۔

درج بالا سوال کے جواب میں آپ فرماتے ہیں:

الجواب:۔۔۔۔۔۔۔ ہندوان قطعا کافران و مشرکانند، ہر کہ ایشاں را کافر و مشرک نداند خود کافر

ست۔ آرے دریشاں طائفہ تازہ بر آمدہ کہ خود را آریہ خوانند وبزبان دعوٰی توحید کنند ودم تحریم بت پرستی زنند فامابرادری والفت ویک جہتی ایشاں ہر چہ ہست باہمیں بت پرستان ست کہ سنگ وآب ودرخت وپیکر ہائے تراشیدہ را بخدائے پرستند ایناں را ہم مذہب وبرادر دینی خویشاں دانند واز نام مسلمانان درآب وآتش مانند۔ ”قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ۝“ (القرآن الکریم ۹/۳۰)

باز ایں خبیثاں اگر چہ بظاہر از پرستشِ غیر محترز مانند، مادہ وروح ہر دو را ہمچو خدا قدیم وغیر مخلوق دانند، پس شرک اگر در عبادت نشد در وجوب وجود شد، بہر وجہ سہ الہ برایشاں لازم ست واو قطعا بمشرکیت۔ پس آں ادعائے توحید ہمہ پادر ہواست واگر فرض کنیم غایت آنکہ ہمیں مشرک نباشد اما در کفر ایشاں چہ جائے سخن ہر کہ با محمد رسول اللہ ﷺ نگردہ کافر ست وہر کہ اورا کافر نداند خود باو ہمسر ست قال اللہ تعالیٰ: ”وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝“ (القرآن الکریم ۳/۸۵)

اگر دوستی وموالات با ہر کافر کہ باشد حرام اشد وکبیرہ اعظم ست واگر بربنائے میل دینی باشد خود کفر قال اللہ تعالیٰ: وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ (القرآن الکریم ۵/ ۵۱)

وصحبت ومخالطت بے دوستی وموانست اگر در کار دنیوی بربنائے ضرورت بقدر ضرورت بے تعظیم وتکریم وبے مداہنت در کار دین باشد رخصت ست ورنہ ایں ہم حرام مگر بحالت اکراہ شرعی قال اللہ تعالیٰ:

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (القرآن الکریم ۶/۶۸)

وقال تعالیٰ: اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ، (القرآن الکریم ۱۶/۱۰۶)

ترجمہ:۔ ہندو بلاشبہہ قطعی طور پر کافر اور مشرک ہیں لہذا جو انھیں کافر و مشرک نہ جانے وہ خود کافر ہو جاتا ہے ان میں ایک نیا فرقہ نکلا ہے جو ”آریہ“ کہلاتا ہے وہ زبانی طور پر توحید کا دعوٰی کرتے ہیں اور بت پرستی کے حرام ہونے کا اقرار بھی کرتے ہیں لیکن برادری، الفت ومحبت اور اتحاد میں ان کا رویہ بت پرستوں سے مختلف نہیں، ان بت پرستوں کے ساتھ ان کی الفت ومحبت، ان کا اتحاد قائم ہے جو پتھر، پانی، درختوں اور تراشیدہ مورتیوں کو خدا سمجھتے ہوئے پوجتے ہیں اور یہ انھیں اپنا ہم مذہب اور دینی بھائی خیال کرتے ہیں اور مسلمانوں کے نام سے پانی آگ بن جاتے ہیں یعنی ان کے نام سے بھی جلتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا ستیاناس کرے کہاں اوندھے پھرے جاتے ہیں۔

پھر یہ خبیث اگر چہ غیر کی عبادت وبندگی سے پرہیز کرتے ہیں مگر مادہ اور روح دونوں کو اللہ تعالیٰ کی طرح قدیم اور غیر مخلوق مانتے ہیں۔ پس اگر عبادت میں شرک نہ ہوا تو وجوبِ وجود میں شرک ہو گیا پس ہر

وجہ سے ان پر تین خدا لازم ہو گئے لہٰذا وہ یقیناً مشرک ہیں، ان کا دعوٰی توحید ہوا میں پاؤں رکھنے کے مترادف ہے۔ اگر ہم آخری درجہ پر فرض کر لیں کہ وہ مشرک نہیں تاہم ان کے کفر یعنی کافر ہونے میں بات کرنے کی کوئی گنجائش نہیں اس لیے کہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نہ ہو وہ کافر ہے اور جو ایسے کو کافر نہ جانے وہ خود کفر میں ان کے ساتھ برابر ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے (اور اس کا طلب گار ہو) تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ بلکہ وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا، لہٰذا ہر کافر سے دوستی اور ملاپ سخت منع، حرام اور بہت بڑا گناہ ہے اور اگر دینی رجحان کی بنا پر ہو تو بلاشبہہ کفر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "جو کوئی تم میں سے ان (کافروں) سے دوستی رکھے گا تو بلاشبہہ وہ انہی میں سے ہے"۔ اور اگر مجلس اور میل جول بر بنائے ضرورت، بقدر ضرورت، بغیر دوستی اور انس و محبت کے، بلا تعظیم و تکریم اور بغیر دینی نقصان یا کمزوری کے ہو تو اس کی اجازت اور رخصت ہے۔ بصورت دیگر میل جول اور مجلس بھی حرام ہے۔ ہاں! اگر کوئی فریق مخالف کے جبر و اکراہ کے باعث مجبور ہو جائے تو وہ مستثنٰی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "یاد آجانے کے بعد ظالموں کے پاس ہرگز مت بیٹھو"۔ نیز ارشاد فرمایا: کفریہ بات زبان سے نکالنی کفر ہے مگر یہ کہ کسی پر زبردستی کی جائے (یعنی اسے کفر کہنے پر مجبور کیا جائے) تو وہ (اپنی جان بچانے کے لیے) کلمہ کفر کہہ سکتا ہے بشرطیکہ اس کا دل (بدستور) ایمان پر قائم اور مطمئن ہو۔

اس جامع بیان، مکمل تعارف اور اس فرقے سے متعلق احکام کی تفصیل کے بعد آپ اصل مسئلہ مسئولہ کے متعلق حکم شرع واضح فرماتے ہیں، جو اگرچہ ہماری بحث سے غیر متعلق ہے لیکن تکمیل بحث کے لیے ضروری ہے، لکھتے ہیں:

و در شیرینی ساختہ ایشاں تا آنکہ بالخصوص درو خلط نجاستے یا چیزے حرام معلوم نباشد فتوی جواز ست وتقوی احتراز کما نص علیه فی الاحتساب و در فاتحہ از و احتراز انسب ست: فان الله طيب لايقبل الا الطيب (مسند امام احمد بن حنبل، حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ المکتب الاسلامی بیروت، ۲/ ۳۲۸) وطیب بودنِ اشیائے ایشاں اگرچہ بحکم طاہر ست اما باطن مشکوک پس اسلم ہماں ست کہ حتی الامکان در ہچوں امور نفیسہ گرد او نگردند کما فصلناه فی فتاوٰنا ورنہ خیر کہ اصل در اشیا طہارت ست و یقین بہ شک زائل نشود و الدين يسر (صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب الدین یسر، قدیمی، کتب خانہ کراچی، ۱/ ۱۰) قال محمد به ناخذ مالم نعرف شيئا حراما بعينه (فتاوٰی ہندیہ، کتاب الکراھیۃ، الباب الثانی عشر، نورانی کتب

خانہ پشاور،۵/۳۴۲)۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

ترجمہ:۔رہی یہ بات کہ ان کے ہاتھوں کی بنی ہوئی مٹھائی کا استعمال کیسا ہے؟تو جب تک خصوصیت کے ساتھ اس میں کسی نجاست یا حرام کی ملاوٹ نہ ہو تو بر بنائے فتویٰ اس کا استعمال جائز ہے۔مگر تقویٰ یہ ہے کہ اس سے بھی پرہیز کیا جائے جیساکہ ''نصاب الاحتساب''میں صراحۃً مذکور ہے۔لہذا فاتحہ کے عمل کے لیے اس سے پرہیز زیادہ مناسب ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ (بے حد) پاک ہے لہذا وہ پاکیزہ چیزوں کے علاوہ کوئی چیز قبول نہیں فرماتا۔اور کافروں کی چیزیں اگر چہ ظاہری اور سرسری حکم میں پاک متصور ہوتی ہیں مگر در حقیقت مشتبہ اور مشکوک ہوتی ہیں۔لہذا سلامتی اسی میں ہے کہ اس قسم کے نفیس کاموں کے سلسلے میں حتی الامکان کفار و مشرکین کے نزدیک نہ جائیں جیساکہ ہم نے اپنے فتاویٰ میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ورنہ خیر (کچھ مضائقہ نہیں) کیوں کہ اصل اشیا میں طہارت ہے اور یقین شک سے زائل نہیں ہوتا اور دین کی بنیاد آسانی پر ہے،چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں جب تک کسی معین چیز کے حرام ہونے کو نہ جانیں،اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

(الفتاویٰ الرضویہ مترجم، جلد ۲۱، کتاب الحظر والاباحۃ۔ مطبوعہ: مکتبۃ المدینہ)

اس پورے اقتباس کو پڑھنے کے بعد قابل غور جو پہلو ابھر کر سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امام علیہ الرحمہ فرقہ آریہ کی فتنہ سامانیوں کے متعلق بے پناہ حساس بھی تھے اور فکر مند بھی۔کیوں کہ ایک مطلق سوال جس کا بہ ظاہر آریوں سے کوئی خاص تعلق نہیں،اس کے باوجود اس کے جواب میں،اصل مسئلہ سے زیادہ توجہ اس فرقے کے مکمل تعارف اور پھر مکمل تعاقب پر مرکوز کرنا ضرور کسی دلی احساس اور باطنی فراست کا غماز ہے۔

خیر!اب تک کی درج بالا تفصیلات کی روشنی میں آریہ نامی فرقے کے جو عقائد و نظریات سامنے آتے ہیں،ان کا خلاصہ کچھ اس قسم کا ہے:

*یہ فرقہ توحید کا دعویٰ کرتا ہے۔ * بت پرستی کو حرام قرار دیتا ہے۔ *بایں ہمہ عملاً کفار سے ہر طرح کا علاقہ رکھتا ہے۔*مادہ اور روح کو معاذ اللہ قدیم اور غیر مخلوق مانتا ہے۔ *خدا کو عادل محض مانتا ہے جو صرف سزا و جزا دے سکتا ہے۔*عملاً خدا کو مجبور مانتا ہے کہ نہ کسی پر رحم کر سکتا ہے اور نہ کسی کو معاف کر سکتا ہے۔*یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اگر توبہ سے گناہ معاف ہو جائیں تو دھرم کی تنزلی اور بد عملی کی ترقی ہوتی ہے۔*قادر مطلق ہونے کا معنی صرف کسی کی مدد لیے بغیر کام کرنا سمجھتا ہے۔* جیو کو خود مختار مانتا ہے۔*

خدا کے ساتھ روح کو کائنات کی اصل علت فاعلی گردانتا ہے۔* جیو، پرمیشور اور پرکرتی تینوں کو ازلی مانتا ہے۔* آکاش کو بھی ازلی مانتا ہے۔

دعواے توحید کی خبر گیری:

درج بالا نظریات کی روشنی میں ذرا بھی فقہی سوجھ بوجھ رکھنے والے کے لیے یہ نتیجہ اخذ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ ان غیر اسلامی نظریات کا حامل ہوتے ہوئے آریہ فرقے کو کسی بھی صورت میں توحیدی فرقہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اور اس کا دعواے توحید محض ایک خوب صورت جھانسا ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ لیکن چوں کہ کم خواندہ اور دینی ماحول سے دور عوام کے لیے اس صورت حال کا ایک دوسرا رخ بھی تھا اور وہ تھا غالی بت پرست ہندوؤں کا وہ چہرہ جو کروڑوں بتوں کی پرستش کے قائل بھی ہیں اور عامل بھی اور ساتھ ہی قسم قسم کی بے جا مشرکانہ رسوم کے حامل بھی۔ ظاہر سی بات ہے ان کروڑوں کے پجاریوں کے درمیان اس فرقے کا ایک معبود کی عبادت کا دعوی دعواے توحید تھا جبکہ اس فرقے کی داغ بیل ڈالنے کا بنیادی مقصد بھی ہندوؤں کی اصلاح تھا۔ ایسے میں عوام کا اس کے جھانسے سے بچ پانا اور اس باریک حقیقت سے واقف ہونا کہ یہ روح اور مادہ کو بھی قدیم اور غیر مخلوق مانتا ہے جو بہت بڑا شرک ہے، ایک ناممکن سا عمل تھا۔ اور شاید یہی وجہ تھی کہ جب اس فرقے نے تحریک ''شدھی سنگھٹن'' کا آغاز کیا تو دنیا نے یہ دیکھا کہ اس زمینی سچائی کے باوجود کہ جو ایک بار دامن اسلام سے وابستہ ہو جاتا ہے وہ پھر اس سے مڑ کر کہیں نہیں دیکھتا، لاکھوں کی تعداد میں مسلمان مرتد ہوئے اور اس خطرناک فتنے سے اپنی حفاظت نہ کر سکے۔ اگر چہ بہت ساری جگہوں پر یہ کام دولت و قوت کے بل پر انجام دیا گیا لیکن خاصی جگہوں پر زور بیان اور جادو بیانی کی بنیاد پر بھی مسلمان اس کے دام تزویر میں پھنستے چلے گئے تھے۔ وہ تو اللہ بھلا کرے امام اہل سنت کے خوان کرم کے پروردہ آپ کے صاحب زادگان، تلامذہ، خلفا اور معتقد و فیض یافتہ علماے کرام کا جنھوں نے بر وقت جانیں جوکھم میں ڈال ڈال کر اُمّت کی کشتی سنبھالی اور کفر کو اس کے کیفر کردار تک پہنچا کر ہی دم لیا۔ ورنہ تو چار لاکھ سے زائد بھولے بھالے مسلمان اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔

ظاہر سی بات ہے اسلام جیسے پختہ نظریات کے ماننے والوں پر کسی کا جادو آسانی سے تو نہیں چل سکتا تھا؟ دراصل اس کے پیچھے سب سے خوب صورت جھانسا یہی دعواے توحید تھا، جس کی گہرائی تک پہنچنا ہر کہ و مہ اور عام آدمی کے بس کا سودا نہ تھا۔

امام اہل سنت نے جہاں اس فرقے کے دیگر غیر اسلامی نظریات پر شدید تنقید فرمائی ہے وہیں اس

کے دعوائے توحید کی خاص طور سے جابجا سخت گرفتیں فرمائی ہیں اور خوب خبر لی ہے۔ کہیں علمی طور پر اس کی تردید کی ہے تو کہیں عوام کو اس کی حقیقت حال سے بڑے ناصحانہ انداز سے آگاہ کیا ہے۔ کہیں انھیں کی کتاب سے انھیں ذلیل کیا ہے تو کہیں عقلی طور پر ان کی بے عقلی پر خوب پھبتیاں کسی ہیں۔

یوں تو آپ نے مستقل طور پر اس فرقے کی تردید میں دو رسالے: کیفر کفر آریہ'' اور ''پردہ در امرت سری'' (بحوالہ: حیات اعلی حضرت۔ از: ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ) تصنیف فرمائے، دیگر کتب و رسائل میں اس کے خاص خاص نظریات کی تردید میں کئی کئی صفحات رقم فرمائے جیسے: ''**قوارع القهار على المجسمة الفجار**'' وغیرہ لیکن ان کے علاوہ بھی اپنے فتاوی اور دیگر کتب میں حسب موقع جابجا کفر کو اس کے انجام تک پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ چنانچہ درج بالا فتوے میں اس کے دعوائے توحید کی خبر لیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''پس شرک اگر در عبادت نشد در وجوب وجود شد بہر وجہ سہ الہ برایشاں لازم ست واو قطعا بمشرکیت پس آں ادعائے توحید ہمہ پادر ہواست''۔ یعنی اگر عبادت میں شرک نہ بھی ہوا تو وجوب وجود میں تو شرک ہو گیا۔ پس ہر وجہ سے ان پر تین خدا لازم ہو گئے، لہذا وہ یقینا مشرک ہیں، ان کا دعوائے توحید بے بنیاد اور ہوا میں پاؤں رکھنے کے مترادف ہے۔

بریلی کے شوکت علی صاحب فاروقی نے ۲۷ر شوال ۱۳۳۷ ہجری میں سوال کیا تھا:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کفار کے قسم کے ہوتے ہیں اور ہر ایک کی تعریف کیا ہے اور صحبت کون سے کفار کی سب سے زیادہ مضر ہے؟

اس کے جواب میں بڑے جامع الفاظ میں ہندوؤں کی مختلف اقسام کی بہت خوب تفہیم فرماتے ہیں اور اسی میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''کافر مجاہر چار قسم ہے: اول دہریہ کہ خدا ہی کا منکر ہے۔ دوم مشرک کہ اللہ عزوجل کے سوا اور کو بھی معبود یا واجب الوجود جانتا ہے، جیسے ہندو بت پرست کہ بتوں کو واجب الوجود تو نہیں مگر معبود مانتے ہیں اور آریہ کہ روح و مادہ کو معبود تو نہیں، مگر قدیم و غیر مخلوق جانتے ہیں دونوں مشرک ہیں اور آریوں کو موحد سمجھنا سخت باطل ہے''۔ (فتاوی رضویہ، جلد ۱۴، رسالہ: رد الرفضہ)

آریہ کے کفریات کا تسلسل اور ان کی خبر گیری:

حضرت امام موصوف کی عادت رہی ہے کہ موقع آنے پر ضمنی باتوں کو بھی نظر انداز نہیں فرماتے اور اصلاح حال و مآل کی خاطر خوب افادہ فرماتے ہیں۔ اپنے فتاوی، فتاوی رضویہ میں کتاب الطہارت کے ضمن

میں اپنے ایک رسالہ: باب العقائد و الکلام ۱۳۳۵ھ ہجری'' کی تمہید کے طور پر لکھتے ہیں: یہ (درج ذیل) بیان اگرچہ مسائل تیمم و طہارت ظاہری سے جدا ہے مگر باذنہٖ تعالیٰ طہارت باطن کا اعلیٰ ذریعہ ہے، جس طرح قرآن عظیم نے مسائل طلاق کے وسط میں تاکیدِ نماز کا ذکر فرمایا کہ: '' حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ۝ ''. (القرآن الکریم ۲/ ۲۳۸)

ترجمہ:۔ نگاہ داشت کرو نمازوں اور خصوصاً نماز اوسط کی اور اللہ کے حضور ادب سے کھڑے ہو۔

اسی سنتِ کریمہ کے اتباع سے یہ مسائل تیمم کے وسط میں عقائد اسلام کی یاد دہانی ہے، مولیٰ تعالیٰ قبول فرمائے اور مسلمانوں کے لیے ایمان کی ثابت قدمی کا ذریعہ بنائے، اور اس کے کرم پر دشوار نہیں کہ بعض مخالفین کو بھی اس سے راہِ ہدایت دکھائے وباللہ التوفیق۔ (واضح رہے کہ یہ رسالہ اب مضمون کی مناسبت سے ''کتاب الطہارۃ'' کی بجائے ''کتاب السیر'' میں شامل کر لیا گیا ہے۔)

اس پر خلوص تمہید کے بعد آپ نے اس رسالے میں معرفت باری تعالیٰ سے متعلق ایک قوی شبہہ کی تقریر اور پھر اس کی تردید فرمائی ہے اور بالترتیب فلاسفہ، آریہ، مجوس، یہود، نصاریٰ، نیچری، چکڑالوی، رافضی، وہابی، دیوبندی اور غیر مقلدین تمام فرقوں کے کفریات و ہذیانات اور ان کے من گھڑت جھوٹے خداؤں کی خوب خبر لی ہے۔ اس ضمن میں آریہ کے تعلق سے درج ذیل جامع اور محیط بحث اس فرقے کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لیے نہ صرف کافی ہے بلکہ ان مسلسل کاری ضربوں کے بعد آریہ سر اٹھانے بلکہ منہ دکھانے کے بھی لائق نہیں رہ جاتے، لکھتے ہیں:

آریہ کے جھوٹے خدا:

''آریہ* ایسے کو ایشور کہتے ہیں جس کے برابر کے ہم عمر دو واجب الوجود اور ہیں (۱) روح و (۲) مادہ۔ ایشور نہ ان کا خالق، نہ ان کا مالک اور ناحق، ناروا انھیں دبا بیٹھا، ان پر ظالمانہ حکم چلا رہا ہے۔

* ایسے کو (یعنی ایسے کو ایشور کہتے ہیں۔ خالد) جس کا اصلاً کوئی ثبوت ہی نہیں، آریہ نے زبردستی مان رکھا ہے۔ جب روح و مادہ بے کسی کے بنائے آپ ہی ازل سے موجود ہیں تو کیا آپ ہی اپنا میل نہیں کر سکتے؟ تو جونوں (صورت، بھیس۔ فیروز اللغات۔ خالد ۱۲) کے بننے میں بھی اس کے وجود پر دلیل نہیں، رہا جونوں کا بدلنا (ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق انسان کا ایک قالب سے دوسرے قالب میں جانا۔ فیروز اللغات۔ خالد ۱۲) وہ کرم (قسمت) کے ہاتھ ہے ایشور کی کیا حاجت؟ اور اس کے ہونے پر کیا دلیل؟*

ایسے کو جو (بحوالہ: یجروید) ماں رکھتا ہے، اور وہ اس کی جان کی حفاظت کرتی ہے تو باپ بھی ضرور ہوگا کہ

خود آریہ ولادتِ مسیح علیہ الصلوۃ والسلام پر کہتے ہیں کہ بے باپ ولادت نرا مضحکہ ہے، جب ایشور کے ہوتے ہوئے بے باپ ولادت نہیں ہو سکتی تو جب ایشور بھی نہ تھے ان کی ماتا (ماں) آپ سے آپ (خود بخود) کیسے گر بھ (حمل) کر لاتی۔ اور خاکی انڈا ہو بھی تو گندا۔* ایسے کو جو بستر (بحوالہ: یجر وید، ادھیائے نمبر ۱۲ و ۱۴) پر بیمار پڑا اور اپنی ماں کو دوا کے لیے پکار رہا ہے، وید آتے اور اس کا تنگ حال دیکھ کر سخت کڑھتے اور سر ہلاتے ہیں۔* ایسے کو جس سے زیادہ علم و عقل والے موجود ہیں، یہ اپنی بیماری میں جن کی دُہائی دیتا اور چیخ رہا ہے کہ او سیکڑوں طرح کے عقل و علم والو! تمھاری ہزاروں بوٹیاں (دیکھیے! حاشیہ نمبر ۱) ہیں ان سے میرے شریر کو نروگ (تندرست) کرو، اے اماں جان! تو بھی ایسا ہی کر۔* ایسے کو جو گونگا ہے اصلاً بول نہیں سکتا (اور یہ دوا کے لیے دوہائی تہائی کون مچار ہا تھا؟ منہ ۱۲) بات تو یوں نہیں کرتا کہ انسان کی مشابہت نہ پیدا ہو، مگر وید اتارنے کے لیے رشیوں (سادھو، جوگی۔ فیروز اللغات۔ خالد ۱۲) کو بینڈ باجے کی طرح بجاتا اور کٹھ پتلیوں کی مانند نچاتا ہے، فضیلت انسانی میں مشابہت گوارا نہ ہوئی اور بجانے نچانے کے رذیل کاموں میں شرکت کی: مصرع۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ (ہر شخص کی فکر اس کی ہمت بھر ہوتی ہے۔)

اس بجانے ناچنے میں جو کچھ رشیوں کے سُر کے بولے وہ اس کی الہامی کتاب وید ہے۔* ایسے کو جس نے نیوگ (نیوگ کی تفصیل اقتباس کے اختتام پر دیکھیں! خالد ۱۲) جیسی بے حیائی کو ذریعہ نجات کیا ہے۔* ایسے کو جس کے (یہاں سے اُن الفاظ تک کہ: ہر آدمی کے آگے بیٹھا ہے" یہ مضمون یجر وید ادھیا ۳۱ منتر اول کا ہے ۱۲۔) ہزار سر ہیں دو مُوںھے سانپ سے پان سوجھے سوا ہزار آنکھ ہیں ہر سر میں ایک ☆ ہر منہ سے کانا، یا بعض چہروں میں کئی کئی باقی چہروں سے اندھا، ہزار پاؤں ہیں کنکھجورا تو نہیں؟ جسے ہزار پا کہتے ہیں۔* ایسے کو جو زمین پر ہر جگہ ہے اُلٹا سیدھا، نٹ کی کلا کو بھی مات کیا، اور کلام حرام کہ انسان سے مشابہت نہ ہو، پھر جگہ پاخانہ بھی ہے، سیدھا ہوتا تو پاؤں ہی بھرتے، الٹا بھی ہے تو سَر بھی سَنا (آلودہ ہوا۔) تب بھی دس انگلی کے فاصلے پر ہر آدمی کے آگے بیٹھا ہے تو ہر جگہ کب ہُوا؟ پھر دو آدمی آمنے سامنے دس انگل کے فاصلے سے ہوں تو ان میں ہر ایک ایشور کا جگہ میں شریک ہُوا، اور دو انگل کے فاصلے پر ہوں تو ایشور آٹھ آٹھ انگل ہر ایک کے پیٹ میں گھسا ٹھہرا، ایسے کہ جو سرو بیاپک (جو ہر جگہ موجود ہو) ہے ہر چیز میں حلول کیے ہوئے ہے ہر مادہ کی فرج، ہر شخص کی مقعد، ہر پاخانے کی ڈھیری میں، نجاست کا کیڑا بھی اتنا گھناؤنا تو نہیں ہوتا۔ پھر یہ سب جگہ رما ہُوا (سمایا ہوا) ایک ہی ایشور ہے یا ہر جگہ نیا؟ بر تقدیر دوم ایشوروں کی گنتی تمام مخلوقات کے شمار سے بڑھ نہ گئی تو برابر ضرور رہی، اس پر توحید کا دم بھرتے ہیں؟ بر تقدیر اول ایشور

کے سنکھوں مہا سنکھوں ٹکڑے ہُوئے کہ ذرّے ذرّے بھر جگہ میں اس کا نیا ٹکڑا ہے تو ایشور مرکب ہُوا اور ہر مرکب محتاج ہے کہ جب تک اس کے سب اجزا اکٹھے نہ ہوں نہیں ہو سکتا، تو ایشور محتاج ہوا۔ پھر جب ہر جگہ رما ہوا ہے، فرض کرو ایک شخص نے دُوسرے کے جُوتا مارا تو یہ فضا جس میں جُوتا چل کر اُس کے بدن تک گیا اس میں بھی ایشور تھا یا نہیں؟ نہ کیوں کر ہو گا، وہ سب جگہ ہے اور جب یہاں بھی تھا تو جُوتا آتے ہوئے دیکھ کر ہٹ گیا یا جُوتا اس کے اندر ہوتا ہُوا گزر گیا؟ ہٹ تو سکتا نہیں ورنہ ہر جگہ کب رہا، یہ جگہ خالی ہو جائے گی ضرور جُوتا اُس میں ہو کر گزرا، عجب ایشور کہ جُوتے سے پھٹ گیا۔ پھر اُس شخص کے جس حصہ بدن پر جوتا پڑا وہاں بھی ایشور تھا یا نہیں؟ نہ کیسے ہو گا ورنہ ہر جگہ نہ رہے گا اور جب وہاں بھی تھا تو اب بتاؤ کہ یہ جُوتا کس پر پڑا؟ کاش نرا الٹا ہوتا تو پاؤوں پر لگتا، سیدھا بھی ہے تو سر پر پڑا۔ یہ ہیں آریہ اور اُن کا ایشور۔ کیا اُنھوں نے خدا کو جانا؟ حاش للہ سبحٰن رب العرش عمّا یصفون۔ (الفتاوی الرضویہ، کتاب السیر، جلد ۱۵، باب العقائد والکلام ۱۳۳۵ ہجری)

حاشیہ نمبر ا:۔

"یہ سمجھ میں آنے کی بات نہیں کہ بوٹی بواؤ معروف اور ان کے پاس ہوا ایشر جی کے پاس نہ ہو۔ دیکھنا کہیں یہ بوٹی بواؤ مجہول تو نہیں؟ تو یہ ضرور ایشر جی کے یہاں کہاں کہ ان کے ہوم کرنے والے (ہندوؤں کی ایک رسم جس میں منتر پڑھتے ہوئے آگ میں گھی ڈالتے جاتے ہیں۔ فیروز اللغات۔ خالد ۱۲) ماس (گوشت) سے بہت برا مانتے ہیں۔ عجب نہیں کہ بیماری میں طاقت آنے کے لیے مسلمانوں سے گوشت کی بوٹیاں مانگتے ہوں ۱۲۔ اعجب العقاب" تصنیف: مولوی نواب مرزا صاحب قادری برکاتی رضوی"۔ منہ ۱۲۔

مذکورۃ الصدر اقتباس میں آریوں کی ایک مخصوص اصطلاح "نیوگ" کا ذکر آیا ہے، آریوں کی اخلاقی حیثیت اور مذہبی حقیقت سے واقفیت کے لیے اس کی درج ذیل تفصیل کا مطالعہ مفید بھی ہے اور ضروری بھی۔

نیوگ کیا ہے؟:۔

اس سلسلے میں سادہ لفظوں میں سچائی یہ ہے کہ نیوگ، زنا کی ایک بدلی ہوئی مخصوص صورت ہے۔ "ہندو مت" میں "ستیارتھ پرکاش" کے حوالے سے ہے: اگر کسی شادی شدہ مرد و عورت کے یہاں اولاد پیدا نہیں ہوتی تو وہ نیوگ کر کے اولاد پیدا کر سکتے ہیں۔ نیوگ کی صورت میں عورت اسی بیاہے خاوند کے گھر میں رہتی ہے۔ اس بیاہی عورت کے لڑکے جو نیوگ سے پیدا ہوں گے، وہ اسی بیاہے خاوند کے وارث

ہوں گے۔ نیوگ شدہ عورت مرد کا تعلق کاریہ کے بعد چھوٹ جاتا ہے۔ جس کی عورت یا مرد مر جاتا ہے یعنی رانڈ عورت اور رنڈوہ مرد کا نیوگ ہو سکتا ہے۔ کنوارے کنواری کا نیوگ نہیں ہو سکتا۔ نیوگ شدہ عورت یا مرد دو چار سے زیادہ اولاد پیدا نہیں کر سکتے۔ جب نیوگ شدہ عورت کو حمل ٹھہر جائے تو اس دن سے عورت مرد کا تعلق قطع ہو جاتا ہے۔ ہاں! نیوگ شدہ عورت دو تین برس تک ان لڑکوں کی پرورش کر کے نیوگ شدہ مرد کو دے دے۔ ایک بیوہ عورت دو اولاد اپنے لیے اور دو دو چار دیگر نیوگ شدہ مردوں کے لیے پیدا کر سکتی ہے۔ اور ایک رنڈوا مرد بھی دو اولاد اپنے لیے اور دو چار دیگر بیوگان کے لیے پیدا کر سکتا ہے۔ اس طرح دس اولاد پیدا کرنے کی اجازت وید میں ہے"۔ (ہندو مت، ص ۳۸ و ۳۹)

عجیب و غریب قسم کے دیومالائی تصورات اور واہیات کے روپ میں خاموش زنا کی کھلی اجازت دینے والے مذہب کا تمام تر تقدس اس وقت ملیامیٹ ہو جاتا ہے جب اس عقیدے کی یوں تشریح کی جاتی ہے:

دیانند جی بتلاتے ہیں: وید شاستروں کے فرمان کے مطابق نیوگ میں زنا کاری اور شرم نہیں ماننی چاہیے۔۔۔ نیوگ کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ نیوگ کا اعلان ہونا چاہیے۔ مرد اور عورت کی رضامندی ضروری ہے۔ جب عورت مرد کا نیوگ ہونا ہو تب اپنے خاندان میں عورتوں اور مردوں کے سامنے ظاہر کریں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عورت اعلان کرے کہ وہ فلاں مرد کے ساتھ ہم بستر ہو گی۔ اس لیے کہ اس کے پہلے خاوند سے بیوہ ہونے کی صورت میں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے وہ فلاں مرد سے نیوگ کروائے گی"۔ (ایضا، ص ۳۹ - ۴۰)

اس طویل اقتباس میں امام اہل سنت نے جس طرح سے آریوں کے گھر کی خبر لی ہے، یقیناً یہ انہی کا حصہ ہے۔ یوں تو اس الہامی کہی جانے والی کتاب میں عقل و نقل دونوں لحاظ سے اس قدر تضادات، واہیات اور بے سروپا فضولیات ہیں کہ ان کی ایک طویل فہرست بنائی جا سکتی ہے لیکن حضرت امام نے جس بنیادی نکتے پر اپنی توجہات مبذول رکھیں وہ ہے اس مذہب کا تصور الہ۔ آپ نے ان کے مفروض الہ کی انھیں کی تعلیمات کی روشنی میں جو حقیقت اجاگر کی ہے، اس کو پڑھنے کے بعد کم سے کم کوئی عقل سلیم رکھنے والا کبھی بھی اس کی حقانیت کا تصور نہیں کر سکتا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے آریہ ابھی اپنے خدا کی حقیقت کا تعین ہی نہ کر پائے ہوں اور کشمکش میں ہوں کہ ہمارا خدا کیسا ہونا چاہیے۔ کیوں کہ انھوں نے خدا کے تعارف کے طور پر جو کچھ کہا ہے، اس سے مزید تشویش تو ہو سکتی ہے لیکن تسلی نہیں۔ کم سے کم اہل اسلام جنھیں خدا کی معرفت حاصل ہے، یہ سب نظریات ان کے حلق سے نیچے کبھی نہیں اتر سکتے۔

اس موقع پر دیکھنے کی بات یہ بھی ہے کہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے جس تضحیک کے انداز میں ان کے عقیدے کا تنقیدی جائزہ لیا ہے اس کی سلاست اور لفظ لفظ کا زیر و بم ببانگ دُہل اس بات کا اعلان کر رہا ہے کہ آپ کی آریوں کے مذہبی عقائد پر نہ صرف یہ کہ نظر تھی بلکہ اتنی گہری نظر تھی جتنی خود آریوں کی بھی اپنے عقائد پر نہ تھی۔

اسی اقتباس سے ملتے جلتے اور ایک حد تک اس کی تشریح کرتے ہوئے درج ذیل دونوں تفصیلی فتوے بھی پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہوا یوں کہ آریوں کے رہ نما ''راما سنگھم'' کی شرارتوں اور قرآن پاک پر اعتراضات کے متعلق حضرت مولانا سید غلام قطب الدین صاحب برہمچاری نے ۳؍ ربیع الاول شریف ۱۳۳۹ھ کو درج ذیل استفتا کیا۔ نقل استفتا سے پہلے باکمال مستفتی حضرت مولانا سید غلام قطب الدین صاحب برہمچاری کا تعارف ضروری ہے۔

یہ مولانا سید غلام قطب الدین برہمچاری وہی عظیم عالم دین اور مبلغ اسلام ہیں جنھوں نے ۱۹۲۳ عیسوی میں ہندووں کی معروف تحریک ''شدھی سنگٹھن'' کے مقابلے میں بے پناہ قربانیاں پیش کیں اور اپنی صواب دید کے مطابق ایک انوکھا طریقۂ تبلیغ ایجاد کیا یعنی ہندوانہ وضع قطع اختیار کر کے ہزاروں غیر مسلموں کو دامن اسلام سے وابستہ کیا۔ حضرت مولانا وارث جمال قادری نے ''بھیگی پلکوں کا بوجھ'' میں آپ کا ایک نہایت دل چسپ اور حکیمانہ واقعہ لکھا ہے جس میں آپ ایک دیوتا کا روپ دھارن کر کے ہزاروں لوگوں کو دامن اسلام سے وابستہ کرتے ہیں۔ نقل واقعہ کے بعد مولانا آپ کے تعارف اور واقعہ کے پس منظر کے طور پر لکھتے ہیں:

''شدھی تحریک کے دور عروج میں حضرت مولانا قطب الدین برہمچاری علیہ الرحمہ (عم محترم امام النحو، شیخ المنطق، شارح بخاری، صدر العلما، حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ و الرضوان) نے نمایاں کارنامے انجام دیے۔ علوم اسلامیہ کی فراغت سے ایک سال پہلے ہی ہندوانہ وضع قطع اختیار کر کے بنارس کے سب سے بڑے مندر میں ایک دنیا بیزار پجاری کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ مندر کے عملے سے جلد ہی دوستانہ مراسم قائم ہو گئے۔ عنفوان شباب میں شخصیت کی دل آویزی، مردانہ حسن و جمال اور پُر وقار سراپا نے حسب و نسب کے معاملے کو بڑی آسانی سے طے کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے پنڈتوں اور پجاریوں کے نور نظر ہو گئے۔ حصول علم کی کی سچی تڑپ اور حسن خدمات نے پجاریوں اور پنڈتوں کو جلد مسخر کر لیا۔ انھیں پجاریوں اور بے حد قابل پنڈتوں سے آپ نے چھوٹی سے لے کر بڑی بڑی کتابیں پڑھنا شروع

کیں۔ مسلسل تین برس تک کڑی محنت اور جاں فشانی سے ویدانتوں اور پرانوں اور شاستروں پر عبور حاصل کیا۔ اپنے سینے کو ہندو دھرم کے عجائب و اسرار، حقائق و معلومات کا خزانہ بنا کر مندر سے باہر تشریف لائے۔ علما و مشایخ کی عام روش سے الگ ہٹ کر آپ نے اسلام کی تبلیغ کے لیے ایک نیا میدان منتخب کیا اور اس میدان میں بے حد کامیاب رہے۔ اسلام پر خارجی حملوں کے دفاع میں آپ ایک مضبوط اور ناقابل تسخیر چٹان ثابت ہوئے۔ ہندو پنڈتوں، شنکر آچاریوں، آریہ سماجوں سے کامیاب مناظرے کیے۔ مخالف اپنے دھرم پر آپ کی وسعت معلومات دیکھ کر حواس باختہ ہو جاتا۔ انھیں کی مذہبی کتابوں سے اسلام کی حقانیت کو ایسا آشکارا کرتے کہ مذاہب کی تاریک وادیوں میں بھٹکنے والے مسافروں کی آنکھیں کھل جاتیں۔ حق و صداقت کی مشعل دیکھ کر ہزار ہا ہزار ہندو آپ کے دست حق پرست پر اسلام لائے۔ سیکڑوں ہزاروں مرتدوں کو پھر سے خدا کا کلمہ نصیب ہوا۔

شدھی تحریک نے جب آپ کے عہد میں زور پکڑا تو اس کے لیے آپ نے کمر ہمت کسی۔ اپنے پیر و مرشد قطب المشایخ حضرت مولانا سید علی حسین اشرفی جیلانی واستاذ الکل حضرت مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی کے حکم پر ملک کے طول و عرض بالخصوص صوبہ یوپی کا طوفانی دورہ شروع کیا۔ سیکڑوں ہزاروں غیر مسلموں کو حلقہ بگوشِ اسلام کیا۔

ارتداد کی اس تیز و تند لہر میں سنا کہ بدایوں یا باندہ کے اطراف میں مسلمان شردھانند کے فتنہ شدھی کا شکار ہو رہے ہیں اور دو ایک مسلمان مرتد بھی ہو گئے ہیں۔ اس خبر وحشت اثر نے آپ کو تڑپا دیا۔ فوراً اپنے ایک شاگرد کو لے کر اس مقام کے لیے روانہ ہو گئے۔ گاڑی سے اتر کر اسٹیشن کے ایک گوشے میں جا کر اپنا مخصوص مشایخانہ لباس اتار کر یہ تاکید کی کہ جب تک میں واپس نہ آ جاؤں یہیں رک کر میرا انتظار کرنا۔ اس کے بعد آپ نے شام کے دھندلکے میں بھیس بدلا۔ پورے جسم میں بھبھوت ملا، ماتھے پر قشقہ، گلے میں چندن کی مالا ڈالی۔ ایک دیوتا کا روپ دھارن کیا۔ پھر اس دیوتا کے چمت کار نے ایک مسلمان کے بدلے میں سیکڑوں ہزاروں غیر مسلموں کو اسلامی برادری میں داخل کیا۔ وہ بدنصیب جو شردھانند کی چیرہ دستیوں کا شکار ہو گئے تھے۔ اسلام کی دولت سے وہ بھی شرف یاب ہو گئے"۔ (بھیگی پلکوں کا بوجھ، ص ۱۳۵ تا ۱۳۷)

حضرت مولانا سید غلام قطب الدین برہمچاری علیہ الرحمہ کے تعارف کے بعد اب آپ کا قائم کردہ سوال پیش ہے، پوچھتے ہیں:

"کیا فرماتے ہیں علماے دین کہ اب کی دس جنوری کی اشاعت میں راما سنگھم نے قرآن عظیم کی تین

آیات کا حوالہ دے کر محمد رسول اللہ ﷺ کو (معاذ اللہ) گناہ گار قرار دیا ہے ان میں سے پہلی دو میں رسول مقبول (ﷺ) کو یوں مخاطب کیا ہے: ”تو اپنے گناہوں کی معافی مانگ“! تیسری آیت کا مطلب یہ ہے: ”فی الواقع ہم نے تیرے واسطے بلا شبہہ کامیابی حاصل کی ہے کہ خدا تیرے اگلے پچھلے گناہ معاف کرتا ہے“۔ مسٹر حسن ہم کو اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ ان آیات میں ” تو“ سے مراد تو ہر گز نہیں ہے بلکہ اس کا اشارہ اسلام کے نبی کے پیروؤں کے گناہوں اور غلطیوں کی طرف ہے یہ بات مشکل ہے کہ اس مباحثہ کو قابل یقین سمجھا جائے کیوں کہ اگر عربی زبان ایسی ہی پیچیدہ ہے کہ ہر ایک پڑھنے والا اپنی خواہش کے مطابق مطلب لے سکتا ہے تب قرآن عظیم سے جو چاہیں مطلب لے سکتے ہیں، تاہم مسٹر حسن کا یہ بیان ہے کہ وہ آیاتِ زیر مباحثہ کے ان معنوں پر اعتقاد رکھتے اور قرآن عظیم کے مفسرین کی صنعت کو مانتے ہیں۔ مجھ کو خوف ہے کہ مسٹر حسن نے تفسیروں کو غور سے نہیں پڑھا ہے۔ کیوں کہ میں ذیل میں یہ دکھاؤں گا کہ قرآن عظیم کے مسلم مفسرین محمد رسول اللہ ﷺ کے گناہ گار ہونے کو (معاذ اللہ) صاف طور سے مانتے ہیں اور بعض موقعوں پر ان خاص گناہوں کو بتاتے ہیں جن کی بابت رسول مقبول (ﷺ) سے معافی مانگنے کو کہا گیا ہم وہ تین آیات لیتے ہیں جو راما سنگھم نے نقل کی ہیں۔ اول سورہ محمد (ﷺ) کی انتیسویں (اصل سوال میں ایسا ہی ہے جبکہ حقیقت میں یہ آیت انیسویں ہے۔ خالد ۱۲) آیت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ تو معافی مانگ اپنے گناہوں اور اپنے معتقدین کی خواہ مرد ہوں خواہ عورت۔ یہاں پر کسی حالت میں بھی ”تو“ کے معنی پیروؤں کے نہیں ہوسکتے چوں کہ ان لوگوں کا ذکر خود بھی آچکا ہے۔ اور حرف عطف سب پیچیدگیوں کو صاف کر دیتا ہے نبی ﷺ سے پہلے اپنی اور بعد کو اپنے پیروؤں کی معافی مانگنے کو کہا گیا ہے۔ دوسری سورہ مومن کی پچیسویں آیت (اصل سوال میں ایسا ہی ہے جبکہ حقیقت میں یہ آیت پچپنویں ہے۔ خالد ۱۲) ہے اور اس کا مطلب یہ ہے تو اپنے گناہوں کی معافی مانگ۔ اس بات کو یقین کرنا دشوار ہے کہ آپ کے مسٹر حسن نے در حقیقت مفسرین سے دریافت کیا ہوگا، اگر وہ دریافت کر لیتے تو کبھی نہ کہتے کہ وے لوگ اس بات کو راما سنگھم پر صاف عیاں کر دیں گے کہ مسلمانوں کے پیغمبر (ﷺ) ہر گناہ سے معصوم ہیں اس سے کہیں دور وہ صاف طور سے رسول اللہ ﷺ کی گناہ گاری کو مانتے ہیں۔ ابن عباس بڑے بھاری مفسرین میں سے ہیں اور اپنی تفسیر میں اس طرح سے کہتے ہیں: واستغفر (ھکذا بخطہ. ۱۲ منہ) لذنبك للتقصیر والشکر علی ماانعم اللہ علیك وعلیٰ اصحابك“۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تو معافی مانگ اپنے گناہوں کی وہ یہ

کہ تو نے خدا کی اس مہربانی کے شکر گزار ہونے میں غفلت کی جو کہ خدا نے تیرے پیروؤں پر کی۔

زمخشری ایک بڑے بھاری مفسر اپنی تفسیر ”الکشاف“ میں یوں لکھتے ہیں: ”لکن یغفر اللہ لك ماتقدم من ذنبك قبل الوحی وماتاخرو ما یکون بعد الوحی الی الموت“۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا تیرے گناہ جو کہ وحی آنے کے قبل ہوئے ہیں اور اس کے بعد میں یعنی مرتے وقت تک معاف کر دے۔ بینوا توجروا“۔

اس سوال کے جواب میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے کافی تفصیل فرمائی، اصول بیان کیے، سوال کی ایک ایک شق کی تفصیل کے لیے سلسلہ وار پندرہ نکتے بیان کیے، ایک ایک گوشے کی حقیقت واضح کی اور ساتویں پوائنٹ میں اس ظالم فرقے کے سر اسی کا ہتھوڑا مارتے ہوئے، اسے اپنی واقعی حیثیت بھی دکھائی ہے، لکھتے ہیں:

”الجواب:۔۔۔ اس سوال میں آریہ نے افترا و جہالت و نافہمی و بے ایمانی سے کام لیا۔

(۱) عبارت کہ کشاف کی طرف نسبت کی محض بہتان ہے، کشاف میں اُس کا پتا نہیں۔

(۲) بالفرض اگر کشاف میں ہوتی تو وہ ایک معتزلی بدمذہب بے ادب کی تصنیف ہے اس کا کیا اعتبار۔

(۳) یہ تفسیر کہ منسوب بسیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے، نہ اُن کی کتاب ہے، نہ اُن سے ثابت۔ یہ بسند محمد بن مروان عن الکلبی عن ابی صالح مروی ہے اور ائمہ دین اس سند کو فرماتے ہیں کہ یہ سلسلہ کذب ہے تفسیر اتقان شریف میں ہے: واوھی طرقه طریق الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس فان انضم الیٰ ذلك روایة محمد بن مروان السدی الصغیر فھی سلسلة الکذب۔ ”اس کے طُرق میں سے کمزور ترین طریق کلبی کا ابو صالح سے اور اس کا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرنا ہے، اگر اس کے ساتھ محمد بن مروان اسدی کی روایت مل جائے تو کذب کا سلسلہ ہے“۔ (الاتقان فی علوم القرآن، النوع التاسع والسبعون فی غرائب التفسیر، مصطفی البابی، مصر، ۲/ ۱۸۹)

(۴) اس کے ترجمے میں بھی آریہ نے تحریف کی ہے، عبارت یہ ہے: لتقصیر الشکر علی ماانعم اللہ علیك وعلی اصحابك۔ یعنی اللہ عزوجل نے آپ پر اور آپ کے اصحاب پر جو نعمتیں فرمائیں ان کے شکر میں جس قدر کمی واقع ہوئی اس کے لیے استغفار فرمائیے۔

کہاں کمی اور کہاں غفلت؟ نعمائے الٰہیہ ہر فرد پر بے شمار حقیقۃً غیر متناہی بالفعل ہیں کما حققه المفتی ابوالسعود فی ارشاد العقل السلیم. قال اللہ عزوجل: ”وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا

تُحْصُوْهَا ط"۔ (القرآن الکریم ۱۴/ ۳۴) "اگر اللہ کی نعمتیں گننا چاہو تو نہ گن سکو گے"۔ جب اس کی نعمتوں کو کوئی گن نہیں سکتا تو ہر نعمت کا پورا شکر کون ادا کر سکتا ہے؟

از دست و زبانِ کہ بر آید کز عہدۂ شکرش بدر آید

(کس کے ہاتھ اور زبان سے ممکن ہے کہ اس کے شکر سے عہدہ برآ ہو سکے۔)

شکر میں ایسی کمی ہر گز گناہ بمعنی معروف نہیں بلکہ لازمۂ بشریت ہے، نعمائے الٰہیہ ہر وقت، ہر لحہ، ہر آن، ہر حال میں متزائد ہیں خصوصاً خاصوں پر، خصوصاً اُن پر جو سب خاصوں کے سردار ہیں اور بشر کو کسی وقت کھانے پینے سونے میں مشغولی ضرور، اگر چہ خاصوں کے یہ افعال بھی عبادت ہی ہیں مگر اصل عبادت سے تو ایک درجہ کم ہیں، اس کمی کو تقصیر اور اس تقصیر کو ذنب سے تعبیر فرمایا گیا۔

(۵) بلکہ خود نفس عبارت گواہ ہے کہ یہ جسے ذنب فرمایا گیا ہر گز حقیقۃً ذنب بمعنی گناہ نہیں۔

ماتقدّم سے کیا مراد لیا؟ وحی اترنے سے پیشتر کے! اور گناہ کسے کہتے ہیں؟ مخالفتِ فرمان کو! اور فرمان کاہے سے (کس سے) معلوم ہوگا؟ وحی سے۔ تو جب تک وحی نہ اتری تھی، فرمان کہاں تھا، جب فرمان نہ تھا، مخالفتِ فرمان کے کیا معنی اور جب مخالفتِ فرمان نہیں تو گناہ کیا؟

(۶) جس طرح ماتقدم میں ثابت ہولیا کہ حقیقۃً ذنب نہیں۔ یوں ہی ماتاخر میں نقد وقت ہے قبل ابتدائے نزول فرمان جو افعال جائز ہوئے کہ بعد کو فرمان ان کے منع پر اترا اور انھیں یوں تعبیر فرمایا گیا حالاں کہ ان کا حقیقہ گناہ ہونا کوئی معنی ہی نہ رکھتا تھا۔ یوں ہی بعد نزول وحی وظہور رسالت بھی جو افعال جائز فرمائے اور بعد کو ان کی ممانعت اُتری اسی طریقے سے ان کو "ماتاخر" فرمایا کہ وحی بتدریج نازل ہوئی نہ کہ دفعۃً۔

(۷) نہ ہر تفسیر معتبر، نہ ہر مفسر مُصیب۔ مشرک کا ظلم ہے کہ نام لے آیات کا اور دامن پکڑے نا معتبر تفسیرات کا۔ ایسا ہی ہے تو وہ لغویات و ہزلیات و فحشیات کہ ایک مہذب آدمی کو انھیں بکتے بلکہ دوسرے آدمی سے نقل کرتے عار آئے، جو آریہ کے ویدوں میں اہلی گہلی پھر رہی ہیں اور خود بندگان وید نے اس کے ترجموں میں وہی حد بھر کے گندے گھناؤنے فحش لکھے ان سے آریہ کی جان کیوں کر چھوٹے گی؟ مثلاً یجر وید میں ایشور کی بیماری کا حال لکھا کہ بستر بیماری پر پڑے پکار رہے ہیں کہ "او سیکڑوں طرح کی عقل و علم رکھنے والو! تمھاری سیکڑوں ہزاروں طرح کی بُوٹیاں ہیں، ان میں سے میرے شریر کو نروگ کرو۔ اے اماں جان! تو بھی ایسا ہی کر۔ نیز یہ بھی فرما رہے ہیں کہ اے بوٹیوں کے مانند فائدہ دینے والی دیوی ماتا! میں فرزند تجھ کو بہت نصیحت کرتا ہوں۔ ماما جی کہتی: اے لائق بیٹے! میں والدہ تیرے گھوڑے، گائیں، زمین،

کپڑے، جان کی حفاظت و پرورش کرتی تو مجھے نصیحت مت کر"۔ اسی یجروید کے ادھیائے ۳۱، منتر اول میں ایشور کے متعلق ہے: اس کے ہزار سر ہیں، ہزار آنکھیں ہیں، ہزار پاؤں ہیں، زمین پر وہ سب جگہ ہے، الٹا سیدھا، تب بھی دس انگلی کے فاصلے پر ہر آدمی کے آگے بیٹھا ہے۔ نیز ویدوں میں اس کا نام " سروبیاپک" ہے یعنی وہ ہر جگہ سمایا ہوا، ہر چیز میں رما ہوا، ہر خلا میں گھسا ہوا ہے، ہر جانور کی مقعد، ہر مادہ کی فرج، ہر پاخانہ کی ڈھیری میں ایشور ہی ایشور ہے۔ دیانند نے محض زبردستی اُن کی کایا پلٹ کی اور انھیں فحش سے نکالا مگر اور مترجموں کا ترجمہ کہاں مٹ جائے گا۔ مفسر تو اپنی طرف سے مطلب کہتا ہے اور مترجم خود اصل کلام کو دوسری زبان میں بیان کرتا ہے ترجمے کی غلطی اگر ہوتی ہے تو دو ایک لفظ کے معنی میں، نہ کہ سارے کا سارا کلام محض فحش سے حکمت کی طرف پلٹ دیا جائے اور اگر سنسکرت ایسی ہی پیچیدہ زبان ہے جس کی سطروں کی سطریں چاہے فحش سے ترجمہ کردو خواہ حکمت سے، تو وہ کلام کیا ہوا بھان متی (مداری، شعبدہ باز) کا گورکھ دھندا ہوا اور اس کے کس حرف پر اعتماد ہو سکتا ہے؟ نہیں معلوم کہ مالا جپی ہے یا گالی بکی ہے۔

(۸) استدلال بڑی ذمہ داری کا کام ہے آریہ بے چارہ کیا کھا کر اس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔

نباشد بہ آئین تحقیق دال۔ کچوری و پوری و بھجیا و دال۔

شرطِ تمامی استدلال، قطع ہر احتمال ہے، علم کا قاعدہ مسلّمہ ہے:

إذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال ۔ جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

سورہ مومن و سورہ محمد ﷺ کی آیات کریمہ میں کون سی دلیل قطعی ہے کہ خطاب حضور اقدس ﷺ سے ہے، مومن میں تو اتنا ہے:

وَّ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ ۔ (القرآن الکریم ۴۰/ ۵۵)

(اے شخص اپنی خطا کی معافی چاہ) کسی کا خاص نام نہیں، کوئی دلیلِ تخصیصِ کلام نہیں۔

قرآن عظیم تمام جہاں کی ہدایت کے لیے اترا نہ صرف اس وقت کے موجودین بلکہ قیامت تک کے آنے والوں سے وہ خطاب فرماتا ہے:

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔ (القرآن الکریم ۲/ ۴۳) نماز برپا رکھو۔

یہ خطاب جیسا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تھا ویسا ہی ہم سے بھی ہے اور تا قیامِ قیامت ہمارے بعد آنے والی نسلوں سے بھی۔

اسی قرآن عظیم میں ہے:

''لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ. '' (القرآن الکریم ۱۹/۶)

(تاکہ میں اس سے تمھیں ڈراؤں اور جن جن کو پہنچے۔)

کتب کا عام قاعدہ ہے کہ خطاب ہر سامع سے ہوتا ہے: بداں اسعدك الله تعالى .

(تُو جان لے اللہ تعالیٰ تجھے سعادت مند بنائے۔) میں کوئی خاص شخص مراد نہیں۔

خود قرآن عظیم میں فرمایا: اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۙ﴿۹﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ؕ﴿۱۰﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ۙ﴿۱۱﴾ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ؕ﴿۱۲﴾ (القرآن الکریم ۹/۹۶ تا ۱۱)

(ابو جہل لعین نے حضور اقدس ﷺ کو نماز سے روکنا چاہا اس پر یہ آیات کریمہ اتریں) کہ کیا تُو نے دیکھا اُسے جو روکتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے، بھلا دیکھو تو اگر وہ بندہ ہدایت پر ہو یا پرہیز گاری کا حکم فرمائے۔

یہاں بندے سے مراد حضور اقدس ہیں ﷺ، اور غائب کی ضمیریں حضور کی طرف ہیں اور مخاطب کی ہر سامع کی طرف۔ بلکہ فرماتا ہے: فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ؕ﴿۷﴾. (القرآن الکریم ۹۵/۷) (ان روشن دلیلوں کے بعد) کیا چیز تجھے روزِ قیامت کے جھٹلانے پر باعث ہو رہی ہے۔

یہ خطاب خاص کفار سے ہے بلکہ ان میں بھی خاص منکران قیامت مثل مشرکین آریہ و ہنود سے، یوں ہی دونوں سورہ کریمہ میں کاف خطاب ہر سامع کے لیے ہے کہ اے سننے والے اپنے اور اپنے سب مسلمان بھائیوں کے گناہ کی معافی مانگ۔

(۹) بلکہ آیت محمد میں تو صاف قرینہ موجود ہے کہ خطاب حضور (ﷺ) سے نہیں، اس کی ابتدا یوں ہے:

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ (القرآن الکریم ۴۷/۱۹)

جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنی اور مسلمان مردوں اور عورتوں کی معافی چاہ۔ تو یہ خطاب اُس سے ہے جو ابھی: لا الہ الا اللہ ''نہیں جانتا، ورنہ جاننے والے کو جاننے کا حکم دینا تحصیل حاصل ہے، تو معنی یہ ہوئے کہ اے سُننے والے جسے ابھی توحید پر یقین نہیں، کسے باشد، توحید پر یقین لا اور اپنے اور اپنے بھائی مسلمانوں کے گناہ کی معافی مانگ۔ تتمہ آیت میں اس عموم کو واضح فرمادیا کہ:

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾۔ (القرآن الکریم ۴۷/ ۱۹)

(اللہ جانتا ہے جہاں تم سب لوگ کروٹیں لے رہے ہو، اور جہاں تم سب کا ٹھکانا ہے۔)

اگر ''فاعلم'' میں تاویل کرے تو'' ذنبک'' میں تاویل سے کون مانع ہے اور اگر'' ذنبک'' میں تاویل نہیں کرتا تو''فاعلم'' میں تاویل کیسے کر سکتا ہے؟ دونوں پر ہمارا مطلب حاصل اور مدعی معاند کا استدلال زائل۔

(۱۰) دونوں آیات کریمہ میں صیغہ امر ہے اور امر انشا ہے اور انشاوقوع پر دال نہیں، تو حاصل اس قدر کہ بفرضِ وقوع استغفار واجب، نہ یہ کہ معاذاللہ واقع ہوا، جیسے کسی سے کہنا:''اکرم ضیفك'' (اپنے مہمان کی عزت کرنا) اس سے یہ مراد نہیں کہ اس وقت کوئی مہمان موجود ہے، نہ یہ خبر ہے کہ خواہی نخواہی کوئی مہمان آئے گا ہی، بلکہ صرف اتنا مطلب ہے کہ اگر ایسا ہو تو یوں کرنا۔

(۱۱)''ذنب'' معصیت کو کہتے ہیں اور قرآن عظیم کے عرف میں اطلاقِ معصیت عمد ہی سے خاص نہیں۔قال اللہ تعالی: وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ۔(القرآن الکریم ۲۰/۱۲۱)

(آدم نے اپنے رب کی معصیت کی۔)

حالاں کہ خود فرماتا ہے: فَنَسِیَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۠ ۱۱۵ .(القرآن الکریم ۲۰/ ۱۱۵)

(آدم بھول گیا ہم نے اس کا قصد نہ پایا۔)

لیکن سہو نہ گناہ ہے نہ اس پر مؤاخذہ۔

خود قرآن کریم نے بندوں کو یہ دعا تعلیم فرمائی: رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِیْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا.

(القرآن الکریم ۲/۲۸۶)

(اے ہمارے رب! ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھولیں یا چُوکیں۔)

(۱۲) جتنا قُرب زائد اُسی قدر احکام کی شدت زیادہ۔ مصرع: جن کے رُتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے''۔

بادشاہ جبار جلیل القدر ایک جنگلی گنوار کی جو بات سُن لے گا، جو برتاؤ گوارا کرے گا، ہرگز شہریوں سے پسند نہ کرے گا۔ شہریوں میں بازاریوں سے معاملہ آسان ہوگا اور خاص لوگوں سے سخت۔ اور خاصوں میں درباریوں اور درباریوں میں وزرا، ہر ایک پر بار دوسرے سے زائد ہے۔ اس لیے وارد ہوا: حسنات الابرار سیّئات المقربین. (لباب التاویل (تفسیر الخازن) تحت آیۃ ۱۹/۴۷ مصطفٰی البابی مصر ۶/۱۸۰)۔(نیکوں کے جو نیک کام ہیں مقربوں کے حق میں گناہ ہیں۔) وہاں ترکِ اولٰی کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ ترک اولی ہرگز گناہ نہیں۔

(۱۳) آریہ بے چارے جن کے باپ دادا نے بھی کبھی عربی کا نام نہ سُنا، اگر نہ جانے تو ہر ادنی

طالب علم جانتا ہے کہ اضافت کے لیے ادنیٰ ملابست بس ہے بلکہ یہ عام طور پر فارسی، اردو، ہندی سب زبانوں میں رائج ہے مکان کو جس طرح اس کے مالک کی طرف نسبت کریں گے یوں ہی کرایہ دار کی طرف، یوں ہی جو عاریت لے کر بس رہا ہے اس کے پاس جو ملنے آئے گا یہی کہے گا کہ ہم فلانے کے گھر گئے تھے، بلکہ پیمائش کرنے والے جن کھیتوں کو ناپ رہے ہوں، ایک دوسرے سے پوچھے گا: تمھارا کھیت گے (کتنے) جریب ہوا؟ یہاں نہ ملک، نہ عاریت، نہ اجارہ، نہ عاریت اور اضافت موجود۔ یوں ہی بیٹے کے گھر سے جو چیز آئے گی، باپ سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے یہاں سے یہ عطا ہوا تھا۔ تو" ذنبك" سے مراد اہل بیت کرام کی لغزشیں ہیں اور اس کے بعد: وللمؤمنین وللمؤمنت" تعمیم بعد تخصیص ہے (یعنی شفاعت فرمائیے اپنے اہل بیت کرام اور سب مردوں عورتوں کے لیے۔) اب آریہ کے اس جنون کا بھی علاج ہو گیا کہ پیروؤں کا ذکر تو بعد کو موجود ہے۔

تعمیم بعد تخصیص کی مثال خود قرآن عظیم میں ہے: رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ. (القرآن الکریم ۷۱/۲۸)

(اے میرے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ آیا اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو۔)

(۱۴) اسی وجہ پر آیت کریمہ سورہ فتح میں لام "لك" تعلیل کا ہے اور "ماتقدم من ذنبك" تمھارے اگلوں کے گناہ اعنی سیّدنا عبداللہ وسیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منتہائے نسب کریم تک تمام آبائے کرام وامہات طیبات باستثنائے انبیائے کرام مثل آدم وشیث ونوح وخلیل واسمٰعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام، اور "ما تاخر" تمھارے پچھلے یعنی "قیامت تک تمھارے اہل بیت وامتِ مرحومہ" تو حاصل آیت کریمہ یہ ہوا کہ "ہم نے تمھارے لیے فتح مبین فرمائی تا کہ اللہ تمھارے سبب سے بخش دے تمھارے علاقہ کے سب اگلوں پچھلوں کے گناہ"۔ والحمدللہ رب العالمین.

(۱۵) "ماتقدم وما تأخر" سے قبل و بعد نزول وحی کا ارادہ جس طرح عبارتِ تفسیر میں مصرح تھا آیت میں قطعاً محتمل اور ہم ثابت کر چکے کہ اب حقیقت ذنب خود مندفع۔

وللہ الحمد و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ شفیع المذنبین و بارك وسلم إلیٰ یوم الدین وعلیٰ اٰله وصحبه أجمعین . واللہ تعالیٰ أعلم.

جیسا کہ استفتا میں درج تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ ۳/ ربیع الاول ۱۳۳۹ ہجری کو یہ سوال کیا

گیا تھا، ظاہر ہے اس کا جواب ۳؍ ربیع الاول ہی کو لکھا گیا ہوگا جبھی اگلے دن یعنی ۴؍ ربیع الاول ۱۳۳۹ ہجری کو پلٹ کر سائل حضرت مولانا سید غلام قطب الدین برہمچاری نے دوبارہ سوال کیا۔ ہوا یوں کہ استفتا میں راما سنگھم کو آریہ ظاہر کیا گیا تھا اور امام اہل سنت نے اس کی اسی حیثیت کو مد نظر رکھتے ہوئے جواب لکھا جبکہ راما سنگھم اس وقت آریہ سے نصرانی بن چکا تھا، اس لیے روے جواب آریہ کی بجاے نصاریٰ کی طرف کروانے کے لیے مولانا موصوف نے ۴؍ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو دوبارہ یوں استفتا کیا: ”راما سنگھم اب آریہ نہیں نصرانی ہے، رُوئے جواب جانبِ نصاریٰ ہونا چاہیے“۔

لیکن چوں کہ اصل مسئلہ قرآن پر اعتراض اور آیات کے غلط مفاہیم بیان کرنے سے متعلق تھا اس لیے ظاہر ہے کہ اس کے جواب میں معترض کی حیثیت کا نہ کوئی خاطر خواہ اعتبار ہونا تھا اور نہ اس سے کوئی خاص فرق پڑنے والا تھا، اس لیے بڑی آسانی سے روے جواب آریہ سے نصاریٰ کی جانب کیا جا سکتا تھا، سو آپ اس سوال دوم کے جواب میں جزوی ترمیم اور معمولی تغییر کے ذریعہ ایسا کرنے کی تدبیر بھی بتلاتے ہیں اور حسب عادت موقع کی مناسبت سے پچھلے سوال میں آریوں کی طرح یہاں نصاریٰ کی خوب خانہ تلاشی بھی لیتے ہیں اور کچھ اضافات بھی فرماتے ہیں، لکھتے ہیں:

”الجواب:۔۔۔ بحمد اللہ وہ جواب کافی ووافی ہے صدر کلام اور ۴ و ۸ میں آریہ کی جگہ نصرانی لکھ لیجیے اور ۸ کا شعر کاٹ دیجیے اور ۱۳ میں آریہ کی جگہ کرسچن۔ ہاں ۷ بالکل تبدیل ہوگا اسے یوں لکھیے۔

(۷) نہ ہر تفسیر معتبر، نہ ہر مفسر مصیب، نصرانی کا ظلم ہے کہ نام لے آیات کا، اور دامن پکڑے نامعتبر تفسیرات کا، عربی زبان تو لسان مبین ہے، نہ ہر محل قابل تاویل، نہ ہر تاویل لائقِ تحویل، کہ ہر شخص جہاں چاہے اپنی خواہش کے مطابق مطلب بنا لے۔ اور محل محتمل میں تاویل صحیح کا باب بے شک واسع اور ہر زبان اور ہر قوم میں شائع و ذائع۔ اس کا انکار نہ کرے گا مگر مکابر مفتون اور اُس کا اقرار نہ کرے گا مگر دیوانہ مجنون۔ ہاں! بائبل کی زبان ایسی پیچیدہ ہے کہ اور تو اور خود مصنف محرف کی سمجھ میں نہیں آتی۔ تواریخ کی دوسری کتاب باب ۲۱ درس ۲۰ اور باب ۲۲ درس ۱ و ۲ میں لکھا: ”وہ بتیس برس کی عمر میں بادشاہ ہوا، آٹھ برس بادشاہت کی اور جاتا رہا، داؤد کے شہر میں گاڑا گیا، یروشلم کے باشندوں نے اس کے چھوٹے بیٹے اخزیاہ کو اس کی جگہ بادشاہ کیا، اخزیاہ بیالیس برس کی عمر میں بادشاہ ہوا“۔

یعنی باپ ۴۰ برس کی عمر میں مرا اس وقت بیٹا ۴۲ برس کا تھا۔ باپ سے دو برس پہلے پیدا ہو لیا

تھا۔ متی کی انجیل میں مسیح و داؤد علیہما الصلوۃ والسلام کے بیچ میں چھبیس پشتیں ہیں اور اس میں عدد بھی گنادیا ہے کہ مسیح تا داؤد اٹھائیس شخص ہیں۔ لیکن لوقا کی انجیل میں مسیح سے داؤد تک ۴۳ آدمی ہیں، ۱۵ پشتیں زائد اور اسما بھی بالکل نامطابق۔

ایضًا انجیل متی باب ۵، درس ۱۷ : ”یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابیں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پوری کرنے آیا ہوں“۔ درس ۱۸ ”کیوں کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان و زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت کا ہرگز نہ مٹے گا“۔

یہاں تو نسخ کا اس شدت سے انکار ہے اور جابجا انجیل ہی میں نسخ احکام توریت کا اظہار ہے۔

اسی انجیل کے اسی باب درس ۳۱، ۳۲ میں ہے: یہ بھی لکھا گیا کہ جو کوئی اپنی جورو کو چھوڑ دے اسے طلاق نامہ لکھ دے پر میں تمھیں کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی جورو کو زنا کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دیوے اس سے زنا کرواتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے۔ ایضًا درس ۳۳ و ۳۴ : تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا کہ اپنی قسمیں خداوند کے لیے پوری کر، پر میں تمھیں کہتا ہوں کہ ہرگز قسم نہ کھانا۔ ایضًا درس ۳۸ و ۳۹ : تم سن چکے ہو کہ کہا گیا آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت، پر میں تمھیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ ایضًا باب ۱۹ درس ۸ و ۹: موسیٰ نے جوروؤں کو چھوڑ دینے کی اجازت دی پر میں تم سے کہتا ہوں جو کوئی اپنی جورو کو سوا زنا کے اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی عورت کو بیاہے زنا کرواتا ہے۔

یہی مضمون انجیل مرقس باب :۱۰ درس ۲ تا ۱۲ میں ہے۔ ان کے سوا بہت نظائر تناقض و نافہمی کے ہیں تو ثابت ہوا کہ عبری زبان ہی ایسی پیچیدہ ہے کہ اس میں کتاب تصنیف کرنے والا خود اپنی نہیں سمجھتا۔

اور (۱۵) کے بعد یہ نمبر اور اضافہ کیجیے۔

(۱۶) ہر صغیرہ سے صغیرہ کو گناہ کہہ سکتے ہیں اگرچہ قبل ظہور رسالت ہو اور توسعًا خلاف اولیٰ کو بھی جو ہرگز منافیِ نبوت نہیں لیکن نیک ہونا تو نبی کے لیے لازم ہے نہ وہ کہ جو خدا کا بیٹا ٹھہرے مگر یہ انجیلیں کہتی ہیں کہ مسیح ہرگز نیک نہیں۔

دیکھو متی باب ۱۹ درس ۱۶ و ۱۷ : ”ایک نے اس سے کہا: اے نیک استاد! اس نے کہا تو کیوں مجھے نیک کہتا ہے، نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا“۔ یہی مضمون انجیل مرقس باب ۱۰ درس ۱۷ و ۱۸ و انجیل لوقا

باب ۱۸ درس ۱۸ اور ۱۹ میں ہے۔ وہاں اگر بعض مفسرین نے معاذ اللہ گناہ گار ہونا مانا تھا تو یہاں تو خود انجیلیں مسیح کو معاذ اللہ صاف طور سے بدبتا رہی ہیں۔

(۱۷) گناہ نہیں مگر شریعت کی مخالفت لیکن بائبل تو شریعت کو راسًا (سرے سے) باطل کر رہی ہے گلیتوں کو پولس کا خط باب ۳ درس: ''وے سب جو شریعت ہی کے اعمال پر تکیہ کرتے ہیں سو لعنت کے تحت ہیں''۔ درس ۱۱: ''کوئی خدا کے نزدیک شریعت سے راست باز نہیں ٹھہرتا''۔ درس ۱۲: ''شریعت کو ایمان سے کچھ نسبت نہیں''۔ اور مسیح علیہ الصلوۃ والسلام پکے راست باز و کامل الایمان ہیں تو ضرور شریعت سے جدا ہیں تو گناہ گار ہیں۔

کتاب یرمیاہ باب ۹ درس ۱۲ و ۱۳ میں ہے: ''سرزمین کس لیے ویران ہوئی اور بیابان کے مانند جل گئی؟ خداوند کہتا ہے اسی لیے کہ انھوں نے میری شریعت کو ترک کر دیا اور اس کے موافق نہ چلے۔

(۱۸) بلکہ ترک اولیٰ یا کسی صغیرہ کا صدور یا بد ہونا بھی درکنار بائبل تو مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کو معاذ اللہ صاف ملعون بتاتی ہے، خط مذکور باب ۳ درس ۱۳: مسیح نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کہ وہ ہمارے بدلے میں لعنت ہوا۔ کیوں کہ لکھا ہے: جو کوئی کاٹھ پر لٹکایا گیا ہو سو لعنتی ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

ایسے پوچ ولچر مذہب کے پابند کیوں دین حق اسلام کے خدام سے الجھتے ہیں اپنے گریبان میں منہ ڈالیں اور اپنی پگڑی کہ کبھی نہ سنبھلے گی سنبھالیں۔ واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم۔ (اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(الفتاوی الرضویہ، جلد ۲۹، کتاب الشتی)

ان درج بالا دونوں سوالوں کے جوابات پڑھنے کے بعد کسی بھی صاحب فکر و نظر کے لیے یہ فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کا علم کتنا گہرا، ہمہ جہت اور وسیع تھا۔ اللہ رب العزت نے اپنے اس مخصوص بندے کو وہ سب کچھ عطا فرما دیا تھا جس کی ضرورت پیش آسکتی تھی۔

بھلا! سائل اور مستفتی کو تو دیکھیں! وہ شخص سوال کر رہا ہے جس نے باقاعدہ مندر میں رہ کر پنڈتوں اور پجاریوں سے مکمل لگن اور شوق فراواں کے ساتھ ہندو مذہب کی مذہبی تعلیمات حاصل کی ہیں اور اس میدان میں مہارت حاصل کی ہے۔ ہندوؤں سے کئی مناظرے کیے ہیں اور ہر بار انھیں زیر کیا ہے۔ بلکہ ایسا عظیم ذہین و حکیم شخص جس نے مکمل اعتماد اور یقین کے ساتھ ان کے دیوتا کا روپ دھارن کر کے انھیں ہدایت آشنا کیا ہے۔ ایسا مرکزی حیثیت رکھنے والا شخص بھی جب ضرورت پیش آتی ہے تو حضرت امام اہل

سنت کی بارگاہِ ناز میں رجوع لاتا ہے۔

جیسے سائل، مسؤل عنہ کا عظیم عالم ہونے کے باوجود سائل ہے، ویسے ہی مجیب غضب کا باکمال مجیب اور ہندو مذہب پر نہایت وسیع نظر رکھنے والا ہے، جس پر جواب کی ایک ایک سطر منہ بول رہی ہے۔ کیا جواب پڑھ کر ایسا نہیں لگتا جیسے امام احمد رضا کو ہندو مذہب پر اتھارٹی حاصل ہو۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء۔

ایک عظیم تاریخی فتوی اور مثالی تقوی:

امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے رد آریہ سے متعلق بحث کا اتمام اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک درج ذیل تاریخی فتوی اس بحث میں شامل نہ کر لیا جائے، جو بیک وقت حضرت امام کی بے پناہ مذہبی غیرت کا بھی عکاس ہے اور تقوی شعاری کی اعلی ترین مثال بھی۔ فتوی کے روپ میں دیکھیں تو عظیم فتوی بھی ہے اور تقوی کی صورت میں دیکھنا چاہیں تو مثالی تقوی بھی۔

منشی احمد حسین خرسند نقشہ نویس فیض آباد دفتر اسسٹنٹ ریلوے نے سوال کیا تھا:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔نحمدہ ونصلی علی رسول الکریم.

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسلمانوں کے حق میں جو آریہ سماجوں میں جاکر کاپی نویسی کرتے ہیں یا پریس میں ہیں یا ان کے اخبار اور مذہبی پرچے روانہ یا تقسیم کرتے ہیں حالاں کہ ان پرچوں میں قرآن کریم اور رسول رحیم پر کھلے کھلے اعتراض والزام ہوتے ہیں رسول مقبول ﷺ کو نعوذ باللہ منہا اور علمائے متقدمین ومتاخرین کو کھلی کھلی گالیاں دی جاتی ہیں جس کے شاہد سماجی کتب ترک اسلام، تہذیب الاسلام، آریہ مسافر جالندھر، آریہ مسافر میگزین، مسافر بہرائچ، آریہ پتر بریلی، ستیارتھ پرکاش موجود ہیں۔ نمونے کے طور پر چند الفاظ نقل ذیل ہیں: ستیارتھ پرکاش، مسافر، بہرائچ.......

آیا ان مسلمانوں سے جو آریہ سماجوں میں ملازم ہیں میل جول رکھا جائے اور انھیں مسلمان سمجھا جائے؟ ایسے مسلمان جو مخالفین اسلام ودشمنان خدا اور سول کی اعانت کرنے والے ہیں ان کے جنازے کی نماز پڑھنا درست ہے اور ان کے ساتھ شرکت ونکاح جائز ہے یا نہیں؟ مفصل بیان فرمائیں۔ اللہ اس کا اجر عظیم عطا فرمائے۔

اس عام قسم کے سوال کے جواب میں آپ نے جو تاریخی فتوی رقم فرمایا ہے اور مثالی تقوی کی جھلک دکھلائی ہے وہ ہمیشہ سنہرے حرفوں سے لکھی جائے گی، لکھتے ہیں:

"الجواب:۔۔۔ اللہ عزوجل اپنے غضب سے پناہ دے۔ الحمد للہ فقیر نے وہ ناپاک ملعون کلمات نہ دیکھے، جب سوال کی اس سطر پر آیا جس سے معلوم ہوا کہ آگے کلمات لعینہ ملعونہ منقول ہوں گے ان پر نگاہ نہ کی، نیچے کی سطریں جن میں سوال ہے باحتیاط دیکھیں، ایک ہی لفظ اوپر سائل نے نقل کیا اور نادانستگی میں نظر پڑا وہی مسلمان کے دل پر زخم کو کافی ہے اب یہ کہ جواب لکھ رہا ہوں کاغذ تہ کر لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملعونات کو نہ دکھائے، نہ سنائے۔ جو نام کے مسلمان کاپی نویسی کرتے ہیں اور عزوجل و قرآن عظیم و محمد رسول اللہ ﷺ کی شان میں ایسے ملعون کلمات، ایسی گالیاں اپنے قلم سے لکھتے چھاپتے ہیں یا کسی طرح اس میں اعانت کرتے ہیں ان سب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اترتی ہے۔ وہ اللہ و رسول کے مخالف اور اپنے ایمان کے دشمن ہیں۔ قہر الٰہی کی آگ ان کے لیے بھڑکتی ہے، صبح کرتے ہیں تو اللہ کے غضب میں اور شام کرتے ہیں تو اللہ کے غضب میں اور خاص جس وقت ان ملعون کلموں کو آنکھ سے دیکھتے، قلم سے لکھتے، مقابلہ وغیرہ میں زبان سے نکالتے یا پتھر پر اس کا ہلکا بھرا بناتے ہیں، ہر کلمے پر اللہ عزجل کی سخت لعنتیں، ملائکۃ اللہ کی شدید لعنتیں ان پر اترتی ہیں۔ یہ میں نہیں کہتا ہوں قرآن فرماتا ہے: "اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ﴿۵۷﴾". (القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷)

بے شک وہ لوگ جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا و آخرت میں، اللہ نے ان کے لیے تیار کر رکھا ہے ذلت کا عذاب۔

ان ناپاکوں کا یہ گمان کہ گناہ تو اس خبیث کا ہے جو مصنف ہے ہم تو نقل کر دینے یا چھاپ دینے والے ہیں، سخت ملعون و مردود گمان ہے۔ زید کسی دنیا کے عزت دار کو گالیاں لکھ کر چھپوانا چاہے تو ہرگز نہ چھاپیں گے، جانتے ہیں کہ مصنف کے ساتھ چھاپنے والے بھی گرفتار ہوں گے مگر اللہ واحد قہار کے قہر و عذاب و لعنت و عتاب کی کیا پرواہ! یقینا یقینا کاپی لکھنے والا، پتھر بنانے والا، چھاپنے والا، کل چلانے والا غرض جان کر کے کہ اس میں یہ کچھ ہے کسی طرح اس میں اعانت کرنے والا سب ایک ہی ساتھ باندھ کر جہنم کی بھڑکتی آگ میں ڈالے جانے کے مستحق ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: "وَ لَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ". (القرآن الکریم ۵/ ۲)

گناہ اور حد سے بڑھنے میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: من مشی مع ظالم لیعینه وهو یعلم انه ظالم فقد خرج من الاسلام. رواه الطبرانی فی الکبیر والضیاء فی صحیح المختارة عن اوس بن شرحبیل رضی الله تعالیٰ عنه. (المعجم الکبیر حدیث ۶۱۹، ۱/ ۲۲۷)

جو دانستہ کسی ظالم کے ساتھ اس کی مدد دینے چلا وہ یقیناً اسلام سے نکل گیا (امام طبرانی نے معجم کبیر میں اور ضیا نے صحیح مختارہ میں حضرت اوس بن شرحبیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔

یہ اس ظالم کے لیے ہے جو گرہ بھر زمین یا چار پیسے کسی کے دبالے یا زید و عمرو کسی کو ناحق سست کہے اس کے مددگار کو ارشاد ہوا کہ اسلام سے نکل جاتا ہے نہ کہ یہ اشد ظالمین جو اللہ و رسول کو گالیاں دیتے ہیں، ان باتوں میں ان کا مددگار کیوں کر مسلمان رہ سکتا ہے۔

طریقہ محمدیہ اور اس کی شرح حدیقہ ندیہ میں ہے: من آفات الید کتابة مایحرم تلفظه من شعر المجون والفواحش والقذف والقصص التی فیها نحو ذٰلك والاهاجی نثرا ونظما والمصنفات المشتملة علی مذاهب الفرق الضالة فان القلم احدی اللسانین فکانت الکتابة فی معنی الکلام بل ابلغ منه لبقائها علی صفحات اللیالی والایام والکلمة تذهب فی الهواء ولاتبقی. مختصرا.

(الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیہ، الصنف الخامس، ۲/۴۔ ۴۴۳)

ہاتھ کی آفتوں سے ایک ہے کہ وہ کچھ لکھا جائے جس کا بولنا حرام ہے یعنی جیسے مذمت کے اشعار، فحش باتیں، گالی گلوچ اور وہ واقعات جو اسی قسم کی باتوں پر مشتمل ہوں اور ہجو کرنا خواہ نثر میں ہو یا نظم میں اور گمراہ فرقوں کے مذاہب پر مشتمل تصنیفات اس لیے کہ بولنے والی زبان کی طرح قلم بھی ایک زبان ہے (جس کے ذریعے اظہار خیال ہوتا ہے) لہذا لکھنا بولنے ہی کی طرح ہے بلکہ بولنے سے بھی زیادہ بلیغ ہے جبکہ (زبان سے ادا ہونے والے) کلمات ہوا میں (منتشر ہوکر) گم ہو جاتے ہیں اور باقی نہیں رہتے جبکہ لکھے ہوئے ہمیشہ باقی رہتے ہیں۔ مختصرا۔

ایسے اشد فاسق فاجر اگر توبہ نہ کریں تو ان سے میل جول ناجائز ہے، ان کے پاس دوستانہ اٹھنا بیٹھنا حرام ہے۔ پھر مناکحت تو بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾. (القرآن الکریم، ۶/۶۸)

اگر تجھے شیطان (غلط قسم کی مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت کا حکم) بھلا دے تو یاد آجانے کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھ۔

اور جو ان میں اس ناپاک کبیرہ کو حلال بتائے، اس پر اصرار و استکبار و مقابلہ شرع سے پیش آئے وہ یقیناً کافر ہے، اس کی عورت اس کے نکاح سے باہر ہے، اس کے جنازے کی نماز حرام۔ اسے مسلمانوں کی طرح

غسل دینا، کفن دینا، دفن کرنا، اس کے دفن میں شریک ہونا، اس کی قبر پر جانا سب پر حرام ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمۡ عَلٰی قَبۡرِهٖ ؕ. (القرآن الکریم ۹/۸۴)

جب ان کافروں میں سے کوئی مرجائے تو اس پر نماز مت پڑھو اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

فقیر کے یہاں فتاوی مجموعہ پر نقل ہوتے ہیں، میں نے نقل فرمانے والے صاحب سے کہہ دیا ہے کہ ان ملعون الفاظ کی نقل نہ کریں، سنا گیا ہے کہ سائل کا قصد اس فتوے کے چھاپنے کا ہے میں درخواست کرتا ہوں کہ ان ملعونات کو نکال ڈالیں ان کی جگہ دو ایک سطریں خالی صرف نقطے لگا کر چھوڑ دیں کہ مسلمانوں کی آنکھیں ان لعنتی ناپاکوں کے دیکھنے سے باذنہ تعالی محفوظ رہیں، فاللہ خیر حافظا وھو ارحم الراحمین۔ اللہ تعالی سب سے بہتر نگہبان ہے اور وہ سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ (الفتاوی الرضویہ، کتاب الحظر والاباحۃ، جلد: ۲۱)

ذرا! ایک مخلص مومن کی انصاف پسند نگاہ سے اس پورے اقتباس کو اور بالخصوص اس کے آخری حصے کو بار بار پڑھیے اور دل پر ہاتھ رکھ کر بتایئے کہ کیا: ان لوگوں کے اقوال میں غیرت وحمیت اور تقوی و پرہیزگاری دور دور تک کہیں نظر آتی ہے؟؟؟

درج بالا طویل اقتباسات کے بعد آریوں کے اندر بلکہ کسی بھی غیرت مند انسان کے اندر اتنی سکت باقی نہیں رہ جاتی کہ عزت سے سر اٹھا سکے۔ حضرت امام کے علمی تعاقبات، معقول استدلالات اور حقیقت افزا انکشافات سے دو دو چار کی طرح یہ بات نکھر کر سامنے آچکی ہے کہ آریہ فرقہ کسی بھی طرح نہ وحدانیت پر قائم ہے اور نہ اس کے ہاں الوہیت کے لیے کسی بھی قسم کا کوئی تقدس ہے۔ اگر دیدۂ بینا ہو تو ذرا بھی فکر وشعور رکھنے والا انسان یہ فیصلہ کر لے گا کہ اس فرقے کی مذہبی تعلیمات ہی اس کی بیخ کنی کے لیے کافی ہیں۔ اولا: تو ان کا دعوائے توحید باطل کہ ایک خدا کے علاوہ روح و مادہ کو بھی قدیم وغیر مخلوق مانا۔ ثانیا: ان کا خدا مجبور کہ محض عدل کر سکتا ہے، رحم و معافی سے کام نہیں لے سکتا۔ ثالثا: خدا کو ہر جگہ مان کر ان نادانوں نے جہاں بے شمار عقلی اعتراضات کو موقع دیا ہے وہیں اس عقیدے سے اللہ کی الوہیت اور اس کا تقدس شکست وریخت ہو کر رہ جاتا ہے کیوں کہ جو ہر جگہ ہو اس کی کیا کچھ درگت نہ ہو گی؟؟؟ یہ کوئی کہنے کی بات نہیں۔

سر دست ہم حضرت امام موصوف علیہ الرحمہ کے درج بالا اقتباسات اور ان سے پیدا شدہ اعتراضات کا خلاصہ پیش کیے دیتے ہیں تاکہ مختصر طور پر اس فرقے کے عقائد ونظریات کا ایک مکمل خاکہ

ذہن نشیں ہو جائے اور ساتھ ہی ساتھ حقیقت بھی واضح ہو جائے۔

آریوں پر امام احمد رضا کے اعتراضات کا خلاصہ:۔

جب ایشور جیسے دو واجب الوجود روح اور مادہ اور مان لیے گئے تو دعواے توحید کیسا؟۔۔۔ جب ایشور روح و مادہ کا نہ خالق ہے نہ مالک تو پھر ان پر اس کا حکم کیسا؟ کیا یہ ظلم نہیں؟۔۔۔ ایشور کے وجود پر کیا دلیل ہے؟ کیوں کہ روح و مادہ بنا کسی کے بنائے خود سے موجود ہیں اور جون ان ہی دونوں کی آمیزش سے وجود میں آتا ہے، تو کیا جو خود بخود موجود ہو سکتے ہیں وہ اپنی آمیزش سے کسی جون کو وجود نہیں بخش سکتے؟ اگر ہاں! تو ایشور کے وجودہ پر کیا دلیل ہوئی؟۔۔۔ اب رہا جون کا بدلنا تو وہ کرم کے ہاتھوں ہوتا ہے، ایشور کی کیا ضرورت اور اس کے وجود پر کیا دلیل رہی؟۔۔۔ ایشور ماں رکھتا ہے جو اس کی حفاظت کرتی ہے تو ضرور اس کا باپ بھی ہوگا کیوں کہ بنا باپ کے حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کو بھی آریہ مضحکہ قرار دیتے ہیں، تو جب ایشور کے ہوتے ہوے بھی بنا باپ کے ولادت نہیں ہو سکتی تو جب ایشور بھی نہ تھا تو خود ایشور کی ماں کیسے حاملہ ہوئی؟ اور خاکی انڈا ہو بھی تو گندا۔۔۔ ایشور ایسا محتاج ہے کہ بستر پر بیمار پڑا اپنی ماں کو دوا کے لیے پکار رہا ہے، وید آتے ہیں اور اس کا تنگ حال دیکھ کر سخت کڑھتے اور سر ہلاتے ہیں۔۔۔ یجروید، ادھیاے نمبر ۲ او ۱۴ کے مطابق ایشور ایسا ہے جس سے زیادہ علم و عقل والے موجود ہیں اور یہ کم علم اور کم عقل اپنی بیماری میں ان ہی کی دوہائی دیتا ہے اور چیخ رہا ہوتا ہے کہ: او سیکڑوں طرح کے عقل و علم والو! تمھاری ہزاروں بوٹیاں ہیں ان سے میرے شریر کو نروگ کرو۔ اے اماں جان! تو بھی ایسا ہی کر۔ ساتھ ہی یہ بھی کہہ رہا ہوتا ہے کہ اے بوٹیوں کے مانند فائدہ دینے والی دیوی ماتا! میں فرزند تجھ کو بہت نصیحت کرتا ہوں۔ ماما جی کہتی ہیں: اے لائق بیٹے! میں والدہ تیرے گھوڑے، گائیں، زمین، کپڑے، جان کی حفاظت و پرورش کرتی ہوں تو مجھے نصیحت مت کر۔ ایسے کو ایشور مانتے ہیں جو گونگا ہے بالکل بول نہیں سکتا جبکہ ایک جگہ خود ہی لکھ چکے ہیں کہ دوا کے لئے دوہائی دیتا ہے۔۔۔ گونگا ہونے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اگر وہ بات کرنے لگ جائے تو انسانوں سے مشابہت پیدا ہو جائے گی جبکہ دوسری طرف کی حقیقت یہ ہے کہ وید اتارنے کے لیے رشیوں یعنی جوگیوں کو بینڈ باجے کی طرح بجاتا اور کٹھ پتلیوں کی مانند نچاتا ہے۔ گویا بات کرنے جیسی انسانی فضیلت میں تو مشابہت گوارا نہیں مگر بجانے نچانے جیسے رذیل کاموں میں شرکت گوارا ہے:

مصرع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

اس بجنے ناچنے میں جو کچھ رشیوں کے سُر کے بول ہیں وہی اس کی الہامی کتاب وید ہے۔۔۔ ایسے کو

ایشور مانتے ہیں جس نے نیوگ جیسی بے حیائی کو ذریعہ نجات قرار دیا ہے۔۔۔ ایسے کو ایشور مانتے ہیں جس کے دو موہنے سانپ جیسے پانچ سو حصوں پر مشتمل ہزار سر ہیں، جن میں ہزار آنکھیں ہیں، ہر سر میں ایک ایک، تو اس طور پر ہر منہ سے کانا ہوا، یا کچھ چہروں میں کئی کئی آنکھیں ہوئیں اور باقی چہروں سے بالکل اندھا۔ ہزار پاؤں ہیں جیسے کھنکھجورا ہوا کرتا ہے۔۔۔ ایسے کو ایشور مانتے ہیں جو زمین پر ہر جگہ موجود ہے، الٹا سیدھا۔ پھر جگہ تو پاخانہ بھی ہے، سیدھا ہوتا تو پاؤں ہی بھرتے، الٹا بھی ہے تو سر بھی سنا۔ اور طرفہ یہ کہ ہر جگہ ہونے کے باوجود بھی وہ دس انگل کے فاصلے پر ہر آدمی کے آگے بیٹھا ہے۔ جبکہ اس طور پر ہونے کی صورت میں یہ ممکن ہی نہیں کہ ہر جگہ موجود ہو۔۔۔ اس پر ایک اعتراض یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر دو آدمی آمنے سامنے دس انگل کے فاصلے سے ہوں تو ان میں ہر ایک ایشور کا جگہ میں شریک ہُوا، اس شق کی صورت میں تو اتنے ایشور ہو جائیں گے کہ شمار نہیں کیے جاسکتے۔ اور دو آدمی دو انگل کے فاصلے پر ہوں تو ایشور آٹھ آٹھ انگل ہر ایک کے پیٹ میں گھسا ٹھہرا۔۔۔ ایسے کو ایشور کہتے ہیں جس کا نام ویدوں میں ’’سرو بیاپک‘‘ ہے یعنی ہر جگہ سمایا ہوا۔ ہر چیز میں رما ہوا۔ ہر چیز میں حلول کیے ہوئے۔ ہر خلا میں گھسا ہوا۔ یعنی گویا ہر جگہ ہونے کی وجہ سے ہر جانور کی مقعد، ہر مادہ کی فرج، ہر پاخانہ کی ڈھیری میں ایشور ہی ایشور ہے۔ ذرا سوچیے !نجاست کا کیڑا بھی اتنا گھناؤنا تو نہیں ہوتا۔۔۔ پھر سوال یہ بھی ہے کہ یہ سب جگہ رما ہُوا ایک ہی ایشور ہے یا ہر جگہ نیا؟ اگر ہر جگہ نیا ہے تب تو ایشوروں کی گنتی تمام مخلوقات کی تعداد سے بھی بڑھ جائے گی یا کم سے کم برابر تو ضرور ہو جائے گی۔ اور کمال بے حیائی یہ ہے کہ اس پر بھی توحید کا دم بھرتے ہیں۔۔۔ اور اگر ہر جگہ ایک ہی ایشور ہے تو ایشور کے شمار سے بھی زیادہ ٹکڑے ماننے پڑیں گے کیوں کہ ذرّے ذرّے بھر جگہ میں اس کا نیا ٹکڑا ہے تو ایشور مرکب ہُوا اور ہر مرکب اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ جب تک اس کے تمام ٹکڑے اکٹھے نہ ہوں نہیں ہو سکتا، تو ایشور محتاج ہوا، جبکہ جو خود محتاج ہو وہ کبھی ایشور نہیں ہو سکتا۔۔۔ پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ جب ہر جگہ رما ہوا ہے تو مان لو کہ ایک شخص نے دُوسرے کو جوتا مارا تو یہ فضا جس میں جوتا چل کر اُس کے بدن تک گیا اس میں بھی ایشور تھا یا نہیں؟ نہ کیوں کر ہو گا، وہ سب جگہ ہے اور جب یہاں بھی تھا تو جوتا آتے ہوئے دیکھ کر ہٹ گیا یا جوتا اس کے اندر ہوتا ہوا گزر گیا؟ ہٹ تو سکتا نہیں ورنہ ہر جگہ کب رہا، یہ جگہ خالی ہو جائے گی، ضرور جوتا اُس میں ہو کر گزرا، عجب ایشور ہے کہ جوتے سے پھٹ گیا۔۔۔ پھر ایک سوال یہ بھی ہے کہ اُس شخص کے جس حصہ بدن پر جوتا پڑا وہاں بھی ایشور تھا یا نہیں؟ نہ کیسے ہو گا ورنہ ہر جگہ نہ رہے گا اور جب وہاں بھی تھا تو اب بتاؤ کہ یہ جُوتا کس پر پڑا؟؟؟ کاش صرف الٹا ہوتا

تو صرف پاؤں پر لگتا لیکن چوں کہ سیدھا بھی ہے تو سر پر بھی پڑا۔

ذرا تصور کریں! کیا کچھ انسان کے تخیلات ہیں اور کیا کافرو شاطر عقل کی درماندگی ہے؟ کیا کوئی اپنے لیے کانا، اندھا اور کھنکھجورا جیسا ہونا پسند کرتا ہے؟ لیکن وائے رے عقل کی درماندگی! جب عقل ماری جاتی ہے تو اس کے تماشے اسی طرح دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ پہلے تو معبود کے لیے جسمانیت مان کر غلطی کی اور جسم بھی مانا تو ایسا بھدا کہ خود اپنے لیے تصور کی حد تک بھی ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ نادانوں نے ہزار سروں کے مقابلے میں ہزار آنکھیں تو گڑھ لیں لیکن یہ بھی نہ سوچا کہ ہر سر میں دو آنکھیں ہوا کرتی ہیں۔ ہزار پیر تو مان لیے لیکن اس وقت ہیئت کذائیہ کیا ہوگی، اس پر ذرا غور نہ کیا۔ یہ تو کہہ ڈالا کہ ایشور ہر جگہ موجود ہے لیکن کافروں کو آج تک یہ عقل نہ آئی کہ نقل تو نقل عقلی طور پر اس پر کس قدر شدید اور عظیم اعتراضات کی بھرمار ہو سکتی ہے اور یہ عقیدہ در حقیقت اللہ کی الوہیت کا تقدس تار تار اور اس کو بے پناہ خوار کر دینے والا اندھا عقیدہ ہے۔ در اصل جب حقیقی خالق و مالک کو چھوڑ کر زبردستی اپنی خام عقل کے ذریعہ اللہ گڑھے جاتے ہیں تو ان کا یہی کچھ حشر ہو سکتا ہے اور یہی ہونا بھی چاہیے تاکہ عبرت ہو، لیکن وائے رے کفر کا عقلی دیوالیہ پن! ظالموں کی عقل خام قابل عبرت بھی نہیں رہ پاتی۔ سچ ہے: خدا جب دین لیتا ہے تو عقلیں چھین لیتا ہے"۔

یہاں تک پہنچتے پہنچتے عقل سلیم کو یہ اظہار اور تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے کہ در اصل ان سب غیر معقول اور مضحکہ خیز عقائد کا صرف بیان ہی اس بات کا واضح ثبوت اور کافی دلیل ہے کہ ان عقائد کا جب عقل و نقل، ذوق سلیم، انصاف پسندی اور گہرائی و گیرائی سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں تو بھلا صداقت و حقیقت سے کیا علاقہ ہو سکتا ہے؟؟؟ اور یہی وہ چیز ہے جو باطل کے بطلان کی آخری اور حتمی دلیل ہوا کرتی ہے۔ لیکن بات یہاں بھی وہی ہے کہ باطل کو یہ بات کبھی سمجھ میں نہیں آسکتی کیوں کہ: خدا جب دین لیتا ہے تو عقلیں چھین لیتا ہے"۔

حضرت امام اور ملت کو آریوں سے بچانے کی تدبیریں:۔

درج بالا حقائق و دقائق کے مطالعہ کے بعد اس حقیقت کی تہ تک پہنچنا کچھ مشکل نہیں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمہ آریوں کے حوالے سے جتنے حساس تھے، ان کی نبض شناسی اور دینی حمیت و غیرت کبھی یہ گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ مسلمانوں پر ان ظالموں کا کوئی داؤں چلے اور وہ اپنے مطلب میں کامیاب ہوں۔ اس مقصد کے لیے آپ جو کچھ کر سکتے تھے، آپ نے کیا۔ لیکن آپ چوں کہ علم

وفکر اور قرطاس وقلم کے شہنشاہ تھے اور اس لحاظ سے اپنے اسی میدان میں جوہر دکھا سکتے تھے اور حسن تدبیر کے ذریعہ ملت کی نگہبانی کا فریضہ انجام دے سکتے تھے، چناں چہ آپ نے یہ کار حسن انجام دیا اور علی وجہ الاتم انجام دیا۔ موضع رہپورہ، ضلع بریلی سے عبدالحمید خاں صاحب نے ۱۲؍ صفر ۱۳۳۹ھ کو یہ استفتا کیا:

''کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ خادم کے موضع سے ایک میل کے فاصلہ پر رام لیلا کا میلہ ہوتا ہے جس میں راون وغیرہ کے بڑے بڑے بت بنائے جاتے ہیں، موضع کے بہت سے آدمی اس ہندوؤں کے میلہ میں اس کو دیکھنے کی غرض سے جاتے ہیں حضور کے یہاں کے ایک طالب علم مسمی مولانا عبداللہ کی زبانی میں نے سنا تھا کہ حضور کا یہ فتویٰ ہے کہ جو کوئی ہندوؤں کے میلہ میں شوقیہ زیبائش اور دیکھنے کی غرض سے جاتا ہے اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے لیکن کبھی حضور سے روبرو نہیں سنا ایک شخص نے جو اکثر جماعت کی نماز پڑھاتا ہے یہ کہا کہ میلے میں جانے سے کچھ حرج نہیں وہاں ہم آریہ وغیرہ کے لکچر سننے جاتے ہیں اور جو ناچ ہوتے ہیں ان میں ناچنے والیاں مسلمان ہیں لہٰذا صرف گناہ ہوتا ہے اور کوئی حرج نہیں ہے نکاح وکاح کچھ نہیں جاتا، ہم تو ایک آدھ پیسہ کی چیز بھی تو خرید لیتے ہیں لہٰذا خرید وفروخت کا بھی بہانا ہو جاتا ہے اس لیے وہ گناہ بھی نہیں ہوتا اور یہ بھی کہتا ہے کہ اگر مقتدیوں کو یہ یقین ہے کہ اس کے پیچھے ہماری نماز ہو جائے گی تو وہ امام چاہے جیسا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی۔ یہ شخص شوقیہ ہمیشہ تعزیہ وغیرہ بھی دیکھنے جاتا ہے موضع کے تمام لوگ اس کے تابع دار ہیں اور جیسا حضور حکم فرمائیں گے ویسا کریں گے لہٰذا انھوں نے فقیر سے کہا کہ اپنے مرشد قطب العالم امام زماں سے اس میلے اور مذکورہ بالا امام کی بابت دریافت کرو۔ فقیر میں یہ جرأت کہاں کہ حضور کے سامنے اتنا مفصّل قصّہ زبانی بیان کر سکے لہٰذا جواب باصواب ارقام فرمایا جائے''۔

امام موصوف علیہ الرحمہ اس کے جواب میں یہ شدید حکم شرع جاری فرماتے ہیں:

''الجواب:۔۔۔ ہنود کے میلے میں جانا حرام ہے مگر نکاح نہیں ٹوٹتا جب تک اسے اچھا نہ جانے، اچھا جانے گا تو بے شک کافر ہو جائے گا اور نکاح ٹوٹ جائے گا۔ ناچ دیکھنا حرام ہے اگرچہ ناچنے والی مسلمان ہو بلکہ اگر مسلمان ہو تو اور سخت تر حرام ہے دو وجہ سے، اول: اجنبیہ عورت مسلمان کی بے پردگی کافرہ کی بے پردگی سے ہزار درجے سخت تر ہے۔ دوم: مسلمان عورت کی بے حیائی کافرہ کی بے حیائی سے۔ اور تماشا دیکھنے کے لیے خرید وفروخت کا حیلہ محض جھوٹا ہے خرید وفروخت بازار میں نہیں ہو سکتی؟ اور تعزیہ دیکھنا بھی جائز نہیں۔ اور امام جبکہ فاسق معلن ہو اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی (دوبارہ

پڑھنی) واجب۔ مقتدیوں کا اس میں حرج نہ سمجھنا حکم شرعی کو نہ بدل دے گا۔ آریہ کا لکچر سننے جانا اور بھی سخت تر حرام ہے وہ کفر بکتے ہیں اور یہ کفر سننے جاتے ہیں۔ ایسے جلسے میں شریک ہونے کو قرآن عظیم نے فرمایاہے: اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ. (القرآن الکریم ۴/۱۴۰) جب تو تم بھی انھیں جیسے ہو۔

اور فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْكٰفِرِیْنَ فِیْ جَهَنَّمَ جَمِیْعَاۙ۝۱۴۰. (القرآن الکریم ۴/۱۴۰)

بے شک اللہ تعالیٰ اُن کافروں اور ان نام کے مسلمانوں، ان کے جلسے میں شریک ہونے والوں سب کو جہنم میں اکٹھا کرے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(الفتاوی الرضویہ، جلد ۲۴، کتاب الحظر والاباحۃ، ضمیمہ: تعزیہ اور اس سے متعلق بدعات)

آپ کے اسی تیور کی جھلک ایک نامکمل سوال کے جواب میں بھی نظر آتی ہے جس کے سائل مولانا محمد میاں قادری برکاتی ہیں۔ حاشیہ کے مطابق سوال کا ابتدائی حصہ دست یاب نہیں ہو سکا تاہم جو اجزا شامل بحث ہیں ان سے بھی ایک حد تک مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ ہوا یوں کہ کسی صاحب نے بظاہر آریوں کی رضامندی کے لیے لیکن بزعم خویش آریوں کی فریب دہی کے لیے کچھ کلمات کفر بکے اور حضرت امام علیہ الرحمہ کے کسی سابق فتوے کی گرفت پر تاویل کرنے لگے۔ مولانا موصوف کے استفتا پر آپ نے تفصیل کے ساتھ اولاً قابل تردید دلائل سے ان کی تاویل کا ہر طرح سے غیر معتبر ہونا ثابت کیا ہے، پھر ان کے اقوال کا ہر طرح سے کفر ہونا ثابت کیا ہے، اس کے بعد ان کی فریب خوردگی سے نقاب کشائی کرتے ہوئے علی الاعم غیر مسلموں کے سامنے ان کی چاپلوسی میں مسلمانوں سے انجام پانے والی حماقت کا اظہار کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ اس قسم کے دل فریب خیالات در اصل خود فریبی کے سوا کچھ نہیں ہوتے اور آریہ کچھ ایسے احمق نہیں ہیں جیسے یہ صاحب سمجھ رہے ہیں بلکہ وہ بہت شاطر و عیار قوم ہے، جو خود فریبوں کے جھانسے میں آنے والی نہیں۔ اور اخیر میں آپ نے جاتے جاتے خاموش لہجے میں اپنے تقوے کا ایک مثالی نمونہ پیش کیا ہے۔ سوال کا جو خام حصہ دست یاب ہو سکا ہے وہ یہ ہے:

"وہ اب یہ بیان کرتے ہیں کہ میں کوٹہ میں مولانا کا فتویٰ دیکھ آیا اس کی رو سے مجھ پر ان اقوال کی وجہ سے معاذ اللہ کفر عائد نہیں ہوتا وہ کہتے ہیں میں نے یہ اقوال صرف آریہ کا بھید لینے کو کہے تھے الحرب خدعۃ۔ (صحیح بخاری، باب الحرب خدعۃ، ۱/۴۲۵)

جنگ دھوکا ہے۔ اور یہ ایک ایسے مضمون کے ساتھ ملحق تھے جس میں آریوں اور ان کے مذہب پر حملہ تھا جس کی وجہ سے معلوم ہو سکتا تھا کہ یہ میں نے رضامندی سے نہیں کہے ان وجہوں کی بنا پر آیا ان

سے کفر ثابت ہو گیا یا نہیں؟ اور بہر تقدیر نکاح کے بارے میں کیا حکم ہے اگر تجدید نہ کی جائے تو بھی نکاح سابق کسی صورت میں بحال ہے یا نہیں؟ میں امید کرتا ہوں کہ ان مسائل کے جواب اور اس فتویٰ کی نقل سے جو کوٹہ روانہ کیا جناب مجھ کو مطلع کریں گے۔ زیادہ آداب: محمد میاں قادری بر کاتی عفی عنہ از لکھنؤ۔

(نوٹ: سوال کا ابتدائی حصہ دستیاب نہ ہوا)

سوال کے جواب میں اولاً آپ نے اپنے ذاتی حالات اور پیہم پیش آمدہ ناگہانی دل فگار حوادث کا ذکر کیا ہے۔ خلاف عادت یہ انداز شاید اس لیے راہ یاب ہوا کہ حضرت سائل قدس سرہ سے آپ کے گہرے مراسم رہے ہیں، جبکہ ذکر کردہ حالات سے واقفیت عام قاری کے لیے بھی کم سے کم اس حیثیت سے ایک حد تک ضروری ہے کہ وقت جواب مفتی کی کیفیت کیا تھی؟ یہ جان لینے کے بعد قاری کے لیے فہم فتوی میں کئی طرح کی آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ تفصیل پڑھیے، لکھتے ہیں:

"الجواب:۔۔۔۔ حضرت گرامی دامت برکاتہم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ فقیر ادھر مبتلائے حوادث رہا، شب بستم (بیس) ذی الحجہ لیلۃ الثلثاء (منگل کی رات) بعد مغرب میرے حقیقی بھانجے مولوی حافظ واجد علی خاں مرحوم نے دو مہینے کی علالت میں انتقال کیا۔ ان کے تیسرے دن بست ودوم (بائیس) ذی الحجہ یوم الخمیس (جمعرات) وقت ظہر میرے حقیقی بھتیجے نوجوان صالح مولوی فاروق رضا خاں مرحوم نے سترہ برس کی عمر میں بعارضہ وبائی صرف دو روز علیل رہ کر مفارقت کی۔ اب شب بست وپنجم محرم الحرام لیلۃ الثلثاء (محرم کی پچیسویں رات) بعد مغرب میرے احب احباب واعز اصحاب جوان صالح، صاحب ورع، متقی، محب سنت واہل سنت، عدو بدعت واہل بدعت، سنی مستقل قائم مصداق: لایخافون لومۃ لائم ۔ (القرآن الکریم،۵/۵۴)

وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ دلاور حسین مرحوم مغفور ساکن جواہر پور نے بعمر ۳۷ ر سال بعارضہ وبائی صرف دس پہر علیل رہ کر داغ فراق دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. انا للہ وانا الیہ راجعون. انا للہ وانا الیہ راجعون. للہ ماا خذ وماا عطی وکل شيء عندہ باجل مسمی اللھم اغفرلنا ولھم وارحمنا وارحمھم ولاتحرمنا اجورھم ولاتفتنا بعدھم و ارحم المسلمین والمسلمات جمیعا یاارحم الراحمین. اٰمین بجاہ من ارسلتہ رحمۃ وبعثتہ نعمۃ صل وسلم وبارك علیہ مع الاھل والصحب والامۃ عدد کل خلق و کلمۃ اٰمین. والحمد للہ رب العالمین.

ہم اللہ کے ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں (تین دفعہ) اللہ ہی کا ہے جو اُس نے لیا

اور جو اُس نے دیا۔ ہر شے کا اس کے ہاں وقت مقرر ہے۔ اے اللہ! ہمیں اور ان مرحومین کو معاف فرمادے۔ ہم پر رحم فرما اور ان پر بھی، ان کے اجر سے ہمیں محروم نہ فرما، ان کے بعد ہمیں فتنہ میں نہ ڈال۔ اے ارحم الراحمین! تمام مسلمان عورتوں اور مردوں پر رحم فرما اور اسے قبول فرما اس ذات کے وسیلے سے جسے تو نے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور ان کی بعثت کو عظیم نعمت بنایا۔ ہر مخلوق اور ہر کلمہ کی تعداد کے برابر صلوٰۃ و سلام اور برکات نازل فرما، حضور پر اور ان کے اہل، صحابہ اور امت پر۔ الٰہی! قبول فرما۔ اور تمام حمد اللہ کے لیے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

فتوی کہ فقیر نے کوٹہ بھیجا تھا اس کی نقل حاضر ہے اس کے کون سے حرف میں ان کے لیے حکم کفر سے نجات ہے اس میں دو شقیں کیں: اول یہ کہ کلمات دل سے کہے اس پر یہ لکھا کہ: جب تو اس کا کفر صریح ظاہر واضح ہے جس میں کسی جاہل کو بھی تامل نہیں ہوسکتا" اس کا مفہوم مخالف صرف اس قدر کہ اگر دل سے نہ کہے تو کفر ایسا واضح نہیں جس میں کسی جاہل کو بھی تامل نہ ہوسکے، نہ یہ کہ دل سے نہ کہے تو کفر ہی نہیں، کفر ضرور ہے اگرچہ اس درجہ شدت ظہور پر نہیں کہ کوئی جاہل بھی تامل نہ کرسکے بلکہ اس سے ظاہر یہ ہے کہ دل سے نہ کہے جب بھی اس کے کفر میں کوئی جاہل تامل کرسکے کسی اہل علم کو تامل نہیں ہوسکتا اور جاہلوں میں سب کو نہیں کسی کو، اور وہ بھی یقیناً نہیں امکاناً یعنی دل سے نہ کہنے کی حالت میں احتمال ہے کہ شاید کوئی جاہل اس کے کفر میں تامل کرے اور دل سے کہے تو اتنا احتمال بھی نہیں۔

دوسری شق یہ کہ آریہ کو دھوکا دینے کے لیے استعمال کیے، دل سے ان کلمات ملعونہ کو پسند نہیں کرتا یہی وہ عذر ہے جو وہ اب بیان کرتے ہیں، ان کے بیان سے پہلے ہی فتوے میں اس کا رد موجود ہے کہ: دھوکے کا عذر محض جھوٹ اور باطل ہے" جب اس کے ساتھ وہ جملے ملحق تھے جن کے جواب سے آریہ عاجز ہیں تو وہ ایسے پاگل نہیں کہ اپنی موت انھیں نہ سوجھے اور کرے حملے کرنے والے کو سمجھ لیں کہ واقعی یہ دل سے وید کا عاشق اور ویدک دھرم کے لیے بے چین اور آریہ ہونے کو عزت و فخر و سرفرازی جاننے والا ہے۔ آخر نہ دیکھا کہ انھوں نے ایک نہ سنی اور عاشق بے چین کو عزت و فخر و سرفرازی سے محروم رکھا اگر وہ ذرا بھی دھوکا کھاتے تو ایسے شخص کو جو عوام میں عالم مشہور اور دھڑلے کا واعظ اور اتنے اونچے عالی اعلی خاندان سے اور سو روپے ماہوار کی جائداد بھی دکھائے، شہد پر مکھیوں کی طرح گرتے لپٹتے، پیان پوجتے، ڈنڈوت (سجدہ، آداب، ماتھا ٹیکنا۔ فیروز اللغات۔ خالد ۱۲) کرتے، کندھوں پر چڑھا کر سربازار باجا بجاتے، گروکل لے جاتے اور اسی مضمون کا لکچر دلواتے مگر انھوں نے منہ بھی نہ لگایا، ایمان بھی گیا اور دھوکا بھی نہ ہوا۔ حقیقۃً ابلیس لعین نے

اسے دھوکا دے کر ایمان لے لیا، کافر تو اس کے دھوکے میں نہ آئے مگر یہ اس کافر ملعون ابد کے دھوکے میں آگیا، اور بفرض غلط اگر اس میں آریہ کو دھوکا ہوتا بھی تو دھوکا دینا کیا ایسا ضرور ہے جس کے سبب کھلے کفر بکے:

وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ. (القرآن الکریم ۱۸/ ۲۹)

(اور فرمادو کہ حق تمھارے رب کی طرف سے ہے، تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔)

کیا بلا ضرورت باختیار خود کفر بکنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا؟ جب کہ دل سے نہ ہو، اس دل سے نہ ہونے کا عذر منافقین پیش کر چکے اور اس پر واحد قہار سے فتوائے کفر پا چکے:

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ. (القرآن الکریم ۹/ ۶۵ و ۶۶)

(اور اے محبوب! اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی ہنسی کھیل میں تھے، تم فرماؤ کیا اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو؟ بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر۔)

یہیں سے رضامندی نہ ہونے کا بھی جواب واضح ہو گیا کہ ہزل استہزا میں بھی رضا بالحکم نہیں ہوتی ورنہ جد ہو، نہ ہزل۔

ردالمحتار میں ہازل کی نسبت ہے:-إنه تكلم بالسبب قصدا فيلزمه حكمه وان لم يرض به. (ردالمحتار کتاب الطلاق ۲/ ۴۲۵)

(اس نے قصداً سبب کا تکلم کیا لہٰذا اس پر حکم لازم ہوگا اگر چہ وہ اس سے راضی نہ تھا۔)

اور بفرض غلط اگر دھوکا دینا ضرور بھی ہو تو ہر ضرورت کفر سے نہیں بچاتی۔ یوں تو جو ننگے بھوکے پیٹ کی خاطر عیسائی ہو جاتے ہیں انھیں بھی کہیے کافر نہ ہوئے کہ بضرورت کفر اختیار کیا۔ یہاں وہ ضرورت معتبر ہے کہ حد اکراہ شرعی تک پہنچی اور یہ بداہتہً ظاہر کہ دھوکا دینا ضروری بھی سہی تاہم حد اکراہ تک تو کسی طرح نہیں پہنچ سکتا، کیا قائل اگر یہ دھوکا نہ دیتا تو کوئی اسے قتل کر دیتا، یا ہاتھ پاؤں کاٹ دیتا یا آنکھیں پھوڑ دیتا؟ کچھ بھی نہ ہوتا، اس کے ایک رونگٹے کو بھی ضرر نہ پہنچتا تو یقیناً اس نے بلا اکراہ وہ کلمات کفر بکے اور واحد قہار عز جلالہ نے کلمہ کفر بکنے میں کافر ہونے سے صرف مبتلائے اکراہ کا استثنا فرمایا ہے کہ ارشاد فرماتا ہے: اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ. (القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۶)

(سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو۔)

یہاں اکراہ درکنار، ایک رونگٹے کو بھی کچھ نقصان نہ پہنچتا تھا ایک دھیلا بھی گرہ سے نہ جاتا تھا اور بکے

وہ کلمات کہ مجرد علامت کفر نہیں، بلکہ حقیقۃً خود کفر خالص ہیں۔ تو قطعا دل کھول کر کفر بکنا ہوا اور یقینا بنصِّ قطعی قرآن کفر ہے، ولہذا جو بلا اکراہ کلمہ کفر بکے بلا فرق نیت مطلقا قطعا یقینا اجماعا کافر ہے، عورت اس کی نکاح سے فوراً نکل جاتی ہے، جب تک از سر نو اسلام نہ لائے اور اپنے کلمات ملعونہ سے براءت وتوبۂ صادقہ نہ کرے ہر گز اس سے نکاح نہیں ہو سکتا اور اگر اسلام لے آئے، توبہ کرے اور پھر نکاح سابق کی بنا پر عورت کو زوجہ بنائے تو قطعا زنائے خالص ہے، فتاویٰ امام قاضی خاں وفتاویٰ عالمگیری میں ہے: رجل كفر بلسانه طائعا وقلبه مطمئن بالإيمان يكون كافرا ولايكون عند الله تعالىٰ مومنا.

(فتاویٰ ہندیۃ، باب المرتد ۲/۲۸۳)

(ایک شخص نے زبان سے حالت خوشی میں کفر کا اظہار کیا حالاں کہ اس کا دل ایمان پر تھا تو وہ کافر ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مومن نہیں ہے۔)

حاوی میں ہے: من كفر باللسان وقلبه مطمئن بالايمان فهو كافر وليس بمومن عندالله تعالىٰ. (حاوی) (جس نے زبان سے کفر کیا حالاں کہ دل ایمان پر تھا تو وہ کافر ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی مومن نہیں۔)

جواہر الاخلاطی اور مجمع الانہر میں ہے: من كفر بلسانه طائعا وقلبه مطمئن بالايمان كان كافرا عندنا وعندالله تعالى۔ (مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر، باب المرتد، ۱/۶۸۸)

(جس نے زبان سے حالت خوشی میں کفر کا اظہار کیا حالاں کہ اس کا دل ایمان پر تھا تو وہ کافر اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی مومن نہیں۔)

شرح فقہ اکبر میں ہے: اللسان ترجمان الجنان فيكون دليل التصديق وجودا وعدما فإذا بدله بغيره في وقت يكون متمكنا من إظهاره كان كافرا وأما إذا زال تمكنه من الإظهار بالإكراه لم يصر كافرا.

(منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر، باب: الایمان ھو الاقرار والتصدیق، ص: ۸۶)

(زبان دل کی ترجمان ہے تو یہ دل کی تصدیق یا عدم تصدیق پر دلیل ہوگی تو جب وہ اظہار ایمان پر قدرت کے باوجود عدم تصدیق کا اظہار کرتا ہے تو وہ کافر ہو گیا البتہ جب کسی جبر کی وجہ سے اظہار پر قدرت نہ ہو تو اب کافر نہ ہوگا۔)

طریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ میں ہے: حكمه أي التكلم بكلمة الكفر إن كان طوعا أي لم

يكرهه أحد من غير سبق لسان إليه، احباط العمل وانفساخ النكاح.

(الحدیقۃ الندیۃ، باب: کلمۃ الکفر، ۲/۹۸۔ ۱۹۷)

(اگر کلمہ کفر کا تکلم خوشی سے ہے یعنی کسی چیز کا اکراہ و جبر نہیں جبکہ سبقت لسانی نہ ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ عمل ضائع اور نکاح ختم ہو جائے گا۔)

یہ شرح ہے میرے ان الفاظ کی: کہیے اس میں کون سی ان کے لیے مفر ہے؟ ہاں! اللہ مجھے معاف کرے اتنا قصور ضرور ہوا کہ لہجہ نرم تھا جس کے سبب گنجائش کا وہم گزرا، وہ بے عقل یہاں سے سبق لیں جو سختی سختی پکارتے ہیں۔ زمانہ کی حالت یہ ہے کہ ذرا نرم لفظوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ ایک بات اور بھی قابل گزارش ہے کہ حدیث میں ارشاد فرمایا:

إذا عملت سيئة فاحدث عندها توبة السر بالسر والعلانية بالعلانية رواه الطبراني في الكبير عن معاذ بن جبل رضي الله تعالىٰ عنه بسند حسن.

(المعجم الکبیر، حدیث ۲۰، ۱۵۹/۳۳۱۔۔۔ کنز العمال، حدیث ۴، ۲۰۹/۱۵۱۸۰)

(اگر کوئی برائی کر بیٹھو تو اس سے توبہ کرو، مخفی گناہ پر مخفی اور اعلانیہ گناہ پر اعلانیہ توبہ کرو (امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں اسے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند حسن روایت کیا۔)

علانیہ گناہ کی علانیہ توبہ کا حکم ہے اور انھوں نے اس کا یہاں تک اعلان کیا کہ اخبار میں شائع کرایا۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ والسلام۔ (الفتاوی الرضویہ، جلد ۱۴، کتاب السیر)

باشعور اور بلند فکر قارئین کے لیے یہ اقتباس قابل غور بھی ہے، قابل فکر بھی۔ قابل تقلید بھی ہے، قابل تعریف بھی۔ قابل عبرت بھی ہے اور قابل تبلیغ بھی۔ اور یہ سب اس لیے کہ یہ کسی خلوت گزیں صوفی یا صحرا نورد مبلغ کے جملے نہیں ہیں جن پر کچھ تعجب نہ ہو بلکہ علم و فن اور کتابوں کی دنیا میں گم رہنے والے ایک بوریا نشیں فقیہ کے کلمات ہیں۔ اگر دیدہ بینا اور عقل رسا کی بات مانی جائے تو سچائی یہ ہے کہ تقوی اسی کا نام ہے، فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں: ”ہاں! اللہ مجھے معاف کرے اتنا قصور ضرور ہوا کہ لہجہ نرم تھا جس کے سبب گنجائش کا وہم گزرا، وہ بے عقل یہاں سے سبق لیں جو سختی سختی پکارتے ہیں۔ زمانہ کی حالت یہ ہے کہ ذرا نرم لفظوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے“۔

آریوں کے لیکچر سننے والوں کو دل پذیر نصیحتیں اور ان کے اوہام کا شافی ازالہ:

جیسا کہ اوپر بھی بیان ہوا کہ حضرت امام کی عادت کریمہ ہے موقع کی مناسبت سے کسی بھی قسم کے افادہ و افاضہ سے رُکتے نہیں۔ اور گاہے گاہے آپ کے یہ افادات و افاضات اس قدر اہم ہوا کرتے ہیں کہ اپنی مثال آپ ہوتے ہیں۔ انھیں میں سے ایک نہایت بیش قمیت افادہ، عام اوہام کا شافی ازالہ اور مسلمانوں کی کم زور رگ کی صحیح اور برمحل نباضی کا ایک حسین شاہ کار آپ کے کے یہ کلمات حکمت و موعظت ہیں۔

طہارت میں وسوسوں کے متعلق بحث کرتے ہوئے آریوں کی تقریروں اور محفلوں میں شریک ہونے والوں کو نہایت دل کش اور مکمل اخلاص کے ساتھ کیا خوب نصیحت فرماتے ہیں:

"تنبیہ: ضروری، سخت ضروری، اشد ضروری

(فائدہ: ضروری، ضروری، سخت ضروری: آریوں، پادریوں وغیرہم کے لکچر، ندائیں سننے کو جانے سے قرآن عظیم سخت ممانعت فرماتا ہے۔ ۱۲)

اقول: ہمارے حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جوامع الکلم عطا فرمائے گئے مختصر لفظ فرمائیں اور معانی کثیرہ پر مشتمل ہوں۔

شیطان دو قسم ہیں: شیاطین الجن کہ ابلیس لعین اور اس کی اولاد ملاعین ہیں۔ اعاذ ناالله تعالى والمسلمين من شرهم وشر الشياطين اجمعين.

دوسرے شیاطین الانس کہ کفار و مبتدعین کے داعی و منادی ہیں:

لعنهم الله وخذلهم أبدا ونصرنا عليهم نصرا أبدا. آمين بجاه سيد المرسلين، صلى الله تعالى عليه وعليهم أجمعين. امين.

ہمارا رب عزوجل فرماتا ہے:

وكذلك جعلنا لكل نبي عدوا شيطين الإنس والجن يوحي بعضهم إلى بعض زخرف القول غرورا. (القرآن ۶/۱۱۲)

یوں ہی ہم نے ہر نبی کا دشمن کیا شیطان آدمیوں اور شیطان جنوں کو کہ آپس میں ایک دوسرے کے دل میں بناوٹ کی بات ڈالتے ہیں دھوکا دینے کے لیے۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اللہ کی پناہ مانگ شیطان

آدمیوں اور شیطان جنوں کے شر سے۔ عرض کی: کیا آدمیوں میں بھی شیطان ہیں؟ فرمایا: ہاں۔ رواه أحمد وابن أبي حاتم والطبراني عن أبي أمامة وأحمد وابن مردويه والبيهقي في الشعب عن أبي ذر رضي الله تعالىٰ عنهما. (مسند احمد بن حنبل عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ،۵/۱۷۸ و ۲۶۵۔۔۔ الدر المنثور بحوالہ احمد وابن ابی حاتم وغیرھا تحت الآیہ ۶/ ۱۱۲، ۳/ ۳۰۷ و۳۰۸)

ائمہ دین فرمایا کرتے کہ شیطان آدمی شیطان جن سے سخت تر ہوتا ہے۔ رواه ابن جرير عن عبدالرحمٰن بن زيد.

اقول:۔ آیت کریمہ میں شیاطین الانس کی تقدیم بھی اس طرف مشیر۔

اس حدیث کریم نے کہ: ”جب شیطان وسوسہ ڈالے اتنا کہہ کر الگ ہو جاؤ کہ تُو جھوٹا ہے“۔ دونوں قسم کے شیطانوں کا علاج فرما دیا، شیطان آدمی ہو خواہ جن، اُس کا قابو اُسی وقت چلتا ہے جب اُس کی سُنئے۔ اور تنکا توڑ کر ہاتھ پر دھر دیجیے کہ تُو جھوٹا ہے تو خبیث اپنا سا منہ لے کر رہ جاتا ہے۔ آج کل ہمارے عوام بھائیوں کی سخت جہالت یہ ہے کہ کسی آریہ نے اشتہار دیا کہ اسلام کے فلاں مضمون کے رد میں فلاں وقت لیکچر دیا جائے گا یہ سُننے کے لیے دوڑے جاتے ہیں۔ کسی پادری نے اعلان کیا کہ نصرانیت کے فلاں مضمون کے ثبوت میں فلاں وقت ندا ہوگی، یہ سننے کے لیے دوڑے جاتے ہیں۔

بھائیو! تم اپنے نفع نقصان کو زیادہ جانتے ہو یا تمھارا رب عزّوجل؟ تمھارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم تو یہ ہے کہ شیطان تمھارے پاس وسوسہ ڈالنے آئے تو سیدھا جواب یہ دے دو کہ تو جھوٹا ہے، نہ یہ کہ تم آپ دوڑ دوڑ کے اُن کے پاس جاؤ اور اپنے رب جل وعلا، اپنے قرآن، اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں کلمات ملعونہ سُنو۔

اقول:۔ یہ آیت جو ابھی تلاوت ہوئی اسی کا تتمہ اور اس کے متّصل کی آیات کریمہ تلاوت کرتے جاؤ دیکھو قرآن عظیم تمھاری اس حرکت کی کیسی کیسی شناعتیں بتاتا اور اُن ناپاک لکچروں نداؤں کی نسبت تمھیں کیا کیا ہدایت فرماتا ہے، آیت کریمہ مذکورہ کے تتمہ میں ارشاد ہوتا ہے: وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝۱۳۷. (القرآن ۶/ ۱۱۲)

(اور تیرا رب چاہتا تو وہ یہ دھوکے بناوٹ کی باتیں نہ بناتے پھرتے تو تو انھیں اور اُن کے بہتانوں کو یک لخت چھوڑ دے۔)

دیکھو! انھیں اور اُن کی باتوں کو چھوڑنے کا حکم فرمایا یا اُن کے پاس سُننے کے لئے دوڑنے کا۔ اور سُنیے! اس کے بعد کی آیت میں فرماتا ہے: وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا

مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾. (القرآن ۶/۱۱۳)

(اور اس لیے کہ اُن کے دل اس کی طرف کان لگائیں جنھیں آخرت پر ایمان نہیں اور اُسے پسند کریں اور جو کچھ ناپاکیاں وہ کررہے ہیں یہ بھی کرنے لگیں۔)

دیکھو! اُن کی باتوں کی طرف کان لگانا، اُن کا کام بتایا جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اس کا نتیجہ یہ فرمایا کہ وہ ملعون باتیں ان پر اثر کرجائیں اور یہ بھی اُن جیسے ہوجائیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ لوگ اپنی جہالت سے گمان کرتے ہیں کہ ہم اپنے دل سے مسلمان ہیں ہم پر اُن کا کیا اثر ہوگا حالاں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: من سمع بالدجال فلينأمنه فوالله إن الرجل ليأتيه وهو يحسب أنه مؤمن فيتبعه مما يبعث به من الشبهات . رواه أبوداؤد عن عمران بن حصين رضي الله تعالى عنه و عن الصحابة جميعا. (سنن ابی داوٗد، کتاب الملاحم، باب: خروج الدجال، ۲/۲۳۷)

جو دجال کی خبر سُنے اُس پر واجب ہے کہ اُس سے دُور بھاگے کہ خدا کی قسم آدمی اس کے پاس جائے گا اور یہ خیال کرے گا کہ میں تو مسلمان ہوں یعنی مجھے اس سے کیا نقصان پہنچے گا، وہاں اس کے دھوکوں میں پڑکر اس کا پیرو ہوجائے گا (اسے ابوداوٗد نے عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام صحابہ سے روایت کیا۔)

کیا دجال ایک اُسی دجال اخبث کو سمجھتے ہو جو آنے والا ہے؟ حاشا! تمام گمراہوں کے داعی منادی سب دجال ہیں اور سب سے دُور بھاگنے ہی کا حکم فرمایا اور اُس میں یہی اندیشہ بتایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: يكون في أخر الزمان دجّالون كذّابون ياتونكم من الأحاديث بمالم تسمعوا أنتم ولا اٰباؤكم فإياكم وإياهم لايضلّونكم ولا يفتنونكم. (صحیح مسلم، باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ، ۱/۱۰)

ترجمہ:۔ آخر زمانے میں دجّال کذّاب لوگ ہوں گے کہ وہ باتیں تمھارے پاس لائیں گے جو نہ تم نے سنیں نہ تمھارے باپ دادا نے، تو ان سے دور رہو اور انھیں اپنے سے دور رکھو، کہیں وہ تمھیں گمراہ نہ کردیں، کہیں تمھیں فتنہ میں نہ ڈال دیں (اسے مسلم نے ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔)

اور سنیے اس کے بعد کی آیات میں فرماتا ہے:

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا

الظَّنَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعۡلَمُ مَنۡ يَّضِلُّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ ۝

(القرآن ۶/۱۱۴ - ۱۱۷)

تو کیا اللہ کے سوا کوئی اور فیصلہ کرنے والا ڈھونڈوں حالاں کہ اُس نے مفصل کتاب تمھاری طرف اُتاری اور اہلِ کتاب خوب جانتے ہیں کہ وہ تیرے رب کے پاس سے حق کے ساتھ اُتری تو خبر دار تو شک نہ کرنا اور تیرے رب کی بات سچ اور انصاف میں کامل ہے کوئی اُس کی باتوں کا بدلنے والا نہیں اور وہ شنوا و دانا ہے اور زمین والوں میں زیادہ وہ ہیں کہ تو ان کی پیروی کرے تو وہ تجھے خدا کی راہ سے بہکا دیں، وہ تو گمان کے پیرو ہیں اور نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں، بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بہکے گا اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو۔

یہ تمام آیات کریمہ انہیں مطالب کے سلسلۂ بیان میں ہیں گویا ارشاد ہوتا ہے تم جو اُن شیطان آدمیوں کی باتیں سُننے جاؤ کیا تمھیں یہ تلاش ہے کہ دیکھیں اس مذہبی اختلاف میں یہ لکچرار یا یہ منادی کیا فیصلہ کرتا ہے۔ ارے خدا سے بہتر فیصلہ کس کا! اُس نے مفصل کتاب قرآن عظیم تمھیں عطا فرمادی، اُس کے بعد تم کو کسی لکچر، ندا کی کیا حاجت ہے؟ لکچر والے جو کسی کتاب دینی کا نام نہیں لیتے، کس گنتی شمار میں ہیں! یہ کتاب والے دل میں خوب جانتے ہیں کہ قرآن حق ہے، تعصب کی پٹی آنکھوں پر بندھی ہے کہ ہٹ دھرمی سے مکرے جاتے ہیں، تو تجھے کیوں شک پیدا ہو کہ اُن کی سُننا چاہے، تیرے رب کا کلام صدق و عدل میں بھرپور ہے، کل تک جو اُس پر تجھے کامل یقین تھا، آج کیا اُس میں فرق آیا کہ اُس پر اعتراض سننا چاہتا ہے، کیا خدا کی باتیں کوئی بدل سکتا ہے، یہ نہ سمجھنا کہ میرا کوئی مقال، کوئی خیال خدا سے چھُپ رہے گا، وہ سنتا جانتا ہے، دیکھ اگر تُو نے اُن کی سنی تو وہ تجھے خدا کی راہ سے بہکا دیں گے، کیا یہ خیال کرتا ہے کہ ان کا علم دیکھوں کہاں تک ہے، یہ کیا کہتے ہیں، ارے! اُن کے پاس علم کہاں، وہ تو اپنے اوہام کے پیچھے لگے ہوئے اور نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں، جن کا تھل نہ بیڑا، جب اللہ واحد قہار کی گواہی ہے کہ اُن کے پاس نری مہمل اٹکلوں کے سوا کچھ نہیں تو اُن کو سُننے کے کیا معنی؟ سننے سے پہلے وہی کہہ دے جو تیرے نبی ﷺ نے تعلیم فرمایا کہ "کذبت" شیطان تو جھوٹا ہے، اور اس گھمنڈ میں نہ رہنا کہ مجھ کو کیا گمراہ کریں گے، میں تو راہ پر ہوں، تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اُس کی راہ سے بہکے گا اور کون راہ پر ہے۔ تو پورا راہ پر ہوتا، بے راہوں کی سُننے ہی کیوں جاتا؟ حالاں کہ تیرا رب فرما چکا: فَذَرۡهُمۡ وَمَا يَفۡتَرُوۡنَ ۝ . (القرآن ۶/۱۱۲)

چھوڑ دے اُنھیں اور اُن کے بہتانوں کو۔

تیرے نبی ﷺ فرما چکے ایاکم و ایاھم۔ اُن سے دُور رہو اور ان کو اپنے سے دور کرو، کہیں وہ تم کو بہکا نہ دیں، کہیں وہ تم کو فتنے میں نہ ڈال دیں۔ (صحیح مسلم: باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ، ۱/۱۰)

بھائیو! ایک سہل بات ہے اسے غور فرمالو۔ تم اپنے رب جل و علا، اپنے قرآن، اپنے نبی ﷺ پر سچّا ایمان رکھتے ہو یا معاذ اللہ کچھ شک ہے؟ جسے شک ہو، اسے اسلام سے کیا علاقہ؟ وہ ناحق اپنے آپ کو مسلمان کہہ کر مسلمانوں کو کیوں بدنام کرے۔ اور اگر سچا ایمان ہے تو اب یہ فرمائیے کہ ان کے لکچروں نداؤں میں آپ کے رب و قرآن و نبی (جل و علا و ﷺ) و ایمان کی تعریف ہوگی یا مذمت؟ ظاہر ہے کہ دوسری ہی صورت ہوگی اور اسی لیے تم کو بلاتے ہیں کہ تمھارے منہ پر تمھارے خدا و نبی (جل و علا و ﷺ) و قرآن و دین کی توہین و تکذیب کریں۔

اب ذرا غور کر لیجیے! ایک شریر نے زید کے نام اشتہار دیا کہ فلاں وقت، فلاں مقام پر میں بیان کروں گا کہ تیرا باپ ولد الحرام اور تیری ماں زانیہ تھی۔ للہ انصاف۔ کیا کوئی غیرت والا، حمیت والا، انسانیت والا جبکہ اُسے اس بیان سے روک دینے باز رکھنے پر قادر نہ ہو اُسے سُننے جائے گا؟ حاشا اللہ، کسی بھنگی، چمار سے بھی یہ نہ ہو سکے گا، پھر ایمان کے دل پر ہاتھ رکھ دیکھو کہ اللہ و رسول (جل و علا و ﷺ) و قرآن عظیم کی توہین، تکذیب، مذمّت سخت تر ہے یا ماں باپ کی گالی؟ ایمان رکھتے ہو تو اُسے اس سے کچھ نسبت نہ جانو گے۔ پھر کون سے کلیجے سے اُن جگر شگاف ناپاک ملعون بہتانوں، افتراؤں، شیطانی اٹکلوں، ڈھکوسلوں کو سُننے جاتے ہو بلکہ حقیقۃً (ف۔ اللہ و رسول (جل و علا و ﷺ) و قرآن عظیم کی جتنی توہین آریہ و پادری اپنے لیکچروں میں کرتے ہیں ان سب کا وبال شرعا ان پر ہے جو سننے جاتے، ایسے جلسوں میں شریک ہوتے ہیں۔)— انصافاً وہ جو کچھ بکتے اور اللہ و رسول (جل و علا و ﷺ) و قرآن عظیم کی تحقیر کرتے ہیں ان سب کے باعث یہ سننے والے ہیں، اگر مسلمان اپنا ایمان سنبھالیں اپنے رب و قرآن و رسول کی عزت، عظمت پیش نظر رکھیں اور ایکا کرلیں کہ وہ خبیث لکچر، گندی ندائیں سننے کوئی نہ جائے گا، جو وہاں موجود ہو وہ بھی فوراً وہی مبارک ارشاد کا کلمہ کہہ کر: تو جھوٹا ہے'' چلا جائے گا تو کیا وہ دیواروں، پتھّروں سے اپنا سر پھوڑیں گے؟ تو تم سُن سُن کر کہلواتے ہو، نہ تُم سنو نہ وہ کہیں، پھر انصاف کیجیے کہ اُس کہنے کا وبال کس پر ہوا۔

علما فرماتے ہیں ہٹّے کٹّے جوان تندرست جو بھیک مانگنے کے عادی ہوتے اور اسی کو اپنا پیشہ کر لیتے ہیں انھیں دینا ناجائز ہے کہ اس میں گناہ پر شہ دینی ہے، لوگ نہ دیں تو جھک ماریں اور محنت مزدوری کریں۔

بھائیو! جب اس میں گناہ کی امداد ہے تو اس میں تو کفر کی مدد ہے و العیاذ باللہ تعالیٰ.

قرآن عظیم: (فائدہ:ـــ دیکھو قرآن فرماتا ہے: ہاں! تمھارا رب رحمٰن فرماتا ہے جو ایسے جلسوں میں جائے، ایسی جگہ کھڑا ہو، وہ بھی انھیں کافروں آریوں پادریوں کی مثل ہے۔) کی نص قطعی نے ایسی جگہ سے فوراً ہٹ جانا فرض کر دیا اور وہاں ٹھہرنا فقط حرام ہی نہ فرمایا بلکہ سُنو تو کیا ارشاد کیا۔

رب عزوجل فرماتا ہے: وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۙ﴿۱۴۰﴾ (القرآن الکریم ۴/۱۴۰)

یعنی بے شک اللہ تم پر قرآن میں حکم اتار چکا کہ جب تم سُنو کہ خدا کی آیتوں سے انکار ہوتا اور اُن کی ہنسی کی جاتی ہے تو ان لوگوں کے پاس نہ بیٹھو جب تک وہ اور باتوں میں مشغول نہ ہوں اور تم نے نہ مانا اور جس وقت وہ آیات اللہ پر اعتراض کر رہے ہیں وہاں بیٹھے تو جب تم بھی انھیں جیسے ہو بیشک اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں اکٹھا کرے گا۔

آہ، آہ! حرام تو ہر گناہ ہے یہاں تو اللہ واحد قہار یہ فرما رہا ہے کہ وہاں ٹھہرے تو تم بھی انھیں جیسے ہو۔

مسلمانو! کیا قرآن عظیم کی یہ آیات تم نے منسوخ کر دیں یا اللہ عزوجل کی اس سخت وعید کو سچّا نہ سمجھے یا کافروں جیسا ہونا قبول کر لیا؟ اور جب کچھ نہیں تو اُن جمگھٹوں کے کیا معنی ہیں، جو آریوں، پادریوں کے لکچروں، نداؤں پر ہوتے ہیں؟ اُن جلسوں میں شرکت کیوں ہے، جو خدا و رسول (جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) و قرآن پر اعتراضوں کے لیے کیے جاتے ہیں؟ بھائیو! میں نہیں کہتا قرآن فرماتا ہے کہ: اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ. (القرآن الکریم ۴/۱۴۰) تم بھی ان ہی جیسے ہو۔

اُن لکچروں پر جمگھٹ والے، اُن جلسوں میں شرکت والے سب انھیں کافروں کے مثل ہیں وہ علانیہ بک کر کافر ہوئے، یہ زبان سے کلمہ پڑھیں اور دل میں خدا اور رسول (جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) و قرآن کی اتنی عزّت نہیں کہ جہاں اُن کی توہین ہوتی ہو وہاں سے بچیں تو یہ منافق ہوئے جب تو فرمایا کہ: اللہ انھیں اور انھیں سب کو جہنم میں اکٹھا کرے گا کہ یہاں تم لکچر دو اور تم سنو: ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾. (القرآن ۴۴/۴۹)

کھولتے پانی کا عذاب چکھ، ہاں ہاں تو ہی بڑا عزت والا، کرم والا ہے۔

الٰہی! اسلامی کلمہ پڑھنے والوں کی آنکھیں کھول: ولا حول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم. مسلمان اگر قرآن عظیم کی اس نصیحت پر عمل کریں تو ابھی ابھی دیکھیں کہ اعداء اللہ کے سب بازار

ٹھنڈے ہوئے جاتے ہیں، ملک میں ان کے شور وشر کا نشان نہ رہے گا، جہنم کے کُندے، شیطان کے بندے آپس ہی میں ٹکرا ٹکرا کر سر پھوڑیں گے۔ اللہ ورسول (جل وعلا و ﷺ) وقرآن عظیم کی توہینوں سے مسلمانوں کا کلیجا پکانا چھوڑیں گے۔ اور اپنے گھر بیٹھ کر بکے بھی تو مسلمانوں کے کان تو ٹھنڈے رہیں گے۔ اے رب میرے توفیق دے۔ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہٖ وصحبہ اجمعین.

خیر! بات دور پہنچی اور بحمد اللہ تعالیٰ بہت نافع وضرور تھی، کہنا یہ تھا کہ وسوسہ شیطان کا تیسرا علاج یہ ہے کہ خبیث تو جھُوٹا ہے امام ابو حازم کہ اجلّہ ائمہ تابعین سے ہیں، اُن کے پاس ایک شخص آکر شاکی ہوا کہ شیطان مجھے وسوسے میں ڈالتا ہے اور سب سے زیادہ سخت مجھ پر یہ گزرتا ہے کہ آکر کہتا ہے تو نے اپنی عورت کو طلاق دے دی امام نے فوراً فرمایا: کیا تو نے میرے پاس آکر، میرے سامنے اپنی عورت کو طلاق نہ دی وہ گھبرا کر بولا: خدا کی قسم میں نے کبھی آپ کے پاس اُسے طلاق نہ دی۔ فرمایا: جس طرح میرے آگے قسم کھائی شیطان سے کیوں نہیں قسم کھا کر کہتا کہ وہ تیرا پیچھا چھوڑے۔ أخرجه أبو بكر ابن أبي داؤد في كتاب الوسوسة. بحوالہ: آکام المرجان۔ بحوالہ: ابن ابی داؤد، الباب السابع والثمانون، ص ۱۶۵)

ترجمہ:۔ ابوبکر بن ابوداؤد نے اسے کتاب الوسوسہ میں بیان کیا۔ (الفتاوی الرضویہ، جلد ۲، کتاب الطہارۃ)

مفتی ہونا اور ہے اور "الدين النصيحة" کا عملی پیکر ہونا اور۔ لیکن قربان جائیں امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ پر، وہ جس میدان میں اترتے ہیں ایسا لگتا ہے جیسے وہ اسی میدان کے شہسوار ہوں۔ آپ جتنے بڑے فقیہ نظر آتے ہیں، اسی قدر حکمت ومصلحت، فہم ودانائی اور صحیح سمت میں مکمل قائدانہ اوصاف کے بھی حامل نظر آتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے آپ کو بیک وقت ہر میدان کا مرد بنایا تھا۔ ذرا! درج بالا نصیحت نما فتوی اور فتوی نما نصیحت کا ایک ایک لفظ دیکھیے اور غور کیجیے کہ کس قدر درد بھرا ہوا ہے اس انداز تحریر میں۔ کیا صورت حال ویسی ہی نظر نہیں آتی جیسی پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے متعلق بیان فرمائی ہے: میں تمھیں جہنم سے پکڑ پکڑ کر نکالنا چاہتا ہوں لیکن تم ہو کہ اس میں گرنا چاہتے ہو۔

امت کی یہ غیر معمولی خیر خواہی اور ملت اسلامیہ کی صلاح وفلاح سے متعلق یہ انتہائی درد بھرے جذبات آخر ہر کسی کے مقدر کا حصہ تو نہیں ہوتے۔ یقیناً اس درد کے لیے کچھ مخصوص دل ہی خاص ہوتے ہیں۔ ہمارے قارئین کو چاہیے کہ کم سے کم ایک مرتبہ وہ اس پورے اقتباس کو پڑھیں، ان شاء اللہ تعالیٰ جہاں بہت کچھ سیکھنے کو ملے گا وہیں درد دل کا بے پناہ لطف بھی محسوس ہو گا۔

ایک آریہ پر انفرادی کوشش اور اس کا قبول اسلام:۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی زندگی کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ آپ آریوں کی تردید کے حوالے سے جتنے حساس تھے، ان کی ہدایت کے بھی اسی قدر خواہاں تھے۔ ویسے بھی ایک سچے مسلمان کے جذبۂ تبلیغ پر شک نہیں کیا جاسکتا، حضرت امام علیہ الرحمہ کی تو بات ہی جدا تھی۔

''مولانا سید ایوب علی علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ قبلِ ظہر حضرت استاذ العلماء مولانا مولوی حکیم نعیم الدین مرادآبادی و حضرت مولانا مولوی رحم الٰہی (مدرس مدرسہ منظر الاسلام بریلی) رحمھما اللہ تعالیٰ اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت الشاہ مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے کہ ایک آریہ (یعنی ہندو) آیا اور کہنے لگا: میرے چند سوالات ہیں، اگر ان کے جوابات دے دیے گئے تو میں اور میری بیوی بچے سب مسلمان ہوجائیں گے''۔چوں کہ اذان ہوچکی تھی، نہ معلوم اس کے جوابات میں کتنا وقت صرف ہوگا؟ یہ سوچ کر اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا: ہماری نماز کا وقت ہے، ٹھہر جاؤ، اس کے بعد جو سوال کروگے ان شاء اللہ تعالیٰ جواب دیا جائے گا''۔وہ کہنے لگا: ایک سوال تو یہی ہے کہ آپ کے یہاں عبادت کے پانچ وقت کیوں مقرر ہیں؟ پرمیشور کی عبادت جتنی بھی کی جائے اچھا ہے''۔مولانا نعیم الدین علیہ الرحمہ نے فرمایا: یہ اعتراض تو خود تمھارے اوپر بھی وارد ہوتا ہے''۔مولانا رحم الٰہی علیہ الرحمہ نے فرمایا: میرے پاس (تمھارے مذہب کی کتاب)''ستیارتھ پرکاش'' مکان پر موجود ہے، ابھی منگوا کر دکھا سکتا ہوں''۔

الغرض! طے پایا کہ جب تک کتاب آئے، نماز پڑھ لی جائے، وہ آریہ اتنی دیر پھاٹک پر بیٹھا رہا۔ نماز کے بعد اس نے مندرجہ ذیل سوالات پیش کیے:

(۱) قرآن تھوڑا تھوڑا کیوں نازل ہوا؟ ایک دم کیوں نہ آیا جبکہ وہ خدا کا کلام ہے، خدا تو قادر تھا کہ ایک ساتھ اتار دیتا۔

(۲) آپ کے نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو معراج کی رات خدا نے بلایا تو پھر انھیں دنیا میں واپس کیوں کیا؟ وہ تو اسے محبوب تھے؟

(۳) عبادت پانچ وقت کے متعلق ''ستیارتھ پرکاش'' کی عبارت دیکھنا مشروط ہوئی۔

مذکورہ بالا سوالات سن کر اعلیٰ حضرت الشاہ مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمہ نے فرمایا: میں تمھارے سوالوں کے جواب ابھی دیتا ہوں، مگر تم نے جو وعدہ کیا ہے اس پر قائم رہو''۔اس نے کہا: ہاں! میں پھر

کہتا ہوں کہ اگر میرے سوالات کے جوابات آپ نے معقول دے دیے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا اور بیوی بچوں کو بھی لاکر مسلمان کرا دوں گا"۔ جب خوب قول و قرار اور پختہ وعدہ کرا لیا تو آپ نے فرمایا: پہلے سوال کا تو جواب یہ ہے کہ جو شے عین ضرورت کے وقت دستیاب ہوتی ہے، اس کی وقعت دل میں زیادہ ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو بتدریج (یعنی درجہ بدرجہ) نازل فرمایا"۔ پھر فرمایا: انسان بچہ کی صورت میں آتا ہے، پھر جوان ہوتا ہے، پھر بوڑھا۔ اللہ تعالیٰ تو قادر تھا بوڑھا ہی کیوں نہ پیدا فرمایا؟ پھر فرمایا: انسان کھیتی کرتا ہے، پہلے پودا نکلتا ہے، پھر کچھ عرصہ بعد اس میں بالی آتی ہے اس کے بعد دانہ برآمد ہوتا ہے۔ وہ تو قادر تھا، ایک دم غلہ کیوں نہ پیدا فرمایا؟۔ اس کے بعد" ستیارتھ پرکاش" آگئ جس میں حسبِ ذیل عبارتیں موجود تھیں:

باب تیسرا (تعلیم) پندرہواں ہیڈنگ: اگنی ہوتر (یعنی پوجا) صبح شام دو ہی وقت کرے"۔

باب چوتھا (خانہ داری) ۶۳/ ہیڈنگ: سندھیا (ہندوؤں کی صبح و شام کی عبادت) دو ہی وقت کرنا چاہیے"۔

ان عبارات کو سن کر اس آریہ کے لیے قائل ہونے کے سوا چارہ ہی کیا تھا؟ لہذا! اعتراف کرتے ہوئے معراج شریف والے سوال کا جواب چاہا۔ اس کی نسبت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا: اسے یوں سمجھو کہ ایک بادشاہ اپنے مملکت کے انتظام کے لیے ایک نائب مقرر کرتا ہے، وہ صوبہ دار یا نائب بادشاہ کے حسبِ منشا خدمات انجام دیتا ہے، بادشاہ اس کی کارگزاریوں سے خوش ہو کر اپنے پاس بلاتا ہے اور انعام و خلعتِ فاخرہ عطا فرماتا ہے نہ یہ کہ اسے بلا کر معطل کر دیتا ہے اور اپنے پاس روک لیتا ہے"۔ یہ سن کر اس نے کہا کہ: آپ نے میری پوری تشفی فرما دی اور میری سمجھ میں خوب آ گیا، میں ابھی جا کر بیوی اور بچوں کو لاتا ہوں اور خود مسلمان ہوتا ہوں، ان کو بھی مسلمان کراتا ہوں"۔

(انفرادی کوشش، المکتبۃ العلمیہ۔ بحوالہ: حیات اعلی حضرت، ص ۲۸۷)

اب تک کی تفصیلات و دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ در حقیقت حضرت امام موصوف علیہ الرحمہ ایک سچے عاشق رسول، بے حد متدین عالم دین اور نہایت غیرت مند مومن کامل تھے۔ اگر ایک طرف آپ کی رگ رگ میں مذہبیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی تو دوسری طرف لادینیت سے نفرت بھی غضب کی تھی۔ خود اپنا مقصد حیات دفاع دین قرار دیتے رہے اور واقعتاً زندگی کا لمحہ لمحہ اس بات کا شاہد نظر آتا ہے۔ جب خود امام کا مزاج اس قسم کا ہوگا تو دوسروں کو اسی مزاج کی تبلیغ بھی کریں گے۔

چنانچہ ایک موقع پر کئی سوالات کے ضمن میں ایک سوال یہ بھی ہوا:

''سوال:۔۔۔(۲) جن مقامات پر آریہ سماج حضرت رسول اللہ ﷺ سے اور روافض صحابہ عظام سے بدظنی پھیلاتے ہیں شبانہ روز درمے قدمے سخنے غرضیکہ ہرطرح سے بے حد کوشاں رہتے ہیں وہاں ہرامکانی طریقہ سے عوام کو حفظاً للعقائد ان حضرات کے مناقب اور محامد سے واقف کرنا مذہباً واجب ہوگا یا نہیں؟''

اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

''الجواب:۔۔۔(۲) ضرور واجب بلکہ اہم فرائض سے ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اذا سب اصحابی وظهرت الفتن اوقال البدع ولم يظهر العالم علمه فعليه لعنة الله والملئكة والناس اجمعين لايقبل الله منه صرفا وعدلا.

(کنزالعمال، حدیث ۱۱، ۵۴۳/۳۲۵۴۵۔و۔فیض القدیر، بحوالہ: الدیلمی، تحت حدیث ۷۵۱۔ ۴۰۲/۱)۔و۔الفردوس بماثور الخطاب، حدیث ۱۷۱، ۳۲۱/۱۲)

ترجمہ:۔جب میرے صحابہ کو برا کہا جائے اور فتنے یا فرمایا بدعتیں ظاہر ہوں اس وقت عالم اپنا علم ظاہر نہ کرے تو اس پر اللہ تعالی اور فرشتوں اور تمام آدمیوں سب کی لعنت ہے اللہ تعالی اس کا فرض قبول کرے، نہ نفل۔والعیاذ باللہ تعالی۔واللہ تعالی اعلم۔(الفتاوی الرضویہ، جلد ۲۳، مجالس ومحافل)

اگر امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمہ محض ایک مفتی ہوتے اور سچے عاشق رسول اور غیرت مند مومن کامل نہ ہوتے تو شاید یہ انداز تحریر نہ ہوتا اور نہ ہو پاتا کہ ایک طرف جہاں برمحل اور بلا تکلف آیات واحادیث سے استدلال کی قوت ہے تو دوسری طرف انداز بیان میں عجب درد، بڑی کشش، بے پناہ اپنائیت، انتہائی حسّاسیت، تحضیض اور نصیحت ہے۔بلاشبہ آپ پر اللہ رب العزت کا خصوصی فضل وکرم اور حضور سرور کائنات ﷺ کا بے پناہ فیضان نظر ہی کہا جاسکتا ہے کہ کیا علم وعمل اور کیا دیانت وتقوی۔کیا عقل ونظر اور کیا حکمت ومصلحت۔کیا ارشاد وتبلیغ اور کیا تحریر وتصنیف، آپ جس میدان میں بھی اُترتے ہیں یہ یقین کرنا مشکل ہوتا ہے کہ وہ میدان آپ کی قدیم اور پامال جولان گاہ نہیں ہے۔

الغرض! اعلی حضرت سیدنا امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی پوری زندگی شریعت پر عمل اور حسب موقع دین متین کے دفاع سے عبارت رہی ہے۔اس خصوص میں آپ نے جہاں دیگر بے شمار داخلی فتنوں کی سرکوبی کی ہے وہیں توحید کے نام پر اپنی جڑیں مضبوط کرنے والے فتنہ ساماں فرقہ آریہ کی بیخ کنی

میں بھی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور باوجودیکہ اس کام کی جولان گاہ حضرت امام کی عام مذہبی جولان گاہ سے بالکل جداگانہ تھی، کیوں کہ عام طور سے مسلمانوں کو ہندوؤں کے عقائد سے کوئی سروکار نہیں ہوتا اور عقائد کے سلسلے میں عموماً ان سے برسرپیکار ہونے کی نوبت بھی نہیں آتی۔ لیکن اسے حضرت امام کا کمال ہی کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے بفضلہ تعالیٰ کسی بھی طور پر یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ یہ آپ کے لیے کوئی نیا میدان ہے۔ جبکہ صورت حال یہ تھی کہ اس خبیث فرقے کی تردید کے لیے صرف قرآن و حدیث اور اسلامیات پر ہی گہری نظر کافی نہ تھی بلکہ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کا بھی وسیع اور گہرا مطالعہ ضروری تھا۔ پھر ان کی کتابوں میں بھی قسم قسم کے اختلافات، ان کے قسم قسم کے صحیفے، ہندی اور سنسکرت کی عجیب عجیب قسم کی اصطلاحات اور نہ جانے کیا کیا۔ لیکن شاید اسے علم لدنی اور علم وہبی کہنا بے جا نہ ہو کہ حضرت امام جب اس میدان میں آئے اور کار تردید شروع کیا تو کسی بھی مرحلے میں اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا کہ یہ آپ کی کوئی قدیم جولان گاہ نہیں ہے۔ بلکہ کمال بالائے کمال یہ کہ حضرت مولانا سید غلام قطب الدین برہمچاری جیسے اس میدان کے پرانے غازیوں نے بھی ضرورت پڑنے پر آپ کی طرف رجوع کیا۔ خیر! یہ ایک دعویٰ اور اجمال ہے جس کی کافی دلیلیں اور مکمل تفصیل ضرورت بھر مثالوں کے ساتھ اوپر گزر چکی ہیں۔

یقین کی حد تک امید ہے کہ زیر بحث موضوع کی مزید بہترین تفصیل آپ کے دونوں رسالوں: کیفر کفر آریہ اور پردہ در امرتسری'' میں دستیاب ہو، جو سوے اتفاق سے ہمیں کوشش کے باوجود میسر نہ ہو سکے۔ لیکن اسے بھی عجیب اتفاق کہنا چاہیے کہ خاص اسی مقصد سے تصنیف کردہ رسائل نہ مل پانے کے باوجود محض آپ کے فتاویٰ کے ذیلی مباحث اور خارجی اقتباسات سے بھی کافی مواد حاصل ہو گیا۔ اللہ رب العزت حضرت امام اہل سنت کی روح پر فتوح پر رحمتوں کی بھرن برسائے اور ہم سب عقیدت مندوں کو ان کے مشن کو فروغ دینے کی توفیق و طاقت مرحمت فرمائے۔ آمین۔